دینی و عصری تعلیمی اداروں کے لئے اسلامی تاریخ کا

مستند نصاب

جلد دوم

آئینہ تاریخِ امت

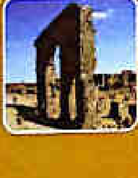
رنگین نقشوں کے ساتھ











بایماء

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

کاوش

مولانا محمد اسماعیل ریحان

المنہل پبلشرز
Manhal Publishers

دینی و عصری تعلیمی اداروں کے لیے اسلامی تاریخ کا
مُستند نِصاب

آئینہ تاریخِ اُمّت

جلد دوم

(پہلا ایڈیشن)

بایماء

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مُفتی محمد تقی عُثمانی صاحب دامت برکاتہم

کاوش

مولانا محمد اسماعیل ریحان

آئینہ تاریخِ امت

سن اشاعت ۱۴۴۶ھ - 2024ء

جلد دوم

(پہلا ایڈیشن)

کاوش

مولانا محمد اسماعیل ریحان

78222

ادارۃ النور

021-34914596, 0324-2855000

Idaratunnoor@gmail.com

0321-3135009

www.almanhalpublisher.com

almanhalpublisher@gmail.com

admin@almanhalpublisher.com

فہرستِ مضامین

یونٹ (2.13)

یونٹ (3.14)

مغلوں کا دورِ زوال

یونٹ (3.15)

یونٹ (3.16)

علامات ورموز اور حوالوں کی مراجعت کے لیے اِشارات

☆ م ...... متوفی۔متوفی (تاریخ وفات بیان کرنا مقصود ہے۔)[1]
☆ تر ...... ترجمہ (حالاتِ زندگی)
☆ ۱۲۲/۳ ...... جلد نمبر تین، صفحہ نمبر ۱۲۲ (نشان / کے دائیں طرف جلد نمبر، بائیں طرف صفحہ نمبر)
☆ ص ...... صفحہ نمبر ....
☆ ۴ص۳۰۰ ...... جلد نمبر چار، صفحہ نمبر تین سو (ص کے دائیں طرف جلد، بائیں طرف صفحہ)
☆ ح ...... حدیث نمبر، روایت نمبر
☆ ط ...... مطبع/ناشر
☆ ت ...... تحقیق (کتاب پر کس محقق نے تحقیق کی ہے۔)

تنبیہ ❶: بہت سے مقامات پر ایک ساتھ دو یا زائد کتب کے حوالے نقل کر دیے گئے ہیں۔ایسا عموماً اس بناء پر کیا گیا ہے کہ قارئین کو ان میں سے جو مأخذ دستیاب ہو، اس میں دیکھ لیں۔مگر بعض اوقات اس ضرورت کی بناء پر بھی متعدد مآخذ کا حوالہ ایک ساتھ دے دیا گیا ہے کہ واقعے کے اجزاء منتشر شکل میں کچھ ایک مأخذ میں ہیں اور کچھ دوسرے میں۔اس لیے مراجعت کے وقت تمام مآخذ کو دیکھا جائے۔

تنبیہ ❷: حوالوں کے لیے حتی الامکان کتب کے نئے، تحقیق شدہ اور مروج نسخوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔کتابوں کے مصنفین، مطابع اور سنِ اشاعت کی تفصیل "تاریخِ اُمتِ مُسلمہ" کی مختلف جلدوں کے آخر میں دی گئی کتابیات سے معلوم کی جاسکتی ہے۔قارئین اسی مطبع کے نسخے کو دیکھیں گے تو ان شاء اللہ فوراً اپنی مطلوبہ چیز پالیں گے۔مگر بعض اوقات ایک ہی مطبع کی کتاب کے نئے ایڈیشن میں دو چار صفحات کی کمی بیشی ہو جاتی ہے، لہٰذا قارئین کو محولہ صفحے پر مطلوبہ مواد نہ ملے تو دو چار صفحے آگے پیچھے بھی دیکھ لیں۔

تنبیہ ❸: اگر نسخوں کے فرق کی وجہ سے کوئی واقعہ محولہ جلد اور صفحے میں نہ ملے تو اکثر کتب تاریخ میں اسے سن ہجری کے تحت تلاش کیا جا سکتا ہے۔یا حکومتوں اور حکمرانوں کے تحت تلاش کر لیں۔ان شاء اللہ ناکامی نہیں ہوگی۔

تنبیہ ❹: اس ایڈیشن میں درہم و دینار کی قیمت ۲۸ نومبر ۲۰۲۳ء کے مطابق ہے یعنی:

☆ ایک درہم (3.4 گرام چاندی) = (2.72 امریکی ڈالر = (789) پاکستانی روپیہ

☆ ایک دینار (4.8 گرام سونا) = (310.90)) امریکی ڈالر = (90160) پاکستانی روپیہ

---

[1] اس لفظ کو "مُتَوَفِّی" اور "مُتَوَفَّی" (فا کے کسرہ یا فتحہ کے ساتھ) دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اس کتاب کی پہلی جلد میں ہم درجِ ذیل عنوانات کا مطالعہ کر چکے ہیں:

❶ سیرتِ نبویہ ❷ خلافتِ راشدہ ❸ خلافتِ بنواُمیہ سفیانی شاخ

❹ خلافتِ زبیریہ ❺ خلافت بنواُمیہ، مروانی شاخ ❻ خلافتِ عباسیہ بغداد

تاہم کچھ اہم مباحث پہلی جلد میں پیش نہیں کیے گئے تاکہ جلد کی ضخامت زیادہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ ''خلافتِ عباسیہ بغداد'' کی معاصر حکومتوں کا ذکر اس میں علیحدہ سے نہیں کیا گیا، جبکہ اس زمانے کی سیاست میں ان کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ نیز خلافتِ عباسیہ کی تہذیب وثقافت کا پہلو بھی تاریخ کے طلبہ کے لیے نہایت مفید ہے۔ اس کے علاوہ ہماری تاریخ پر صلیبی جنگوں اور تاتاریوں کے حملے کا بھی بڑا اثر رہا ہے۔ تاریخ کے ان ابواب سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

''مسلم اسپین'' بھی ہماری تاریخ کا نہایت اہم باب ہے جس میں ہمارے لیے عبرت کا کافی سامان ہے۔ اسی طرح ''اسلامی ہند'' سے واقف ہوئے بغیر ہمارا تاریخ کا سفر ادھورا رہے گا۔ چنانچہ اب جلد دوئم میں یہ تمام مباحث پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس جلد میں ''سلطنتِ عثمانیہ'' کا تذکرہ بھی ہے جو صلیبی جنگوں اور یورشِ تاتار کے بعد ایک بار پھر دنیائے اسلام کی سیاسی بالادستی اور سربلندی کا ذریعہ بنی۔ امید ہے کہ تاریخ کے یہ ابواب طلبہ کے لیے نہایت مفید، معلومات افزا اور سبق آموز ثابت ہوں گے۔ اللہ کرے کہ ہماری نئی نسل ماضی کے آئینے سے مستقبل کو سنوارنے کا سلیقہ سیکھے اور ایک نیا جہان آباد کرنے کے لیے پابہ رکاب ہو۔ آمین

محمد اسماعیل ریحان
۱۰ صفر ۱۴۴۵ھ
۲۸ اگست ۲۰۲۳ء
ادارہ علوم القرآن، خالق داد، تحصیل حسن ابدال

حصہ ثانی

خلافتِ عباسیہ سے متعلقہ اہم مباحث

تبویب

پہلا باب:

دولتِ عباسیہ بغداد کی معاصر ریاستیں

دوسرا باب:

عباسی دور میں باطل فرقوں کی حکومتیں

تیسرا باب:

عباسی دور اور صلیبی جنگیں

چوتھا باب:

عالمِ اسلام پر تاتاری یلغار اور سقوطِ بغداد

پانچواں باب:

مصر کی دولتِ ممالیک اور خلافتِ عباسیہ قاہرہ

چھٹا باب:

عباسی دور میں تہذیب وتمدن

پہلا باب

دولتِ عباسیہ بغداد کی معاصر ریاستیں

تعارف:

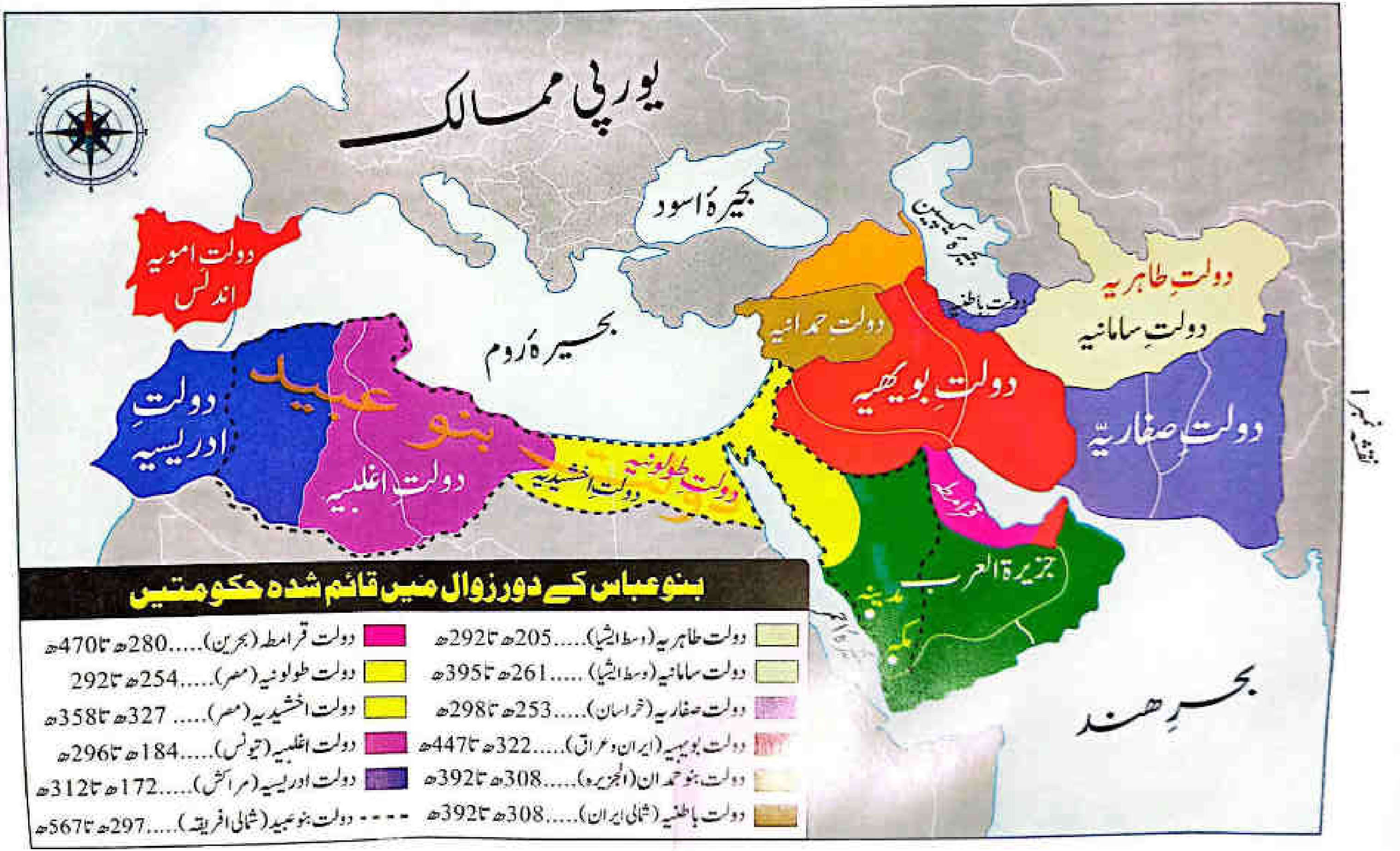
خلافتِ عباسیہ کے دورِ عروج میں مرکز سے آزاد حکومتوں کے قیام کا آغاز ہو گیا تھا اور خلافت کے دورِ زوال میں ایسی حکومتوں کے بننے اور مٹنے کا سلسلہ تیز ہو گیا۔ یہ باب ایسی اہم حکومتوں کے تعارف پر مبنی ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ یہ جان سکیں گے کہ:

1. عباسی خلافت کن کن اجزاء میں تحلیل ہوئی؟
2. عباسی دور کی اہم ریاستیں کہاں کہاں تھیں؟
3. اس دور کے اہم حکمران خانوادے کون کون سے تھے؟

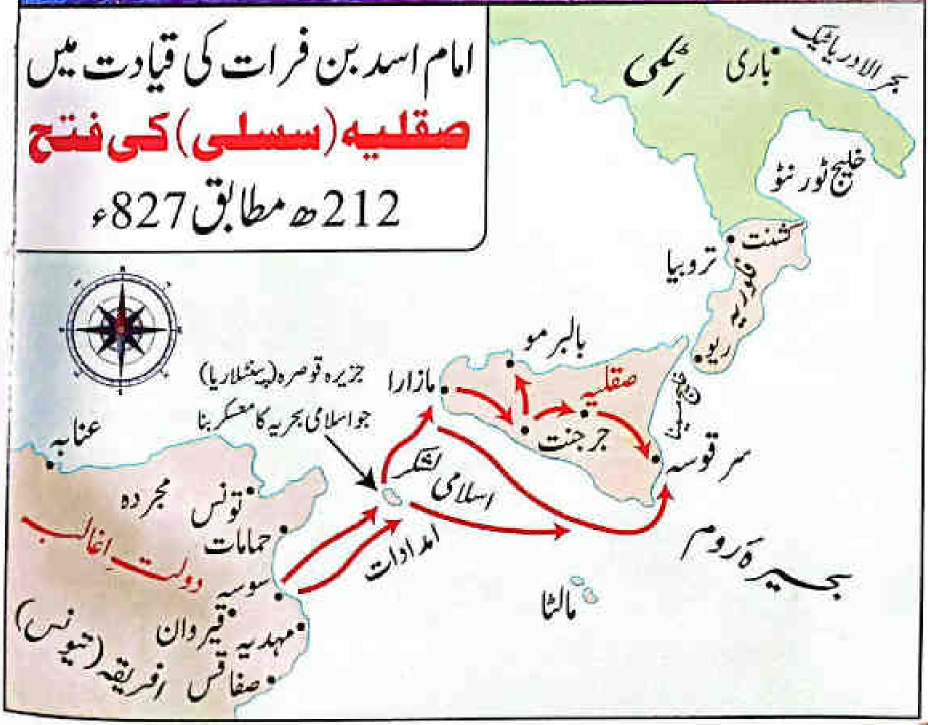
نقشہ نمبر۱


یورپی ممالک
بحیرۂ اسود
بحیرۂ کیسپین
بحیرۂ روم
بحرِ ھند
دولت امویہ اندلس
دولتِ ادریسیہ
بنو عبید
دولتِ اغلبیہ
دولتِ طولونیہ
دولتِ اخشیدیہ
دولت حمدانیہ
دولت باطنیہ
دولتِ بویھیہ
دولتِ طاہریہ
دولتِ سامانیہ
دولتِ صفاریہ
قرامطہ
جزیرۃ العرب
مدینہ
مکہ
بنوعباس کے دورزوال میں قائم شدہ حکومتیں
دولت طاہریہ (وسط ایشیا)..... 205ھ تا 292ھ
دولت سامانیہ (وسط ایشیا)..... 261ھ تا 395ھ
دولت صفاریہ (خراسان)..... 253ھ تا 298ھ
دولت بویہیہ (ایران و عراق)..... 322ھ تا 447ھ
دولت بنو حمدان (الجزیرہ)..... 308ھ تا 392ھ
دولت باطنیہ (شمالی ایران)..... 308ھ تا 392ھ
دولت قرامطہ (بحرین)..... 280ھ تا 470ھ
دولت طولونیہ (مصر)..... 254ھ تا 292
دولت اخشیدیہ (مصر)..... 327ھ تا 358ھ
دولت اغلبیہ (تیونس)..... 184ھ تا 296ھ
دولت ادریسیہ (مراکش)..... 172ھ تا 312ھ
دولت بنوعبید (شمالی افریقہ)..... 297ھ تا 567ھ

نقشہ نمبر2

بحیرہ روم کا مشہور جزیرہ صقلیہ (سسلی) جہاں مسلمانوں نے 270 سال تک حکومت کی۔





یونٹ: 2.11(A)

خلافت اور اس کے متوازی حکومتیں

خلافتِ بنواُمیہ کے سقوط تک عالم اسلام پر ایک ہی حکمران کی حکومت قائم رہی تھی مگر اس کے بعد جب بنوعباس کی حکومت آئی تو بیک وقت عالمِ اسلام میں تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا اور بیک وقت مختلف علاقوں پر الگ الگ حکومتیں نظر آنے لگیں۔ ان میں سے بعض کو خلافت، بعض کو سلطنت، بعض کو دولت اور بعض کو امارت کہا جاتا تھا۔ پس یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان حکومتوں کی ساخت اور نوع میں بنیادی فرق کیا تھا؟

① **خلافت** اس حکومت کو کہا جاتا تھا جس کا سربراہ خلیفہ کے لقب کا حامل ہو۔ اس لقب کے حامل کی علامت یہ ہوتی تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے خاص تبرکات (یعنی ردائے نبوی اور عصائے نبوی) اُسی کے پاس ہوا کرتے تھے۔ خلافت کے نفاذ کی نشانی یہ تھی کہ اس کے زیرِ نگین علاقوں یا اس سے رسمی طور پر الحاق رکھنے والے ممالک کی مساجد میں جمعہ وعیدین کے خطبوں میں خلیفہ کے لیے دعا کی جاتی تھی۔ خلافت کا مقام سات حکومتوں کو نصیب ہوا:

❶ خلافتِ راشدہ ❷ خلافتِ اُمویہ سفیانیہ ❸ خلافتِ زبیریہ ❹ خلافتِ اُمویہ مروانیہ ❺ خلافتِ عباسیہ بغداد ❻ خلافتِ عباسیہ قاہرہ ❼ خلافت عثمانیہ۔ ان کے علاوہ اَندلُس کے اُموی حکمران بھی عبدالرحمٰن الناصر کے دور سے خلفاء کہلانے لگے تھے اور یہ سلسلہ ''ملوک الطوائف'' کے زمانے تک جاری رہا۔

② **سلطنت (Empire)** اس بڑی حکومت کو کہا جاتا تھا جس کے حکمران کی طاقت غیر معمولی ہو اور اس کے حکمران نے سلطان کا لقب اختیار کیا ہو۔ یہ لقب عموماً خلفاء کی جانب سے کسی حکمران کو اس کے نمایاں کارناموں کی بناء پر دیا جاتا تھا مگر ایسا بھی بکثرت ہوا ہے کہ کسی حکمران نے کمزور خلفاء کو مجبور کر کے یہ لقب حاصل کر لیا۔

سلطان کو یہ اعزاز حاصل ہوتا تھا کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں میں اس کا نام خلیفہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا تھا اور دونوں کے لیے دعائے خیر کی جاتی تھی۔ غزنوی، سلجوقی، غوری، خوارزم شاہی، ایوبی، ممالیک اور عثمانی (ابتداء میں) اسی طرح کے سلاطین تھے۔

③ **دولت (State)** کا لفظ عام ہے اور ''ریاست'' کے ہم معنیٰ ہے۔ خلافت، سلطنت، امارت ہر قسم کی حکومت اس کے عموم میں شامل ہو جاتی ہے۔ البتہ خلافت یا سلطنت کے بالمقابل جب کسی حکومت کو ''دولت'' کہا جاتا ہے تو عموماً اس سے ایک خودمختار یا نیم خودمختار حکومت مراد ہوتی ہے جس کے سربراہ کا عزل ونصب خلیفہ یا سلطان کے اختیار میں ہوتا ہے یا رسماً وہ خلافت یا سلطنت سے ملحق ہوتی ہے۔

④ **اِمارت (dominion state)** ''اِمارت'' کی اصطلاح ان چھوٹی حکومتوں کے لیے استعمال

ہوتی تھی جو نیم خود مختار ہوں اور ان کے سربراہ ''امیر'' کہلانے پر اکتفا کرتے ہوں اور خلیفہ سے رسمِ وفاداری پر قائم ہوں۔ (اگرچہ بعض مثالیں ایسی بھی ہیں کہ ''امیر'' نے مکمل خود مختاری حاصل کر کے بھی یہی لقب برقرار رکھا۔)

یاد رہے کہ خلفائے راشدین سے خلفائے بنو عثمان تک صوبائی نائب (گورنر) کو ''امیر'' کہا جاتا تھا۔ چونکہ اکثر آزاد مسلم ریاستیں پہلے کسی سلطنت یا خلافت کا حصہ ہوتی تھیں اور بعد میں نائبین وہاں خود مختاری حاصل کر لیتے تھے، مگر شروع شروع میں عموماً وہ خلیفہ یا سلطان کا ادب برقرار رکھنے میں ہی مصلحت سمجھتے تھے، اس لیے وہ خود مختاری کے بعد بھی ''امیر'' کہلواتے تھے۔ اسی مناسبت سے ان کی ریاستیں بھی ''امارات'' کہلاتی تھیں۔

دولتِ عباسیہ بغداد کی معاصر ریاستیں

بنو عباس کے دور میں اندلس، خراسان، وسطِ ایشیا، شام، مصر، یمن، ایران اور شمالی افریقہ میں متعدد آزاد حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے کچھ اہم حکومتوں کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

ایشیائی حکومتیں

دولتِ طاہریہ خراسان: ۲۰۵ھ تا ۲۵۹ھ (۸۲۰ء تا ۸۷۳ء)

مامون الرشید نے اپنے معتمد جرنیل طاہر بن حسین کو ۲۰۲ھ میں مشرقی صوبوں: فارس، خراسان اور ماوراء النہر کا حاکم بنایا۔ ۲۰۵ھ میں طاہر بن حسین نے خود مختاری اختیار کر لی۔ اس کے بعد یہ حکومت اس کی اولاد میں چلتی رہی۔ اس کا پایۂ تخت نیشاپور تھا۔ اس کی حدود میں عباسی خلفاء کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ۲۵۹ھ میں صفاریوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس میں درج ذیل حکمران گزرے:

۱	طاہر بن حسین (بانی حکومت)	۲۰۵ھ تا ۲۰۷ھ	۸۲۰ء تا ۸۲۲ء
۲	طلحہ بن طاہر	۲۰۷ھ تا ۲۱۳ھ	۸۲۲ء تا ۸۲۸ء
۳	عبداللہ بن طاہر	۲۱۳ھ تا ۲۳۰ھ	۸۲۸ء تا ۸۴۵ء
۴	طاہر ثانی بن عبداللہ بن طاہر	۲۳۰ھ تا ۲۴۸ھ	۸۴۵ء تا ۸۶۲ء
۵	محمد بن طاہر	۲۴۸ھ تا ۲۵۹ھ	۸۶۲ء تا ۸۷۳ء

❁❁❁

دولتِ صَفّاریہ: ۲۵۳ھ تا ۲۹۸ھ (۸۶۴ء تا ۹۱۱ء)

اس حکومت کی بنیاد ۲۵۳ھ میں یعقوب بن لیث صفاری نے بحستان (جنوبی افغانستان) میں رکھی۔ ۲۵۷ھ

میں اس نے کابل پر بھی قبضہ کرلیا۔ ۲۵۸ھ میں اس نے نیشاپور کو فتح کر کے دولتِ طاہریہ کا خاتمہ کردیا۔ آخر کار دولتِ صَفاریہ پورے خراسان اور فارس کو محیط ہوگئی۔ صَفاری حکمران اسلام پر عمل پیرا، عادل اور رعایا پرور تھے۔ دولتِ صَفاریہ فقط ۴۸ سال قائم رہی اور خراسان کے سامانیوں کے ہاتھوں ۲۹۸ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔

دولتِ صَفاریہ کے حکمران درج ذیل ہیں:

۱	یعقوب بن لیث	۲۵۳ تا ۲۶۶ھ	۸۶۸ تا ۸۸۰ء	بانی حکومت
۲	عَمرو بن لیث	۲۶۶ھ تا ۲۸۷ھ	۸۸۰ تا ۹۰۰ء	
۳	طاہر بن محمد بن عَمرو بن لیث	۲۸۷ تا ۲۹۶ھ	۹۰۰ء تا ۹۰۹ء	
۴	لیث بن علی بن لیث	۲۹۶ھ تا ۲۹۸ھ	۹۰۹ء تا ۹۱۱ء	
۵	محمد بن علی بن لیث	۲۹۸ھ	۹۱۱ء	آخری حکمران

❀❀❀

دولتِ سامانیہ: ۲۶۱ھ تا ۳۹۵ھ (۸۷۵ء تا ۱۰۰۵ء)

"سامان" سمرقند کا نواحی قصبہ تھا۔ ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتمد عباسی نے یہاں کے ایک رئیس نصر بن احمد کو ماوراء النہر کا حاکم بنادیا۔ ۲۷۹ھ میں اس کی وفات ہوئی تو اس کے بھائی اسماعیل نے حکومت کو خود مختار بنادیا۔ سامانی سُنی اور جنگجو تھے۔ انہوں نے ۱۳۴ سال حکومت کی اور خلافتِ عباسیہ کا خطبہ آخر تک قائم رکھا۔ سامانیوں نے اپنے ہاں علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کو خوب ترقی دی۔ رئیس الاطباء ابوبکر بن زکریا الرازی (م ۳۳۰ھ) اور مشہور طبیب بوعلی سینا کو اسی حکومت میں شہرت ملی۔ دولتِ سامانیہ کا خاتمہ سلاطینِ غزنی اور ترکستانی جنگجو سردار ایلک خان کے ہاتھوں ہوا۔

سامانی خاندان کے حکمران درج ذیل ہیں:

۱	نصر بن احمد	۲۶۱ھ تا ۲۷۹ھ	۸۷۵ تا ۸۹۲ء	بانی حکومت
۲	اسماعیل بن احمد	۲۷۹ھ تا ۲۹۵ھ	۸۹۲ تا ۹۰۸ء	
۳	احمد بن اسماعیل	۲۹۵ھ تا ۳۰۱ھ	۹۰۸ء تا ۹۱۳ء	
۴	نصر بن احمد بن اسماعیل	۳۰۱ھ تا ۳۳۱ھ	۹۱۳ء تا ۹۴۳ء	
۵	نوح بن نصر	۳۳۱ تا ۳۴۳ھ	۹۴۳ تا ۹۵۴ء	
۶	عبدالملک بن نوح	۳۴۳ھ تا ۳۵۰ھ	۹۵۴ء تا ۹۶۱ء	
۷	منصور بن نوح	۳۵۰ھ تا ۳۶۵ھ	۹۶۱ء تا ۹۷۶ء	

۸	نوح ثانی بن منصور بن نوح	۳۶۵ھ تا ۳۸۷ھ	۹۷۶ء تا ۹۹۷ء	
۹	منصور بن نوح ثانی بن منصور	۳۸۷ھ تا ۳۸۹ھ	۹۹۷ء تا ۹۹۹ء	
۱۰	عبدالملک بن نوح ثانی	۳۸۹ھ تا ۳۹۵ھ	۹۹۹ء تا ۱۰۰۵ء	
۱۱	المنتصر اسماعیل بن نوح ثانی	۳۹۵ھ	۱۰۰۵ء	آخری حکمران

دولتِ بنوحمدان: ۳۰۸ھ تا ۳۹۲ھ (۹۲۰ء تا ۱۰۰۲ء)

اس خاندان کا تعلق نصرانی عربوں کے قبیلے بنو تغلب سے تھا جو الجزیرہ کے ضلع دیارِ ربیعہ میں آباد تھا۔ اس گھرانے کا سربراہ حمدان بن حمدون تھا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط میں جب خلافتِ بغداد کمزور پڑی اور نت نئے طالع آزما سامنے آئے تو حمدان بن حمدون نے الجزیرہ کے مشہور شہر ماردین پر قبضہ کرلیا۔ آگے چل کر اس خاندان کی سیاست دو حصوں میں بٹ گئی: ① دولتِ حمدانیہ مُوصل ② دولتِ حمدانیہ حلب

دولتِ حمدانیہ مُوصل: ۳۰۸ھ سے ۳۶۸ھ:

اس کا مؤسس عبداللہ بن حمدان ابوالہیجاء تھا جسے خلیفہ مکتفی نے ۳۰۸ھ میں مُوصل کی حکومت بخشی اور بنوحمدان کی خودمختاری کا آغاز ہوا۔ اس کے بیٹے حسن اور علی بہت نامور ہوئے۔ حسن نے خلیفہ راضی کی اجازت سے دیارِ بکر، دیارِ ربیعہ اور دیارِ مضر کو بھی اپنی ولایت میں لے لیا۔ جب ایک سرکش امیر ابن رائق نے عباسی خلیفہ متقی کا جینا دوبھر کیا تو حسن حمدانی نے ابن رائق کو قتل کر کے خلیفہ کو بچالیا جس پر خلیفہ نے اسے ''ناصر الدولہ'' اور اس کے بھائی علی بن عبداللہ کو ''سیف الدولہ'' کا خطاب دیا۔ ۳۳۱ھ میں جب تُوزُون نامی ایک سرکش سردار نے خلیفہ متقی کو ذلیل کیا تو خلیفہ نے بغداد چھوڑ کر بنوحمدان ہی کے پاس پناہ لی۔ ناصر الدولہ اور سیف الدولہ نے بنوعباس کی حمایت اور سرحداتِ اسلام کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا۔ ۳۵۸ھ میں ناصر الدولہ کی وفات ہوگئی اور دس سال بعد بنوبُویہ نے اس کے بیٹے غضنفر سے حکومت چھین کر اس ریاست کا خاتمہ کردیا۔

دولتِ حمدانیہ حلب: ۳۳۳ھ تا ۳۹۲ھ:

بنوحمدان کے ایک شہزادے علی بن عبداللہ نے جو سیف الدولہ کے لقب سے مشہور ہوا، ۳۳۳ھ میں اِخشیدیوں سے حلب چھین کر دولتِ حمدانیہ کی ایک نئی شاخ قائم کی اور جلد ہی حمص، قنسرین اور الجزیرہ کے بعض اضلاع پر قابض ہوگیا۔ وہ زبردست جنگجو تھا اور عمر بھر رومیوں سے برسرِ پیکار رہا۔ وہ علوم وفنون کا قدردان اور بذاتِ خود ادیب اور شاعر تھا۔ ابونصر الفارابی، ابن خالویہ، ابوطیب متنبی، ابوفراس حمدانی، ابن نباتہ اور سری بن الوفاء جیسے اصحابِ علم وفن اس کے دربار کی زینت تھے۔ اس کی شان میں متنبی کے کئی قصائد مشہور ہیں جن میں اس نے سیف الدولہ اور رُومی جرنیل

دمستق کے مابین جنگوں کا حال نہایت ولولہ انگیز انداز میں بیان کیا ہے اور رُومیوں کی شکست، پسپائی، ان کے کمانداروں اور پادریوں کی گرفتاری وغیرہ کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے سیف الدولہ کی غیر معمولی شجاعت و بسالت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ الاسلام میں لکھا ہے کہ رومیوں سے جنگوں میں جو مٹی اُڑ اُڑ کر سیف الدولہ کے جسم اور کپڑوں پر پڑتی تھی، وہ اسے جمع کر لیتا تھا۔ ۳۵۶ھ میں سیف الدولہ وفات پا گیا۔ اس کی وصیت تھی کہ اُس مٹی کی ایک اینٹ بنا کر قبر میں اس کے رخسار کے نیچے رکھ دی جائے۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔

مگر اس جنگجو حکمران کے جانشین ویسے نہ تھے۔ وہ ایک طرف بازنطینی رومیوں، دوسری طرف عراق کے بنو بُوَیہ اور تیسری طرف مصر کے بنو عبید کے درمیان گھر کر کمزور ہوتے گئے۔ آخر ۳۹۲ھ میں اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ مجموعی طور پر بنو حمدان کی حکومت ۸۶ سال تک رہی۔

بعض مؤرخین نے دولتِ صَفّاریہ، دولتِ سامانیہ اور دولتِ بنو حمدان کو شیعہ حکومتیں قرار دیا ہے مگر وہ اس کا کوئی پختہ ثبوت پیش نہیں کر سکے۔ یقیناً اس دور میں عالم اسلام کے بہت بڑے رقبے پر روافض کے تسلط نے باقی مسلم حکمرانوں میں ایک مرعوبیت کا رویہ پیدا کر دیا تھا؛ اس لیے مذکورہ حکومتوں بلکہ خود خلافتِ بنو عباس کے انداز واطوار میں کہیں کہیں تشیع کی جھلک نظر آ جاتی تھی مگر اس بناء پر حکمران خاندان ہی کو شیعہ سمجھ لینا کوئی انصاف کی بات نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس دور میں بعض سنی خانوادوں نے نمائشی تشیع اختیار کر لیا تھا اور غالباً بنو حمدان انہی میں سے تھے۔

❁❁❁

سلطنتِ سلاجقہ:

سلاجقہ کا جدِ امجد وسطِ ایشیا کے ایک ترکمان خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص سلجوق تھا۔ اس کے دو پوتوں: طُغرل بیگ اور چغر بیگ نے پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ترکستان اور خراسان پر قابض ہو کر "دولتِ سلجوقیہ" کی بنیاد ڈالی۔ اس سلطنت کے ابتدائی چند حکمران "عظیم سلاجقہ" کہلاتے ہیں جو بیک وقت وسطِ ایشیا، خراسان، ایران، عراق اور شام پر حکومت کرتے تھے۔ ان میں مندرجہ ذیل حکمران گزرے ہیں:

1. طُغرل بیگ: ۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ (۱۰۳۸ء تا ۱۰۶۳ء)
2. الپ ارسلان: ۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ (۱۰۶۳ء تا ۱۰۷۳ء)
3. ملک شاہ: ۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ (۱۰۷۳ء تا ۱۰۹۲ء)
4. ارسلان ارغون بن الپ ارسلان: ۴۸۵ھ تا ۴۹۰ھ (۱۰۹۲ء تا ۱۰۹۷ء)
5. برکیارُق بن ملک شاہ: ۴۹۰ھ تا ۴۹۸ھ (۱۰۹۷ء تا ۱۱۰۵ء)
6. محمد بن ملک شاہ: ۴۹۸ھ تا ۵۱۱ھ (۱۱۰۵ء تا ۱۱۱۷ء)

سلجوقیوں کا عروج تقریباً ۶۰ سال تک رہا۔ ملک شاہ کی وفات کے بعد شہزادوں میں اقتدار کی کش مکش شروع ہو گئی جو سلطنت کی مستقل تقسیم پر منتج ہوئی۔ جن سلجوقیوں نے اپنے آبائی مرکز مرو میں تخت نشین ہو کر وسط ایشیا اور خراسان کا انتظام سنبھالا وہ ''سلاجقۂ خراسان'' کہلائے۔ جو رے کو مرکز قرار دے کر ایران و عراق کے حکمران ہوئے وہ ''سلاجقۂ عراق'' کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان کی ایک شاخ شام اور الجزیرہ پر بھی حکومت کرتی رہی۔ جو شہزادے ایشیائے کوچک پر خود مختار حکومت کرنے لگے وہ ''سلاجقۂ روم'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ سلاجقۂ عراق کی فہرست یہ ہے:

۱	محمود بن محمد بن ملک شاہ	۵۱۱ھ تا ۵۲۵ھ	۱۱۱۷ء تا ۱۱۳۱ء	پہلا حکمران
۲	طغرل بن محمد بن ملک شاہ	۵۲۵ھ تا ۵۲۹ھ	۱۱۳۱ء تا ۱۱۳۵ء	
۳	مسعود بن محمد بن ملک شاہ	۵۲۹ھ تا ۵۴۷ھ	۱۱۳۵ء تا ۱۱۵۲ء	
۴	ملک شاہ ثانی بن محمود بن محمد	۵۴۷ھ تا ۵۴۸ھ	۱۱۵۲ء تا ۱۱۵۳ء	
۵	محمد ثانی بن محمود بن محمد بن ملک شاہ	۵۴۸ھ تا ۵۵۱ھ	۱۱۵۳ء تا ۱۱۵۶ء	
۶	سلیمان شاہ بن محمد بن ملک شاہ	۵۵۱ھ تا ۵۵۵ھ	۱۱۵۶ء تا ۱۱۶۰ء	بے اختیار
۷	ارسلان بن طغرل بن محمد	۵۵۶ھ تا ۵۷۱ھ	۱۱۶۱ء تا ۱۱۷۵ء	بے اختیار
۸	طغرل بن ارسلان	۵۷۱ھ تا ۵۹۰ھ	۱۱۷۵ء تا ۱۱۹۴ء	آخری حکمران

❁❁❁

سلاجقۂ خراسان درج ذیل ہیں:

۱	سنجر بن ملک شاہ	۵۱۱ھ تا ۵۵۲ھ	۱۱۱۷ء تا ۱۱۵۷ء	پہلا حکمران
۲	محمود خان خواہر زادہ	۵۵۲ھ تا ۵۵۶ھ	۱۱۵۷ء تا ۱۱۶۱ء	آخری حکمران

❁❁❁

افریقہ کی حکومتیں

دولتِ طولونیہ مصر: ۲۵۴ھ تا ۲۹۲ھ (۸۶۸ء تا ۹۰۵ء)

اس حکومت کا بانی احمد بن طولون تھا جو عباسیوں کی طرف سے مصر کا حاکم تھا۔ خلافتِ عباسیہ کو کمزور دیکھ کر ۲۵۴ھ میں اس نے مصر میں خود مختار حکومت قائم کر لی جو کچھ مدت بعد شام کو بھی محیط ہو گئی۔ ابن طولون تعمیرات کا بڑا شوقین

تھا۔ قاہرہ میں ابن طولون کی تعمیر کردہ مسجد ''جامع ابن طولون'' آج تک قائم ہے اور اپنے بانی کے حسنِ ذوق کی گواہی دے رہی ہے۔ یہ عمارت تقریباً بارہ سو سال سے اپنی اصل حالت میں باقی ہے۔ اس کے نمونے کو سامنے رکھ کر بعد میں عالمِ اسلام میں بہت سی مساجد بنائی گئیں۔ اسی طرح ابن طولون کا تعمیر کردہ ''قلعہ کبش'' بھی ان قدیم اسلامی یادگاروں میں سے ہے، جو آج تک اصل شکل میں باقی ہیں۔

ابن طولون علم وادب کے بڑے سرپرستوں میں سے تھا اور خاص کر شعراء کا بڑا قدردان تھا۔ اس کے دربار سے وابستہ شعراء جنہیں سرکاری وظیفہ دیا جاتا تھا، اس قدر تھے کہ ان کے نام بارہ رجسٹروں میں درج تھے۔

دولتِ طولونیہ کے ایام مصر اور شام کی خوشحالی کا دورِ عروج تھے۔ یہ ملک پارچہ سازی، چاندی کے سکوں اور برتنوں کی ڈھلائی، اسلحہ سازی، صابن کی صنعت اور شکر سازی کے لیے مشہور تھا۔ زراعت پر بھی خاص توجہ دی گئی۔ دریائے نیل کی صفائی کرائی گئی اور نہریں نکالی گئیں۔ کاشتکاروں کو زمینوں کی ملکیت دینے کے لیے ایک مستقل محکمہ ''دیوان الاملاک'' کے نام سے کام کرتا تھا۔ ٹیکس کم کردیے گئے تھے۔ دریائے نیل پر پُل تعمیر کرائے گئے تھے اور صحرائی راستوں میں مسافروں کو پانی کی سہولت مہیا کرنے کے لیے جابجا کنویں کھودے گئے تھے۔ احمد بن طولون کی وفات کے بعد اس کے جانشین تخت نشین ہوئے جنہیں ۲۹۲ھ میں عباسیوں نے شکست دے کر اس حکومت کا خاتمہ کردیا۔ دولتِ طولونیہ فقط ۳۸ سال قائم رہی مگر مورخین اسے اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔ اس کے حکمران درج ذیل ہیں:

۱	احمد بن طولون	۲۵۴ھ تا ۲۷۰ھ	۸۶۸ء تا ۸۸۳ء	بانی حکومت
۲	خُمارَوَیہ بن احمد	۲۷۰ھ تا ۲۸۲ھ	۸۸۳ء تا ۸۹۵ء	
۳	جیش بن خُمارَوَیہ	۲۸۲ھ تا ۲۸۳ھ	۸۹۵ء تا ۸۹۶ء	
۴	ہارون بن خُمارَوَیہ	۲۸۳ھ تا ۲۹۲ھ	۸۹۶ء تا ۹۰۵ء	
۵	شیبان بن احمد	۲۹۲ھ	۹۰۵ء	

❁❁❁

دولتِ اِخشیدیہ مصر: ۳۲۷ھ تا ۳۵۸ھ (۷۵۷ء تا ۸۷۶ء)

دولتِ طولونیہ کے خاتمے کے بعد خلافتِ عباسیہ کی طرف سے مصر اور شام کے جو گورنر مقرر ہوئے ان میں سے ایک محمد بن طُغج تھا جو ''اِخشید'' کے لقب سے مشہور ہوا۔ دولتِ عباسیہ کو کمزور دیکھ کر اس نے ۳۲۷ھ میں شام ومصر پر اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی۔ اِخشید ۳۳۴ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا کم سن بیٹا ابوالقاسم انوجور تخت نشین ہوا مگر عملاً اُمورِ مملکت اِخشید کے آزاد کردہ غلام کافور کے ہاتھ میں آگئے جو سلطنت کا سب سے تجربہ کار امیر تھا۔

۳۴۹ھ میں انوجور ۳۰ سال کی عمر میں فوت ہوا اور اس کا بھائی علی بن اخشید تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں شمالی شام کے شہروں: حلب، طرطوس اور مصیصہ کو رومیوں نے اخشیدیوں سے چھین لیا۔ ۳۵۵ھ میں علی بن اخشید نے ۳۱ سال کی عمر میں وفات پائی تو اس کے بیٹے کی کم سنی کو دیکھتے ہوئے کافور خود مسندِ حکومت پر بیٹھ گیا۔

اخشیدیوں کے دور میں بھی دولتِ طولونیہ کی طرح مصر اور شام کو ترقی ملی۔ ''فسطاط'' کی توسیع ہوئی۔ مصر کی حکومت میں پہلی بار ''وزیر'' کا عہدہ بھی اخشیدیوں نے شروع کیا اور فضل بن جعفر پہلا وزیر مقرر ہوا۔ اخشیدی حکمران ہر ہفتے ایک دن کھلی کچہری لگاتے تھے جس میں کوئی بھی شخص اپنی فریاد حکمران کے سامنے پیش کر سکتا تھا۔ کافور نے بھی مملکت کو اچھی طرح چلایا۔ اس کا دربار اہل علم وادب سے آراستہ تھا جن میں مشہور شاعر متنبی قابل ذکر ہے۔

دولتِ اخشیدیہ فقط ۳۱ سال باقی رہی۔ اس میں درج ذیل حکمران گزرے:

۱	ابوبکر محمد بن طغج اخشید	۳۲۷ھ تا ۳۳۴ھ	۷۵۷ء تا ۷۷۱ء	بانی حکومت
۲	ابوالقاسم انوجور بن اخشید	۳۳۴ھ تا ۳۴۹ھ	۷۷۱ء تا ۷۸۴ء	
۳	علی بن اخشید	۳۴۹ھ تا ۳۵۵ھ	۷۹۰ء تا ۸۲۳ء	
۴	ابوالمسک کافور مولیٰ اخشید	۳۵۵ھ تا ۳۵۶ھ	۸۲۳ء تا ۸۳۸ء	
۵	احمد بن علی بن اخشید	۳۵۶ھ تا ۳۵۸ھ	۸۳۸ء تا ۸۲۶ء	

❁❁❁

دولتِ ادارسہ (مراکش): ۱۷۲ھ تا ۳۱۲ھ (۷۸۸ء تا ۹۲۴ء)

منصور عباسی کے خلاف خروج کرنے والے آلِ فاطمہ کے پیشوا نفسِ زکیہ کے ایک بھائی ادریس بن عبداللہ تھے جنہوں نے فرار ہو کر شمالی افریقہ میں پناہ لی اور مراکش میں مقیم ہوئے اور مقامی قبائل کی مدد سے ایک خود مختار حکومت قائم کر لی جو کچھ ہی مدت میں الجزائر کے شہر تلمسان تک وسیع ہو گئی۔ دولتِ ادارسہ کی مدت ۱۴۰ سال ہوئی۔ ۳۱۲ھ میں بنو عبید کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ اس خانوادے کے کچھ روساء مزید دو صدیوں تک بعض محدود علاقوں پر قابض رہے مگر ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ تھی۔ دولتِ ادارسہ کے حکمران مندرجہ ذیل ہیں:

۱	ادریس بن عبداللہ	۱۷۲ھ تا ۱۷۷ھ	۷۸۸ء تا ۷۹۳ء	بانی حکومت
	راشد مولیٰ ادریس (قائم مقام حکمران)	۱۷۷ھ تا ۱۸۶ھ	۷۹۳ء تا ۸۰۲ء	
	ابوخالد بن یزید (قائم مقام حکمران)	۱۸۶ھ تا ۱۸۸ھ	۸۰۲ء تا ۸۰۴ء	
۲	ادریس الثانی بن ادریس	۱۸۸ھ تا ۲۱۳ھ	۸۰۴ء تا ۸۲۸ء	

۳	محمد بن ادریس الثانی	۲۱۳تا۲۲۱ھ	۸۲۸ءتا۸۳۶ء	
۴	علی بن محمد	۲۲۱تا۲۳۴ھ	۸۳۶ءتا۸۴۹ء	
۵	یحییٰ اوّل، بن علی	۲۳۴ھ	۸۴۹ء	
۶	یحییٰ ثانی، بن محمد	۲۳۴تا۲۵۰ھ	۸۴۹ءتا۸۶۴ء	
۷	علی بن عمر بن ادریس ثانی	۲۵۰تا۲۶۵ھ	۸۶۴ءتا۸۷۹ء	
۸	یحییٰ ثالث، بن قاسم بن ادریس ثانی	۲۶۵ھ تا ۲۹۲ھ	۸۷۹ءتا۹۰۵ء	
۹	یحییٰ رابع بن ادریس بن عمر بن ادریس ثانی	۲۹۲ھ تا ۳۱۰ھ	۹۰۵ءتا۹۲۲ء	
۱۰	الحسن بن محمد بن قاسم بن ادریس ثانی	۳۱۰ھ تا ۳۱۲ھ	۹۲۲ءتا۹۲۴ء	آخری حکمران

❁❁❁

دولتِ اغالبہ، تیونس: ۱۸۴ھ تا ۲۹۶ھ (۸۰۰ءتا۹۰۹ء)

ہارون الرشید نے اپنے دورِ خلافت میں ابراہیم بن اغلب نامی ایک جرنیل کو مصر کا حاکم بنایا تھا تاکہ وہ مراکش و الجزائر کی دولتِ ادارسہ کی توسیع کی روک تھام کر سکے مگر ابراہیم نے وہاں جا کر ۱۸۴ھ میں خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۶ھ میں اس کی وفات ہوگئی اور یہ حکومت اس کی اولاد میں چلتی رہی۔ یہ لوگ ''اغالبہ'' یا ''بنواغلب'' کہلائے۔ اگرچہ یہ حکومت خودمختار تھی تاہم یہ لوگ ہمیشہ خلفائے بنوعباس کے تابعدار اور وفادار رہے اور اپنے سیاسی معاملات میں ان سے ہدایات بھی لیتے رہے۔ انہوں نے شمالی افریقہ کے مسلم شہروں کو خوب آباد اور ترقی یافتہ کر دیا اور جزیرہ صِقلیہ (سسلی) بھی فتح کر دکھایا۔

صقلیہ کی فتح اسلامی تاریخ کا ایک بہت اہم واقعہ ہے۔ دس ہزار مربع میل پر مشتمل یہ جزیرہ بحیرہ روم میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہے۔ 212ھ میں اغلبی حکمران زیادۃ اللہ بن اغلب نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید، قاضی القضاۃ اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ کو اسلامی لشکر کا امیر بنا کر صقلیہ بھیجا جنہوں نے خونریز جنگوں کے بعد فتح حاصل کی اور اس جزیرے پر اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ قاضی اسد بن فرات انہی مہمات کے دوران زخمی ہو کر شہید ہوئے اور اسی جزیرے میں دفن کیے گئے۔ زیادۃ اللہ کے بعد اس خاندان میں کئی حکمران آئے اور انہوں نے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔

چند عشروں بعد افریقہ میں بنوعبید کے داعی ابوعبداللہ شیعی کا ظہور ہوا جس نے دولتِ اغالبہ کے مرکز قیروان اور دیگر شہروں پر قبضہ کر لیا۔ یوں دولت بنواغلب کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے حکمران مندرجہ ذیل ہیں:

۱	ابراہیم بن اغلب	۱۸۴ھ تا ۱۹۶ھ	۸۰۰ء تا ۸۱۲ء	بانی حکومت
۲	عبداللہ اوّل بن ابراہیم	۱۹۶ھ تا ۲۰۱ھ	۸۱۲ء تا ۸۱۷ء	
۳	زیادۃ اللہ اوّل بن ابراہیم	۲۰۱ تا ۲۲۳ھ	۸۱۷ء تا ۸۳۸ء	
۴	اغلب ابوعفان بن ابراہیم	۲۲۳ تا ۲۲۶ھ	۸۳۸ تا ۸۴۱ء	
۵	محمد اوّل بن اغلب ابوعفان	۲۲۶ تا ۲۴۲ھ	۸۴۱ء تا ۸۵۶ء	
۶	احمد بن محمد اوّل	۲۴۲ تا ۲۴۹ھ	۸۵۶ تا ۸۶۳ء	
۷	زیادۃ اللہ ثانی بن محمد اوّل	۲۴۹ تا ۲۵۰ھ	۸۶۳ تا ۸۶۴ء	
۸	محمد ثانی بن احمد	۲۵۰ تا ۲۶۱ھ	۸۶۴ تا ۸۷۵ء	
۹	ابراہیم ثانی بن احمد	۲۶۱ھ تا ۲۸۹ھ	۸۷۵ تا ۹۰۲ء	
۱۰	عبداللہ ثانی بن ابراہیم ثانی	۲۸۹ تا ۲۹۰ھ	۹۰۲ء تا ۹۰۳ء	
۱۱	ابومضر زیادۃ اللہ ثالث بن عبداللہ ثانی	۲۹۰ھ تا ۲۹۶ھ	۹۰۳ء تا ۹۰۹ء	آخری حکمران

دولتِ اغالبہ تقریباً ۱۱۳ سال تک قائم رہی۔[1]

---

(1) ان حکومتوں کے حالات درج ذیل مآخذ سے لیے گئے ہیں:
(۱) تاریخ ابن خلدون، از عبدالرحمٰن ابن خلدون (۲) تاریخ الاسلام از حافظ شمس الدین ذہبی (۳) التاریخ الاسلامی، از: محمود شاکر
(۴) موجز التاریخ الاسلامی، از: احمد محمود العسیری (۵) الموسوعۃ الموجزۃ فی التاریخ الاسلامی، از: ابوسعید المصری

مشق

سوالات کے جوابات دیجئے:

1. دولتِ طاہریہ کیسے قائم ہوئی؟
2. دولتِ صفاریہ کی بنیاد کیسے پڑی؟
3. دولتِ اخشیدیہ پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. دولتِ اغالبہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
5. مؤرخین عموماً دولتِ طولونیہ کو اچھے الفاظ سے کیوں یاد کرتے ہیں؟
6. تاریخ میں دولتِ بنوحمدان کی کیا اہمیت ہے؟
7. دولتِ ادارسہ کس نے قائم کی اور کیوں؟
8. سیف الدولہ کے متعلق اپنی معلومات درج کیجئے؟
9. خلافت، سلطنت اور امارت میں کیا فرق ہے؟ اور "دولت" کا کیا مطلب ہے؟

عملی کام:

❁ ایسا نقشہ دیکھیے جس میں بنوعباس کی معاصر حکومتوں کی حدود واضح ہوں۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ الموسوعة التاریخیة، از شیخ علوی بن عبدالقادر السقاف
❁ الموسوعة الموجزة فی التاریخ الاسلامی
❁ اطلس تاریخ الاسلام، از دکتور حسین مؤنس

❁❁❁

دوسرا باب

خلافت عباسیہ کے متوازی حکومتیں

تعارف:

بنو عباس کے دورِ زوال میں مختلف فرقوں نے خود کو منظم کیا اور اپنے عقائد ونظریات کی تشہیر کے بعد سیاسی کامیابیاں حاصل کر کے خلافتِ عباسیہ کے متوازی مستقل حکومتیں قائم کیں۔ یہ باب ایسی حکومتوں کے تعارف پر مشتمل ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. عباسی دور میں مختلف فرقوں کی سیاسی سرگرمیوں سے واقف ہو سکیں۔
2. ان فرقوں کی قائم کردہ حکومتوں کے ضروری حالات سے آشنا ہو سکیں۔
3. اسلامی تاریخ پر ان حکومتوں کے اثرات سے آگاہ ہو سکیں۔

یونٹ:2.11(B)

دورِ عباسی میں
فرقوں کی تحریکوں کا پس منظر

بنوعباس کے دورِ زوال میں مختلف پُرفتن تحریکوں اور فرقوں کا ظہور ہوا جن میں سے بعض نے اپنی الگ حکومتیں بھی بنالیں اور ان کے عالم اسلام اور ہماری تاریخ پر گہرے اثرات رہے۔ اکثر فرقوں نے تشیع میں انتہا پسندی سے جنم لیا تھا۔ مزید یہ کہ ان میں عقلی اصول سازی کی کھلی چھوٹ تھی؛ اس لیے ہر بانی تحریک سیاسی اغراض کے لیے اپنے طور پر من مانے اجتہادات کر کے نئے نئے اَدیان ایجاد کرتا رہا۔ اسلام کے نام پر ان جھوٹے اَدیان کو رائج کرنے کے لیے سیاسی وعسکری طاقت ناگزیر تھی۔ اس کے لیے عوام کو جمع کرنا پہلا مرحلہ تھا۔ عوامی مقبولیت کے لیے اعلیٰ نسبی کا دعویٰ ہمیشہ ایک کارآزمودہ منتر رہا ہے۔ چونکہ مسلم معاشرے میں بنو ہاشم سب سے عالی نسب ہیں، لہٰذا مختلف تحریکوں کے بانی مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے ہاشمی اور فاطمی ہونے کے دعوے کرتے رہے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اپنی جائے پیدائش یا اپنے قبیلے میں معروف اور نیکی میں مشہور ہو۔ یہی نکتہ ان کا پول کھولنے کے لیے کافی ہے۔

مگر فاطمی ہونے کے یہ مدّعی پہلے سادہ لوح عوام کو ورغلانے اور پھر انہیں مسلمانوں کے خلاف ایسے جوش وخروش سے لڑانے میں کامیاب ہوگئے جیسے ایک دین کے پیروکار کسی دوسرے دین والوں سے لڑتے ہیں۔ اسی ولولے کی بناء پر صاحب الزنج، قرامطہ اور بنوعبید جیسے نام نہاد علویوں کی تحریکیں وسیع وعریض علاقوں میں پھیل گئیں۔ یہ لوگ خود کو ہاشمی اور فاطمی باور کرانے کے بعد لوگوں کو "عقیدۂ امامت" کا تعویذ گھول کر پلاتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

> "امامت ایک مخصوص منصب ہے جو توحید ورسالت کی طرح دین کا بنیادی ستون ہے۔ سب سے پہلے یہ منصب امام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملا جو نص قطعی کی بناء پر امام ہیں۔ امامت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہی کے لیے مخصوص ہے۔ امام معصوم ہوتا ہے، اس کی تابعداری اسی طرح فرض ہے جیسے نبی کی۔ امام اور پیغمبر میں مرتبۂ رسالت کے سوا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہر امام کے بعد نیا امام لازمی طور پر گزشتہ امام کے صریح حکم کے ساتھ ہی متعین ہوگا۔"

اس کے بعد امامت کا ہر مدعی کبھی خود اور کبھی اپنے نائبین کے ذریعے لوگوں کو یقین دلاتا کہ امامت کا منصب اسی کے گھرانے میں چلا آرہا ہے اور گزشتہ امام نے اس کے حق میں امامت کی وصیت کی تھی؛ لہٰذا وہ دنیا کی واحد شخصیت ہے جس کی اطاعت ساری دنیا پر فرض ہے۔ یہ عجیب فنکاری تھی کہ جھوٹا نسب بنا کر، عقیدۂ امامت سکھا کر اور امامت کا

دعویٰ کر کے کوئی بھی انسان خود کو پیغمبروں کی طرح معصوم اور خلفاء سے زیادہ واجب الاطاعت ثابت کر سکتا تھا۔

فرقہ اسماعیلیہ

تیسری صدی ہجری کے وسط میں منظم ہونے والے اثنا عشری فرقے کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے موسیٰ کاظم کو امام بنایا تھا اور پھر امامت انہی کی اولاد میں چل کر بارہویں امام محمد مہدی تک پہنچی۔

مگر اسی دوران ایک اور فرقہ یہ پرچار کر رہا تھا کہ جعفر صادق کی امامت ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کو منتقل ہوئی ہے۔ یہ فرقہ اسماعیلیہ کہلایا۔ اس کا بانی کوئی نامعلوم شخص تھا جس کے داعی اندر ہی اندر کام کر رہے تھے۔

چونکہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ اور ان کی اولاد ایسی تحریکوں سے لاتعلق تھی؛ لہٰذا دونوں فرقوں نے ان کی لاتعلقی سے پیدا شدہ شک کو دور کرنے کے لیے کوئی بہانہ گھڑ لیا اور اسے عقیدے کا نام دے دیا۔ اثنا عشریہ نے اسے ''تقیہ'' کا عنوان دیا جبکہ اسماعیلی داعیوں نے اپنے ائمہ کو ''ائمہ مستورین'' کا نام دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ائمہ کرام صرف ہمارے واسطے سے لوگوں سے رابطہ کرتے ہیں اور خود ''مستور'' رہتے ہیں۔ ۱۴۸ھ میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی وفات سے لے کر ایک صدی تک اسماعیلی فرقے کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔ مگر ۲۴۰ھ میں خلافتِ عباسیہ کے کمزور پڑتے ہی پہلی بار اسماعیلی عقائد کے حامل ظاہر ہوئے۔ ان میں ایک ''حمدان قرمط بن اشعث'' تھا جو کوفہ کے گرد ونواح میں دعوت دے رہا تھا۔ دوسرا ''عبید اللہ بن میمون'' (۲۵۹ھ۔ ۳۲۲ھ) تھا جو افریقہ میں دولتِ فاطمیہ عبیدیہ کا مؤسس بنا۔

اسماعیلیہ کے عقائد کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1. امام کی موجودگی ہر زمانے میں ضروری ہے اور وہ حضرت جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل کی اولاد سے ہوگا۔
2. اپنے دور کے امام (امام زمان) کی پہچان فرض ہے۔ جسے یہ پہچان نہ ہو وہ کافر مرے گا۔
3. دنیا امام سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یا تو امام ظاہر ہوگا یا مستور۔
4. امام کی صفات خدا کی صفات کے مشابہ ہوتی ہیں۔ وہ مشکل کشا، ہر حاضر اور غائب کو جاننے والا ہوتا ہے۔
5. امام معصوم ہوتا ہے، وہ اگر گناہ بھی کرے تو اس کے معصوم ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ گناہ دراصل نیکی ہوتی ہے جس کی حقیقت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔
6. تقیہ کر کے عقائد کو خفیہ رکھنا چاہیے۔ عام حالات میں مسلمانوں کے سامنے معتدل خیالات ظاہر کیے جائیں۔

قرامطہ

قرامطہ کا بانی اسماعیلی داعی حمدان بن اشعث تھا۔ لوگ اسے ''قرمط'' کہتے تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نام پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ پستہ قد تھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ قرمط کا مطلب ''خفیہ

داعی" کے ہیں۔ بہرکیف یہ لفظ اس پر ایسا چسپاں ہوا کہ اس کا پورا گروہ ہی "قرامِطہ" کہلانے لگا۔

یہ شخص ایرانی علاقے خوزستان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں سے کوفہ کے گرد و نواح میں آکر ایک درویش کی صورت میں ظاہر ہوا اور زہد و عبادت کا ڈھونگ رچا کر بہت سے لوگوں کو مرید بنالیا۔ اس نے پہلے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر کہا کہ عیسیٰ مسیح کی روح میرے اندر اتر آئی ہے۔ جلد ہی اس نے روح القدس اور جبرئیل ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ اس کی دعوت کا چرچا سب سے پہلے ۲۷۸ھ میں ہوا۔ وہ اپنے مریدوں کو پانچ نمازوں سے منع کر کے صرف دو نمازوں کا حکم دیتا تھا یعنی دو رکعت طلوع آفتاب اور دو رکعت غروبِ آفتاب کے وقت۔ اس نے بیت اللہ کی جگہ بیت المقدس کو قبلہ بنایا۔ رمضان کے روزوں کی جگہ پورے سال میں صرف دو دن یعنی مجوسیوں کے تہواروں: نوروز اور مہرجان کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ شراب کو حلال اور نبیذ کو حرام کہا۔ جاہل لوگ جو شرعی پابندیوں سے آزادی چاہتے تھے، قرمط کے گرد جمع ہوتے چلے گئے۔ صاحب الزنج[1] کے باقی ماندہ بہت سے لوگ بھی اس کے حلقے میں آگئے۔

مُعتضِد عباسی نے اس کے عقائد سے آگاہ ہونے کے بعد اس کے خلاف بڑے پیمانے پر دار و گیر شروع کی اور اس کے بعض داعیوں کو قتل کرادیا جبکہ قرمُط ہمیشہ کے لیے رُوپوش ہوگیا۔ اگلے عشروں میں قرمط کے شاگردوں نے عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں اپنی پناہ گاہیں تلاش کیں اور ان کے کئی داعیوں نے الگ الگ حلقے بنالیے۔ ۲۸۹ھ میں ان کے ایک داعی ذکرویہ بن مہرویہ نے شام میں قَرامِطی عقائد کو کامیابی سے پھیلایا۔

بحرین میں قرامطہ کی حکومت:

ایک قرامِطی داعی نے جو خود کو یحییٰ بن مہدی کہلواتا تھا، بحرین پہنچ کر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس کے ایک مرید حسن بن بہرام نے جو ابوسعید جنابی کی کنیت سے مشہور تھا، ہزاروں اعرابیوں کو ساتھ ملالیا اور بحرین پر قبضہ کر کے ایک باقاعدہ مملکت قائم کردی۔ اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ وہ بار بار بصرہ اور بغداد کے ارد گرد حملے کرتا تھا۔ ایک بار اس نے خلیفہ کے لشکر کو بھی شکست دے دی۔ قَرامِطی تحریک کو عام کرنے میں سب سے بڑا کردار اسی کا تھا۔

ابوسعید کے بعد اس کا بیٹا ابوطاہر سلیمان تخت نشین ہوا جو نہایت سفاک انسان تھا۔ اس نے پورے ۳۱ سال تک عالم اسلام کو ضیق میں رکھا۔ اس نے بحرین میں ایک نیا شہر "الاحساء" آباد کر کے اسے اپنا پایۂ تخت بنالیا۔ وہ عراق پر حملے کر کے مسلمانوں کا قتل عام کرتا رہا۔ وہ جب چاہتا حاجیوں کے راستے بند کردیتا۔ ۳۱۹ھ میں اس نے مکہ پر حملہ کر کے تیس ہزار حاجیوں کو قتل کیا اور حجرِ اسود کو اکھاڑ کر بحرین لے گیا۔ ابوطاہر قَرامِطی ۳۳۲ھ میں چیچک میں مبتلا ہو کر نہایت اذیت ناک موت مرا۔

اس کے بیٹے احمد ابومنصور کے دورِ حکومت میں قرامطی حکومت کمزور ہوگئی۔ ۳۳۹ھ میں اس نے ایک خطیر رقم کے عوض حجرِ اسود واپس کردیا۔ یوں یہ مقدس پتھر بیس سال بعد دوبارہ کعبہ میں نصب ہوا۔

۳۷۵ھ میں قَرامِطہ کی حکومت الاحساء کے علاقے تک محدود ہوگئی۔ ۴۷۰ھ میں ملک شاہ سلجوقی نے قَرامِطہ کو

[1] صاحب الزنج کا تعارف اس کتاب کی جلد میں صفحہ 614 پر آچکا ہے۔

الاحساء سے بھی بے دخل کر دیا۔ یوں قرامطی حکومت مکمل طور پر مٹ گئی۔

اس سے قبل بہت سے قرامطی بھاگ کر ایران اور سندھ آ گئے تھے۔ ان کا ایک داعی ابوالفتح ملتان کو مرکز بنا کر فتنہ وفساد مچاتا رہا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۴۰۱ھ میں ملتان فتح کیا تو وہاں کے قرامطیوں کو نشانِ عبرت بنا دیا اور ابوالفتح کو زندہ گرفتار کر کے غور کے قلعے میں قید کر دیا اور وہیں اس کی موت ہوئی۔ ۴۱۸ھ میں سلطان محمود نے "رے" پر قبضہ کر کے وہاں کے قرامطیوں کا بھی صفایا کر دیا۔ یوں اس فتنے سے عالمِ اسلام کو نجات ملی۔

قرامطہ ایک نظر میں:

۱	قرمط (حمدان بن اشعث)	تیسری صدی ہجری	بانی فرقہ
۲	حسن بن بہرام (ابوسعید جنابی)	۲۸۰ھ تا ۳۰۱ھ	بانی دولتِ قرامطہ، بحرین
۳	سلیمان بن حسن (ابوطاہر)	۳۰۱ھ تا ۳۳۲ھ	۳۱ سال حکومت کی۔ حجر اسود کو اکھاڑ کر لے گیا۔
۴	ابومنصور قرامطی (ابوطاہر کا بیٹا)	۳۳۲ھ تا ۳۵۹ھ	حجر اسود واپس کر دیا۔
۵	حسن الاعصم بن سلیمان (ابوطاہر کا پوتا)		بنوعبید سے الجھ کر حکومت سے محروم ہوا۔

❀❀❀

دولتِ باطنیہ اَلَمُوت

اسماعیلی شیعوں کے ایک داعی عبیداللہ بن میمون نے خود کو بنو فاطمہ سے ظاہر کر کے شمالی افریقہ میں ایک بڑی حکومت قائم کی جو مصر تک پھیل گئی۔ اسے دولتِ فاطمیہ یا دولتِ بنوعبید کہا جاتا تھا۔ (بنوعبید کا تعارف آگے آرہا ہے۔) جب بنوعبید کا زوال ہوا تو ایک اسماعیلی داعی حسن بن صَبّاح (م ۵۱۸ھ) نے خود کو بنوعبید کا نائب ظاہر کر کے اسماعیلی شیعوں کا ایک نیا فرقہ قائم کر لیا جو "باطنیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔

حسن بن صَبّاح نہایت شاطر انسان تھا۔ فلکیات اور جادو ٹونے کا ماہر تھا۔ وہ ۴۷۹ھ میں ایک تاجر کے بھیس میں بنوعبید کے حکمران مستنصر عبیدی کے پاس جا کر اس کے حلقے میں شامل ہو گیا۔ کچھ مدت بعد وہ مستنصر کے داعی کے طور پر واپس ایران آیا اور زہد و تقویٰ ظاہر کر کے بہت سے مرید بنا لیے۔

۴۸۳ھ میں حسن بن صَبّاح نے شمالی ایران کے کوہستانی ضلعے قزوین کے قلعہ "اَلَمُوت" کو اپنا مرکز بنا لیا۔ رفتہ رفتہ وہ شمالی ایران سے فارس تک مختلف قلعوں پر قابض ہو گیا۔ اس نے قلعہ الموت کے کہسار میں ایک مصنوعی جنت تعمیر کروائی جس میں نفسانی لذتوں کا ہر سامان میسر تھا۔ اس جنت میں مریدین کو کچھ عرصہ رہنے کا موقع دیا جاتا۔ کچھ مدت بعد انہیں باہر نکالا جاتا اور امام کے لیے نثار ہونے پر دوبارہ جنت میں داخلے کا یقین دلایا جاتا۔ یہ لوگ "فدائی"

کہلاتے تھے اور حسن کا اشارہ ملتے ہی مطلوبہ شخصیت کو خنجر کے وار کر کے قتل کر ڈالتے تھے۔ یوں دنیا کے درباروں پر اس کی ہیبت چھا گئی اور اس کا ہر مطالبہ تسلیم کیا جانے لگا۔ ملک شاہ جیسا طاقتور حکمران بھی حسن بن صباح پر قابو نہ پاسکا۔

حسن بن صباح نے ۹۰ سال عمر پائی اور ۵۱۸ھ (۱۱۲۴ء) میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کے نائبین ملحدانہ افکار ونظریات کو پھیلاتے اور دہشت انگیز کارروائیاں کراتے رہے۔

عباسی خلیفہ ناصر کے دور میں حسن بن صباح کے جانشین جلال الدین حسن نے قبولِ اسلام کا اظہار کیا اور اپنی والدہ کو حج کے لیے بھیجا جس کا دربارِ خلافت کی طرف سے بڑا اعزاز واکرام کیا گیا۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ یہ اظہارِ اسلام فقط ایک سیاسی ڈھونگ تھا۔ چنانچہ کچھ مدت بعد باطنی دوبارہ پرانی روش پر آگئے۔

باطنیوں کا آخری حکمران رکن الدین خورشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں عالمِ اسلام کے مشرق پر تاتاری قابض ہو چکے تھے۔ کسی بات پر باطنیوں اور تاتاریوں کے درمیان اَن بَن ہوگئی اور خراسان کے تاتاری حکمران ہلاکو خان نے ۶۵۵ھ میں ''اَلموت'' سمیت باطنیوں کے تمام قلعے مسمار کردیے اور رکن الدین خورشاہ کو قتل کرادیا۔ اَلموت میں باطنیوں کا اقتدار ۱۷۱ سال تک رہا۔ اسماعیلیوں کی روایات کے مطابق رکن الدین خورشاہ کا لڑکا شمس الدین ''الموت'' سے بھاگنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آغا خانی خاندان اسی کی نسل ہے۔

اَلموت کے باطنی پیشواؤں کی فہرست درج ذیل ہے:

۱	حسن بن صباح	۴۸۳ھ تا ۵۱۸ھ	۱۰۹۰ء تا ۱۱۲۴ء	بانی فرقہ
۲	محمد بن کیا بزرگ	۵۱۸ھ تا ۵۲۹ھ	۱۱۲۴ء تا ۱۱۳۵ء	
۳	حسن ثانی بن محمد	۵۲۹ھ تا ۵۶۱ھ	۱۱۳۵ء تا ۱۱۶۶ء	
۴	محمد ثانی بن حسن	۵۶۱ھ تا ۶۰۷ھ	۱۱۶۶ء تا ۱۲۱۰ء	
۵	حسن ثالث بن محمد، جلال الدین	۶۰۷ھ تا ۶۱۸ھ	۱۲۱۰ء تا ۱۲۲۱ء	اظہارِ اسلام
۶	محمد الثالث بن حسن ثالث	۶۱۸ھ تا ۶۵۳ھ	۱۲۲۱ء تا ۱۲۵۵ء	
۷	رکن الدین خورشاہ	۶۵۳ھ تا ۶۵۵ھ	۱۲۵۵ء تا ۱۲۵۷ء	آخری حکمران

دولتِ بنوعبید

عبیداللہ بن میمون عرف المہدی: ۲۹۷ھ تا ۳۲۲ھ

اسماعیلی شیعوں کا سب سے مضبوط گروہ "بنوعبید" تھا۔ اس کا بانی اسماعیلی داعی عبیداللہ بن میمون تھا۔ وہ خود پوشیدہ رہ کر صرف دو تین خاص ساتھیوں کو عوامی رابطے کے لیے استعمال کرتا رہا۔ اس نے مریدوں کے لیے ترقی کے سات درجات مقرر کیے تھے۔ ہر درجے کو "بلاغ" کہا جاتا تھا۔ بلاغ اوّل سے بلاغ سابع تک سات درجات تھے:

① بلاغ اوّل عوام کے لیے تھا اور اس میں تشیع کی تعلیم دی جاتی تھی اور بتایا جاتا کہ عبیداللہ "مہدی" ہے۔

② بلاغ ثانی میں رافضیت سکھائی جاتی تھی۔

③ بلاغ ثالث اندھے مقلد مریدوں کے لیے تھا۔ اس میں مہدی کے رسول ہونے کا یقین دلایا جاتا تھا۔

④ بلاغ رابع ان کے لیے تھا جنہیں دو سال تک آزمایا گیا ہو، یہاں مہدی کو خدا کہا جاتا تھا۔

⑤ بلاغ خامس ان کے لیے تھا جنہیں تین سال آزمایا گیا ہو۔

⑥ بلاغ سادس اس کے لیے تھا جو چار سال تک اس تحریک کے لیے جدوجہد کرتا رہا ہو۔

⑦ بلاغ سابع میں مرید کو "ناموس اعظم" کے مقام پر فائز کر دیا جاتا تھا یعنی اسے ہر حرام کام کی اجازت مل جاتی تھی اور وہ ہر شرعی پابندی سے آزاد ہو جاتا تھا۔

عبیداللہ نے پسِ پردہ رہ کر اپنے ایک ہوشیار مرید ابوعبداللہ شیعی کو افریقہ بھیجا جس نے قبائلی سرداروں کے بچوں کو قرآن پڑھانے کا جھانسا دے کر اپنا کام شروع کیا اور جلد ہی بہت سے سرداروں کو بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس زمانے میں تیونس کی دولتِ اغالبہ زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ابوعبداللہ نے اس کے خلاف محاذ کھول دیا اور تین لاکھ کے قبائلی لشکر کے ذریعے ۲۹۶ھ میں تیونس پر قابض ہو گیا۔

ان فتوحات کے بعد ابوعبداللہ نے عبیداللہ بن میمون کو بلوا بھیجا کہ میدان صاف ہو چکا ہے۔ چنانچہ عبیداللہ بن میمون تیونس کے پایۂ تخت قیروان پہنچا جہاں ربیع الآخر ۲۹۷ھ میں اس نے آلِ رسول کی حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا جسے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے "دولت فاطمیہ" کا نام دیا گیا، حالانکہ یہ حکومت آلِ رسول کے دین کو مٹانے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں اس بات کو حلال نہیں سمجھتا کہ (اس خاندان کو) علوی فاطمی کہا جائے؛ اس لیے کہ میرے دل میں یہ بات راسخ ہے کہ یہ جھوٹے نسب کے دعوے دار تھے۔"①

① سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۱۸۳

عبیداللہ کے جال میں پھنسنے والے زیادہ تر دیہاتوں کے جاہل لوگ تھے۔شہروں کے لوگ اس نئے دین کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔خصوصاً علماء اس پر شدت سے سراپا احتجاج تھے،لہٰذا عبیداللہ نے ان گنت علماء کو گرفتار اور قتل کیا،مساجد میں گھوڑے بندھوا دیے اور ایسے ایسے ستم ڈھائے کہ زمین کانپ اُٹھی۔لیبیا کے قبیلہ ہواری کے سردار ہارون نے اس ظلم کے خلاف تلوار اٹھائی مگر اسے ناکامی ہوئی۔عبیدیوں نے مزاحمت کا مرکز بننے والے شہروں کو نذرِ آتش کر کے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں کو باندیاں بنالیا۔برقہ میں لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور آگ پر بھونے اور پکائے گئے۔اس کے بعد ان تڑپتے افراد کو آگ میں جھونک دیا گیا۔عبیداللہ نے ۳۰۰ھ میں تیونس میں ایک نیا شہر بسایا اور اسے اپنی طرف منسوب کرکے ''مَہدِیَہ'' کا نام دیا اور اسی کو اپنا پایۂ تخت بنالیا۔علماء کو قتل کرنے کے لیے اس نے ''دَارُ النَّحر'' نامی قربان گاہ بنوائی جس میں ہزارہا علماء اور صوفیاء کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

دولتِ ادارسہ کا خاتمہ:

۳۰۵ھ میں عبیداللہ بن میمون کی افواج مغرب کی طرف بڑھیں اور دولتِ ادارسہ کے آخری خودمختار حکمران یحییٰ بن ادریس کو اپنا باج گزار بنالیا۔۳۱۰ھ میں یحییٰ بن ادریس سے برائے نام حکمرانی بھی چھین لی گئی۔۳۰۱ھ سے ۳۰۸ھ تک عبیداللہ نے مصر پر کئی حملے کیے اور دریائے نیل کے مغرب کا سارا علاقہ فتح کرلیا۔

عبیداللہ ۳۲۲ھ میں شدید بواسیر میں مبتلا ہو کر تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوا۔

القائم

۳۲۲ھ تا ۳۳۴ھ

عبیداللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد ابوالقاسم ''القائم'' کے لقب سے تخت نشین ہوا۔وہ بے دینی میں اپنے باپ سے کہیں بڑھ کے تھا۔اس کے نمائندے کھلے عام اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لعنت کرتے پھرتے تھے۔نعوذ باللہ۔

بنوعبید نے شمالی افریقہ کی جن حکومتوں کو تہہ وبالا کیا تھا ان میں خوارج کی حکومتیں بھی تھیں۔اس صورتحال سے تنگ آکر خارجی شخص ابو یزید نے بنوعبید کے خلاف بغاوت کردی۔علمائے اہلِ سنت نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

۳۳۴ھ میں عبیدی حکمران محمد القائم فوت ہوگیا۔اس وقت تک ابو یزید کی شورش جاری تھی۔

المنصور

۳۳۴ھ تا ۳۴۱ھ

القائم کے بعد اس کا بیٹا المنصور حکمران بنا۔اس کی عمر اس وقت ۴۱ سال تھی۔اس وقت ابو یزید خارجی کی بنوعبید سے جنگیں جاری تھیں مگر ابو یزید نے سخت غلطی یہ کی کہ اہلِ سنت سے برا برتاؤ کیا اور سنی آبادیوں پر حملے کیے۔اس طرزِ عمل نے اسے تنہا کر دیا اور آخر کار وہ شکست کھا کر قتل ہوگیا۔ان تحریکوں کے ناکام تجربات کو دیکھتے ہوئے افریقی

علماء نے پوری توجہ خفیہ تعلیم وتدریس اور دعوتِ دین پر مرکوز کر دی۔ بنوعبید کی اصل طاقت افریقہ کے کتامی، صنہاجی اور بربری قبائل تھے۔ علماء نے ان قبائلی سرداروں کے بچوں پر خاص توجہ دی اور انہیں بلا معاوضہ تعلیم سے آراستہ کرتے رہے۔ آگے چل کر یہی لڑکے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے تو حالات آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگے اور جگہ جگہ کلیدی مناصب میں اہلِ سنت کے ہمدرد پیدا ہو گئے۔ المنصور بیمار ہو کر شوال ۳۴۱ھ میں فوت ہو گیا۔

المُعِزّ

۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ

المنصور کا بیٹا المعز اس کا جانشین ہوا۔ اس کے دور میں بنوعبید نے مزید ترقی کی۔ شعبان ۳۵۸ھ میں وہ مصر پر بھی قابض ہو گئے جو اہلِ سنت علماء وفقہاء کا قدیم مرکز تھا۔ المُعِز نے اعلامیہ جاری کیا کہ اذان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور تمام اسلامی احکام کتاب وسنت کے مطابق جاری رکھے جائیں گے، مگر شہروں میں اپنا عملہ تعینات کرتے ہی اس نے جبراً اپنے عقائد اور بدعات کا پرچار شروع کر دیا۔

المعز کا وزیر ایک رومی خادم ''جوہر'' تھا، اس نے ۳۵۹ھ میں فسطاط کے بالمقابل ایک نئے شہر قاہرہ کی بنیاد رکھی جسے بنوعبید نے اپنا پایۂ تخت بنالیا۔ تب سے آج تک یہی شہر مصر کا دار الحکومت چلا آیا ہے۔ اسی جوہر نے ۳۶۱ھ میں یہاں ''جامع الازہر'' نامی مسجد کی داغ بیل ڈالی تا کہ اسے مرکز بنا کر اپنے عقائدِ فاسدہ کی اشاعت کی جائے۔

مصر کے بعد بنوعبید نے جلد ہی شام پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہاں بھی ظلم وستم میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی اور تین ہزار کے لگ بھگ بے گناہ افراد کو تہِ تیغ کیا گیا۔ رملہ کے مشہور فقیہ ابو بکر ابن نابلسی رحمہ اللہ ایک مدت سے بنوعبید کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے آئے تھے۔ انہیں کھڑا کر کے نشتر سے ان کی کھال اتار دی گئی اور پھر قتل کر دیا گیا۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ جب بھی ابو بکر ابن نابلسی رحمہ اللہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بے حال ہو جاتے۔

۳۶۵ھ میں مکہ اور مدینہ کے حکام بھی بنوعبید کے باج گزار بن گئے اور وظیفہ خور علماء مسجد الحرام اور مسجدِ نبوی کے منابر پر اس کے لیے دعائیں کرنے لگے۔ یہی المُعِز کی زندگی کا آخری سال تھا۔

العزیز

۳۶۵ھ تا ۳۸۶ھ

المُعِز کی موت کے بعد اس کا بیٹا العزیز کے لقب سے حکمران بنا۔ وہ اپنے باپ دادا جیسا ظالم وجابر نہ تھا۔ اس کے دور میں بنوعبید کا سکہ شام اور یمن میں بھی چلنے لگا۔ شام کے بڑے بڑے شہر مثلاً: حماۃ، حمص اور حلب بھی ان کے ماتحت آ گئے۔ حتیٰ کہ ۴۰۱ھ میں کوفہ اور موصل میں بھی بنوعبید کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اس نے ساڑھے پچیس سال حکومت کی اور رمضان ۳۸۶ھ میں فوت ہوا۔

العزیز کے دور کی خاص بات یہ تھی کہ اس نے بربری قبیلے صنہاجہ کو تیونس سے مراکش تک تمام علاقے سپرد کر دیے۔ اس طرح یہاں صنہاجی سردار ماتحت حکام کے طور پر حکومت کرنے لگے۔ ان میں سب سے بڑا سردار یوسف بلکگین بن زیری تھا جس نے ۳۶۲ھ سے ۳۷۳ھ تک حکومت کی۔ اس کے بعد یہ علاقے اسی کی اولاد کے ماتحت رہے۔

الحاکم

۳۸۶ھ تا ۴۱۱ھ

العزیز کی موت کے بعد اس کا گیارہ سالہ بیٹا الحاکم کے لقب کے ساتھ حکمران بنا۔ وہ کم عمر، احمق اور ظالم تھا۔ اس نے اپنے مخالفین کے لیے ''جہنم'' نامی ایک عقوبت خانہ بنایا جس میں تشدد کے عجیب وغریب آلات تھے۔ الحاکم ایک دن ایک حکم دیتا۔ کچھ دنوں بعد اسے منسوخ کر کے اس کے برعکس کوئی اور ہدایت جاری کر دیتا۔

۳۹۵ھ میں اس نے نائبین کو حکم دیا کہ صحابہ کرام پر سب وشتم کریں۔ صحابہ کے لیے توہین آمیز الفاظ کے کتبے بازاروں، مساجد اور بڑی عمارتوں پر نصب کر دیے گئے۔

۳۹۹ھ میں اس نے نماز تراویح کی اجازت دی مگر ۴۰۱ھ میں ممانعت کر دی۔

۳۹۵ھ میں اس نے حکم دیا کہ کتے جہاں دکھائی دیں انہیں مار دیا جائے۔ اس نے جو کی شراب کو حرام کر دیا۔ باقی قسم کی شرابیں چلتی رہیں۔ اس نے شہد پر پابندی عائد کر دی اور شہد کے ذخائر کو بحیرۂ روم میں بہا دیا۔ ایک بار اس نے عورتوں کے گھروں سے نکلنے پر سخت پابندی لگا دی۔ سات سال سات ماہ بعد حکم دیا کہ عورتیں آزادانہ گھوم پھر سکتی ہیں۔

ایک بار اسے تواضع وانکساری کا شوق ہوا تو اپنے لیے زمین بوسی کی ممانعت کرا دی۔ ایک بار اس پر بڑا بننے کا بھوت سوار ہوا تو خدائی کا دعویٰ کرنے کی سوچنے لگا۔ ایک بار غصہ آیا تو قاہرہ کی آبادی کو نذرِ آتش کرا دیا۔

الحاکم کے دور میں ایک اُموی سردار ابورَکوہ (ولید بن یزید) نے خروج کر کے بنوعبید کو جنگوں میں پے در پے شکستیں دیں مگر آخر میں بنوعبید نے اسے دھوکے سے اغوا کر لیا۔ ابورکوہ نے ذلت سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی۔

الحاکم کی حماقتوں سے اس کی ہمشیرہ بہت تنگ تھی۔ اس نے ایک فوجی افسر کو بڑے عہدے کا لالچ دے کر ۴۱۱ھ میں الحاکم کو قتل کرا دیا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وہ اپنے دور کا شیطان مردود اور فرعونِ زمانہ تھا۔''

الظاہر

۴۱۱ھ تا ۴۲۷ھ

الحاکم کے بعد اس کا سولہ سالہ بیٹا الظاہر تخت نشین ہوا جو ایک عیاش نوجوان تھا اور زیادہ تر رنگ رلیوں میں مست رہتا تھا۔ اس کے دور میں رملہ کے حاکم حسان بن مُفرِّج نے بنوعبید سے شام کا وسیع علاقہ چھین لیا، یوں دولتِ بنوعبید

کچھ کمزور پڑ گئی۔ الظاہر سولہ سال حکومت کرکے ۴۲۷ھ میں فوت ہوا۔

امیر الجزائر معز بن بادیس کا کارنامہ:

الظاہر کے والد الحاکم کے دور میں ۴۰۶ھ میں تیونس اور الجزائر کی ولایت صنہاجی قبیلے کے نوجوان مُعز بن بادیس کو مل گئی جس نے مالکی علماء سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے عدلیہ کا شعبہ مالکی فقہاء کو سونپ کر تدریجاً احیائے سنت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ الظاہر کے دور میں وہ اہلِ سنت کو منظم کرتا رہا۔ پھر الظاہر کے بیٹے مستنصر کے زمانے میں اس نے ۴۴۰ھ میں بنوعبید کا خطبہ اور سکہ منسوخ کر دیا اور عباسی خلیفہ القائم کا خطبہ شروع کرا دیا۔ ۴۵۳ھ میں مُعز بن بادیس کا انتقال ہو گیا۔ شمالی افریقہ میں اسلام کی حفاظت اور شعائرِ سنت کے احیاء میں اس کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔

اَلْمُسْتَنْصِر

۴۲۷ھ تا ۴۸۷ھ

الظاہر کا بیٹا مستنصر سات سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور ساٹھ سال حکمران رہا۔ اتنی مدت کسی اُموی یا عباسی حکمران کو نصیب نہیں ہوئی۔ مستنصر میں انتظامی قابلیت نہ تھی۔ امورِ مملکت اس کے وزیر بدر جمالی کے ہاتھ میں تھے۔ اس کے دور میں عوام مفلوک الحال تھے۔ قحط نے لوگوں کو عاجز کر دیا تھا۔ معیشت بدحالی کی انتہاء پر تھی۔

مستنصر بنوعبید کا واحد حکمران تھا جس کا خطبہ ایک سال (۴۵۱ھ میں) بغداد میں بھی پڑھا گیا۔ مگر اس کے بعد بنو عبید کا زوال تیزی سے شروع ہوا۔ تیونس اور الجزائر کو مُعز بن بادیس نے پہلے ہی آزاد کرا لیا تھا۔ جبکہ مراکش میں مرابطین کے امیر یوسف بن تاشفین نے ایک مستحکم اسلامی حکومت قائم کر لی تھی۔ اُدھر سلجوقی حکمران ملک شاہ نے ۴۷۱ھ میں پورے شام اور حجاز کو بنوعبید سے بازیاب کرا لیا۔ یوں بنوعبید کی حدود بہت گھٹ گئیں۔

مستنصر نے سلجوقیوں اور مرابطین سے خطرہ محسوس کر کے یورپی طاقتوں کو شام پر حملے کی دعوت دے دی۔ یوں یورپی ممالک میں عالمِ اسلام پر یلغار کی نئی ہمت پیدا ہو گئی اور چند سال بعد سقوطِ بیت المقدس کا سانحہ پیش آیا۔

مستنصر ۴۸۷ھ میں فوت ہوا۔

اَلْمُسْتَعْلِی

۴۸۷ھ تا ۴۹۵ھ

مستنصر نے اپنے بیٹے نزار کو ولی عہد مقرر کیا تھا مگر اس کے وزیر بدر جمالی نے نزار کی جگہ مستنصر کے دوسرے بیٹے مستعلی کو حکمران بنا دیا۔ اس طرح بنوعبید دو حصوں میں بٹ گئے۔ مستعلی کے بھائی نزار نے یہ کہہ کر بغاوت کر دی کہ باپ نے مجھے امام مقرر کیا تھا مگر آخر میں نزار شکست کھا کر قتل ہو گیا اور اس کے مرید مشرقی علاقوں میں جا بسے۔ نزار

کے ایک حامی حسن بن صباح نے ایران جا کر ''قلعہ الموت'' کو اپنا مرکز بنایا اور فرقہ ''باطنیہ اسماعیلیہ'' کی بنیاد رکھی۔

پہلی صلیبی جنگ:

مستعلی کے دور میں شام پر یورپی طاقتوں کا حملہ ہوا جو پہلی صلیبی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ جب شمال سے یورپی طاقتیں شام پر حملہ آور ہوئیں تو مستعلی نے جنوب سے چڑھائی کر دی اور شعبان ۴۹۱ھ (جولائی ۱۰۹۸ء) میں القدس پر قبضہ جما لیا۔ تاہم یورپی طاقتیں جب القدس پہنچیں تو بنوعبید سے دوستی کا لحاظ کیے بغیر ۲۳ شعبان ۴۹۲ھ کو بیت المقدس میں داخل ہو گئیں اور شہریوں کا بری طرح قتلِ عام کیا۔ اس سانحے میں صلیبیوں کے ساتھ بنوعبید برابر کے شریک تھے۔ مستعلی صفر ۴۹۵ھ میں فوت ہوا۔

الآمر

۴۹۵ھ تا ۵۲۵ھ

مستعلی کے بعد اس کا پانچ سالہ بیٹا الآمر حکمران بنا۔ اس کا سارا زمانہ لہو ولعب اور عیاشی میں گزرا۔ اس دور میں ابن تومرت نامی ایک عالم فاضل امیر نے افریقہ میں دولتِ موحدین کی بنیاد رکھ کر بنوعبید کو اتنا پسپا کیا کہ ان کے پاس صرف مصر باقی رہ گیا۔ ۵۲۴ھ میں الآمر حسن بن صباح کے فدائیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

الحافظ

۵۲۵ھ تا ۵۴۴ھ

الآمر کے بعد اس کا چچا زاد عبدالمجید بن محمد حکمران بنا اور ''الحافظ'' کا لقب اختیار کیا۔ وہ کمزور مگر سازشی حکمران تھا۔ وہ جب بھی کسی کو وزیر بناتا تو اس سے دب جاتا اور وزیر ہر چیز پر حاوی ہو جاتا۔ پھر یہ سازشیں کر کے اسے مروا دیتا۔ اس نے بیس سال سات ماہ تک حکومت کی۔ ۵۴۴ھ میں فوت ہوا۔

الظافر

۵۴۴ھ تا ۵۴۹ھ

الحافظ کے بعد اس کا نالائق اور عیاش بیٹا ''الظافر'' حکمران بنا۔ پانچ سال حکومت کر کے ۵۴۹ھ میں اپنے امراء کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دور میں موصل کے حکمران عماد الدین زنگی نے فرنگیوں کے خلاف جوابی یلغار شروع کی۔ [1]

---

[1] عماد الدین زنگی اور اس کے فرزند سلطان نور الدین زنگی کے کچھ حالات خلفائے بنو عباس کے ذیل میں گزر چکے ہیں اور کچھ آگے صلیبی جنگوں کے ضمن میں آپ پڑھ لیں گے۔

الفَائز

۵۴۹ھ تا ۵۵۵ھ

الظافر کے بعد اس کا پانچ سالہ بیٹا ''الفائز'' تخت نشین ہوا۔ چھ سال برائے نام حکومت کر کے ۵۵۵ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے دور میں فرنگیوں کے خلاف سلطان نورالدین زنگی کی فتوحات شروع ہوئیں۔

العَاضد

۵۵۵ھ تا ۵۶۷ھ

الظافر کے بعد سابق خلیفہ الحافظ کا نو سالہ بیٹا یوسف ''العاضد'' کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے فرنگیوں کے حملوں اور اپنے مکار وزیر شاور کی سازشوں سے بچنے کے لیے سلطان نورالدین زنگی سے مدد لی۔ نورالدین کے حکم پر اس کے افسر شیرکوہ نے لشکر کے ساتھ مصر پہنچ کر عاضد کو بچایا اور ملک کی وزارت بھی سنبھال لی مگر شیرکوہ کا وقتِ اجل جلد آن پہنچا اور عہدۂ وزارت اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو مل گیا جس نے بعد میں ملک کا تمام نظم و نسق ہاتھ میں لے کر بنوعبید کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ ۲۱ سالہ العاضد اپنی برطرفی کے چند دن بعد ۵۶۷ھ میں فوت ہوگیا۔ اس طرح شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو ۲۷۰ سالوں پر محیط بنوعبید کی جابرانہ حکومت سے نجات ملی۔

بنوعبید کے حکمران

۱	عبیداللہ بن میمون	۲۹۷ھ تا ۳۲۲ھ	۹۱۰ء تا ۹۳۴ء	بانی فرقہ، بانی حکومت
۲	القائم	۳۲۲ھ تا ۳۳۴ھ	۹۳۴ء تا ۹۴۶ء	استحکام حکومت
۳	المنصور	۳۳۴ھ تا ۳۴۱ھ	۹۴۶ء تا ۹۵۲ء	
۴	المُعز	۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ	۹۵۲ء تا ۹۷۶ء	پایہ تخت مصر منتقل کیا
۵	العزیز	۳۶۵ھ تا ۳۸۶ھ	۹۷۶ء تا ۹۹۶ء	
۶	الحاکم	۳۸۶ھ تا ۴۱۱ھ	۹۹۶ء تا ۱۰۲۰ء	نفسیاتی مریض حکمران
۷	الظاہر	۴۱۱ھ تا ۴۲۷ھ	۱۰۲۰ء تا ۱۰۳۶ء	
۸	المستنصر	۴۲۷ھ تا ۴۸۷ھ	۱۰۳۶ء تا ۱۰۹۴ء	طویل ترین حکمرانی
۹	المستعلی	۴۸۷ھ تا ۴۹۵ھ	۱۰۹۴ء تا ۱۱۰۲ء	دورِ زوال
۱۰	الآمر	۴۹۵ھ تا ۵۲۵ھ	۱۱۰۲ء تا ۱۱۳۱ء	

۱۱	الحافظ	۵۲۵ھ تا ۵۴۴ھ	۱۱۳۱ء تا ۱۱۴۹ء	
۱۲	الظافر	۵۴۴ھ تا ۵۴۹ھ	۱۱۴۹ء تا ۱۱۵۴ء	
۱۳	الفائز	۵۴۹ھ تا ۵۵۵ھ	۱۱۵۴ء تا ۱۱۶۰ء	
۱۴	العاضد	۵۵۵ھ تا ۵۶۷ھ	۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۲ء	آخری حکمران

بنوعبید کے دور پر ایک نظر:

بنوعبید کے دور میں رافضی علماء کی تصانیف کے سوا باقی دینی کتب پر پابندی عائد تھی۔ اہلِ سنت کے مدارس بند کردیے گئے تھے۔ مساجد میں علماء کا درس دینا ممنوع تھا۔ صحابہ کی توہین عام تھی۔ صحابہ کرام کی تعریف کرنے والا گرفتار یا قتل کردیا جاتا۔ اس دور میں اذان تبدیل کردی گئی۔ نمازِ عیدین اور نمازِ تراویح پر پابندی رہی۔ ظہر کی نماز وقت سے پہلے پڑھنے کا رواج شروع کردیا گیا۔ نمازِ جمعہ کے خطبے میں صحابہ پر تبرابازی معمول بن گئی۔ لوگوں نے مساجد کا رخ کرنا چھوڑ دیا اور گھروں میں نماز پڑھنے لگے۔ مساجد ویران ہوگئیں اور دینی شعائر مٹ گئے۔

قاہرہ کی تعمیر:

بنوعبید کی سب سے بڑی یادگار قاہرہ کا عظیم الشان شہر ہے جس کی بنیاد عبیدی خلیفہ معز کے نائب جوہر نے رکھی تھی۔ اس وقت یہ ایک قلعہ نما شہر تھا جہاں صرف سرکاری لوگ رہتے تھے۔ یہاں بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ آخری عبیدی حکمران عاضد کے کتب خانے میں کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں تھیں۔

قصرِ شرقی عبیدی خلیفہ کی قیام گاہ تھا جو چار ہزار کمروں پر مشتمل تھا۔ عبیدی امام کی نشست خالص سونے کے تخت پر ہوا کرتی تھی۔ عبیدیوں کے خزانے میں دنیا بھر کے بے مثل اور نادر و نایاب جواہر کا انبار تھا۔[1]

❁❁❁

---

① مذکورہ فرقوں کے بانیوں اور ان کی حکومتوں کے احوال درج ذیل کتب سے لیے گئے ہیں:

❁ کشف اسرار الباطنیۃ والقرامطۃ: از محمد بن مالک الیمانی

❁ الموسوعۃ المیسرۃ فی الادیان والمذاہب: از مانع بن حماد الجہنی

❁ البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب: از ابن عذاری

❁ نہایۃ الارب فی فنون الادب: از النویری ❁ الروضتین فی اخبار الدولتین: از ابو شامہ المقدسی

❁ سیر اعلام النبلاء: حافظ ذہبی ❁ اتعاظ الحنفاء باخبار الائمۃ الفاطمیین الخلفاء: از المقریزی

❁ الملل والنحل: از علامہ شہرستانی ❁ تاریخ فرشتہ: از محمد قاسم فرشتہ

الفائز

۵۴۹ھ تا ۵۵۵ھ

الظافر کے بعد اس کا پانچ سالہ بیٹا ''الفائز'' تخت نشین ہوا۔ چھ سال برائے نام حکومت کر کے ۵۵۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے دور میں فرنگیوں کے خلاف سلطان نور الدین زنگی کی فتوحات شروع ہوئیں۔

العاضد

۵۵۵ھ تا ۵۶۷ھ

الظافر کے بعد سابق خلیفہ الحافظ کا نو سالہ بیٹا یوسف ''العاضد'' کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے فرنگیوں کے حملوں اور اپنے مکار وزیر شاور کی سازشوں سے بچنے کے لیے سلطان نور الدین زنگی سے مدد لی۔ نور الدین کے حکم پر اس کے افسر شیرکوہ نے لشکر کے ساتھ مصر پہنچ کر عاضد کو بچایا اور ملک کی وزارت بھی سنبھال لی مگر شیرکوہ کا وقتِ اجل جلد آن پہنچا اور عہدۂ وزارت اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو مل گیا جس نے بعد میں ملک کا تمام نظم و نسق ہاتھ میں لے کر بنوعبید کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ ۲۱ سالہ العاضد اپنی برطرفی کے چند دن بعد ۵۶۷ھ میں فوت ہو گیا۔ اس طرح شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو ۲۷۰ سالوں پر محیط بنوعبید کی جابرانہ حکومت سے نجات ملی۔

بنوعبید کے حکمران

۱	عبیداللہ بن میمون	۲۹۷ھ تا ۳۲۲ھ	۹۱۰ء تا ۹۳۴ء	بانی فرقہ، بانی حکومت
۲	القائم	۳۲۲ھ تا ۳۳۴ھ	۹۳۴ء تا ۹۴۶ء	استحکام حکومت
۳	المنصور	۳۳۴ھ تا ۳۴۱ھ	۹۴۶ء تا ۹۵۲ء	
۴	المُعزّ	۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ	۹۵۲ء تا ۹۷۶ء	پایۂ تخت مصر منتقل کیا
۵	العزیز	۳۶۵ھ تا ۳۸۶ھ	۹۷۶ء تا ۹۹۶ء	
۶	الحاکم	۳۸۶ھ تا ۴۱۱ھ	۹۹۶ء تا ۱۰۲۰ء	نفسیاتی مریض حکمران
۷	الظاہر	۴۱۱ھ تا ۴۲۷ھ	۱۰۲۰ء تا ۱۰۳۶ء	
۸	المستنصر	۴۲۷ھ تا ۴۸۷ھ	۱۰۳۶ء تا ۱۰۹۴ء	طویل ترین حکمرانی
۹	المستعلی	۴۸۷ھ تا ۴۹۵ھ	۱۰۹۴ء تا ۱۱۰۲ء	دورِ زوال
۱۰	الآمر	۴۹۵ھ تا ۵۲۵ھ	۱۱۰۲ء تا ۱۱۳۱ء	

۱۱	الحافظ	۵۲۵ھ تا ۵۴۴ھ	۱۱۳۱ء تا ۱۱۴۹ء	
۱۲	الظافر	۵۴۴ھ تا ۵۴۹ھ	۱۱۴۹ء تا ۱۱۵۴ء	
۱۳	الفائز	۵۴۹ھ تا ۵۵۵ھ	۱۱۵۴ء تا ۱۱۶۰ء	
۱۴	العاضد	۵۵۵ھ تا ۵۶۷ھ	۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۲ء	آخری حکمران

بنوعبید کے دور پر ایک نظر:

بنوعبید کے دور میں رافضی علماء کی تصانیف کے سوا باقی دینی کتب پر پابندی عائد تھی۔ اہلِ سنت کے مدارس بند کر دیے گئے تھے۔ مساجد میں علماء کا درس دینا ممنوع تھا۔ صحابہ کی توہین عام تھی۔ صحابہ کرام کی تعریف کرنے والا گرفتار یا قتل کر دیا جاتا۔ اس دور میں اذان تبدیل کر دی گئی۔ نمازِ عیدین اور نمازِ تراویح پر پابندی رہی۔ ظہر کی نماز وقت سے پہلے پڑھنے کا رواج شروع کر دیا گیا۔ نمازِ جمعہ کے خطبے میں صحابہ پر تبرابازی معمول بن گئی۔ لوگوں نے مساجد کا رخ کرنا چھوڑ دیا اور گھروں میں نماز پڑھنے لگے۔ مساجد ویران ہوگئیں اور دینی شعائر مٹ گئے۔

قاہرہ کی تعمیر:

بنوعبید کی سب سے بڑی یادگار قاہرہ کا عظیم الشان شہر ہے جس کی بنیاد عبیدی خلیفہ معز کے نائب جوہر نے رکھی تھی۔ اس وقت یہ ایک قلعہ نما شہر تھا جہاں صرف سرکاری لوگ رہتے تھے۔ یہاں بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ آخری عبیدی حکمران عاضد کے کتب خانے میں کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں تھیں۔

قصر شرقی عبیدی خلیفہ کی قیام گاہ تھا جو چار ہزار کمروں پر مشتمل تھا۔ عبیدی امام کی نشست خالص سونے کے تخت پر ہوا کرتی تھی۔ عبیدیوں کے خزانے میں دنیا بھر کے بے مثل اور نادر و نایاب جواہر کا انبار تھا۔ ①

---

① مذکورہ فرقوں کے بانیوں اور ان کی حکومتوں کے احوال درج ذیل کتب سے لیے گئے ہیں:
- کشف اسرار الباطنیۃ والقرامطۃ: از محمد بن مالک الیمانی
- الموسوعۃ المیسرۃ فی الادیان والمذاھب: از مانع بن حماد الجھنی
- البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب: از ابن عذاری
- نھایۃ الارب فی فنون الادب: از النویری
- الروضتین فی اخبار الدولتین: از ابو شامہ المقدسی
- سیر اعلام النبلاء: حافظ ذھبی
- اتعاظ الحنفاء باخبار الائمۃ الفاطمیین الخلفاء: از المقریزی
- الملل والنحل: از علامہ شہرستانی
- تاریخ فرشتہ: از محمد قاسم فرشتہ

مشق

سوالات کے جوابات دیجئے:

❶ بنوعبید کے ہاں بلاغ اوّل سے بلاغ سابع تک سات درجات کی وضاحت کیجئے۔

❷ درج ذیل میں سے کسی ایک عنوان پر دس تا پندرہ سطریں تحریر کیجئے: الحاکم عبیدی، عقیدہ امامت، فرقہ اسماعیلیہ

❸ قرامطہ کا فتنہ کیسے پھیلا اور اس کے استیصال میں کن حکمرانوں کا اہم کردار رہا؟

❹ عبید اللہ بن میمون اصل میں کون تھا اور اس نے اتنی بڑی سلطنت کیسے قائم کی؟

❺ پہلی صلیبی جنگ میں بنوعبید کا کردار کیا رہا؟

❻ امیر معز بن بادیس کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

❼ حسن بن صبّاح کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

❽ باطنیوں کی حکومت کا خاتمہ کس طرح ہوا؟

عملی کام:

❁ ساتھیوں کے ساتھ مباحثہ کیجئے کہ بنوعبید حقیقت میں فاطمی نسل سے تھے یا نہیں؟

❁ ایسا نقشہ دیکھیے جس میں بنوعبید کے دورِ عروج کی حدود واضح ہوں۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ الموسوعة الميسرة فی الاديان والمذاهب

❁ اطلس تاریخ الاسلام ، از دکتور حسین مؤنس

❁ الموسوعة الموجزة فی التاریخ الاسلامی

❁❁❁

تیسرا باب

عباسی دور اور صلیبی جنگیں

تعارف:

عباسی دور میں یورپی حکومتوں اور مذہبی رہنماؤں نے بیت المقدس کی بازیابی کو عنوان بنا کر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگیں شروع کر دیں جو دو صدیوں تک جاری رہیں۔ یہ باب ان جنگوں کے حالات پر مبنی ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. مسلمانوں کے بارے میں دُولِ یورپ کے مذموم عزائم اور صلیبی جنگوں کے مقاصد کو سمجھ سکیں۔
2. پہلی صلیبی جنگ سے آٹھویں صلیبی جنگ کی دو صد سالہ تاریخ کو مختصراً جان سکیں۔
3. یورپ اور عالم اسلام پر صلیبی جنگوں کے مابعد اثرات کا جائزہ لے سکیں۔

(یونٹ:2.12)

صلیبی جنگوں کا دور

نصاریٰ سے فرزندانِ اسلام کے معرکوں کا آغاز جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہو چکا تھا، جنگِ موتہ اور غزوۂ تبوک میں روم کے نصاریٰ ہی مدمقابل تھے۔ حضور رحمت عالم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں تیار کیا جانے والا لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اسی مہم کے لیے روانہ کیا جا رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں رومی افواج کی کمر ٹوٹ گئی، بیت المقدس فتح ہو گیا اور ارضِ مقدس کے علاوہ شام اور مصر بھی مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے۔ بیت المقدس کا ہاتھ سے نکل جانا نصرانیوں کے لیے ایک ناقابلِ برداشت بات تھی، وہ ہر قیمت پر اسے واپس لینا چاہتے تھے مگر اسلام کے شمشیر بکف محافظ بیدار تھے، اس لیے صدیوں تک ان کو اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے کچھ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ مگر پانچویں صدی عیسوی میں خلافتِ اسلامیہ کی کمزوری اور مسلمانوں کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر نصرانیوں نے عالمِ اسلام پر قبضے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے اور صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کیا جو دو صدیوں تک جاری رہا۔

صلیبی جنگوں سے مراد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہ لڑائیاں ہیں جن کی دعوت نصرانیوں کے مذہبی پیشوا دیتے ہیں اور یہ جنگیں صلیب کے نام پر صلیبی پرچم تلے لڑی جاتی ہیں۔ یہ جنگیں باقاعدہ طور پر ۴۸۹ھ میں شروع ہوئیں اور ان کا اختتام ۶۹۰ھ میں ہوا اس طرح یہ دو صدیوں پر محیط ہیں۔ ان جنگوں کے باقاعدہ آغاز سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے ان جنگوں کی راہ ہموار ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس کا پہلا سبب عباسی خلافت کی کمزوری کی شکل میں پیدا ہو چکا تھا۔ یہ چوتھی صدی ہجری کا زمانہ تھا جب عباسی خلافت بے اختیار ہو کر دیلمی شیعہ امراء کے ہاتھوں کھلونا بن چکی تھی اور عالمِ اسلام منتشر حکومتوں کا مجموعہ بن کر کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ موقع پا کر قیصرِ روم کے سالار نیکوفورس (نقفور) نے اسلامی سرحدوں پر حملے شروع کر دیے اور شام کے ساحل پر قابض ہو گیا۔ صرف ایک مسلمان حاکم سیف الدولہ اس سے جہاد کرتا رہا، ۳۵۶ھ میں سیف الدولہ کا انتقال ہوا تو نصرانی مزید جری ہو گئے۔ ۳۶۱ھ میں دیار بکر تک ان کا تسلط ہو گیا۔ ان جنگوں کو صلیبی جنگیں نہیں کہا جاتا مگر یہ ان کی تمہید ضرور تھیں۔ نصرانی ان فتوحات سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکے اور مسلمانوں نے مقبوضہ علاقے کچھ مدت بعد ان سے واپس لے لیے مگر نصرانیوں کو یہ اندازہ ہو گیا کہ مسلمان ناقابلِ شکست نہیں اور ان کا زوال شروع ہو چکا ہے۔ صلیبی جنگیں پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں شروع ہوئیں۔ ①

---

① التاریخ الاسلامی العام لعلی ابراہیم حسن، ص ۳۸۲، ۳۸۳؛ تمدنِ عرب از گستاؤلی بان، ترجمہ از سید علی بلگرامی: ص ۲۹۳، ط حیدرآباد دکن۔ ان جنگوں کا ذکر تاریخِ امتِ مسلمہ حصہ سوئم میں بنو عباس کے دورِ زوال میں آ چکا ہے۔

نقشہ نمبر 3


پانچویں صدی ہجری
پہلی صلیبی جنگ کے بعد
ایشیا اور یورپ کا جغرافیہ
براعظم یورپ
براعظم ایشیا
براعظم افریقہ
ناروے
سویڈن
بحیرۂ ایبض
لیتھینیا
ڈنمارک
ہالینڈ
انگلینڈ
پولینڈ
جرمنی
فرانس
ہنگری
آسٹریا
سوئٹزرلینڈ
سربیا
بلغاریہ
رومانیہ
بحراوقیانوس
نصرانی اندلس
پرتگال
اسلامی اندلس
اٹلی
سسلی
یونان
بحیرۂ اسود
بازنطینی سلطنت
سلطنت سلاجقہ روم
کردستان
بحیرۂ خزر
قزوین
بحیرۂ خوارزم
ماوراء النہر
خراسان
سلطنت سلاجقہ عراق
غزنوی غوری سلطنت
دہلی
دولت اتابکیہ
موصل
بغداد
بحیرۂ روم
کریٹ
قبرص
شام کی نصرانی ریاستیں
القدس
قاہرہ
دولت عبیدیہ مصر
تیونس
مراکش
سلطنت مرابطین / موحدین
مدینہ منورہ
خلیج فارس
بحرہند



سلطان صلاح الدین ایوبی کی سلطنت اور اہم مہمات



صلیبی جنگوں کے اسباب:

دورِ خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں نے بازنطینیوں کو بحیرۂ روم کے پار دھکیل دیا تھا۔ فلسطین کے مقاماتِ مقدسہ دورِ فاروقی سے مسلمانوں کی حفاظت میں تھے، القدس ہی میں نصرانیوں کی مزعومہ مرقدِ مسیح بھی تھی جسے ان کے سب سے مقدس مقام کی حیثیت حاصل تھی۔ نصرانی اپنے اس مذہبی مرکز کی بازیابی کا خواب صدیوں سے دیکھ رہے تھے مگر ان کا مسلمانوں پر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ بازنطینی روم کے شعور میں پہلی صدی ہجری کی پے در پے شکستوں کی کسک اب بھی باقی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی خوشحالی اور ثروت دیکھ کر یہ اقوام شدید حسد کا شکار تھیں اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح ان نعمتوں اور وسائل پر خود قابض ہو جائیں۔ صدیوں سے دبا جذبہ انتقام اور ہوسِ مال و ملک گیری صلیبی جنگوں کے اصل محرکات تھے۔ ان محرکات کے ساتھ جب کچھ اہم اسباب مل گئے تو صلیب شعلہ زن ہوگئی۔ اس جنگ کی آگ کو ہوا دینے والے فوری اسباب یہ تھے:

❶ دو صدیوں سے مصر اور شمالی افریقہ پر شیعوں کے ایک خاندان بنوعبید کی حکومت تھی جو مستقل خلافت کا دعوے دار بن کر خود کو فاطمی خلافت کے نام سے موسوم کرتا تھا۔ یہ خاندان شام سے لے کر خراسان تک حکومت کرنے والے سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کا سخت مخالف تھا۔ اسی مخالفت کی بناء پر ۴۶۲ھ میں عبیدی حکمرانوں نے صلیبیوں کو شام پر حملے کے لیے اکسانا شروع کر دیا تاکہ ان کے مخالف سلجوقی بادشاہ کمزور پڑ جائیں۔

❷ نامور سلجوقی حکمران الپ ارسلان نے ۴۶۳ھ کی جنگِ ملازکرد میں قیصرِ روم ارمانوس دیوجانس کو ایسی شکست فاش دی کہ بازنطینیوں کی عظمت خاک میں مل گئی۔ اس کے بعد رومی مسلمانوں سے انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔ زمانہ ماقبل از اسلام سے نصرانیت دو مراکز میں تقسیم تھی: ایشیا کے نصرانی قُسطَنطِینِیّہ کے کلیسا کے تابع تھے جو شرقی کلیسا کہلاتا تھا جبکہ یورپ کے نصرانی کلیسائے روم کے پیروکار تھے جو مغربی کلیسا کہلاتا تھا۔ جنگِ ملازکرد کے بعد قُسطَنطِینِیّہ کے نئے قیصر الیکزیس نے مشرقی اور مغربی کلیسا کو متحد کرنے کی کوشش کی اور روم کے پوپ سے مسلمانوں کے خلاف مدد کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ یوں مدتِ دراز کے بعد نصرانی مسلم دشمنی کی خاطر متحد ہوگئے۔

❸ ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں مراکش کے حکمران یوسف بن تاشفین نے اُندُلُس کے میدان زلاقہ میں ایک تاریخی معرکہ لڑ کر نصرانیوں کو عبرتناک شکست دی اور اُندُلُس کو نصرانیت کے قبضے میں جانے سے بال بال بچالیا۔ نصرانی اس شکست کا بدلہ ایشیا میں لینا چاہتے تھے۔

❹ فارغ اور بے مقصد زندگی گزارنے والے کم ثروت نصرانی شہزادوں کو نئی جاگیروں کے لیے نوآبادیات کی تلاش تھی اور یورپی تاجر نئی منڈیوں کی جستجو میں تھے۔ مسلمانوں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ ان مقاصد کے حصول کا اچھا بہانہ بن سکتا تھا۔

❺ ۴۸۴ھ میں بحیرہ روم میں واقع اسلامی جزیرے صقلیہ (سسلی) پر نصرانیوں نے قبضہ کرلیا۔ اس سے اہل یورپ

میں مسلمانوں کے خلاف کامیابیوں کی نئی امنگیں پیدا ہو گئیں۔

❻ باعظمت سلجوقی حکمران ملک شاہ جس کی ہیبت ساری دنیا پر طاری تھی، اچانک فوت ہو گیا جس کے فوراً بعد شام کی سلجوقی حکومت کئی ٹکڑوں میں بٹ کر نصرانیوں کے لیے ترنوالہ بن گئی، اس سے یورپ کو شام پر حملے کا حوصلہ ہونے لگا اور صلیبی جنگوں کے لیے تمام راہیں ہموار ہو گئیں۔

❼ نصرانیت میں پیدائشی گناہ کے عقیدے نے ہر شخص میں احساس جرم پیدا کر رکھا تھا، اور حقیقتاً بھی وہاں اخلاقی جرائم کا کوئی حد و شمار نہ تھا۔ پادریوں نے جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے اعلان کیا کہ اس جنگ میں شرکت سے آدمی گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔ اس طرح صلیبی قائدین اپنے اصل مادی مقاصد کو اوجھل رکھ کر جنگوں کو مذہبی لبادہ اوڑھاتے ہوئے عوام کو مشتعل کر دیا۔[1]

صلیبی جنگوں کے اہداف و مقاصد:

یورپی حکمرانوں کے ذہنوں میں اس جنگ کے درج ذیل مقاصد تھے:

❶ ایشیائی مسلم ممالک کو فتح کرنا

❷ القدس پر قبضہ کرنا

❸ مسلمانوں سے گزشتہ صدیوں کی شکستوں کا انتقام لینا

❹ اسپین پر قبضہ کرنا

❺ عالم اسلام کے تجارتی راستوں، دولت، پیداوار، معدنیات اور جملہ اقتصادی وسائل پر تسلط حاصل کرنا

❻ یہودیوں کا اپنی القدس واپسی کی آرزوؤں کی تکمیل کرنا

یہودی اس جنگ میں کھلم کھلا شریک نہیں تھے مگر انہیں امید ہو چلی تھی کہ انہیں اس طرح ہیکل سلیمانی تک رسائی کا راستہ مل سکتا ہے۔ چنانچہ ٹیمپلرز کی شکل میں ان کی خفیہ تنظیم شروع سے نصرانیوں کے ساتھ تھی۔[2]

کلرماؤنٹ کانفرنس:

نصرانی پادریوں نے اپنی قوم کو اشتعال دلانے کے لیے یہ پرچار کیا کہ مسلمان القدس میں ہمارے مقدس مقامات کی توہین اور یورپی زائرین پر ظلم کر رہے ہیں جب کہ اس الزام کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ مسلم حکام زائرین کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ انہی دنوں یورپ کے ایک جنونی راہب پیٹر (پطرس) نے القدس کی زیارت سے یورپ واپس جا کر اپنی اشتعال انگیز تقاریر میں مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا اور مختلف ملکوں کا دورہ کر کے فضا میں ایک آگ سی لگا دی۔ پوپ بھی اس کا ہمنوا ہو گیا۔ پوپ اربن ثانی نے ذوالقعدہ ۴۸۸ھ (نومبر ۱۰۹۵ء)

---

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۴۶۳ھ، ۴۷۹ھ، ۴۸۳ھ، سنۃ ۴۹۱ھ ② الحروب الصلیبیۃ فی المشرق و المغرب لدکتور محمد العروسی المطوی: ص ۳۵، ط دار الغرب الاسلامی، تاریخ ابن خلدون: ۲ ص ۵، ۴۷، ۲ ص ۲۰۹، ط دار الفکر

میں فرانس کے شہر کلر ماؤنٹ میں ایک عظیم مذہبی کانفرنس بلا کر امرائے یورپ کو القدس کی بازیابی پر ابھارا اور کہا کہ جو اس جنگ میں صلیب اٹھا کر ساتھ نہیں ہوگا وہ مسیح کا پیروکار نہیں رہے گا۔ یورپی بادشاہ بھی یہ جوش وخروش دیکھ کر جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر جمعہ ۱۵ اگست ۱۰۹۶ء کو پوپ اربن ثانی نے وینس کے مقام پر پہلی صلیبی جنگ کا اعلان کیا۔ ①

ڈاکٹر محمد اسد کا تبصرہ:

نامور یورپی اسکالر ڈاکٹر محمد اسد مرحوم کا کہنا ہے یورپ کی اسلام دشمن نفسیات کا دیباچہ اسی کانفرنس میں لکھ دیا گیا تھا اور یہی اسلام دشمنی تب سے اب تک یورپ کی روح میں رچی بسی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''صلیبی جنگوں سے سارے یورپ کو ایک مشترکہ نصب العین مل گیا، یعنی مسیحیت کا نیم سیاسی اور نیم مذہبی تصور جس نے آخر کار اپنی جگہ پر یورپ کے ثقافتی تصور کو تخلیق کیا۔ جب نومبر ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن ثانی نے کلیر ماؤنٹ کے مقام پر اپنی شہرہ آفاق تقریر کے دوران مسیحیوں کو اس ''ناہنجار قوم'' کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے کے لیے للکارا جس نے ارضِ مقدس پر قبضہ کر لیا تھا تو اس وقت موصوف نے دراصل دانستہ طور پر مغربی تہذیب کی دستاویز ہی کا اعلان کیا تھا اور اس کا نظریہ پیش کیا تھا۔'' ②

پہلی صلیبی جنگ:

یلغار کے پہلے مرحلے میں پیٹر راہب تیرہ لاکھ افراد کا مجمع لے کر ایشیائے کوچک کی سرحدوں میں داخل ہوا مگر قونیہ کے حاکم قلیج ارسلان نے اس غیر مرتب فوج کو شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ بعد میں دس لاکھ مرتب افواج روانہ ہوئیں، فرانس کا حاکم گاڈ فرے ان کا عمومی کمانڈر تھا۔ یہ سیلاب ۴۸۹ھ (۱۰۹۷ء) میں عالم اسلام کی سرحدوں میں داخل ہوا اور رجب ۴۹۲ھ میں القدس کا محاصرہ کر لیا۔ بیالیس دن کے محاصرے کے بعد شعبان ۴۹۲ھ (جولائی ۱۰۹۹ء) میں ارضِ مقدس پر پرچم صلیب لہرا دیا گیا۔ نصرانی فاتحین نے یہاں کے شہریوں کا بہیمانہ قتل عام کر کے اپنی درندہ صفتی کا کھلا ثبوت فراہم کیا۔ یہاں کم از کم ستر ہزار مسلمان شہید کیے گئے۔ اس سانحے سے پوری دُنیا کے مسلمانوں میں رنج اور غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ خود یورپی مؤرخین نے اعتراف کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں مقتول مسلمانوں کا اتنا خون بہا جس میں صلیبیوں کے گھوڑے گھٹنوں تک ڈوب گئے تھے۔ شام میں نصرانیوں کی پیش قدمی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور ساحل شام کے خاصے رقبے پر نصرانی ریاستیں قائم ہو گئیں جن کا مرکز یروشلم (القدس) تھا۔ ③

عماد الدین زنگی:

القدس کے سقوط سے عالم اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی، مگر مسلم حکام اس کی بازیابی کے لیے ایک مدت تک کچھ نہ کر

---

① الحروب الصلیبیۃ فی المشرق والمغرب لدکتور محمد العروسی المطوی: ص ۲۹ تا ۳۵؛ الکامل فی التاریخ سنۃ ۴۸۰ھ تا ۴۸۵ھ
② The road to Makkah.p:06
③ تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی بحوالہ تاریخ یورپ، اے جے گرانٹ، ص: ۲۵۷؛ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۴۹۰ھ، ۴۹۱ھ، ۴۹۲ھ

سکے۔ آخر ۲۶ سال بعد عراق سے عماد الدین زنگی نامی جری مجاہد کا ظہور ہوا۔ وہ ایک فوجی افسر تھا جو ۵۱۸ھ (۱۱۲۴ء) میں واسط اور بصرہ کا جاگیر دار بنا۔ جلد ہی اس نے جہاد کا علم سنبھال کر اپنے حملوں سے دنیائے نصرانیت کو بدحواس کر دیا۔ ۵۲۴ھ میں اس نے فرنگیوں کے مضبوط ترین قلعے ''حصن اثارب'' پر قبضہ کر لیا۔ پھر حارم پر حملہ کیا جس کے والی نے سالانہ نصف آمدنی وصول کرنے کے معاہدے پر صلح کر لی اور مسلمان نصرانیوں کے مظالم سے محفوظ ہو گئے۔

عماد الدین زنگی نے جمادی الآخرہ ۵۳۹ھ (دسمبر ۱۱۴۴ء) میں ''رہا'' کا عظیم شہر فتح کر کے مدتوں بعد نصاریٰ کی قوت پر کاری ضرب لگائی جسے مؤرخین فتح الفتوح کا نام دیتے ہیں۔ فرنگی زنگی کی فتوحات سے خوفزدہ ہو گئے اور اس کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اُدھر ۵۴۱ھ میں عماد الدین زنگی ایک قاتلانہ حملے میں جاں بحق ہو گیا۔ [1]

نور الدین زنگی اور دوسری صلیبی جنگ:

عماد الدین زنگی کے بیٹے سلطان نور الدین زنگی نے اپنے باپ کے شروع کردہ سلسلہ جہاد کو جاری رکھا اور صلیبیوں سے مسلسل کئی کامیاب معرکے لڑے۔ سیرت اور کردار کے لحاظ سے نور الدین زنگی کو اسلامی تاریخ کے بہترین حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس دور میں اسلام کا پرچم ایک بار پھر بلند تر ہونے لگا۔ القدس کی بازیابی نور الدین زنگی کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نور الدین زنگی کی قیادت میں مسلمان جلد بیت المقدس کو بازیاب کرا لیں گے۔ اس خطرے کو بھانپ کر جرمنی کے بادشاہ کونراڈ ثالث اور فرانس کے تاجدار برنارڈ لوئیس ہفتم نے مشترکہ تیاری کے ساتھ لاکھوں سپاہیوں کا ٹڈی دل لشکر ترتیب دیا اور ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ء) ء میں ایشیائے کوچک سے ہوتے ہوئے شام پر چڑھائی کر دی۔ مگر سلطان نور الدین زنگی اپنے بھائی سیف الدین غازی کو لے کر دمشق کے حاکم معین الدین انر کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ ان مجاہدین نے دو سال تک بھرپور مزاحمت کر کے ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں صلیبی لشکر کو واپسی پر مجبور کر دیا۔ نصرانی حملہ آوروں کی اس دوسری مشترکہ یلغار کو تاریخ میں دوسری صلیبی جنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۵۴۹ھ میں دمشق بھی نور الدین زنگی کی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ ۵۵۹ھ میں سلطان نور الدین نے ایک زبردست معرکے میں دس ہزار صلیبی جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے ان کے اہم مرکز قلعۂ حارم پر قبضہ کر لیا۔ [2]

سلطان نور الدین زنگی اور مصر کی مہم:

اس زمانے میں مصر پر اسماعیلی شیعوں کے ایک خاندان بنو عبید کا قبضہ تھا۔ ان کے آخری خلیفہ عاضد کو اپنے اندرونی مخالفین، باغیوں اور نصرانیوں کے خلاف کمک کی ضرورت پڑی تو سلطان نور الدین نے ۵۵۹ھ (اپریل ۱۱۶۴ء) میں اپنے قابل سالاروں شیرکوہ اور صلاح الدین ایوبی کو وہاں بھیج دیا۔ عاضد نے شیرکوہ کو اپنا نائب بنا لیا۔ پھر اس کے انتقال کے بعد یہ منصب نوجوان صلاح الدین ایوبی کو بخش دیا۔ صلاح الدین ایوبی نے مصر پر فرنگیوں کے ہر حملے کو

---

(1) الکامل فی التاریخ: سنۃ ۵۲۱ھ، ۵۳۰ھ، ۵۳۱ھ، ۵۳۲ھ، ۵۳۹ھ، ۵۴۱ھ؛ وفیات الاعیان: ۲ص ۳۲۷، ۳۲۸، ط دار صادر

(2) تاریخ ابن خلدون: ۲۷۹/۵، ط دار الفکر؛ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۵۴۴ھ، ۵۴۵ھ، ۵۴۹ھ، ۵۵۹ھ

ناکام بنا کر اس ملک کی حفاظت کی اور تمام سرکاری اُمور تدریجاً اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ محرم ۵۶۷ھ (ستمبر ۱۱۷۱ء) میں عباسی خلیفہ مستضیٔ اور سلطان نورالدین زنگی کے حکم پر صلاح الدین ایوبی نے مصر سے بنوعبید کا خطبہ ختم کرکے وہاں عباسی خلفاء کا خطبہ جاری کردیا۔ اُدھر عاضد جلد ہی وفات پا گیا۔ یوں بنوعبید کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ ①

سلطان صلاح الدین ایوبی

۵۶۹ھ میں بیت المقدس کی آزادی کے لیے کوشاں سلطان نورالدین زنگی کی وفات ہوگئی اور صلاح الدین ایوبی نے اس ادھوری مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کا ہر لمحہ جہد مسلسل سے عبارت تھا، انہوں نے دین مبین کی سربلندی، کفر سے جہاد اور بیت المقدس کی بازیابی کے لیے انتھک جدوجہد کی اور اللہ بزرگ وبرتر نے انہیں ان کے ارادوں میں کامیاب کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا تعلق کرد قوم سے تھا جو شام، عراق اور ترکی کی سرحد میں آباد ہے۔ ان کے والد نجم الدین ایوب مشرقی آذربائیجان کے ایک گاؤں ''دُوِین'' کے رہنے والے تھے، بعد میں وہ شام آکر عماد الدین زنگی کی فوج میں شامل ہوگئے۔ ان کے بھائی 'اسد الدین شیر کوہ' بھی ان کے ساتھ تھے، دونوں نے اپنی صلاحیتوں کی بناء پر نمایاں ترقی کی، نجم الدین ایوب کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے صلاح الدین ایوبی کے لیے بھی ترقی کے راستے کھل گئے۔ سلطان نورالدین زنگی نے ان کی قابلیت دیکھتے ہوئے مصر کی فتح کے لیے انہیں اسد الدین شیرکوہ کا دست راست بنا کر روانہ کیا تھا۔ مصر پر تسلط کے کچھ عرصے بعد جب شیرکوہ نے وفات پائی تو نورالدین زنگی کے نائب کی حیثیت سے صلاح الدین ایوبی نے وہاں کی حکومت سنبھال لی۔

۵۶۹ھ میں سلطان نورالدین زنگی کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کے خودمختار حاکم بن گئے۔ پھر انہوں نے دمشق اور شام کی چند دیگر چھوٹی چھوٹی کمزور مسلم ریاستوں کو بھی اپنی تحویل میں لے کر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی جو صلیبی حکمرانوں کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے اور انہیں اسلامی مقبوضات سے نکالنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس سے قبل سلطان کی زندگی ایک عام سپاہی کی سی تھی مگر حکمران بنتے ہی انہوں نے راحت وآرام سے منہ موڑ لیا۔ ان کے دل میں یہ خیال جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے جس کے ساتھ عیش وآرام کا کوئی جوڑ نہیں۔ انہوں نے ارض مقدس کو صلیبی جنگجوؤں کے وجود سے پاک کرنا اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ ②

بغاوتوں اور سازشوں کی بیخ کنی:

مصر پر سلطان صلاح الدین کے اقتدار سے قبل اسماعیلی شیعوں کا قبضہ تھا۔ سلطان نے یہاں اہلسنت والجماعت کا

---

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۵۵۹ھ، ۵۶۴ھ، ۵۶۵ھ، ۵۶۶ھ، ۵۶۷ھ

② النوادر السلطانیۃ: ص ۱۸ تا ۹۱؛ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۵۷۰ھ، ۵۷۵ھ

مذہب عام کیا، اس بناء پر اسماعیلی شیعہ سلطان سے انتقام کی آگ میں جل رہتے تھے۔ شام میں بھی مسلم امراء اور نصرانی حکام سلطان ایوبی کے دشمن تھے۔ ان لوگوں کے اکسانے پر باطنی گروہ کے فدائیوں نے یکے بعد دیگرے سلطان پر کئی قاتلانہ حملے کیے مگر پروردگار عالم کو اسلام کی فتح اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے سلطان صلاح الدین کی زندگی منظور تھی، اس لیے وہ ہر بار محفوظ رہے۔ محرم ۵۷۹ھ میں سلطان صلاح الدین نے آمد اور اس کے کچھ عرصے بعد حلب پر قبضہ کرلیا جس سے سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی اور دریائے نیل سے لے کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ ①

ریجی نالڈ کی گستاخیاں اور سلطان کا عزم:

فرنگی حکمرانوں میں کرک کا قلعہ دار ریجی نالڈ سب سے زیادہ فتنہ پرست، دغاباز اور اسلام کا دشمن تھا، آنے جانے والے قافلوں کو لوٹنا اس کا معمول تھا، مسلمان تاجر اور حاجی اکثر اس کا نشانہ بن جاتے، اس کی گستاخیاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ وہ برملا خانہ کعبہ اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کو مسمار کرنے کی خواہش ظاہر کیا کرتا تھا (نعوذ باللہ)۔ اس ناپاک مقصد کے لیے اس نے جدید تکنیک سے خصوصی بحری بیڑا تیار کرایا اور ۵۷۹ھ میں بحیرۂ قلزم کے راستے حجاز مقدس پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی بحری فوج کے امیر البحر حسام الدین لؤلؤ نے یہ اطلاع پاتے ہی اس کا تعاقب کیا۔ ریجی نالڈ اور اس کے سپاہی خوفزدہ ہو کر خشکی پر اتر گئے۔ لؤلؤ نے مقامی بدوؤں کے ساتھ مل کر ان کی بڑی تعداد کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا، تاہم ریجی نالڈ بذاتِ خود بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ کچھ عرصے بعد ریجی نالڈ نے ایک اور وحشیانہ کارروائی کی اور مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹ کر تمام افراد کو قید کرلیا۔ مسلمانوں نے اس سے رحم کی التجا کی تو اس نے یہ گستاخانہ جواب دیا: ''تم محمد (ﷺ) پر ایمان لائے ہو، اب اس سے کہو کہ تمہیں چھڑالے۔''

سلطان صلاح الدین کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے قسم کھا کر عہد کیا کہ اگر ریجی نالڈ ہاتھ لگ گیا تو اسے اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار کر گستاخی کی سزا دیں گے۔ ②

جنگِ حطین:

۵۸۳ھ میں طرابلس کے نصرانی حاکم ریمنڈ اور القدس کے مسیحی حکمران گائی لے ا۔پنے سابق اختلافات بھلا کر سلطان کے مقابلے کے لیے صفوریہ میں پچاس ہزار سپاہیوں کا زبردست لشکر جمع کرلیا۔ صفوریہ نصرانیوں کے لیے ایک محفوظ اور مستحکم مقام تھا، اس لیے وہاں براہ راست حملہ کرنے کی بجائے سلطان نے ان کے ایک اہم مرکز طبریہ پر اپنی فوجیں اتار دیں، یہ دیکھ کر نصرانی افواج تلملا اٹھیں اور طبریہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔ مسلمانوں نے ان کے راستوں کے چشمے اور تالاب ناقابل استعمال بنا دیے تھے۔ لہٰذا جب نصرانی مسلمانوں کی لشکرگاہ کے قریب پہنچے تو وہ پیاس سے

---

① کتاب الروضتین: صفحہ ۹۹۲ تا ۹۹۵

② کتاب الروضتین، صفحہ ۹۹۵ تا ۹۹۶

بے حال تھے۔ اگلے دن ۲۵ ربیع الآخر ۵۸۳ھ کو یہاں کوہ حطین کے قریب ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی خود بجلی کی طرح لشکر اسلام کے مختلف حصوں میں جا جا کر ان کو ہدایات دے رہے تھے۔ سلطان کے حکم سے تیراندازوں نے نصرانی سواروں کو تاک تاک کر ایسے نشانے لگائے کہ وہ ایک طرف ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ ادھر سے سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خاص دستوں کو لے کر خود آگئے اور ان کو تیروں کی بارش میں واپس دھکیل دیا، سلطان کی ہدایت پر نصرانی لشکرگاہ کے قریب واقع جھاڑیوں میں آگ لگا دی گئی، ہوا کے رخ پر لپکتے ہوئے شعلوں نے نصرانیوں کو لپیٹ میں لے لیا، اس صورتحال سے نصرانی بد دل ہو گئے۔ آخر میں انہوں نے کوہ حطین کے قریب جمع ہو کر بچ نکلنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لے رکھا تھا، مایوس ہو کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ یادگار معرکہ فلسطین کی مسیحی ریاستوں کے مکمل خاتمے اور بیت المقدس کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

فتح کے بعد سلطان صلاح الدین نے شاہ یروشلم گائی اور ریجی نالڈ کو خیمے کے اندر طلب کیا۔ سلطان نے ریجی نالڈ سے کہا "سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی دو مرتبہ قسم کھائی تھی: ایک مرتبہ اس وقت جب تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اور دوسری مرتبہ اس وقت جب تو نے دھوکے بازی سے حاجیوں کے قافلے پر حملہ کیا تھا۔ اب دیکھ میں محمد ﷺ کی طرف سے تجھ سے انتقام لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تاہم اس سے قبل اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس طرح جاں بخشی کا ایک موقع فراہم کیا مگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا، آخر سلطان نے تلوار کا وار کر کے اپنی قسم کے مطابق اپنے ہاتھ سے اس بدبخت کو واصل جہنم کر دیا، سابق بادشاہ گائی یہ دیکھ کر کانپ رہا تھا، مگر سلطان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہوں کو قتل کریں مگر اس شخص (ریجی نالڈ) کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئی تھیں۔"①

بیت المقدس کی فتح:

حطین کی یادگار فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے لشکر کو آرام کے لیے صرف ایک دن آرام دیا اور پھر اسے ایک متلاطم سیلاب کی طرح فلسطین کی حدود میں پھیلا دیا۔ سلطان کے بھائی ملک العادل اور ان کے بھتیجے تقی الدین الگ الگ سمتوں پر پیش قدمی کرتے ہوئے قلعوں پر قلعے فتح کرتے چلے گئے۔ طبریہ، عکا، یافا، صیدا، بیروت اور عسقلان یکے بعد دیگرے اسلامی فوجوں کے آگے سرنگوں ہو گئے۔

عسقلان کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین کے لیے بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ بالکل صاف ہو چکا تھا، اُمت مسلمہ کی بے چین نگاہیں محاذ جنگ پر جمی تھیں۔ تقریباً ایک صدی کے بعد ارض مقدس میں سجدہ ریزی کے لیے لاکھوں پیشانیاں مضطرب تھیں۔ سلطان صلاح الدین کے لیے اس آخری معرکہ میں کامیابی کی دعائیں ہر لمحہ آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔ مصر اور شام کے سینکڑوں اکابر، مشائخ، علماء اور بزرگان دین اس فتح کی سعادت میں شرکت کے لیے

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۵۸۳ھ، کتاب الروضتین: سنۃ ۵۸۳ھ، والبدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۵۸۳ھ

سلطان کی لشکر گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ ۱۵ رجب ۵۸۳ھ (ستمبر ۱۱۸۷ء) کو اسلامی لشکر بیت المقدس کی بلند فصیلوں کے سامنے جا پہنچا۔ بیت المقدس میں اس وقت گزشتہ کئی جنگوں کی شکست خوردہ نصرانی فوجیں جمع ہو چکی تھیں۔ کئی دن تک لڑائی جاری رہی، مسلمان منجنیقوں کے ذریعے فصیل کو شکستہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ فصیل پر موجود ہزاروں نصرانی سنگ باری اور تیراندازی کے ذریعے اور باہر متعین نصرانی جنگجو دست بدست مقابلہ کر کے ان کو فصیل کے قریب آنے سے روک رہے تھے مگر زخموں اور شہادتوں کے باوجود غازیوں نے فصیل پر دھاوا جاری رکھا اور آخر کار فصیل کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ منجنیقوں کو نزدیک لایا گیا اور کم فاصلے سے ان کی مسلسل سنگ باری نے فصیل کے پرخچے اڑا دیے۔ نصرانیوں کو شکست سامنے نظر آرہی تھی۔ انہوں نے ایک وفد بھیج کر سلطان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ انہیں جان و مال کی امان دی جائے۔ سلطان نے جواب دیا:

"میں تمہارے ساتھ وہی کروں گا جو ۴۹۲ھ میں تم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔"

اس جواب سے نہ صرف نصرانی پیشواؤں بلکہ ان کے ہر خاص و عام پر موت کا سکتہ طاری ہو گیا۔ آخری کوشش کے طور پر نصرانیوں کا بڑا سردار "بالیان" خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت کے ساتھ سلطان کو اس کے سابقہ رحم و کرم کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ نصرانیوں کی جان بخشی کر دے۔ اس وقت سلطان صلاح الدین کو پوری قوت حاصل تھی کہ وہ وہاں نصرانیوں کے خون کے دریا بہا دیتے مگر انہوں نے اسلامی رواداری، مہربانی، فیاضی اور بخشش کی ایک یادگار مثال قائم کرتے ہوئے یہ درخواست قبول کر لی۔ جمعہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو نوے برس بعد قبلہ اوّل دوبارہ مسلمانوں کی تحویل میں آیا۔[1] قاضی ابن شداد رحمہ اللہ جو سلطان کے خاص مصاحب تھے، لکھتے ہیں:

"اس عظیم فتح کے موقع پر اہل علم، اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لیے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہ رہا۔ ہر طرف دعاء، تہلیل و تکبیر کا شور تھا۔ بیت المقدس میں (۹۰ برس بعد) جمعہ کی نماز ادا کی گئی۔ گنبد صخرہ پر جو صلیب نصب تھی، اتار دی گئی۔ ایک عجب منظر تھا اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں سے نظر آرہی تھی۔"[2]

سلطان نورالدین زنگی نے اپنی زندگی میں بیت المقدس کے لیے ایک بیش قیمت منبر بڑے اہتمام سے تیار کرایا تھا تاکہ فتح کے بعد مسجد اقصیٰ میں نصب کیا جائے۔ سلطان زنگی کی زندگی میں یہ موقع نہ آسکا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کی آرزو کے مطابق حلب سے وہ منبر منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کرایا۔

---

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۵۸۳ھ، کتاب الروضتین: سنۃ ۵۸۳ھ
② النوادر السلطانیۃ: ص ۱۳۴

سلطان صلاح الدین ایوبی نے وعدے کے مطابق فتح کے بعد نصرانیوں کو ان کی توقع سے بھی بڑھ کر امن وامان فراہم کیا، اہل شہر پر فی کس نہایت معمولی زرِفدیہ لاگو کیا اور جسے اس کی ادائیگی کی طاقت نہ ہوتی اس کے ساتھ نہایت فراخ دلی کا معاملہ کیا۔ سلطان کے بھائی ملک العادل نے ایسے ایک ہزار افراد کو جو زرِفدیہ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے غلام بنا لیے گئے تھے، اپنی طرف سے آزاد کر دیا۔ سلطان صلاح الدین نے شہر میں منادی کرادی کہ جو بوڑھے فدیہ ادا کرنے سے عاجز ہیں انہیں آزاد کیا جاتا ہے، انہیں اختیار ہے جہاں چاہیں چلے جائیں۔ شہر کے تمام گلی کوچوں اور بڑے دروازوں پر سلطان کے معتمد آدمی کھڑے تھے تاکہ کوئی فوجی کسی مقامی شخص پر زیادتی نہ کرنے پائے۔ ①

سلطان کے اس بے مثال رحم وکرم سے متاثر ہو کر مغربی مؤرخ لین پول لکھتا ہے:

''ہم جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے موقع پر کی تھیں، جب گاڈفرے اور ٹنکریڈ بیت المقدس کے بازار سے اس حال میں گزر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کی لاشوں سے بھرا ہوا تھا اور جاں بلب زخمی وہاں تڑپ رہے تھے، جب صلیبی بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر قتل کرتے تھے، زندہ آدمیوں کو جلا رہے تھے اور القدس کی چھت پر پناہ لینے والے مسلمانوں کو تیروں سے چھلنی کر کے نیچے گرا رہے تھے...... بے رحم نصرانیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم وکرم ہو رہا تھا۔'' ②

تیسری صلیبی جنگ:

سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا تو یورپ کی تمام چھوٹی بڑی نصرانی مملکتوں میں اشتعال کی ایک لہر دوڑ گئی۔ القدس کا لاٹ پادری راہبوں، مذہبی پیشواؤں اور امراء کے ایک وفد کے ہمراہ سیاہ ماتمی لباس میں روم پہنچا اور پاپائے اعظم کی سرپرستی میں پورے یورپ کا دورہ کیا۔ وہ مسلمانوں کے مظالم کے فرضی افسانوں کے ذریعے یخ بستہ یورپ کو ایک دہکتے آتش فشاں میں تبدیل کرنے لگا۔ چنانچہ پورے یورپ میں کہرام مچ گیا۔ نہ صرف شاعر اور گویے دردناک نغموں کے ذریعے عوام کے جذبات کو بھڑکانے لگے بلکہ مصور بھی اپنے فن کو کمال پرکاری کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اندھی نفرت پھیلانے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ پادری مصوروں کے ذریعے ایسی فرضی تصاویر بنواتے تھے جن میں ایک عربی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لڑتے دکھایا جاتا تھا۔ بعض تصاویر میں یہ منظر پیش کیا جاتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس عربی شخص کے ہاتھوں بری طرح پٹ رہے ہیں ان کے بدن سے خون جاری ہے اور وہ زمین پر گر چکے ہیں۔ لوگ یہ دہشت ناک تصاویر دیکھ کر حیران ہوتے اور پادری انہیں بتاتے کہ یہ عرب کا نبی ہے، جو مسیح کو مار رہا ہے، مسیح اس کے ہاتھوں مر گیا ہے۔'' یہ سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے۔

اس قسم کی ڈرامہ بازیوں میں صور کا حاکم کونرڈ مارکوئیس پیش پیش تھا۔ اس نے یورپ میں اشتعال انگیزی کو ہوا دینے

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۵۸۳ھ، کتاب الروضتین: سنۃ ۵۸۳ھ، البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۵۸۳ھ ② صلاح الدین از سٹینلے لین پول: ص ۲۰۳

کے لیے ایک نیا حربہ آزمایا۔اس نے یورپ کے نصاریٰ کو مشتعل کرنے کے لیے ایک بہت بڑی تصویر بنوائی جس میں ایک مسلم گھڑسوار کو قبر مسیح پر چڑھتے اور گھوڑے کو قبر پر پیشاب کرتے دکھایا گیا تھا۔① یہ دیوہیکل تصویر یورپ کے کونے کونے میں گھمائی گئی اور بڑے جلسوں میں دکھائی گئی۔اس قسم کی فرضی تصاویر نے نصرانیوں کو مزید جوش دلادیا۔

نصرانی مذہبی پیشواؤں اور بادشاہوں کو ڈر تھا کہ اگر دیر کی گئی تو نصرانی اقوام میں صلیبی جنگوں کا بپھرا ہوا جذبہ اور بیت المقدس کی بازیافت کا جوش سرد پڑ جائے گا جبکہ مسلمانوں کا اقتدار دن بدن مستحکم ہوتا جائے گا چنانچہ دوسال کی مسلسل تیاریوں کے بعد پورے یورپ میں ''تیسری صلیبی جنگ'' کا بگل بجادیا گیا اور ۵۸۵ھ (۱۱۸۹ء) میں تمام یورپ کی متحدہ افواج بیت المقدس کو چھیننے کے لیے شام کے ساحل پر لنگرانداز ہونے لگیں۔شاید ہی کوئی معروف یورپی حکمران ہو جو اس جنگ میں اپنے لشکر سمیت شامل نہ ہوا ہو۔فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس، شاہ برطانیہ رچرڈ شیر دل اور جرمنی کا حکمران فریڈرک بار بروسا ان میں پیش پیش تھے۔سسلی، آسٹریا اور دیگر چھوٹے چھوٹے یورپی ملکوں اور جزیروں کے حاکم اور نواب بھی اپنے اپنے زرہ پوش دستوں سمیت اس سیلاب میں شامل تھے جبکہ عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کا فریضہ ادا کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی تنہا تھے۔خلافت عباسیہ عافیت کوشی کا لحاف اوڑھے بغداد میں محوِخواب تھی اور دیگر چھوٹے بڑے مسلم ممالک کے حکمران بھی اپنی سیاسی چپقلشوں سے فارغ نہ تھے۔ایسے میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے تن تنہا جس پامردی سے اس ہولناک یلغار کا مقابلہ کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یادرکھی جائے گی۔

صلیبی شام کے اہم ساحلی شہر عکا کے ساحل پر پہنچ گئے اور خشکی وتری دونوں جانب سے اس کا سخت محاصرہ کرلیا۔ سلطان ایوبی ان کے مدمقابل آئے تو ایک ہولناک جنگ کا آغاز ہوا جسے تاریخ تیسری صلیبی جنگ کے نام سے یاد کرتی ہے۔یہ پانچ برس تک جاری رہی جس میں سو سے زیادہ لڑائیاں اور نو بڑے معرکے ہوئے۔سلطان صلاح الدین اور ان کے سپاہیوں نے حملہ آوروں کا ہر محاذ پر بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔نصرانیوں کی پوری کوشش یہ رہی کہ انہیں ساحلی قلعوں پر قبضہ جما کر بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا موقع مل جائے،اس قبضے کے لیے انہوں نے عکا پر قبضے کے لیے اپنی پوری قوت آزماڈالی، بحری اور بری دونوں راستوں سے وہاں مسلسل حملے کیے مگر سلطان کے سپاہیوں نے اس پہلی دفاعی لائن پر اتنی زبردست مزاحمت کی کہ صلیبیوں کے دانت کھٹے ہوگئے۔تین سال تک صلیبی حملہ آوروں کی سنگ باری سے فصیل ٹوٹ گئی تو عکا کے مسلمانوں کو مجبوراً ہتھیار ڈالنے پڑے۔مجاہدین کی بڑی تعداد قید ہوگئی۔سلطان صلاح الدین نے مذاکرات کے ذریعے ان کی جان بچانے کی کوشش کی مگر صلیبیوں نے بدعہدی کی اور بڑی تعداد میں قیدیوں کو شہید کر ڈالا۔سلطان صلاح الدین کے لیے یہ ایک شدید دھچکا تھا مگر ان کی ہمت اور حوصلے

---

① یادرہے کہ نصرانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ القدس کے کلیسائے قمامہ (چرچ سینٹ جان) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کے بعد یہیں دفن کیا گیا تھا (نعوذ باللہ من ذلک)۔

میں فرق نہ آیا۔ انہوں نے دیگر محاذوں پر بھرپور مزاحمت جاری رکھی اور عکا کے علاوہ ہر مقام پر صلیبیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ ادھر حملہ آوروں میں سے جرمنی کا بادشاہ ایشیائے کوچک کے ایک دریا میں ڈوب کر مر گیا اور شاہِ فرانس فلپ آگسٹس نے برطانوی فرمانروا رچرڈ سے اختلافات کی وجہ سے بددل ہو کر واپسی اختیار کی تاہم رچرڈ اور دیگر یورپی فرمانروا میدان میں جمے رہے۔

عکا پر قبضے کے بعد صلیبی حملہ آور رچرڈ کی قیادت میں عسقلان کی طرف بڑھے، سلطان صلاح الدین افواج کی کمی کے باعث عسقلان کا فوری دفاع نہ کر سکتے تھے، بہر حال انہوں نے صحرائے ارسوف میں رچرڈ کے ٹڈی دل لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ بہت سے مجاہدین اس معرکے میں شہید ہوئے اور باقی پسپا ہو گئے۔ اب رچرڈ عسقلان کی طرف بے روک ٹوک پیش قدمی کر رہا تھا۔ ''عسقلان'' کی فصیل نہایت بلند اور قلعہ بڑا مستحکم تھا مگر سلطان صلاح الدین فوج کے مختلف محاذوں پر مصروف ہونے کے باعث اس کی زیادہ دنوں تک حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر رچرڈ عسقلان پر قابض ہو جاتا تو بیت المقدس پر حملے کے لیے اسے ایک مضبوط چھاؤنی اور یورپ سے کمک و رسد کے لیے ایک بہترین بندرگاہ ہاتھ آ جاتی۔ سلطان صلاح الدین کے پاس وقت کم تھا، انہوں نے بیت المقدس کو بچانے کے لیے ایک عجیب اقدام کیا، ان کے حکم سے عسقلان کی آبادی کو وہاں سے منتقل کر دیا گیا اور فصیل شہر، قلعہ، دیگر عمارتوں اور بندرگاہ کو تباہ و برباد کر کے مٹی کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ جب رچرڈ کی فوجیں وہاں پہنچیں تو ان کو آڑ میں لینے والی کوئی دیوار اور ان پر سایہ کرنے والی کوئی چھت تک وہاں نہ بچی تھی، رچرڈ کو سخت مایوسی ہوئی اور وہ وہاں کوئی مورچہ نہ بنا سکا۔ ایک عارضی وقفے کے بعد ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں رچرڈ نے فرانسیسی افواج کو ساتھ ملا کر بیت المقدس پر حملہ کیا اور ارضِ مقدس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس نازک وقت پر سلطان صلاح الدین نے بڑی دانائی سے کام لیا اور حملہ آوروں کے اردگرد کے تمام علاقوں اور راستوں کے پانی کے ذخائر ناقابلِ استعمال بنا دیے۔ برطانوی اور فرانسیسی افواج طویل عرصے تک محاصرہ کیے بغیر القدس کو فتح نہیں کر سکتی تھیں اور اتنے دنوں پانی کے بغیر ان کا زندہ رہنا ممکن نہ تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ متحدہ فوجیں اس حملے کو کسی مناسب موقع پر ملتوی کر کے پسپا ہو گئیں۔ ①

محدود وقفوں کے ساتھ کئی سال تک ہلال اور صلیب کے مابین جنگوں سے دونوں فریق تھک کر بے حال ہو گئے۔ عکا کے ساحل سے لے کر بیت المقدس جانے والی شاہراہ تک لاتعداد مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا مگر نصرانیوں کے سیلاب کو مقدس شہر تک نہ پہنچنے دیا۔ انجام کار یورپی طاقتوں کو شدید نقصانات اٹھانے کے بعد مایوس ہونا پڑا۔ رچرڈ نے اس بے نتیجہ جنگ سے بیزار ہو کر سلطان کو لکھا:

''مسلمان اور نصرانی لڑتے لڑتے تباہ ہو جائیں گے، ہمارے ملک ویران ہو گئے ہیں، معاملہ صرف بیت المقدس، فلسطین اور صلیب مقدس کا ہے، بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے جس سے ہم دست بردار نہیں ہو سکتے۔

---

① الکامل فی التاریخ: سنة ۵۸۳ھ تا ۵۸۸ھ، کتاب الروضتین: سنة ۵۸۳ھ تا ۵۸۸ھ

فلسطین میں اردن تک کا علاقہ ہمارا ہے اور صلیبِ اعظم آپ کے لیے محض ایک لکڑی اور ہمارے لیے ایک عظیم شے ہے لہٰذا سلطان کو صلیبِ اعظم ہمارے حوالے کر کے ہم پر اس بارے میں احسان کرنا چاہیے۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کا یہ جواب دیا:

"القدس جتنا آپ کے لیے محترم ہے ہمارے لیے بھی اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر قابلِ احترام ہے کیوں کہ یہیں سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی لہٰذا اس کا تصور بھی نہ کریں کہ ہم اس سے دستبردار ہوں گے رہا اردن تک فلسطین کا مسئلہ ہے تو وہ ہمارا ملک ہے، آپ نے محض مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کو غصب کر لیا تھا اور رہی صلیب کی بات، تو اس پر قبضہ برقرار رکھنا ہماری مصلحتوں پر موقوف ہے۔"(1)

بالآخر پانچ سالہ خونریز جنگ کے بعد صلیبی حملہ آوروں کے حوصلے پست ہو گئے اور شعبان ۵۸۸ھ (ستمبر ۱۱۹۲ء) میں "صلح رملہ" نامی معاہدے پر اس تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا جس میں فریقین نے اپنی پوری قوت جھونک دی تھی۔ جنگ کے اختتام پر صورتحال یہ تھی کہ بیت المقدس سمیت تمام اسلامی شہر اور قلعے مسلمانوں ہی کے پاس تھے صرف عکا کا ساحلی شہر نصرانیوں کے قبضے میں تھا۔"(2)

دس گنا صلیبی افواج کے سیلاب کو روکنا اور منہ توڑ جواب دینا بلاشبہ چھٹی صدی ہجری میں اسلام کا زندہ معجزہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس پامردی سے اس ہولناک یلغار کا مقابلہ کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکومت، طاقت اور اختیار کو اسی کی رضامندی اور طاعت میں صرف کرتے ہوئے دشمنوں سے مسلسل جہاد کیا بیت المقدس کو آزاد کرایا اور زندگی کے آخری لمحے تک اپنی جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کی۔

سلطان صلاح الدین کی وفات:

جہاد کی پرمشقت زندگی اور مسلسل بے آرامی نے سلطان کو مستقل مریض بنا دیا تھا، مرض کی شدت میں رمضان کے کئی روزے قضا ہو گئے مگر جہاد نہ چھوٹا، اب جو موقع ملا تو روزے قضا کرنا شروع کر دیے، معالج نے ان کی تکلیف کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے منع کیا مگر سلطان نے یہ کہہ کر "نہ معلوم آیندہ کیا حالات پیش آئیں" تمام قضا روزے پورے کیے۔ وسط صفر ۵۸۹ھ میں مرض شدت اختیار کر گیا اور وفات سے تین روز قبل غشی کی سی حالت طاری ہو گئی، معلوم ہوتا تھا کہ بیس سال کا تھکا ماندہ مجاہد تھکان اتار رہا ہے۔ ۲۷ صفر (۳ مارچ ۱۱۹۳ء) کی صبح کا ستارہ افق پر نمودار ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ شیخ ابوجعفر رحمہ اللہ نے سکرات موت کے آثار محسوس کر کے سورہ حشر کی تلاوت شروع کی جب آیت: "هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" پہنچے تو یکایک سلطان نے آنکھیں کھول دیں، مسکرائے اور تبسم ریز لہجے میں کہا: "سچ ہے" یہ کہہ کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ سلطان کے غم

---

(1) النوادر السلطانية: ۳۲۸، ۳۳۳ (2) النوادر السلطانية: ۳۳۲، ۳۵۰

میں ہر آنکھ اشکبار نظر آتی تھی، صلیبی دنیا کے چھکے چھڑا دینے والے بطل جلیل کا انتقال اس حال میں ہوا کہ ترکے میں کوئی باغ اور مکان نہ چھوڑا تھا۔ اتنی رقم بھی نہ تھی کہ تجہیز و تکفین کے اخراجات پورے ہو سکتے۔ قرضہ لے کر کفن منگوایا گیا۔ ①

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ارضِ مقدس کو بازیاب کرا کے اُمت پر جو احسان کیا اُمت تا قیامت اسے نہیں بھول سکتی۔ ان کے شاندار کارنامے آج بھی صلیبی جنگجوؤں سے ٹکرانے والے مجاہدین کے حوصلوں کو جلا بخش رہے ہیں۔

صلیبی جنگیں ساتویں صدی ہجری میں

چوتھی صلیبی جنگ:

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بعد ان کے بیٹوں میں نااتفاقی پیدا ہوگئی جس کے باعث ۵۹۲ھ میں سلطان کے بھائی الملک العادل نے دمشق کا تخت سنبھال لیا۔ اب یورپی جہاز رانوں سے سمندر میں جھڑپیں شروع ہوئیں جنہوں نے اس وقت جنگ کی شکل اختیار کر لی جب جرمن حکمران ہنری ششم ۵۹۳ھ (۱۱۹۶ء) نے شام پر قبضے کے لیے لشکر بھیج دیے، تاہم الملک العادل نے اپنے ملک کا بھرپور دفاع کیا۔ جنگ کے دوران پہلے جرمنی کا شاہ ہنری ششم بیمار پڑ کر فوت ہوگیا جبکہ کچھ مدت بعد عکا میں صلیبی افواج کا قائد ہنری اوف شیمپن بلندی سے گر کر مر گیا۔ مجبوراً فرنگیوں نے الملک العادل سے تین سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا۔ ② اس کامیابی کے کچھ عرصے بعد الملک العادل نے مصر کی حکومت بھی سنبھال لی۔

اُدھر جرمنی کی ناکام مہم کے بعد پوپ انوسنٹ سوئم کے اُکسانے پر یورپ میں چوتھی صلیبی جنگ کا جوش پیدا ہوگیا مگر اس صلیبی جنگ کا اوّلین ہدف کلیسائے روم کے اقتدار کو بازنطینی روما پر مسلط کرنا تھا تاکہ اس کے بعد القدس کی بازیافت آسان ہو جائے۔ چنانچہ ۵۹۹ھ (۱۲۰۳ء) میں صلیبی بحری بیڑے پوپ کی ہدایت کے مطابق قُسطَنطِینیّہ روانہ ہوگئے۔ ۶۰۰ھ (۱۲۰۴ء) میں انہوں نے بازنطینی پایۂ تخت پر قبضہ کر کے وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ یہ مہم یہیں پر ختم ہوگئی مگر اس طرح کلیسائے روم کو وہ بالادستی مل گئی جس کا خواب پوپ انوسنٹ ثالث نے دیکھا تھا۔ پوپ نے کلیسا کے اقتدار کو انتہائی مستحکم کر کے اگلی کئی صلیبی جنگوں کے لیے راہ ہموار کر دی۔ ③

پانچویں صلیبی جنگ:

۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں پھر صلیبی جنگ چھڑی۔ یورپی لشکروں نے اس بار نیا راستہ اختیار کیا۔ وہ مصر کے ساحل

---

① النوادر السلطانیۃ: ۳۶۳ تا ۳۶۵؛ کتاب الروضتین: سنۃ ۵۸۹ھ؛ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۵۸۹ھ

② مفرج الکروب لابن واصل: ۳/ص ۷۱ تا ۶۷، ط الامیریۃ؛ السلوک لمعرفۃ دول الملوک للمقریزی: ۱/ص ۲۵۳، ط العلمیۃ

③ The Crusades by Harold Lamb:p;187 to 229

پر اترے اور ملک کے اہم ترین مورچے دمیاط پر قبضہ کرلیا جس سے پورے مصر اور شام پر نصرانیوں کے قبضے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا۔ ادھر عین جنگ کے دوران مسلمانوں کے حکمران الملک العادل کی وفات ہوگئی جس سے صورتحال مزید ابتر ہوگئی مگر اس کے بیٹوں الملک الکامل، الملک المعظم اور الملک الاشرف نے حالات کو سنبھال لیا اور باہم مل کر کئی زبردست معرکوں کے بعد صلیبیوں کو عبرتناک شکست دے ڈالی۔ ①

چھٹی صلیبی جنگ اور القدس کا المیہ:

چھٹی صلیبی جنگ ۶۲۴ھ (۱۲۲۸ء) میں ہوئی جس میں شاہ جرمنی فریڈرک دوئم نے فوج کشی کی۔ اس وقت مصر اور فلسطین کے حاکم الملک الکامل کا اپنے بھائی الملک المعظم سے جو دمشق کا حاکم تھا، جھگڑا چل رہا تھا اس لیے مسلمان مرعوب ہوگئے اور الملک الکامل نے جنگ سے بچنے کے لیے القدس کو ایک معاہدے کے تحت خاص مدت تک کے لیے جرمنوں کے حوالے کردیا جس سے مسلمانوں کو بڑا دکھ ہوا مگر الملک الکامل اسی کو قرینِ مصلحت سمجھتا تھا۔ ②

۱۴ سال تک بیت المقدس نصرانیوں کے زیرِ انتظام رہا جنہوں نے معاہدے میں طے شدہ شرائط اور مقدس مقامات کے آداب کو فراموش کردیا مگر انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ آخر ۶۳ھ میں کرک کے حاکم الملک الناصر داؤد نے القدس جا کر نصرانیوں کی گوشمالی کی اور انہیں وہاں سے نکال دیا۔ تاہم ۶۴۱ھ میں الناصر داؤد اور شام کے بعض دیگر اُمراء نے حاکمِ مصر الصالح ایوب کے خلاف محاذ بنانے کے لیے بیت المقدس ایک بار پھر نصرانیوں کو دے دیا۔ ③

الصالح ایوب نے یہ دیکھ کر سلطنتِ خوارزم کے باقی ماندہ سپاہیوں سے اعانت طلب کی۔ خوارزمی ۶۴۲ھ (۱۲۴۴ء) میں اپنے افسران کی قیادت میں دریائے فرات عبور کرکے فلسطین میں داخل ہوگئے اور بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ شام کی نصرانی ریاستوں نے یہ دیکھا تو اسے مذہبی کی بجائے وطنی مسئلہ قرار دیتے ہوئے دمشق اور دوسرے شہروں کے مسلمان حاکموں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی جنگ کی تیاری کی۔ اس دوران الملک الصالح نجم الدین نے اپنے سالار بیبرس ④ کو فوج دے کر خوارزمیوں کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ جمادی الاولیٰ ۶۴۲ھ میں غزہ کے مقام پر خونریز معرکہ ہوا جس میں خوارزمی اور مصری سپاہ نے مل کر نصرانیوں اور ان کے اتحادی مسلمانوں کو عبرتناک شکست دی۔ اتحادی غزہ کے میدان میں ۳۰ ہزار لاشیں چھوڑ کر پسپا ہوئے اور القدس کے بارے میں کفار کے ارادے خاک میں مل گئے۔ ⑤

سلطان بیبرس اور ساتویں صلیبی جنگ:

نصرانی دنیا دل ہار چکی تھی کہ ایک مدت بعد ایک جوشیلے حکمران نے اسے پھر سے صلیب کی خاطر جنگ کا حوصلہ دیا۔

---

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۱۴ھ، ۶۱۵ھ، ۶۱۶ھ، ۶۱۷ھ؛ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۱۴ھ تا ۶۱۸ھ

② الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۲۴ھ؛ السلوک لمعرفۃ دول الملوک للمقریزی: ۱ص ۳۵۱ تا ۳۵۴، ط العلمیۃ

③ النجوم الزاہرۃ: سنۃ ۶۳۵ھ؛ مفرج الکروب: ۵ص ۳۳۷، ۳۳۶

④ یہاں بیبرس سے مراد بیبرس کبیر بندقداری ہے۔ اسی نام کا ایک دوسرا مصری سپہ سالار بعد میں شام و مصر کا بادشاہ بنا۔ یہاں وہ مراد نہیں۔

⑤ السلوک لمعرفۃ دول الملوک: ۱ص ۳۱۸ تا ۳۲۰، ط العلمیۃ

یہ فرانس کا حکمران لوئیس نہم تھا جسے دنیائے نصرانیت ''سینٹ لوئیس'' کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ اس نے پاپائے روم کی ترغیب پر ساتویں صلیبی جنگ کا علم بلند کر کے مصر کے ساحل کا رخ کیا۔

۶۴۷ھ (۱۲۴۹ء) میں وہ مصر کی بندرگاہ دمیاط پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت مصر کے حالات بہت نازک تھے۔ شاہ مصر الملک الصالح ایوب شدید بیمار تھا۔ جنگ کے دوران ۱۵ شعبان ۶۴۷ھ (۲۲ نومبر ۱۲۴۹ء) کو اس کا انتقال ہو گیا۔ تاہم اس کی ملکہ الشجرۃ الدرّ نے پوری شجاعت سے صلیبیوں کا مقابلہ کیا، خوش قسمتی سے اسے بیبرس جیسے سالار میسر تھے اس لیے مسلمانوں نے فرنگیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ آخر کار ۲ محرم ۶۴۸ھ (۱۶ اپریل ۱۲۵۰ء) کو خود شاہ لوئیس منصورہ کے مقام پر شکست کھا کر قیدی بن گیا۔ اس دوران الملک الصالح کا بیٹا الملک المعظم توران شاہ اس کا جانشین بن گیا مگر جلد ہی وہ ایک محلاتی سازش کا شکار ہو کر مارا گیا اور شجرۃ الدرّ نے مصر کا تخت و تاج سنبھال لیا۔

اس نے صفر ۶۴۸ھ میں بھاری فدیہ لے کر شاہِ فرانس کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ دس سال تک فرانس کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہوگا۔ گیارہ ماہ کی ناکام مہم جوئی، قید و بند، مسلسل علالت اور سب سے بڑھ کر شکست کے اذیت ناک احساس نے شاہِ فرانس کے دل و دماغ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ رہائی پانے کے بعد فرانس واپس جانے کی بجائے چار سال تک ایک درویش کی شکل میں فلسطین میں رکا رہا اور اپنا غم غلط کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب اور ان کے کمزور پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ ساتھ ہی وہ شام میں نصرانیوں کے باقی ماندہ قلعوں کو مضبوط کراتا رہا۔ چار سال بعد اس نے دوبارہ یورپ جا کر تخت و تاج سنبھال لیا۔ ①

آٹھویں صلیبی جنگ:

اس دوران مصر کے نئے حکمران رکن الدین بیبرس نے ساحل شام کی باقی نصرانی ریاستوں کا صفایا کرنے کی مہم جاری رکھی اور ان کے سب سے مضبوط مرکز انطاکیہ پر بھی قبضہ کر لیا جس سے یورپ میں پھر کھلبلی مچ گئی اور شاہ لوئیس نہم نے ایک بار پھر صلیبی جنگ لڑنے کے لیے ہتھیار اٹھا لیے۔ ۶۶۸ھ (جولائی ۱۲۷۰ء) میں اس نے حملہ کیا مگر اس بار بھی حالات موافق نہ ہوئے۔ تیونس کا ناکام محاصرہ کرنے کے سوا وہ کچھ نہ کر سکا اور محاصرے کے دوران ہی بیمار پڑ کر مر گیا۔ اس کی مدد کے لیے آنے والے برطانوی شہزادے ایڈورڈ نے ۶۷۰ھ (۱۲۷۲ء) میں قیساریہ کے مقام پر مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا اور صلیبی جنگجو واپس ہو گئے۔ شاہ لوئیس نہم کے بعد کسی یورپی بادشاہ کو صلیب کے نام پر ہتھیار اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی، اس طرح آٹھویں صلیبی جنگ پر صلیبی جنگوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہو گیا۔ ②

---

① تاریخ یورپ، حصہ دوم، سولہواں باب، از اے جے گرانٹ، ترجمہ از مولوی حمید احمد انصاری، ط جامعہ عثمانیہ دکن، ۱۹۳۱ء؛
تاریخ الاسلام للذھبی: ۴۷ص ۳۵۵، سنۃ ۶۴۷ھ ت تدمری؛ السلوک لمعرفۃ دول الملوک للمقریزی: ۱ص ۳۳۱تا ۳۶۰، ط العلمیۃ
؛ نہایۃ الارب للنویری: ۲۹ص ۳۳۱تا ۳۶۰، ط دار الکتب قاھرۃ

② البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۶۸ھ؛ السلوک لمعرفۃ دول الملوک: ۲ص ۲۶، ط العلمیۃ

The Crusades by Harold Lamb:p;351 to 356

۶۹۰ھ (۱۲۹۱ء) میں شاہِ مصر الملک الخلیل نے پورے شام سے نصرانی ریاستوں کا خاتمہ کر دیا اس طرح پانچویں صلیبی ریاستوں کی باقیات کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ ①

بلاشبہ ان جنگوں کے نتائج مسلمانوں کے حق میں رہے اور اقوام یورپ کو سوائے ذلت، رسوائی، ناکامی، جانی ومالی نقصان اور مکمل شکست کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ جنگوں کے اس طویل سلسلے میں مسلمانوں کی کئی نسلوں نے جہاد کیا۔ اس دوران ان پر بڑے بڑے صبر آزما مراحل آئے مگر انہوں نے کمال ہمت وپامردی سے جہاد جاری رکھا اور بالآخر ارضِ اسلام کو غاصب یورپیوں سے پاک کر کے دم لیا۔ اس کے بعد صدیوں تک یورپ کو سرزمین اسلام کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ ان کی ہمت اور حوصلے کی آخری حد یورپ کی مدافعت تک محدود رہی گئی۔

صلیبی جنگوں کے اثرات:

جنگوں کے اس ناکام سلسلے سے یورپ میں کئی فکری تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور وہاں پہلی بار یہ شعور اجاگر ہوا کہ مسلمانوں کو صرف عسکری ذرائع سے شکست دینا ناممکن ہے۔ شاہ لوئیس نہم کو اس فکر کا بانی کہا جاتا ہے۔ مسلسل شکستوں کی وجہ سے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ مسلمانوں پر قابو پانے کے لیے ان پر فکری یلغار اور اس کے لیے علمی ترقی اور تیاری بے حد ضروری ہے۔ وہ ایک حکمران ہی نہیں ایک مفکر بھی تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے ایک منصوبہ تیار کیا جو اس کے وصیت نامے کی شکل میں آج بھی پیرس کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اس میں مسلمانوں کے خلاف کامیابی کے لیے چار باتوں کی سفارش کی گئی تھی:

❶ مسلمان حکمرانوں کے مابین پھوٹ ڈالنا

❷ ان میں پختہ عقیدے اور مضبوط ایمان والے کسی گروہ کو پنپنے نہ دینا

❸ مسلم معاشرے کو فحاشی، اخلاق باختگی اور مالی بدعنوانی کے ذریعے کمزور بنانا

❹ غزہ سے انطاکیہ تک (فلسطین، اسرائیل اور شام پر مشتمل) ایک وسیع متحدہ یورپی حکومت قائم کرنا۔

شاہ لوئیس نہم نے وصیت نامے میں اپنے جانشینوں کو احساس دلایا کہ ہم ایک مدت سے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں مگر شدید مہمات کے باوجود ہم فتح یاب نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ کے وقت مسلمانوں میں ہمیشہ ایسا ولولہ پیدا ہو جاتا ہے جس کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم نئے طریقے اور ذرائع اختیار کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہم جنگ کو عسکری محاذ سے علمی اور روحانی محاذ پر منتقل کر دیں۔ ② اس طرح

---

① البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۹۰ھ

② قادۃ الغرب یقولون دمّروا الاسلام ابیدوا اھلہ، از الاستاذ جلال العالم: ص ۳۴
الحملۃ الصلیبیۃ علی العالم الاسلامی والعالم، از یوسف ابراھیم الطویل: ۳ص ۱۰۶، ط صوت القلم العربی، مصر؛
تحصین المجتمع المسلم ضد الغزو الفکری للدکتور حمود بن احمد الرحیلی: ص ۳۴۱، ط الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ؛ التنصیر تعریفہ، اھدافہ، وسائلہ، للشیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ الصالح: ص ۱۳، ط دار الکتاب والسنۃ؛ موقف اصحاب الاھواء الفرق من السنۃ النبویۃ، از محمد بن مطر الزھرانی: ص ۳۶، ط مکتبۃ الصدیق

صلیبی جنگوں کے نتائج سے یورپ کی فکر تبدیل ہوئی۔ وہاں علم اور تحقیق کا ذوق پیدا ہونے لگا۔ مسلمانوں سے فکری محاذ پر لڑنے کے لیے نئے راستوں کی تلاش شروع ہوئی، علمی ہتھیار تیار کیے جانے لگے اور موجودہ الغزو الفکری کی بنیاد پڑی اس تمام تر کوشش اور جستجو میں نفرت اور انتقامی جذبے کی زبردست کارفرمائی تھی جو یورپ کو تیزی سے آگے بڑھانے کے لیے بھاپ کا کام دے رہی تھی۔ یہی وہ نفرت اور عداوت تھی جس کے باعث یورپ نے اسلام کا اصل چہرہ دیکھنے اور اسے سنجیدگی سے سمجھنے کی قصداً کوشش نہ کی اور یورپی مفکرین اسلام سے جہالت کے پردوں کو مزید دبیز کرتے چلے گئے۔[1] محمد اسد لکھتے ہیں:

''صلیبی جنگوں نے جو نقصان پہنچایا وہ محض آلاتِ جنگ کے باہمی تصادم تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ ایک ذہنی نقصان تھا جو اس طور پر واقع ہوا کہ اسلامی تصورات اور تعلیمات کو دیدہ ودانستہ مسخ کر کے مغربی دنیا کو دنیائے اسلام کی جانب سے بدگمان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے صلیبی جنگوں کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ پیغمبرِ اسلام کو خواہ مخواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کھلا مخالف اور دشمن قرار دیا جائے اور مذہب اسلام کو انتہائی مکروہ شکل میں پیش کر کے اس کو بداخلاقی اور بدکرداری کا سرچشمہ ظاہر کیا جائے۔ انھی صلیبی جنگوں کے زمانے میں اس مضحکہ خیز تخیل نے مغربی اذہان میں جگہ پائی کہ اسلام نفس پرستی اور بہیمانہ جارحیت کی تعلیم دیتا ہے اور تزکیہ نفس کی بجائے چند ظاہری رسوم کی ادائیگی پر زور دیتا ہے اور یہ تخیل آج تک جوں کا توں قائم ہے۔''[1]

❁❁❁

---

① The Road to Makkah.p:7

صلیبی جنگوں کے حالات کے اہم مراجع:

☆ الکامل فی التاریخ ۲، ۲۲۰ تا ص ۶۷۰۔ از ابن الاثیر عزالدین رحمہ اللہ

☆ تاریخ ابن خلدون ج۵ ص ۲۲۳ تا ۲۸۰۔ از عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمہ اللہ

☆ کتاب الروضتین از شہاب الدین المقدسی

☆ البدایۃ والنہایۃ: از حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

☆ النجوم الزاہرہ، علامہ تغری بردی رحمہ اللہ

☆ النوادر السلطانیہ، بہاؤ الدین ابن شداد رحمہ اللہ

چند مفید کتب:

☆ کروسیڈز۔ ہیرلڈلیمب (ترجمہ از محمد یوسف عباسی)

☆ Saladin and the fall of the Kingdom of Jerusalam (مصنف: سٹینلے لین پول، اردو ترجمہ از آباد شاہ پوری)

☆ سلطان صلاح الدین ایوبی، فاتح ومحافظ بیت المقدس، از محمد اسماعیل ریحان

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

① صلیبی جنگوں کے تین اہم ترین اسباب اپنے الفاظ میں لکھیے۔
② صلیبیوں نے مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر کے شہریوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟
③ درج ذیل میں سے کسی ایک سلطان کے حالات پر بیس سطریں لکھیے: عماد الدین زنگی، نور الدین زنگی
④ بیت المقدس کی بازیابی میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
⑤ تیسری صلیبی جنگ مسلمانوں نے کس طرح جیتی؟
⑥ چھٹی صلیبی جنگ کے بعد القدس کب تک نصرانیوں کی تحویل میں رہا اور اس کی بازیابی کیسے ہوئی؟
⑦ ساتویں صلیبی جنگ اور سلطان بیبرس کے کردار پر تبصرہ کیجیے۔
⑧ صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد لوئیس نہم نے مغربی دنیا کو مسلمانوں پر حاوی ہونے کے لیے کیا تجاویز دیں؟

عملی کام:

❀ مسجد اقصیٰ اور گنبدِ صخرہ کی مختلف تصاویر جمع کر کے اپنی بیاض میں چسپاں کریں۔
❀ ایسا نقشہ دیکھیے جس میں پہلی صلیبی جنگ کے بعد شام کے ساحلوں پر قائم ہونے والی صلیبی ریاستوں کی حدود واضح کی گئی ہوں۔

کتب برائے مطالعہ:

❀ المماليك البحرية وقضائهم على الصليبيين في الشام، از شفيق جاسر
❀ موجز الحروب الصليبية، از مصطفى وهبه
❀ صلاح الدین ایوبی، از قاضی سراج دین احمد
❀ فاتح و محافظ القدس، سلطان صلاح الدین ایوبی، از محمد اسماعیل ریحان

❀❀❀

چوتھا باب

عالم اسلام پر
تاتاری یلغار اور سقوطِ بغداد

تعارف:

ساتویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام پر منگولیا سے تاتاریوں کا طوفان ٹوٹ پڑا جس نے اسلامی تہذیب وتمدن کے بڑے بڑے مراکز کو تودۂ خاک بنادیا، یہاں تک کہ خلافتِ عباسیہ کا مرکز بغداد بھی انہی کے ہاتھوں تہس نہس ہوا جس کے ساتھ ہی بغداد کی عباسی خلافت بھی دم توڑ گئی۔ یہ باب اسی حوالے سے مرقعِ عبرت ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. عالم اسلام پر تاتاریوں کے حملے کے پس منظر سے آگاہ ہوسکیں۔
2. تاتاریوں کے مقابلے میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے کارناموں کو جان سکیں۔
3. بغداد کی تباہی اور اس کے اسباب سے واقف ہوسکیں۔
4. عالمِ اسلام پر تاتاریوں کے حملے کے نتائج اور اثرات کو جان سکیں۔

(یونٹ:2.13)

سلطنتِ خوارزم اور تاتاری یلغار

فتنۂ تاتار، وہ قیامتِ صغریٰ تھی جو ساتویں صدی ہجری کے دوسرے عشرے میں مسلمانوں پر ٹوٹی۔ اس بارے میں احادیثِ نبویہ میں پیش گوئیاں موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا: ”قیامت اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان ترکوں کی ایک ایسی قوم سے قتال نہ کریں جن کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں کی طرح ہوں گے۔ وہ بالوں کے لباس اور بالوں ہی کے کپڑے پہنیں گے۔“[1] نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”تم قیامت سے پہلے ایسی قوم سے قتال کرو گے جس کے جوتے بالوں کے ہوں۔ ان کے چہرے گویا تہ بہ تہ ڈھالوں کی طرح ہوں گے۔ سرخ چہروں اور چھوٹی آنکھوں والے ہوں گے۔“[2]

اس مفہوم کی کئی روایات بخاری، مسلم، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہیں اور اکثر شراحِ حدیث نے ان کا مصداق ”تاتاری یلغار“ کو قرار دے دیا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”زیادہ قریب الفہم بات یہی ہے کہ ان احادیث میں چنگیز اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں برپا ہونے والے فساد کی جانب اشارہ ہے۔“[3]

تاتاری حملے کے چشم دیدہ گواہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ان ترکوں سے قتال کا مشاہدہ ہوگیا ہے۔ یہ لوگ ان تمام علامات کے ساتھ ہمارے زمانے میں پائے گئے ہیں، مسلمانوں نے ان سے بارہا قتال کیا ہے جو اب تک جاری ہے۔“[4]

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کی خبر کے مطابق ان واقعات کا ایک حصہ ۶۱۷ھ میں پیش آچکا ہے۔ ترکوں (تاتاریوں) کا ایک عظیم لشکر ظاہر ہوا جس نے ماوراء النہر اور خراسان کے باشندوں کو ہلاک کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جنھوں نے غاروں میں پناہ لی۔“[5]

یاد رہے کہ احادیث میں ترک کے لفظ کا اطلاق تاتاریوں پر اس لحاظ سے ہے کہ تاتاری ترک بن یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہونے کے لحاظ سے ترک قوم کی ایک شاخ تھے۔

---

① صحیح مسلم، ح: ۷۲۹۷، الفتن واشراط الساعۃ، باب لاتقوم الساعۃ الخ

② صحیح مسلم، ح: ۷۲۹۸، الفتن واشراط الساعۃ ③ مرقاۃ المفاتیح: کتاب الفتن، باب الملاحم

④ شرح النووی علی مسلم: ۱۸ ص ۳۷، کتاب الفتن ⑤ عمدۃ القاری شرح البخاری۔ کتاب الجہاد، باب قتال الترک

نقشہ نمبر5

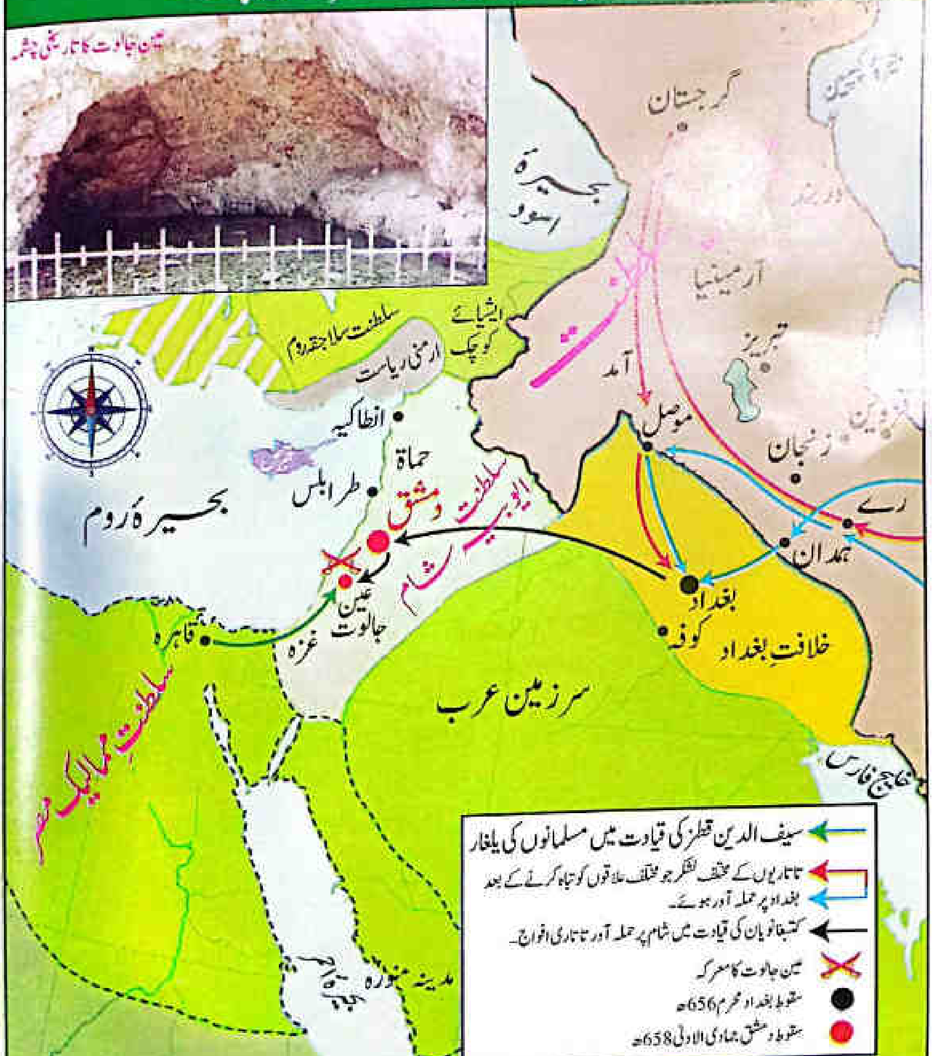


عالم اسلام پر تاتاریوں کی یلغار (سن ۶۱۶ھ تا ۶۱۸ھ)
روس
خوارزم
اورگنج
بخارا
اترار
سمرقند
فرغانہ
مرو
ترمذ
بلخ
ہرات
کابل
قندھار
غزنی
پشاور
ملتان
نیشاپور
رے
تبریز
شام
حجاز
یمن
مشرقی عربی قبائل
سلطنتِ ہند
قراقرم
تاتاری سلطنت
بحر الکاہل
...لدین خوارزم شاہ کا فرار اور بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں روپوشی
...یز خان کی ابتدائی پیش قدمی
تاتاری سرداروں کی یلغار کے مختلف خطوط



عین جالوت کا تاریخی میدان جنگ جہاں مسلمانوں نے سلطان سیف الدین قطز کی قیادت میں 25 رمضان 658 ہجری کو ہلاکو خان کے بھیجے ہوئے لشکر کو شکست فاش دے کر ایک نئی تاریخ رقم کر دی۔

عراق اور شام پر تاتاری یلغار اور معرکہ عین جالوت



تاتاری یورش کی تباہ کاریاں:

تاتاریوں کے حملے سے چھ سو سالہ قدیم اسلامی تہذیب و تمدن خاک میں مل گیا۔ عالم اسلام کے مغربی شہروں کے سوا کوئی علاقہ تاتاری غارت گروں سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔ ہزاروں قلعے اور لاکھوں کی آبادی پر مشتمل بڑے بڑے شہر بے نام و نشان ہو گئے۔ جہاں تاتاریوں کے قدم نہیں پہنچے وہاں بھی ان کا خوف لوگوں کو حواس باختہ کیے دے رہا تھا۔ تاتاریوں کے حملے کے چشم دید گواہ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس حادثے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ حادثہ تمام دنیا پر چھا گیا ہے مگر خاص کر مسلمانوں پر۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک ایسی مصیبت نازل نہیں ہوئی تو وہ یقیناً سچا ہوگا۔ کیوں کہ تاریخ میں اس واقعہ کے قریب بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ بڑے بڑے حوادث کے تذکرے میں مؤرخین جو عظیم ترین حادثہ بیان کرتے ہیں وہ بیت المقدس میں بخت نصر کے ہاتھوں بنی اسرائیل کا قتل عام ہے، مگر درحقیقت بیت المقدس ان شہروں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جن کو ان بدبختوں (تاتاریوں) نے تباہ و برباد کیا ہے، ان شہروں میں سے ہر ایک بیت المقدس سے کئی گنا بڑا ہے، اسی طرح بنی اسرائیل کے مقتولین کو تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے افراد کی تعداد سے کچھ نسبت نہیں ہے، اس لیے کہ ان شہروں میں سے ایک شہر کے افراد کی تعداد بھی بنی اسرائیل کے تمام مقتولین سے زیادہ ہے۔ شاید دنیا والے اس عالم کے فنا ہونے تک اس جیسا حادثہ پھر نہیں دیکھیں گے، سوائے یاجوج ماجوج کی تباہ کاری کے (کہ وہ اس سے زیادہ ہوگی)۔ جہاں تک دجال کے ظاہر ہونے کا تعلق ہے تو وہ ان لوگوں کو زندہ چھوڑ دے گا جو اس کے تابع ہو جائیں گے اور صرف مخالفت کرنے والوں کو قتل کرے گا، مگر ان تاتاریوں نے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا، بلکہ عورتوں، مردوں، بچوں سب کو قتل کر ڈالا حتیٰ کہ انہوں نے حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر کے بچوں کو نکال کر ذبح کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ ایسا عظیم فتنہ ہے کہ اس کی چنگاریاں ہر طرف اڑ رہی ہیں اور اس کا فساد ہر طرف پھیل چکا ہے، اور یہ شہروں سے اس بادل کی طرح گزرتا چلا گیا ہے جس کو آندھی ہانک رہی ہو۔"①

اس زمانے کے کسی بلیغ انسان نے تاتاریوں کی غارت گری بچشم خود دیکھنے کے بعد کہا تھا: "آمدند و کندند و سوختند و بُردند و رفتند۔" (وہ آئے، سب کچھ کھود ڈالا، جلا دیا، لوٹ لیا اور چلے گئے۔)② یہ جملہ جس میں تاتاریوں کی دہشت گردی کی پوری داستان پنہاں ہے، ضرب المثل کی طرح مشہور ہو گیا۔

سلطنتِ خوارزم تاتاریوں کے حملے سے پہلے:

موجودہ جمہوریہ ازبکستان کی شمال مغربی سرحد پر دریائے آمو کے قریب "اورگنج" نام کا ایک شہر ہے۔ صدیوں قبل

① الکامل فی التاریخ: سنہ ۶۱۷ھ ② تاریخ جہان کشا جوینی: ۱/ص ۱۸۹، طہران

یہ شہر ''جرجانیہ'' یا ''اورگنج'' کہلاتا تھا۔ یہ ایک ریاست کا صدر مقام تھا جسے تاریخ اسلام میں خوارزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خوارزم کا علاقہ اس وقت سے ایک علیحدہ ریاست شمار ہوتا آیا ہے جب شاہِ فارس بہرام گور کے ایک رشتہ دار نے اس پر قبضہ جمالیا تھا۔ زمانہ قدیم ہی سے خوارزم کے ہر حکمران کو ''خوارزم شاہ'' کہا جاتا تھا۔ زمانہ قدیم میں اس ریاست کے دو دار الحکومت تھے: ایک دریائے جیحوں کے مشرقی کنارے پر تھا جسے ''کاث'' کہا جاتا تھا اور دوسرا مغربی کنارے پر تھا جسے ''جرجانیہ''، ''گرگانج'' یا ''اورگنج'' کہتے تھے۔ اورگنج کے علاوہ خیوا اور ہزار اسپ بھی ریاست کے اہم شہر شمار ہوتے تھے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے دور میں قتیبہ بن مسلم نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں اس ریاست کو فتح کر کے اسلامی مقبوضات میں شامل کیا تھا۔ ایک عرصہ تک یہ علاقہ خلفائے اسلام کے زیر نگیں رہا جب خلافت کا اثر ورسوخ کم ہوا تو دیگر بہت سی حکومتوں کی طرح یہاں بھی مسلمان بادشاہوں کی خود مختار حکومت قائم ہوگئی۔ اسلامی دُنیا میں شامل ہونے کے بعد خوارزم کو تاریخ میں بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اسلام کے کتنے ہی نامور فقہاء، محدثین، دانشور اور بادشاہ یہاں کی خاک سے اٹھے اور دنیا میں آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ یہ علاقہ علم و حکمت، تزکیہ و معرفت، تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفت کا مرکز بن گیا۔ [1]

خوارزم شاہی حکمران:

تختِ خوارزم پر یکے بعد دیگرے مختلف حکمران براجمان ہوتے رہے، مگر یہ سب خلافتِ اسلامیہ کے ماتحت ایک صوبے دار کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم ایک عرصے کے بعد جب عباسی خلفاء کی شوکت کو گہن لگا تو یہاں کے حکمران خلافت کی کفش برداری سے آزاد ہوگئے۔ ان خود مختار حکمرانوں کا پہلا دور ۳۴۰ھ میں ابوسعید احمد خوارزم شاہ سے شروع ہو کر ۴۰۸ھ میں ابوالحارث خوارزم شاہ تک رہا۔ دوسرا دور ۴۰۸ھ میں التون تاش خوارزم شاہ سے شروع ہو کر ۴۲۹ھ میں ''ماہ ملک خوارزم شاہ'' پر ختم ہوا۔ تیسرے دور میں اس خطے کی زمام اقتدار اس خاندان کے ہاتھ میں آئی جس کی ابتداء ''انوشت گین خوارزم شاہ'' سے، اور انتہاء ''سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ'' پر ہوئی۔ [2]

انوشت گین اور اس کی اولاد:

سلطنتِ خوارزم کا بانی انوشت گین، گرجستان کے ایغوری قبیلے سے تعلق رکھنے والا ترک غلام تھا۔ اسے اپنے آقا سلطان ملک شاہ سلجوقی کا اتنا اعتماد حاصل تھا کہ سلطان نے اسے ایک ہزار سپاہیوں کا افسر مقرر کر دیا تھا۔ ۴۷۵ھ میں ملک شاہ کے حکم سے انوشت گین خوارزم کی صوبے داری پر مامور ہوا اور آخری دم تک اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاتا رہا۔ انوشت گین کی زندگی میں بھی اس کا بیٹا محمد عرف قطب الدین باپ کی نیابت میں خوارزم کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھا۔ باپ کی وفات کے بعد اس نے بڑی خوش اسلوبی سے ریاست کا نظام چلایا اور اپنے آقا سلطان سنجر بن ملک شاہ

---

① روضۃ الصفا: ج ۴ ص ۱۹۹ تا ۲۰۱

② تاریخ بیہقی: ص ۵۳۴ تا ۵۴۴

کا تابعدار رہا۔ ۵۲۲ھ میں محمد قطب الدین نے داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے خوارزم شاہی تخت و تاج اپنے بیٹے مظفر الدین اتسنر کے حوالے کیا۔ اس نوجوان نے برسرِ اقتدار آ کر خوارزم شاہی ریاست کی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ۵۵۱ھ میں مظفر الدین اتسنر دنیا سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا ابوالفتح ایل ارسلان اس کا جانشین ہوا۔ ایل ارسلان کے سات سالہ دورِ حکومت میں سلطنت خوارزم میں کوئی نمایاں توسیع نہیں ہوئی۔ وہ ۵۵۸ھ میں راہیِ آخرت ہوا۔[1]

علاؤ الدین تکش:

ایل ارسلان کی وفات کے ساتھ ہی اس کے دونوں بیٹوں: سلطان شاہ اور علاؤ الدین تکش کے مابین اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی جو وقفے وقفے سے کئی سال تک جاری رہ کر آخر ۵۸۹ھ میں سلطان شاہ کی طبعی موت اور علاؤ الدین تکش کی فتح یابی پر اختتام پذیر ہوئی۔ سلطان تکش نے مملکت خوارزم کا انتظام سنبھالتے ہی ریاستی حدود اربعہ کے اضافے پر توجہ دی۔ اس وقت سلجوقی سلطنت سٹ کر مختلف ٹکڑوں میں بکھر چکی تھی۔ عراق میں طغرل ثانی سلجوقی اقتدار کا آخری نمائندہ تھا۔ تکش نے اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ رے اور ہمدان جیسے اہم شہر بھی اس کے مقبوضات میں داخل ہو گئے اور سلطنتِ خوارزم کی سرحدیں بغداد کی حدود سے جا ملیں۔ یہاں سے خوارزم شاہیوں اور خلافتِ عباسیہ میں وہ کش مکش شروع ہوئی جس نے ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام کو بدترین انجام سے دوچار کیا۔ عباسی خلیفہ ناصر نے خوارزم شاہ سے مطالبہ کیا کہ عراق کے بعض اضلاع خلافت بغداد کی تحویل میں دے دیے جائیں۔ تکش نے اسے منظور نہ کیا۔ دونوں مملکتوں کے باہمی تعلقات روز بروز کشیدہ ہوتے گئے۔ ۵۹۲ھ میں ہمدان کے مقام پر خوارزمی اور خلافتی افواج کے مابین گھمسان کا معرکہ ہوا جس میں بغدادی افواج شکست کھا کر پسپا ہو گئیں۔[2]

سلطان تکش ۲۶ سال حکومت کر کے ۵۹۶ھ میں دنیا سے رخصت ہوا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ”وہ عادل اور نیک سیرت تھا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرتا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کا عالم اور اصول فقہ سے خوب واقف تھا۔ اس نے خوارزم میں احناف کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ اسی مدرسے کی خاک میں اسے دفن کیا گیا۔“[3]

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ:

سلطان تکش کی موت کے بعد اس کا ولی عہد قطب الدین محمد اپنے باپ کا لقب اختیار کر کے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ چوں کہ اس کا اصل نام صرف محمد تھا اس لیے مؤرخین کبھی اسے محمد خوارزم شاہ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ وہ اپنے دور کا سب سے بڑا مسلمان بادشاہ تھا۔ اس نے چند سالوں کے اندر اندر درجن بھر چھوٹی چھوٹی مسلم حکومتوں کو اپنی مملکت میں شامل کر کے خوارزم کو عالمِ اسلام کی سب سے بڑی سلطنت بنا دیا جو پورے ترکستان اور خراسان پر مشتمل تھی۔ موجودہ ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان، افغانستان اور ایران اس کے صوبے

[1] تاریخ ابن خلدون: ج ۵ ص ۱۰۵ تا ۱۱۱ [2] الکامل فی التاریخ: سنة ۵۸۹ھ تا ۵۹۲ھ [3] البدایہ والنہایہ: سنة ۵۹۶ھ

تھے، شرقاً غرباً یہ کوہستان پامیر سے عراق تک اور شمالاً جنوباً بحیرۂ ارال سے دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سلطنت کے شہر نہ صرف عالم اسلام بلکہ تمام دنیا کے قدیم ترین متمدن شہر تھے۔ یہ تہذیب وثقافت اور اسلامی علوم و فنون کے مراکز تھے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ دنیا کے گنجان ترین خطے شمار ہوتے تھے۔ بخارا، اورگنج، سمرقند، نیشاپور اور ہرات میں سے کسی کی آبادی لاکھوں سے کم نہ تھی۔ نامور جغرافیہ دان اور سیاح یاقوت حموی کا بیان ہے:

''میں نے خوارزم سے زیادہ عظیم، خوشنما اور دولت مند مقام کہیں نہیں دیکھا۔''①

سلطنت خوارزم کی اصل دفاعی زنجیریں دریائے سیحوں اور دریائے جیحوں کے کناروں پر پھیلے ہوئے بڑے بڑے فصیل بند شہروں کی دو قطاریں تھیں۔ بناکت، تاشقند، جند، اترار اور قوقند نے دریائے سیحوں کے کنارے اور سمرقند، بخارا، اورگنج، بلخ اور ترمذ نے دریائے جیحوں کے آس پاس دو ایسے طویل مضبوط دفاعی خط تیار کیے تھے جن کا توڑ مشرق و مغرب کے حملہ آوروں کے لیے ہر لحاظ سے مشکل ترین تھا۔ محاصرے کی صورت میں ان میں سے کوئی بھی شہر فی الفور دوسرے شہروں سے کمک حاصل کر سکتا تھا۔

ظاہری اسباب و وسائل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں خوارزم کی عسکری قوت دنیائے اسلام کی مضبوط ترین اور جنگ آزما قوت تھی جو حال ہی میں ترکان خطا سمیت اپنے تمام مخالفین کی سرکوبی کر چکی تھی اور کسی بیرونی دشمن سے مغلوب ہونے کے امکانات اس عسکری طاقت کے لیے بہت کم تھے۔

عرب مؤرخین نے اپنی تواریخ میں علاؤ الدین محمد کی شخصیت کا اچھے لفظوں میں ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے باپ کی طرح فقہ حنفی کا پابند، خوش عقیدہ اور دیندار تھا۔ غیرت و شجاعت کی بھی اس میں کمی نہ تھی۔ اس کی عظمت کی گواہی ایک مغربی مؤرخ کی زبانی سنئے۔ ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے:

''دنیائے اسلام کے قلب میں اس وقت علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ امیر جنگ کی حیثیت سے متمکن تھا۔ اس کی سلطنت ہندوستان سے لے کر بغداد تک، بحیرہ خوارزم (بحیرہ آرال) سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلجوقی ترکوں کے سوا جنہوں نے صلیبی محاربین کے مقابلے میں فتوحات حاصل کی تھیں اور مصر کے مملوک سلاطین کے علاوہ جو روز افزوں ترقی پر تھے، باقی جس قدر اسلامی سلطنتیں تھیں ان سب پر محمد خوارزم شاہ بالکل چھایا ہوا تھا۔ سلطان محمد ہی رتبہ میں شہنشاہ تھا۔ عباسی خلیفہ ناصر اس سے ناراض تھا، مگر اس کی قوت کو مانتا تھا۔''②

شہاب الدین النسوی، مؤلف سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی کا بیان ہے:

''اس نے گزشتہ بادشاہوں سے چلی آنے والی نماز کے اوقاتِ خمسہ میں نقارے بجانے کی رسم اپنی دہلیز سے ختم کر کے ان شہزادوں کے لیے جاری کر دی جو اس کی نیابت میں مختلف صوبوں میں حکومت کر رہے تھے کہ ان کی

---

① معجم البلدان، مادة: خوارزم

② چنگیز خان: ص ۲۷

دہلیزوں پر یہ رسم ادا کی جاتی رہے۔ اپنے لیے اس نے ''نوبتِ سکندری'' رائج کی جو طلوعِ آفتاب اور غروب کے وقت بجائی جاتی ہے۔ یہ ستائیس بڑے بڑے نقارے تھے جو سونے سے تیار کیے گئے تھے۔ ان پر نادر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس رسم کی ابتداء کے دن ستائیس بادشاہوں یا سلاطین کی اولاد (یعنی شاہی خانوادوں کے اعیان) کو جمع کر کے یہ نقارے بجوائے گئے تاکہ خوب چرچا ہو۔ ان میں سے طغرل بن ارسلان سلجوقی، اولادِ سلطان غیاث الدین غوری، ملک علاؤ الدین شاہ بامیان، ملک تاج الدین حاکم بلخ، اس کا بیٹا ملک اعظم حاکمِ ترمذ اور ملک سنجر حاکمِ بخارا کے نام قابلِ ذکر ہیں۔''①

اس کا لشکر، پڑاؤ اور خیمہ گاہ بڑی شان و شوکت کے مظہر ہوا کرتے تھے، مگر وہ خود نہایت سادہ بود و باش رکھتا تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ اس سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ ایک سادہ سے تخت پر بیٹھا تھا، بخارا کا کرتا پہنے ہوئے تھا جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہیں تھی، سر پر چمڑے کا ایک پارچہ اوڑھا ہوا تھا جو ایک درہم کا ہوگا۔''②

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ ایک عالم فاضل انسان تھا۔ فقہ، اصول فقہ اور دوسرے علوم سے خوب واقف تھا۔ علماء کرام کا اکرام کرتا تھا۔ ان سے محبت اور احسان کا برتاؤ رکھتا تھا۔ ان کی مجالس بکثرت منعقد کراتا اور ان کی علمی بحثوں میں حاضر رہتا۔ وہ تھکاوٹ اور مسلسل سفروں کا عادی بن چکا تھا۔ عیش و عشرت سے احتراز کرنے والا تھا۔ لذات سے کنارہ کش تھا۔ اس کی فکر مملکت کے انتظام اس کی نگرانی اور رعایا کی حفاظت سے وابستہ تھی۔ وہ دین داروں کی بڑی تعظیم کرتا، ان کی طرف متوجہ رہتا اور ان کی برکات حاصل کرنے کا مشتاق رہتا۔''③

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عرب مؤرخین علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی سیرت و اخلاق کی کسی بڑی کمزوری اور کسی قابلِ ذکر شخصی عیب کی طرف اشارہ نہیں کرتے بلکہ دین داری، خوش اعتقادی اور شجاعت و صلابت کا عام طور پر اعتراف کرتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں ان چھوٹی بڑی اسلامی سلطنتوں کے ختم کرنے میں صرف ہوئیں جو اس وسیع مشرقی حصے میں واقع تھیں، ایک طرف شمال و مغرب میں اس نے سلجوقیوں کو ان کی آخری حدود تک پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ دوسری طرف مشرق اور جنوب میں وہ ہمیشہ غوریوں سے نبرد آزما رہا اور ان کو بھی ایک محدود حصہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایران و ترکستان کی سپہ گری کا بہترین عنصر اس غیر مختتم سلسلۂ جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا تھا۔ ان زرخیز و مردم خیز ممالک کے شہروں اور قصبات کی

---

① سیرۃ السلطان جلال الدین: ص ۱۳۱

② تاریخ الاسلام للذهبی: حوادث سنة ۶۱۴ھ ③ الکامل فی التاریخ: سنة ۶۱۷ھ

فضا اور ذہن پر جنگ ہر وقت چھائی رہتی تھی۔"①

اس فضا اور ماحول میں علاؤ الدین خوارزم شاہ سے مزید چند ایسی سنگین غلطیاں ہوئیں جن کے وبال سے اس کے سارے کارناموں پر پانی پھر گیا اور عالمِ اسلام مشرق تا مغرب راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

❁❁❁

یورشِ تاتار کے وقت عالمِ اسلام

ساتویں صدی ہجری کے اس اندوہناک حادثے سے قبل عالمِ اسلام کی حالت ایک جاں بلب مریض کی سی تھی۔ جسے طرح طرح کی مہلک بیماریوں نے صاحبِ فراش کر دیا ہو۔ چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر اسلامی دنیا شدید انتشار اور لامرکزیت میں مبتلا تھی۔ نہ صرف ہر صوبے بلکہ ہر شہر پر ایک خود مختار حاکم براجمان تھا۔ اور تو اور خود خلافت بغداد کا دائرہ اثر بھی بغداد کی حدود سے باہر نہ تھا۔ خلیفہ ناصر جس کو خاندانی وراثت میں منصبِ خلافت مل گیا تھا، اپنی بداعتقادی، کینہ پروری، عصبیت اور تنگ نظری کے باعث ایک معمولی حاکم بننے کا حق دار بھی نہ تھا۔ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں آئے دن ایک دوسرے کے مقابل آ کر خون کی ندیاں بہا رہی تھیں۔ خدا خوفی اور عاقبت شناسی دلوں سے رخصت ہو رہی تھی۔ حبِ دنیا اور موت سے نفرت کا مرض وبا کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ علمی پروازیں عروج پر تھیں، مگر عملی تعطل کا دور دورہ تھا۔ عوام و حکام سب فریضہ جہاد کو طاقِ نسیاں میں رکھ چکے تھے۔ گناہ اور منکرات عام ہو گئے تھے۔ علامہ مقریزی مصر کے بارے میں جو عالم اسلام کا بازوئے شمشیر زن شمار ہوتا تھا، لکھتے ہیں کہ وہاں مجوسیوں کا تہوار "نوروز" عام منایا جاتا تھا، لوگ دریائے نیل کے کنارے کھلے عام فواحش و منکرات کا ارتکاب کرتے تھے اور انہیں کوئی روکنے والا نہیں ہوتا تھا۔② ایسی حالت میں کسی ایسے عمومی حادثے کا وقوع سنت اللہ کے عین مطابق تھا جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر انہیں توبہ و انابت پر آمادہ کرے۔ چنانچہ بصیرت مند آنکھیں مشاہدہ کر رہی تھیں کہ اب کوئی خونیں حادثہ کبریٰ پیش آنے والا ہے۔

آسمانی نشانیاں اور اہل اللہ کی پیش گوئیاں:

مشیتِ خداوندی نے اس بڑے حادثے سے قبل مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے آسمانی حوادث کا ایک لگاتار سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ۵۹۲ھ میں عراق میں اور اگلے سال شام و مصر میں نہایت ہولناک سیاہ آندھی آئی۔ طوفانی ہواؤں نے ایسی تباہی مچائی کہ ایک عینی شاہد قاضی فاضل رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "معلوم ہوتا تھا جہنم کی ایک وادی بہہ پڑی ہے۔" اس طوفان سے سفینے غرق ہو گئے، درخت اکھڑ گئے، مکانات گر گئے اور ہزاروں افراد مارے گئے۔

---

① تاریخ دعوت و عزیمت: ۱/ص ۳۱۲
② السلوک لمعرفۃ دول الملوک: ۱/ص ۲۴۷

۵۹۷ھ میں مصر میں دریائے نیل خشک ہوگیا، ایسا شدید قحط پڑا کہ بے شمار لوگوں مرگئے۔ کثرتِ اموات کے سبب مُردوں کو کفن دینا مشکل ہوگیا۔ شاہِ مصر الملک العادل نے قحط کے ایک مہینے میں دو لاکھ بیس ہزار افراد کے کفن دفن کا انتظام اپنے خرچے پر کرایا۔ خوراک نایاب ہونے کی وجہ سے کتّے اور مردار کھانے کی نوبت آگئی، یہاں تک کہ لوگ انسانی لاشوں کو نوچنے پر مجبور ہوگئے۔ اسی سال شام، ایشیائے کوچک اور عراق میں ہولناک زلزلے سے لاکھوں افراد ہلاک ہوئے، صرف نابلس شہر میں تیس ہزار آدمی موت کے گھاٹ اترے۔ اُدھر حجاز اور یمن کے درمیانی علاقہ میں وبا پھیل گئی۔ اٹھارہ بستیوں میں ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔ خراسان، شام، الجزیرہ، عراق، ایشیائے کوچک اور قبرص میں زلزلوں پر زلزلے آئے جن میں بکثرت افراد جاں بحق ہوئے۔ ۵۹۹ھ کی ایک شب آسمان سے لگاتار شہابِ ثاقب ٹوٹ ٹوٹ کر گرے۔ ①

اس دوران بعض اللہ والوں کی زبان سے کچھ پیش گوئیاں بھی ظاہر ہوئیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ خوارزم کے مشہور صوفی بزرگ تھے۔ آپ کے خلفاء میں شیخ مجد الدین بڑا پُر تاثیر وعظ کہا کرتے تھے۔ ایک جم غفیر ان کا وعظ سننے آتا تھا۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون شیخ مجد الدین رحمہ اللہ کی عقیدت مند تھی اور ان کی مجلس میں شریک ہوتی تھی۔ کسی حاسد نے خوارزم شاہ کے کان بھرے کہ آپ کی والدہ کا شیخ مجد الدین کے ہاں آنا جانا خدشے سے خالی نہیں، شاید شیخ مجد الدین آپ کی والدہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ خوارزم شاہ یقین کر بیٹھا اور مشتعل ہوکر شیخ مجد الدین کو دریا میں غرق کرنے کا حکم دے دیا۔ حکم کے مطابق شیخ مجد الدین کو دریا بُرد کر دیا گیا۔

کچھ دیر بعد جب خوارزم شاہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس حرکت پر پچھتایا۔ ایک طباق جواہرات سے پُر کرکے اس پر تلوار اور کفن رکھ کر شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی خانقاہ میں حاضر ہوا اور درخواست کی: ''یا تو خون بہا میں یہ دولت قبول کرکے میرے جرمِ عظیم سے درگزر کریں یا یہ تلوار لے کر میرا سر قصاص میں قلم کردیں۔''

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ نے جلال میں آکر جواب دیا:

''كَانَ ذَالِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا (یہ بات لوحِ محفوظ میں لکھی جاچکی۔) مجد الدین کا خون بہا یہ زر و جواہر نہیں بلکہ اس کا خون بہا تیری پوری سلطنت اور خود تیرا سر ہے۔ یہی نہیں بلکہ میرا سر بھی قلم ہوگا اور بے شمار بندگانِ خدا کے سر قلم ہونے والے ہیں۔'' ②

تاریخ بتاتی ہے کہ تاتاری حملے کی اشارہ کرنے والی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

خلافتِ بغداد اور سلطنتِ خوارزم میں کشیدگی:

خلافتِ بغداد اور سلطنتِ خوارزم کے درمیان کشیدگی، تاتاری حملے کا پہلا سبب بنی۔ بغداد خلافتِ عباسیہ کا مرکز تھا جبکہ ''خوارزم'' دنیائے اسلام کا بازوئے شمشیر زن۔ خوارزم اور خلافتِ بغداد کے تعلقات ایک عرصے تک کشیدہ چلے

① البدایہ والنہایہ: سنۃ ۵۹۲ھ تا ۶۰۰ھ ② روضۃ الصفا: ۵ص ۵

آ رہے تھے، اسی بناء پر خلیفہ ناصر نے خوارزمی حکمران سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کو قتل کرانے کے لیے حسن بن صباح کے بدنام زمانہ فدائیوں کا تعاون حاصل کیا تھا۔ فدائی خنجر برداروں نے خوارزم شاہ پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کی، مگر وار خالی گیا۔ تاہم خوارزم شاہ کا ایک سپہ سالار ان کے ہاتھوں شہید ہوگیا۔ خلیفہ ناصر کی سازش طشت از بام ہوئی تو سلطان علاؤالدین محمد خلیفہ کے خلاف سراپا احتجاج بن گیا۔ خلیفہ ناصر سے خوارزم شاہ کی ناراضگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دستور کے مطابق ہر مسلمان حکمران کو خلیفہ کی طرف سے پروانۂ حکومت سے خلعت عطا ہوتی تھی۔ خلیفہ نے چھوٹے چھوٹے شہروں کے حکمرانوں کو یہ اعزاز عطا کیا تھا، مگر خوارزم شاہ کو اس سے محروم رکھا تھا۔ نیز حج کے موقع پر خلیفہ کے حکم سے اَلَموت کے باطنی حکمران (حسن بن صبّاح کے گدی نشین) جلال الدین حسن کے پرچم کو خوارزمی پرچم سے آگے رکھا گیا جس کو خوارزمی سلطنت نے اپنی ہتک خیال کیا۔

نفرت کی یہ چنگاریاں دہکتی رہیں حتیٰ کہ ۶۱۴ھ میں یکا یک خوارزم اور بغداد کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ سلطان علاؤالدین بن محمد نے کھلم کھلا خلیفہ ناصر کی خلافت کا انکار کر دیا اور تین لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرار لے کر بغداد کی طرف یلغار کی۔ خوارزم شاہ کی پیش قدمی کی خبر سے خلیفہ ناصر کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے سہروردی سلسلہ کے بانی، نامور صوفی بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کو صلح کا پیام دے کر خوارزم شاہ کی طرف روانہ کیا۔ مگر خوارزم شاہ نے اس پیام کو مسترد کر دیا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ جو اُمت کے دو بڑے گروہوں کو باہمی خوں ریزی سے بچانے کی نیت سے آئے تھے، بے حد دل گیر ہو کر واپس لوٹے۔ ان کے بے نیلِ مرام لوٹتے ہی رب العالمین کا غیبی نظام حرکت میں آ گیا۔ رات کے وقت اس شدت کی برف باری ہوئی کہ خوارزمی فوج کا ہراول تباہ ہوگیا اور پیش قدمی کے راستے بند ہو گئے۔ چنانچہ خوارزم شاہ اس مہم کو ملتوی کر کے واپس جانے پر مجبور ہوگیا۔ ①

چنگیز خان:

مسلم حکمرانوں کی باہم محاذ آرائیوں کے اس تسلسل کے دوران عالمِ اسلام سے ہزاروں میل دور، ایشیا کے عظیم کوہستانی سلسلے پامیر کے پار ایک خونخوار و بے لگام طاقت سر اُٹھا رہی تھی۔ منگولیا کے دشتِ گوبی کا وحشی سردار ''تموجن'' اپنی طاقت مسلسل بڑھا رہا تھا۔ اردگرد کے وحشی قبائلی سردار اس کی قوت کا لوہا مان کر سرنگوں ہو رہے تھے۔ اس کا مرکز سرزمین چین کے شمالی حصے میں گوبی (منگولیا) کا ریگستان تھا جہاں بادلوں تک بلند ہوتی ہوئی تند و تیز ریتیلی آندھیاں چلتی ہیں۔ اونچے اونچے ناہموار ٹیلے ان ہواؤں کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں شمال کی جانب سے سخت سرد ہوا چلتی ہے جو ہر شے کو یخ بستہ کر دیتی ہے۔ زمانہ قدیم سے یہاں جنگلی خانہ بدوش قبائل آباد چلے آتے تھے۔ ان خانہ بدوشوں کی گزر اوقات شکار اور گلہ بانی پر تھی۔ ہرن، ریچھ، لومڑیاں اور ہر قسم کے جنگلی جانوران کی خوراک تھے، گائیوں، گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں کے بڑے بڑے گلے ان کی ملکیت میں ہوتے تھے۔ گرمی کے

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۱۴ھ۔ سیر السلطان جلال الدین: ص ۳۵ تا ۴۰۔

موسم میں دودھ بکثرت میسر آجاتا تھا، مگر سرما کی برف باری ہوتے ہی چارہ ملنے کے مواقع ختم ہوجاتے اور جانوروں کا دودھ سوکھ جاتا۔ مجبوراً یہ لوگ گرمی کے دنوں کے بچائے ہوئے سوکھے گوشت پر گزارا کرتے۔

کھانے کا یہ دستور تھا کہ پہلے جوان اور طاقتور لوگ حسب دلخواہ جو میسر ہوتا اچھی طرح کھا لیتے۔ پھر عورتیں اور بوڑھے ان کے پس خوردہ سے پیٹ بھرتے۔ آخر میں بچوں کی باری آتی جو ہڈیاں چوس چوس کر پیٹ کی آگ بجھاتے یا چوہوں اور گلہریوں کا شکار کر کے ان کا گوشت نوچتے۔ ہوا کے زوردار جھکڑوں سے کسی قدر محفوظ رکھنے والے گول گنبد نما بڑے بڑے خیمے ان کا مسکن تھے۔ ان خیموں کو ''یورت'' کہا جاتا تھا۔ ان یورتوں کو اِدھر سے اُدھر منتقل کرنے کے لیے بڑے بڑے چھکڑے ہوتے تھے جن کے آگے کئی کئی بیل جوتے جاتے تھے۔

ریگستان میں جہاں پانی اور چارہ میسر آتا یہ قبائل وہیں ڈیرہ ڈال لیتے اور پانی یا غذا ختم ہونے پر یورتوں کو لاد کر کسی اور چراگاہ کی طرف رواں دواں ہوجاتے۔ ہر قبیلے کے افراد اپنی حفاظت کے لیے ایک چالاک اور بہادر آدمی کو سردار منتخب کر لیتے تھے۔ پانی اور چارے کی تلاش میں پسندیدہ مقامات پر قبضے کے سلسلے میں یہ قبائل اکثر آپس میں کشت و خون کرتے رہتے تھے۔ ایسے مواقع پر سردار کی دانش مندی اور جرأت ہی اپنے قبیلے کو دشمن کی زک سے محفوظ رکھتی تھی۔

ان قبائل کو سخت جانی ورثے میں ملی تھی۔ کئی کئی دن کے فاقے برداشت کرنا ان کے لیے ایک عام سی بات تھی، قبیلے کے مرد مسلسل کئی کئی دن گھڑسواری کرتے اور اچانک دشمن کو جا لیتے۔ صحرا میں بسنے والے یہ لوگ سرخ و زرد رنگت والے تھے، ان کے چہرے چوڑے اور گٹھے ہوئے تھے۔ ناکیں چھوٹی چپٹی اور داڑھیاں چھدری تھیں، جسم مضبوط اور توانا مگر چھریرے تھے۔ ان کا حلیہ باقی تمام اقوام سے نرالا تھا، کسی غیر قوم کا آدمی ان میں فوراً پہچان لیا جاتا تھا اس لیے ان میں کوئی جاسوس داخل نہیں ہوسکتا تھا، مکاری اور عیاری ان کی فطرت میں داخل تھی۔

ان جنگلی قبائل میں سے ایک بڑا قبیلہ ''مغل'' کہلاتا تھا، جھیل بیکال کے آس پاس کی چراگاہیں ان کے قبضے میں چلی آرہی تھیں، یہ سرسبز علاقہ اس جھیل سے لے کر منچوریا کے سرحدی پہاڑوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں دو ندیاں بھی بہتی تھیں۔ صنوبر کے درخت قطار در قطار نظر آتے تھے، بے حد وسیع و عریض صحرائے گوبی کے شمال میں یہ حصہ ان قبائل کے لیے گویا جنت تھا، یہاں قابض ہونے کے لیے مختلف قبائل حملہ آور ہوتے رہتے۔

مغل قبیلہ شمالی گوبی کا سردار تھا جس کا سربراہ تموجن تھا، اس نے کئی قبیلوں کو مسخر کرنے کے بعد ۶۰۲ھ میں گوبی کے تمام سرداروں کو جمع کر کے اپنی قیادت کے عہد و پیمان کے ساتھ چنگیز خان کا لقب اختیار کیا۔ منگولیا اور کوہ طیان شیان کے پاس بسنے والے سارے جنگجو لٹیرے اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔ اس کے بعد چنگیز خان کی فتوحات نے طوفانی ہوا کی طرح تمام ایشیائے بلند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور چند سالوں کے اندر اندر اس نے دیوار چین کو پھلانگ کر چین کی ہزارہا سالہ قدیم شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے اپنا دائرہ حکومت ''کوریا'' اور ''تبت'' تک وسیع کر لیا، مگر اس کی ہوسِ ملک گیری اور حرص خون آشامی پھر بھی باقی تھی۔ مشرق کی طرف وہ بحر الکاہل تک جا پہنچا تھا۔ اب اس کی یلغار

کے لیے موزوں ترین میدان مغرب کی طرف عالمِ اسلام کی گنجان آباد مملکتوں کا سلسلہ تھا۔ ان ممالک کو روندنے کے لیے چنگیز خان آٹھ لاکھ درندہ صفت جنگجوؤں پر مشتمل دنیا کی سب سے بڑی فوج تیار کر چکا تھا جبکہ عالمِ اسلام کے حکمران شرابِ غفلت سے مدہوش ہو کر ایک دوسرے کے گریبان نوچ رہے یا نغمہ وطرب اور رقص و سرود سے دل بہلا رہے تھے۔ انہیں اپنے سروں پر منڈلانے والے خطرے کا احساس تک نہ تھا۔ ①

خلیفہ ناصر کی سفارت:

اس اجتماعی خطرے کے اس موقع پر جبکہ خوارزم و بغداد کا اتحاد سانس سے زیادہ ضروری ہو چکا تھا، خلیفہ ناصر نے چنگیز خان کی طرف ایک ایسی سفارت بھیجی جو عالمِ اسلام کو خون سے غسل دینے کے مترادف تھی۔ اس سفارت سے قبل خلیفہ ناصر نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے رائے طلب کی کہ ہمیں سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی طاقت کی سرکوبی کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ بعض ملت فروش وزراء نے کہا: ”عالم پناہ! ہماری رائے یہ ہے کہ ہمیں چنگیز خان سے مدد طلب کرنا چاہیے کہ اس کے سوا دنیا کا کوئی فاتح خوارزم شاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

اس موقع پر بعض دانش مند مشیروں نے خلیفہ کو اس خطرناک اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا: ”خلیفۃ المسلمین! ان کافر تاتاریوں کو صاحبِ ایمان مسلمانوں کی جان اور عزت وعصمت پر مسلط کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً۔ ممکن ہے کہ جب یہ وحشی قوم مملکتِ خوارزم پر قابض ہو جائے تو مرکزِ خلافت کا احترام بھی فراموش کر دے اور ہمارے لیے شامت وندامت کا باعث بنے۔“ خلیفہ ناصر نے بے التفاتی سے جواب دیا: ”تاتاری وحشیوں کو درمیان میں حائل شہر فتح کرنے میں کم از کم پچاس برس ضرور لگ جائیں گے۔ تاہم ہدف ان کے پہلے ہی حملے سے حاصل ہو جائے گا، یعنی علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی عسکری قوت تباہ ہو جائے گی۔“

خلیفہ نے مکتوب کا مضمون تیار کرالیا، چونکہ چنگیز خان کی مملکت تک جانے کے لیے خوارزم راستے میں پڑتا تھا اس لیے اس مکتوب کو خوارزمی افسران کی تلاشی سے بچانے کے لیے عجیب طریقہ اختیار کیا گیا۔ قاصد کا سر مونڈ کر خط کا مضمون دربارِ خلافت کی مہر سمیت اس کے سر پر آتشیں سوئی سے گودوایا گیا۔ اس نہ مٹنے والی تحریر کو کسی روغن سے چھپا دیا گیا۔ قاصد کے بال جب خوب بڑھ گئے تو اسے روانہ کر دیا گیا۔ اس طرح پیغام بحفاظت چنگیز خان تک جا پہنچا۔ چنگیز خان جو عالمِ اسلام پر حملہ کرنے میں اسی لیے متذبذب تھا کہ کہیں مسلمان حکومتیں متحد ہو کر اس کے مقابلے میں نہ نکل آئیں، اب بالکل مطمئن ہو گیا اور دنیائے اسلام پر یلغار کے لیے پر تولنے لگا۔ ②

چنگیز خان کا تجارتی قافلہ:

چنگیز خان کی راہ میں حائل سب سے پہلا اسلامی ملک خوارزم تھا۔ چنگیزی سلطنت اور خوارزم کو برف پوش پہاڑوں

① چنگیز خان، از ہیرلڈ لیمب ص ۲۵ تا ۹۵؛ سیرۃ سلطان جلال الدین: ص ۱۲۶۳

② روضۃ الصفا: ۵ ص ۲۵

کی تقریباً ایک ہزار کلومیٹر چوڑی زنجیر جدا کرتی تھی۔ ان فلک بوس پہاڑوں کو عبور کرنا آسان نہ تھا۔ نیز خوارزم کی عسکری قوت بھی کمزور نہ تھی، اس لیے چنگیز خان نے حملے سے قبل خوارزم کے محل وقوع، جغرافیائی حالات، عسکری وسائل اور دیگر تفصیلات کی فراہمی ضروری سمجھی۔ اس سے قبل چین پر حملے کے لیے بھی چنگیز خان نے یہی انداز اختیار کیا تھا۔ اس بار اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے تجارتی قافلوں سے کام لینے کا منصوبہ بنایا۔

۶۱۵ھ میں چنگیز خان نے سفیر بھیج کر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو یہ پیش کش کی کہ دونوں ملکوں کے مابین تجارتی قافلوں کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ علاؤ الدین محمد نے اسے قبول کر کے سرحدیں تجارت کے لیے کھول دیں۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ سرحدی شہر اترار کے حاکم غائر خان نے خوارزم شاہ کو اطلاع دی کہ گوبی سے آنے والے تجارتی قافلے دشمن کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں اور ایسا ایک قافلہ سرحد پر حراست میں لے لیا گیا ہے۔ خوارزم شاہ نے جواباً غائر خان کو اس سلسلے میں ہر اقدام کی اجازت دی۔ چنانچہ اہلِ قافلہ کو قتل کر کے ان کا مال و متاع ضبط کر لیا گیا۔ ①

چنگیز خان کا دُنیائے اسلام پر حملہ

چنگیز خان کو اپنے قافلے کی ہلاکت کی اطلاع ملی تو اس نے نہایت غضبناک ہو کر سلطان علاؤ الدین محمد کو خط لکھا: ”اگر یہ سب کچھ اترار کے حاکم نے اپنی مرضی سے کیا ہے تو اسے ہمارے حوالے کر دو۔ اور اگر یہ تمہارے حکم سے ہوا ہے تو سراسر عہد شکنی ہے جس کا انجام بہت برا ہے۔ میں ایسا لشکر لے آؤں گا جس کا مقابلہ کرنا تمہارے لیے ممکن نہ ہوگا۔“

اس پیغام نے خوارزم شاہ کے جلتے ہوئے دل و دماغ پر تیل کا کام کیا اور اس نے بغیر سوچے سمجھے چنگیز خان کے قاصد کا سر قلم کرا دیا اور اس کے ساتھیوں کی ڈاڑھیاں مونڈ کر انہیں اس پیغام کے ساتھ واپس بھیج دیا: ”میں خود تیرے مقابلے کے لیے آ رہا ہوں، اگر تو دنیا کے آخری کونے میں چلا جائے تب بھی میں تجھے سزا دے کر رہوں گا اور تیرا وہی حشر کروں گا جو تیرے ساتھیوں کا کر چکا ہوں۔“ اس پر چنگیز خان غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے اعلان کیا کہ آسمان پر دو سورج نہیں چمکتے، اس دنیا میں دو شہنشاہ نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد اس نے برق رفتار قاصد بھیج کر خوارزم شاہ کو ان الفاظ میں اعلان جنگ سنایا: ”تو نے جنگ پسند کی ہے، اب جو ہوگا سو ہوگا۔“ ②

پہلا معرکہ:

موسم خزاں (رجب ۶۱۶ھ بمطابق ستمبر ۱۲۱۹ء) میں آٹھ لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل چنگیزی لشکر نے صحرائے گوبی سے نکل کر جھیل بیکال کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف سفر شروع کیا اور ناقابلِ عبور برف پوش پہاڑوں سے گزر کر تقریباً ڈیڑھ ہزار کلومیٹر طے کرنے کے بعد وسط ایشیا جانے والی ”شاہراہِ پیلو“ تک پہنچ گیا۔ چنگیز خان نے یہاں لشکر کا ایک

---

① تاریخ جہاں کشا جوینی: ص ۶۷ تا ۱۶۹، ط ھرمس ② الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۱۷ھ

حصہ اپنے بڑے بیٹے جوجی کی کمان میں دے کر اسے شاہراہ کے ذریعے خوارزم کی شمال مشرقی سرحدوں تک پہنچنے کا حکم دیا تاکہ وہ خوارزم شاہ کو اس طرف متوجہ رکھے۔ اس دوران چنگیز خان خود غیر معروف اور دشوار گزار راستوں سے ہو کر ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے بخارا پر پشت سے حملہ کرنے روانہ ہوگیا۔

جوجی ''شاہراہ پیلو'' پر تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے خوارزم کی شمال مشرقی سرحد کے قریب جا پہنچا۔ اُدھر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ اس حملے کی روک تھام کے لیے چار لاکھ سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ سرحد کی طرف روانہ ہو چکا تھا، مگر اس کی پیش قدمی بڑی سست تھی، دار الحکومت اورگنج سے نکل کر وہ بخارا پہنچا۔ پھر سمرقند اور جند سے ہوتے ہوئے اس نے دریائے سیحوں کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ اسے معلوم ہوا کہ چنگیزی لشکر دریا کے پار کوہستان میں ہے جس کی چھاپہ مار ٹولیاں خوراک و رسد کے لیے نواحی دیہاتوں پر شب خون مار رہی ہیں۔

ہر چند کہ اس بھاری بھرکم لشکر کے ساتھ کوہساروں کی بھول بھلیوں میں داخل ہونا خطرناک تھا، مگر سلطان علاؤ الدین محمد نے سردارانِ لشکر کے منع کرنے کے باوجود آگے بڑھ کر حملہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس نے دریا عبور کر کے پُرپیچ گھاٹیوں اور دروں میں پیش قدمی شروع کی۔ ایک دن سفر کر کے ایک تنگ وادی میں اس کا اور تاتاری فوج کا آمنا سامنا ہوا۔ ایک ہولناک جنگ شروع ہوئی جو دراصل وحشت ناک معرکہ آرائیوں کے ایک ایسے سلسلے کی پہلی کڑی تھی جس نے عالمِ اسلام کی نصف سے زائد آبادی کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس غیر موزوں میدان میں خوارزمی فوجی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے جوہر نہ دکھا سکے۔ تنگ وادی میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ تاتاری سپاہی اپنے ہلکے پھلکے اسلحہ اور تیز رفتار نظامِ جنگ کی بدولت خوارزمی لشکر کو بُری طرح روند رہے تھے کہ ایک موقع پر وہ خوارزم شاہ کے اس قدر قریب آگئے تھے کہ اس کی جان بمشکل بچ سکی۔ علامہ ابن اثیر کے بقول: ''فریقین اس طرح گتھم گتھا تھے کہ تلواریں سونتنا مشکل تھا۔ وہ خنجروں اور چھریوں سے ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے۔ خون کی ندیاں اس طرح بہہ رہی تھیں کہ گھوڑے پھسل پھسل کر گر تے تھے۔''

تاتاریوں سے اس پہلی لڑائی میں کم از کم بیس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ خوارزم شاہ اور اس کے افسران کے اعصاب پر اس کا بہت بُرا اثر ہوا اور وہ تاتاریوں سے بُری طرح مرعوب ہوگئے۔ اس کے بعد خوارزم شاہ کسی میدان میں تاتاریوں سے لڑنے کی ہمت نہ کر سکا۔ ①

خوارزم شاہ کا فرار:

خوارزم شاہ اپنے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ سرحدی شہروں کو چھوڑ کر سمرقند میں فروکش ہوگیا۔ اِدھر چنگیز خان کے بیٹے دریائے سیحوں کے ساحلی شہروں پر حملہ آور ہو کر قتلِ عام کر رہے تھے۔ سرحدی شہر قوقند (خجند) میں دلیر خوارزمی حاکم

① الکامل فی التاریخ: سنہ ۶۱۷ھ

تیمور ملک نے صرف ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ تاتاری حملہ آوروں کو کئی ماہ تک الجھائے رکھا۔ اس دوران علاؤ الدین خوارزم شاہ کے پاس اپنی افواج دوبارہ مرتب کرنے کا اچھا موقع تھا، مگر اس نے کچھ نہ کیا۔ اترار کے بہادر حاکم غائر خان نے بھی ڈٹ کر مدافعت کی اور کئی ماہ تک تاتاریوں کو اترار کی فصیلوں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ آخر بھوک پیاس اور مسلسل زخموں نے محصورین کی کمر توڑ دی۔ تو قند کی طرح اترار کی آبادی کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ غائر خان کی آنکھوں اور کانوں میں پگھلی ہوئی چاندی ڈال کر اسے بدترین طریقے سے قتل کیا گیا کیوں کہ چنگیز خان کے قافلے کو اسی نے مروایا تھا۔

اس دوران علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے حواس باختگی کے عالم میں ایک اور غلط فیصلہ کر ڈالا۔ اس نے اپنی باقی فوج کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اسے مختلف قلعوں اور شہروں کی فصیلوں میں مدافعانہ مقابلہ کرنے پر مامور کر دیا۔ تجربہ کار امراء خاص کر شہزادہ جلال الدین نے اس کی مخالفت کی، مگر خوارزم شاہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب مسلمانوں کے پاس کوئی مضبوط فوج نہ رہی تھی جس کے بل بوتے پر وہ کسی میدان میں تاتاریوں کو منہ توڑ جواب دے سکتے۔

تاتاری فوج کا وہ حصہ جو ''جوجی خان'' کی قیادت میں تھا، مشرق کی طرف سے بڑھتا آ رہا تھا اور خوارزم شاہ کی نگاہیں بھی اس طرح لگی تھیں جبکہ چنگیز خان لشکر کے بڑے حصے کے ساتھ اس کی پشت کی طرف سے آ رہا ہے۔ ①

سقوطِ بخارا:

محرم ۶۱۷ھ میں چنگیز خان یکدم بخارا کی فصیلوں کے سامنے نمودار ہوا۔ اہلِ بخارا دم بخود رہ گئے۔ شہر کی محافظ فوج نے باہر نکل کر مقابلہ کی کوشش کی، مگر شکست کھائی۔ اہلِ شہر نے خوفزدہ ہو کر جان و مال کی امان کے وعدے پر شہر کے دروازے کھول دیے۔ چنگیز خان وحشیوں کے سیلاب کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اس کا شاطر و خونخوار بیٹا تولی خان اس کے ہمراہ تھا۔ بخارا کی جامع مسجد ''جامع الکبیر'' کی دلکشی سے متاثر ہو کر اس نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور گویا ہوا:

''یہ تمہارے بادشاہ کا محل ہے۔'' لوگوں نے جواب دیا: ''نہیں خانِ اعظم! یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔''

چنگیز خان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ وہ جوتوں سمیت منبر پر چڑھ گیا جہاں قرآن مجید کا ایک بڑا نسخہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اعلان کیا: ''میری افواج کے لیے خوراک کا اور ان کے گھوڑوں کے لیے چارے کا فوری بندوبست کرو۔ اس مسجد جیسی وسیع عمارتیں اصطبل کے طور پر خالی کر دو۔'' پھر اس نے عیدگاہ میں عوام کو جمع کر کے کہا:

''بخارا والو! میں آسمانِ لازوال کا قہر ہوں۔ وہ آسمان لازوال کہ جس کی قدرت کائنات کے ہر گوشے میں ہے میں اس کا بھرپور روادار ہوں۔ خوارزم شاہ نے سخت جرائم کا ارتکاب کیا ہے، میں اس لیے آیا ہوں تاکہ اس کے جرائم کی سزا دے کر میں اس کو یونہی برباد کروں جیسا کہ میں نے دوسرے بادشاہوں کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔''

---

① سیرۃ جلال الدین: ص ۹۱، ۹۰؛ روضۃ الصفا: ۵ ص ۲۸، ۲۷؛ تاریخ جہان کشا جوینی: ۱ ص ۷۰ تا ۷۷، ۷۳ تا ۷۹، ص ۶۹ ۳۴۹، طہرمس

لرزہ براندام عوام نے اپنے غلّے کے گوداموں کے دروازے کھول دیئے۔ تاتاریوں نے جامع مسجد سمیت تمام مساجد و مدارس میں گھوڑے باندھ دیئے اور علماء وفقہاء کو ان کی رکھوالی پر لگا دیا۔ امراء اور اکابر شہر سے ساری دولت چھین لی گئی اور مزید مال کی جستجو میں ان کو اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ چند دن یہ قیامت برپا رہی۔ پھر شہر کی تمام آبادی کو ایک کھلے میدان میں ہانک دیا گیا اور عورتوں کو گھسیٹ کر ان کے شوہروں سے علیحدہ کر دیا گیا تاکہ ان کی سرِعام عصمت دری کی جائے۔ قاضی صدر الدین خان رحمہ اللہ، امام زادہ رکن الدین رحمہ اللہ اور چند افراد یہ دیکھ کر تاتاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی دیکھا دیکھی اور افراد نے بھی ہلہ بول دیا اور تاتاری سپاہیوں کے ہتھیار چھین کر انہیں واصل جہنم کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر تاتاریوں کا منظم لشکر حرکت میں آیا اور قتل عام کے لیے تلواریں بے نیام ہوگئیں۔ شام تک لاکھوں کی آبادی میں سے یہاں لاشوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ مقتولین کی کھوپڑیوں سے مینار قائم کر دیئے گئے۔ شہر کو آگ لگا دی گئی۔ بخارا کے جلتے ہوئے مکانات سے اُٹھتے ہوئے دھوئیں کے سیاہ بادل آسمان پر اس طرح چھا گئے کہ دن کے وقت سورج کی روشنی معدوم ہوگئی۔ بہت سی نوجوان لڑکیوں اور ہنرمند افراد کو تاتاریوں نے زندہ گرفتار کر کے ساتھ لے لیا اور ان کو اپنے گھوڑوں کے ساتھ پیدل چلنے پر مجبور کیا۔ جب قیدی تھکن سے نڈھال ہو کر قدم اُٹھانے سے عاجز آ جاتے تو تاتاری ان کو بے دریغ قتل کر کے آگے چل دیتے۔ ①

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ اس وقت سمرقند میں مقیم تھا۔ جب اسے بخارا پر چنگیز خان کے اچانک حملے کی خبر ملی تو اس نے سراسیمہ ہو کر سمرقند سے کوچ کی تیاری کی کیوں کہ مشرق کی طرف سے جوجی اور جنوب مشرق سے چنگیز خان کا دوسرا سالار جبی نویان آگے بڑھ رہا تھا اور چنگیز خان بخارا سے فارغ ہو کر خود مغرب کی طرف سے سمرقند پر حملہ آور ہونے والا تھا۔ چنانچہ خوارزم شاہ نے گھیرے میں آنے سے قبل فرار ہونے کی ٹھان لی۔ اس کے خوف کا یہ عالم تھا کہ سمرقند سے نکلتے ہوئے اس نے خندق کی طرف دیکھ کر کہا: ’’ہم پر حملہ آور تاتاری تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ اگر وہ اپنے چابک اس خندق میں ڈالیں تو خندق لبالب بھر جائے۔‘‘

یوں خوارزم شاہ اپنے افسران کو مزید پست ہمت کر کے خراسان کی طرف فرار ہو گیا۔ ②

سقوطِ سمرقند:

سقوطِ بخارا کے بعد ربیع الاول ۶۱۷ھ (مئی ۱۲۲۰ء) میں تاتاری افواج تین سمتوں سے یلغار کر کے سمرقند میں مجتمع ہوگئیں۔ محصور مسلمانوں نے تین دن تک دُشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر آخری دن ہولناک جنگ کے دوران ایک غدار امیر برشماش خان اپنے تیس ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر چنگیز خان سے جاملا چنانچہ مسلمانوں کو شکست ہوگئی اور تاتاری شہر میں داخل ہو گئے۔ سمرقند کی فصیل مسمار کر دی گئی تاکہ آئندہ یہاں کسی مورچہ بندی کا امکان نہ رہے۔

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۱۷ھ؛ چنگیز خان ھیرلڈلیمب: ص ۱۰۱ تا ۱۱۲؛ تاریخ جہان کشا: ص ۱۸۲ تا ۱۸۹، طھرمس

② تاریخ جہان کشا جوینی: ۳۳۸، طھرمس؛ روضۃ الصفا: ۳ص ۸۲۳

اس کے بعد اہل شہر کا قتل عام شروع ہوا اور تاتاریوں نے مسلمانوں کی لاشوں سے شہر کے گلی کوچوں کو پُر کر دیا۔

چنگیز خان نے چند روز تک غدار برشاش خان اور اس کے ساتھیوں کی خوب خاطر تواضع کی اور پھر ایک دن جب یہ ملت فروش گہری نیند سو رہے تھے، تاتاری فوج نے ان کی تکا بوٹی کر دی۔ (1)

عوام کی ہجرت:

سلطنتِ خوارزم جو کہ ماوراء النہر، وسط ایشیا، ترکستان، فارس اور خراسان جیسے قدیم اسلامی خطوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی، جب بکھری تو ان تمام علاقوں کے مسلمان بے سہارا رہ گئے۔ اب جس کا بس چل سکا وہ اپنی جان بچانے کے لیے پڑوسی مسلم ممالک: ہندوستان، بغداد اور شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ سفر نہایت طویل تھا۔ مہاجرین کی خاصی تعداد تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہو گئی یا سفر کے مصائب سے راستے ہی میں دم توڑ گئی۔

خوارزم شاہ کی موت:

خوارزم شاہ تاتاریوں کے خوف سے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف فرار ہوتا رہا۔ اس کے بزدل مشیر اور خائن وزراء اسے ترکِ جہاد کا درس دے رہے تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ درباری نجومیوں نے کہہ دیا تھا:

"آپ کا ستارہ گردش میں ہے، آپ کو کچھ عرصہ تک دُشمن کے مقابلے میں نہ آنا چاہیے۔"

ان باتوں سے متاثر ہو کر خوارزم شاہ کسی میدان میں دُشمن کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ چنگیز خان نے اپنے بہترین سوار دستے اس کے تعاقب میں روانہ کر دیے تھے۔ خوارزم شاہ اپنے خاندان کی خواتین کو ماژندران کے سنگین وفلک بوس قلعوں میں چھوڑ کر خود چند ہمراہیوں اور شہزادوں سمیت تاتاریوں کے آگے آگے بھاگتا ہوا اپنی مملکت کی آخری حدود سے بھی باہر نکل گیا اور بحیرہ کیسپین (خزر) کے کنارے جا پہنچا اور ایک کشتی میں بیٹھ کر کسی جزیرے میں پناہ لینے روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ شدتِ غم سے اپنا سر کشتی کے تختوں سے ٹکراتا اور کہتا تھا: "سبحان اللہ! اپنی عظیم مملکت میں سے دو گز زمین بھی ہمارے پاس نہ رہی، جس میں ہم دفن ہو سکتے۔" آب سکون نامی ایک جزیرے میں پہنچ کر کچھ عرصہ خوارزم شاہ بیماری اور بے وطنی کے مصائب جھیلتا رہا۔ اسی دوران اسے خبر ملی کہ تاتاریوں نے ماژندران کے قلعوں پر قبضہ کر کے اس کی ماں، ترکان خاتون، بیگمات اور شہزادیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ اس خبر سے خوارزم شاہ کے اعصاب شل ہو گئے اور وہ صدمے کی تاب نہ لا کر دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کی موت اس کسمپرسی کے عالم ہوئی کہ اسے کفن کا کپڑا بھی میسر نہ آیا۔ اس کے اپنے کرتے اور ایک خادم کے عمامے میں لپیٹ کر اس کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ (2)

مغربی تاتاریوں کی غارت گری:

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے تعاقب میں جانے والی تاتاری فوج ایران کے طول وعرض میں زبردست تباہی مچاتی

---

(1) روضۃ الصفا: ۵ص ۲۹ تا ۳۰؛ تاریخ جہان کشا جوینی: ص ۱۹۶ تا ۲۰۲، ط ھرمس

(2) تاریخ جہان کشا جوینی: ص ۳۵۸، ۳۵۹، ط ھرمس؛ تاریخ الاسلام للذھبی، تحت وفیات: ۶۱۷ھ

ہوئی، بحیرہ خزر تک پہنچ گئی تھی۔ اس تباہ کن لشکر نے جس کے کمانڈار: سوبدائی اور جبی نویان نامی دو سردار تھے، کسی جگہ قیام نہیں کیا، بلکہ سیلاب کی طرح ایک سمت سے داخل ہوکر دوسری سمت سے نکل گیا۔ خوارزم شاہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ان جنگجوؤں نے ماژندران کے قلعے فتح کر کے شاہی حرم اور خزانے پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہوکر یہ فوج واپس ہونے کے بجائے اسی رفتار سے بحیرہ خزر کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بڑھتی گئی۔ گرجستان کے جنگجو قبائل کو زیروزبر کرتے ہوئے یہ سریع الحرکت لشکر بحیرہ خزر کے دوسری جانب شمال میں پہنچ گیا۔ چونکہ جبی نویان اور سوبدائی کی کمان میں ان تاتاریوں نے عالمِ اسلام کے مغرب کی طرف پیش قدمی کی تھی، اس لیے عرب مؤرخین ان کو التتر المغربیة (مغربی تاتاری) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ①

یلغار کے دوسرے سال مغربی تاتاریوں نے شمال کی جانب مزید پیش قدمی کی اور بحیرہ خزر کے شمال میں واقع نمک بھرے میدانوں میں ''لان'' اور ''قپچاق'' (موجودہ یوکرائن) کے قبائل کو روند کر رکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے رُوس کی طرف یلغار کی۔ رُوسی حکمرانوں نے تاتاریوں کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک عظیم متحدہ فوج ترتیب دی اور قپچاق کے زخم خوردہ جنگجوؤں کو ساتھ ملاکر دریائے نیپئر کے ساتھ ساتھ تاتاریوں سے ٹکرانے کے لیے آگے بڑھے۔ تاتاری حملہ آور، رُوسی بادشاہوں اور قپچاقیوں کی اس متحدہ فوج کے سیلاب کے سامنے ایک چال کے تحت پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ نو دن تک یہ پسپائی جاری رہی۔ آخر ایک مناسب مقام پر تاتاریوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور رُوسی فوج کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ ''جنیوا'' میں داخل ہوگئے اور وہاں قتل و غارت کر کے دریائے وولگا کی طرف بڑھے، یہاں دریا کے ساحل پر آباد ''بلغاری'' ان کی زد سے نہ بچ سکے اور تاتاریوں نے ان کو جی بھر کر پامال کیا۔ اس کے بعدوہ دریائے نیپئر عبور کر کے ماسکو اور یورپی ممالک پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ②

تباہی درتباہی:

اُدھر دُنیائے اسلام میں بھی تاتاریوں کی پیش قدمی جاری رہی۔ سمرقند و بخارا جیسے مناظر جگہ جگہ دہرائے گئے۔ ایک ایک شہر میں مقتولین کی تعداد لاکھوں کے حساب سے ہوتی تھی۔ ''رے'' میں سات لاکھ، مَرْ و میں تیرہ لاکھ، نیشاپور میں پندرہ لاکھ اور ہرات میں سولہ لاکھ افراد شہید کیے گئے۔ ان مظالم کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے قلم لرزتا اور دل کانپتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ کروڑ انسانوں کے معدوم ہوجانے سے نسلوں کی نسلیں ختم ہوگئیں، قبائل کے قبائل فنا ہوگئے۔ چند برس میں عالمِ اسلام کا نقشہ اس طرح بدل گیا کہ جس کا تصور ممکن نہیں تھا۔ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''تاتاری چین کی حدود سے نکل کر ایک سال پورا ہونے سے پہلے پہلے ایک سمت میں آرمینیا کو عبور کر رہے تھے اور عراق میں ہمدان سے بھی آگے ان کی پیش قدمی جاری ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ

---

① الکامل فی التاریخ: سنہ ۶۱۷ھ

② چنگیز خان، ھیرلڈ لیمب: ص ۱۲۳

زمانہ دراز کے بعد آنے والے لوگ جب اس حادثے کے تحریر شدہ حالات پڑھیں گے تو ان کو جھوٹا اور بعید از قیاس تصور کریں گے۔ وہ (ان واقعات کو مبالغہ آرائی سمجھنے میں معذور اور) حق بجانب ہوں گے، مگر جب وہ ایسا گمان کریں تو اس تحریر پر نظر ڈال لیں کہ ہم پہلے اس خدشے کا اظہار کر چکے اور اسے لکھ چکے ہیں۔''①

علامہ ابن اثیر الجزری مسلمانوں کے قتل عام کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک تاتاری عورت ایک گھر میں داخل ہوئی اور اہل خانہ کو یکے بعد دیگرے قتل کرتی چلی گئی۔ لوگ اسے تاتاری سپاہی سمجھ رہے تھے (اس لیے اس پر ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہ کر سکے) آخر جب اس نے قتل کی کارروائی سے فارغ ہو کر اپنے ہتھیار اُتارے تو ایک مرد نے اسے پہچان لیا (کہ یہ عورت ہے) اور اسے مار ڈالا۔''②

نیز وہ لکھتے ہیں:

''ایک تاتاری سپاہی تنہا ایک گلی میں گھسا جس میں سو آدمی تھے۔ تاتاری یکے بعد دیگرے ان سب کو قتل کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ان سو میں سے ایک فرد بھی نہ بچا، کسی کو اس پر ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔''③

ہیرلڈ لیمب کا بیان ہے:

''اس قتل عام نے عالمِ اسلام کے قلب کو ایک طرح کا چٹیل میدان بنا دیا...... ایک مرتبہ سے زائد ایسا ہوا کہ جہاں کوئی شہر آباد تھا (قتل عام کے بعد) وہاں ہل چلا کر غلہ کاشت کیا گیا۔''④

❁❁❁

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی جہد و جہد

• علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے جلال الدین منکبرتی نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ جلال الدین کو اپنے باپ کے دورِ حکومت میں غزنی اور اس کے ملحقہ شہروں کی صوبہ داری ملی تھی۔ تاتاری طوفان کے دوران سلطان علاؤ الدین محمد نے اپنے مسلسل سفر اور پیہم فرار کے دوران شہزادہ جلال الدین کو ہر لحظہ اپنے ساتھ رکھا اور فوج کی قیادت اس کے حوالے نہ کی۔ جب بحیرۂ خزر کے جزیرے میں سلطان علاؤ الدین محمد نے وفات پائی تو سلطنتِ خوارزم کا تاج و تخت سلطان جلال الدین کو ملا۔ اس تباہ شدہ ملک کی حکمرانی پھولوں کی سیج نہ تھی۔ مگر سلطان جلال الدین نے مشکل حالات کی پروا نہ کی اور باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں کے مقابلے کا فیصلہ کر لیا۔

خوش قسمتی سے اس وقت تک خوارزم کا دارالحکومت ''اورگنج'' اپنی ناقابلِ تسخیر فصیلوں اور دریائے آمو کی قدرتی خندق کے باعث تاتاریوں کے حملے سے محفوظ تھا۔ سلطان جلال الدین نے ''اورگنج'' پہنچ کر تاتاریوں کے خلاف

① الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۱۷ھ ② الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۲۸ھ
③ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۲۸ھ ④ چنگیز خان: ص ۱۴۲

اعلانِ جہاد کر دیا اور رضا کاروں کی بھرتی شروع کر دی، مگر اسی دوران چند با اثر سرداروں اور شہزادوں نے بغاوت کی تیاری شروع کر دی۔ آخر کار سلطان جلال الدین نے مجبور ہو کر تین سو ساتھیوں کے ہمراہ خفیہ طور پر ''اورگنج'' سے کوچ کر دیا۔ راستے میں ''استوا'' کے مقام پر ایک تاتاری فوج سے مڈبھیڑ ہوگئی مگر سلطان جلال الدین نے انہیں مار بھگایا اور نیشاپور سے ہوتے ہوئے افغانستان کا رُخ کیا۔

اُدھر تاتاریوں نے چنگیز خان کے بیٹوں کی قیادت میں اُورگنج شہر پر حملہ کر دیا اور مقامی سرداروں اور اہلِ شہر کی مزاحمت کے باوجود شہر پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے قتلِ عام کے بعد دریائے آمو کا بند توڑ دیا جس سے تمام شہر زیرِ آب آ کر آبادی سمیت بے نام و نشان ہو گیا۔ ①

تاتاریوں کے مقابلے میں سلطان جلال الدین کی فتوحات:

سلطان نے جنوبی افغانستان کے شہر بُست پہنچ کر رضا کاروں کی بھرتی شروع کر دی۔ یہاں ہرات کا حاکم امین الدین ملک دس ہزار بہادروں کے ساتھ حاضر ہوا اور جہاد کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ چنانچہ ان کے مشترکہ لشکر نے قندھار کا رخ کیا جہاں تاتاری شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سلطان نے انہیں گھیر کر اس طرح شکست دی کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ اس فتح سے مسلمانوں کو ایک نئی زندگی ملی اور سلطان کی دلیری کی چہار سو شہرت ہوگئی۔ ②

غزنی اور پروان کے معرکے:

قندھار کے بعد سلطان جلال الدین نے غزنی کا رُخ کیا۔ یہاں ہزاروں قبائلیوں نے لشکرِ مجاہدین میں شمولیت اختیار کی۔ حاکمِ کابل ملک شیر اور خلجی سردار سیف الدین اغراق بھی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ سلطان کی امداد کے لیے پہنچ گئے۔ چنگیز خان نے جو قندھار کی شکست کے بعد انگاروں پر لوٹ رہا تھا، شیگی قتقو نامی ایک معتمد سردار کی قیادت میں ایک زبردست لشکر سلطان کے مقابلے میں بھیج دیا۔ غزنی سے باہر بلق کے مقام پر دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ تین دن تک دونوں فوجوں میں ہولناک جنگ جاری رہی۔ چوتھے دن تاتاریوں کا دم خم جواب دے گیا اور وہ بے شمار لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ سلطان کے حکم پر ترک اور افغان مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا اور اکثریت کو پسپائی کے دوران موت کی نیند سلا دیا۔ یہ لڑائی رجب ۶۱۸ھ (اگست ۱۲۲۱ء) میں لڑی گئی۔

اس فتح کے بعد سلطان جلال الدین نے فی الفور چنگیز خان کو یہ پیغام بھیجا:

''میں تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ مجھے بتا تجھے کون سا میدان پسند ہے تاکہ میں وہاں پہنچ کر تیرا مقابلہ کروں اور تو بھی بذاتِ خود میدان میں نکل آ۔''

سلطان کی اس للکار کے جواب میں چنگیز خان نے اپنے بیٹے تولی خان کی قیادت میں ایک لشکرِ جرار روانہ کیا۔

---

① سیرۃ سلطان جلال الدین للنسوی: ص ۱۲۲ تا ۱۲۳؛ الکامل فی التاریخ سنۃ ۶۱۷ھ؛ تاریخ جہان کشا: ص ۴۷۳، ہرمس

② روضۃ الصفا: ۵ ص ۴۳۲ تا ۴۳۳؛ تاریخ ابن خلدون: ۵ ص ۱۲۱ تا ۱۱۲۶؛ جہان کشا: ص ۴۷۳ تا ۴۷۵، ہرمس

سلطان نے بھی پیش قدمی کی اور کابل سے آگے ضلع پروان میں خیمے گاڑ دیے۔ اس دوران سلطان کو خبر ملی کہ تاتاریوں کا ایک اور لشکر قلعہ والیان پر جو پروان اور بامیان کے درمیان واقع تھا، حملہ کر چکا ہے۔ سلطان نے اپنے منتخب دستوں کے ساتھ ادھر کا رُخ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کرنے والے تاتاریوں پر اچانک حملہ کر کے ان میں سے تقریباً ایک ہزار کو ہلاک اور بقیہ کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ اس فتح میں سلطان کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا جس سے اسلحہ اور سواریوں کی کمی پوری ہوگئی۔

سلطان جلال الدین کے پروان پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد تولی خان کی قیادت میں تاتاریوں کا ٹڈی دل پروان کی حدود میں داخل ہوگیا۔ اس لشکر کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے۔ مفتوحہ صوبوں کے مسلمان قیدیوں کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے ساتھ تھی جن سے جبری مشقت بھی لی جاتی تھی اور لڑائی کے موقع پر ان کے ذریعے اپنی تعداد کو مزید بر مزید ظاہر کر کے حریف پر دہشت بھی طاری کر دی جاتی تھی۔ تاتاری فوج کی آمد کی اطلاع پا کر سلطان جلال الدین نے پروان کے شمال مشرق میں ایک وسیع میدان کو صف بندی کے لیے منتخب کیا جس کی پشت پر کوہستانی سلسلہ تھا۔ مجاہدینِ اسلام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ سلطان جلال الدین نے لشکر کے دائیں بازو پر امین الملک اور بائیں بازو پر سیف الدین اغراق کو متعین کیا اور خود قلب لشکر کی قیادت سنبھالی۔ جنگ شروع ہوئی تو سلطان نے حکم دیا: ''تمام سپاہی گھوڑوں سے اُتر کر پیدل لڑیں اور پوری ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں۔''

آخر دونوں لشکر گتھم گتھا ہوگئے۔ امین الملک کی قیادت میں لشکرِ اسلام کا دایاں بازو نہایت مضبوطی سے جم کر مقابلہ کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تاتاری سپہ سالار تولی خان نے دس ہزار تازہ دم سپاہی اس طرف بھیج دیے تاکہ مسلمانوں کے دائیں بازو کو باقی فوج سے کاٹ کر تتر بتر کر دیا جائے۔ اس طرح امین الملک پر تاتاریوں کا دباؤ اتنا بڑھ گیا کہ اسے اُلٹے قدموں پیچھے ہٹنا پڑا۔ سلطان جلال الدین نے یہ دیکھتے ہی قلب کی قیادت ایک معتمد جرنیل کے حوالے کی اور خود لپک کر امین الملک کے دستوں کو مدد دی۔ یوں پسپا ہونے والے سپاہی دوبارہ قدم جما کر مقابلے میں ڈٹ گئے۔ شام تک جنگ جاری رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

اب تاتاریوں نے ایک عجیب چال چلی اور لکڑیوں کے پتلے بنا کر اپنے مقتولین کے کپڑے ان کو پہنا دیے اور ان پتلوں کو مقتولین کے گھوڑوں کی زینوں پر نصب کر کے اس مصنوعی فوج کو میدانِ جنگ سے دور کھڑا کر دیا۔ اگلی صبح دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کو ایسا لگا کہ اُفق سے ایک نئی تاتاری فوج اُمنڈ رہی ہے۔

افسران نے سلطان جلال الدین کو یہ منظر دکھاتے ہوئے کہا: ''تاتاریوں کے لیے بہت بڑی تعداد میں کمک آگئی ہے۔ اپنی موجودہ تعداد کے ساتھ ہم اس کھلے میدان میں اتنے بڑے لشکر سے نہیں لڑ سکتے۔ بہتر ہوگا کہ فوراً پسپا ہو کر پشت پر واقع کوہستان میں مورچہ بندی کر لی جائے اور تیر اندازی و سنگ باری کے ذریعے اپنی مدافعت کی جائے۔''

مگر سلطان جلال الدین نے اطمینان سے کہا:

''میرا قطعی حکم یہی ہے کہ کل کی طرح گھوڑوں سے اُتر جاؤ اور پاپیادہ یک بارگی دُشمن پر پل پڑو۔''

سلطان کے حکم کی تعمیل میں مسلمان ایک بار پھر پاپیادہ دُشمن سے بھڑ گئے۔ اس دن سیف الدین اغراق کے چالیس ہزار خلجی سپاہی دُشمن پر بہت بھاری ثابت ہوئے۔ ان کا زور توڑنے کے لیے تولی خان نے تازہ دم دستے بھیج دیے۔ اب اسلامی لشکر کے میسرہ اور تاتاریوں کے میمنہ کے درمیان نہایت خوں ریز جنگ شروع ہوگئی۔ اس موقع پر افغان تیراندازوں نے موقع پا کر تاتاریوں پر اس شدت سے تیروں کا مینہ برسایا کہ دُشمن منہ پھیر کر پیچھے ہٹنے لگا۔ ساتھ ہی اسلامی لشکر کے باقی دستوں نے بھی اپنے مقابل تاتاری صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ تاتاری پشت پھیر کر بھاگے تو سلطان جلال الدین کے حکم پر مجاہدین گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ فرار ہونے والے تاتاریوں نے آگے ایک اور میدان میں صف بندی کر لی مگر مسلمانوں کے حملوں سے ان کے قدم جلد ہی اُکھڑ گئے اور وہ ایک بار پھر پشت پھیر کر بھاگ نکلے۔ ان میں سے ہزاروں دورانِ تعاقب مارے گئے۔ ①

مسلمانوں میں پھوٹ:

فیصلہ کن فتح قریب دکھائی دیتی تھی کہ اچانک اسلامی لشکر کے دو بڑے سردار: سیف الدین اغراق اور امین الدین ملک مالِ غنیمت کے ایک گھوڑے کے استحقاق پر لڑ پڑے جس میں سیف الدین کا بھائی مارا گیا۔ سلطان جلال الدین نے فریقین کے درمیان صلح کرانے کی پوری کوشش کی، مگر سیف الدین اغراق کچھ سننے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنے جنگجوؤں کو لے کر سلطان کے لشکر سے علیحدہ ہوگیا۔ کئی خلجی اور غوری سرداروں نے بھی اس کی تقلید کی۔ چنگیز خان نے صورتحال سے مطلع ہوتے ہی اپنے تمام بکھرے ہوئے لشکروں کو مجتمع کر کے طوفانِ محشر خیز کی طرح غزنی کی طرف یلغار کر دی۔ ②

معرکۂ نیلاب:

سلطان جلال الدین نے باقی ماندہ فوج کے ساتھ کھلے میدان میں چنگیزی ٹڈی دَل کا مقابلہ کرنا خلافِ حکمت سمجھا اور دریائے سندھ کا رُخ کیا تا کہ اسے عبور کر کے ہندوستان کے مسلم حکمران سلطان شمس الدین التمش سے مدد لی جائے مگر چنگیز خان نے سلطان کا ارادہ بھانپ لیا اور سلطان کے تعاقب میں اتنی تیزی کا مظاہرہ کیا کہ اپنے سپاہیوں کو کھانا تیار کرنے کے لیے بھی کہیں رکنے کی اجازت نہ دی اور ایک دن میں کئی کئی منازل طے کرتے ہوئے، رات کی تاریکی میں سلطان کو دریائے سندھ کے کنارے ''نیلاب'' کے مقام پر جالیا۔

صبح روشن ہوئی تو سلطان جلال الدین نے خود کو تین اطراف سے تاتاریوں کے سیلاب میں گھرا ہوا دیکھا جبکہ پشت پر نشیب میں دریائے سندھ کی موجیں چٹانوں سے سر ٹکرا رہی تھیں۔ سلطان نے اسی حالت میں اپنے جوانوں کی صفیں مرتب کیں اور دُشمن پر ہلہ بول دیا۔ تین دن تک ساحلِ سندھ پر خوفناک جنگ جاری رہی۔ جس کی شدت کے آگے

① روضۃ الصفا: ۵ص ۳۶ تا ۳۸ | تاریخ ابن خلدون: ۵ص ۱۳۰ | الکامل فی التاریخ سنۃ ۶۱۷ھ | تاریخ جہان کشا: ص ۴۷۷ تا ۴۷۹

② روضۃ الصفا: ۵ص ۳۸ | الکامل فی التاریخ سنۃ ۶۱۷ھ | تاریخ جہان کشا حواشی: ص ۴۸۰، طہ مس

گزشتہ تمام معرکے کے مانند پڑ گئے۔ تیسرے دن سہ پہر کے وقت چنگیز خان کے دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک تازہ دم دستے نے دشوار گزار کوہستان کا چکر کاٹ کر عقب سے سلطان کے بائیں بازو پر حملہ کر کے اس کو درہم برہم کر دیا۔ اس کے بعد سے سلطان کی فوج اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور سلطان کے اکثر ساتھی منتشر حالت میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس افراتفری میں سلطان کا سات سالہ بیٹا تاتاریوں کے ہاتھ آ گیا جسے چنگیز خان نے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔

سلطان نے فقط سات سو جاں نثاروں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے کی طرف ہٹ کر چٹانوں پر قدم جما لیے۔ جب یہ مردِ مجاہد اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر زخمی شیر کی طرح دشمن پر حملہ کرتا تو اس کو گھیرے میں لینے والے تاتاری کئی کئی لاشیں چھوڑ کر دور دور تک پیچھے ہٹ جاتے مگر جلد ہی تازہ دم تاتاری نئے جوش و خروش سے اس پر حملہ کر دیتے۔

یہ دیکھ کر چنگیز خان نے حکم دیا کہ ہر حال میں سلطان کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ سلطان نے چنگیز کا منصوبہ بھانپ لیا اور تازہ دم گھوڑے پر بیٹھ کر پینتالیس فٹ بلند چٹان سے بے دریغ دریا کی سرکش لہروں میں جست لگا دی۔

یہ منظر دیکھ کر چنگیز خان حیرت سے مبہوت رہ گیا۔ اس کے منہ سے نکلا:

"بیٹا ایسا ہی ہونا چاہیے۔ وہ باپ خوش قسمت ہے جس کا بیٹا ایسا بہادر ہو۔"

چنگیز خان کے بعض جوشیلے سرداروں نے سلطان کو پکڑنے کے لیے دریا میں کودنے کی اجازت مانگی مگر چنگیز خان نے ان کی خواہش کو حماقت پر محمول کرتے ہوئے کہا: "تم اس پائے کے جواں مرد نہیں ہو۔"

ساحلِ سندھ کا یہ تاریخی معرکہ ۸ شوال ۶۱۸ھ (۱۲۲۴ء) کو لڑا گیا۔ اس میں اگرچہ مسلمانوں کو شکست ہوئی مگر ان کی قربانیاں رائیگاں نہ گئیں۔ فتح کے باوجود تاتاریوں کی افرادی قوت کو زبردست دھچکہ لگا۔ جس کے باعث ان کی وہ طوفانی پیش قدمی جو بڑے بڑے صوبوں کو چشم زدن میں روندر ہی تھی، ایک طویل عرصے کے لیے تھم گئی اور چنگیز خان کی افواج کو مغربی پنجاب کے بعض شہروں میں لوٹ مار کر کے جلد ہی واپس لوٹنا پڑا۔① اگر اس محاذ پر تاتاریوں کو کاری زخم نہ لگتے تو ان کا چند ہی ماہ میں دہلی، بغداد اور شام و مصر پر قابض ہو جانا کوئی بعید نہ تھا، اسی لیے حافظ ذہبی رحمہ اللہ جیسے عظیم صاحبِ نظر مؤرخ کہہ اُٹھے:

"اگر سلطان جلال الدین نہ ہوتا تو تاتاری تمام دنیا کو روند ڈالتے۔"②

سلطان جلال الدین ہندوستان میں:

سلطان جلال الدین کے دریا میں چھلانگ لگاتے ہی ان کے باقی ماندہ اکثر ساتھیوں نے بھی ان کی تقلید کی تھی، جن میں سے بعض دریا میں ڈوب کر شہید ہو گئے اور بعض دوسرے کنارے تک صحیح و سالم پہنچ کر سلطان کے ساتھ شامل

① روضۃ الصفا از خاوندمیر: ۳ص ۸۲۶ تا ۸۲۸؛ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۵ تا ۵۷؛ تاریخ جہان کشا: ص ۴۱۱، ۴۱۰، ۳۸۰ تا ۳۸۳، ط ہرمس؛ حبیب السیر: ۲ص ۶۵۹

② "لولاه لداسوا الدنيا." (سیر اعلام النبلاء: ۲۲ص ۳۲۸، ط مؤسسۃ الرسالۃ)

ہو گئے۔ ان دنوں ہندوستان کے وسطی علاقوں میں سلطان شمس الدین التتمش کی حکومت تھی جس کا مرکز دہلی تھا جبکہ دریائے سندھ کے ساحلی علاقے ہندو راجاؤں کے قبضے میں تھے۔ سلطان جلال الدین کے اکثر ساتھی نہتے تھے اس لیے انہیں ہندو راجاؤں سے سخت خطرہ لاحق تھا اور ہندو سپاہیوں کا ایک دستہ قریب ہی موجود تھا۔ سلطان کے حکم سے نہتے مجاہدین نے درختوں کی شاخیں توڑ کر ہندو سپاہیوں پر دھاوا بول دیا اور بہت سوں کو قتل اور دیگر کو فرار ہونے پر مجبور کر کے غنیمت کے طور پر سواری کے جانور اور خاصی مقدار میں اسلحہ حاصل کیا۔

قریبی ریاست کے ہندو راجا کو سلطان کی آمد کا علم ہوا تو وہ پانچ سو گھڑ سوار اور ایک ہزار پیادے لے کر ان کی تلاش میں نکلا۔ سلطان جلال الدین نے گھنے جنگل میں پیچھے ہٹ کر ایک پہاڑ کے قریب مورچہ بندی کی۔ جب ہندو راجہ سامنے آیا تو سلطان نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ سیدھا راجا کے دل میں پیوست ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کئی گنا لشکر جم کر نہ لڑ سکا اور شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان جلال الدین نے ایک سو بیس سپاہیوں کے ساتھ ہندوؤں کی ایک چھاؤنی پر حملہ کیا جہاں چار ہزار سپاہی تھے۔ سلطان نے انہیں شکست دے کر مزید اسلحہ حاصل کر لیا۔

سلطان کی مہمات سے گھبرا کر تمام نواحی ریاستوں کے ہندو حکمران سلطان کے خلاف متحد ہو گئے اور چھ ہزار سپاہیوں کا لشکر ان کے خلاف بھیج دیا۔ سلطان کی فوج پانچ سو سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم اس بار سلطان نے باقاعدہ صف بندی کر کے مقابلہ کیا اور بارہ گنا بڑے لشکر کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ①

چنگیز خان کی منگولیا واپسی:

چنگیز خان نے سلطان جلال الدین پر قابو پانے کے لیے کچھ دستے دریائے سندھ کے پار بھیجے جنہوں نے ملتان اور شاہ پور تک لوٹ مار کی مگر وہ سلطان کی گرد بھی نہ پا سکے۔ اُدھر چنگیز خان کی منگولیا واپسی ضروری ہو چکی تھی کیوں کہ وہاں اس کا نائب مقولی بہادر مر چکا تھا اور بغاوتیں سر اٹھا رہی تھیں۔ واپسی پر پشاور کو تاخت و تاراج کر کے اس نے سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں غزنی کی آبادی کو تہ تیغ کر کے شہر کو تباہ کر دیا اور سلطان محمود غزنوی کی قبر سے اس کی ہڈیاں برآمد کر کے نذر آتش کر دیں۔ اسی طرح وہ زابل، غزنی اور غور سمیت خراسان کی بچی کھچی آبادیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹاتا چلا گیا تاکہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو ان علاقوں سے مدد ملنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ ساتھ ہی اس نے ان تمام مسلمان قیدیوں کو بھی قتل کرا دیا جنہیں جبری خدمت کے لیے اب تک ساتھ رکھا گیا تھا۔

سمرقند میں کچھ وقت گزار کر چنگیز خان نے شمال مشرق کی طرف کوچ کیا۔ فتح کی تکمیل کی خوشی دوبالا کرنے کے لیے اس نے مادرِ خوارزم شاہ بوڑھی ملکہ ترکان خاتون اور شاہی خاندان کی دیگر بیگمات اور شہزادیوں کو حکم دیا کہ وہ سارے لشکر کے آگے آگے چلیں اور بلند آواز سے خوارزم شاہ اور اس کے تاج و تخت پر نوحہ و زاری کریں۔ ②

① روضۃ الصفا: ۴ص ۸۲۸؛ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۸ تا ۱۶۳؛ تاریخ جہان کشا: ص ۳۸۴، ۳۸۳، ط ہرمس

② تاریخ جہان کشا جوینی: ص ۵۳۳، ط ہرمس؛ روضۃ الصفا: ۵ص ۲۱

چنگیز خان صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا تو وہ مطمئن تھا کہ اب اس کے حریفوں کی طاقت فنا ہو چکی ہے۔

شاہِ دہلی سے طلبِ اعانت:

اُدھر سلطان جلال الدین نے دہلی سے دو تین منازل کے فاصلے پر ڈیرے ڈال کر ایک معتمد مشیر سید عین الملک کو بطورِ سفیر سلطان شمس الدین التمش کے ہاں بھیج دیا تھا تا کہ دربارِ دہلی کو تاتاری فتنے کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر کے امداد طلب کی جائے۔ مگر سلطان شمس الدین التمش کی مجبوریاں یہ تھیں کہ پنجاب اور سندھ ابھی تک دہلی کے قابو سے باہر تھے اور پڑوسی ہندو راجے پہلے ہی سلطان جلال الدین سے دشمنی ظاہر کر چکے تھے۔ امرائے دہلی کو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں خوارزمی سپاہی ہندوستان میں قدم جما کر دہلی کے لیے خطرہ نہ بن جائیں۔ یہ بھی خوف تھا کہ سلطان کی اعانت تاتاریوں کو ہندوستان پر حملے کا جواز نہ فراہم کر دے۔ کافی سوچ بچار کے بعد التمش نے سلطان کے لیے قیمتی تحائف اور لشکر کے لیے سامان رسد کا ذخیرہ بھیجا اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ اس ملک کے غیر مفتوحہ علاقوں میں سے جو علاقے بھی آپ باغیوں اور فتنہ پردازوں سے پاک کریں گے ہم ان پر آپ کی حکومت تسلیم کر لیں گے۔

چنانچہ سلطان نے پنجاب اور سندھ کے علاقوں کا رخ کیا تا کہ اپنی قوت بازو سے کچھ علاقے فتح کر لیے جائیں۔ ①

ایران میں از سرِ نو حکومت کا قیام اور بغداد کا سفر:

سلطان جلال الدین نے دو اڑھائی سال تک ہندوستان میں رہ کر سندھ و پنجاب کا بہت سا حصہ فتح کر لیا۔ اس دوران چنگیز خان چین کی طرف لوٹ گیا تھا، وہاں دیگر مہمات نے اسے اسلامی ممالک میں دوبارہ پیش قدمی کا موقع نہ دیا۔ تاتاری یلغار کے رک جانے کے بعد خراسان، ایران اور عراقِ عجم کے تباہ شدہ شہروں میں ایک بار پھر زندگی کی رمق دکھائی دینے لگی تھی اور فرار یا روپوش ہونے والے بہت سے لوگ اپنے آبائی شہروں کے کھنڈرات میں دوبارہ آباد ہونے لگے۔ انہی دنوں سلطان کے سوتیلے بھائی غیاث الدین نے جو تاتاریوں کی یلغار کے دوران اصفہان کے قلعے میں محصور تھا، کئی شہروں پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی مگر وہ ناتجربہ کار تھا، اس لیے امرائے سلطنت نے سلطان کو واپس آکر امورِ سیاست اپنے ہاتھ میں لینے کی دعوت دی۔ چنانچہ ۶۲۱ھ میں سلطان جلال الدین نے ہندوستانی مقبوضات پر ایک حاکم مقرر کیا اور خود چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ بلوچستان کے راستے سے ایران پہنچ کر وہاں کے امراء کے تعاون سے حکومت سنبھال لی۔ ② مگر تاتاریوں کا خطرہ بہر حال باقی تھا اور ان سے جہاد کے لیے سلطان جلال الدین کو مسلمان حکمرانوں کا تعاون درکار تھا۔ چونکہ خلافت بغداد کو عالمِ اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی، سلطان کا خیال تھا کہ اگر خلیفہ ناصر سرپرستی پر رضامند ہو جائے تو پھر دیگر مسلم حکومتیں بھی تعاون میں پس و پیش نہیں کریں گی۔ اس خیال کے پیشِ نظر سلطان نے خلیفہ سے براہِ راست رابطہ کرنا ضروری سمجھا اور صفر ۶۲۲ھ میں بغداد کا سفر کیا۔

① سیرۃ جلال الدین ص ۱۲۳، ۱۲۵ | تاریخ جہان کشا: ۲ ص ۳۸۵ تا ۳۹۲

② سیرۃ جلال الدین ص ۱۸۸ تا ۲۰۷ | تاریخ ابن خلدون: ۵ ص ۱۳۳ | تاریخ جہان کشا: ص ۳۹۳، طبع مس

بغداد کے قریب پہنچ کر سلطان نے ضیاء الملک کو اپنا ایلچی بنا کر دربارِ خلافت میں بھیجا۔ ضیاء الملک نے خلیفہ کو سلطان کی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا اور اسے سلطان کی نیک نیتی کا یقین دلانے کی کوشش کی مگر خلیفہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹا اس نے اپنے ترک سپہ سالار ''قشتمور'' کو بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان جلال الدین سے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا۔ سلطان جلال الدین کے پاس اپنی حفاظت کے لیے فقط دو ہزار سپاہیوں کا دستہ تھا۔ تصادم سے بچنے کے لیے سلطان نے قشتمور کے پاس ایلچی کی معرفت یہ پیغام بھیجا:

''میں لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا، خلیفہ کا مہمان بن کر حاضر ہوا ہوں۔ آمد کا مقصد صرف امیر المؤمنین ناصر کا سایۂ عاطفت حاصل کرنا ہے۔ اس وقت بلادِ اسلامیہ کو تاراج و برباد کرنے والے طاقتور دشمن نے ہر طرف غلبہ پالیا ہے اور کوئی لشکر اس کے مقابلے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر خلیفۃ المسلمین میری مدد فرمائیں اور مجھے ان کی رضامندی کی پشت پناہی حاصل ہو تو میں اس گروہِ تاتار سے مقابلہ کرنے اور اس کو مار بھگانے کا ذمہ لیتا ہوں۔''

مگر قشتمور نے اس پیغام پر توجہ دیے بغیر سلطان کی فوج پر دھاوا بول دیا۔ سلطان نے مقابلہ ناگزیر دیکھ کر اپنے ڈیڑھ ہزار سپاہیوں کو کچھ فاصلے پر گھات میں بٹھا دیا اور خود پانچ سو جانبازوں کے ساتھ کچھ دیر حریف کا مقابلہ کیا اور پھر منصوبے کے مطابق پسپائی اختیار کی۔ قشتمور تعاقب کرتے ہوئے ان گھاٹیوں میں جا گھسا جہاں سلطان کے باقی سپاہی مورچہ زن تھے۔ ان کے حملے سے بغدادی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ قشتمور مارا گیا اور بغدادی لشکر پسپا ہو گیا۔ ①

سلطان کی شمالی ایران اور آذربائی جان میں فتوحات:

بغداد سے واپس ہو کر سلطان نے شمالی ایران کی فتوحات پر توجہ مبذول کر دی اور ۶۲۲ھ میں مراغہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر آذربائیجان پر یلغار کر کے تاتاریوں کے باج گزار حاکم اوزبک مظفر الدین بہلوان کو ریاست سے بے دخل کر دیا۔ چند سال کے اندر اندر سلطان کی سلطنت ایک طویل ہلالی پٹی کی شکل میں پنجاب سے لے کر بحیرہ خزر تک جا پہنچی۔ یہ ہزاروں میل طویل قطعہ دراصل ہندوستان سے لے کر شام تک کی مسلم حکومتوں کے لیے تاتاری حملے سے مدافعت کا خطِ اوّل تھا۔ اس دفاعی خط کو مضبوط کرنے کے لیے سلطان جلال الدین نے سلطانِ قونیہ علاؤ الدین کیقباد اور حاکمِ دمشق الملک المعظم ایوبی کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ اس طرح عالمِ اسلام کی حفاظت کے لیے ایک مستحکم دفاعی حصار قائم ہو گیا جس کی موجودگی میں تاتاری سیلاب کی لہریں ایک عرصے تک دوبارہ نہ آگے بڑھ سکیں۔ ②

گرجستان کی فتوحات:

تاتاریوں کے حملے سے عالمِ اسلام کے دفاع کے لیے مضبوط مورچے تیار کرنے کے بعد سلطان جلال الدین کی توجہ گرجستان کے نصرانیوں کی طرف مبذول ہو گئی جو گزشتہ تقریباً ایک صدی سے عالمِ اسلام کے ایک بہت بڑے حصے

---

① سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۸ تا ۲۰۷؛ تاریخ ابن خلدون: ۵/ ص ۱۳۴؛ تاریخ جہان کشا: ص ۳۹۲ تا ۳۹۴، ط طہرس

② الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۲۱ھ، ۶۲۲ھ؛ سیرۃ جلال الدین ص ۲۸۰، ۲۶۲؛ سلجوق نامہ ابن بی بی ص ۱۵۳ تا ۱۵۸

پر قابض تھے اور اردگرد کی مسلم حکومتیں ان کے ظلم و ستم سے جاں بلب تھیں۔ تاتاریوں کے ہاتھوں عالمِ اسلام کی تباہ حالی کو غنیمت سمجھ کر گرجی عالمِ اسلام کے باقی ماندہ ممالک پر حملے کے لیے پر تول رہے تھے۔ مگر سلطان جلال الدین نے ان کے عزائم ناکام بنادیے اور ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) سے لے کر ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) تک گرجستان پر پے در پے حملے کیے اور گرجی نصرانیوں کی کمر توڑ دی۔ ان حملوں میں سلطان نے وہ تمام علاقے واگزار کرالیے جو گزشتہ صدی میں مسلمانوں سے چھینے گئے تھے۔ ان میں سے پہلے حملے میں سلطان کے سپاہیوں کے ہاتھوں ستر ہزار گرجی قتل ہوئے جبکہ دوسرے حملے میں سلطان نے ایک لاکھ گرجیوں کو قتل کر کے ان کے پایۂ تخت تفلیس پر قبضہ کرلیا۔ ①

خلیفہ ناصر کی وفات:

سلطان جلال الدین کی گرجستان کی مہمات کے دوران آخری شب رمضان ۶۲۲ھ کو بغداد میں خلیفہ ناصر کا انتقال ہوگیا۔ ناصر نے ستر سال کے لگ بھگ عمر پائی اور تقریباً ۴۷ سال حکومت کی۔ خلفائے بنو امیہ اور خلفائے بنو عباس میں سے کسی کو اتنی طویل مدتِ حکومت نصیب نہیں ہوئی، مگر اس کی توجہ ہمسایہ مسلم ممالک کے خلاف سازشوں پر مرکوز رہی اور اس کی عیاری اور مطلب پرستی کے باعث مسلمانوں کو تاتاریوں جیسے دشمن کے ہاتھوں پامال ہونا پڑا۔ ②

ناصر کے بعد نئے خلیفہ الظاہر نے تخت نشین ہو کر سابقہ دور کے تمام مظالم کا ازالہ کیا اور سلطان جلال الدین سے بھی اچھے تعلقات قائم کرلیے۔ اس طرح سلطان جلال الدین کی پشت مضبوط ہوگئی۔ ③

باطنی فرقے کی سرکوبی:

تاتاری یلغار کے بعد باطنیوں کا مرکز ''الموت'' ہمسایہ مسلم ممالک کے خلاف بہت جری ہوچکا تھا جسے حسن بن صباح نے پانچویں صدی ہجری میں قائم کیا تھا اور اس کے جانشین یہاں سے دنیا بھر میں تخریبی کارروائیاں کراتے رہتے تھے۔ گرجیوں کی سرکوبی اور تفلیس کی فتح کے بعد سلطان جلال الدین نے باطنیوں کو لگام دینے کی کوشش کی۔ جب تنبیہ اور فہمائش ان کے لیے کافی نہ ہوئی تو سلطان نے باطنی سلطنت پر حملہ کردیا اور قلعہ ''الموت'' کے سوا ان کے باقی تمام قلعوں پر قبضہ کر کے ان کی بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس طرح باطنی فتنہ جس نے تقریباً ایک صدی سے اسلامی دنیا کے درباروں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ اپنی سرگرمیاں نہایت محدود کرنے پر مجبور ہوگیا۔ ④

قریب تھا کہ باطنیوں کا آخری مرکز قلعہ الموت بھی سر ہوجاتا مگر اچانک تاتاریوں کی پیش قدمی کی خبر نے سلطان کو واپسی پر مجبور کردیا۔

---

① البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۲۲ھ، ۶۲۳ھ، ۶۲۴ھ، ۶۲۵ھ؛ تاریخ جہان کشا: ص ۴۹۷ تا ۵۰۳، ط طہران

② الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۲۲ھ

③ سیرۃ سلطان جلال الدین: ص ۲۸۰

④ سیرۃ جلال الدین: ۲۲۸ تا ۲۳۰؛ تاریخ ابن خلدون: ۵/ص ۱۳۲ تا ۱۳۹، ط دار الفکر

تاتاریوں کی دوبارہ یورش۔ چنگیز خان کی موت:

چنگیز خان کی زندگی کے آخری ایام میں سلطان جلال الدین کا مسلم حکمرانوں کے ساتھ قائم کردہ وہ اتحاد ٹوٹ گیا جس میں ان کے ساتھ حاکم شام ملک المعظم اور حکمرانِ ایشیائے کوچک سلطان علاؤالدین کیقباد شامل تھے۔ ملک المعظم نے اپنے بھائیوں کے کہنے میں آکر سلطان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اب علاؤالدین کیقباد ہی سلطان کا واحد حلیف رہ گیا تھا۔ ایسے میں تاتاریوں کو سلطان جلال الدین پر تیغ آزمائی کا سنہرا موقع ہاتھ آگیا اور انہوں نے ایک بار پھر سلطان کے خلاف دھاوا بول دیا۔ تاہم سلطان جلال الدین نے اپنی تمام توانائیاں مجتمع کر کے رےؔ کے میدان میں تاتاریوں کے ساتھ شدید مقابلہ کیا۔ نصرت خداوندی مسلمانوں کے شاملِ حال رہی اور تاتاری شکست کھا کر پسپا ہوگئے۔ چنگیز خان کی زندگی میں عالمِ اسلام پر تاتاریوں کا یہ آخری حملہ تھا۔ اس لڑائی کے چند دنوں بعد چنگیز خان صحرائے گوبی میں مسلسل بیماری کے بعد دنیا سے رخصت ہوگیا۔

اگلے سال چنگیز خان کے جانشین اوکتائی خان نے مزید تیاریوں کے ساتھ دو بڑے لشکر تیار کر کے سلطان کے مقابلے میں بھیجے۔ اس بار رےؔ اور اصفہانؔ کے میدانوں میں سلطان جلال الدین اور تاتاری وحشیوں کے مابین کئی زبردست معرکے ہوئے۔ پہلے دو معرکوں میں سلطان کو جزوی نقصان اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ تیسرا معرکہ جو ۲۲ رمضان ۶۲۵ھ کو اصفہان سے باہر ہوا، تاریخ کی یادگار جنگوں میں سے ہے۔ دورانِ جنگ سلطان کا بھائی غیاث الدین اپنے سپاہیوں سمیت بھاگ نکلا جس سے مسلمانوں کی افرادی قوت میں نمایاں کمی واقع ہوگئی۔ جنگ کے آخری لمحات میں صورتحال نہایت عجیب تھی۔ رات کی تاریکی میں دونوں فوجیں بے ترتیب انداز میں باہم ٹکراتی رہیں اور انجام کار مسلمان اور تاتاری دونوں اندھیرے کو آڑ بنا کر میدانِ جنگ سے پسپا ہوگئے۔

اس جنگ کے دوران سلطان کے بھائی غیاث الدین کی غداری اور بعض افسران کے جذباتی پن اور ضد کے باعث مسلمانوں کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا اور بڑے بڑے کمانڈر شہید ہوگئے۔ خود آٹھ دن تک سلطان جلال الدین کا اتا پتا نہ تھا۔ لڑائی سے بچ جانے والے مسلمان اصفہان کی فصیلوں میں پناہ لیے ہوئے تھے اور تاتاری شہر سے باہر محاصرہ کر چکے تھے۔ اہلِ شہر کا مایوسی، بے حسی اور خوف سے برا حال تھا۔ یکم شوال کو اسی حالت میں نمازِ عید کی صفیں قائم کی جارہی تھیں کہ سلطان جلال الدین کی سواری شہر میں داخل ہوئی۔ مسلمان خوشی سے بے قابو ہوگئے اور نمازِ عید کی مسرت دوبالا ہوگئی۔ چند دن کی تیاری کے بعد سلطان جلال الدین نے ایک بار پھر اصفہان کی فصیلوں کے باہر کھلے میدان میں تاتاریوں سے ٹکر لی اور گھمسان کی جنگ کے بعد انہیں شکستِ فاش دے کر رے تک ان کا تعاقب کیا اور انہیں چن چن کر قتل کیا۔ بقیہ تاتاری دریائے جیحوں عبور کر کے واپس چلے گئے اور آئندہ تین سال تک ان کو دریا عبور کرنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ ①

---

① سیرۃ جلال الدین: ص ۲۳۴ تا ۲۳۸؛ الکامل فی التاریخ: سنة ۶۲۴ھ، ۶۲۵ھ۔

گرجستان کی تاریخی لڑائی:

تاتاریوں سے جان چھوٹی ہی تھی کہ گرد و نواح کی درجن بھر ریاستوں نے سلطان کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا۔ یہ سلطان کے وہ پڑوسی تھے جو تاتاریوں سے لڑنے کا حوصلہ نہ رکھتے تھے اور سلطان کی بہادری اور فتح یابی نے ان حکمرانوں کی بزدلی اور کم ہمتی ظاہر کردی تھی۔ لہٰذا حسد اور بغض کے باعث وہ سلطان کے خلاف صف آرائی کرنے لگے۔ اس اتحاد میں گرجی، قپچاق، ارمن، الان، سریر، سونیان، ابخاز اور جانیت قبائل نمایاں تھے۔ سلطان جلال الدین نے بھی اپنے جانبازوں کو لے کر محاذ کا رخ کیا۔ اتحادی افواج سیلاب کی طرح بڑھتی چلی آرہی تھیں۔ ایک وسیع میدان میں دونوں فریق صف آراء ہوئے۔ اتحادی فوجوں کی قیادت گرجیوں کے ہاتھ میں تھی۔

سلطان جلال الدین نے مقابلے سے قبل دشمن کے دائیں بازو میں موجود بیس ہزار قپچاقی سپاہیوں سے خفیہ خط و کتابت کر کے ان کو اتحادی فوجوں سے علیحدگی پر رضامند کرلیا۔ قپچاقی اپنے پرچم اُٹھائے میدان سے باہر نکل گئے۔ ایک طاقتور حلیف کی قبل از جنگ جدائی نے اتحادی افواج کے باہمی اعتماد کو زبردست دھچکا لگایا اور لڑائی سے پہلے ہی ان میں بددلی پھیلنے لگی۔ اب سلطان جلال الدین نے دشمن پر ایک اور نفسیاتی چوٹ لگائی اور بھیس بدل کر دونوں فوجوں کے درمیان آکر دعوتِ مبارزت دی۔ دشمن کی جانب سے یکے بعد دیگرے پانچ دیو قامت پہلوان مقابلے کے لیے آئے اور سلطان جلال الدین نے ایک ایک کر کے سب کو قتل کردیا۔ یہ دیکھ کر دشمن پر رعب طاری ہوگیا۔ سلطان نے ان کی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر عام حملہ کردیا۔ مرعوب اتحادی کئی گنا ہوتے ہوئے بھی کچھ دیر کے مقابلے کے بعد پشت پھیر کر بھاگ نکلے۔ ①

سلطان کے خلاف مسلم حکمرانوں کی مشترکہ مہم:

تاتاریوں کے خلاف کامیاب مدافعت کے باعث عام مسلمان سلطان جلال الدین کے ممنونِ احسان تھے، مگر اردگرد کے تمام مسلم و غیر مسلم حکمران ان کے خلاف حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ اس کے علاوہ خود سلطان کے اپنے امراء میں بھی غداروں کی کمی نہ رہی تھی جو سلطان سے بددل ہوکر یا اغیار کے زرخرید بن کر نت نئی سازشوں میں حصہ دار بن گئے تھے۔ خود خوارزمی سلطنت کا وزیرِ اعظم شرف الملک سلطان کے خلاف منصوبہ بندیوں میں پیش پیش تھا۔ ۶۲۷ھ میں سلطان جلال الدین کے گرد مخلص افراد بہت کم رہ گئے تھے۔ شام کا حاکم ملک الاشرف پہلے ہی سلطان جلال الدین کا حریف تھا۔ کچھ عرصے بعد سلطان جلال الدین کا واحد حلیف شاہِ ایشیائے کوچک سلطان علاؤ الدین کیقباد بھی مخالف ہوگیا۔ اس وقت یہ دونوں حکمران اسلامی دنیا کے خوشحال، باثروت اور طاقتور ترین بادشاہوں میں سے تھے۔ ملک الاشرف اور سلطان علاؤ الدین کیقباد نے سلطان جلال الدین سے مقابلے کے لیے ایک مشترکہ فوج ترتیب دی۔ مصر کی افواج بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئیں۔

① تاریخ جہاں کشا: ۲ص ۵۰۸تا۵۱۱، ط فرمس

۲۸ رمضان ۶۲۷ھ (۱۱ راگست ۱۲۳۰ء) کو یاسی جمن کے مقام پر سلطان جلال الدین اور اتحادی حکمرانوں میں ایک افسوسناک معرکہ ہوا۔ ان دنوں سلطان جلال الدین کے لیے سخت بیماری کے باعث اپنی فوج کی کمان کرنا ممکن نہ تھا۔ نیز وہ اکثر کہنہ مشق جرنیل جن پر سلطان کو بھروسہ تھا، تاتاریوں سے گزشتہ لڑائی میں شہید ہو چکے تھے۔ گویا اب فوج بغیر سالار کے لڑ رہی تھی۔ نتیجتاً خوارزمیوں کو بری طرح شکست ہوئی، ان کے ہزارہا سپاہی کام آ گئے اور ایک بڑی تعداد گرفتار ہو گئی۔ سلطان جلال الدین کو صرف سات آدمیوں کے ہمراہ جان بچا کر واپس آنا نصیب ہوا۔ اتحادی افواج نے پیش قدمی کر کے سلطان کے بہت سے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ①

تاتاریوں کا حملہ اور سلطان کی پکار:

سلطان جلال الدین کی فوج کی بدحالی دیکھ کر "الموت" کے باطنی حاکم محمد ثالث نے تاتاریوں کو پیغام بھیجا کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ چنانچہ تاتاری افواج نے ایک سردار جرماغون کی کمان میں موسم سرما شروع ہوتے ہی دریائے آمو عبور کر لیا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے دربار خلافت سے لے کر اردگرد کے ہر چھوٹے بڑے حکمران کو یہ خط لکھا:

"شاہِ تاتار کا لشکر دریائے جیحوں عبور کر چکا ہے۔ میں آپ سب کے دفاع کے لیے سدسکندری بن کر کھڑا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک اپنے پرچم کے ساتھ ایک فوج میری مدد کے لیے بھیجے تاکہ ہمارے سپاہیوں کے حوصلے بلند اور دشمنوں کے دانت کند ہو جائیں۔ اب میں اتمام حجت کر چکا ہوں اگر آپ نے کوتاہی کی تو انجامِ بد خود دیکھ لیں گے۔"

دوسری طرف تاتاری سفیر بھی مسلم حکمرانوں کے ہاں پہنچ گئے اور ان کو سلطان جلال الدین کی مدد کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے لگے۔ یہ دھمکیاں کام کر گئیں، لہٰذا کسی نے سلطان کی درخواست کو قابلِ توجہ نہ سمجھا۔ اس دوران تاتاری سلطان کی سلطنت میں داخل ہو گئے۔ وہ بے دریغ قتل عام کرتے ہوئے ان شہروں اور صوبوں کو روندتے گئے جو سلطان جلال الدین کی تلوار کی حفاظت میں گزشتہ دس سال میں آباد ہوئے تھے۔ ②

سلطان کا انجام:

سلطان کے پاس اب تقریباً چار ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔ اُدھر تاتاری افواج سلطان جلال الدین کے تعاقب میں تھیں۔ سلطان نے جلدی جلدی پڑاؤ بدلنے کی حکمتِ عملی اپنا کر موسم بہار تک تاتاریوں کو قریب نہ آنے دیا۔ آخر ایک لشکر سلطان کی خیمہ گاہ سے چند منازل کی مسافت پر آ گیا۔ سلطان کو خبر ملی تو ایک افسر اُترخان کو تصدیق کے لیے بھیجا۔ وہ کچھ دور تک چکر لگا کر واپس آ گیا اور جھوٹ موٹ یہ کہہ کر سلطان کو بے فکر کر دیا کہ تاتاری واپس چلے گئے ہیں۔

---

① سیرۃ جلال الدین: ۳۰۰ تا ۳۳۰؛ سلجوق نامہ: ص ۱۲۰ تا ۱۲۳؛ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۲۷ھ؛ تاریخ الاسلام للذھبی: حوادث ۶۲۷ھ

② تاریخ جہان کشا: ۲/ص ۵۱۸ تا ۵۲۰، ط هرمس؛ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۶۲۸ھ؛ سیرۃ جلال الدین: ۳۵۰ تا ۳۶۲

حالاں کہ تاتاری مسلسل قریب آرہے تھے، چنانچہ ایک شب تاتاریوں نے اچانک سلطان کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیا۔ خوارزمی لشکر تتر بتر ہو گیا اور سلطان نے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بمشکل جان بچائی۔ اس کے بعد سلطان نے میافارقین کے قریب ایک گاؤں کے نواح میں قیام کیا مگر کسی غدار نے تاتاریوں کو اطلاع دے دی۔ چنانچہ انہوں نے رات کے وقت حملہ کر کے سلطان کے اکثر ساتھیوں کو شہید کر دیا مگر وہ سلطان کو نہ پکڑ سکے۔ روایات کے اختلاف کی بنا پر سلطان کے انجام کے متعلق حتمی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ انہیں اکیلا جاتا دیکھ کر کردستانی ڈاکوؤں نے پکڑ لیا اور ایک گھر میں قید کر دیا۔ بعد ازاں ایک غضبناک کُردی نے اس گھر میں داخل ہو کر سلطان جلال الدین کو نیزے کا وار کر کے شہید کر دیا۔ بقول مؤرخین یہ واقعہ وسط شوال ۶۲۸ھ/وسطِ اگست ۱۲۳۱ء کا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سلطان نے ایک درویش کا بھیس بدل کر رُوپوشی اختیار کر لی اور پھر اس مردِ حُر کا کبھی کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ①

ایک عرصے تک سلطان جلال الدین کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلتی رہیں۔ تاتاریوں کو جہاں اس بارے میں کوئی سن گن ملتی وہ سلطان کی تلاش میں اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارتے۔ کتنے ہی افراد ایسے تھے جن کو سلطان جلال الدین خیال کر کے شہید کر دیا گیا۔ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے سلطان جلال الدین ہونے کا دعویٰ کیا مگر جلد ہی ان کا جھوٹ کھل گیا۔ ②

سلطان جلال الدین کی شہادت یا گمشدگی کے بعد تاتاریوں کے حملوں کا دائرہ عراق، الجزیرہ، شام اور دیگر مسلم ممالک تک پھیل گیا۔ کوئی ان کی راہ میں حائل ہونے کی ہمت نہ کر سکا۔ ③

سلطان کے ساتھیوں کے حالات:

سلطان جلال الدین کی پُراسرار گمشدگی کے بعد ان کے امراء اور سپاہی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ امیر اُورخان جو چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ اصفہان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا، ۶۳۹ھ تک وہیں رہا یہاں تک کہ تاتاریوں نے اصفہان پر قبضہ کر لیا۔ سلطان کے بہت سے سپاہی علاؤالدین کیقباد کی فوج میں شامل ہو گئے۔

۶۳۴ھ میں کیقباد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو تخت نشین ہوا تو اس نے شکوک و شبہات کی بناء پر ان کے افسرِ اعلیٰ کو قید کر دیا۔ باقی خوارزمی سپاہی فرار ہو گئے اور ایک عرصے تک آوارہ گردی اور لوٹ مار میں مصروف رہے۔ آخر کار ملک الصالح نجم الدین ایوب نے جو اپنے باپ الملک الکامل کی جانب سے حرّان، آمد اور کیفا کا حاکم تھا، اپنے باپ کی اجازت سے ان کو اپنی فوج میں شامل کر لیا۔ ④

---

① تاریخ جهان کشا: ص ۵۲۰ تا ۵۲۶، طهرمس؛ الکامل فی التاریخ: ۱۰ ص ۴۵۰؛ سیرة جلال الدین: ۳۶۵ تا ۳۸۰؛ تاریخ الاسلام للذهبی: سنة ۶۲۸ھ

② تاریخ جهان کشا جوینی: ص ۵۲۶، ۵۲۷، طهرمس

③ الکامل فی التاریخ: سنة ۶۲۸ھ

④ تاریخ ابن خلدون: ۵ ص ۱۶۸، ۱۶۷

سانحۂ سقوطِ بغداد

تاتاریوں کا سیلِ بے کراں، عالمِ اسلام کے بڑے حصے پر قابض ہونے کے بعد مدینۃ الاسلام بغداد کے قریب کئی سال تک رکا رہا۔ اس دوران منگولیا میں تاتاریوں کی مرکزی قیادت چنگیز خان کے پوتے منگو خان کے پاس آچکی تھی جبکہ ایران و خراسان میں اس کا دوسرا پوتا ہلاکو خان حاکم تھا۔ قدرتِ خداوندی نے غفلت میں ڈوبے ہوئے قصرِ خلافت کے تاجداروں کو اپنی کوتاہیوں کو تلافی کے لیے ایک طویل وقفہ دیا مگر انہوں نے اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔

بغداد خلیفہ ناصر کے دور میں:

اس آخری دور میں بغداد کی جو حالت تھی اس پر بھی ایک نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ ہم پڑھ چکے ہیں کہ ۵۷۵ھ میں خلیفہ الناصر بغداد میں مسند نشین ہوا تھا جس نے تقریباً ۴۷ سال حکومت کی مگر اکثر مؤرخین کے مطابق اس کا زمانہ خلافتِ عباسیہ کا بدترین دور تھا۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''رعایا کے ساتھ اس کا سلوک نہایت خراب اور ظالمانہ تھا۔ اس کے زمانے میں عراق ویران ہوگیا۔ ملک کے باشندے مختلف شہروں اور ملکوں میں بکھر گئے۔ خلیفہ نے ان کی جائیدادیں اور دولتیں ضبط کرلیں۔ اس کے کاموں میں سخت تضاد تھا۔ ایک دن ایک فیصلہ کرتا اور دوسرے دن اس کے الٹ کرتا۔ اس نے رمضان میں روزہ داروں کے لیے افطار کا اہتمام شروع کیا، کچھ مدت بعد یہ سلسلہ بند کردیا۔ حاجیوں کی مہمانی کا انتظام شروع کرایا، پھر اسے بھی بند کرادیا۔ عوام سے کچھ ٹیکس معاف کیے۔ پھر انہیں دوبارہ عائد کردیا۔ اس کی تمام تر دلچسپیاں گولیوں سے نشانہ بازی، پالتو پرندوں اور کبوتر بازی سے وابستہ تھیں۔''①

غرض اس طرح اصل عسکری فنون کا دائرہ گھٹتا چلا گیا، معاشرے میں شمشیر زنی، نیزہ بازی اور گھڑسواری جیسے حربی فنون اور عسکری کھیلوں کا رجحان کم ہوگیا اور تفریحی مشاغل زیادہ اہم ہوگئے، انجام یہ ہوا کہ مردانہ کمالات اور فنونِ حرب عراق سے ناپید ہوگئے۔ ناصر کے تفریحی مزاج نے نہ صرف عوام سے جہاد کا بچا کھچا ذوق ختم کردیا بلکہ انہیں اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ وہ آیندہ کسی مرحلے پر دشمنانِ اسلام کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔②

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ الناصر نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملے کی دعوت دی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وسطِ ایشیا سے عراق تک تاتاریوں کا تسلط ہوگیا اور یہاں کی مقامی مسلم آبادیاں ملیامیٹ ہوگئیں۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ الناصر کے دور میں بغداد میں مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات شدت اختیار کرگئے، مذہبی منافرت مزید بڑھتی گئی حتیٰ کہ حکمران طبقے اور قصرِ خلافت میں بھی ان اختلافات کی بنیاد پر مستقل فریق پائے جانے لگے تھے۔ انہی

① الكامل في التاريخ: سنة ۶۲۲ھ
② الكامل في التاريخ: سنة ۶۲۲ھ

میں سے ایک فریق آگے چل کر بغداد کی عبرت ناک تباہی اور خلافت عباسیہ کے حسرتناک انجام کا فوری سبب بنا۔
حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ناصر کے دور میں عاشوراء کے ماتمی جلوس (جو ایک صدی سے زائد مدت سے بند تھے) پھر شروع ہو گئے اور شیعہ سنی فسادات بھی دوبارہ بھڑک اٹھے۔ اس سلسلے کا پہلا جلوس محرم ۵۸۲ھ میں نکلا۔ شیعوں نے سڑکوں پر آکر نعرے لگائے اور کہا: ''اب خاموش رہنے اور تقیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے سرِ عام صحابہ کی توہین کی جس پر لوگ مشتعل ہوئے اور حالات کشیدہ ہو گئے۔ پھر یہ کشیدگی اہلِ بغداد کی زندگی کا حصہ بن گئی۔ ①

الظاہر کا مثالی مگر مختصر دور:

الناصر کا جانشین الظاہر اپنے باپ کے برخلاف بڑا متقی، پابندِ سنت، عادل اور رحم دل انسان تھا۔ اس نے بے گناہ لوگوں کو جیلوں سے رہا کر دیا۔ ان پر عائد جرمانے معاف کر دیے۔ اس کے دور میں چیزیں سستی ہو گئیں اور لوگ خوشحال ہونے لگے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس نے خلیفہ بن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ دہرا دیا۔ اگر کوئی کہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد اس جیسا خلیفہ اور کوئی نہیں آیا تو وہ سچا ہوگا۔ اس نے اپنے باپ اور اس سے پہلے خلفاء کے دور میں غصب کی گئیں جائیدادیں لوٹا دیں۔ تمام شہروں سے ٹیکس معاف کر دیے۔ گزشتہ خلیفہ کے دور میں جاسوس مختلف عوامی محفلوں میں ہونے والی لوگوں کی باہمی گفتگو کا احوال لکھ لکھ کر خلیفہ کو بھیجا کرتے تھے۔ الظاہر نے اس سے منع کر دیا اور کہا: ہمیں لوگوں کی نجی مجلسوں کی باتیں جاننے سے کیا غرض۔ ہمیں بس وہی بات بتائی جائے جس کا تعلق حکومت کے ساتھ ہو۔ کہا گیا: اس طرح تو لوگ بگڑ جائیں گے۔ الظاہر نے کہا: ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی اصلاح کر دے۔'' ②

مگر جیسا کہ اس زمانے کے اہل اللہ کو خدشہ تھا، اس نیک سیرت خلیفہ کی مدتِ خلافت مختصر ثابت ہوئی۔

مستنصر باللہ کا زمانہ:

الظاہر نو ماہ حکومت کے بعد وفات پا گیا اور اس کا بیٹا مستنصر خلیفہ بنا۔ اس کو حکومت کے لیے ۱۷ برس کا طویل وقت ملا۔ وہ ایک قابل، فیاض، ہوشیار اور محتاط انسان تھا۔ اس نے ایک طرف تاتاریوں سے بھی تعلقات بنا کر رکھے، دوسری طرف سلطان جلال الدین کو بھی تعاون کی امیدیں دلاتا رہا۔ تاہم وہ اس میں سنجیدہ نہ تھا، اس لیے آخر میں اس نے سلطان سے عین موقع پر غیر جانبداری اختیار کی اور اس طرح سلطنت خوارزم کو ملیا میٹ ہو جانے دیا۔ مگر نتیجہ یہ نکلا کہ ۶۲۸ھ میں سلطان جلال الدین کی گم شدگی کے بعد تاتاری بغداد کی سرحدوں تک آ گئے۔ مستنصر بغداد کی حفاظت کے لیے فکر مند تھا اس لیے خطیر اخراجات صرف کر کے ایک بڑی فوج مرتب کی جس میں ایک لاکھ گھڑ سوار

---

① العبر: سنة ۵۸۲ھ
② الکامل فی التاریخ: سنة ۶۲۳ھ

تھے۔اس طرح بغداد پر تاتاریوں کا قبضہ آسان نہ رہا۔ ۶۳۵ھ میں تاتاری بغداد کے مضافاتی علاقوں میں غارت گری کرنے لگے تو خلیفہ کے چند امراء افواج لے کر ان کی طرف گئے اور انہیں مار بھگایا۔ ①

۶۳۸ھ میں تاتاری خاقان اوکتائی نے بغداد سمیت تمام ملکوں کے حکام کو یہ تنبیہی پیغام بھیجا:

''پروردگارِ فلک کے نائب، زمین کو بچھانے والے، مشرق ومغرب کے مالک خاقان کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے کہ تمام شہروں کی فصیلیں مسمار کردی جائیں اور خاقان کی اطاعت اختیار کی جائے۔''

مگر بغداد کا دفاع مضبوط ہونے کی وجہ سے خلیفہ مستنصر نے اس دھمکی کی کوئی پروانہ کی۔ یہ دیکھ کر بعض دیگر مسلمان حکمرانوں کی بھی ہمت بندھ گئی اور انہوں نے بھی اس سفارت کو نظرانداز کردیا۔ ②

مستنصر کی کوشش رہی کہ سنی شیعہ تفرقہ بڑھنے نہ پائے، اس لیے وہ دونوں کو خوش رکھتا تھا۔ سامرا میں شیعوں کے بارہویں امام کی طرف منسوب غار تھا۔ بنوبویہ کے دور میں اس غار پر ایک عمارت بھی تعمیر کی گئی تھی۔ ۶۴۰ھ میں یہ عمارت آتش زدگی کا شکار ہوئی تو مستنصر نے اسے دوبارہ تعمیر کرادیا۔ اسی سال مستنصر کا انتقال ہوگیا۔ ③

مستنصر کے بعد اس کا بھائی خفاجی خلافت کا بہتر حق دار تھا جو کہا کرتا تھا: ''اگر خلافت مجھے ملے تو میں دریائے جیحوں عبور کر کے تاتاریوں کا نام ونشان مٹا ڈالوں اور اسلامی علاقے ان سے بازیاب کرا کے چھوڑوں۔''

اگر خفاجی خلیفہ بن جاتا تو شاید بغداد کی تباہی کچھ مدت کے لیے مزید ٹل جاتی مگر دربارِ خلافت کے سیاہ وسپید پر قابض امراء مثلاً: امیر دویدار اور امیر اقبال شرابی وغیرہ جانتے تھے کہ اگر خفاجی خلیفہ بنا تو انہیں من مانی نہیں کرنے دے گا۔ اس لیے انہوں نے خفاجی کو اقتدار سے دور رکھ کر مستنصر کے بیٹے ابواحمد عبداللہ کو خلیفہ بنانا طے کرلیا۔ ④

آخری خلیفہ مستعصم باللہ:

۱۰ جمادی الآخرہ ۶۴۰ھ کو مستنصر کی وفات ہوئی تو امیر اقبال شرابی نے اس خبر کو اس وقت تک خفیہ رکھا جب تک ابواحمد کی خلافت کے لیے زمین ہموار نہ ہوگئی۔ مستنصر کے مرنے کے ۲۰ دن بعد اس کی موت کا اعلان کیا گیا اور ساتھ ہی نئے خلیفہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ خفاجی کو اپنی جان کا خطرہ لاحق تھا، اس لیے وہ حجاز چلا گیا اور پھر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

اِدھر بغداد میں تیس سالہ ابواحمد نے مستعصم باللہ کے لقب سے مسندِ خلافت سنبھال لی۔ وہ قرآن مجید کا حافظ وقاری، نماز باجماعت کا پابند اور مسکرات اور حرام چیزوں سے مجتنب تھا۔ ہر پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتا تھا۔ تاہم وہ ایک سیدھا سادا ناتجربہ کار نوجوان تھا۔ طبیعت میں ضرورت سے زیادہ نرمی اور لاپرواہی اور کسی قدر کنجوسی بھی تھی۔ ⑤

---

① البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۳۱ھ، ۶۳۵ھ، ۶۴۰ھ، ۶۵۲ھ؛ الحوادث الجامعۃ: سنۃ ۶۳۵ھ

② البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۳۸ھ ③ البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۳۱ھ، ۶۴۰ھ

④ تاریخ الخلفاء: ص ۳۲۸؛ البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۴۰ھ، ۶۵۲ھ

⑤ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۳۲۸، ط نزار؛ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۴۰ھ، ۶۵۲ھ؛ سمط النجوم العوالی للعصامی: ۳/ص ۵۱۶، ط العلمیۃ

آخری دور میں بغداد کی عبرت ناک حالت:

مستنصر اور مستعصم کے دور میں بغداد خلفاء وامراء کی ظاہری شان وشوکت، دولت وثروت کی بے جانمائش اور تکلفات وتصنع کے لحاظ سے ایک حیرت کدہ بن چکا تھا۔ یہاں حق گو علماء کم رہ گئے تھے۔ ان کی بجائے ایسے اہل سخن اور اہل علم کی بڑی آؤ بھگت تھی جو اپنی لفاظی سے حکام کو افضل ترین ہستیاں ثابت کرنے پر تلے رہتے تھے۔ صرف سکہ بند اور پیشہ ور شاعر ہی نہیں، وہ علماء بھی جو شعر وسخن سے واقف تھے، حکمرانوں کی مدح وستائش میں انتہاء کردیا کرتے تھے تاکہ انہیں مقرب بارگاہ بنایا جائے۔ اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ ۶۳۳ھ میں خلیفہ مستنصر دارالعلوم مستنصریہ کا دورہ کرنے گیا تو ایک فقیہ وجیہ الدین قیروانی نے خلیفہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا جس میں یہ شعر بھی تھا:

لَوْ كُنْتَ يَوْمَ السَّقِيْفَةِ حَاضِرًا... كُنْتَ الْمُقَدَّمَ وَالْإِمَامَ الْأَوْرَعَا

''اگر آپ سقیفہ کے دن حاضر ہوتے (جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا تھا) تو آپ سب پر فائق رہتے اور متقی حکمران بن جاتے۔''

عالم اسلام کی اتنی بڑی درس گاہ میں بھی اس وقت کوئی راست باز عالم نہ تھا جو اتنی سخت غلط گوئی کی تردید کرتا۔ خوش قسمتی سے اس وقت ایوبی خاندان کا عالم فاضل شہزادہ الملک الناصر داؤد محفل میں مدعو تھا۔ اس نے فوراً کہا: ''غلط کہتے ہو۔ اس وقت امیر المؤمنین کے جدِ امجد عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی حیات تھے، اس کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی سب سے فائق رہے اور وہی متقی حکمران مقرر ہوئے۔'' یہ سن کر خلیفہ مستنصر چونکا۔ شہزادہ الناصر داؤد کو خلعت سے نوازا اور فقیہ موصوف کو جلا وطن کردیا۔[1] اس واقعے سے جہاں خلیفہ کی حق شناسی ظاہر ہوتی ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء کی مدح میں مبالغہ کتنا عام تھا اور ایسے موقع پر حق گوئی کس قدر مشکل ہوچکی تھی۔

خلفاء تو خلفاء ان کے چہیتے خدام کی بھی شان وشوکت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ یہ لوگ معمولی غلاموں اور خادموں کی حیثیت سے محل میں بھرتی ہوتے تھے۔ کوئی فراش ہوتا، کوئی ساقی، کوئی ناظم توشک خانہ اور کوئی سلاح دار۔ مگر رفتہ رفتہ حکمران کے منظور نظر بن کر انہیں پر لگ جاتے تھے۔ یہ اپنے بیٹوں بیٹیوں کی شادی میں جو تحائف اور جہیز وغیرہ دیتے اور جو ضیافتیں کرتے ان تذکرے پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ ایک زرخرید غلام علاؤ الدین طبرسی کی سالانہ آمدن پانچ لاکھ دینار تھی۔ اس کا محل دیکھنے والوں کو ششدر کردیتا تھا۔ امیر مجاہد الدین دویدار کی بیٹی کا نکاح ہوا تو مہر بیس ہزار دینار رکھا گیا۔ امیر اقبال شرابی کے ایک خادم نے کسی رئیس کی شادی میں شرکت کی تو چار ہزار دینار حاضرین میں لٹائے۔ عبدالغنی بن فاخر فراش بالکل جاہل تھا مگر شاہانہ زندگی گزارتا تھا۔ دوسری سمت بغداد کی سب سے بڑی درس گاہ مستنصریہ کے سب سے بڑے مدرس کا مشاہرہ بارہ دینار تھا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ۱۷ ص ۳۸۴

ملحوظہ: بعض نسخوں میں مذکورہ شعر میں لفظ ''الاورع'' کو ''الاروع'' بھی لکھا گیا ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا: ''رعب وہیبت والا حکمران''

شاہانہ سطوت وشوکت کے سب سے بڑے مظاہرے ولی عہد کی جانشینی، نئے خلیفہ کی مسند نشینی اور عید کے مواقع پر ہوا کرتے تھے۔ سارا شہران جلسوں اور جلوسوں میں امنڈ آتا اور اس دوران لہو لعب اور تماشوں میں فضول خرچی اور نمود ونمائش سے کہیں بڑھ کر اہم ترین دینی فرض یعنی نمازیں تک قضا ہو جاتیں۔ ۶۳۴ھ میں خلیفہ مستنصر کی طرف سے امیر مجاہد الدین کے اعزاز میں جو استقبالیہ جلوس نکالا گیا وہ رات بھر جاری رہا اور عشاء کی نماز بھی قضا ہوگئی۔ ۶۳۹ھ میں عید کے موقع پر جو جلوس نکلا اس میں لوگ ایسے محو ہوئے کہ عید کی نماز عصر کے وقت قضا کر کے پڑھی گئی۔ اسی طرح ۶۴۴ھ کی نمازِ عید الفطر نصف شب کے قریب اور نمازِ عید الاضحیٰ مغرب کے وقت پڑھی گئی۔ [1]

آسمانی تنبیہات:

سقوطِ بغداد سے تقریباً دو برس پہلے مدینہ منورہ کے قریب وہ حیرت انگیز نشانی ظاہر ہوئی جس کی پیش گوئی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى."

"قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک حجاز سے ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی۔" [2]

۳ جمادی الآخرہ ۶۵۴ھ کو مدینہ منورہ میں زلزلے کے جھٹکے لگنا شروع ہوئے۔ جمعہ ۵ جمادی الآخرہ کو نمازِ جمعہ کے بعد بنو قریظہ کے قریبی آتش فشاں پہاڑوں سے ہولناک دھواں بلند ہونا شروع ہوا اور مغرب کے وقت دھوئیں کی جگہ ایسی آگ نمودار ہوئی جس کی لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ آتش فشانی نے تیماء (جو مدینہ سے ۲۴۷ کلو میٹر شمال میں ہے) تک ایسی روشنی کر دی کہ گویا ہر گھر میں چراغ جل رہے ہوں۔ بُصریٰ کے اعرابیوں نے بتایا کہ وہ اس روشنی میں اپنے اونٹوں کی گردنیں دیکھ سکتے تھے۔ مدینہ منورہ کی تمام آبادی مسجدِ نبوی میں روضۂ رسول کے پاس جمع ہوگئی اور وہ پورا دن اور رات توبہ واستغفار میں گزارا۔ اگلے دن پہاڑ لاوا اُگلنے لگے۔ یہ سرخ لاوا نہروں کی طرح بہتا تھا اور پتھروں اور چٹانوں تک کو پگھلا دیتا تھا۔ چند دن بعد پہاڑوں نے لاوا اُگلنا بند کر دیا تاہم فضا پر اس کی کثافت حاوی رہی۔ اسی سال بغداد میں سیلاب آیا جس کی لہریں شہر کے وسط میں قصرِ خلافت تک جا پہنچیں۔ اسلحہ خانے کے اکثر ہتھیار تلف ہوگئے۔ وزیر کے محل سمیت تین سو سے زائد مکانات منہدم ہوگئے۔ [3] یکم رمضان ۶۵۵ھ کو مسجدِ نبوی میں آتش زدگی کے باعث چھت اور کئی ستونوں کے علاوہ روضۂ اقدس کی چھت بھی سوختہ ہوگئی۔ [4]

---

① تاریخ الاسلام للذھبی: سنۃ ۶۵۰ھ؛ الحوادث الجامعۃ: ص ۲۰، ۱۱، ۴۳، ۷۱، ۳۳، ۲۶، ۱۹۸، ۸۵، ۸۷؛ العسجد المسبوک فی اخبار الخلفاء والملوک: ص ۲۲۱ تا ۲۲۳

② صحیح البخاری: ۷۱۱۸، باب خروج النار

③ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۵۴ھ

④ طبقات الشافعیۃ: ۸/ص ۲۶۷

ابن علقمی کا دورِ وزارت

۶۴۲ھ میں مستعصم نے بغداد کے ایک منشی ابن علقمی (۵۹۳ھ۔۶۵۶ھ) کو عہدۂ وزارت بخش دیا اور رفتہ رفتہ تمام امورِ حکومت اسی کے سپرد کردیے۔ وہ متعصب رافضی تھا۔ بظاہر خلیفہ اور سنی امراء کی چاپلوسی کرتا مگر اندرونی طور پر ان کی جڑیں کاٹنا چاہتا تھا۔ ۶۵۵ھ میں بغداد میں شیعہ سنی فساد ہوا۔ ابن علقمی شیعوں کی سرپرستی کرتا تھا جبکہ خلیفہ کا نوجوان بیٹا ابوبکر اور امیر مجاہد الدین دویدار اہلِ سنت کے حامی تھے۔ انہوں نے مستعصم سے اجازت لے کر شیعوں کے محلے جنوبی کرخ پر حملہ کردیا اور فساد میں ملوث شیعوں کے گھر لوٹ لیے۔ وزیرِ مملکت ابن علقمی کے اعزہ واقارب کے گھر بھی اس دارو گیر کی زد میں آگئے۔ ① اس واقعے کے بعد ابن علقمی نے طے کرلیا کہ وہ جلد از جلد بنوعباس کو ختم کرکے خلافت شیعوں کو منتقل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایران کے تاتاری حاکم ہلاکو خان کو خفیہ مراسلہ بھیج کر اسے اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے اسے بغداد پر حملے کی دعوت دے ڈالی۔

ہلاکو خان ابن علقمی کا پیغام پڑھ کر بہت خوش ہوا مگر اس نے احتیاطاً مطالبہ کیا: ''بغداد کی افواج بکثرت ہیں۔ اگر تم سچے دل سے ہمارے وفادار ہو تو پہلے بغداد کی فوج کو کم کرا کے دکھاؤ۔ اس کے بعد ہم چڑھائی کریں گے۔''

ابن علقمی نے اپنی ہوشیاری اور عیاری سے ایسا کر دکھایا۔ اس نے خلیفہ کو اعتماد میں لے کر اسے یقین دلایا کہ بغداد کو تاتاریوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے، لہٰذا ایک بڑی فوج خزانے پر خواہ مخواہ کا بوجھ بن رہی ہے۔ مستعصم طبعی طور پر بخیل بھی تھا، اس لیے یہ ہلاکت خیز مشورہ اسے بھا گیا۔ اب ابن علقمی نے فوج میں کمی کا سلسلہ شروع کردیا۔ ②

یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ بغداد میں دس ہزار سے بھی کم سوار فوج رہ گئی، باقی سپاہیوں کو نہ صرف برطرف کردیا گیا بلکہ ان کے بغداد میں رہنے پر بھی پابندی لگادی گئی تاکہ جنگ کے وقت انہیں ہنگامی طور پر بھرتی نہ کیا جاسکے۔ بڑے بڑے افسرانِ فوج کا یہ حال ہوا کہ وہ بازاروں اور مسجدوں میں بھیک مانگتے دیکھے گئے اور ان کے لیے قصیدے کہنے والے شعراء نے ان کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ان پر مرثیے لکھے۔ ③

ہلاکو خان کا حملہ:

بغداد کی فوج کے منتشر ہونے کی تصدیق کرنے کے بعد ۶۵۵ھ میں ہلاکو خان عراق کی طرف بڑھا۔ راستے میں پڑنے والی ہر ریاست، ہر بستی اور ہر حاکم کے لیے دو ہی راستے تھے۔ یا تو ہلاکو خان کے خیمے میں حاضر ہو کر سر جھکادے یا اپنی قوم سمیت بے رحمی سے قتل ہونا پسند کرے۔ اگر حاکم سرنگوں ہوجاتا تو اسے معافی مل جاتی اور اس کی فوج اپنے

---

① البدایہ والنہایہ: تحت ۶۵۶ھ؛ طبقات الشافعیہ للسبکی: ۸/ص ۲۶۳

② طبقات الشافعیہ للسبکی: ۲/ص ۲۶۳؛ المنہل الصافی والمستوفی بعد الوافی از ابن تغری بردی: ۷/ص ۱۴۸

③ البدایہ والنہایہ: تحت ۶۵۶ھ

ساتھ شامل کر لی جاتی البتہ شہر کو لوٹ لیا جاتا اور قلعہ و فصیل کو تباہ کر دیا جاتا۔

راستے میں ہلاکو نے قزوین کا رخ کر کے باطنیوں کے مرکز الموت کو جا گھیرا۔ باطنی پیشوا علاؤ الدین بن جلال الدین حسن مر چکا تھا۔ اس کے بیٹے خور شاہ نے ہلاکو کے پاس جا کر جان بخشی کی درخواست کی۔ ہلاکو نے بدلے میں الموت سمیت اس کے تمام قلعوں کی چابیاں وصول کیں اور انہیں تہس نہس کر دیا۔ یوں حسن بن صباح کے دہشت گرد گروہ کا یہ قدیم مرکز ختم ہو گیا۔ مشہور شیعہ دانشور خواجہ نصیر الدین طوسی باطنی گروہ کے ساتھ کام کرتا تھا۔ جب تاتاری لشکر بغداد کی طرف چلا تو طوسی ایک وفادار رکن کی طرح اس کے ہمراہ ہو گیا۔ ①

آخر ہلاکو خان ڈیڑھ لاکھ جنگجوؤں کے ساتھ بغداد کی طرف لپکا۔ بغداد کے مسلمانوں کو دیر سے ہوش آیا مگر وہ شہر حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے لڑنے مرنے کی قسمیں کھائیں۔ امرائے سلطنت نے بچی کھچی فوج کے ساتھ محل کے حشم و خدم اور رضا کاروں کو ملا کر چالیس ہزار کا لشکر تیار کیا اور امیر دویدار کی قیادت میں شہر سے دو منزل دور تاتاریوں کا سامنا کیا۔ ۱۰ محرم ۶۵۶ھ کو گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں فریقین نے اپنی ساری طاقت جھونک دی۔ اس جنگ میں اللہ کی نصرت شاملِ حال ہوئی اور تاتاریوں کو پسپا ہونا پڑا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ اس دوران بہت سے دشمن گرفتار اور قتل ہوئے۔ مقتولین کے سر کاٹ کر بغداد بھیج دیے گئے۔ فتح کے بعد مجاہدین اپنی خیمہ گاہ میں تھکن دور کر رہے تھے جبکہ غدارِ ملت ابن علقمی انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس نے کچھ کارندوں کو بھیج کر دریائے دجلہ کی نہر کا بند تڑوا دیا۔ سیلابی ریلا سیدھا مسلمانوں کی خیمہ گاہ کی طرف آیا اور ہزاروں سپاہی اس کی نذر ہو گئے۔ جو بچ گئے وہ نہایت بدحالی کے عالم میں اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اب تاتاری بلا روک ٹوک شہر کے سامنے پہنچ گئے۔ ②

۱۲ محرم ۶۵۶ھ (۱۹ جنوری ۱۲۵۸ء) کو تاتاری بغداد کا سختی سے محاصرہ کر چکے تھے۔ خوف و دہشت اور محاصرے کی شدت سے اہلِ شہر کے ہوش اُڑ گئے۔ خلیفہ اس دوران اپنے کمرے میں بیٹھا قرآن مجید پڑھ رہا تھا اور اس کی ایک بیٹی اس کے پاس تھی کہ اچانک ایک تیر محل کے دریچے سے سنسناتا ہوا آیا اور بیٹی کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ جسم سے بہنے والے خون نے زمین پر ایک تحریر لکھ دی۔ خلیفہ نے اسے پڑھنے کی کوشش کی تو لکھا تھا:

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا سَلَبَ عَنْ ذَوِي الْعُقُولِ عُقُولَهُمْ.

''جب اللہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو عقل مندوں کی عقلیں سلب کر لیتا ہے۔'' ③

ایسے میں ابن علقمی نے خلیفہ سے اجازت طلب کی کہ وہ جا کر ہلاکو خان سے صلح کی بات چیت کرے۔ مستعصم

① البدایہ والنہایہ: تحت ۶۵۶ھ؛ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸ص ۲۶۸

② طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸ص ۲۷۰؛ طبقات ناصری: ۲ص ۱۹۵، ۱۹۳؛ بسمط النجوم العوالی ج ۳ص ۵۱۸

③ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸ص ۲۷۲..... دوسری روایت کے مطابق خلیفہ باندیوں کے نغمات سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور تاتاری چاروں طرف سے شہر پر تیر برسا رہے تھے۔ ان میں سے ایک تیر خلیفہ کی چہیتی باندی عرفہ کو آ لگا اور وہیں اس کا دم نکل گیا۔ تیر پر ایک رقعہ لپٹا ہوا تھا جس میں تحریر تھا: ''إذا أراد اللہ إنفاذ قضائہ وقدرہ أذھب من ذوی العقول عقولھم۔'' (البدایہ والنہایہ: تحت ۶۵۶ھ)

کی عقل ماؤف ہو چکی تھی۔اس نے اجازت دے دی۔ابن علقمی نے اس بہانے ہلاکو خان کے پاس جا کر اسے سمجھایا کہ شہر سرنگوں ہونے کے لیے تیار ہے۔ ہلاکو خان اس پر آمادہ تھا کہ خلیفہ کو تابع بنا کر بغداد کی نصف پیداوار پر صلح کر کے لوٹ جائے، مگر ابن علقمی نے منع کر دیا اور کہا: ''اگر صلح ہوئی تو زیادہ سے زیادہ بغداد سال دو سال آپ کے تابع رہے گا۔ پھر معاملہ پہلے کی طرح ہو جائے گا۔''① الغرض ابن علقمی نے اصرار کیا کہ خلافتِ عباسیہ کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔اس کے بعد وہ اپنے گھرانے اور شہر کے اہلِ تشیع کے لیے جان کی امان کا وعدہ لے واپس آ گیا۔اس نے مکاری اور نمک حرامی کی انتہاء کرتے ہوئے خلیفہ کو کہنے لگا:

''ہلاکو خان آپ سے حسنِ سلوک پر آمادہ ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے صاحبزادے ابو بکر سے کرنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ آپ کو بغداد کا خلیفہ برقرار رکھے گا۔ بغداد کے لیے اس کی سرپرستی ایسے ہی ہو گی جیسے سلجوقی سلاطین کی ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا آپ کو مع اہل وعیال اس کے پاس جانا چاہیے۔''

مستعصم باللہ نے اس بدبخت کی یہ بات بھی مان لی اور اپنے اہل وعیال اور امرائے سلطنت کے جلو میں شہر سے ہلاکو خان کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گیا۔اگر وہ شہر میں رہتا تو اس کی فصلیں اتنی مضبوط تھیں کہ ہلاکو خان سال بھر بھی اسے سر نہیں کر سکتا تھا۔ابن علقمی نے شہر کے سات سو جلیل القدر اہلِ سنت علماء، فقہاء اور صوفیاء کو بھی یہ کہہ کر ساتھ روانہ کر دیا کہ شہزادے کے نکاح میں آپ سب کی شرکت ضروری ہے۔②

بغداد اور خاندانِ بنو عباس کا دردناک انجام:

خلیفہ ہلاکو کے دربار میں پہنچا تو اس ظالم نے خلیفہ اور اس کے سترہ ساتھیوں کو مستثنیٰ کر کے باقی سب کی گردنیں اُڑا دیں۔③ بغداد اب بالکل بے دست و پا تھا۔ ۵ صفر ۶۵۶ھ کو تاتاری شہر میں داخل ہو گئے اور ہر طرف تباہی مچا دی۔اس کے بعد ہلاکو خان خلیفہ کو ساتھ لے کر اس کے محل میں پہنچا اور سیدھا دربارِ خاص میں جا گھسا۔قصرِ خلافت کو مکمل طور پر لوٹ لیا گیا۔وہاں مقیم بنو عباس کے مردوں کو طلب کر کے قصرِ خلافت کے چبوترے پر بکریوں کی طرح ذبح کر دیا گیا۔قصرِ خلافت کے حرم سے جہاں پرندہ بھی بلا اجازت پر نہیں مار سکتا تھا، لگ بھگ ایک ہزار پردہ دار عورتیں قید کر کے باندیاں بنائی گئیں۔شہر کے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، عوام وخواص، امیر وغریب سب قتل کر دیے گئے۔علماء، خطباء، قراء، امام اور مؤذن ڈھونڈ ڈھونڈ کر ذبح کیے گئے۔غیر معروف اہلِ علم کا کیا ذکر، جو مشاہیر علماء شہید کیے گئے ان کی فہرست بھی طویل ہے۔④

---

① البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۵۶ھ

② العبر فی خبر من غبر: ۳/ص ۲۷۸؛ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸/ص ۲۷۱

③ طبقات الشافعیہ: ۸/ص ۲۷۱

④ البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۵۶ھ؛ طبقات الشافعیۃ: ۸/ص ۲۷۱

بہت سے لوگوں نے جان بچانے کے لیے کنوؤں، نالیوں، کچرے کے ڈھیروں، بند کمروں اور چھتوں پر پناہ لینے کی کوشش کی مگر تاتاری ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں فنا کرتے گئے۔ بند کمروں اور مکانات کو جلا کر مکینوں کو اندر ہی کوئلہ بنا دیا گیا۔ چھتوں کی تلاشی لے کر وہاں موجود افراد کو بھی مار ڈالا گیا۔ بغداد کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ چالیس دن تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ یہاں بسنے والے یہودیوں، نصرانیوں، رافضیوں، ابن علقمی جیسے غداروں اور ان کے متعلقین کے سوا کسی کو پناہ نہ ملی۔ شہر کے ۲۵ لاکھ باشندوں میں سے مقتولین کی تعداد اٹھارہ سے بیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ دریائے دجلہ کا پانی کئی دن تک ان کے خون سے سرخ رہا۔ پھر بغداد کے ہزاروں کتب خانوں کی لاتعداد بیش قیمت کتابیں دریا میں ڈال دی گئیں اور دریا کی سطح کئی دن تک ان کی روشنائی سے سیاہ رہی۔

چالیس دن کے بعد شہر میں عام معافی کا اعلان کیا گیا تو ہزارہا لوگ جو تہہ خانوں اور خفیہ پناہ گاہوں میں چھپے تھے، باہر نکلے۔ مگر چھ ہفتوں کی بھوک، پیاس اور خوف و دہشت سے ان کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکا تھا۔ بیوی شوہر کو، بھائی بہن کو اور باپ اپنے بچوں کو پہچان نہیں پا رہا تھا۔ باہر نکلتے ہی اکثر لوگ وبائی امراض کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ①

خلیفہ کا قتل:

اس قتلِ عام کے دوران لاشوں کے تعفن سے بغداد کے قریب ٹھہرنا مشکل ہو چکا تھا، اس لیے ۱۴ صفر کو ہلاکو خان اپنا معسکر شہر سے دور لے گیا۔ مستعصم اب تک ہلاکو کی خیمہ گاہ میں قید تھا اور ہلاکو اسے قتل کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ مگر ابن علقمی نے کہا: ''جب تک آپ اسے قتل نہ کریں گے، عراق پر آپ کی گرفت مضبوط نہیں ہو سکے گی۔'' ②

ہلاکو خان کا درباری نجومی حسام الدین خلیفہ کو بچانا چاہتا تھا۔ اس نے ہلاکو خان سے کہا: ''جب بھی کسی نے خلیفہ پر دست درازی کی ہے، وہ تباہ ہوا ہے۔ اگر آپ نے حملہ کیا تو بارشیں بند ہو جائیں گی، طوفان اور زلزلے آئیں گے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خاقان مر جائے گا۔'' ہلاکو خان نے گھبرا کر نصیر الدین طوسی سے مشورہ لیا۔ اس نے اطمینان دلایا کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہلاکو نے پوچھا: ''پھر آخر کیا ہوگا؟'' طوسی نے کہا: ''خلیفہ کی جگہ آپ حکومت ہوگی۔''

ہلاکو نے حسام الدین کو طلب کر کے اس کا طوسی سے مباحثہ کرایا۔ طوسی نے کہا: ''اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ کتنے ہی صحابہ شہید ہوئے مگر کوئی حادثہ درپیش نہیں ہوا۔ اگر حسام الدین کہتا ہے کہ یہ عباسیوں کی خصوصیت ہے تو دیکھو طاہر بن حسین نے مامون کے حکم سے عباسی خلیفہ امین کو قتل کیا تھا۔ خلیفہ متوکل عباسی کو اس کے بیٹے اور امراء نے قتل کیا، منتصر اور معتضد کو ان کے افسران اور غلاموں نے مار ڈالا مگر کوئی زلزلہ اور طوفان نہیں آیا۔'' ③

① البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۵۶ھ، سمط النجوم العوالی فی ابناء الاوائل والتوالی للعصامی المکی: ۳/ص ۵۱۹

② جامع التواریخ عربی از رشید الدین فضل اللہ: ج ۲، حصہ اول: ص ۲۹۳، سیر اعلام النبلاء: ۲۳/ص ۱۸۳

③ جامع التواریخ عربی: ج ۲، حصہ اول: ص ۲۷۹، ۲۸۰

اب ہلاکو نے مطمئن ہو کر خلیفہ کو اس کے بیٹوں سمیت قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ۴۶ سالہ مستعصم کو قالین میں لپیٹ کر اس وقت تک لاٹھیوں اور لاتوں سے پیٹا گیا جب تک اس کا دم نہ نکل گیا۔ اس کے بیٹے بھی قتل کر دیے گئے اور تین بیٹیاں: خدیجہ، مریم اور فاطمہ قیدی بنالی گئیں۔ یہ دل فگار واقعہ ۱۴ صفر ۶۵۶ھ کا ہے۔ ①

ابن علقمی کا انجام:

ابن علقمی اس تباہی کے بعد بغداد کا بادشاہ بننے کے سپنے دیکھ رہا تھا مگر ہلاکو خان نے اسے کوئی حیثیت نہ دی۔ ابن علقمی انتہائی ذلیل اور رُسوا ہو گیا۔ وہ جہاں جاتا لعنت ملامت کی آوازیں اس کا پیچھا کرتیں۔ کبھی کبھار تو لوگ طمانچوں سے اس کا استقبال کرتے۔ ② ایک برس بعد ہلاکو خان نے اسے طلب کر کے کہا:

''اگر ہم تجھے اپنا سب کچھ دے ڈالیں تب بھی تجھ سے خیر کی توقع نہیں ہو سکتی۔ تو نے اپنے ہم مذہب لوگوں کے حق کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور ان کی عورتوں اور اولاد کو ہمارا غلام بنا دیا۔ پس بھلا تو ہمارا خیر خواہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بہتر ہے کہ تمہارے شر سے باقی مسلمانوں کو اور تمہاری خفیہ سازشوں سے تاتاریوں کو بچانے کے لیے تمہیں قتل کر دیا جائے۔''

اس کے بعد ہلاکو خان نے اسے بدترین اذیتیں دے کر قتل کرا دیا۔ ③

بغداد کی حالت:

جہاں تک بغداد کا تعلق ہے، اس کے بعد یہ شہر کبھی اپنی سابقہ عظمت حاصل نہ کر سکا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہونے کے بعد ایک مدت تک یہاں زندگی مفلوج اور بقیہ آبادی مفلوک الحال رہی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ گلزار شہر جو پوری دنیا کا سب سے پُر رونق شہر تھا بالکل ویران و تاراج ہو گیا۔ بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر ٹیلوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ بارش ہوئی تو لاشیں مسخ ہو گئیں۔ شہر میں تعفن پھیلنے سے آب و ہوا خراب ہو گئی۔ وبائیں پھوٹ پڑیں جن کا اثر ملک شام تک پہنچا۔ اس ہوا اور وبا سے لوگ بکثرت ہلاک ہوئے۔ گرانی، فنا اور وبا تینوں کا راج تھا۔'' ④

بغداد میں اسلامی شعائر کی بے حرمتی عام ہو گئی۔ تاتاریوں نے یہاں کے نصرانیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ سرعام شراب پئیں اور خنزیر کا گوشت کھائیں۔ مسلمانوں کو رمضان میں یہاں کے نصرانیوں کے ساتھ شریک ہو کر شراب پینے، خنزیر کھانے اور روزے توڑنے پر مجبور کیا گیا۔ مساجد میں شراب انڈیلی گئی اور اذان پر پابندی لگا دی گئی۔ ⑤

الغرض خلافت کے ختم ہوتے ہی بغداد کا وہ شاندار دور افسانہ بن گیا جو شاہانِ عالم کے لیے قابلِ رشک رہا تھا۔

❁❁❁

① البدایۃ و النھایۃ: سنۃ ۶۵۶ھ؛ سیر اعلام النبلاء: ۲۳ ص ۱۸۳؛ طبقات الشافعیۃ: ۸ ص ۲۷۱، ۲۷۲

② طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸ ص ۲۶۳، ۲۶۴؛ البدایۃ و النھایۃ: سنۃ ۶۵۶ھ

③ ترجمۃ الاعلام فی تاریخ الاسلام لابن دقماق صلاح الدین: ص ۲۳۰

④ البدایۃ و النھایۃ: سنۃ ۶۵۶ھ　⑤ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸ ص ۲۷۱، ۲۷۲

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ تاتاریوں کے حملے کے وقت عالمِ اسلام کی عمومی حالت کیا تھی؟
❷ چنگیز خان کون تھا اور اس کے عالمِ اسلام پر حملے کی وجوہ کیا تھیں؟
❸ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ ذاتی طور پر کیسا تھا اور اس کی کس غلطی کے باعث سلطنت تباہ ہوئی؟
❹ تاتاریوں کے خلاف جہاد میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
❺ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو اپنی جدوجہد میں کامیابی کیوں نہ ہوئی؟
❻ سقوطِ بغداد سے قبل کونسی آسمانی نشانیاں ظاہر ہوئیں؟
❼ آخری عباسی خلیفہ کے بارے میں بتائیے کہ اس کی کونسی نادانی بغداد کے سقوط کا سبب بنی؟
❽ ابن علقمی نے سقوطِ بغداد میں کیا کردار ادا کیا اور اس کا کیا انجام ہوا؟

عملی کام:

❁ ایسے پانچ بڑے شہروں کی حالیہ تصاویر حاصل کریں جو تاتاریوں کے حملے میں تباہ ہوئے تھے۔
❁ دو ایسے نقشے دیکھیے جن میں تاتاریوں کے حملے سے پہلے اور بعد میں عالمِ اسلام کی حد بندی کو واضح ہو۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ شیر خوارزم، سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار، از محمد اسماعیل ریحان
❁ هولاكو الامير السفاح، از الصاوی محمد الصاوی، مطبوعہ مكتبة النافذة، مصر
❁ الدولة الخوارزمية والمغول، از حافظ احمد حمدی، مطبوعہ دار الفكر العربي، قاهرة

پانچواں باب

دورِ ممالیک اور
خلافتِ عباسیہ قاہرہ

تعارف:

سقوطِ بغداد کے بعد مصر کی دولتِ ممالیک ایک ایمانی شان کے ساتھ منگولوں کی یلغار کے سامنے دیوار بن گئی اور اس نے صلیبی حملہ آوروں کو بھی نہ بھولنے والا سبق دیا۔ اس نے خلافت کے ادارے کو بھی کسی نہ کسی درجے میں بحال کردیا۔ یہ باب مملوک سلاطین کے عظیم کارناموں کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. ممالیک کی حکومت کے قیام اور ان کے اہم سلاطین کے حالات اور کارناموں سے آگاہ ہوسکیں۔
2. منگولوں کی پسپائی اور ان میں اشاعتِ اسلام کے بارے میں جان سکیں۔
3. اس دور میں علوم وفنون کے میدانوں میں ہونے والی پیش رفت سے آشنا ہوسکیں۔
4. خلافتِ عباسیہ قاہرہ سے واقف ہوسکیں۔

(یونٹ:2.14)

ممالیک کا ظہور

سقوطِ بغداد کے بعد عالم اسلام جان کنی کے عالم سے گزر رہا تھا۔ تا تاری چین سے لے کر شام تک ایک نا قابلِ تسخیر مملکت قائم کر چکے تھے۔ اِدھر مغرب کے صلیبی تا تاریوں سے گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کو پوری طرح مسخر کرنے کے لیے پُر امید تھے۔ ایسے میں اللہ کی حکمتِ بالغہ نے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے مصر کے مملوک سلاطین کو کھڑا کر دیا جنھوں نے ایک طرف تا تاریوں اور دوسری طرف صلیبیوں سے پنجہ آزمائی کی اور عالم اسلام کے بارے میں ان کے مکروہ عزائم پر پانی پھیر دیا۔ یہ اللہ کی عجیب قدرت تھی کہ ایسے وقت میں جبکہ اسلام بے آسرا اور مسلمان بے سہارا ہو چکے تھے، دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں کو ایسے کمزور اور غیر معروف بندوں کے ہاتھوں نیچا دکھایا جو غلام تھے اور منڈیوں میں بکتے بکاتے تختِ شاہی تک پہنچے تھے، اسی لیے مصر کے ان سلاطین کو مملوک کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے "غلام"۔ اسی وقت میں مملوکوں کی ایک اور نسل ہندوستان کی سرحدوں کی حفاظت کر رہی تھی جو "خاندانِ غلاماں" کے نام سے تاریخ برصغیر میں جانی پہچانی جاتی ہے۔

گزشتہ تمام حکمران خانوادوں کے برعکس ہم مملوکوں کے ہاں اصولِ وراثت کو بہت کمزور دیکھتے ہیں جو دیگر شاہی خاندانوں میں حکومت سازی کا سب سے طاقتور اصول تھا۔ مملوکوں نے اس اصول کو بدل کر "سب سے قابل اور سب سے طاقت ور" کا اصول اپنایا اور یوں عالم اسلام کی قیادت وحفاظت کے لیے بہترین رجال کار فراہم کیے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مصر کے مملوکوں کے پہلے پانچوں حکمران: شجرۃ الدر، عز الدین ترکمانی (الملک المعز) سیف الدین قطز (الملک المظفر)، رکن الدین بیبرس (الملک الظاہر) اور سیف الدین قلاوون بالکل الگ الگ قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر ان میں کوئی بات مشترک تھی تو صرف یہ کہ یہ سب آزاد کردہ غلام اور مسلمان تھے۔

ملکہ شجرۃ الدر:

ممالیک کی حکومت ایوبی سلاطین کے زوال کے بعد مصر اور شام میں قائم ہوئی تھی۔ ہوا یہ کہ الملک الصالح ایوب کے بعد ایوبی خاندان کا آخری حکمران الملک المعظم توران شاہ صرف دو مہینے برسرِ اقتدار رہا۔ اس کے بعد اُن آزاد کردہ غلاموں نے جو اعلیٰ فوجی افسران بن چکے تھے اور "ممالیکِ بحریہ" کہلاتے تھے، اسے قتل کر دیا۔ اب ان کا رعب داب ہر طرف چھا گیا تھا اور انہیں مصر میں بادشاہ گر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ انہوں نے ایوبی خاندان کی علامت کو باقی رکھتے ہوئے الصالح ایوب کی بیگم ملکہ شجرۃ الدر کو حکمران بنا دیا۔ تاہم مسلمانوں نے ایک عورت کی حکمرانی کو

پسند نہ کیا اور شرعی وفقہی زاویہ نگاہ سے اعتراضات ہونے لگے، جنہیں دیکھتے ہوئے آخر کچھ مدت بعد شجرۃ الدر کو معزول کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ممالیکِ بحریہ نے اپنے سب سے تجربہ کار افسر عزالدین ترکمانی کو مصر کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ ①

الملک المعز عزالدین ترکمانی:

عزالدین ایبک ترکمانی ۶۴۸ھ میں پہلے مملوک سلطان کی حیثیت سے تخت نشین ہوا۔ اس نے معزول ملکہ شجرۃ الدر سے شادی کر کے اپنے پاؤں مزید جما لیے۔ یہ مملوکوں کی حکومت کا باقاعدہ آغاز تھا۔ عزالدین ترکمانی ایک دیندار، صالح اور عادل حکمران تھا۔ وہ چند سال تک بڑے حسنِ انتظام کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ تاہم آخر میں وہ ملکہ کی سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ وجہ یہ بنی کہ وہ حاکمِ موصل لؤلؤ کی لڑکی سے رشتہ کرنا چاہتا تھا۔ شجرۃ الدر کو معلوم ہوا تو بھڑک اٹھی اور اپنی باندیوں کے ساتھ مل کر اسے مار ڈالا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۶۵۷ھ کا ہے۔ ②

شام پر تاتاریوں کا حملہ:

محرم ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں مدینۃ الاسلام بغداد ملیامیٹ ہوا اور عالمِ اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ساڑھے چھ صدیوں میں پہلی بار ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہ تھا۔ ۶۵۸ھ میں ہلاکو خان نے شام پر بھی قبضہ کر لیا اور وہاں کا حکمران الملک الناصر جان بچا کر فرار ہو گیا۔ ان مہمات میں اس کا سپہ سالار کتبغا نوین تھا جس کی خونریزی اور سفاکی سے ہر طرف ایک خوف کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ ③ جب منگول دمشق پر قابض ہوئے تو مقامی نصرانیوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ لگتا تھا کہ اب منگول اور نصرانی مل کر پورے عالمِ اسلام کو باہم بانٹ لیں گے۔

مملوک سلطان۔ سیف الدین محمود قطز

اُدھر مصر میں ملکہ شجرۃ الدر اپنے شوہر کو قتل کرنے کے بعد تخت خود سنبھال چکی تھی، تاہم کچھ دنوں بعد مقتول حکمران کے وفادار غلاموں نے ملکہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور تختِ مصر ایک بار پھر خالی ہو گیا۔ اس کے بعد ترکمانی امرائے سلطنت نے مشورہ کر کے اس کے نوعمر بیٹے نورالدین کو الملک المنصور کا لقب دے کر مصر کے تخت پر بٹھا دیا اور ایک معزز جرنیل محمود قطز کو اس کا اتالیق اور نائب السلطنت مقرر کر دیا گیا۔ یہ شخص سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کا بھانجا تھا اور خوارزم کے ان مہاجر بچوں میں سے ایک تھا جنہیں بردہ فروشوں نے غلام بنا کر منڈیوں میں بیچا تھا۔ بکتا بکاتا وہ قاہرہ پہنچا جہاں ایک فوجی افسر نے اسے خرید لیا اور اسے عسکری تربیت دی۔ جوان ہو کر وہ فوج میں بھرتی ہو گیا۔

---

① شذرات الذھب: ۵ص۲۶۷

فائدہ: ممالیک بحریہ کو "بحری" اس لیے کہا جاتا تھا کہ الملک الصالح ایوب کے دور میں ان کی تعیناتی زیادہ تر ساحل کے قریب دریائے نیل کے ڈیلٹا پر واقع قلعوں میں کی جاتی تھی، یوں یہ لوگ بری اور بحری دونوں قسم کی جنگوں کے ماہر ہو گئے، اور انہیں "ممالیک بحریہ" کہا جانے لگا۔

② سیر اعلام النبلاء: ۲۳ص۱۹۸۔ شذرات الذھب: ۵ص۲۶۷

③ البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۵۸ھ

اور پھر ترقی کرتے کرتے اعلیٰ افسر بن گیا۔ اب جبکہ منگول شام کے بعد مصر پر حملے کی تیاری کر رہے تھے اور ایک نابالغ حکمران کی سرکردگی میں تاتاریوں کے خلاف کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی، اُمرائے سلطنت نے محمود قطز کو ہی نیا بادشاہ چن لیا اور وہ سیف الدین کے لقب سے مشہور ہوا۔ ①

معرکہ عین جالوت:

قطز کی تخت نشینی کے بعد جلد ہی ہلاکو خان کا سفیر مصر آن پہنچا اور اس نے ہلاکو خان کا درج ذیل پیغام پہنچایا:

''دوسروں کے انجام سے عبرت پکڑو۔ گرد و غبار چھٹنے اور نادم ہونے سے پہلے اپنے اختیارات ہمارے سپرد کر دو۔ ہم وہ ہیں جو رونے والے پر رحم نہیں کرتے۔ تمہاری کثرت ہمارے آگے قلیل ہے اور تمہارے معزز ہمارے نزدیک ذلیل۔ اس فرمان کا جواب جلد از جلد دو، اس سے قبل کہ جنگ کا الاؤ دہکے اور اس کے شعلے تمہاری طرف بڑھیں۔''

سیف الدین قطز نے جواب میں منگول سفیر کو قتل کرا دیا اور جنگ کے لیے کمر کس لی۔ اُس نے مصر کے سابق سپہ سالار رکن الدین بیبرس کو بھی بلوا لیا جو کچھ مدت پہلے شام چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر خود پیش قدمی کر کے مصر سے شام روانہ ہو گیا تاکہ جارحانہ حملہ کرنے سے مسلمانوں کی ہمت قوی ہو اور دشمن پر رعب طاری ہو جائے۔ ادھر سے کتبغا نوین بھی لشکر لیے چلا آ رہا تھا۔ قطز کے حکم پر سپہ سالار بیبرس نے حریف کے ہراول پر حملہ کیا اور اسے سخت نقصان پہنچا کر پسپائی اختیار کی اور تاتاری افواج اس کا تعاقب کرتی ہوئی ''عین جالوت'' پہنچ گئیں جہاں باقی اسلامی فوج صف بستہ تھی۔ ②

فیصلہ کن جنگ سے پہلے قطز نے فوج کے سامنے ایک تاریخی تقریر کر کے ان کے لہو کو گرما دیا۔ آخر ۲۵ رمضان ۶۵۸ھ (۳ ستمبر ۱۲۶۰ء) بروز جمعہ عین جالوت میں ایک تاریخی جنگ ہوئی جس میں مسلمان سر دھڑ کی بازی لگا کر لڑے۔ سلطان قطز اور رُکن الدین بیبرس نے شجاعت کی انتہاء کر دکھائی۔ آخر نصرتِ الٰہیہ نے فرزندانِ توحید کی پیشانیوں کے بوسے لیے اور لشکرِ تاتار بدترین شکست سے دوچار ہو کر پسپا ہو گیا۔ ③

عین جالوت میں مسلمانوں کو نصیب ہونے والی عظیم فتح نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلم قوم ابھی زندہ ہے اور وہ اب بھی نہ صرف اپنی حفاظت کر سکتی ہے بلکہ باقی دنیا کو بھی تباہی و بربادی سے بچا سکتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب یورپ منگولوں کے سامنے سپر انداز ہونے کو تھا۔ ایسے میں اسلام کی شمشیر مظلوم انسانیت کا انتقام لینے کے لیے بے نیام ہوئی اور اس

---

① البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۵۷ھ، ۶۵۸ھ؛ شذرات الذھب: ۵ص ۲۹۲؛ النجوم الزاھرہ: ۷ص ۷۳

② جالوت شمالی فلسطین کے ایک چشمے کا نام ہے جس کی وجہ سے یہ مقام عین جالوت کہلاتا ہے۔ یہ جگہ دریائے اردن کے مغربی کنارے پر جھیل طبریہ کے جنوب میں ہے جہاں اب اسرائیل قابض ہے۔ بیسان، نابلس، جنین اور ناصرہ اس کے ارد گرد واقع ہیں۔ بیسان سے یہ دس میل شمال کی جانب ہے۔

③ السلوک لمعرفۃ دول الملوک: ۱ص ۱۳۷ تا ۱۴۲؛ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۵۷ھ، ۶۵۸ھ؛ النجوم الزاھرۃ: ۷ص ۷۹ تا ۸۱؛ ذیل مرآۃ الزمان للیونینی: ۱ص ۱۳۱ تا ۱۳۵؛

نے عینِ جالوت کے میدان میں تاتاریوں کے طوفان کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔

سلطان قطز کا قتل:

فتح مند سلطان سیف الدین قطز کو چند ہفتے بعد مصر واپس جاتے ہوئے راستے میں قتل کر دیا گیا۔ قطز نے بیبرس سے وعدہ کیا تھا کہ تاتاریوں کے خلاف فتح کے بعد اسے حلب کی ولایت دے دی جائے گی۔ مگر یہ وعدہ ایفا نہ ہوا اور حلب پر کسی اور امیر کو تعینات کر دیا گیا۔ اس پر بیبرس اور اس کے ساتھی امراء بپھر گئے اور انہوں نے واپسی کے سفر میں اچانک سلطان کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ یہ افسوس ناک واقعہ ۱۶ ذوالقعدہ ۶۵۸ھ کا ہے۔ سلطان کو اسی جگہ جو غرابی اور صالحیہ کے درمیان تھی، دفن کر دیا گیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وہ بہادر، شجاع اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے والا شخص تھا۔ ہوشیار اور مدبر تھا۔ دین، اسلام اور خیر کے کام اس کا ہدف تھے۔ تاتاریوں سے جہاد میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں۔ اللہ اس کے شباب کے بدلے میں اسے جنت عطا کرے۔"①

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وہ مصر پر حکومت کرنے والا واحد بادشاہ تھا جو حنفی المسلک تھا ورنہ یہاں کے سارے سلاطین فقہ شافعی پر عمل پیرا رہے۔"②

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قطز کا تعلق خوارزم سے تھا جہاں کے لوگ نسل در نسل حنفی چلے آرہے تھے۔

❁❁❁

سلطان رکن الدّین بیبرس

قطز کے قتل کے بعد مملوک امراء نے جمع ہو کر بیبرس کو بادشاہ مان لیا۔ اس نے الملک الظاہر کا لقب اختیار کیا۔ سابق حکومت نے جہاد کے لیے کئی ٹیکس عائد کر دیے تھے۔ بیبرس نے انہیں فوری طور پر معاف کر دیا۔ یہ اس کا پہلا اقدام تھا جس نے لوگوں میں پھیلی ہوئی دہشت کو دور کیا اور وہ مطمئن ہو کر اسے دعائیں دینے لگے۔③

سلطان رکن الدین بیبرس کے دور میں مصر کو پورے عالمِ اسلام کے محافظ، سرپرست، مرکزِ وحدت اور سیاسی محور کی حیثیت حاصل ہوئی۔ خلافت کا احیاء، تاتاریوں سے جہاد، صلیبیوں سے عالمِ اسلام کا دفاع، باطنی اسماعیلیوں کا استیصال اور مسلسل تعمیراتی و ترقیاتی کام سلطان بیبرس کے ایسے اہم کارنامے ہیں جن کے باعث اس رجلِ عظیم کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔ بیبرس کی طبیعت شیر ببر سے مشابہ تھی۔ اس میں خوف نامی کوئی چیز سرے سے نہیں تھی۔ جان دینا یا لینا اس کے لیے معمولی بات تھی۔ لپکنا جھپٹنا، ایک لمحے میں فیصلہ کرنا اور کر گزرنا اس کی عادت تھی۔ وہ اپنے راستے

① تاریخ الاسلام للذہبی: ۴۸/ص ۳۵۵

② طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸/ص ۳۲۰ ③ السلوک لمعرفۃ دول الملوک للمقریزی: سنۃ ۶۵۸ھ

میں حائل ہر پتھر کو بلا تردد ریزہ ریزہ کرکے آگے نکل جانے والا اژدہا سوار تھا۔ اسے دھوکا دینا مشکل تھا مگر کوئی اس کے دھوکے سے بچ نہیں پاتا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اگلے لمحے میں کیا کرے گا۔ مزاج کی اس تیزی، دلیری، سرعت اور بے پناہ قوتِ عمل نے اسے اپنے معاصرین پر فائق کردیا تھا۔

خلافتِ عباسیہ مصر کی تاسیس:

بیبرس کی تخت نشینی اس حال میں ہوئی تھی کہ تین سال سے مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہ تھا۔ ایسے میں آخری عباسی خلیفہ مستعصم کا سگا چچا احمد بن ظاہر منگولوں سے بچتا بچاتا مصر پہنچ گیا۔ چنانچہ بیبرس نے علماء اور اُمراء سے مشورے کے بعد ۱۳ رجب ۶۵۹ھ کو قاہرہ میں ایک عظیم الشان تقریب میں اسے نیا خلیفہ مقرر کردیا۔ اُس نے ''مستنصر'' کا لقب اختیار کرکے مسندِ خلافت سنبھالی اور بیبرس کو شام ومصر کی سلطانی کا پروانہ بخش دیا۔ ①

تاتاریوں کو شکست:

بیبرس کے دور میں تاتاری کئی بار شام ومصر پر حملہ آور ہوئے مگر ہمیشہ نامراد واپس لوٹے۔ ۶۵۹ھ اور ۶۶۲ھ میں انہوں نے کتبغا نوین کے بھائی بیدرہ کی قیادت میں شام پر چڑھائی کی اور دونوں بار مُنہ کی کھائی۔

دوسرے حملے میں بیدرہ خود قتل ہوگیا اور تاتاری بڑی بری حالت میں بھاگے۔ مسلمانوں کی ہمتیں اب بڑھ چکی تھیں، تاتاری اکادکا حملے کرتے اور چوروں کی طرح بھاگ جاتے۔ ②

نئے حلیف:

تاتاریوں کے بارے میں سلطان بیبرس کی حکمتِ عملی یہ رہی کہ ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ مسلم حکمرانوں اور امراء کو ساتھ ملایا جائے۔ سلطان نے تاتاریوں کے مفتوحہ علاقوں: عراق اور ایران کے امراء سے خفیہ روابط رکھے، انہیں خلعتیں بھیجیں اور ترغیب دی کہ وہ ہلاکو خان کے خلاف سلطنتِ مصر کا ساتھ دیں۔ ③ تاہم سلطان کا سب سے مضبوط حلیف خود تاتاری قوم کا ایک نومسلم شہزادہ بنا۔ یہ بحیرۂ خزر کے پار کی تاتاری ریاست کا بادشاہ برکہ خان (برقائی) تھا جو چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوجی کا جانشین تھا اور اسلام قبول کرچکا تھا۔ اس کی سلطنت قفقاز کے کوہساروں سے بلغاریہ کی حدود تک وسیع تھی۔ اس کے اپنے چچازاد ہلاکو سے اختلافات پیدا ہوگئے تھے۔

شوال ۶۶۰ھ (ستمبر ۱۲۶۲ء) میں ہلاکو شام اور مصر پر دوبارہ حملے کی تیاری کررہا تھا کہ برکہ خان کی فوج نے قفقاز کے فلک بوس دروں سے نمودار ہوکر اسے بری طرح پسپا کردیا۔ اس شکست میں ہلاکو خان کا ایک بیٹا بھی مارا گیا۔ پے در پے شکستوں کے سبب ہلاکو خان مرگی کی بیماری میں مبتلا ہوگیا اور آخرکار ۶۶۳ھ میں مرگیا۔ ④

① البدایة والنهایة: سنة ۶۵۹ھ

② البدایة والنهایة: البدایة والنهایة سنة ۶۵۹ھ، سنة ۶۶۲ھ، السلوک لمعرفة دول الملوک للمقریزی: ۱ ص ۱۸۷

③ نهایة الارب للنویری: ج ۳۰ ص ۵۲ ④ السلوک لمعرفة دول الملوک للمقریزی: ۱ ص ۱۶۵، ۱۸۱

سیاست پر تجارت کا اثر:

سلطان کو یہ خطرہ برابر لاحق تھا کہ ہلاکو خان اور یورپ کے نصرانی کہیں اس کے خلاف مشترکہ جنگ نہ چھیڑ دیں۔ اس خطرے کے تدارک کے لیے سلطان نے نہایت دور اندیشی سے کام لیا اور یورپی تاجروں اور منڈیوں کے مالکان سے راہ ورسم پیدا کی۔ مصر کی بندرگاہوں اور منڈیوں میں یورپی تاجروں کو ایسی مراعات دی گئیں کہ کئی عشروں سے ماند یورپی تجارت چمک اٹھی۔ اب یورپی نواب اور سرمایہ دار سمجھ گئے کہ انہیں مشرق میں تجارت سے جو نفع مل رہا ہے، وہ کسی صلیبی جنگ کے متوقع مالِ غنیمت سے سہل اور زیادہ ہے۔ ①

نتیجہ یہ نکلا کہ جب چند سالوں بعد پادریوں نے نئی صلیبی جنگ کی صدا لگائی تو یورپی تاجروں نے اس کے لیے چندہ دینے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ لہٰذا صلیبی جنگ مؤخر ہوتی رہی۔

صلیبیوں سے جہاد:

بیبرس نے ابتداء میں فرنگیوں سے نرمی کا رویہ اپنایا کیوں کہ اس وقت مسلمانوں کو تاتاریوں سے زیادہ خطرہ تھا تاہم جب یہ خطرہ ٹل گیا اور اُدھر سلطان کو شام کے فرنگیوں کی بدعہدی کی اطلاعات مسلسل ملنے لگیں تو اُس نے شام کی فرنگی نوآبادیات پر حملوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ سلطان کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ فلسطین اور شام کا ہر وہ قلعہ فتح کے بعد نیست و نابود کر دیا جائے جس سے کبھی بھی نصرانیوں کو عسکری مدد مل سکتی ہو۔ سالہا سال کی جنگوں کے بعد آخر سلطان نے قیساریہ، ارسوف، صفد اور شقیف ارنوم سمیت متعدد قلعے فتح کر لیے اور آخر میں ۱۴ رمضان ۶۶۶ھ کو انطاکیہ کے تاریخی شہر کو بھی مسخر کر لیا۔ ②

باطنیہ کا استیصال:

شام میں اسماعیلی فرقے کی شاخ باطنیہ کا بڑا زور تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کے مددگار ثابت ہوتے رہے۔ ان کی موجودگی میں سلطان کے لیے شام کا دفاع مضبوط رکھنا مشکل تھا۔ سلطان نے ان کے قدیم مرکز مصیاف کو گھیر لیا اور رجب ۶۶۸ھ میں اسے فتح کر لیا۔ باطنیوں کے پیشوا نجم الدین حسن کو گرفتار کر لیا گیا جس کی عمر ۹۰ سال تھی۔ سلطان نے اسے جاگیر بخش کر گزر بسر کا انتظام کر دیا۔ اس طرح باطنی گروہ کی طاقت پاش پاش ہو گئی۔ ③

آٹھویں صلیبی جنگ:

سلطان کی فتوحات خصوصاً فتح انطاکیہ نے پاپائے روم اور شاہِ فرانس لوئیس نہم کو مضطرب کر دیا تھا۔ چنانچہ یورپ میں آٹھویں صلیبی جنگ کی تیاری ہونے لگی اور لوئیس نہم پادریوں کی نیک تمناؤں اور راہبوں کی دعاؤں کے ساتھ صلیبی جنگ لڑنے نکل پڑا۔ سلطان نے یہ خبر سنتے ہی ساحلوں پر بحری فوج کا پہرہ سخت اور جنگی جہازوں کو متحرک کر دیا۔

---

① تاتاریوں کی یلغار از هیرلڈلیمب: ص ۲۷۳

② البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۶۵ھ، ۶۶۶ھ ③ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۶۸ھ

ادھر لوئیس نہم نے مصر کی کسی بندرگاہ کی بجائے جنگ کے آغاز کے لیے تیونس کے ساحل کو منتخب کیا مگر جب اس کے بیڑے نے ذوالقعدہ ۶۶۸ھ (جولائی ۱۲۷۰ء) میں وہاں لنگر ڈالا تو اسے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر اس کے لشکر میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ ناکام محاصرہ کرنے کے سوا وہ کچھ نہ کر سکا اور محاصرے کے دوران ہی بیمار پڑ کر مر گیا۔

لوئیس نہم کے بعد کسی یورپی بادشاہ کو صلیب کے نام پر ہتھیار اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اس طرح آٹھویں صلیبی جنگ پر صلیبی جنگوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہو گیا۔

اس کے بعد سلطان نے شام کی فرنگی نو آبادیات کا صفایا کرنے کی باقی مہم کی تکمیل پر توجہ دی اور دیگر کئی اہم قلعوں کے علاوہ نصرانی جنگجوؤں "ٹیمپلرز" کے مشہور مرکز "حصن الاکراد" کو بھی فتح کر لیا۔[1]

ان فتوحات کے بعد کئی سالوں تک سلطان کی زیادہ توجہ ترقیاتی کاموں اور تاتاریوں سے نمٹنے پر مرکوز رہی۔ شام کے فرنگی جو ایک محدود پٹی میں سمٹ گئے تھے، اب کسی مزاحمت کے قابل نہ تھے۔

تاتاریوں سے دوبارہ معرکے۔ سلطان کی وفات:

۶۷۰ھ میں تاتاریوں کی نئی پیش قدمی کی اطلاعات آنے لگیں۔ ایل خانی حکمران ابا قا اپنے باپ ہلاکو خان کے اہداف پورے کرنا چاہتا تھا۔ بہرکیف سلطانی افواج نے ۶۷۱ھ میں البیرہ کے قریب تاتاریوں کو پسپا کر دیا۔ اس دوران شام میں باطنی اسماعیلیوں کی سرکوبی جاری تھی اور ان کے آخری تین قلعے: قُدموس، کہف اور مَینَقَہ بھی سر کر لیے گئے۔ ۶۷۴ھ میں تاتاریوں نے رومیوں کو ساتھ ملا کر البیرہ پر پھر حملہ کیا۔ مگر اس بار بھی انہیں ناکامی ہوئی۔ ۶۷۵ھ میں اباقا نے بہت بڑا لشکر بھیج کر شام پر قبضے کی کوشش کی مگر سلطانی افواج نے میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگا دیے۔[2] اس فتح سے واپسی کے سفر میں سلطان کی طبیعت بگڑ گئی اور آخر اس مردِ مجاہد نے ۲۷ محرم ۶۷۶ھ کو وفات پائی۔ سلطان کی تدفین دمشق میں ہوئی۔ عمر تقریباً ۵۷ سال تھی۔[3]

سلطان کی سیرت پر ایک نگاہ:

سلطان بیبرس نے صرف جہاد ہی نہیں کیا بلکہ اپنے دورِ حکومت میں بے پناہ ترقیاتی کام بھی کرائے جیسا کہ اس کی سخت ضرورت بھی تھی کیوں کہ تاتاریوں اور صلیبیوں کے حملوں نے عالم اسلام کے بہت سے شہروں کو کھنڈر بنا دیا تھا۔ بہت سے آباد شہروں میں ہنگامی حالات کی وجہ سے برسوں سے ترقیاتی کام نہیں ہوئے تھے۔ کتنی ہی قدیم عمارتوں حتیٰ کہ مقاماتِ مقدسہ کو بھی تعمیر و مرمت کی ضرورت تھی۔ بیبرس نے ان تمام ضروریات پر توجہ دی۔ مسجدِ نبوی اور بیت المقدس کی تعمیر نو کرائی۔ دمشق، حمص اور اسکندریہ سمیت شام اور مصر کے اہم شہروں کی فصیلوں اور قلعوں کو دوبارہ تعمیر

---

① کروسیڈز، ھیرلڈلیمب ص ۳۴۶ تا ۳۵۶؛ البدایہ والنہایہ تحت: ۶۶۸ھ؛ السلوک لمعرفۃ دول الملوک للمقریزی: ۱ ص ۱۹۸

② البدایہ والنہایہ: سنۃ ۶۷۰ھ، ۶۷۱ھ، ۶۷۳ھ، ۶۷۴ھ، ۶۷۵ھ

③ تاریخ الملک الظاہر از ابن شداد: ص ۲۲۳ تا ۲۲۵؛ السلوک لمعرفۃ دول الملوک للمقریزی: سنۃ ۶۷۶ھ

کرایا۔ دریائے نیل پر نئے پل بنوائے۔ بحیرۂ روم کے ساحل پر ایک فلک بوس مینار تعمیر کرایا تاکہ صلیبی جہازوں پر نگاہ رکھی جائے۔ شام کے کاشت کاروں میں غلہ تقسیم کرایا تاکہ وہ مالی طور پر خوشحال اور مضبوط ہو جائیں۔ ڈاک اور خبر رسانی کا تیز ترین نظام بنایا، جس کی رفتار کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاہرہ سے بھیجا گیا رقعہ چار دن میں دمشق پہنچ جاتا تھا۔ بحری طاقت کو بڑھایا گیا۔ جنگی جہازوں کی صنعت کا کام تیز کیا گیا۔ ان مقاصد کے لیے بیبرس نے بے پناہ سرمایہ فراہم کیا۔ یہ منصوبے کئی سالوں میں مکمل ہوئے۔ ①

مدینہ منورہ کے باشندوں اور زائرین کے لیے ایک بڑا شفاخانہ جاری کیا جس میں مریضوں کا بالکل مفت علاج ہوتا تھا۔ مسجد الحرام اور مسجد النبوی میں روشنی کے لیے ہر سال بھاری مقدار میں شمعیں اور چراغوں کے لیے زیتون کا تیل بھیجا جاتا تھا۔ حرمین کے فقراء اور غریبوں کے لیے گندم کی بہت بڑی کھیپ بھی ہر سال بھیجی جاتی تھی۔ ②

بنو عبید کی قائم کردہ مسجد ''جامع الازہر'' قاہرہ کی پہلی مسجد تھی جسے جوہر عبیدی نے تعمیر کرا کے یہاں نمازِ جمعہ شروع کرائی تھی۔ حاکم عبیدی نے جب نئی جامع مسجد بنوائی تو جامع الازہر ویران ہوگئی۔ سلطان بیبرس نے مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرا کے یہاں ۶۶۴ھ میں دوبارہ نمازِ جمعہ شروع کرائی اور یہاں ایک درس گاہ بھی قائم کردی جو بعد میں ''جامعۃ الازہر'' کے نام سے موسوم ہوئی اور آج تک قائم ہے۔ ③

علامہ ابن شداد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سلطان کے عدل کا یہ حال تھا کہ اس کے دور میں کسی امیر کو عوام بلکہ یہود و نصاریٰ پر بھی زیادتی کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جب بھی کوئی یہودی یا نصرانی یا کوئی عام آدمی سلطان تک اپنی شکایت پہنچاتا، سلطان فوراً دادرسی کردیتا۔ اس کے عدل کی وجہ سے تمام صوبوں میں رعایا مطمئن تھی۔ ہر سال محرم، رجب، رمضان اور ذی الحجہ میں تمام شہروں کے جیل خانوں میں قیدیوں کے مقدمات کا از سرِ نو جائزہ لے کر بہت سوں کو رہا کردیا جاتا۔'' ④

سلطان بسا اوقات بھیس بدل کر لوگوں میں گھل مل جاتا اور اپنے نائبین کی کارکردگی کا پتا لگاتا۔ ⑤ طبیعت کا فیاض اور سخی تھا۔ لاکھوں دینار اور دراہم یک مشت دے دیتا اور خزانے میں کمی کی ذرا پروا نہ کرتا۔ امراء اور سرکاری ملازموں کے لیے خلعتوں، عمدہ پوشاکوں، ہتھیاروں، سواریوں اور دیگر انعامات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ ⑥

سلطان کی طبیعت میں رازداری، تیزی اور خلافِ توقع طور پر دوسروں کو حیرت زدہ کردینے کی عجیب صلاحیت تھی۔ اس محیر العقول انسان نے بھیس بدل کر کہیں بھی پہنچ جانے، اپنی نقل و حرکت کو خفیہ رکھنے اور اچانک کہیں بھی ظاہر

---

① السلوک لمعرفۃ دول الملوک، سنۃ ۶۶۰ھ

② تاریخ الملک الظاھر: ص ۳۰۲، ۳۰۳

③ السلوک لمعرفۃ دول الملوک: ۱ ص ۱۸۷؛ البدایۃ والنہایۃ، سنۃ ۶۶۵ھ

④ تاریخ الملک الظاھر ابن شداد: ص ۲۸۳، ۲۸۴

⑤ السلوک لمعرفۃ دول الملوک: ۱ ص ۱۲۸ ⑥ تاریخ الملک الظاھر ابن شداد: ص ۲۹۷

ہوجانے کی روایت قائم کردی تھی۔ اس کا اثر یہ تھا کہ لوگ اکثر و بیشتر چوکنا رہتے۔ مخالفین ڈرتے کہ نہ معلوم سلطان کس وقت سر پر ٹوٹ پڑے۔ حاسد اپنی زبانیں بند رکھتے کہ کہیں پاس سے گزرنے والا شخص سلطان ہی نہ ہو۔[1]

مستشرقین سلطان بیبرس کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ یک چشم تھا، ایک قسم کا مسخرا تھا، اخلاقی اقدار سے بے پروا تھا، حسین عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتا تھا اور ان کے زیورات سے شفا خانے تعمیر کراتا تھا، شراب خانے بند کرا کے گھر میں شراب نوشی کرتا تھا۔ یہ رکیک الزامات بالکل بے بنیاد ہیں۔ تاریخ میں ان کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔

❀❀❀

سیف الدین قلاوون اور اس کے جانشین

سلطان بیبرس نے اپنے بیٹے الملک السعید کو جانشین مقرر کردیا تھا مگر مملوک امراء کے اذہان ابھی موروثی سلطنت کے اصول کو قبول نہیں کر پائے تھے۔ اس لیے اڑھائی سال کے سیاسی بحران کے بعد بالآخر ممالیک کے انتہائی قابل افسر امیر سیف الدین قلاوون نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔[2] وہ رجب ۶۷۸ھ میں ''الملک المنصور'' کے لقب کے ساتھ تخت پر بیٹھا۔ قطز اور بیبرس کی طرح وہ بھی غلامی سے شاہی تک پہنچا تھا اور سرد و گرم چشیدہ تھا۔[3]

اس کے دور میں منگولوں نے دوبارہ شام پر حملے شروع کردیے۔ قلاوون نے اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی ایک نہ چلنے دی۔ منگول حکمران اباقا نے ۶۸۰ھ میں اپنے بھائی منگوتمور کی کمان میں پچاس ہزار سواروں کا لشکر شام روانہ کیا جس میں آرمینیا کے نصرانی بھی آملے اور یوں ایک لاکھ سے زائد جنگجوؤں کا یہ لشکر حمص تک آن پہنچا۔ یہاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں ایک موقع پر مسلمانوں کو سخت پسپائی ہوئی مگر سلطان قلاوون اپنی جگہ جما رہا۔ آخر مسلمانوں نے دوبارہ منظم ہو کر اس طوفان کا رُخ پھیر دیا۔ اس عظیم فتح پر تمام اسلامی شہروں میں خوشیاں منائی گئیں اور سلطان قلاوون کا شمار بھی قطز اور بیبرس جیسے حکمرانوں میں ہونے لگا۔[4]

اس شکست نے اباقا کو اتنا نڈھال کیا کہ وہ کچھ مدت بعد فوت ہوگیا اور اس کا بھائی ''تکودار'' اس کا جانشین بنا۔ اُس نے سلطنت سنبھالتے ہی اسلام کا اعلان کیا اور اپنا نام احمد خان رکھ لیا۔ اس نے سلطان قلاوون کو اپنے قبول اسلام کی اطلاع دیتے ہوئے مصر سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ تاہم ۶۸۳ھ میں غیر مسلم منگول افسران نے بغاوت کر کے احمد خان کو شہید کردیا اور اس کی جگہ ایک اور منگول شہزادے ارغون خان کو تخت پر بٹھا دیا جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔[5]

تاہم وہ تنہا سلطان قلاوون کا مقابلہ کرتے ہوئے ڈرتا تھا، لہٰذا اُس نے پاپائے روم ''اونوریس چہارم'' کو مراسلہ بھیج کر

① السلوک لمعرفۃ دول الملوک: ۱ ص ۱۹۷

② تاریخ الخلفاء: ۳۷۷، النجوم الزاہرۃ: ۷ ص ۲۶۰ تا ۲۷۰

③ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۷۸ھ

④ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۸۰ھ، تاریخ مختصر الدول ص ۵۱۲ ⑤ تاریخ مختصر الدول: ص ۵۱۶، ۵۲۰ تا ۵۲۶

ایک نئی صلیبی جنگ کی دعوت دی۔ تاہم یورپ کے بادشاہ اس وقت باہمی خانہ جنگی میں مبتلا تھے،اس لیے یہ کوشش ناکام رہی۔ ① کچھ عرصے بعد ارغون خان وفات پا گیا اور منگولوں میں اسلام زیادہ تیزی سے پھیلنا شروع ہو گیا۔ ②

منگولوں کا خطرہ ٹل جانے کے بعد سلطان قلاوون نے ساحلِ شام کے باقی ماندہ صلیبی قلعے فتح کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور ۶۸۸ھ میں طرابلس پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ عکا کے محاصرے میں مشغول تھا کہ اس کا وقت اجل آن پہنچا اور ۲۶ ذوالقعدہ ۶۸۹ھ کو وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ③

قلاوون کے بعد اس کا بیٹا خلیل الاشرف تخت نشین ہوا جو ایک اچھے حکمران کی خوبیوں سے مالا مال تھا۔ اس نے اپنے باپ کی ادھوری مہم پوری کی اور ۶۹۰ھ میں عکا کو فتح کر ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی ۴۸۹ھ میں شروع ہونے والی دو سو سالہ صلیبی جنگوں کی باقیات کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ خلیل الاشرف نے تین سال حکومت کی مگر اس کا نام اس لیے تاریخ میں زندہ رہ گیا کہ ساحلِ شام کو غیر ملکی طاقتوں سے مکمل طور پر پاک کرنے کا سہرا اسی کے سر ہے۔ شاید خلیل الاشرف کی فتوحات کا دائرہ مزید بڑھتا مگر ۱۵ محرم ۶۹۳ھ کو اسے امرائے دربار کی ایک سازش کے تحت قتل کر دیا گیا۔ ④

اب ممالیک کی حکومت موروثی ہو چکی تھی۔ سلطان ناصر بن قلاوون کے دور میں ایران و عراق میں نئے منگول حکمران غازان کا عروج ہوا۔ اگرچہ غازان اسلام قبول کر چکا تھا مگر ملک گیری اور خونریزی اس کی سرشت میں تھی۔ ۶۹۹ھ میں اس نے شام پر حملہ کیا اور سلطان ناصر کو شکست دے دی۔ سلطان کی فوج مصر کی طرف پسپا ہو گئی اور منگول لشکر دمشق کے نواح میں پہنچ گیا۔ ⑤ ایسے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے غازان کی خیمہ گاہ میں جا کر حق گوئی کی سنت زندہ کی۔ انہوں نے غازان کو بے قصور لوگوں پر دست درازی کے انجام سے ڈرایا اور عدل و انصاف کے بارے میں آیات اور احادیث کھل کر سنائیں۔ ⑥ دمشق پر منگولوں کے قبضے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مصر چلے گئے اور سلطان ناصر کو منگولوں سے جنگ پر آمادہ کیا اور فتح کی بھرپور امید دلائی۔ آخر شعبان ۷۰۲ھ میں مصری افواج دمشق کے باہر آن پہنچیں۔ ہفتہ ۲ رمضان ۷۰۲ھ (۲۰ اپریل ۱۳۰۳ء) کو فریقین میں فیصلہ کن جنگ ہوئی اور آخر مصری افواج منگولوں کو بھگانے میں کامیاب ہو گئیں۔ ⑦

الناصر نے ۲۸ ذوالحجہ ۷۴۱ھ کو وفات پائی۔ اس کی عمر ۶۰ سال تھی۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا کیوں کہ انہوں نے اس میں ہر قسم کی بھلائی دیکھی تھی۔ بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ اس پر رحمت نازل کرے اور اسے بدلے میں جنت عطا کرے۔'' ⑧

---

① تاتاریوں کی یلغار از ھیر لدلیمب: ص ۲۷۵ ② تاریخ ابن خلدون: ۵ ص ۶۱۷

③ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۸۸ھ، ۶۸۹ھ، تاریخ ابن خلدون: ۵ ص ۳۶۳

④ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۹۰ھ، ۶۹۱ھ، ۶۹۲ھ، ۶۹۳ھ ⑤ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۶۹۹ھ

⑥ الاعلام العلیۃ فی مناقب ابن تیمیہ: ص ۶۸ تا ۷۰، الکواکب الدریۃ فی مناقب ابن تیمیہ رحمہ اللہ: ص ۴۳

⑦ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۷۰۲ھ ⑧ دول الاسلام: سنۃ ۷۴۱ھ

الملک الناصر نے تعمیراتی وترقیاتی کاموں پر خاص توجہ دی۔ وہ مدارس اور خانقاہیں بنوانے کا ذوق رکھتا تھا۔ ۷۰۳ھ میں اس نے مدرسۂ ناصریہ تعمیر کرایا جس میں ائمہ اربعہ کی فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ① دمشق کی جامع اموی کا مشرقی مینار اس کا ہمیشہ زندہ رہنے والا کارنامہ ہے۔ ②

منگولوں کا قبولِ اسلام:

سلطان ناصر کے دور میں منگولوں میں اسلام مزید تیزی سے پھیلا۔ چنگیز خان کی سلطنت کئی ممالک میں تقسیم ہوگئی تھی جہاں اس کے بیٹے اور پوتے حکمران تھے۔ صحرائے قپچاق اور بحیرۂ خزر سے متصلہ علاقوں کی مملکت ''اُردوئے زرّیں'' کہلاتی تھی جہاں برکہ خان کے بعد متعدد مسلم حکمران آئے۔ الناصر کے دور میں یہاں محمد اوزبک خان حکمران ہوا جس نے تیس سال حکومت کی اور جگہ جگہ مساجد اور مدارس تعمیر کرائے۔ اس نے دربارِ مصر میں ایک مراسلہ بھیج کر مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ اب بحمد اللہ اس کی سلطنت میں کوئی شخص غیر مسلم نہیں رہا۔

ایران وعراق کی چنگیزی مملکت ''سلطنتِ ایل خانی'' کہلاتی تھی۔ یہاں تکودار احمد خان کے بعد ارغون خان نامی اسلام دشمن حکمران آگیا اور کچھ مدت تک منگول دو دھڑوں: مسلم اور غیر مسلم میں بٹ کر باہم کش مکش کا شکار رہے۔ تاہم اس کا بیٹا غازان تخت نشینی سے قبل خفیہ طور پر مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے ۶۹۴ھ میں تخت پر بیٹھتے ہی اسلام کا اعلان کر دیا اور اسلام کی اشاعت کی۔ اگرچہ شام پر اس کا حملہ اور لوٹ مار کسی طرح سراہنے کے قابل نہیں مگر منگولوں میں اسلام پھیلانے میں اس کا بڑا کردار ہے۔

غازان کے بعد اس کا بیٹا محمد خدابندہ اور پوتا ابوسعید بہادر خان بھی مسلمان تھے۔ ۷۳۶ھ میں ابوسعید کا انتقال ہوا تو ایل خانی سلطنت کے منگولوں کی اکثریت مسلمان ہو چکی تھی اور ہر طرف دینِ مبین کا پرچم سربلند تھا۔

خراسان میں چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی اولاد حکمران تھی۔ یہ لوگ سخت دشمنِ اسلام تھے اور ان کے علاقوں کے مسلمانوں کی حالت نہایت قابلِ رحم تھی جنہوں نے سوا صدی تک غلامی کی زندگی گزاری۔ اس دوران بعض منگول شہزادوں نے اسلام قبول کیا مگر ان کے مخالفین کا پلہ بھاری رہا۔ آخر ایک صوفی بزرگ شیخ جمال الدین اور ان کے بیٹے شیخ رشید الدین کی کوششوں سے ۷۴۸ھ میں اس خاندان کے عظیم حکمران تغلق تیمور نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے ۷۶۵ھ تک حکومت کی اور اس دوران بڑی حکمتِ عملی اور سرگرمی کے ساتھ اپنی قلمرو میں اسلام کی اشاعت کے لیے مستعد رہا۔ جب اس کی وفات ہوئی تو چغتائی سلطنت میں ہر طرف اسلام کا دور دورہ تھا۔ اس کے بعد اس سلطنت میں میں کوئی غیر مسلم حکمران نہیں گزرا۔

منگولوں کا دنیائے اسلام کو برباد کرنا اور پھر مشرف بہ اسلام ہونا درحقیقت اسلام کا معجزہ تھا۔ یہ انقلاب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام تا قیامت باقی رہنے کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ وہی منگول جنہوں نے مسلمانوں کی نسل کشی میں

① حسن المحاضرۃ: ۱/ص ۳۰۳ ② البدایہ والنہایہ: ۱۴/ص ۵۹۱

کوئی کسر نہیں چھوڑی، آخر کار اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور ان کی عسکری طاقت اور شجاعت و ہمت اب اسلامی دنیا کی حفاظت کے لیے صرف ہونے لگی۔ ہندوستان کے شاہانِ مغلیہ انہی منگولوں کی نسل سے تھے جن میں شاہجہاں اور عالمگیر جیسے دیندار بادشاہ بھی گزرے ہیں۔ ①

ممالیکِ بحریہ کا زوال اور خاتمہ:

الناصر کے بعد ممالیکِ بحریہ کا زوال شروع ہو گیا۔ اس کے بیٹے اور پھر پوتے حکمران رہے مگر ان میں کوئی بڑی شخصیت پیدا نہ ہوئی۔ ممالیکِ بحریہ کا آخری حکمران الناصر کا پوتا زین الدین امیر حاج تھا۔ اس کی حکومت کو ایک ہی سال گزرا تھا کہ مملوکوں کے ایک طاقتور گروہ نے جو "چراکسیہ" یا "برجیہ" کہلاتا تھا، بغاوت کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ ۷۹۲ھ (۱۳۹۰ء) کا واقعہ ہے۔ ②

ممالیکِ چراکسیہ:

اب ممالیکِ بحریہ کی جگہ ممالیک چراکسیہ کا دور شروع ہوا جن میں سے پہلا امیر الُبغا فوق تھا۔ اس کے دور میں مشرق سے مغل فاتح تیمور کا ظہور ہوا جس نے ہندوستان کی فتح کے بعد شام و مصر کو فتح کرنے کی ٹھانی اور دمشق میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ تاہم وہ ممالیکِ چراکسیہ کی حکومت ختم نہ کر سکا۔ ③

مملوک سلاطین کا دور بہت طویل ہے اور اس سلسلے کے بادشاہ اور حکمران بکثرت۔ مگر تاریخ ساز کردار ادا کرنے والے وہی تھے جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ممالیکِ چراکسیہ میں سلطان اشرف برسبائی، الظاہر چقمق اور قانصوہ غوری بھی بہت مشہور حکمران گزرے ہیں۔ ان کا آخری حکمران طومان بائی تھا۔ مجموعی طور پر اس خاندان نے ۱۳۹ سال حکومت کی۔ ان کی حکومت ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں سلطنتِ عثمانیہ کے سلطان سلیم اوّل کے ہاتھوں ختم ہوئی۔

دورِ ممالیک......علمی و تمدنی خدمات

ممالیک بحریہ کا دور مصر اور شام میں علم و تمدن کا دورِ زرّیں تھا۔ بڑے بڑے علماء، محدثین اور فقہاء کا تعلق اس دور سے ہے۔ علامہ عزالدین بن عبدالسلام، ابوشامہ المقدسی، علامہ ابن منظور، ابن دقیق العید، امام نووی، ابن خلکان، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، امام مزی، حافظ ذہبی، علامہ مغلطائی، حافظ ابن حجر، حافظ ابن کثیر، علامہ مقریزی، علامہ جلال الدین سیوطی، امام بوصیری اور علامہ قلقشندی رحمہم اللہ جیسے نامور اہلِ علم اس زمانے میں علوم و فنون کی ضیا پاشیوں میں منہمک رہے۔ شروحِ حدیث، اصولِ حدیث، فقہِ اسلامی، علم الرجال، طبقات اور تاریخ پر اس دور میں ایسی ضخیم اور جامع کتب تحریر کی گئیں جن کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ مصر اور شام اس دور میں علمی، تمدنی سیاسی اور روحانی لحاظ سے

---

① حوالہ جات کے لیے دیکھیے: تاریخ اُمت مسلمہ حصہ چہارم ؛ نیز انتشار الاسلام بین المغول از دکتور رجب عبدالحلیم، ط دار النہضۃ، قاہرہ،

② السلوک لمعرفۃ دول الملوک، سنۃ ۷۸۴ھ ③ عجائب المقدور فی اخبار تیمور: ص ۱۳۸

عالم اسلام کا قلب بن گئے تھے۔ تاتاریوں سے بچ کر اس خطے میں پناہ لینے والوں میں ہزاروں عالم فاضل گھرانے بھی شامل تھے جن کے جوہر قابل اس دور میں پوری دنیا کے لیے آفتاب عالم تاب کی شکل اختیار کر گئے۔

ممالیک سلاطین علماء و مشائخ کی بھرپور سرپرستی کیا کرتے تھے اور علمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ درسگاہیں اور تعلیمی مراکز کھلوانے کے شوق میں ممالیک نے ایوبی حکمرانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ بیبرس نے جامع الازہر کھلوانے کے بعد وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کرایا۔ اس مدرسے کو پہلے ''الجامعۃ الظاہریہ'' اور پھر ''الجامعۃ الازہر'' کے نام سے شہرت ملی۔ ۷۲۵ھ اور ۷۶۱ھ میں اس مسجد اور درسگاہ کی تعمیر نو ہوئی اور بعد میں توسیع و تجدید کا سلسلہ جاری رہا۔ ① جامعۃ الازہر کے علاوہ بھی ممالیک نے سلطنت میں جابجا تعلیمی مراکز قائم کیے۔ قلاوون نے ''مدرسۂ منصوریہ'' اور ناصر بن قلاوون نے ''مدرسۂ ناصریہ'' تعمیر کرایا۔ سلطان قائتبائی نے بیت المقدس میں ایک عظیم درسگاہ قائم کی۔ سلطان حسن بن ناصر نے ۷۵۷ھ میں دنیا کا سب سے بڑا مدرسہ قائم کرنا شروع کیا جس کی تعمیر تین سال میں مکمل ہوئی۔ اس پر دو کروڑ سولہ لاکھ درہم (تقریباً بارہ کروڑ چھیانوے لاکھ ڈالر) خرچ ہوئے۔ ②

شفاخانے:

ممالیک نے صحت کے شعبے پر پوری توجہ دی۔ سلطان قلاوون نے قاہرہ میں بہت بڑا شفاخانہ ''مارستان الکبیر منصوری'' قائم کیا جس کے احاطے کا طول پانچ سو اور عرض دو سو گز تھا۔ تعمیر ۶۸۳ھ میں شروع ہو کر گیارہ ماہ میں مکمل ہوئی۔ دس ہزار درہم اس کے سالانہ اخراجات کے لیے وقف تھے۔ یہاں امراض کے الگ الگ شعبے قائم تھے۔ مثلاً: آنکھوں کا شعبہ، شعبۂ جراحی، شعبۂ امراض شکم، شعبۂ بخار وغیرہ۔ ہر شعبے میں خواتین اور مردوں کے الگ الگ حصے تھے۔ خدمت کے لیے نرسیں اور خدمت گار تعینات تھے۔ عمارت چار احاطوں پر مشتمل تھی۔ دواسازی، تیار ادویات کے ذخیرے، ادویات کی تقسیم، مریضوں اور عملے کو خوراک اور صاف پانی کی فراہمی اور حساب کتاب کے کھاتوں کے لیے الگ الگ عمارات تھیں۔ اسی میں ایک طبیہ کالج تھا جس میں فنِ طب و جراحت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ دیگر ممالیک سلاطین نے بھی شفاخانے قائم کیے جن میں شیخ محمودی المؤید کا قائم کردہ شفاخانہ مشہور تھا۔ ③

کتب خانے:

دورِ ممالیک میں جابجا کتب خانے قائم کیے گئے تھے۔ ہر درسگاہ کے ساتھ ایک لائبریری بنوائی جاتی تھی۔ قاہرہ کے قلعہ جبل کا کتب خانہ اپنے دور کے عظیم ترین کتب خانوں میں سے ایک تھا جو ہر فن کی نادر و نایاب کتب سے آراستہ تھا۔ سلطان رکن الدین بیبرس کے مدرسۂ ظاہریہ کا کتب خانہ بڑا مشہور تھا۔ قلاوون کے مدرسۂ منصوریہ اور محمد بن

① المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار للمقریزی: ۳ص ۵۵، ۵۶

② حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر والقاہرۃ للسیوطی: ۲ص ۲۶۳، ۲۶۵، ط دار احیاء الکتب العربیۃ؛ مفاکھۃ الخلان فی حوادث الزمان لابن طولون الحنفی (م۹۵۳ھ): ۱ص ۳۱، ط العلمیۃ؛ شذرات الذھب: ۱۰ص ۳۱، ط دار ابن کثیر

③ المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار للمقریزی: ۳ص ۲۶۸

قلاوون کے مدرسۂ ناصریہ کے کتب خانے تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، تاریخ اور طب سمیت درجنوں علوم کی ہزاروں کتب کو حاوی تھے۔ مدارس کے علاوہ خانقاہوں اور جامع مساجد کے ساتھ بھی لائبریریاں ہوا کرتی تھیں۔ ①

حرمین شریفین کی خدمت:

ممالیک سلاطین کو حرمین شریفین سے بڑی عقیدت تھی۔ خاص کر مسجدِ نبوی اور روضۂ اطہر کی دیکھ بھال کے لیے ان کے کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان سے پہلے سلطان نور الدین زنگی نے روضۂ اطہر کی حفاظت کے لیے زیرِ زمین سیسہ بھری خندق بنوائی تھی، جس پر صندل کا جنگلا نصب تھا۔ سلطان رکن الدین بیبرس نے صندل کے جنگلے کے گرد جالی دار احاطہ تعمیر کرا دیا۔ العادل کتبغا نے ۶۹۴ھ میں اس احاطے کو مسجد کی چھت سے ملا دیا۔ سلطان اشرف قائتبائی نے ۸۹۲ھ میں روضۂ اقدس کے گرد سنگِ مرمر کا ایک احاطہ کھینچ دیا اور اس کے گرد فولادی جالیاں نصب کرا دیں۔

روضۂ پاک پر گنبد کی تعمیر بھی ممالیک سلاطین کا کارنامہ ہے۔ سب سے پہلے ۶۷۸ھ میں سلطان قلاوون نے روضۂ اطہر کا پہلا گنبد تعمیر کرایا جو لکڑی کا تھا اور کناروں پر سیسے کی چادریں تھیں۔ الناصر محمد نے اسی گنبد کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ الظاہر چقمق نے نئے سرے سے گنبد بنوایا۔ ۸۸۶ھ میں سلطان اشرف قائتبائی نے اس گنبد پر سفید و سیاہ سنگِ مرمر کا ایک بڑا گنبد اس طرح بنوایا کہ پرانا گنبد اس کے اندر آ گیا۔ چھ سال بعد اسی بادشاہ نے دونوں گنبدوں کے اوپر ایک تیسرا نہایت خوبصورت اور عظیم الشان نیلا گنبد تعمیر کرایا۔ عثمانی ترک سلاطین نے ۱۲۳۳ھ میں اس پر سبز رنگ چڑھا دیا جس کے باعث یہ گنبد ''گنبدِ خضراء'' کہلاتا ہے اور زائرین کی مشتاق نگاہوں کو ٹھنڈک بخشتا ہے۔ ②

❁❁❁

خلافتِ عباسیہ قاہرہ

ممالیک کے ساتھ ہی خلافتِ عباسیہ قاہرہ بھی چلتی رہی جو عملاً حکمران نہ تھی تاہم عالمِ اسلام کی روحانی سرپرست اور وحدت کی علامت ضرور تھی۔ یہ خلافت قاہرہ کے ''ممالیکِ بحریہ'' کے ہاتھوں قائم ہوئی تھی جس کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے۔ قاہرہ میں جب بھی کسی خلیفہ کی بیعت کی جاتی تو وہ اعلان کر دیتا کہ میں نے بطورِ خلیفہ امورِ سلطنت بادشاہ کے حوالے کر دیے ہیں۔ ③

قاہرہ میں سترہ عباسی خلفاء گزرے ہیں جن کا مختصر احوال درجِ ذیل ہے:

---

① المواعظ والاعتبار للمقریزی: ۲ ص ۲۱۲؛ النجوم الزاهرة: ۸ص ۳۳؛ نهاية الارب للنويری: ۳۱ص ۱۰۹، ط قاهرة

② وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی للسمهودی (م ۹۱۱ھ): ۲ص ۱۵۷ تا ۲۰۱، ط العلمية

③ الاعلام للزرکلی: ۱ص ۱۳۳، ترجمة الحاکم العباسی، ط دار العلم

①مستنصر باللہ، احمد: (رجب ۶۵۹ھ تا محرم ۶۶۰)

ہلاکوخان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کے دوران ایک عباسی شہزادہ احمد بن ظاہر بچ نکلا اور مصر آن پہنچا جہاں سلطان رکن الدین بیبرس نے علماء وقضاۃ کے مشورے سے ۱۳ رجب ۶۵۹ھ کو اسے منصب خلافت پر فائز کردیا۔ کچھ مدت بعد مستنصر نے تاتاریوں کو عراق سے نکالنے کے لیے فوج کشی کی۔ ۳ محرم ۶۶۰ھ کو تاتاریوں سے ایک معرکہ ہوا جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور خلیفہ لاپتا ہوگیا۔ اس کی مدتِ خلافت فقط چھ ماہ رہی۔ ①

②الحاکم، احمد بن ابو علی: (۶۶۱ھ تا ۷۰۱ھ)

مستنصر کی گم شدگی کے ایک سال بعد ۸ محرم ۶۶۱ھ کو احمد نامی ایک اور عباسی شہزادے کو خلافت سونپی گئی جس نے الحاکم کا لقب اختیار کیا۔ وہ ایک زبردست خطیب تھا۔ اس کے خطبات نے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کردیا۔

کچھ مدت بعد الحاکم کے ہم نشینوں سے سلطنت کی باتیں باہر افشاء ہونے لگیں جس پر ۶۶۳ھ میں سلطان بیبرس نے الحاکم سے ملاقاتوں پر پابندی لگادی۔ ۴۰ سال خلافت کے بعد ۱۸ جمادی الاولیٰ ۷۰۱ھ کو الحاکم کی وفات ہوئی۔ ②

③اَلْمُسْتَکْفِی، سلیمان بن الحاکم: (۷۰۱ھ تا ۷۴۰ھ)

الحاکم کے بعد اس کا ۲۶ سالہ بیٹا سلیمان، اَلْمُسْتَکْفِی کے لقب سے آراستہ ہوکر خلیفہ بنا۔ وہ عالم فاضل، خوش نویس اور بہادر تھا۔ علماء اور ادباء کو ہم نشین رکھتا اور انہیں انعامات سے نوازتا تھا۔ سلطانِ مصر الملک الناصر قلاوون سے اس کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ مگر پھر ایک دور ایسا آیا کہ سلطان کسی بات پر خلیفہ سے بدگمان ہوگیا اور اسے قوص میں نظر بند کردیا۔ اسی نظر بندی کے دوران شعبان ۷۴۰ھ میں خلیفہ کی وفات ہوگئی۔ وہ آخری خلیفہ تھا جس کا نام خطباتِ جمعہ وعیدین میں لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد خطبے میں فقط سلطان کا نام لیا جانے لگا۔ ③

④الواثق باللہ، ابراہیم بن مُتَمَسِّک: (۷۴۱ھ)

مرحوم خلیفہ اَلْمُسْتَکْفِی نے اپنے بیٹے احمد کو خلافت کا ولی عہد مقرر کردیا تھا مگر سلطان ناصر بن قلاوون نے اس کی جگہ ایک ناسمجھ عباسی شہزادے ابراہیم بن متمسک کو خلیفہ طے کردیا۔ چھ ذوالقعدہ ۷۴۰ھ کو وہ واثق باللہ کے لقب کے ساتھ خلیفہ بن گیا۔ ④ بہرحال کچھ عرصے بعد ظاہر ہوگیا کہ وہ حد درجہ نالائق ہے۔ مؤرخین کے مطابق وہ کبوتر بازی اور مرغ لڑانے کا شوقین تھا، لین دین میں اکثر دھوکہ دیا کرتا تھا اور فساق وفجار کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ ⑤

سلطان الملک الناصر بن قلاوون اس وقت بسترِ مرگ پر تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر اپنے جانشین سلطان ابوبکر بن ناصر

---

① ذیل مرآۃ الزمان للیونینی: ۲ ص ۹۵، تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۳۳۶، ط نزار

② تاریخ الخلفاء: ص ۳۳۷، ط نزار

③ السلوک لمعرفۃ دول الملوک لمعرفۃ دول الملوک: ۳ ص ۲۸۷، ۲۸۸، ط العلمیۃ

④ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۳، ط نزار ⑤ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۳۴۳

کو وصیت کی کہ وہ منصبِ خلافت اس کے اہل کو لوٹا دے۔ سلطان کی وفات کے بعد سلطان ابوبکر نے خلیفہ واثق کو ایک سال تک اصلاحِ احوال کی مہلت دی مگر وہ نہ سدھرا تو سلطان نے فقہاء کو طلب کر کے ان سے پوچھا کہ خلافت کا حق دار کون ہے؟ قاضی عزالدین ابن جماعہ نے کہا:

''خلیفہ اَلْمُسْتَکْفِی نے وفات سے قبل اپنے بیٹے احمد کے حق میں ولی عہدی کی وصیت کی تھی۔ اس پر شہر کے چالیس ثقہ افراد گواہ بنے۔ قوص میں میرے نائب کے مطابق یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔''

سلطان نے اس وضاحت کے بعد ابراہیم کو معزول کر دیا اور احمد کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی گئی۔ ①

⑤احمد بن اَلْمُسْتَکْفِی، الحاکم الثانی: (۷۴۱ھ تا ۷۵۳ھ)

گیارہ ذوالحجہ ۷۴۱ھ کو مرحوم خلیفہ المستکفی کے فرزند احمد کو الحاکم ثانی کا لقب دے کر خلیفہ بنایا گیا۔ وہ بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ علماء وفضلاء اسے بہت پسند کرتے تھے۔ فصیح وبلیغ خطبات دیا کرتا تھا۔ ۷۵۳ھ میں وفات پا گیا۔ ②

⑥اَلْمُعْتَضِد باللہ، ابوبکر بن اَلْمُسْتَکْفِی: (۷۵۳ھ تا ۷۶۳ھ)

احمد بن المستکفی کی وفات کے بعد اس کے بھائی ابوبکر کو معتضد باللہ کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا۔ وہ متواضع، دین دار اور علم دوست شخص تھا۔ جمادی الاولی ۷۶۳ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ ③

⑦المتوکل، محمد بن اَلْمُعْتَضِد۔ پہلی بار: (۷۶۳ھ تا ۷۸۵ھ)

معتضد کے بعد اس کا بیٹا محمد، جمادی الاولی ۷۶۳ھ میں المتوکل کا لقب پا کر مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ ۴۵ سال تک خلیفہ رہا۔ درمیان میں یہ دو بار معزول ہوا۔ کم سن سلطان علی بن شعبان کے اتابک امیر اَینبک نے ۴ ربیع الاوّل ۷۷۹ھ کو یہ الزام لگا کر اسے معزول کر دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہتا ہے۔ اب متوکل کی جگہ زکریا بن ابراہیم (مستعصم) کو اتفاقِ رائے اور بیعت کے عمل کے بغیر ہی خلیفہ بنا دیا۔ ④

⑧مستعصم، زکریا بن ابراھیم۔ پہلی بار: (۷۷۹ھ)

زکریا بن ابراہیم (مستعصم) کی خلافت پر امراء اور عمائد ناراض تھے چنانچہ بیس دن بعد اسے معزول کر دیا گیا۔ ⑤

❁المتوکل، محمد بن معتضد۔ دوسری بار: (۷۷۹ھ تا ۷۸۵ھ)

حکومت مخالفین کا دباؤ کم کرنے پر مجبور تھی۔ چنانچہ ۲۳ ربیع الاوّل ۷۷۹ھ کو متوکل کی خلافت بحال کر دی گئی۔ ⑥

---

① تاریخ الخلفاء: ص ۳۴۳، ۳۴۴؛ المواعظ والاعتبار للمقریزی: ۳ص ۴۲۳

② تاریخ الخلفاء: ص ۳۴۴؛ الاعلام للزرکلی: ۱ص ۱۳۳، ۱۳۲، ط دار العلم للملایین؛ المواعظ والاعتبار للمقریزی: ۳ص ۴۲۳

③ تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۱؛ الاعلام للزرکلی: ۲ص ۶۳، ط دار العلم للملایین؛ المواعظ والاعتبار للمقریزی: ۳ص ۴۲۳

④ تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۳؛ الذیل التام علی دول الاسلام: سنۃ ۷۷۹ھ

⑤ تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۳، ط نزار

⑥ السلوک لمعرفۃ دول الملوک: سنۃ ۷۷۹ھ

۷۸۴ھ میں انقلاب آیا اور ممالیکِ بحریہ کی جگہ ممالیکِ چراکسیہ کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس حکومت کا بانی سلطان برقوق ۷۸۵ھ میں خلیفہ المتوکل سے ناراض ہوگیا کیوں کہ اسے یہ خبر ملی تھی کہ خلیفہ اس کے خلاف بغاوت کی سازش کررہا ہے۔ یکم رجب کو سلطان نے خلیفہ کو بلوا کر ان امراء کے سامنے کھڑا کردیا جنہوں نے یہ الزام لگایا تھا۔ خلیفہ نے اس الزام کی تردید کی جبکہ امراء اپنی بات پر اڑے رہے۔ سلطان کو خلیفہ پر اس قدر غصہ آیا کہ تلوار سونت لی۔ قریب تھا کہ خلیفہ کا سر قلم ہوجاتا مگر علماء درمیان میں آگئے اور سلطان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ سلطان نے فقہاء سے خلیفہ کے قتل کا فتویٰ طلب کیا مگر انہوں نے انکار کردیا۔ آخر سلطان نے خلیفہ کو معزول کرکے ایک قلعے میں قید کردیا۔[①]

⑨ الواثق باللہ، عمر بن ابراھیم بن متمسک: (۷۸۵ھ تا ۷۸۸ھ)

اب عمر بن ابراہیم کو "الواثق باللہ" کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت بخشی گئی۔ وہ تین سال خلیفہ رہنے کے بعد ۱۹ شوال ۷۸۸ھ کو فوت ہوا۔[②]

❁ مستعصم، زکریا بن ابراھیم۔ دوسری بار: (۷۸۸ھ تا ۷۹۱ھ)

واثق کی وفات پر امراء نے سلطان برقوق کو مشورہ دیا کہ وہ متوکل کو دوبارہ خلیفہ بنادے مگر برقوق نہ مانا اور واثق کے بھائی زکریا (مستعصم) کو خلیفہ بنادیا جو پہلی بار ۷۷۹ھ میں متوکل کی برطرفی کے بعد فقط بیس روز تک خلیفہ رہا تھا۔ مستعصم دو سال آٹھ ماہ تک اس منصب پر رہا۔ ۷۹۱ھ میں برقوق کے خلاف بغاوت کا ماحول بن گیا۔ آخر برقوق نے امراء کو مطمئن کرنے کے لیے سابق خلیفہ متوکل کے ساتھ کیے گئے سلوک پر ندامت ظاہر کی اور ربیع الاول ۷۹۱ھ میں اس نے مستعصم کو معزول کردیا۔ وہ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوگیا اور ۲۴ جمادی الاولیٰ ۸۰۱ھ کو وفات پائی۔[③]

❁ المتوکل، محمد بن معتضد۔ سہ بارہ: (۷۹۱ھ تا ۸۰۸ھ)

۱۴ ربیع الاوّل ۷۹۱ھ کو متوکل تیسری بار مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ دور سلاطینِ مصر وشام کی خانہ جنگیوں میں گزرا۔ تیمور لنگ کا شام پر حملہ اسی دور میں ہوا۔ متوکل ۱۸ رجب ۸۰۸ھ کو فوت ہوا۔[④] متوکل کے بعد اس کے پانچ بیٹے: المستعین عباس، المعتضد داؤد، مستکفی سلیمان، القائم حمزہ اور مستنجد یوسف یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔[⑤]

⑩ اَلْمُسْتَعِیْن، عباس بن متوکل: (۸۰۸ھ تا ۸۱۵ھ)

متوکل نے وفات سے پہلے اپنے بیٹے عباس کے لیے ولی عہدیٔ خلافت کی وصیت کردی تھی چنانچہ باپ کی وفات کے بعد شعبان ۸۰۸ھ میں عباس المستعین باللہ کے لقب کے ساتھ خلیفہ بن گیا۔[⑥]

---

① الذیل التام علی دول الاسلام: سنة ۷۷۹ھ، ۷۸۴ھ، ۷۸۵ھ

② تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۳؛ الاعلام للزرکلی: ۵ص ۳۹

③ السلوک لمعرفة دول الملوک: سنة ۷۹۱ھ، ۸۰۱ھ

④ تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۱، ۳۵۲؛ الذیل التام علی دول الاسلام للسخاوی: سنة ۷۹۱ھ؛ المواعظ والاعتبار: ۳ص ۴۲۲

⑤ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۳۵۱ ⑥ الذیل التام علی دول الاسلام للسخاوی: سنة ۸۰۸ھ

اسی زمانے میں مملوک سلطان فرج بن برقوق کے خلاف بغاوت ہوئی جس کے دوران باغی امراء نے محرم ۸۱۵ھ میں مستعین کو خلیفہ کے ساتھ بادشاہ بھی مان لیا۔ خلیفہ نے اس بیعت سے قبل امراء سے وفاداری کی نہایت پختہ قسمیں لیں۔ یوں منصبِ خلافت ایک بار پھر قدیم شکل میں بحال ہوگیا۔ تمام فرامین خلیفہ کی منظوری اور مہر کے ساتھ ہی جاری ہونے لگے۔ علماء وفضلاء نے اس پر نہایت خوشی کا اظہار کیا جن میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نمایاں تھے۔

تاہم کچھ ہی دنوں بعد مملوکوں کے بااثر امیر شیخ محمودی نے خلیفہ کی حیثیت کو گرانا شروع کر دیا۔ حد یہ ہوگئی کہ خلیفہ کا کوئی حکم نامہ شیخ محمودی کی منظوری کے بغیر جاری نہیں ہوسکتا تھا۔ آخر شعبان ۸۱۵ھ میں شیخ محمودی نے جبراً امورِ سلطنت اپنے قبضے میں لے لیے اور بادشاہ بن بیٹھا۔ خلیفہ کو حسبِ سابق عضوِ معطل بنا کر قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔ بعد میں معزول کر کے اسے اسکندریہ بھیج دیا گیا۔ مستعین نے وہیں ۸۳۳ھ میں طاعون سے متاثر ہو کر وفات پائی۔ ①

⑪ اَلْمُعْتَضِد، داؤد بن متوکل: (۸۱۵ھ تا ۸۴۵ھ)

شیخ محمودی نے خلیفہ مستعین کو معزول کر کے ۸۱۵ھ میں داؤد بن متوکل کو خلیفہ بنا دیا جس نے اَلْمُعْتَضِد کا لقب اپنایا۔ وہ نہایت سخی، ذکی اور بہترین منتظم تھا۔ اس کی مجالس بڑی شائستہ اور دل پذیر ہوا کرتی تھیں۔ وہ بہت سے علوم وفنون میں دسترس رکھتا تھا۔ طویل بیماری کے بعد ۴ ربیع الاول ۸۴۵ھ کو فوت ہوا۔ عمر ۷۰ برس کے قریب تھی۔ ②

⑫ المُسْتَكْفِي، سلیمان بن متوکل: (۸۴۵ھ تا ۸۵۴ھ)

یہ ایک صالح، دیندار اور عبادت گزار شخص تھا۔ اکثر خاموش رہتا تھا۔ گناہوں سے سخت اجتناب کرتا تھا۔ اس کی اولاد بھی متقی اور دیندار تھی۔ ذوالحجہ ۸۵۴ھ میں وفات پائی۔ عمر ۶۳ سال تھی۔ ③

⑬ القائم بامر اللہ، حمزہ بن متوکل: (۸۵۴ھ تا ۸۵۹ھ)

خلیفہ بنتے وقت اس کی عمر ۶۳ سال تھی۔ زبان میں قدرے لکنت تھی۔ گزشتہ خلفاء کے برعکس یہ باہیبت، دلیر اور ہوشیار شخص تھا۔ مگر سلاطین کے سامنے اس کی بھی نہ چل سکی۔ ۸۵۹ھ میں اس کی سلطانِ مصر "الملک الاشرف ینال" سے خفگی ہوگئی۔ سلطان نے جمادی الآخرہ ۸۵۹ھ میں اسے معزول کر کے اسکندریہ میں قید کر دیا گیا۔ ④

⑭ اَلْمُسْتَنْجِد، یوسف بن متوکل: (۸۵۹ھ تا ۸۸۴ھ)

یہ بڑھاپے کی حالت میں ۳ رجب ۸۵۹ھ کو مسندِ خلافت پر بیٹھا تھا۔ تقریباً ۲۵ سال تک یہ عہدہ سنبھالے رکھا۔ آخری دو برس فالج کے باعث معذوری میں گزرے۔ آخر ۱۴ محرم ۸۸۴ھ کو وفات پائی۔ عمر ۹۰ برس سے زائد تھی۔ ⑤

---

① تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۴ تا ۳۵۶

② تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۶، ۳۵۷؛ الاعلام للزرکلی: ۲ ص ۳۳۴

③ تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۸، ۳۵۹

④ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۳۵۹، ط نزار؛ الذیل التام سنة ۸۵۹ھ

⑤ تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۹، ۳۶۰؛ الذیل التام: سنة ۸۵۹ھ، ۸۸۴ھ

⑮ المتوکل، عبدالعزیز بن یعقوب بن متوکل: (۸۸۴ھ تا ۹۰۳ھ)

یہ اعلیٰ اخلاق اور بہترین خصائل کا مالک تھا۔ نیک سیرتی اور خوش مزاجی کے باعث عوام میں بڑا مقبول رہا۔ بلند پایہ ادیب بھی تھا۔ تقریباً ۱۹ برس اس عہدے پر رہا۔ ۲۹ محرم ۹۰۳ھ کو وفات پائی۔ ①

⑯ المتمسک باللہ، یعقوب بن عبدالعزیز: (۹۰۳ھ تا ۹۱۷ھ)

یکم صفر ۹۰۳ھ کو مسندِ خلافت سنبھالی اور پندرہ برس خلیفہ رہا۔ اس کے دور میں ممالیک چراکسیہ کی سلطنت ڈگمگا رہی تھی۔ چھ سلاطین یکے بعد دیگرے آئے۔ پہلے محمد بن قائتبائی، پھر قانصوہ اشرفی، پھر قانصوہ ابوسعید، پھر جان بلاط، پھر طومان بائی اور آخر میں قانصوہ غوری۔ اُدھر ترکوں کی دولتِ عثمانیہ دن بدن عروج کی طرف گامزن تھی۔ ایسے میں مملوکوں کی آغوش میں قائم عباسی خلفاء کی مسند بھی خطرے سے دوچار تھی۔ ②

⑰ المتوکل، ابوعبداللہ محمد بن یعقوب: (۹۱۷ھ ۹۲۳ھ)

عثمانی سلطان سلیم اوّل نے ۹۲۳ھ میں جب مصر پر قبضہ کیا تو واپسی میں آخری عباسی خلیفہ محمد المتوکل اور مصر کے قاضی القضاۃ کو ساتھ استنبول لے گیا جہاں ایک تقریب میں متوکل نے حضور اکرم ﷺ کے تبرکات جو علاماتِ خلافت تھے، سلیم اوّل کے حوالے کر دیے۔ یوں متوکل پر عباسی خلافت کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ ③

خلافتِ عباسیہ (مصر) کی حیثیت پر ایک نگاہ

مصر کے عباسی خلفاء سیاسی طور پر بے اختیار ہونے کے باوجود اُمت کے روحانی سرپرستوں کے طور پر ایک قابلِ عزت حیثیت رکھتے تھے۔ مملوک سلاطین نے خود کو جہاں داری کے لیے فارغ کر لیا تھا جبکہ خلفاء کا کام اُمت کے لیے عقیدے اور عمل میں راہنمائی تھا۔ دائرہ کار کی یہ تقسیم ایک قسم کا سمجھوتہ تھا جو خلفاء اور مملوک سلاطین کے درمیان شروع سے طے تھا۔ پھر بھی ہر نیا حکمران تخت نشینی سے پہلے موجودہ خلیفہ سے ان اختیارات کی تجدید کراتا تھا۔

صرف مصر ہی نہیں بیرونی دنیا کے اسلامی ممالک بھی خلیفہ سے اپنی حکومت کی منظوری اسی طرح لیتے تھے جیسے خلفائے بغداد سے لیا کرتے تھے۔ ہندوستان تک کے مسلم بادشاہ پروانۂ سلطنت لینے اپنے سفیر قاہرہ بھیجتے تھے۔

یہاں یہ پہلو بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دورِ ممالیک میں اگرچہ خلیفہ کا حتمی عزل ونصب بادشاہ کے ہاتھ میں تھا مگر رسم یہی تھی کہ اس عزل ونصب میں علماء اور فقہاء کی اتفاقِ رائے کا خیال رکھا جائے۔ نیز سابق خلیفہ نے اگر کسی کو ولی عہدِ خلافت بنا دیا ہو تو خلافت کا اوّلین حقدار وہی ہوگا اور کسی ناگزیر امر کے بغیر اسے معزول نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ

---

① تاریخ الخلفاء: ص ۳۶۰، ۳۶۱

② الاعلام للزرکلی: ۸/ص ۲۰۰، ط دار العلم للملایین

③ الاعلام للزرکلی: ۶/ص ۲۹، ط دار العلم للملایین، الدولة العلية العثمانية للدكتور فريد بک: ص ۱۹۴، ۱۹۵

تھی کہ جب کسی موقع پر کسی خلیفہ کا تقرر محض بادشاہ کی مرضی سے ہوا جس میں سابق خلیفہ کی وصیت اور علماء وفقہاء کے اتفاق کا لحاظ نہ رکھا گیا تو اس پر معاشرے میں سخت نکتہ چینی ہوئی اور بادشاہ کو جلد یا بدیر اپنا فیصلے سے رجوع کرنا پڑا۔

علماء وفقہاء حضرات مسندِ خلافت کے لیے عموماً ایسی شخصیت پر متفق ہوتے تھے جو علم وفضل، پرہیزگاری اور خوش اخلاقی میں ممتاز ہو۔ اس طویل دور میں صرف ایک خلیفہ واثق ایسا گزرا ہے جو عیش پرست اور بدخصلت تھا اور اس کی وجہ بھی فقط یہ تھی کہ اسے کم عمری ہی میں اس کے دادا خلیفہ الحاکم نے اچھی توقعات وابستہ کرتے ہوئے ولی عہدِ خلافت مقرر کر دیا تھا اور مزید یہ کہ اس وقت کے مملوک سلطان محمد الناصر بن قلاوون نے بھی اس کی خلافت سے اتفاق کر لیا تھا مگر خلیفہ بن کر جب اس کے عیوب سامنے آئے تو علماء نے شدت سے اس کی مخالفت کی اور مساجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سال کے اندر اسے معزول ہونا پڑا اور اس کی جگہ الحاکم ثانی خلیفہ مقرر ہوا جس کے بارے میں علماء نے لکھا کہ وہ راتوں کا تہجد گزار اور دن کا سپاہی تھا۔

قاہرہ کے عباسی خلفاء علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ علماء وفقہاء اور قاضیوں سے میل جول رکھتے تھے اور دینی خدمات کی حوصلہ افزائی کے لیے انہیں عطیات سے نوازتے تھے۔ بعض خلفاء سپاہیانہ کھیلوں میں حصہ لے کر انہیں فروغ دینے کی کوشش کرتے تھے۔ بعض خلفاء اہم معرکوں میں مجاہدین کے شانہ بشانہ شریک ہوئے اور ان کی موجودگی نے مسلمانوں میں ایسا جوش پیدا کیا کہ وہ تاتاریوں کے ٹڈی دل لشکروں سے بلاخوف وخطر بھڑ گئے۔ بعض خلفاء حدیث سنتے اور اس کا درس بھی دیتے تھے۔ ①

بعض خلفاء زہد وعبادت میں مشہور تھے جیسا کہ خلیفہ مُستَکفِی باللہ ثانی کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس نے بالغ ہونے کے بعد کبھی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ وہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا معاصر تھا۔ امام سیوطی رحمہ اللہ کے والد اس کے مقرب ترین علماء میں شامل تھے۔ مُستَکفِی کے بارے میں امام سیوطی رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

> ”ہم اس کے گھر اور اس کی مہربانیوں میں پلے بڑھے، اس کی آل اولاد دینداری، عبادت اور خیر کے لحاظ سے بہترین ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اولاد کے سوا روئے زمین پر کسی اور خلیفہ کی اولاد اس خلیفہ کے اہل وعیال سے زیادہ عبادت گزار گزری ہوگی۔“ ②

سلطان الملک الظاہر چقمق بھی خلیفہ مُستَکفِی کا بہت احترام کرتا تھا، جب اس کی وفات ہوئی تو سلطان نے خود جنازے کو کندھا دیا اور قبر تک گیا۔ ③

اگرچہ قاہرہ کے عباسی خلفاء سیاسی امور سے الگ رہے البتہ چراکسیہ کے دوسرے حکمران فرج بن برقوق کے

---

① تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۳۴۰ تا ۳۵۲، ط نزار؛ الدرر الکامنۃ لابن حجر: ۱ ص ۴۲، ۲۳۱۔
مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ امت مسلمہ، حصہ چہارم

② تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۹، ط نزار ③ تاریخ الخلفاء: ص ۳۵۹، ط نزار

دور میں خلیفہ مستعین باللہ کو سیاسی و عسکری قیادت سنبھالنے کا ایک موقع ملا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مملوک سرداروں نے سلطان کے خلاف بغاوت کر کے اسے بے دخل کر دیا تھا۔ اس موقع پر محرم ۸۱۵ھ میں امرائے سلطنت نے پختہ عہد وقرار کے ذریعے یہ دستور منظور کیا تھا کہ اختیاراتِ حکومت خلیفہ کے پاس ہوں گے اور سلطان نائب ہوا کرے گا۔

اس فیصلے سے عالم اسلام کے علماء وفقہاء کو بہت خوشی ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس دور کے ممتاز ترین محدث تھے، اس خوش گوار انقلاب پر ایک قصیدہ لکھا مگر افسوس کہ کچھ ہی دنوں بعد امرائے سلطنت اپنے عہد سے منحرف ہو کر اپنے مملوک سردار شیخ محمودی المؤید سے جا ملے جس نے خلیفہ کو مجبور کر کے نہ صرف دوبارہ اختیاراتِ سلطنت مملوکوں کے نام کرا لیے بلکہ خلیفہ کو معزول بھی کر دیا۔ مستعین نے اس فیصلے پر احتجاج کرتے ہوئے شام کے فقہاء سے استفتاء کیا۔ سب نے فتویٰ دیا کہ شیخ محمودی کے لیے خلیفہ کو معزول کرنا جائز نہیں تھا۔ تاہم اس فتوے کو اہمیت دیے بغیر شیخ محمودی نے مستعین کو قید کر دیا۔ ①

خلفائے بنوعباس کا یہ زمانہ متوکل ثالث تک چلا۔ آخر کار ترکانِ عثمان کے نامور حکمران سلطان سلیم اوّل نے ۹۲۳ھ میں مصر پر تسلط حاصل کر کے خلیفہ سے استعفاء لے لیا اور خلافت کو اپنے خاندان میں منتقل کر لیا۔ خلافتِ عباسیہ قاہرہ اور مملوک حکومت کا اختتام ایک ساتھ ہوا۔ اس طرح دو سو چونسٹھ سال مکمل کر کے خلافتِ عباسیہ قاہرہ کا خاتمہ ہوا۔ اس کے ساتھ خلافتِ عباسیہ بغداد کا دور ملا لیا جائے تو بنوعباس کا دورِ خلافت ۷۹۰ سال تک جا پہنچتا ہے۔ اس طرح یہ کہنا بجا ہے کہ اُمت کی تاریخ میں بنوعباس کا زمانہ خلافت سب سے زیادہ ہے۔

مستشرقین کی تحریروں میں خلافتِ عباسیہ مصر کے لیے ایک قسم کا طنز اور استہزاء جھلکتا ہے۔ وہ اسے مسلمانوں کی دقیانوسیت قرار دیتے ہیں کہ وہ صدیوں تک ایک فضول عہدے کو اپنے سروں پر مسلط کیے رہے جس کا کوئی کام نہ تھا اور بلا ضرورت اس پر سرکاری اموال خرچ ہوتے رہے۔ یہ اعتراض بالکل بے جا ہے۔ غور کیجیے کہ خلفائے قاہرہ کی داستان تو صدیوں پرانی ہے مگر دورِ حاضر کے جدید اور بزعمِ خود ترقی یافتہ معاشرے نے آج بھی کیسی کیسی قدیم بادشاہتیں سروں پر بٹھا رکھی ہیں جن کا کاروبارِ سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ایشیا میں جاپان کی شہنشاہیت اور مغربی دنیا میں تاجِ برطانیہ کی مثالیں اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان ملکوں میں سیاسی و عسکری معاملات سے شاہ اور ملکہ کا کوئی تعلق نہیں، پارلیمنٹ تمام امور کی مختار ہے اور تمام ذمہ داریاں وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کے سر پر ہیں۔ مگر اس کے باوجود قدیم تاج وتخت کو ملکی وقار کی علامت سمجھ کر انتہائی عزت دی جاتی ہے اور ان پر سرکاری خزانے سے بے پناہ رقوم خرچ ہوتی ہیں۔ پس اسی طرح خلفائے قاہرہ کو عملاً سیاست سے سروکار نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ اُمت کے روحانی سرپرستوں کے طور پر ایک قابلِ عزت علامتی حیثیت ضرور رکھتے تھے۔ پس منصبِ خلافت کو بالکل عبث گمان کرنا درست نہیں۔

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

1. سلطان سیف الدین قطز کا تعلق کس خاندان سے تھا اور کس واقعے نے ان کا نام تاریخ میں زندہ رکھا؟
2. سلطان رکن الدین بیبرس نے نصرانیوں اور منگولوں کے مقابلے کے لیے کیا حکمتِ عملی اپنائی؟
3. سلطان رکن الدین بیبرس کی صفات اور خصوصیات پر بیس تا تیس سطر کا ایک مضمون لکھیے۔
4. سلطان سیف الدین قلاوون نے صلیبیوں اور منگولوں کے خلاف کس طرح جہاد کیا؟
5. سلطان الملک الناصر بن قلاوون کے زمانے میں منگولوں کے شام پر حملے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
6. منگولوں میں اشاعتِ اسلام کس طرح ہوئی اور ان کے اسلام لانے کے محرکات کیا تھے؟
7. حرمین شریفین کی دیکھ بھال کے حوالے سے مملوک سلاطین کی خدمات پر نوٹ لکھیے۔
8. عباسی خلافت قاہرہ کیسے منتقل ہوئی اور اس میں کن شخصیات نے اہم کردار ادا کیا؟

عملی کام:

- ساتھیوں سے مباحثہ کیجیے کہ قاہرہ کی عباسی خلافت مسلمانوں کے لیے مفید تھی یا مضر؟
- اپنے شہر کے عجائب گھر کی سیر کریں اور اپنے مشاہدات قلم بند کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

- الملک الظاہر بیبرس بندقداری، از طالب ہاشمی
- عصر سلاطین الممالیک، از دکتور قاسم عبدہ قاسم، مطبوعہ دار الشروق، قاہرہ
- اطلس تاریخ المملوکی، از سامی بن عبداللہ احمد المغلوث، مطبوعہ العبیکان

چھٹا باب

عباسی دور میں تہذیب وتمدن

تعارف:

عباسی دور میں مسلم تہذیب اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ خصوصاً بغداد اس وقت تمام دُنیا میں اسلامی ثقافت وتمدن کا مرکز مانا جاتا تھا اور اس کا نظام حکومت نہایت مفصل اور دقیق تھا۔ مؤرخین نے ان حوالوں سے جن تفاصیل کو محفوظ کیا ہے، یہ باب آپ کے سامنے ان کی ایک جھلک پیش کرے گا۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. عباسی دور کے حکومتی نظم ونسق اور ترقیاتی کاموں سے آگاہ ہو سکیں۔
2. اس دور میں علوم وفنون کے میدانوں میں ہونے والی پیش رفت سے آشنا ہو سکیں۔
3. اس دور کی معاشرتی وثقافتی سرگرمیوں سے واقف ہو سکیں۔

(یونٹ:2.15)

عباسی دور میں حکومتی نظم ونسق اور تہذیب وتمدن

عباسی عہد حکومتی نظم ونسق، علوم وفنون، تہذیب وتمدن اور حیاتِ اجتماعی کے اعتبار سے اُموی حکومت کے مقابلے میں بہت سی جدّتیں لیے ہوئے تھا۔ اس میں عربی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ساتھ عجمی بُوقلمونیاں بھی واضح دکھائی دیتی تھیں۔ اگلے اوراق میں ہم ان عنوانات پر الگ الگ فصول میں گفتگو کریں گے:

فصل اوّل: عباسیوں کا نظام حکومت

فصل دوئم: عباسی عہد میں علوم وفنون

فصل سوئم: عباسی عہد میں تہذیب وتمدن اور حیاتِ اجتماعی

فصلِ اوّل: عباسیوں کا نظام حکومت

عباسی خلافت چار بنیادوں پر قائم تھی جو یہ تھیں:

① دینی حیثیت ② عسکری طاقت ③ خلیفہ اور رسوم خلافت ④ دار الخلافہ

① دینی حیثیت:

دینی حیثیت کا مطلب یہ تھا کہ عباسیوں نے ''خلافت'' کو انہی شرعی معنوں میں متعارف کرایا جسے مسلمان پسند کرتے تھے۔ انہوں نے سربراہِ حکومت کے لیے ''خلیفہ'' کا لقب اُسی طرح برقرار رکھا جیسا کہ دولتِ اُمویہ یا خلافتِ راشدہ میں تھا اور یہ باور کرایا کہ یہ ویسی ہی شرعی خلافت ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ہے اور جس کا قیام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے۔[1] خلافت کی یہ دینی حیثیت عباسی خلفاء اور پوری دنیائے اسلام کے باسیوں کے درمیان ایک بڑا مضبوط رشتہ تھی۔ دار الخلافہ میں خلفاء جمعہ وعیدین کی نمازیں پڑھاتے اور خطبہ دیا کرتے تھے۔ دربارِ خلافت میں ہر فن کے جید علماء کو ملازم رکھا جاتا اور ان کے علاوہ بھی بڑے بڑے علماء کی آمد ورفت رہتی اور ان کی عزت وتوقیر سے دربارِ خلافت کی دینی حیثیت کو تقویت ملتی۔ عباسی خلفاء رسول اللہ ﷺ کے تبرکات: ردائے نبوی اور عصائے نبوی کے امین تھے جو گزشتہ خلفاء کے دور سے ''مُہرِ خلافت'' کی حیثیت رکھتے تھے۔

دولتِ اُمویہ کی طرح دولتِ عباسیہ بھی ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' نہ تھی مگر منصب خلافت کو بہرحال مسلمانوں کا

---

① تاریخ الطبری: ۷/۳۲۵ تا ۳۲۷؛ الکامل فی التاریخ: سنة ۱۳۲ھ

نقطۂ وحدت مانا جاتا تھا اور خلیفہ کو نائب رسول تصور کیا جاتا تھا اور اسی بناء پر بڑے بڑے مسلم سلاطین خلافت عباسیہ کی آستانہ بوسی میں فخر محسوس کرتے تھے۔ یہ احترام اس وقت بھی قائم تھا جب عباسیوں پر ترک، بویہی اور سلجوقی سلاطین غالب آگئے اور اس دورِ زوال کے ایک طویل عرصے میں خلیفہ کی حیثیت محض نمائشی تھی تاہم بغداد کے اندر اور باہر کے مسلمان خلیفہ ہی کو آئینی وشرعی سربراہ تصور کرتے تھے اور منصب خلافت کی بے توقیری پر افسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک خانہ جنگی میں خلیفہ مسترشد باللہ گرفتار ہوا تو بغداد کی عورتیں تک ماتم کرنے لگیں۔[1]

دینی حیثیت کے استحکام کے لیے خلفاء محکمۂ قضا پر پوری توجہ دیتے تھے اور اعلیٰ ترین استعداد کے فقہاء کو یہ منصب پیش کرتے تھے۔ سفاح کے دور میں حجاج بن ارطاۃ نخعی رحمہ اللہ بصرہ اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کوفہ کے عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ منصور کے دور میں شریک بن عبداللہ نخعی رحمہ اللہ کوفہ کے قاضی رہے۔ اس دور میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی عہدۂ قضا پیش کیا گیا مگر عباسی وفاطمی کش مکش میں اس کی بعض زیادتیوں کے باعث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ضمیر اس پر مطمئن نہ ہوا۔ بعد میں مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے پُرامن دور میں امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ جیسے ائمہ عدلیہ کے اونچے مناصب پر رہے۔[2]

❷ عسکری طاقت:

عباسیوں نے مسلح انقلاب کے ذریعے اُمویوں کا تختہ اُلٹا تھا، اس لیے شروع دن سے ان کا بڑی حد تک انحصار عسکری طاقت پر تھا۔ تقریباً آٹھ عشروں تک یہ طاقت زیادہ تر خراسانی اور فارسی سپاہیوں پر مشتمل رہی جنہوں نے عباسی انقلاب کے لیے بھرپور افرادی قوت فراہم کی تھی۔ امرائے لشکر زیادہ تر عباسی خاندان کے عمائد یا موالی ہوا کرتے تھے اور شہروں کی امارت بھی عموماً انہی کو دی جاتی تھی۔ معتصم کے دور میں یہ مقام ترک غلاموں کو مل گیا جنہیں معتصم نے بڑے بڑے عسکری عہدوں پر فائز کیا اور ان کے بل بوتے پر اندرونی وبیرونی سخت جان دشمنوں کی بھرپور سرکوبی کی۔ ان کارناموں نے ترکوں کی حیثیت بہت بلند کردی اور جب معتصم نے ترک وفاداروں کے ساتھ رہنے کے لیے نیا دارالخلافہ ''سامرا'' تعمیر کیا تو اس فیصلے نے کئی عشروں کے لیے ترکوں ہی کی اجارہ داری قائم کردی۔

❸ خلیفہ کی حیثیت اور رسوم خلافت:

خلیفہ کی حیثیت کامل اختیارات رکھنے والے حکمران کی تھی۔ سیاسی وعسکری طاقت کا محور وہی ہوتا تھا۔ عباسی خلفاء نے القاب اختیار کرنے کی رسم شروع کی۔ پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس نے ''سفاح''، دوسرے خلیفہ ابوجعفر نے ''منصور'' اور تیسرے خلیفہ عبداللہ نے ''المہدی'' کے القاب اپنائے۔ مامون الرشید تک اسی طرح کے مفرد القاب پسند کیے جاتے رہے۔ اس کے بعد جب مامون کے جانشین نے ''معتصم باللہ'' کا لقب اپنایا تو اس طرز کو ایسی مقبولیت

[1] تاریخ الخلفاء، ص ۳۰۷، ۳۰۸؛ الکامل فی التاریخ تحت ۵۲۹ھ [2] تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۴۱۳، ۴۳۲؛ اخبار القضاۃ لابن حیان البغدادی: ۲۵۶/۳؛ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصیمری، ص ۷۹؛ مناقب ابی حنیفۃ للکردری: ۱۶۳/۲

نصیب ہوئی کہ بعد کے ہر عباسی خلیفہ نے اسی کی تقلید کی اور ہر ایک نے لفظ ''اللہ'' کو ساتھ ملا کر کوئی نیا لقب اختیار کیا: مثلاً الواثق باللہ، المتوکل علی اللہ، القائم بامر اللہ، الناصر لدین اللہ وغیرہ ①

رسوم خلافت میں سب سے بنیادی چیز شعائرِ خلافت تھے جو دو تھے: ❶ عصائے نبوی ❷ ردائے نبوی ②

بنو عباس رسوم خلافت کے بڑے پابند تھے۔ ان میں سے ایک اہم چیز دربارِ خلافت کا لباس تھا جو سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ تمام درباری اور اُمرائے دولت اہتمام سے سیاہ لباس پہنتے تھے۔ ③

رسومِ خلافت میں مہرِ خلافت بہت اہم تھی۔ بنو عباس کے اکثر خلفاء کی مہروں کے نقوش اللہ پر کامل یقین کی گواہی دیتے تھے۔ سفاح، منصور اور مامون کی مُہر کا نقش ''اَللّٰہُ ثِقَۃُ عبدِ اللہ وبہٖ یؤمن'' تھا۔ مہدی کی مُہر کا نقش ''اللّٰہُ ثِقَۃُ محمد وبہٖ یُؤمِن'' تھا۔ ہادی کی مُہر کا نقش ''اللہ رَبی'' تھا۔ ہارون کی مُہر کا نقش ''بِاللّٰہِ یَثِقُ ہَارُون'' تھا۔ المتوکل کی مُہر کا نقش ''جَعْفَرُ عَلَی اللّٰہِ یَتَوَکَّلُ'' تھا۔ معتصم کی مُہر پر ''سَلِ اللّٰہَ یُعْطِیْکَ'' نقش تھا۔ ④

عباسی خلفاء کے دربار کا ماحول وقار، جمال اور ہیبت کا امتزاج ہوتا تھا۔ خلیفہ کا لباس سیاہ چوغے، سیاہ عمامے اور سرخ موزوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ عصائے نبوی اس کے ہاتھ میں، ردائے نبوی شانوں پر اور سیفِ نبوی اس کے پہلو میں آویزاں ہوتی تھی۔ خلیفہ کی بازوؤں والی کُرسی زمین سے ڈیڑھ دو گز بلند ہوتی تھی۔ سامنے مصحف عثمانی ہوتا تھا۔ ایک تلوار کرسی کے بائیں جانب لگی ہوتی تھی۔ کرسی کے پیچھے خلیفہ کے غلام اور خاص خدام شمشیریں لٹکائے اور ہاتھوں میں کلہاڑے اور ہتھوڑے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ کُرسی کے دائیں بائیں رومی غلام پنکھے جھلتے تھے۔ خلیفہ کے سامنے ایک ریشمی پردہ ہوتا تھا۔ اسے خلیفہ کی آمد پر اٹھایا جاتا اور جب خلیفہ جانا چاہتا تو اسے گرا دیا جاتا تھا۔ ⑤

❹ دار الخلافہ:

عباسی خلافت کا چوتھا ستون دار الخلافہ تھا۔ عباسیوں سے قبل مدینہ، کوفہ، دمشق اور مکہ کو مراکزِ خلافت کی حیثیت نصیب ہوئی تھی مگر عباسیوں نے ان میں سے کسی کو منتخب نہ کیا اور پہلے عباسی خلیفہ سفاح نے عراق کے شہر ''انبار'' کو دار الخلافہ بنایا۔ دوسرے عباسی خلیفہ منصور نے نو برس تک کوفہ سے متصل نئے محلّے ''ہاشمیہ'' کو اپنا مرکز بنائے رکھا۔ اس دوران ۱۴۵ھ میں اس نے نئے دار الخلافہ ''بغداد'' کی تعمیر شروع کرائی اور ۱۴۶ھ میں جبکہ تعمیری کام جاری تھا، وہ وہاں منتقل ہوگیا۔ چند برسوں میں بغداد عالمِ اسلام کا ایسا سیاسی، ثقافتی اور علمی مرکز بن گیا جس پر دُنیا رشک کرتی تھی۔

۲۲۱ھ میں معتصم نے ایک نئے دار الخلافہ ''سامرا'' کی بنیاد رکھی اور اگلے برس وہاں منتقل ہوگیا۔ معتصم کے بعد واثق، متوکل اور منتصر بھی ''سامرا'' میں رہے۔ خلیفہ مستعین تُرک امراء سے تنگ آکر ۲۵۱ھ میں ''سامرا'' سے بغداد منتقل ہوگیا

---

① مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ للقلقشندی: ۱ ص ۲۳، ط کویت
② مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ للقلقشندی: ۲ ص ۲۳۲ تا ۲۳۴ ③ مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ: ۲ ص ۲۳۶
④ التنبیہ والاشراف: ص ۲۹۳، ۲۹۶، ۳۰۰، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۱۳؛ الانباء فی تاریخ الخلفاء: ص ۱۱۰
⑤ مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ: ۲ ص ۲۳۶ تا ۲۳۸؛ رسوم دار الخلافۃ لہلال الصابی الحرانی م ۴۴۸ھ: ص ۹۰ تا ۹۲، ط دار الرائد

مگر ۲۵۲ھ کے آغاز میں امراء نے اس کا تختہ اُلٹ دیا اور نئے خلیفہ "معتز" کو "سامرا" ہی میں رہنا پڑا۔ آخر خلیفہ معتضد عباسی نے ۲۸۲ھ میں دوبارہ بغداد کو "دارالخلافہ" کا اعزاز لوٹایا جو سقوطِ بغداد تک نہ چھینا جا سکا۔ ①

اس کے بعد خلافت مصر منتقل ہوگئی اور اگلے 264 سال تک قاہرہ دارالخلافہ رہا۔

مرکزی عہدے دار

عباسیوں کی حکومت کے مرکزی عہدے دار درج ذیل تھے:

❶ وزیر ❷ سلطان ❸ حاجب ❹ حارس

❺ استاذ الدار ❻ کاتبِ خاص ❼ امیر ❽ سپہ سالار

① وزیر:

اُموی حکمران وزراء کا محتاج بننا پسند نہ کرتے تھے۔ ② منصبِ وزارت کی باقاعدہ ابتداء عباسیوں نے کی اور پہلے عباسی خلیفہ سفّاح نے مسند نشین ہوکر عباسی تحریک کے نامور داعی اور معاشی ستون ابوسلمہ خلّال کو وزیر بنایا۔ ③

وزیر کا جہاں مرتبہ بہت بلند تھا، وہاں یہ منصب جان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف بھی تھا۔ حاسدین اس کا رُتبہ گرانے کے لیے کوشاں رہتے۔ اگر کسی معقول یا غیر معقول وجہ سے خلیفہ کو بدگمانی ہوجاتی تو وزیر کی معزولی میں دیر نہ لگتی اور اگر خلیفہ کو یہ گمان ہوتا کہ وزیر اپنے اختیارات کے باعث سلطنت پر مسلط ہونا چاہتا ہے تو وزیر جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا یا کم از کم عمر قید کاٹتا۔

② سُلطان:

بنو بُویہ اور سلاجقہ کے زمانے میں جب بغداد کی عسکری طاقت ایرانی و خراسانی بادشاہوں کے پاس چلی گئی تو "سلطان" کا منصب وجود میں آیا جو بنو عباس کا محافظ سمجھا جاتا تھا، اگرچہ بسا اوقات یہ حفاظت تسلط کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ سلطان یا اس کے نائب کی مرصّع کرسی خلیفہ کے سب سے قریب اور نمایاں ہوتی تھی۔ نئے سلطان کا تقرر اس طرح ہوتا تھا کہ بادشاہ خلیفہ کے قریب اس خاص کرسی پر بیٹھ جاتا اور وزیرِ دولتِ عباسیہ خلیفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے اسے تمام سیاسی و عسکری امور کے اختیارات سونپ دیتا۔ ساتھ ہی سلطان کو خلعتِ فاخرانہ اور کسی پسندیدہ لقب سے نوازا جاتا اور سکّے اور خطبے میں خلیفہ کے ساتھ سلطان کا نام شامل کرنے کا بھی اعلان کر دیا جاتا۔ ④

③ حاجب:

حاجب کا عہدہ بنواُمیہ کے دور سے چلا آرہا تھا جس کا مقصد خلفاء کے اوقات کی حفاظت اور ان سے ملاقات کے

---

① الکامل فی التاریخ: سنة ۱۳۵ھ، ۱۳۶ھ، ۲۲۱ھ، ۲۵۱ھ، ۲۸۲ھ ② التنبیہ والاشراف: ص ۲۹۴

③ تاریخ الطبری: ۷/ص ۴۵۰؛ الاخبار الطوال: ص ۳۷۰ ④ مآثر الانافة فی معالم الخلافة: ۲/ص ۲۳۸ تا ۲۴۱

انتظامات کرنا تھا تا کہ ہر کوئی ان کی مصروفیات میں مخل نہ ہو سکے۔ حاجب سے وقت لیے بغیر خلیفہ تک رسائی ممکن نہ ہوتی تھی۔ عموماً تجربہ کار کہنہ سال موالی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ بنوعباس کے دور میں حاجب کی اہمیت مزید بڑھ گئی۔ کھلے دربار میں خلیفہ کے سامنے حاضری یا تخلیے میں ملاقات کے لیے بہتر ماحول فراہم کرنا، مناسب وقت دیکھنا حاجب کے ذمے تھا۔ وہ سرکاری رسوم اور آداب میں کوتاہی کرنے والوں کو حاضری سے روک دیتا تھا۔ ①

④ کاتبِ خاص (سیکریٹری)

نظامِ حکومت میں کاتب کا عہدہ بہت اہم تھا۔ خلیفہ کے تمام احکامات کی کتابت اور مخبروں کی خبریں وصول کرنے میں اہم ترین واسطہ وہی ہوتا تھا۔ اس لیے خلیفہ اپنے خاص قابلِ اعتماد مصاحبین کے سوا اس خدمت کے لیے کسی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ ②

⑤ امیر الحرس (سیکورٹی انچارج)

خلفاء کی حفاظت کے انتظامات کو ''حراسہ'' کہا جاتا تھا۔ یہ محکمہ اُموی دور سے چلا آرہا تھا۔ اس کے لیے انتہائی قابلِ اعتماد افسران اور جاںنثار غلام یا سپاہی چنے جاتے تھے۔ اس شعبے کے افسرِ اعلیٰ کو ''امیر الحرس'' کہا جاتا تھا۔ ③

⑥ استاذ الدار

بنوعباس کے دورِ زوال میں یہ عہدہ ایجاد کیا گیا۔ ''استاذ الدار'' قصرِ خلافت کا نگران ہوتا تھا۔ قصر کی خدمت پر مامور تمام غلام، باندیاں، خواجہ سرا اور فراش اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے۔ ④

⑦ اُمیر (حاکم)

امارت کا سلسلہ خلفائے راشدین اور بنوامیہ کی طرح بنوعباس کے حکومتی نظم کا بھی لازمی حصہ تھا۔ امراء کا عزل ونصب اختیار خلفاء ہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ امیر (حاکم) بیک وقت اپنے صوبے کا سیاسی وعسکری سربراہ ہوتا تھا، یعنی صوبے کی وزارتِ اعلیٰ، حکومت اور سپہ سالاری اسی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ محصولات کی آمد ورفت، رفاہی کام، قیامِ امن، افواج کی تیاری، سرحدوں کی حفاظت وغیرہ سب اسی کے ذمے ہوتے تھے۔

⑧ سپہ سالار

سپہ سالار براہِ راست خلیفہ کے احکامات کے تابع ہوتا تھا اور حسبِ حکم سرحدوں کی حفاظت، دشمنوں سے قتال اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے مستعد رہتا تھا۔ جنگی داؤ پیچ، پیش قدمی یا پسپائی اور دشمن سے مصالحت وغیرہ میں اسے وسیع اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ بعض اوقات فوج کو ڈاکوؤں کی گوشمالی کے لیے بھی طلب کرلیا جاتا تھا۔ ⑤

---

① تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۳۱۵؛ رسوم دار الخلافۃ للصابی: ص ۷۱ تا ۷۵

② صبح الاعشیٰ للقلقشندی: ۱ص ۱۳۵، ط العلمیہ

③ سیاست نامہ از نظام الملک طوسی: ص ۱۷۷؛ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۳۱۵

④ صبح الاعشیٰ للقلقشندی: ۵ص ۳۲۹، ط العلمیہ ⑤ مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ للقلقشندی: ۱ص ۷۵، ۷۶

عباسیوں کا نظامِ حکومت اور اہم محکمے

عباسیوں کا حکومتی نظام جن محکموں پر مشتمل تھا، انہیں عموماً ''دوانین'' کہا جاتا تھا۔ یہ تمام دیوان ایک ہی وقت میں قائم نہیں ہوگئے تھے بلکہ ان میں تدریجاً ترقی ہوئی تھی اور وقت کے لحاظ سے ان میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی۔ بعض دیوان وقتی مصالح کے تحت بنائے اور بعد میں ختم کردیے گئے تھے۔ اہم محکموں کا تعارف درج ذیل ہے:

① شرطہ ② عدلیہ ③ اقامتِ صلوٰۃ ④ حِسبہ ⑤ دیوانِ جیش (دفاع) ⑥ دیوان المظالم ⑦ دیوان البرید والسکک والطرق (مواصلات) ⑧ دیوان الرسائل والانشاء ⑨ دیوان المصادرین ⑩ دیوان البر ⑪ دیوان الدار (نگرانی) ⑫ دیوان الخراج (محصولات) ⑬ دیوان النفقات ⑭ دیوان بیت المال (وزارتِ خزانہ) ⑮ دیوان الجہبذہ

① شرطہ:

شرطہ یعنی پولیس کا محکمہ خلفائے راشدین کے عہد سے چلا آرہا تھا۔ بنوعباس نے اسے مزید ترقی دی۔ عام طور پر عرب امراء یا موالی اس کے افسرِ اعلیٰ ہوا کرتے تھے۔ ②

② عدلیہ:

عہدِ رسالت سے شعبۂ عدلیہ اسلامی نظامِ حکومت کا اہم ستون تھا جسے عموماً ''قضا'' کہا جاتا تھا۔ اس کا دائرہ فقط مقدمات کے فیصلوں اور جھگڑے چکانے تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی ذمہ داری شرعی امور کو قائم رکھنا بھی تھی۔

خلافتِ عباسیہ کے ابتدائی عشروں میں عالم اسلام کا قاضی القضاۃ ایک ہی ہوا کرتا تھا، تمام عالم اسلام میں قاضیوں کا تقرر اسی کے حکم سے ہوتا تھا اور ہر عدالت میں ایک ہی قاضی فیصلے کیا کرتا تھا۔ تاہم بعد میں سلاطینِ اسلام نے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی قاضیوں کے الگ الگ انتظام کی سہولت دے دی تاکہ ہر فقہی مسلک کے لوگ مطمئن رہیں۔ ③

③ اقامتِ صلوٰۃ:

پنج وقتہ نمازوں، جمعہ وعیدین اور تراویح کی پابندی کرانے کے لیے ''اقامتِ صلوٰۃ'' کا ایک مستقل محکمہ تھا جس کا افسر فقط متقی اور نیک وصالح افراد کو بنایا جاتا تھا۔ ④

④ حِسبہ:

اسے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس کا مقصد ہر قسم کی معاشرتی برائیوں کی روک تھام اور اسلامی تمدن کی خوبصورت روایات اور اعلیٰ آداب کو قائم رکھنا تھا۔ اس شعبے کا افسر ''محتسب'' کہلاتا تھا جو خلیفہ کے ماتحت کام کرتا تھا۔ اس عہدے کے لیے ایسا شخص منتخب کیا جاتا تھا جو عالم، متقی، تجربہ کار، دینی ودنیوی معاملات کا ماہر

① مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ للقلقشندی: ۱ ص ۷۸ ② تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۳۳۵
③ مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ للقلقشندی: ۱ ص ۷۸ ④ مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ للقلقشندی: ۱ ص ۷۹

اور جرأت مند ہو۔ ہر صوبے کے لیے الگ الگ محتسب ہوا کرتے تھے۔ محتسب کی تنخواہ عموماً ایک سو دینار ماہانہ ہوتی تھی۔ بعض اوقات کم ہو کر تیس دینار بھی رہ جاتی تھی اور کبھی بڑھ کر دو سو دینار تک بھی چلی جاتی تھی۔ ①

⑤ دیوانِ جیش (محکمہ دفاع)

یہ محکمہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے افواجِ خلافتِ عباسیہ سے متعلق تھا۔ دیوان الجیش کے افسرِ اعلیٰ کی بڑی اہمیت ہوتی تھی حتیٰ کہ بعض اوقات غیر معمولی فوجی مہمات کی قیادت بھی اسے سونپ دی جاتی تھی۔ ملکی دفاع میں وہ کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ فوج کو مطمئن رکھنا اور کسی سپاہی کی حق تلفی نہ ہونے دینا اس کی ذمہ داری تھی۔

دیوان الجیش میں تمام عسکری افسران وسپاہ کے کوائف پر مشتمل فائلیں ایک بڑے محضر میں محفوظ ہوتی تھیں جسے ''الجریدۃ السوداء'' کہا جاتا تھا۔ ہر فوجی ملازم یا افسر کے بارے میں درجِ ذیل کوائف درج ہوتے تھے: نام، نسب، شعبہ، صفات وکارکردگی، مقدارِ وظیفہ، ادائیگی کا وقت۔ اس دیوان کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی، اموی دور میں یہ ترقی پذیر ہوا جبکہ عباسی دور میں اس کی تنظیمی باریکیاں عروج پر پہنچ گئیں۔ ②

⑥ دیوان المظالم

اس محکمے کا مقصد سرکاری افسران یا ملازمین کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں کے خلاف عوامی شکایات کی سماعت اور دادرسی تھا۔ اس شعبے کا افسرِ اعلیٰ دین دار، امین، عادل اور رحم دل شخص کو بنایا جاتا تھا۔ اس محکمے کی سربراہی خلیفہ یا اس کے وزیر کے پاس ہوتی تھی۔ ③

⑦ دیوان البرید والسکک والطرق (محکمہ مواصلات وذرائع آمد ورفت)

اس محکمے کی اہم ذمہ داریاں درجِ ذیل تھیں:

1. خلیفہ یا وزیر کی جانب سے جاری ہونے والے احکام اور ہدایات کو نائبین یا افسران تک پہنچانا
2. نائبین، افسروں اور مخبروں کی طرف سے آنے والی اطلاعات اور استفسارات کو خلیفہ یا وزیر تک پہنچانا
3. محکمے کے افسران اور ملازمین کی کارکردگی پر نگاہ رکھنا چاہے وہ دارالحکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر صوبوں سے، یا وہ ذیلی سڑکوں اور شاہراہوں پر مامور ہوں
4. راستوں اور شاہراہوں کی مرمت اور دیکھ بھال کرنا تاکہ عوام اور حکام آرام سے سفر کر سکیں
5. مملکت میں ہونے والے تمام واقعات اور حالات سے باخبر رہنا اور خلیفہ یا وزیر کو باخبر رکھنا

⑧ دیوان الرسائل والانشاء

''دیوان الرسائل والانشاء'' اموی دور میں قائم ہوا اور عباسی دور میں بامِ عروج تک پہنچا۔ اسے ''دیوان الرسائل'' یا

① المؤسسات الادارية في الدولة العباسية لدكتور حسام الدين سامرائي: ص ۳۰۵ تا ۳۳۹، ط دار الفكر العربي

② المؤسسات الادارية في الدولة العباسية: ص ۲۵۴ تا ۲۶۳ ③ تجارب الامم لابن مسكويه: ۵ ص ۸۱

''دیوان الانشاء'' بھی کہا جاتا تھا۔ یہ براہ راست خلیفہ یا وزیر کے ماتحت تھا۔ اس کا عملہ ایسے کاتبوں پر مشتمل ہوتا تھا جو علم وفضل، نکتہ سنجی اور فصاحت وبلاغت میں یکتا ہوتے تھے۔ عملے کے سربراہ کو ''صاحب دیوان الرسائل'' یا ''متولی دیوان الرسائل'' کہا جاتا تھا۔ اس کی حیثیت آج کل کے ''سیکرٹری'' کی ہوتی تھی۔ ①

⑨ دیوان المصادرین

''مصادرہ'' کا مطلب ہے جرمانہ عائد کرنا۔ جب کسی مالدار شخص کو کسی جرم یا الزام کی بناء پر گرفتار کیا جاتا تھا تو اسے ''دیوان المصادرین'' سے سابقہ پڑتا تھا جہاں اس پر تاوان عائد کردیا جاتا۔ اگر وہ شخص مطلوبہ رقم ادا کردیتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا۔ بصورتِ دیگر اسے جسمانی سزا اور قید وبند کی تکالیف سے گزرنا پڑتا۔ ②

⑩ دیوان البر

اس محکمے کے تحت عباسیوں کی ذاتی آمدن کا ایک خطیر حصہ سرحدوں کی حفاظت اور حرمین شریفین کی خدمت کے لیے خرچ کیا جاتا تھا۔ ③

⑪ دیوان الدار (محکمہ نگرانی)

یہ محکمہ تمام مالیاتی محکموں کی نگرانی کرتا تھا۔ نائب وزیر اپنے تمام عملے سمیت اس کے دفتر میں بیٹھتا اور تمام محکموں کی کارکردگی کا یہاں سے جائزہ لیتا تھا اور ان سے متعلقہ شکایات کا ازالہ کرتا تھا۔ ④

⑫ دیوان الخراج (محکمہ محصولات)

یہ محکمہ زمینوں کی مال گزاری وصول کرنے کا تھا۔ دولتِ عباسیہ کی تمام زمینوں کا ریکارڈ بغداد کے مرکزی دیوان الخراج میں موجود تھا جس سے واضح ہوتا تھا کہ کون کون سی زمین سرکاری اور کون سی غیر سرکاری ہے اور اس کی آمدن کس کے لیے ہے۔ اسی طرح ہر علاقے کی زمینوں کا ریکارڈ ضلعی دفترِ خراج میں بھی ہوتا تھا۔ ہر علاقے کی آمدن کا ایک خطیر حصہ وہاں کے سرکاری ملازمین اور دیگر طے شدہ ضروریات پر کیا جاتا تھا جبکہ باقی رقم مرکزی دیوان الخراج کو بھیج دی جاتی تھی۔ ⑤ دیوان الخراج کے ذرائع آمدن یہ تھے:

❶ **خراج:** اس سے مراد خراجی زمینوں سے حاصل ہونے والی آمدن تھی۔

❷ **جزیہ:** یہ وہ سالانہ ٹیکس تھا جو غیر مسلموں پر عائد تھا۔

❸ **زکوٰۃ:** صاحبِ حیثیت مسلمان اپنے اموال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر ادا کیا کرتے تھے۔

❹ **عشر:** مسلمان زمین دار اپنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ ادا کرتے تھے جسے عُشر کہا جاتا تھا۔

---

① المؤسسات الاداریۃ فی الدولۃ العباسیۃ: ص ۲۷۵ تا ۲۸۰

② المؤسسات الاداریۃ فی الدولۃ العباسیۃ: ص ۲۸۶ تا ۲۸۸

③ تحفۃ الامراء للصابی: ص ۳۱۰

④ تحفۃ الامراء فی تاریخ الوزراء للصابی: ص ۱۴۸ ⑤ تجارب الامم: ۵ ص ۱۶۷

❺ **خُمس:** کفار سے جنگ میں حاصل شدہ اموال کا پانچواں حصہ جو سرکاری خزانے میں آتا تھا، خمس کہلاتا تھا۔

❻ **لُقطَہ:** گم شدہ اشیاء یا چوروں اور ڈاکوؤں سے بازیاب کرائے گئے اموال کا مالک اگر نہ ملتا تو انہیں بیت المال میں داخل کرلیا جاتا تھا۔ ①

❼ **پَن چکیوں کی آمدن:** حکومت جو نہریں کھدواتی تھی، اس پر جابجا پَن چکیاں لگوادیتی تھی جہاں لوگ اناج پسوا کر پسائی کی اُجرت دیا کرتے تھے۔ یہ رقم سرکاری خزانے میں آجاتی تھی۔ بغداد کی فقط ایک بڑی پَن چکی "رحی البطریق" کی سالانہ آمدن ایک لاکھ درہم تھی۔ ②

❽ **دُکانوں اور بازاروں کا کرایہ:** حکومت شہر آباد کرتے یا اس کی توسیع کرتے وقت جگہ جگہ دکانیں اور بازار تعمیر کراتی تھی۔ ان کا کرایہ بھی آمدن کا ذریعہ تھا۔

❾ **مُستَغَلّات:** سرکاری زمینوں پر لوگوں کے تعمیر کردہ مکانات، دکانوں اور دیگر تعمیرات کا کرایہ بھی وصول کیا جاتا تھا۔ ان رقوم کو "مُستَغَلّات" کہا جاتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں بغداد شہر کے مستغلات کی آمدن تیرہ ہزار دینار (۳۸ لاکھ ڈالر) سے زائد تھی۔ ③

⑬ دیوان النفقات (محکمہ مصارف)

اس محکمے کے مقاصد یہ تھے:

❶ قصرِ خلافت کے اخراجات اور ضروریات کا انتظام

❷ مرکزی محکموں کے اخراجات اور ضروریات کا انتظام

❸ بغداد کی ضروریاتِ عامہ کے اخراجات کا انتظام

یاد رہے کہ ہر صوبے اور ضلع کے اخراجات کا انتظام خود صوبائی یا ضلعی محکمہ خراج کرتا تھا اور دار الخلافہ بھیجی جانے والی کچھ رقم کو مستثنیٰ کرکے مقامی محصولات زیادہ تر مقامی ضروریات پر ہی خرچ کیے جاتے تھے۔ ④

⑭ دیوان بیت المال (وزارتِ خزانہ)

بیت المال کی دو قسمیں تھیں: (الف) بیت مال الخاصہ (ب) بیت المال العامہ

بیت مال الخاصہ: بیت المال الخاصہ کا تعلق خاص خلیفہ کی منشا اور مرضی سے تھا۔ اس میں وزیر کا کوئی دخل نہ تھا۔ اس کی رقم کو خلیفہ کے حکم سے عموماً درج ذیل مصارف پر خرچ کیا جاتا تھا:

❶ سفیروں اور مہمانوں کی خاطر تواضع اور اکرام ❷ سرحدوں کی حفاظت

---

① الموسسات الاداریہ فی الدولۃ العباسیۃ لدکتور حسام الدین سامرائی: ص ۲۱۹ تا ۲۲۸

② البلدان للیعقوبی: ص ۳۲، ۳۳ ③ الموسسات الاداریہ: ص ۲۲۸، ۲۲۹

④ الموسسات الاداریۃ فی الدولۃ العباسیۃ لدکتور حسام الدین سامرائی: ص ۲۳۰ تا ۲۳۲، ط دار الفکر العربی

❸ دشمن کے ہاں قید افراد کی رہائی کے لیے فدیے کا انتظام ❹ سرکاری عمارتوں کی دیکھ بھال اور مرمت
❺ حج کے انتظامات ❻ حرمین شریفین کی خدمت ❼ قاضیوں کے مشاہرے
❽ مخبروں کے مشاہرے ❾ محکمہ احتساب کے مشاہرے[1]

بیت مال العامه "دیوان مال العامہ" وزیر کی نگرانی میں کام کرتا تھا۔ بیت مال الخاصہ کے سوا تمام اموال "بیت مال العامہ" یعنی سرکاری خزانے میں آتے تھے اور "دیوان المال" کا مقصد سرکاری خزانے میں آنے یا اس سے نکلنے والے اموال کی نگرانی کرنا اور بیت المال کے منتظم کا محاسبہ کرنا تھا۔ یوں یہ محکمہ دارالحکومت میں آنے والی ساری آمدن اور اخراجات کا نگران تھا۔ اس کی فائلوں میں مملکت میں خرچ کیے جانے والے تمام اموال کے قواعد وضوابط اور مصارف محفوظ تھے۔[2]

⑮ دیوان الجهبذة:

مالیات کے حساب کتاب کو مزید شفاف بنانے کے لیے ایک الگ شعبہ "دیوان الجهبذه" کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ یہ حسابات کے ماہرین کا دفتر تھا جو ادارے کا مالی میزانیہ (آڈٹ رپورٹ) تیار کرتے تھے۔ اس فن کے ماہر کو "جهبذ" کہا جاتا تھا اور اس کا خوف محکمہ مال کے افسران پر سوار رہتا تھا۔[3]

خلفائے بنوعباس کی مالی حالت:

خلفائے بنوعباس کی مالی حالت بہت مستحکم تھی۔ منصور عباسی مرتے وقت جو خزانہ چھوڑ گیا تھا وہ پچانوے کروڑ درہم پر مشتمل تھا۔ ہارون الرشید کا خزانہ دس کروڑ دینار سے کم نہ تھا۔ ہیرے جواہرات، سونے چاندی کے زیورات اور نقرئی وطلائی ظروف وتحائف، مویشیوں اور جائیدادوں کی قیمت اس کے علاوہ تھی۔ یہ رقم فوجی خدمات، سرحدوں کی حفاظت، قلعوں کی تعمیر، جرنیلوں کی فارغ البالی، افسران کے انعامات اور سپاہیوں کی تنخواہوں پر بے دریغ خرچ کی جاتی تھی۔ مامون نے ایک ہی دن میں اپنے بھائی معتصم اور اپنے بیٹے عباس کو مختلف مہمات سونپتے ہوئے پانچ پانچ لاکھ دینار دیے اور عبداللہ بن طاہر کو بابک خرمی کی سرکوبی کی ذمہ داری دے کر تین لاکھ دینار دیے جبکہ افسرانِ فوج میں سات لاکھ دینار تقسیم کیے، یعنی مجموعی طور پر ایک دن میں سرکاری خزانے سے بیس لاکھ دینار نکالے گئے۔[4]

یہ دولت ذاتی عیش وآرام پر بھی خوب خرچ کی جاتی تھی۔ تقاریب میں دولت پانی کی طرح بہائی جاتی تھی۔ مامون نے بوران بنت حسن سے نکاح کیا تو شادی کی محفل پر پانچ کروڑ درہم (تقریباً ۳۵ کروڑ ڈالر) خرچ کیے گئے تھے۔[5]

---

① المؤسسات الاداریة فی الدولة العباسیة لدکتور حسام الدین سامرائی: ص ۲۳۱، ۲۳۷، ۲۳۸
② المؤسسات الاداریة فی الدولة العباسیة لدکتور حسام الدین سامرائی: ص ۲۴۷ تا ۲۵۰
③ المؤسسات الاداریة فی الدولة العباسیة لدکتور حسام الدین سامرائی: ص ۲۵۱ تا ۲۵۳
④ مآثر الانافة فی معالم الخلافة للقلقشندی: ۳/ص ۳۶۳ تا ۳۶۵
⑤ مآثر الانافة فی معالم الخلافة للقلقشندی: ۳/ص ۳۶۶، ۳۶۷؛ البدایة والنهایة: ۱۴/ ۲۲۶

یہ تو دورِ عروج کے اعداد و شمار تھے مگر دورِ زوال میں بھی بنو عباس کے خزانے کچھ کم نہ تھے۔ مکتفی اور معتضد کے خزانوں میں دو کروڑ نقد دینار، اتنی ہی مالیت کے ملبوسات اور قالین، اتنی ہی قیمت کے مویشی، ہتھیار اور غلام اور اسی قدر مالیت کی جائیدادیں اور زمینیں تھیں۔ مقتدر کا خزانہ چھ کروڑ دینار سے زائد مالیت کا تھا۔ ①

❁❁❁

عباسی دور میں فلاحی ورفاہی سرگرمیاں اور علوم وفنون

عباسی خلفاء اور اسی طرح ان کے نائبین اور اُمراء فلاح و بہبود کے کاموں کے شوقین تھے۔ شفاخانوں، مساجد، مدارس، سڑکوں وغیرہ کی تعمیرات پر خطیر آمدن صرف کرتے تھے۔ ذیل میں ان خدمات کا مختصراً جائزہ لیا جارہا ہے۔

شفاخانے:

عباسی عہد میں بغداد اور دیگر شہروں میں جا بجا شفاخانے قائم کیے گئے جنہیں ''بیمارستان'' یا مختصراً ''مارستان'' کہا جاتا تھا۔ ۳۰۴ھ میں بغداد میں پانچ بڑے سرکاری ہسپتال تھے جن کا تمام خرچ حکومت اٹھاتی تھی۔ ②

سنہ ۳۰۶ھ میں خلیفہ مقتدر نے بغداد میں مزید دو ہسپتال کھلوائے: ایک مقتدر کی والدہ کی طرف منسوب ہو کر ''مارستان سیدہ'' کہلایا جس کے ماہانہ اخراجات چھ سو دینار تھے۔ دوسرا ''مارستان مقتدری'' کہلایا جس کے ماہانہ اخراجات دو سو دینار تھے۔ ③ خلیفہ مستنصر نے جب بغداد میں جامعہ مستنصریہ نامی عظیم الشان تعلیمی ادارہ قائم کیا تو ساتھ ہی ایک ہسپتال بھی قائم کیا۔ ④ مستنصر نے ۶۲۷ھ میں مدینہ منورہ میں ایک ہسپتال بنوایا۔ اگلے برس اس نے مکہ معظمہ میں بھی ہسپتال تعمیر کرایا۔ یہ دونوں ''مارستان مستنصری'' کہلائے۔ ⑤

وزراء، امراء اور عمائد بھی شفاخانوں کی آبادی اور تعمیر میں دلچسپی لیتے تھے۔ وزیر علی بن عیسیٰ نے بغداد کے محلے ''حربیہ'' میں شفاخانہ قائم کیا اور اپنی جیب سے اس پر خرچ کیا۔ ⑥ وزیر ابوالحسن ابن فرات نے اپنے دور میں ایک ہسپتال کھولا اور اس کا خرچا اپنے ذمے لیا۔ ⑦ وزیر ابوعلی رُخجی نے واسط میں ایک شفاخانہ قائم کیا اور اس کے اخراجات کا مستقل انتظام کیا۔ ⑧ بغداد کے امیرالامراء بجکم ترکی نے ایک ہسپتال کی بنیاد رکھی جس کی تکمیل عضدالدولہ نے کی چنانچہ وہ ''مارستان عضدی'' کہلایا۔ ⑨ پانچویں صدی ہجری کے وسط میں بغداد کا ''مارستان عضدی'' ویران ہوگیا تو ایک نیک سیرت امیر شیخ ابن یوسف نے اس کا نظام سنبھال کر اسے ازسرِ نو آباد کیا، وہاں اٹھائیس اَطباء کا تقرر کیا اور

---

① مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ للقلقشندی: ۳ ص ۳۶۴، ۳۶۵ ② المنتظم: ۱۳ ص ۱۶۸
③ المنتظم: ۱۳ ص ۱۷۸
④ البدایۃ والنہایۃ: ۱۷ ص ۲۶۱
⑤ شفاء الغرام باخبار البلد الحرام، لتقی الدین الفاسی: ۱ ص ۳۳۸، ط العلمیۃ؛ خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۲ ص ۲۲۰
⑥ المنتظم: ۱۳ ص ۱۵۱ ⑦ المنتظم: ۱۳ ص ۲۲۰ ⑧ المنتظم: ۱۵ ص ۳۶۹ ⑨ المنتظم: ۱۳ ص ۱۰

اس کی آمدن کے لیے جائیدادیں وقف کیں۔ [۱] موصل کے امیر گمشت گین نے بھی بغداد میں ایک شفاخانہ کھلوایا۔ [۲]

اسی طرح عباسی خلفاء اور وزراء علمی مراکز یعنی مدارس کی تعمیر میں بھی دلچسپی لیتے رہے۔ معتضد پہلا خلیفہ تھا جس نے باقاعدہ ایک جامعہ کا تصور پیش کیا۔ اس نے شماسیہ کے قریب محل بنوانا چاہا تو اس سے متصل ایک وسیع اراضی مزید حاصل کی تاکہ وہاں ہر فن کے علمی ماہرین کے حجرے اور مکانات بنائے جائیں اور ان کے لیے خطیر سالانہ مشاہرے مقرر ہوں تاکہ ہر علم وفن کا طالب ایک ہی کوچے میں اپنی مرضی کے استاذ کو پالے اور اس سے خوب علم حاصل کرے۔ [۳]

❁❁❁

(یونٹ:2.16)

عہدِ عباسی میں علوم وفنون

مسلمانوں میں علم کی جستجو کا جو تخم رسول اللہ ﷺ کی تعلیماتِ مبارکہ نے لگایا تھا، وہ عہدِ خلفائے راشدین اور دولتِ بنواُمیہ میں پروان چڑھتا رہا اور دولتِ بنوعباس میں اس نے ایک ایسے رنگا رنگ گلستان کی شکل اختیار کرلی جس پر مسلمان ہمیشہ فخر کرسکتے ہیں۔ عہدِ عباسی علوم وفنون کا دورِ معراج تھا۔ دینی ودُنیوی علوم کی مختلف شاخوں پر جس قدر کام عہدِ عباسی میں ہوا، اس کی نظیر اس سے پہلے کہیں نظر آتی ہے نہ بعد میں۔ چونکہ بغداد علم پرور عباسیوں کا مرکز تھا، اس لیے دور دراز سے علوم وفنون کے ماہرین یہاں سمٹ آئے تھے اور طلبہ کی سب سے زیادہ گہما گہمی بھی یہیں تھی، اس ماحول نے اہلِ بغداد کا علمی ذوق اس بلندی پر پہنچادیا کہ گلی کوچوں اور بازاروں تک میں علم کی گونج تھی۔ اس زمانے کے علماء اعتراف کرتے تھے کہ اہلِ بغداد علم کی جستجو میں سب سے فائق ہیں۔ ④

عباسی دور میں علوم وفنون کی بہار کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ علم کو محفوظ رکھنے کی جس قدر سہولتیں عہدِ عباسی میں ظاہر ہوئیں، وہ اس سے پہلے تقریباً نایاب تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ اُموی تک مسلمانوں کے ہاں جو کتب مدوّن ہوئیں، ان کی تعداد بہت کم ہے۔ جبکہ دولتِ عباسیہ کی سوا پانچ صدیوں میں تحریر کردہ کتب کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ دورِ خلفائے راشدین میں زیادہ تر توجہ شرعی علوم یعنی قرآن مجید، قراءت، تجوید، تفسیر، حدیث اور فقہ پر تھی۔ عہدِ اُموی میں اس کے ساتھ ساتھ علومِ عربیت اور تاریخ، سیرت اور انساب پر بھی توجہ دی گئی جبکہ عباسی دور میں ہر قسم کے علوم وفنون کی تحصیل اور اشاعت کا ولولہ بیدار ہوا اور دنیا کے کسی بھی گوشے میں موجود کتاب مسلمانوں کی نگاہِ جستجو سے نہ بچ سکی۔ پس اس لحاظ سے اس دور میں جن علوم وفنون پر کام ہوا، ان کی فہرست بہت طویل ہوجاتی ہے۔ اہم ترین شعبے درج ذیل تھے:

① علمِ عقائد ② تفسیر اور علوم قرآنی ③ حدیث ④ اصول حدیث ⑤ جرح وتعدیل، اسماء الرجال

⑥ فقہ ⑦ اصولِ فقہ ⑧ سیرت ⑨ تاریخ ⑩ انساب ⑪ طبقات ⑫ جغرافیہ ⑬ سیاسیات

⑭ اصلاحِ نفس، تصوّف ⑮ اصلاحِ معاشرہ، دعوتِ دین ⑯ ادب ⑰ عروض ⑱ شاعری ⑲ منطق

⑳ فلسفہ ㉑ لغت ㉒ اشتقاق ㉓ صرف ㉔ نحو ㉕ فنِ ترجمہ ㉖ طب ㉗ دواسازی ㉘ حیاتیات

㉙ ہیئت ㉚ طبعیات ㉛ کیمیا ㉜ ریاضی ㉝ فلکیات ㉞ ہیئت ㉟ ہندسہ (جیومیٹری) ㊱ ایجادات

اگر ہم یہاں ان تمام شعبوں پر عباسی دور میں ہونے والے کام کا مختصر جائزہ لینا شروع کریں تب بھی کلام بہت طویل ہوجائے گا۔ اختصار کی غرض سے ہم صرف چند شعبوں پر کچھ معلومات پیش کررہے ہیں تاکہ ہماری نسلِ نو کو معلوم

---

① المنتظم: ۱۶ ص ۱۰۹؛ الکامل فی التاریخ: سنة ۳۶۰ھ ② البدایة والنہایة: ۱۶ ص ۳۲۰

③ المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار للمقریزی: ۳/ص ۱۹۹، ط العلمیة ④ تاریخ بغداد: ص ۴۷، ط العلمیة

ہو کہ علوم وفنون پر ان کے آباء واجداد کی تحقیق وتدقیق کس درجے کی تھی۔

عقائد:

عباسی دور میں اسلامی عقائد پر بہت عمدہ متون لکھے گئے۔ امام طحاوی ﵀ (م ۳۲۱ھ) کی ''متن الطحاویہ'' اسلامی عقائد پر مشتمل ایسا متن ہے جو آج بھی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔ امام ابوالحسن الاشعری ﵀ (م ۳۲۴ھ) کی کتب میں سے ''الابانۃ''، ''رسالۃ الی اہل الثغر'' اور ''مقالات الاسلامیین'' آج بھی اپنے مصنف کے علمی کمالات کی گواہ ہیں۔ امام ابومنصور ماتریدی ﵀ (م ۳۳۳ھ) نے عقائدِ باطلہ کی تردید میں عظیم الشان تصنیفی کام کیا جس میں ''کتاب التوحید''، ''الرد علی القرامِطہ'' اور ''تأویلات اہل السنۃ'' مشہور ہیں۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ ﵀ کے رسالے ''الفقہ الاکبر'' کی شرح بھی لکھی۔

ابوبکر محمد بن حسین الآجری بغدادی ﵀ (م ۳۶۰ھ) نے ''الشریعۃ'' جیسی رہنما کتاب تصنیف کی جو قرآن وسنت کے دلائل سے مزین ہے۔ امام ابوبکر ابن باقلانی ﵀ (م ۴۰۳ھ) نے ''تمہید الاوائل وتلخیص الدلائل'' میں یہود ونصاریٰ اور آتش پرستوں وغیرہ کے اسلام پر اعتراضات کے مسکت جوابات دیے ہیں۔ نیشاپور کے عالم جلیل شیخ ابواسحٰق اسفرائنی ﵀ (م ۴۱۸ھ) کی کتاب ''الجامع فی اصول الدین والرد علی الملحدین'' جو پانچ جلدوں میں ہے، فرقِ باطلہ کی تردید میں لاجواب کوشش مانی جاتی ہے۔ امام ابومنصور عبدالقاہر بغدادی ﵀ (م ۴۲۹ھ) نے ''اُصُولُ الدّین'' اور ''اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْفِرَق'' جیسی زندہ وجاوید کتب لکھیں جو اسلامی عقائد اور مختلف فرقوں کے تعارف اور ان کی تاریخ پر بہترین کاوشیں مانی جاتی ہیں۔ امام ابوبکر بیہقی ﵀ (م ۴۵۸ھ) نے ''الاعتقاد''، ''حیات الانبیاء فی قبورھم'' اور ''البعث والنشور'' جیسی تصانیف پیش کیں جن کی افادیت کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

تفسیر اور علوم قرآنی:

عباسی دور میں علومِ قرآنی پر جو کام ہوا، وہ آج تک اُمت سے خراجِ تحسین وصول کر رہا ہے۔ اسی دور میں وہ تفاسیر لکھی گئیں جن پر بعد میں علمِ تفسیر کا دارومدار رہا۔ ان میں امام ابن جریر طبری ﵀ (م ۳۱۰ھ) کی تفسیر ''جامع البیان'' سب سے مشہور ہے۔ ابن ابی حاتم رازی ﵀ (م ۳۲۷ھ) کی تفسیر بھی مشہور ہے اور بڑی معتمد سمجھی جاتی ہے۔ امام ابن فورک، امام ثعلبی، امام ماوردی اور امام بغوی ﵏ جیسے مفسرین بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں جن کی تفاسیر عموماً انہی کے ناموں سے معروف ہیں۔ علوم قرآنی میں امام فراء ﵀ (م ۲۰۷ھ) کی معانی القرآن، ابوعبیدہ بصری ﵀ (م ۲۰۹ھ) کی مجاز القرآن، امام قاسم بن سلام ﵀ (م ۲۲۴ھ) کی الناسخ والمنسوخ، ابن قتیبہ ﵀ (۲۷۶ھ) کی غریب القرآن اور ابوبکر ابن الانباری ﵀ (م ۳۲۸ھ) کی ''ایضاح الوقف والابتداء فی کتاب اللہ'' اور ''عجائب علوم القرآن'' اپنی مثال آپ ہیں۔

حدیث:

حدیث کے تقریباً تمام مشہور متون عباسی دور میں مدوّن ہوئے۔ صحاح ستہ کے مولفین کا تعلق اسی دور سے ہے۔ ان سے قبل امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق ''مسند'' بغداد میں عباسی دور ہی میں مکمل فرمائی۔ بغداد کے امام حارث تمیمی عرف ابن ابی اسامہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۸۲ھ) کی مسند الحارث، امام ابن ابی عاصم بصری رحمۃ اللہ علیہ (۲۸۷ھ) کی الآحاد والمثانی، امام بزار بصری رحمۃ اللہ علیہ (۲۹۲ھ) کی مسندِ بزار اور ابویعلیٰ موصلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۰۷ھ) کی ''مسند ابی یعلیٰ'' اسی دور میں مرتب کی گئیں۔ حدیث کی ان کتب نے تمام علمی حلقوں سے دادِ وصول کی۔

پھر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۱ھ) نے ''شرح مشکل الآثار'' جبکہ امام ابوالقاسم الطبرانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۶۰ھ) نے ''المعجم الکبیر''، ''المعجم الاوسط'' اور ''المعجم الصغیر'' جیسے قیمتی ذخائرِ حدیث پیش کیے۔ اسی دور میں ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۰۵ھ) نے ''المستدرک'' جیسا ضخیم مجموعۂ حدیث لکھا۔ امام ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۸ھ) نے ''السنن الصغریٰ''، ''السنن الکبریٰ''، ''دلائل النبوۃ''، ''شعب الایمان'' اور ''معرفۃ السنن و الآثار'' جیسے حدیثی مجموعے مرتب کیے۔

فقہ:

فقہ کو باقاعدہ علم کی شکل میں مدون کرنے والے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ) نے اپنا زیادہ کام عباسی خلیفہ منصور کے دور میں کیا۔ پھر فقہ حنفی کی افادیت کو عملاً تسلیم کرانے میں ان کے جانشین امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۲ھ) نے عباسی خلافت میں بطورِ فقیہ، مفتی اور قاضی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۹ھ) نے ''المبسوط''، ''الجامع الصغیر'' اور ''الجامع الکبیر'' جیسی متعدد شہرۂ آفاق کتابیں تصنیف کیں اور ان میں فقہ حنفی کو مکمل تشریح و تفصیل اور دلائل و براہین کے ساتھ محفوظ کر دیا۔ بعد کے حنفی فقہاء میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۱ھ) کا درجہ بہت بلند ہے جنہوں نے ''شرح معانی الآثار''، ''اختلاف الفقہاء'' اور ''المختصر فی الفقہ'' جیسی کتب تصنیف کیں۔ بغداد کے فقیہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۲۸ھ) نے مختصر القدوری مرتب کی جو فقہ کا جامع اور مختصر متن ہے اور آج تک متداول ہے۔

فقہ مالکی بھی عباسی دور میں متعارف ہوئی جس کے بانی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے منصور اور مہدی کے دور میں اپنا حدیثی و فقہی مجموعہ مؤطا مرتب کیا۔ بغداد کے مالکی فقیہ عبدالوہاب ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۲۲ھ) نے فقہ مالکی پر ''التلقین'' کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی۔ تاہم اکثر مالکی فقہاء کا کام عالمِ اسلام کے مغربی ممالک یعنی مراکش اور اندلس میں پھلا پھولا جبکہ عباسی قلمرو میں مالکی فقہ کی جگہ حنفی، شافعی اور حنبلی فقہ غالب رہی۔

فقہ شافعی کے بانی امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (۲۰۴ ھ) نے جب عراق میں تدوینِ فقہ کا پہلا مرحلہ طے کیا تو وہ عباسیوں کا دورِ عروج تھا۔ پھر انہوں نے مصر جا کر (جو عباسی خلافت کی ملحقہ ریاست تھا) اپنی فقہ پر مزید کام کیا۔

فقہ شافعی اگرچہ مصر میں زیادہ مقبول ہوئی مگر عراق اور بطور خاص بغداد میں بڑے بڑے شافعی علماء مسلسل موجود رہے۔ چنانچہ ابن محاملی بغدادی رحمہ اللہ (۴۱۵ھ) نے ایک جلد میں فقہ شافعی کا خلاصہ ''اللباب'' کے عنوان سے پیش کیا۔ جبکہ امام الماوردی رحمہ اللہ نے فقہ شافعی پر ۱۸ جلدوں میں ''الحاوی'' جیسی ضخیم کتاب لکھی۔ فقہ حنبلی کے بانی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) کی زندگی بغداد میں گزری اور ان کے تلامذہ کے باعث بغداد میں حنابلہ کا ہمیشہ زور رہا۔

اسماء الرجال:

جعلی روایتوں کی روک تھام کے لیے علم اسمائے رجال اور جرح و تعدیل کا فن ایجاد ہوا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''التاریخ الکبیر'' اور ''التاریخ الاوسط'' میں راویوں کے حالات لکھے۔ کوفہ کے امام عجلی رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ) نے ''الثقات'' امام مسلم نیشاپوری رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ) نے ''الاسماء والکنیٰ'' اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (۳۲۷ھ) نے الجرح والتعدیل کے نام سے اس موضوع پر بنیادی مواد مہیا کیا۔ ابن حبان بُستی رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) نے ''الثقات'' میں معتبر راویوں اور ''المجروحین'' میں کمزور راویوں کے حالات قلم بند کیے۔ ابن عدی رحمہ اللہ (م ۳۶۵ھ) نے ضعیف اور کذاب راویوں کے حالات پر ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' کے نام سے بڑا جامع اور ضخیم کام کیا۔ ابن شاہین بغدادی (م ۳۸۵ھ) نے ''تاریخ اسماء الثقات'' لکھی۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ (م ۳۸۵ھ) نے ''الضعفاء والمتروکون'' اور ''المؤتلف والمختلف'' جیسی عظیم الشان کتب تحریر کیں۔

سیرت:

سیرتِ نبویہ پر تصانیف کی ابتداء صحیح معنوں میں عباسی دور ہی سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ) کی المغازی، عبدالملک بن ہشام رحمہ اللہ کی سیرت ابن ہشام (م ۲۱۳ھ)، ابو الشیخ اصفہانی رحمہ اللہ (۳۶۹ھ) کی اخلاق النبی، ابن حبان بُستی (م ۳۵۴ھ) کی سیرت، عبدالملک نیشاپوری رحمہ اللہ (م ۴۰۷ھ) کی شرف المصطفیٰ، ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ (م ۴۳۰ھ) کی دلائل النبوۃ اور بہت سی دیگر بہترین کتب سیرت عباسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

تاریخ:

اسلامی تاریخ پر پہلی کتاب عباسی دور میں ہی لکھی گئی جو امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (م ۲۴۰ھ) کی تصنیف ہے اور انہی کی طرف منسوب ہو کر تاریخ خلیفہ بن خیاط کہلاتی ہے۔ اس کے بعد ہمیں مؤرخین کی ایک قطار نظر آتی ہے جن میں محمد بن حبیب رحمہ اللہ (م ۲۴۵ھ) نے المحبر، یعقوب بن سفیان رحمہ اللہ (م ۲۷۷ھ) نے المعرفۃ والتاریخ اور امام بلاذری رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) نے فتوح البلدان جیسی مفید کتب پیش کیں۔ پھر ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) نے کئی جلدوں میں تاریخ پر نہایت ضخیم کام کیا۔ ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) کی تجارب الامم وتعاقب الھمم، الصابی (م ۴۴۸ھ) کی تحفۃ الامراء فی تاریخ الوزراء اور ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) کی المنتظم بھی عباسی دور میں مرتب کی گئیں۔ اسلامی شخصیات پر بھی کام ہوا۔ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ (م ۴۳۰ھ) نے ''حلیۃ

الاولیاء'' میں دورِ صحابہ سے چوتھی صدی ہجری تک کے بزرگوں اور صوفیاء کے حالات جمع کیے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۳۹۲ھ۔ ۴۶۳ھ) نے ''تاریخ بغداد'' مرتب کی جس میں بغداد کے محدثین، فقہاء اور دیگر مشاہیر کے حالات سند کے ساتھ روایات کی شکل میں جمع کیے گئے ہیں۔ ①

فنِ ترجمہ:

منصور کے دور میں بغداد علوم وفنون کا ایسا مرکز بنا جہاں ہر شعبے کے استاد جمع تھے۔ ان میں غیر ملکی زبانوں کے ماہرین بھی تھے۔ حکومت ان سب کی سرپرستی کرتی تھی۔ اس دور میں دیگر اقوام کی بعض مشہور کتب کے عربی میں تراجم ہوئے مثلاً حکیم ابن المقَفَّع نے فارسی قصوں کی مشہور کتاب ''کَلیلة ودِمنة'' کو عربی میں ڈھالا۔

اسی طرح ہندوستان کی تاریخ پر ایک کتاب کا ترجمہ ''کتاب السند والهند'' کے نام سے کیا گیا۔ ریاضی میں اقلیدس کی مشہور تصنیف کا ترجمہ ہوا۔ اس دور کے مشہور طبیب حنین بن اسحٰق نے بقراط اور جالینوس کی بعض طبی کتب کو عربی کا جامہ پہنایا۔ ②

ہارون الرشید کے دور میں بغداد میں ''بیت الحکمة'' کے نام سے باقاعدہ ایک عظیم الشان تحقیقی ادارہ قائم کیا گیا تھا جس میں ہر نوع کی کتب جمع کی جاتی تھیں اور ساتھ ساتھ مختلف کتب کے تراجم بھی کیے جاتے تھے۔ ③

مامون الرشید نے اس سلسلے کو کمال تک پہنچا دیا، بیت الحکمہ میں ہر فن کی کتب کے الگ الگ شعبے قائم کیے اور ہر قوم کی کتب منگوا کر ان کے تراجم کرانا شروع کیے۔ مترجمین کی ماہانہ تنخواہ پانچ سو دینار (تقریباً ڈیڑھ لاکھ ڈالر) تھی۔ ④ مترجمین میں سب سے نامور یعقوب بن اسحٰق کندی (م ۲۶۰ھ) تھا جس نے مختلف زبانوں کے عقلی علوم کو بڑی خوش اسلوبی سے عربی زبان کا جامہ پہنایا۔ اس کا کمال یہ تھا کہ اس نے لفظی ترجمہ نہیں کیا بلکہ فن میں مجتہدانہ بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کتب کی تسہیل بھی ساتھ ساتھ کر دی اور مشکل عبارات کو عام فہم بنا دیا۔ ⑤

مامون کے دور میں قسطا بن لوقا ایک نصرانی فلسفی عالم اسلام سے روم گیا اور بہت سی کتب تلاش کر کے لایا۔ مامون نے اسے بھی بیت الحکمة میں ترجمے کا کام سونپ دیا۔ ⑥

---

① عقائد سے لے کر تاریخ تک ان علوم کی جن کتب اور مصنفین کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے لیے یہ تصانیف بذاتِ خود کافی حوالہ ہیں اور تصدیق و توثیق کے لیے کسی کتب خانے میں جا کر ان پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے، لہٰذا ان مقامات پر حواشی میں حوالہ جاتی کتب کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

② التاريخ الاسلامي العام لعلي ابراهيم حسن، ص ۳۵۵؛ البداية والنهاية: ۱۳ ص ۲۸۳

③ المكتبة الاسلامية، حماد علي جمعه: ص ۳۸، طسلسلة التراث العربي

④ عيون الانباء في طبقات الاطباء لابن ابي اصيبعه، ص ۲۶۰

⑤ اخبار العلماء باخبار الحكماء، ص ۲۷۳ تا ۲۸۰؛ عيون الانباء في طبقات الاطباء، ص ۲۸۵ تا ۲۸۹

⑥ اخبار العلماء باخبار الحكماء، ص ۱۹۹

دربارِ خلافت سے وابستہ نوجوان نصرانی طبیب حُنَین بن اسحٰق (۲۶۰ھ) بھی یورپ گیا اور حتی الامکان دوڑ دھوپ کر کے یونانیوں سے فلسفے اور حکمت کی بہت سی کتب حاصل کر لایا۔ اس خدمت پر عباسی دربار میں اس کی بڑی عزت افزائی ہوئی اور اسے بھی کتبِ حکماء کے ترجمے پر مامور کر دیا گیا۔ ①

حنین نے قدیم یونانی حکیم جالینوس کے لگ بھگ چالیس رسائل کا ترجمہ کیا۔ ② مامون اسے ہر رسالے کے ہم وزن سونا انعام دیتا رہا۔ ③ اس کے فرزند اسحاق بن حنین (م۲۹۹ھ) نے بھی بکثرت یونانی کتب کے تراجم کیے۔ ④ عباسی دور کے نامور طبیب بَخْتَیْشُوع کی نگرانی میں مختلف قابل حکماء کتبِ یونان کے ترجمے کرتے تھے۔ ⑤

علامہ شبلی نعمانی مرحوم لکھتے ہیں:

''یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان، اٹلی، سسلی واسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعے سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے علمی دنیا میں دولتِ عباسیہ کی شہرت کی بازگشت آج تک آرہی ہے۔'' ⑥

سائنسی علوم:

عباسی دور میں مسلمانوں نے سائنس پر بھرپور توجہ دی اور اس کی ہر نوع پر کام کیا۔ بنوعباس کے دور میں سائنسی علوم کا سب سے نامور دانشور یعقوب بن اسحٰق تھا جسے ''فیلسوفِ عرب'' کہا جاتا ہے۔ اس نے طب، ریاضی اور جغرافیہ سمیت متعدد علوم وفنون پر دو سو سے زائد کتب تصنیف کیں۔ ⑦

طب:

دولتِ عباسیہ کے آغاز میں زیادہ تر بڑے طبیب یہودی، نصرانی یا مجوسی تھے۔ تاہم مسلمان دانشور بھی علمِ طب کی طرف پورے اہتمام سے متوجہ ہوئے اور جلد ہی اس فن میں دُنیا کی امامت کرنے لگے۔ بغداد ایسے اَطِبّاء کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ محمد بن زکریا الرازی (م۳۱۱ھ) خلیفہ مکتفی عباسی کے دور میں بغداد کے سرکاری شفاخانے کے نگران تھے جنہوں نے فنِ طب پر بے مثال کتب تصنیف کیں جن میں ''الحاوی''، ''الجامع''، ''کتاب الاعصاب'' اور ''المنصوری'' قابلِ ذکر ہیں۔ ⑧

---

① عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ، ص ۲۶۰؛ اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۳۰

② عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ، ص ۱۰۳ تا ۱۳۴، ۱۰۵

③ عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ، ص ۲۶۰؛ طبقات الاطباء، ص ۱۲۵، باب حنین بن اسحاق، قلمی نسخہ

④ وفیات الاعیان: ۱ ص ۲۰۵

⑤ عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ، ص ۲۰۱ ⑥ المامون از شبلی نعمانی، ص ۱۲۵

⑦ اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۲۷۳ تا ۲۸۰؛ عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۲۸۵ تا ۲۸۹

⑧ وفیات الاعیان: ۲ ص ۱۵۷ تا ۱۵۹

الحاوی میں طب وجراحت کی تمام اہم ابحاث کو سمو دیا گیا ہے۔اس میں سکتہ، فالج، عصبی امراض، لقوہ، مرگی اور ہسٹریا جیسے پیچیدہ امراض پر مفصل بحث ہے۔اس نے چیچک اور خسرہ کے علاج پر بھی رسائل لکھے جو یورپ میں سنہ ۱۰۷۸ء سے ۱۸۶۶ء کے درمیان انگریزی زبان میں چالیس بار شایع ہوئے۔ ①

خلیفہ معتمد عباسی کے دور میں عیسیٰ بن علی کی حذاقت شہرہ آفاق تھی۔اس نے زہروں کے خواص پر "کتاب السموم" لکھی۔نیز حیوانات کے اعضاء کے خواص کے متعلق "کتاب المنافع" تصنیف کی۔ ②

حکیم عبدوس (م ۲۸۹ھ) نے "التذکرۃ فی الطب" جیسی مایہ ناز کتاب تصنیف کی۔اس کے پوتے صاعد بن بشر بن عبدوس نے لقوہ اور فالج کے لیے ایک نیا طریقِ علاج دریافت کیا جو بے حد کامیاب ثابت ہوا۔

سعید بن یعقوب دمشقی نے جو چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں دولتِ عباسیہ کی جانب سے بغداد، مکہ اور مدینہ کے سرکاری شفاخانوں کا مہتمم تھا، ایک مقالے میں نبض کی اقسام کو تفصیل سے پیش کر کے حکماء سے داد پائی۔ ③

حکیم بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) نے علمِ طب میں "القانون فی الطب" اور "الشفا" لکھ کر فنِ طب کو نہایت آسان کر دیا۔القانون فی الطب چھ صدیوں تک یورپ کی طبی جامعات میں پڑھائی جاتی رہی۔ ④

عباسی دور میں بعض نامور طبیب جو نصرانی تھے، مشرف بہ اسلام ہوئے جیسا کہ ابن جزلہ (م ۴۹۳ھ) جس نے خلیفہ مقتدی عباسی کے حکم سے مختلف علوم وفنون میں کتابیں تصنیف کیں۔ "منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان" اس کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ ⑤

یہ اطباء مرض کی تشخیص اور علاج میں جدید طریقے استعمال کرتے تھے۔طبیب نبض پر ہاتھ رکھتا تھا، قارورے کا معاینہ کرتا تھا، آنکھوں کی حالت، جلد کی رنگت اور سانس کی کیفیت کو بھی جانچتا تھا۔"کیس ہسٹری" کو دیکھتے ہوئے مریض کی گزشتہ علتوں اور مسائل کے ساتھ اس کے علاقے کی آب وہوا پر بھی غور کرتا تھا۔حفظانِ صحت کے اصول اپنانے کا مشورہ دیتا تھا۔ان وجوہ سے عباسی دور کے طبیب تشخیص، ملتے جلتے لگنے والے امراض کی نوعیت کے درمیان فرق اور صحیح طریقِ علاج کے حوالے سے مشہور تھے۔ ⑥

ریاضی:

مامون کی فرمائش پر مشہور مسلم حکیم محمد بن موسیٰ الخوارزمی (م ۲۳۲ھ) نے فنِ ریاضی پر "الجبر والمقابلہ" جیسی بے مثل کتاب تصنیف کی جس میں الجبرا کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں۔اسی لیے الخوارزمی کو "الجبرا" کا موجد کہا

---

① اثر العلماء المسلمین فی الحضارۃ الاوروبیہ: ص ۱۳۸

② عیون الانباء فی طبقات الاطباء: ۱ ص ۴۷۷ ③ عیون الانباء فی طبقات الاطباء: ۱ ص ۳۱۳ تا ۳۱۶

④ اثر العلماء المسلمین فی الحضارۃ الاوروبیہ: ص ۱۳۳ ⑤ وفیات الاعیان: ۶ ص ۲۶۷

⑥ اثر العلماء المسلمین فی الحضارۃ الاوروبیہ، احمد علی ملا: ص ۱۳۳، ط دار الفکر دمشق، بحوالہ فضل الحضارۃ الاسلامیہ علی العالم للاستاذ زکریا ہاشم زکریا: ص ۳۰۶

جاتا ہے۔ الخوارزمی نے علم فلکیات پر بھی کام کیا اور فلاسفہ یونان کی قدیم جنتریوں کو سامنے رکھ کر ایک بہترین جنتری ترتیب دی جس کی صحت اور معیارِ تحقیق نے سابقہ تمام جنتریوں کو بے حیثیت کر دیا۔ ①

ہندسہ (جیومٹری)

اس دور میں علمِ ہندسہ (جیومیٹری) نے بھی ترقی کی۔ عباسی دور میں موسیٰ بن شاکر (م ۲۰۰ھ) اس فن کا ماہر تھا۔ وہ نوجوانی میں ایک ڈاکو تھا۔ بعد میں توبہ تائب ہو کر مامون الرشید کا ملازم بن گیا اور فنِ ہندسہ میں کمال حاصل کیا۔ وہ علمِ فلکیات کا بھی ماہر تھا اور اس فن پر اس نے "کتاب الدرجات فی طبائع الکواکب السبعة" تصنیف کی۔ اسی نسبت سے وہ "منجم" کہلاتا تھا۔ موسیٰ کے بیٹے محمد، احمد اور حسن جو "بنوموسیٰ" کہلاتے تھے، بھی فنِ ہندسہ کے ماہر تھے۔ بنوموسیٰ نے مامون کے حکم سے کرۂ زمین کو ناپا اور قدیم یونانی حکماء کے اس قول کی عملی تصدیق کی کہ کرۂ زمین کی پیمائش ۲۴ ہزار میل ہے۔ محمد بن موسیٰ (م ۲۵۹ھ) کی کتاب "رسم المعمور من البلاد" بہت مشہور ہوئی۔ ②

کیمیا:

بنوعباس کے دور کا مشہور کیمیا دان جابر بن حیان (م ۲۰۰ھ) تھا۔ وہ کوفہ کا رہنے والا تھا اور جعفر برمکی کا مقرب تھا۔ اس نے دنیا کو ایسے کیمیائی مرکبات سے واقف کرایا جنہیں پہلے کوئی نہ جانتا تھا۔ اسرار الکیمیاء، اصول الکیمیاء، علم الہیئة، السموم، الخمائر اور صندوق الحکمة اس کی مشہور کتابیں ہیں جن سے مغربی دنیا نے بعد میں بڑا فائدہ اٹھایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے فنِ کیمیا اور دیگر سائنسی علوم پر پانچ سو کے لگ بھگ کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر محفوظ نہ رہ سکیں۔ ③

عباسی دور کے مایہ ناز حکیم محمد بن زکریا الرازی (م ۳۱۱ھ) کو طب کے ساتھ علمِ کیمیا میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ الرازی نے فنِ کیمیا پر بڑا بلند پایہ کام کیا۔ اس نے کیمیائی عناصر کو چار درج ذیل بنیادی انواع میں تقسیم کیا:

❶ معدنی مواد ❷ نباتاتی مواد ❸ حیوانی مواد ❹ مذکورہ اقسام سے حاصل کردہ مواد

اس کے بعد اس نے عناصر کو مزید تقسیم کیا۔ پھر ان کے خواص پر بحث کی اور خواص کی چھ اقسام بیان کیں۔ یہ تمام تر تحقیق مشاہدے اور سالہا سال کے تجربات پر مشتمل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ کیمیا پر تحقیق کرنے والوں کا کہنا ہے:

"مشرق و مغرب میں جدید علم کا بانی محمد بن زکریا الرازی ہے۔" ④

فلکیات، ہیئت:

مامون کے دور میں شماسیہ کے مقام پر اسلامی تاریخ کی پہلی رصدگاہ (خلائی تحقیق کا ادارہ) قائم کی گئی جس میں نہایت بیش قیمت اور نادرِ روزگار آلات رصد نصب کیے گئے۔ یحییٰ بن ابی المنصور، خالد بن عبدالملک اور عباس بن

---

① اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۲۱۶، ۲۰۵؛ الاعلام: ۷ص ۱۱۲

② وفیات الاعیان: ۱۶۲/۵، ۱۶۳، ط دار صادر؛ الاعلام: ۷ص ۱۱۷، ۳۲۳

③ الاعلام للزرکلی: ۲ص ۱۰۳، ۱۰۴ ④ اثر العلماء المسلمین فی الحضارة الاوروبیة: ص ۱۳۰

سفید کو یہ خدمات تفویض ہوئیں۔اس رصد گاہ کے ذریعے ستاروں اور سیاروں کے حالات نوٹ کیے جاتے رہے اور کئی نئی تحقیقات سامنے آئیں۔مختلف قسم کی جنتریاں،تقویمات اور کلینڈر سامنے آئے۔ ①

ایجادات:

ہارون الرشید کے زمانے میں دنیا کاغذ سازی کی صنعت سے متعارف ہوئی۔اگرچہ چینی ۱۰۵ قبل از مسیح میں کاغذ ایجاد کر چکے تھے مگر یہ فن دنیا کی نگاہ سے پوشیدہ تھا۔اس فن کے کچھ ہنر مند ترکستان کے شہر سمرقند میں موجود تھے۔ مسلمانوں نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں جب سمرقند فتح کیا تو ان ہنرمندوں سے یہ فن سیکھ لیا جس میں کپاس اور دیگر چھال دار پودوں سے ایک خمیر نکالا جاتا ہے۔پھر اس خمیر کو خشک کر کے باریک پارچے تیار کیے جاتے ہیں۔ ۹۳ھ سے ۱۷۹ھ تک مسلمان اس فن کو ترقی دیتے رہے یہاں تک کہ ۱۷۹ھ (۷۹۴ء) میں ہارون الرشید کے وزیر فضل بن یحییٰ نے بغداد میں کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ قائم کیا۔اس طرح لکھنا اور علوم کو محفوظ کرنا بہت آسان ہو گیا اور عالم اسلام ایک علمی انقلاب سے آشنا ہوا۔ ②

باقی دنیا نے کاغذ سازی مسلمانوں ہی سے سیکھی۔بغداد میں کاغذ کا کارخانہ لگنے کے چند برسوں بعد پوری اسلامی دنیا میں کاغذ عام ہو گیا۔ ۱۸۴ھ (۸۰۰ء) میں مصر بھی کاغذ سازی کا مرکز بن گیا۔یہ مراکز نہ صرف باقی عالم اسلام بلکہ یورپی ممالک کو بھی کاغذ برآمد کرتے تھے۔ ۳۳۸ھ سے قبل اندلس میں کاغذ درآمد کیا جاتا تھا۔

۳۳۸ھ (۹۵۰ء) میں اندلس نے خود کاغذ سازی شروع کر دی۔آہستہ آہستہ باقی یورپ بھی اس سے استفادہ کرنے لگا۔ ۴۹۳ھ (۱۱۰۰ء) میں کاغذ سازی قُسطَنطِینِیَہ پہنچی۔اس کے دو سال بعد صِقِلِّیَہ میں بھی یہ صنعت لگ گئی (اس وقت صِقِلِّیَہ سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہو چکی تھی)۔ ۵۴۹ھ (۱۱۵۴ء) میں یعنی پہلی صلیبی جنگ کے ساٹھ سال بعد درمیان یہ فن اٹلی نے سیکھا۔ ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) میں جرمنی اور ۷۰۸ء (۱۳۰۹ء) میں برطانیہ میں کاغذ سازی کا آغاز ہوا۔ ③

❁❁❁

عباسیوں کے سیاسی مراکز

عباسی خلفاء نے کئی عظیم الشان اور نہایت خوبصورت شہر بسائے جن میں سے "بغداد" صدیوں تک عالم اسلام کا سیاسی مرکز رہا۔اس کے علاوہ "سامرا" اور "جعفریہ" کو کچھ زمانے کے لیے عباسیوں کا دارالخلافہ بننے کا اعزاز بھی ملا۔ اگلی سطور میں ان تینوں شہروں کے بارے میں دلچسپ و مفید معلومات فراہم کی جارہی ہیں۔

① کشف الظنون از حاجی خلیفہ،۱/۹۰۵، ۹۰۶،ط دار الکتب العلمیہ؛ اثر العلماء المسلمین فی الحضارۃ الاوروبیہ: ص ۱۶۱

② قصۃ الحضارۃ،ولیم جیمس ڈیورانٹ،تعریب: دکتور زکی نجیب: ۱۳/۱۶۹، ۱۷۰،ط دار الجیل

③ قصۃ الحضارۃ: ۱۳/۱۷۰

بغداد

عباسیوں کا دارالخلافہ بغداد اپنے دورِ عروج میں کسی شاعر کے خواب سے بھی زیادہ حسین تھا۔ اس شہر کے بارے میں اُس دور کا ایک مورخ اپنا مشاہدہ یوں بیان کرتا ہے:

''اہلِ بغداد شائستہ اخلاق، وضع دار اور بامروّت ہیں۔ یہاں پانی شیریں اور بکثرت ہے۔ ہر نوع کے پھل وافر ہیں۔ ہر فن کے ماہرین یہاں جمع ہیں اور ہر ضرورت یہاں پوری ہوجاتی ہے۔ لوگ بالعموم بدعات سے محفوظ ہیں۔ علماء، طلبہ، فقہاء، مناظرین، ماہرینِ ریاضی، ماہرینِ نحو، بلند پایہ شعراء، مؤرخین، ماہرینِ انساب اور فنون ادب کے شناوروں نے اسے قابلِ رشک بنادیا ہے۔ ہر عجیب اور نادر شے یہاں پہنچ جاتی ہے۔ مختلف موسموں کے پھل اور میوے یہاں کے بازاروں میں بیک وقت دکھائی دیتے ہیں۔ اگر یہاں کسی کو گھر تنگ لگتا تو اسے فوراً متبادل مکان میسر آجاتا ہے۔ اگر کسی کو شہر کی کوئی اور شارع، کوئی اور محلہ یا کوئی اور گلی رہائش یا تجارت کے لیے زیادہ موزوں لگتی ہے تو شہر کے کسی بھی کونے سے وہاں منتقل ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کسی دشمن سے چھپنا چاہے تو بغداد میں رُوپوش ہونا آسان ہے۔ یہاں کوئی واقف یا ناواقف اسے پناہ دے دیتا ہے۔ یہاں چپے چپے پر نامور تاجر بیٹھے ہیں اور جا بجا شاہی اعیان اور عالی نسب امراء کی کوٹھیاں ہیں جن کے دروازے مساکین اور مفلسوں کے لیے کھلے رہتے ہیں۔'' ①

جاحظ کا کہنا ہے:

''میں نے شام اور رُوم کے بڑے بڑے شہر دیکھے مگر کوئی ایسا شہر نہیں دیکھا جو عمارتوں کی بلندی، مدوّر نقشے کی خوبصورتی، پھاٹکوں کی کشادگی اور آب وہوا کی بہتری میں بغداد سے بڑھ کر ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شہر کسی سانچے میں ڈھال کر بنایا گیا ہے۔'' ②

خطیب بغدادی نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ منصور عباسی نے اس شہر کی بنیاد ۱۴۵ھ میں رکھی۔ تعمیر سے قبل منصور نے ماہرینِ تعمیر، نقشہ سازوں اور ریاضی دانوں کو بلوا کر مشورہ کیا اور بتایا کہ وہ کیسا شہر تعمیر کرانا چاہتا ہے۔ عام طور پر شہروں کا نقشہ مربع ہوتا تھا مگر منصور نے نقشہ گولائی میں بنوایا اور قصرِ خلافت کو وسطِ شہر میں رکھا تا کہ خلیفہ کا فاصلہ سب کے ساتھ یکساں رہے۔ شہر کے گرد تین فصیلیں بنائی گئیں: ❶ خارجی فصیل ❷ درمیانی فصیل ❸ اندرونی فصیل

ہر دو فصیلوں کے درمیان ایک سو پچاس فٹ چوڑا میدان تھا جس میں ایک سڑک (سرکلر روڈ) تھی جو شہر کے گرد گھومتی تھی۔ اس علاقے میں کسی کو رہائش کی اجازت نہ تھی۔ ہر فصیل پر شاندار برج اور مدوّر جھروکے تھے جن کی بلندی الگ الگ تھی۔ نچلے جھروکوں اور برجوں پر پہرے دار اور سپاہی ہوتے تھے۔ بلند برج اور جھروکے امراء کے

① تاریخ بغداد: ۱ ص ۷۳ ② مناقب بغداد لابن الجوزی: ص ۳۱

لیے تھے اور وہاں سواری سمیت پہنچا جاسکتا تھا۔ شہر کے چار پھاٹک تھے جن سے ایک ایک بڑی سڑک سیدھی قصرِ خلافت تک آتی تھی۔ قصرِ خلافت ایک وسیع احاطے میں تھا جس میں شہزادوں کی کوٹھیاں اور خدام اور غلاموں کے مکانات بھی تھے۔ اسی احاطے میں اہم سرکاری عمارتیں تھیں مثلاً: بیت المال، اسلحہ خانہ، ڈاک خانہ، دفترِ محصولات، دفترِ محکمۂ رفاع، دفترِ حاجت منداں، دفترِ خدام، لنگر خانہ، دفترِ اخراجات وغیرہ۔

شہر کی سڑکیں ۵۷ فٹ اور گلیاں ۲۴ فٹ چوڑی تھیں۔ ۱۵۷ھ میں منصور نے بہت سی عمارتیں منہدم کرا کے گلیوں کو ۶۰ فٹ چوڑا کرادیا۔ راستوں کی صفائی کے لیے خاکروب متعین تھے۔ کچرا شہر سے دور پھینک دیا جاتا تھا۔ ①

قیصرِ رُوم بغداد سے متاثر:

قیصرِ روم نے بغداد کے حسن کا چرچا سن کر مصوروں سے اس کے نقشے اور اس کی عمارتوں اور شاہراہوں کی بڑی بڑی تصاویر بنوا کر رکھی تھیں۔ ان میں اسے مشرقی بغداد کی تصاویر زیادہ پسند تھیں جنہیں وہ شراب پیتے وقت سامنے آویزاں کرلیتا تھا اور کہتا تھا: ''دنیا میں اس سے زیادہ خوبصورت عمارتیں کہیں نہیں۔'' ②

قصرِ خلافت:

بغداد کی ابتدائی تعمیر کے وقت منصور نے جو قصرِ خلافت تعمیر کرایا تھا، اسے ''قصر الذہب'' کہا جاتا تھا۔ یہ چھ سو فٹ لمبا اور چھ سو فٹ چوڑا تھا۔ قصرِ خلافت کے احاطے میں داخل ہوتے وقت کسی کو سوار ہونے کی اجازت نہ تھی۔ فقط اہم شخصیات یا معذور افراد کو اس پابندی سے مستثنیٰ رکھا جاتا تھا۔ منصور نے شاہی محل میں ایک خفیہ سرنگ بھی بنوائی تھی جس کا علم اس کے قریبی دوستوں کو بھی نہ تھا۔ یہ سرنگ بغداد سے چھ میل دور جا کر نکلتی تھی۔ اگر کبھی بغداد کسی دشمن کے محاصرے میں آکر سرنگوں ہونے لگے تو خلیفہ اس کے ذریعے کسی محفوظ مقام تک پہنچ سکتا تھا۔

قصرِ الذہب کے وسط میں ایوانِ خلافت تھا جس کی لمبائی پینتالیس فٹ اور چوڑائی تیس فٹ تھی اور اس کی چھت تیس فٹ بلند تھی جس پر ایک سو بیس فٹ اونچا ایک شاندار گنبد تھا جسے ''قبة الخضراء'' کہا جاتا تھا جو بغداد کے ہر کونے سے دکھائی دیتا تھا۔ قبة الخضراء کو تاجِ بغداد بھی کہا جاتا تھا۔ ③

۱۵۶ھ میں منصور نے اپنی رہائش کے لیے مشرقی بغداد کو پسند کرلیا اور وہاں ایک نئے محل کی تعمیر شروع کرائی جو ۱۵۸ھ میں مکمل ہوئی۔ منصور نے اسے جنت کی مناسبت سے ''قصرِ خُلد'' کا نام دیا۔ ④

منصور کے جانشین مہدی نے مشرقی بغداد میں اپنی رہائش کے لیے ایک نیا محل ''قصر السلامہ'' بنوایا۔ مہدی کے بعد ہادی، ہارون الرشید اور مامون بھی یہیں رہے۔ جب معتصم خلیفہ بن کر بغداد آیا تو کچھ مدت وہ مامون الرشید کے محل

---

① تاریخ بغداد: ۱ص ۸۳ تا ۹۲، ۹۶، ۹۷، ۹۹؛ البلدان للیعقوبی: ۱ تا ۲۷، ۳۱

② تاریخ بغداد: ۱ص ۱۱۱

③ تاریخ بغداد: ۱ص ۹۰، ۹۳، ۹۷، ۱۲۲؛ تاریخ الطبری: ۷ص ۲۵۲ ④ تاریخ بغداد: ۱ص ۹۳

میں قیام پذیر رہا۔ پھر اس نے مشرقی بغداد میں ایک الگ محل تعمیر کرالیا۔ ①

کرخ:

بغداد ابتداءً دجلہ کے مغربی کنارے پر بسایا گیا تھا۔ بعد میں دریا کے مشرق میں ''رُصافہ'' تعمیر کیا گیا۔ ۱۵۷ھ میں دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر قدیم شہر کے جنوب میں محلہ ''کرخ'' کی تعمیر ہوئی۔ یہ صنعتی وتجارتی علاقہ تھا جس میں گودام، کارخانے، دکانیں اور ان سے متعلقہ لوگوں کی آبادی تھی۔ منصور نے اس آبادی کو شاہی محلے سے الگ رکھنے کے لیے وہاں ایک مستقل جامع مسجد تعمیر کرائی۔ کرخ کے بازار اور دکانیں سرکاری خرچ پر تعمیر کی گئی تھیں۔ پورا نقشہ منصور نے خود بنوایا تھا اور کہا تھا: ''قصائیوں کی دکانیں بازار کے بالکل پچھلے حصے میں رکھی جائیں کیوں کہ یہ جاہل لوگ ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں تیز دھار آلات رہتے ہیں۔'' ②

کرخ کا بازار ایک طویل گلی پر مشتمل تھا جس کے دونوں طرف دکانوں کا سلسلہ چھ میل تک چلا گیا تھا۔ بازار کے پیچھے مخلوط آبادی رہتی تھی مگر ہر پیشے اور علاقے کے لوگوں کے الگ الگ محلے تھے۔ اسی طرح بازار میں بھی ہر قسم کے پیشہ وروں اور تاجروں کا اپنا اپنا علاقہ تھا اور کوئی کسی کے کام میں دخل نہیں دیتا تھا۔ ③

وسعت اور آبادی:

بغداد وسعت اور آبادی میں ایک ملک کی مانند تھا۔ اس کے دس محلّے تھے جن میں سے ہر محلہ شام کے شہروں میں سے کسی شہر کے برابر تھا۔ ④

بغداد کے اضلاع کا مجموعی رقبہ اکیس ہزار آٹھ سو چھتر ایکڑ تھا۔ اس میں سے آٹھ ہزار تین سو چھتر ایکڑ رقبہ مشرقی بغداد کا تھا۔ جبکہ مغربی بغداد (قدیم شہر اور کرخ) کا مجموعی رقبہ ساڑھے تیرہ ہزار ایکڑ تھا۔ شہری وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں مختلف ادوار میں حمامات پانچ ہزار سے دس ہزار تک زائد شمار کیے گئے۔ مختلف زمانوں میں یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ مساجد کی تعداد حمامات سے بھی زیادہ تھی۔ ⑤

خلفاء کی شان وشوکت:

خلفاء کی شان وشوکت حدِ بیان سے باہر تھی۔ دورِ زوال میں اگرچہ خلفاء کا سیاسی وعسکری زور گھٹ گیا تھا مگر ان کی شان وشوکت کا حال اس وقت بھی حیرت انگیز تھا۔ مقتدر عباسی دورِ زوال کا ایک کمزور خلیفہ تھا جس کا سارا زمانہ ہنگامے، شورشوں اور سازشوں کی نذر رہا مگر اس کے باوجود شاہانہ تکلفات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے محل میں چار ہزار رومی اور تین ہزار حبشی خواجہ سرا تھے۔ ان کے علاوہ چار ہزار سیاہ فام غلام الگ تھے۔ یوں خدام کی تعداد گیارہ

---

① تاریخ الطبری: ۸ص ۱۵۰، ۱۶۲؛ تاریخ بغداد: ۱ص ۱۱۳؛ البلدان: ص ۴۹، ۵۰، ۵۵

② تاریخ بغداد: ۱ص ۱۰۰ ③ البلدان للیعقوبی: ص ۳۶، ۳۷

④ مناقب بغداد: ص ۲۵ ⑤ تاریخ بغداد: ۱ص ۱۳۰ تا ۱۳۲

ہزار تک تھی۔ ان غلاموں کے نگرانوں کی تعداد سات سو تھی۔ ان کے علاوہ محافظ مسلح غلاموں کی فوج الگ تھی۔ ①

باغات:

عباسیوں نے جتنے بھی شہر تعمیر کرائے، انہیں گلستانوں اور باغات سے رشکِ بہار بنا دیا۔ بغداد اس حوالے سے بھی دولتِ عباسیہ کے تمام شہروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ مشرقی بغداد کا قدیم شاہی باغ ''الزاہر'' تھا جو دو سو جریب (تقریباً ایک سو ایکڑ) پر پھیلا ہوا تھا۔ یہ کھجور کے درختوں اور رنگارنگ پھولوں کے باعث مشہور تھا۔ ② نہرِ موسیٰ اس باغ کو سیراب کرتی ہوئی دریائے دجلہ میں جا گرتی تھی۔ ③ بغداد کا ایک مشہور پُل خوبصورت باغات سے اتصال کے باعث قَنطَرۃُ البُستان کہلاتا تھا۔ ④ بغداد کے قصرِ تاج کے بالمقابل ایک بہت بڑا باغ تھا جسے ''رِقّہ'' کہا جاتا تھا اور بہت سے علماء اسی کی طرف منسوب ہو کر ''رِقّی'' کہلاتے تھے۔ ⑤

نہریں:

بغداد کو بہت سی چھوٹی بڑی نہریں سیراب کرتی تھیں۔ ان پر جگہ جگہ پُل بنے ہوئے تھے اور جگہ جگہ ان کا پانی حوضوں اور تالابوں میں گرتا تھا۔ نہریں پختہ اینٹوں سے بنائی گئی تھیں اور انہیں چونے کا پلاستر کیا گیا تھا۔ حسبِ ضرورت یہ نہریں بعض مقامات پر کھلی ہوئی اور بعض مقامات پر زمین دوز تھیں۔ ان کا پانی سردی یا گرمی میں کبھی بند نہیں ہوتا تھا۔ ⑥

بازار:

بغداد کے بازار دنیا بھر میں مشہور تھے اور ان میں انتہائی رش ہوتا تھا۔ ⑦ یحییٰ برمکی کی طرف منسوب ''سوق یحییٰ'' مشہور بازار تھا جو امراء کے محلات اور تفریح گاہوں سے متصل تھا جس میں نان بائی، چکی والے اور حلوائی بیٹھا کرتے تھے۔ ''سوق الریاحین'' میں برتنوں اور عمدہ ملبوسات کی دُکانیں تھیں۔ ''سوق الماکول'' میں قصابوں کی دکانیں تھیں۔ ''سوق الورّاق'' میں کاغذ، کتابیں اور لکھنے پڑھنے سے متعلق اشیاء فروخت ہوتی تھیں، اس لیے یہاں علماء وطلبہ کا رش لگا رہتا تھا۔ بازار اس طرح بنائے گئے تھے کہ ایک طبقے سے دوسرے کو اذیت نہ ہو۔ کرخ کے بازار ''دربِ زعفران'' میں عطر فروشوں اور بزازوں کی دُکانیں تھیں۔ یہاں آس پاس بدبودار اشیاء کی فروخت منع تھی۔ مشرقی بغداد میں معسکر (کینٹ ایریا) کا الگ بازار تھا جسے ''رُصافہ'' کہا جاتا تھا۔ عموماً امراء، قاضی اور بڑے لوگ یہاں سے

---

① تاریخ بغداد: ۱ ص ۱۱۵ تا ۱۲۰

② مناقب بغداد: ص ۲۶، ۲۷

③ تاریخ بغداد: ۱ ص ۱۲۸

④ معجم البلدان: ۵ ص ۳۲۲

⑤ معجم البلدان: ۳ ص ۶۰...

ملحوظہ: یہاں رقہ شہر مراد نہیں جو دریائے فرات کے کنارے شام میں ہے، اس کی طرف نسبت سے بھی بہت سے علماء ''رقی'' کہلاتے ہیں۔

⑥ تاریخ بغداد: ۱ ص ۹۷، ۹۸، ۱۱۳، ۱۲۷

⑦ تاریخ بغداد: ۱ ص ۹۱

خریداری کرتے تھے۔ ① پھلوں اور سبزیوں کے بازار کو "ذرب البطیخ" کہا جاتا تھا۔ ہاتھی دانت کے سامان کا بازار "ذرب العاج" کہلاتا تھا۔ ② اسلحے کا ایک الگ بازار تھا جسے "سوق السلاح" کہا جاتا تھا جو شہر کے مشرقی حصے میں تھا۔ ③ ایک بازار "سوق العطش" تھا جس میں ہر قسم کی دکانیں تھیں۔ ④ بغداد میں چین تک کی اشیاء فروخت ہوتی تھیں جن کا ایک مستقل بازار مشرقی شہر کے محلے سوق خضیر میں تھا۔ ⑤

بغداد کے بازاروں میں اشیائے خورد و نوش ارزاں تھیں۔ اشیاء کی قیمتیں ذرا ایک نظر دیکھئے:

- ایک دنبہ سالم۔ ایک درہم میں
- بکرے کا گوشت: مقدار: ساٹھ رطل (پونے چوبیس کلو سے زائد)، قیمت: ایک درہم
- گائے کا گوشت: مقدار: نوے رطل (ساڑھے پینتیس کلو سے زائد)، قیمت: ایک درہم
- کھجور: مقدار: ساٹھ رطل (پونے چوبیس کلو سے زائد)، قیمت: ایک درہم
- روغنِ زیتون: مقدار: سولہ رطل (سوا چھ کلو سے زائد)، قیمت: ایک درہم
- شہد: مقدار: دس رطل (تقریباً چار کلو)، قیمت: ایک درہم
- دیسی گھی: مقدار: بارہ رطل (پونے پانچ کلو سے زائد)، قیمت: ایک درہم ⑥

عمارتوں پر خطاطی:

بغداد کی عمارات مشرقی حسنِ تعمیر اور اسلامی خطاطی و نقاشی کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔ عمارتوں کی دیواروں اور محرابوں اور قبور کی الواح پر آیاتِ قرآنیہ، احادیث اور اشعار کی خطاطی کی جاتی تھی۔ ⑦

سامرا

بغداد کے بعد بنو عباس کا دوسرا سیاسی مرکز "سامرا" تھا جسے خلیفہ معتصم باللہ نے تعمیر کرایا تھا۔ آٹھ عباسی خلفاء: معتصم، واثق، متوکل، منتصر، مستعین، معتز، مہتدی اور معتمد نے یہیں قیام کیا۔ یوں تقریباً چھ عشروں تک یہی دنیائے اسلام کا سیاسی مرکز رہا۔ اس شہر کی تعمیر کا پس منظر یہ ہے کہ معتصم باللہ نے اپنے دور میں بکثرت ترک غلام خرید کر فوج میں

---

① مناقب بغداد: ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، معجم البلدان: ۳ ص ۲۸۳

② تاریخ بغداد: ۱ ص ۱۰۰

③ مناقب بغداد: ص ۳۳

④ تاریخ بغداد: ۱ ص ۱۱۰

⑤ البلدان للیعقوبی: ص ۴۹

⑥ تاریخ بغداد: ۱ ص ۹۰، ۹۱...... نوٹ: رطل تقریباً تین سو اٹھانوے گرام یا تقریباً ایک پونڈ کے برابر ہے۔ نوٹ: ایک درہم (۳،۰۴ گرام چاندی) کی قیمت فی زمانہ تقریباً ۰،۶۱ ڈالر ہے جو آج کل کے حساب سے تقریباً پندرہ سو روپے بنتے ہیں۔

⑦ تاریخ بغداد و ذیولہ: ۱ ص ۱۰۳، ۷ ص ۳۶۶، ۲۱ ص ۱۷۔ ط العلمیۃ

بھرتی کر لیے تھے۔ یہ لوگ طبعاً جنگجو اور بلا کے گھڑسوار تھے اور شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے تھے جس سے عوام کو اذیت ہوتی تھی، اس لیے معتصم نے مشرقی بغداد کے شمال میں تقریباً اسی میل (۱۲۷ کلومیٹر) دور ایک وادی میں جسے آرامی زبان میں ''سامرا'' کہا جاتا تھا، نیا شہر بسایا۔ معتصم نے اسے ''سُرَّ مَن رأی'' کا نام دیا۔ یعنی ''جو دیکھے وہ مسرور ہو۔'' مگر عموماً اسے ''سامرا'' ہی کہا جاتا رہا۔ تعمیر کا آغاز ۲۲۱ھ میں ہوا۔ ①

منصور نے جس اہتمام سے بغداد کی تعمیر کی تھی، معتصم نے اسی دلچسپی کا مظاہرہ سامرا کی تعمیر میں کیا۔ سڑکوں اور عمارات کو بغداد کی بہ نسبت زیادہ کشادہ رکھا گیا۔ جامع مسجد کے گرد بغداد کی طرز پر ہر شے کے الگ الگ بازار بنائے گئے۔ خلیفہ، شہزادوں اور وزیر کے محلات کے علاوہ افسرانِ فوج، دفتری عملے اور شہریوں کے لیے الگ الگ محلے تعمیر کیے گئے۔ شہر میں کئی شاہراہیں تھیں جن کے دائیں بائیں عمارتوں، بازاروں اور مختلف محلوں کی سڑکوں کا سلسلہ تھا۔ جا بجا باغات تھے۔ ایک چڑیا گھر بھی تھا جس میں ہرن، نیل گائے، بارہ سنگھے، خرگوش، شتر مرغ اور مختلف عجیب و غریب جانور دوڑتے پھرتے تھے۔ ② معتصم کے بعد واثق، متوکل، مستعین، معتز، مہتدی اور معتمد بھی سامرا میں مقیم رہے اور مستعین کو مستثنیٰ کر کے باقی سب یہیں مدفون ہوئے۔ ③ مگر معتضد عباسی نے آخر کار سامرا کو چھوڑ کر دوبارہ بغداد کو دارالخلافہ بنایا جس کے بعد سامرا کی سابقہ شان و شوکت کو گھن لگ گیا اور یہ اجڑ کر کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ ④

جعفریہ

متوکل چاہتا تھا کہ وہ ایک نیا شہر بسائے جو اسی کی طرف منسوب ہو۔ چنانچہ اس نے ۲۴۵ھ میں سامرا سے کچھ دور ''ماحوزہ'' نامی علاقے میں نئے شہر کی تعمیر شروع کرائی جو اس کے نام سے ''جعفریہ'' کہلایا۔ یہیں اس نے پانچ کروڑ درہم کی لاگت سے اپنا بلند و بالا محل بنوایا جسے قصرِ متوکلی کہا جاتا تھا۔ اس کے سامنے تین عالی شان دروازے تھے جن سے نیزہ بردار سوار نیزہ تانے گزر سکتا تھا۔ تمام سرکاری شعبے، ان کی عمارات اور دفاتر بھی یہیں منتقل کر دیے گئے۔

جعفریہ کی مرکزی شاہراہ نو میل طویل تھی اور اس کی چوڑائی تین سو فٹ تھی۔ اس کے دونوں کناروں پر نہریں تھیں جن کے باعث اس کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔ مرکزی شاہراہ سے متصل زمینیں سپاہیوں اور عام لوگوں کو فروخت کر دی گئیں جنہوں نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خوبصورت مکانات بنانے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر جوہر دکھائے۔ متوکل خود یہاں گشت کرتا تھا اور جس کا گھر اسے زیادہ خوبصورت لگتا، اس کی حوصلہ افزائی کرتا اور اسے انعام و اکرام سے نوازتا۔ کچھ ہی مدت میں جعفریہ اتنا آباد ہو گیا کہ سامرا کے ایک محلّے کرخ سامرا ⑤ سے جعفریہ تک مسلسل آبادی ہو گئی اور درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ جعفریہ کی تعمیر دو برس میں مکمل ہوئی اور متوکل یکم محرم ۲۴۷ھ

① الکامل فی التاریخ سنۃ ۲۲۰ھ ② البلدان للیعقوبی: ص ۱۵۱ تا ۱۶۳ ③ معجم البلدان: ۳/ص ۱۷۸
④ معجم البلدان: ۳/ص ۱۷۶ ⑤ یاد رہے کہ بغداد کا محلہ کرخ الگ تھا جبکہ یہ کرخ الگ تھا جو سامرا کا محلہ شمار ہوتا تھا۔ فرق ملحوظ رہے۔

کو یہاں منتقل ہوا۔ ① ساتھ ہی شہزادے، وزراء و اُمراء اور سامرا کے اکثر تاجر اور متمول لوگ بھی یہیں آ کر بس گئے جس کے باعث سامرا خالی خالی لگنے لگا۔ تاہم متوکل کو یہاں زیادہ دن رہنا نصیب نہ ہوا۔ صرف نو ماہ بعد شوال ۲۴۷ھ میں اُسے قصرِ جعفریہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد لوگ دوبارہ سامرا چلے گئے اور یہ شہر ویران ہو گیا۔ ②

بغدادی تہذیب:

اہلِ بغداد کی ایک اپنی منفرد، باوقار اور رنگا رنگ تہذیب تھی جس کے آداب و اطوار کی پابندی کرنا اس معاشرے کے ہر مُہذب شخص کے لیے ضروری تھی۔ اس تہذیب کو اہلِ بغداد کی اصطلاح میں ''ظرافت'' اور اسے اپنانے والے کو ''ظریف'' کہا جاتا تھا۔ بغداد کی عوام کی دلچسپ زندگی سے ایسا لگتا تھا کہ ہر دن یہاں کوئی دعوت وضیافت ہے۔ کبھی کسی کی شادی ہوتی تو کبھی کسی کا عقیقہ۔ عوام میں کھیل کود اور میلوں ٹھیلوں کا ذوق بہت تھا۔ کبھی کشتی رانی کا مقابلہ ہوتا تو کبھی زور آزمائی اور تیراکی کا۔ جابجا حسنِ قرأت کی محفلیں جمتیں جن میں قاری بلند کرسی پر بیٹھ کر خوش الحانی سے تلاوت کرتے اور لوگ وجد میں آجاتے۔ ③

اہلِ بغداد جمعہ کے دن کا اس طرح اہتمام کرتے تھے کہ گویا یہ عید کا دن ہو۔ مغربی جامع مسجد میں نمازیوں کی صفیں گلیوں سے دریائے دجلہ تک اور مشرقی جامع مسجد میں شارعِ رُصافہ کے باب جدید تک پھیل جاتی تھیں۔ ④ عوام و خواص میں قرآن مجید کی تلاوت کا عام معمول تھا۔ روزانہ جگہ جگہ ختمِ قرآن ہوتا تھا۔ ایک صالح شخص نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے نازل ہوئے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ''اس شہر کو الٹ دو کہ اس کا وقتِ موعود آن پہنچا۔'' دوسرے نے کہا: ''کیسے الٹ دوں جبکہ آج شب اس شہر میں پانچ ہزار قرآن مجید ختم کیے گئے ہیں۔'' ⑤ ابن مجاہد کہتے ہیں: میں نے ابو عَمرو العلاء کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو حال پوچھا۔ بولے: ''جو شخص بغداد میں اہلِ سنت والجماعت کے مذہب پر زندگی گزار کر فوت ہو تو وہ ایک جنت سے دوسری جنت میں منتقل ہو جاتا ہے۔'' ⑥

بغداد کے خواص تو کیا عام لوگوں کی گفتگو بھی فصیح و بلیغ اور اشارات و کنایات سے آراستہ ہوتی تھی۔ یہ اشارات اس قدر لطیف ہوتے تھے کہ باہر سے آنے والے اہلِ علم بھی عموماً انہیں سمجھ نہیں پاتے تھے۔ ⑦ اہلِ علم وفضل کی ایسی کثرت تھی کہ ہر دن ایک نیا ماہرِ فن ابھر کر سامنے آتا تھا اور علم کے شائقین کو ہر نوع کے علماء سے استفادے کا موقع ملتا تھا۔ ⑧

---

① البلدان للیعقوبی: ص ۱۵ تا ۶۹، معجم البلدان: ۳ص ۱۷۵، ۱۷۶
② معجم البلدان: ۳ص ۱۳۳
③ مناقب بغداد: ص ۲۷
④ تاریخ بغداد: ۱ص ۷۱، ۷۲، ط العلمیة
⑤ مناقب بغداد لابن الجوزی: ص ۳۲ ⑥ تاریخ بغداد للخطیب: ۱ص ۶۹، ۷۰، ط العلمیة
⑦ مناقب بغداد: ص ۳۱ ⑧ تاریخ بغداد: ۱ص ۷۳

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ عباسی خلافت کی دینی حیثیت سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان کیجیے۔
❷ عباسی خلافت میں درج ذیل علوم وفنون میں کسی ایک پر کی گئی محنت کا جائزہ لیں: حدیث، تفسیر، فن ترجمہ، طب
❸ بغداد کے باغات اور نہروں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
❹ سامرا کیوں تعمیر کیا گیا؟ اس کے حسن ودلکشی کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
❺ بغداد کے بازار کس ترتیب سے بنائے گئے تھے؟ وہاں اشیاء کی ارزانی کو چند مثالوں سے ثابت کریں۔
❻ عباسیوں کے نظام حکومت میں کون کون سے اہم محکمے تھے؟ ان میں سے پانچ محکموں کا مختصر تعارف کرائیے۔
❼ عباسیوں کے مرکزی عہدے کیا کیا تھے؟ ان میں سے تین عہدوں کی وضاحت کیجیے۔
❽ عباسی دور میں شفاخانوں اور رفاہ عامہ کے دیگر کاموں کی پانچ مثالیں بیان کیجیے؟

عملی کام:

❁ ایک جدول کے ذریعے بغداد میں اشیائے خورد ونوش کی قیمتوں کا آج کل کی قیمتوں کے ساتھ موازنہ کیجیے۔
❁ کسی بڑے کتب خانے میں جائیے اور وہاں قدیم دور کے کچھ مخطوطات کا معاینہ کر کے ان پر رپورٹ لکھیے۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ مناقب بغداد، از علامہ ابن الجوزی
❁ اطلس بغداد، از احمد سوسہ، مطبوعہ مطبعۃ مدیریۃ بغداد
❁ الحیاۃ الاجتماعیۃ فی بغداد، از فردوس عبدالرحمٰن کریم اللامی، مطبوعہ الدار العربیۃ للموسوعات، بیروت

حصہ ثالث

اسلامی اَندَلُس

۹۲ھ تا ۸۹۷ھ

۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء

تبویب

پہلا باب:

اسلامی اَندَلُس اُموی دورِ حکومت میں

دوسرا باب:

اسلامی اَندَلُس ـ ملوک الطوائف تا

سقوطِ غرناطہ

تیسرا باب:

اسلامی اَندَلُس میں تہذیب وتمدن

پہلا باب

اسلامی اَندَلُس
اُموی دورِ حکومت میں

۹۵ھ تا ۴۲۲ھ (۷۱۳ء تا ۱۰۳۱ء)

تعارف:

اَندَلُس کی سرزمین ولید بن عبدالملک کے دور میں فتح ہوئی جس کے بعد یہاں سوا تین صدیوں تک اُموی حکومت قائم رہی جو اَندَلُس کی سب سے مستحکم اسلامی حکومت تھی۔ اَندَلُس میں اسلامی اُقتدار کو پروان چڑھانے اور یہاں کی سیاست کو صحیح سمت دینے میں اُمویانِ اَندَلُس کا سب سے اہم کردار ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. اَندَلُس کی فتح اور یہاں اسلامی حکومت کے قیام کے حالات اور پسِ منظر سے آگاہ ہو سکیں۔
2. اَندَلُس کے اُموی حکمرانوں کے حالات، اُن کی فتوحات اور دیگر کارناموں سے واقف ہو سکیں۔
3. اَندَلُس کی اُموی حکومت کے زوال کے اسباب کو سمجھ سکیں۔

(یونٹ:3.1)

اَندَلُس کا جغرافیہ

اسپین یا اَندَلُس براعظم یورپ کا ایک مثلث جزیرہ نما ہے جو مغرب میں پرتگال اور شمال میں فرانس کے ساتھ لگتا ہے۔ اہلِ یورپ اس ملک کو اسپین یا ہسپانیہ اور عرب ''اَندَلُس'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لمبائی تقریباً گیارہ سو اور چوڑائی لگ بھگ چھ سو میل ہے۔ جنوبی ساحل پر سب سے بڑا شہر مالقہ ہے۔ اس کے شمال مغرب میں دریائے وادی الکبیر کے کنارے ''اِشبِیلِیَہ'' (Seville) دکھائی دیتا ہے۔ جنوبی ساحل سے ۵۲ کلومیٹر دور پہاڑی شہر ''غرناطہ'' (Granada) ہے جو دریائے شنیل (Genil) کے کنارے واقع ہے۔ کوہ سیرانویدا کی ڈھلوان پر غرناطہ کا مشہور قصبہ وادی آش (Guadix) ہے جس کے دامن میں دریائے آش بہتا ہے۔ سیرانویدا کی چوٹیوں کے مشرق میں ''جبل البشرات'' ہے جس کے قریب بحیرۂ روم کی بندرگاہ ''اَلْمَرِیَّہ'' ہے۔

مشرقی ساحل پر مشہور تجارتی شہر ''بَلَنْسِیَہ'' (Valencia) ہے۔ یہاں دوسرا بڑا شہر ''مُرسِیَہ'' ہے۔ وسطی حصے میں سب سے بڑا شہر ''قُرطُبَہ'' (Cordoba) ہے جو کئی صدیوں تک یہاں کا سیاسی مرکز اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا اہم ترین منبع رہا۔ یہ دریائے وادی الکبیر کے کنارے واقع ہے۔ ''قُرطُبَہ'' کے شمال میں قدیم گاتھ حکمرانوں کا پایۂ تخت ''طُلَیْطِلَہ'' (Madrid) ہے جو جزیرہ نما کے بالکل وسط میں ہے۔ یہ موجودہ اسپین کا بھی دارالحکومت ہے۔

اسلامی اَندَلُس کے مختلف ادوار

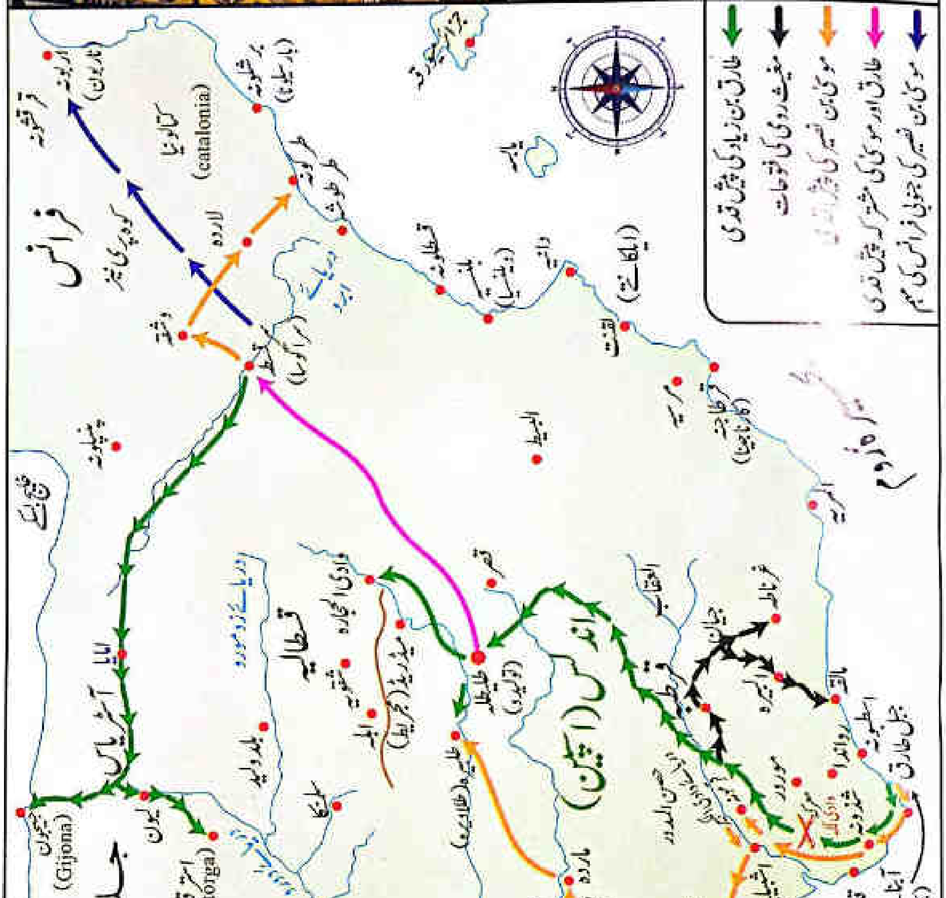
اسلامی اَندَلُس پر مسلمانوں نے آٹھ صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی مگر اتنے طویل زمانے میں بھی شمالی اَندَلُس کا علاقہ اکثر ادوار میں آزاد رہا اور وہاں مسلمانوں کے خلاف نصرانی طاقتیں مجتمع ہوتی رہیں۔ اَندَلُس میں مسلمانوں کی حکمرانی کئی اَدوار پر منقسم ہے:

پہلا دور۔ دورِ ولایت: ۹۵ تا ۱۳۲ (۷۱۳ء تا ۷۵۰ء)

یہ دور اَندَلُس کی فتح کی تکمیل کے بعد شروع ہوتا ہے اور ۱۳۲ھ تک رہتا ہے۔ اس دور میں یہاں کا انتظام شام کے اُموی خلفاء کے ماتحت اُمراء کے پاس تھا جنہیں والی کہا جاتا تھا۔ ان میں سے پہلا والی عبدالعزیز بن موسیٰ تھا اور آخری یوسف بن عبدالرحمٰن فہری۔ ۱۳۲ھ میں شام کی اُموی خلافت ختم ہوتے ہی یہاں ولایت کی قانونی حیثیت بھی

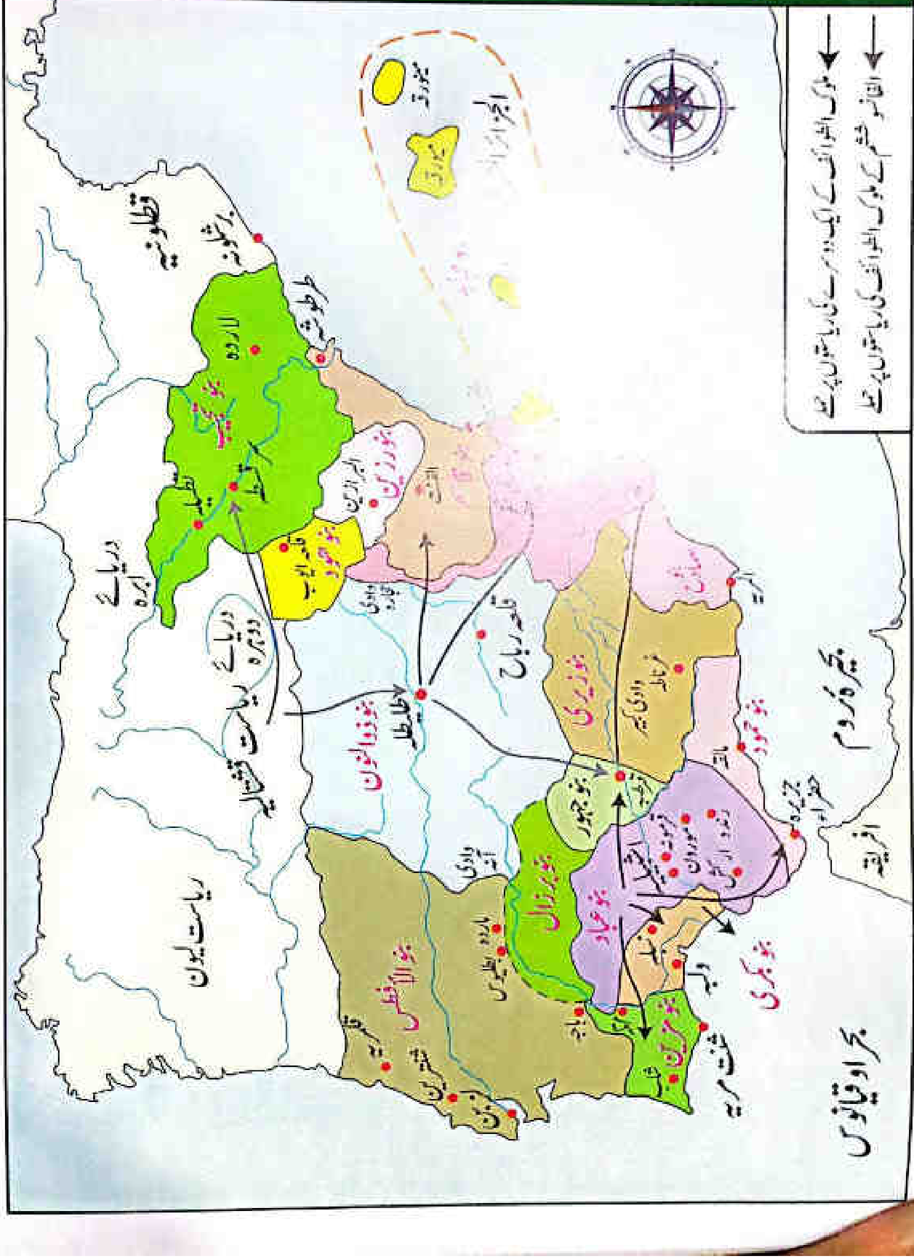
جامع مسجد قرطبہ
اسپین کی
عظیم تاریخ مسجد





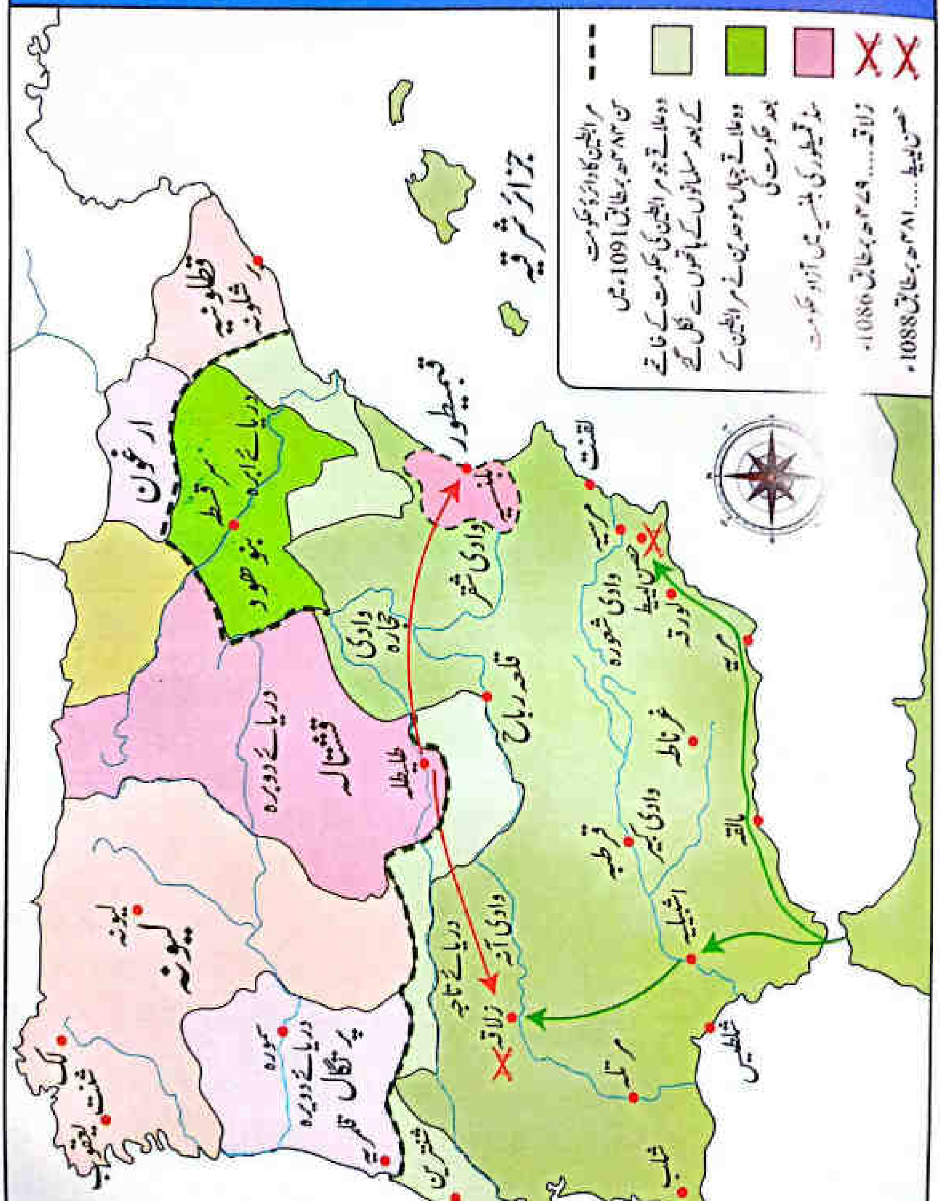
ملوک الطوائف

اندلس پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) کے وسط میں

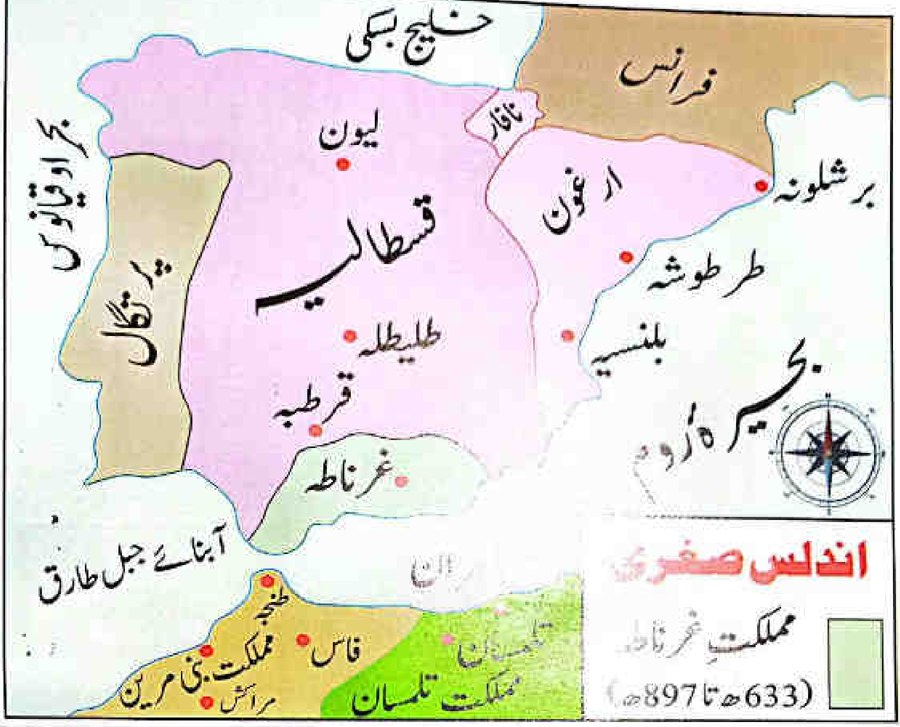


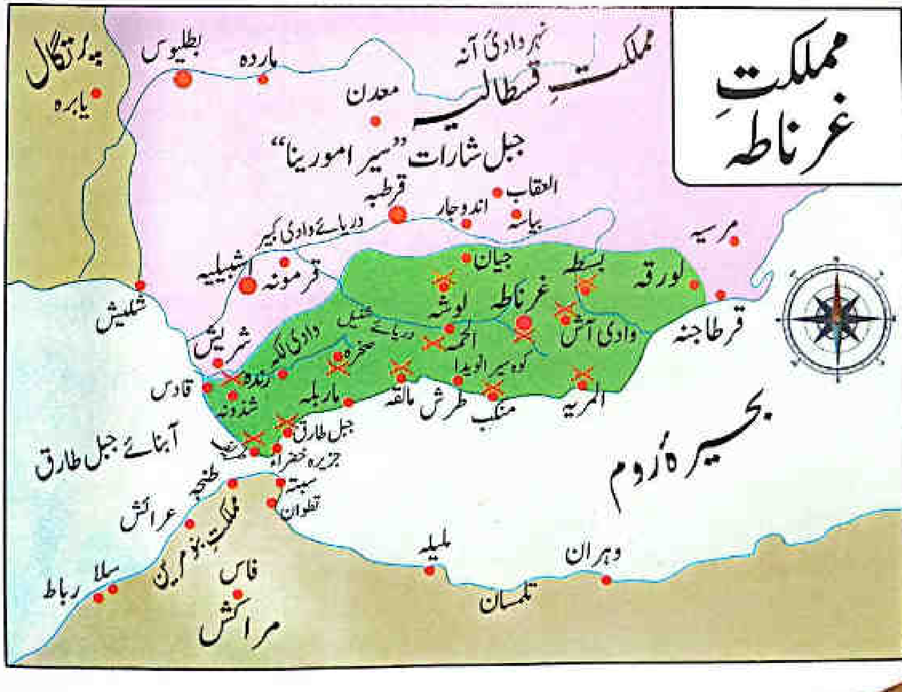
مرابطین کی حکومت

جنہوں نے ملوک الطوائف کے بعد اسلامی اندلس کو متحد کیا



نقشہ نمبر10


خلیج بسکی
فرانس
نافار
لیون
بحر اوقیانوس
پرتگال
قسطلیہ
ارغون
برشلونہ
طرطوشہ
طلیطلہ
بلنسیہ
قرطبہ
بحیرہ روم
غرناطہ
آبنائے جبل طارق
اندلس صغریٰ
طنجہ
فاس
مملکت بنی مرین
مراکش
مملکت تلمسان
مملکتِ غرناطہ
(633ھ تا 897ھ)


مملکتِ غرناطہ
پرتگال
یابرہ
بطلیوس
ماردہ
نہر وادی آنہ
مملکتِ قسطلیہ
معدن
جبل شارات "سیرا مورینا"
العقاب
قرطبہ
اندوجار
بیاسہ
دریائے وادی کبیر
مرسیہ
اشبیلیہ
قرمونہ
جیان
بسطہ
لورقہ
غرناطہ
لوشہ
قرطاجنہ
شلطیش
شریش
وادی لکہ
دریائے شنیل
الحمہ
وادی آش
قادس
شذونہ
ماربلہ
کوہ سیرا نویدا
المریہ
مالقہ
طرش
منکب
جبل طارق
آبنائے جبل طارق
جزیرہ خضراء
طنجہ
سبتہ
تطوان
عرائش
مملکتِ بنو مرین
سلا
رباط
فاس
مراکش
تلمسان
ملیلہ
وہران
بحیرہ روم

ختم ہوگئی اور سیاسی انتشار پیدا ہوگیا جو چھ سال تک جاری رہا۔

دوسرا دور۔ امارتِ بنواُمیہ: ۱۳۸ھ تا ۴۲۳ھ (۷۵۶ تا ۱۰۳۱ء)

اس دور کا آغاز بنواُمیہ کے شہزادے امیر عبدالرحمٰن الداخل کے اَندلس پر غلبے سے ہوا اور اختتام ہشام اَلْمُعْتَد پر۔ عبدالرحمٰن الداخل نے اَندلس آکر اس ملک کو متحد کیا اور آزاد اُموی حکومت قائم کی جو ۲۸۵ سال تک چلی۔ اس خاندان کے آٹھویں حکمران امیر عبدالرحمٰن ثالث نے خلیفہ کا لقب اختیار کرلیا تھا جو اس کے جانشینوں نے بھی باقی رکھا۔ ۳۶۶ھ میں دسویں حکمران ہشام مؤید باللہ کی تخت نشینی کے ساتھ ایک طاقتور امیر ابن ابی عامر نے عملی طور پر حکومت خود سنبھال لی جس کے بعد اُموی خلیفہ کی حیثیت برائے نام رہ گئی۔ کچھ عرصے ابن ابی عامر کی اولاد خلفاء کی سرپرست اور عملاً حکمران رہی۔ پھر ان پر "بنوحمود" مسلط ہوگئے۔ یوں خلفائے اَندلس نے تقریباً ۷۵ سال عضوِ معطل بن کر گزارے۔

تیسرا دور۔ ملوک الطوائف: ۴۰۰ھ تا ۴۸۴ھ (۱۰۱۰ء تا ۱۰۹۱ء)

اُمویانِ اَندلس کے زوال کے ساتھ ہی اَندلس میں مسلم امراء نے جگہ جگہ خودمختار حکومتیں قائم کرنا شروع کردیں۔ یہ حکمران ملوک الطوائف کہلائے۔ ان میں بنوجَہوَر، بنوزیری، بنوہود، بنواَفطَس، بنوذی النون اور بنوعبّاد مشہور تھے۔ پون صدی سے زائد مدت تک ان کی باہمی کش مکش جاری رہی۔ ان کے انتشار اور ناعاقبت اندیشی نے اَندلس میں نصرانیوں کو بالادستی کا بھرپور موقع دیا جس سے یہاں مسلمانوں کے خاتمے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔

چوتھا دور۔ مرابطین: ۴۸۴ھ تا ۵۴۱ھ (۱۰۹۱ء تا ۱۱۴۷ء)

مسلمانانِ اَندلس کا دم لبوں پر دیکھ کر مَرّاکش کے حکمران یوسف بن تاشفین نے اَندلس میں مداخلت کی اور یہاں اپنی حکومت قائم کرکے مسلمانوں کو ایک نئی زندگی بخش دی۔ یہ حکومت ۵۶ سال چلی۔ اس کا آخری حکمران تاشفین بن علی مؤحدین کے ہاتھوں مارا گیا۔

پانچواں دور۔ مؤحدین: ۵۴۱ھ تا ۶۲۹ھ (۱۱۴۷ء تا ۱۲۳۲ء)

مؤحدین نے چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں افریقہ میں قوت پکڑی اور رفتہ رفتہ مرابطین پر بھی غالب آگئے۔ مؤحدین کا پہلا حکمران عبدالمؤمن تھا اور آخری محمد الناصر۔ اَندلس میں ان کی حکومت ۸۴ سال برقرار رہی۔ مؤحدین کے بعد اَندلس میں مسلمانوں کے پاس صرف چند جنوبی شہر رہ گئے جن کے مجموعے کو 'اَندلسِ صغریٰ' کہا گیا۔

چھٹا دور۔ اَنْدَلُسِ صغریٰ۔ غرناطہ کے بنونصر: ۶۲۹ھ تا ۸۹۸ھ (۱۲۳۲ء تا ۱۴۹۲ء)

اَنْدَلُس صغریٰ میں مسلمانوں کا آخری مورچہ غرناطہ تھا جہاں خاندانِ بنونصر کی حکومت تھی۔ اس حکومت کا بانی محمد بن یوسف عرف ابن الاحمر جبکہ آخری حکمران ابوعبداللہ تھا۔ یہ حکومت ۲۶۹ سال تک قائم رہی۔ آخر میں نصرانیوں نے اس پر بھی قبضہ کرکے اَندلس کی آٹھ سو سالہ اسلامی تاریخ کا باب بند کردیا۔

❀❀❀

فتح اندلس

۲۷ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمان پر ایک لشکر نے پہلی بار اندلس پر آزمائشی حملہ کیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اندلس پر دوسرا آزمائشی چھاپہ مارا گیا۔ آخر میں ولید بن عبدالملک کے دور میں افریقہ کے امیر موسیٰ بن نصیر اور مسلم فاتح طارق بن زیاد نے یہاں کامیاب یلغار کی۔ مسلمانوں کو افریقہ فتح کرنے اور خاص کر وہاں کے جنگجو بربروں پر قابو پانے میں تقریباً پچاس برس لگ گئے مگر پورے اسپین پر قبضے میں انہیں ایک سال بھی نہیں لگا۔

۵ رجب ۹۲ھ (۷۱۱ء) کو طارق کا لشکر اندلس کے ساحل پر جبل الطارق کے سامنے لنگر انداز ہوا۔ ابتدائی معرکوں کے بعد ۲۷ رمضان المبارک ۹۲ھ (۱۹ جولائی ۷۱۱ء) کو بارہ ہزار افراد پر مشتمل اسلامی لشکر اور رراڈرک کی ٹڈی دل فوج کا آمنا سامنا ہوا۔ کئی دنوں تک جنگ کے بعد آخر ۵ شوال کو نصرانی پسپا ہو گئے اور رراڈرک دریائے گواڈالیٹ میں غرق ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمان راستے کے شہروں کو چھوڑتے ہوئے اِستجہ (Ecija) پہنچے۔ یہاں سے طارق بن زیاد نے الگ الگ سمتوں میں کئی افواج روانہ کیں۔ سات سو سپاہیوں نے ولید بن عبدالملک کے غلام مغیث کی قیادت میں شوال ۹۲ میں قُرطُبہ فتح کر لیا۔ دوسری افواج نے مالقہ، البیرہ، غرناطہ، تدمیر اور جیان پر قبضہ کیا۔ کئی شہر بغیر جنگ کے فتح ہو گئے۔ ربیع الآخر ۹۳ھ میں طارق نے گاتھ بادشاہوں کا پایۂ تخت طُلَیطلَہ بھی فتح کر لیا۔

رمضان ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر نے بھی ایک فوج لے کر آبنائے کو عبور کر لیا اور اپنا بیڑا جزیرۃ الخضراء پر لنگر انداز کر کے یہاں ایک مسجد تعمیر کی جو ''مسجد الرأیات'' کہلائی۔ اس لشکر نے پہلے شذونہ اور پھر اسپین کا نہایت مستحکم شہر قرمونہ فتح کیا۔ اس کے بعد اشبیلیہ پر حملہ کیا جو گاتھ حکمرانوں سے قبل اسپین کا دارالحکومت تھا۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد یہ شہر بھی سرنگوں ہو گیا۔ پھر طویل محاصرے اور جنگ کے بعد مضبوط فصیلوں والا شہر ماردہ بھی فتح کر لیا گیا۔

ذوالقعدہ ۹۴ھ میں موسیٰ نے طُلَیطلَہ کی سمت کوچ کیا۔ شہر سے ۱۵۰ کلومیٹر مغرب میں طلبیرہ (Talavera) میں دونوں فاتحین کی ملاقات ہوئی اور دونوں ایک ساتھ طُلَیطلَہ پہنچے اور شمالی اسپین کی فتح کا نقشہ طے کیا۔

اب لشکر کشی اس طرح شروع ہوئی کہ پہلے طارق کا لشکر کسی شہر کا محاصرہ کرتا، پیچھے موسیٰ بن نصیر کی افواج کمک اور شہر کا انتظام سنبھالنے کے لیے آن پہنچتیں۔ پہلے شمال مشرق میں سَرَقُسطَہ کا شہر کسی بڑی لڑائی کے بغیر لے لیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی برشلونہ اور ''وشقہ'' جیسے نواحی شہر بھی سر کر لیے گئے۔ مشرقی ساحلی شہر بَلَنسِیَۃ، شاطبہ اور دانیہ بھی اسی مہم میں فتح ہو گئے۔ اس کے بعد طارق اور موسیٰ نے دو الگ الگ خطوط پر یلغار کی۔

طارق نے سَرَقُسطَہ سے شمال مغرب کی طرف پیش قدمی کی اور ''کوہِ کانٹ باریا'' سے گزر کر ''جلیقیہ'' کے شہر آمایہ (Amaya)، اشترقہ (Astorga) اور ''لیون'' فتح کر لیے۔ جبکہ موسیٰ بن نصیر نے شمال مشرق کا رخ کر کے،

بشکنس، نوار، وادیٔ ابرہ، اَلبہ اور قسطالیہ کو سرنگوں کرلیا۔ اس کے بعد ''اسٹرقہ'' میں دونوں قائدین ایک بار پھر آپس میں آن ملے۔ ان دونوں فاتحین کی کوششوں سے ذوالحجہ ۹۵ھ تک پورا اندلس فتح ہوگیا۔

اس کے بعد موسیٰ بن نصیر نے فرانس کی فوجی طاقت کا اندازہ لگانے اور وہاں کے راستے دیکھنے بھالنے کے لیے کچھ دستے کوہ البرتات ((Pyrenees)) میں داخل کیے جو فرانس کی سرحدوں پر چھاپے مار کر واپس آئے۔

یہ مہمات جاری تھیں کہ نئے اُموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو واپس بلالیا۔ ①

مسلمانوں کی حکومت کا اس ملک پر اثر:

اندلس میں مسلمانوں کی حکومت یہاں ایک نئے دور کا آغاز تھا جس نے یہاں کے لوگوں کو صدیوں بعد حقیقی آزادی عطا کی اور انہیں عدل وانصاف اور انسانی سلوک جیسی نعمتوں سے بہرہ ور کیا۔ کفر اور جہالت کے اندھیرے دور ہوگئے اور یہاں ایمان کی روشنی پھیلنے لگی۔ اخلاق وآداب عام ہوئے۔ علوم وفنون کے دروازے کھل گئے اور زراعت وحرفت اور صنعت وتجارت کو خوب ترقی ملی جس کے باعث عام شہری بھی خوشحال اور مالا مال ہونے لگے۔

مستشرق ڈوزی لکھتا ہے:

''اسلامی حکومت میں نصرانیوں کا حال ایسا نہ تھا کہ انہیں کوئی شکایت ہوتی کیوں کہ وہ سابقہ دور سے بہتر حالت میں تھے۔ عرب ان سے رعایت برتتے تھے۔ ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ حکومت جو کہ زیادہ مذہب پسند نہ تھی، انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب نہیں دیتی تھی، کیوں کہ اس طرح اس کی آمدن میں بہت کمی ہوسکتی تھی۔ نصرانی عربوں کے اس حسنِ سلوک کی ناقدری نہیں کرتے تھے۔ بلکہ فاتحین کی طرف سے رعایت اور انصاف کی تعریف کیا کرتے تھے۔'' ②

گستاؤلی بان لکھتا ہے:

''عربوں نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا، جو انہوں نے شام اور مصر میں کیا تھا۔ ان کا مال، اُن کے کلیسے، اُن کے قوانین اُنہیں دیے اور اپنے ہم قوم حکام کے زیرِ انصاف رہنے کے حقوق انہیں عطا کیے گئے۔ ایک سالانہ جزیہ چند شرائط کے ساتھ ان پر لگایا گیا جو اُن کے اُمراء کے لیے ایک سرخ دینار اور عوام کے لیے نصف دینار تھا۔ یہ شرائط اس قدر نرم تھیں کہ رعایا نے بلا تکرار انہیں قبول کرلیا۔'' ③

---

① نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۱ ص ۲۲۸ تا ۲۳۰۔ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۹۲ تا ۹۵ھ؛ التاریخ الأندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ، عبدالرحمٰن علی: ص ۶۰ تا ۹۹

ملحوظہ (۱): ان فتوحات کی تفصیل جلد اوّل میں اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حالات میں آچکی ہے، لہٰذا یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

ملحوظہ (۲): طارق بن زیاد کا اسپین پر حملے کے دوران کشتیاں جلانا مشہور ہے مگر اس کا کوئی پختہ ثبوت نہیں مل سکا۔ تاریخ اُمت مسلمہ میں ولید بن عبدالملک کے دور کی فتوحات کے تحت حواشی میں اس حوالے سے بحث موجود ہے۔ وہ دیکھ لی جائے۔

② دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱/ ص ۶۳ ③ ''تمدنِ عرب'' مترجم، سید علی بلگرامی: ص ۲۳۸، ۲۳۹، مطبوعہ حیدرآباد دکن

اَنْدُلُس کا دورِ ولایت

۹۵ھ تا ۱۳۲ھ (۷۱۳ء تا ۷۵۰ء)

موسیٰ بن نصیر نے دار الخلافہ دِمَشق جاتے ہوئے اپنے بیٹے عبد العزیز کو اَنْدُلُس کا والی اور عقبہ بن نافع کے پوتے حبیب کو اس کا وزیر مقرر کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس ملک میں بنو اُمیہ کے کئی نائب آئے۔ یہ زمانہ ''دورِ ولایت'' کہلاتا ہے کہ اس میں مختلف اُمراء کو اس ملک کی ''ولایت'' (نیابت) دی گئی تھی۔ ان اُمراء کا ذکر درج ذیل ہے:

عبد العزیز بن موسیٰ: (۹۵ھ تا ۹۷ھ)

عبد العزیز بن موسیٰ کو اَنْدُلُس کا پہلا والی ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ابھی دو برس گذرنے نہ پائے تھے کہ اسے ایک بغاوت میں قتل کر دیا گیا۔

ایوب بن حبیب: (۹۷ھ)

یہ موسیٰ بن نصیر کا بھانجا تھا اور ایک نیک و صالح انسان تھا۔ اس نے قُرطُبہ کو اسلامی اَنْدُلُس کا دار الحکومت بنا دیا۔

حُر بن عبد الرحمٰن: (۹۸ھ تا ۱۰۰ھ)

حر بن عبد الرحمٰن ثقفی نے ۹۸ھ سے ۱۰۰ھ تک حکومت کی۔ اس نے اِشبیلیہ کو اپنا دار الحکومت بنالیا۔

سمح بن مالک خولانی: (۱۰۰ھ تا ۱۰۲ھ)

اب تک اَنْدُلُس کا صوبہ افریقہ کے ماتحت تھا اور یہاں کے والی کا تقرر افریقہ کا حاکم کیا کرتا تھا مگر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اَنْدُلُس کو مستقل صوبے کا درجہ دیتے ہوئے افریقہ سے الگ کر دیا اور یہاں کے حاکم کا تقرر خلیفہ سے متعلق کر دیا۔ انہوں نے سمح بن مالک خولانی کو اَنْدُلُس کا امیر مقرر کر کے بھیجا۔ سمح بن مالک نے قُرطُبہ کے قریب دریائے وادی الکبیر پر ایک عظیم الشان پل بھی تعمیر کرایا جو آج بھی موجود ہے۔ سمح بن مالک نے فرانس پر حملہ کر کے ریاست ناربونہ کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد ریاست ایکی ٹن پر چڑھائی کے دوران سمح بن مالک نے شہادت پائی۔

عَنْبَسَہ بن سُحَیم کلبی: (۱۰۳ھ تا ۱۰۷ھ)

عَنْبَسَہ بن سُحَیم نے چار سال آٹھ ماہ اَنْدُلُس پر حکومت کی اور وسطی فرانس میں داخل ہو کر ''برگنڈی'' اور ''اوٹن'' کو فتح کر لیا۔ اسی مہم میں امیر عَنْبَسَہ نے شدید زخمی ہو کر مدت بعد شہادت پائی۔

۱۰۷ھ تا ۱۱۲ھ:

پانچ سال تک یہاں کوئی ایسا حاکم نہیں آیا جس کی کارکردگی قابلِ ذکر ہو۔ حکام کا عزل و نصب بار بار ہوتا رہا۔

عبد الرحمٰن بن عبد اللہ غافقی: (۱۱۲ھ تا ۱۱۴ھ)

۱۱۲ھ میں یہاں عبد الرحمٰن بن عبد اللہ الغافقی کا تقرر ہوا جس نے اَنْدُلُس کے انتظامات کو بہتر بنایا اور ۱۱۴ھ میں

بھرپور تیاریوں کے ساتھ ایک بار پھر فرانس پر فوج کشی کی۔ اس مہم میں کئی فتوحات کے بعد آخر مسلمانوں کو پسپائی ہوئی اور امیر عبدالرحمٰن الغافقی سمیت ہزارہا مسلمان شہید ہوگئے۔ یہ شہادت گاہ "بلاط الشہداء" کے نام سے مشہور ہے۔ اس شکست کے بعد بھی جنوبی فرانس کا ایک وسیع علاقہ مسلمانوں کے پاس رہا۔

عقبہ بن حجاج سلولی: (۱۱۶ھ تا ۱۲۱ھ)

۱۱۶ھ میں عقبہ بن حجاج کو اندلس کا حاکم بنایا گیا۔ اس نے تمام شعبوں کو بہت بہتر بنا دیا۔ اس نے شاہراہوں کی حفاظت کے لیے گھڑسوار سپاہیوں کا الگ محکمہ قائم کیا۔ ہر بستی میں عدالتیں قائم کیں اور نئی مساجد اور مدارس کی بنیاد رکھی۔ اس طرح اندلس کا شمار امن وامان اور ترقی کے لحاظ سے عالم اسلام کے مثالی صوبوں میں ہونے لگا۔ عقبہ بن حجاج فرنگی قیدیوں کو اسلام کی دعوت دیتا اور کفر وشرک کی برائیاں ان پر واضح کرتا۔ اس طرح کم وبیش ایک ہزار فرنگی اس کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

عبدالملک بن قطن فہری: (پہلی بار: ۱۱۴ھ تا ۱۱۶ھ...... دوبارہ: ۱۲۱ھ تا ۱۲۴ھ)

عبدالملک بن قطن دوبارا اس ملک کا حاکم بنا۔ وہ ایک ظالم اور بدسیرت انسان تھا۔

ثعلبہ بن سلامہ: ۱۲۴ھ

۱۲۴ھ میں اُموی حکومت کی طرف سے ثعلبہ بن سلامہ عجلی نے آکر اندلس کی حکومت سنبھال لی۔ وہ ایک اچھا اور مہربان حاکم تھا مگر اسی زمانے میں اندلس میں خود عربوں میں مضری اور یمانی کا تعصب پھیل گیا اور یمانی قبائل ثعلبہ کے مخالف ہوگئے۔ آخر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ثعلبہ کو معزول ہونا پڑا۔

حسام بن ضرار ابوخطار: ۱۲۵ھ تا ۱۲۸ھ

حسام بن ضرار کلبی عرف ابوخطار ایک دلیر، سخی اور نیک سیرت حاکم تھا۔ اُس نے اندلس کے ہر اس شہر کو جو شام کے کسی شہر کے تھوڑا بہت مشابہ تھا، اُسی شامی شہر کا نام دیا اور وہاں شامی عربوں کو بسا دیا۔ یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا جس کے باعث لوگوں نے نئے شہروں میں منتقلی کو قبول کرلیا مگر یہ الگ بات ہے کہ شہروں کے یہ نئے نام رائج نہ ہوسکے۔

یوسف بن عبدالرحمٰن فہری:

۱۲۸ھ سے اندلس میں خانہ جنگی کا دور شروع ہوگیا اور ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ آخر یوسف بن عبدالرحمٰن فہری اکثر قبائل پر غالب آگیا۔ اگرچہ اس کے دور میں جگہ جگہ بار بار بغاوتیں ہوتی رہیں مگر اس نے قرطبہ میں اپنی حکومت کو بہرحال محفوظ رکھا۔

اندلس کی نئی نصرانی ریاست۔ آسٹریاس

دورِ ولایت کے آخر میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے باعث جنوبی فرانس کے علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ یہ ایسا نقصان تھا کہ جس کی پھر کبھی تلافی نہ ہوسکی۔ یہی نہیں بلکہ نصرانیوں نے شمالی اسپین کے

کوہستانی علاقے میں ایک چھوٹی سی آزاد نصرانی ریاست "آستریاس" قائم کر لی جس کا بانی ایک گاتھ لیڈر "پلائیو" (۷۲۲ء تا ۷۳۳ء) تھا۔ اس کے جانشین "الفانسو اوّل" (۷۳۹ء تا ۷۵۷ء) نے جبل البرتات کے جنوبی دامن سے لے کر شمالی چوٹیوں تک تمام علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ یہی ریاست آگے چل کر اندلس کے مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف ثابت ہوئی۔

دورِ ولایت ایک نظر میں:

دورِ ولایت اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس زمانے میں سمح بن مالک، عبدالرحمٰن الغافقی، عنبسہ بن سحیم اور عقبہ بن حجاج جیسے قابل حکام کی کوششوں سے بے شمار مساجد اور مدارس کی بنیاد رکھی گئی۔ قلعے، پل، اور شہر تعمیر ہوئے اور اسلامی اندلس کی تشکیل کے اوّلین خطوط کھینچ دیے گئے۔ مسلمانوں نے مقامی لوگوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ گاتھ بادشاہوں کے دور میں پادریوں کی سختیوں سے خود نصرانی سخت تنگ تھے۔ مسلمان حکام کی طرف سے وہ سختیاں ہٹالی گئیں۔ شہریوں کو مذہبی آزادی دی گئی۔ بھاری ٹیکس ساقط کر دیے گئے۔ خود مغربی مؤرخین کو مسلم حکام کی طرف سے ان رعایتوں کا اعتراف ہے۔ اس ماحول میں بے شمار مقامی لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے اور ان میں سے بہت سوں کی اولاد آگے چل کر اندلس کے نامور علماء اور اصحابِ علم و فضل میں شمار ہوئی۔

❁❁❁

مآخذ:

- التاریخ الأندلسی لدکتور عبدالرحمٰن علی: ص ۲۱۱، ۲۱۲؛ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۶۲ تا ۷۳
- التاریخ الاسلامی از احمد شلبی: ج ۳ ص ۳۷، ۳۸
- نفح الطیب: ۱ ص ۲۰۱ تا ۲۳۷، ۲۳۸
- البیان المغرب فی اخبار الأندلس والمغرب: ۲/۳ تا ۳۹
- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، Spain

اَنْدُلُس کے اُموی حکمران

۱۳۸ھ تا ۴۲۲ھ (۷۵۵ء تا ۱۰۳۱ء)

....

عبدالرحمٰن اوّل

(۱۳۸ھ تا ۱۷۲ھ، ۷۵۵ء تا ۷۸۸ء)

بنواُمیہ کی خلافت کے آخری برسوں میں اُمویوں اور عباسیوں کے مابین زبردست کشمکش جاری تھی، آخر کار بنو اُمیہ کو ہر جگہ شکست ہوئی۔ ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں آخری اُموی خلیفہ مروان بن محمد کو قتل کر دیا گیا اور پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح نے عالم اسلام کی مسند اقتدار سنبھال لی۔ دِمشق میں جو کہ بنواُمیہ کا دار الخلافہ تھا، سینکڑوں اُموی مارے گئے۔ ہزاروں گھر سے بے گھر ہو کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے اور روپوشی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

انہی میں سے ایک شہزادہ عبدالرحمٰن بن مُعاویہ فرار ہو کر افریقہ کے ساحلی شہر ''سبتہ'' میں روپوش تھا۔ یہاں اسے اُندُلُس کے سیاسی بحران کا علم ہوا تو اس نے قسمت آزمائی اور ربیع الاوّل ۱۳۸ھ (اگست ۷۵۵ء) میں اندلس پہنچ گیا۔ اس کی عالی نسبی کے باعث بہت سے قبائل نے اس کی بیعت کر لی۔ یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری کو جو اس وقت اُندُلُس کے اہم ترین شہروں: قُرطُبہ، طُلَیطلَہ اور اشبیلیہ کا حکمران تھا، عبدالرحمٰن کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ اس طرح عبدالرحمٰن اُندُلُس کا نیا حکمران بن گیا۔ اس نے قُرطُبہ کو دار الحکومت بنایا اور اس کے بعد کئی صدیوں تک یہی شہر ملک کا سیاسی مرکز رہا۔ عبدالرحمٰن اوّل نے نہ صرف مقامی مسلمانوں بلکہ نصرانیوں سے بھی بہت اچھا سلوک کیا۔ اس کی طرف سے غیر مسلم آبادی کے لیے جو امان نامہ لکھا گیا اس میں تحریر تھا:

> ''یہ سارے ملک کے پادریوں، راہبوں اور ان کے ہم مذہبوں کے لیے امن اور رحمت کی دستاویز ہے، جان اور ناموس کی حفاظت کا عہد ہے جسے محترم امیر عظیم حاکم، عبدالرحمٰن بن معاویہ نے طے کیا ہے۔ جب تک کہ وہ ان چیزوں کی پاسداری پر قائم رہیں جو ان پر لازم کی گئی ہیں۔''

عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اُندُلُس پر قبضہ کر لیا تھا مگر اس کے بعد بھی اندرونی و بیرونی مشکلات جاری رہیں اور اسے کبھی دشمنوں سے بے خطر ہونے کا موقع نہ ملا۔ ۱۴۶ھ (۷۶۳ء) میں عباسی خلیفہ منصور نے افریقہ کے حاکم علاء بن

مغیث کو ایک زبردست لشکر دے کر اُندلس بھیجا تا کہ عبدالرحمٰن کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے مگر عبدالرحمٰن نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ اس لشکر کو مار بھگایا۔

کچھ عرصے بعد شاہِ فرانس شارلیمین نے عبدالرحمٰن کے خلاف بہت بڑی فوج کشی کی اور شمالی اُندلس کے نصرانیوں نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ تاہم امیر عبدالرحمٰن نے ان سب کو منہ توڑ جواب دیا۔ آخر فرانس کی افواج کو پسپا ہونا پڑا اور شارلیمین نے عبدالرحمٰن سے صلح کر کے وعدہ کیا کہ آئندہ فرانسیسی افواج اُندلس میں مداخلت نہیں کریں گی۔

اُندلس کی اسلامی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے بعد یکم ربیع الآخر ۱۷۲ھ (۶ نومبر ۷۸۸ء) کو عبدالرحمٰن کی وفات ہوگئی۔ ۳۳ سال حکومت کی اور ۵۹ سال عمر پائی۔ اُندلس کی تاریخ میں اسے عبدالرحمٰن الداخل اور عبدالرحمٰن الاوّل کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک ایسا حکمران تھا جس نے ساری زندگی خطرات کا مقابلہ کیا اور کامیاب رہا۔ اس کے باوجود اس نے اپنی خلافت کا اعلان نہیں کیا بلکہ خود کو "امیر" کہلوانے پر اکتفا کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کو علم وادب سے گہری دلچسپی تھی۔ خود عمدہ اشعار کہا کرتا تھا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اُندلس میں خوب ترقیاتی کام کروائے۔ سڑکوں کو جو خستہ اور ناکارہ ہو رہی تھیں، مرمت کرا کر قابلِ استعمال بنوایا۔ نئی سڑکیں بھی تعمیر کروائیں، جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم کرا کے لوٹ مار اور راہزنی کا قلع قمع کر دیا۔ ہر چوکی پر ڈاک کے لیے تیز رفتار گھوڑے رکھوائے۔ عدالتوں میں شریعت کے مطابق انصاف کا بول بالا کیا اور عوام کو خوشحال بنانے کے لئے ضروری قوانین وضع کئے۔ وہ عمارتیں بنوانے کا عمدہ ذوق رکھتا تھا۔ قُرطبہ کے مغرب میں اس نے پھلدار درختوں اور پھولوں سے آراستہ ایک نہایت خوشنما باغ لگوایا تھا جسے "رصافہ" کہا جاتا ہے۔ قُرطُبہ کی بلند وبالا فصیل جس میں آٹھ دروازے تھے، اسی کا کارنامہ تھا۔ ۱۷۰ھ میں اس نے قُرطُبہ کی شہرہ آفاق جامع مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ آرائش کے لئے سنگ مرمر کی سلیں منگوائیں، دیواروں پر نقش ونگار بنوائے، انیس کشادہ اور بلند دروازے بنوائے۔ مسجد کا فرش مکمل طور پر سنگ مرمر سے بنوایا۔ تعمیری کام کا آغاز ۱۶۸ھ (۷۸۴ء) میں ہوا اور دو سال کے عرصے میں ایک وسیع رقبے پر نہایت خوشنما نقشے کے مطابق یہ مسجد اس حد تک تیار ہوگئی کہ اس میں نماز ادا کی جانے لگی۔ اس وقت تک اس پر ۸۰ ہزار دینار خرچ کئے جا چکے تھے۔

اس نے بڑے اہتمام کے ساتھ شام سے کھجور کا ایک پودا منگوا کر باغِ رصافہ میں کاشت کیا تھا۔ یہ اُندلس میں کھجور کا پہلا پودا تھا۔ بعد میں اسی کی گٹھلیوں سے اُندلس کے باقی نخلستان کاشت ہوئے۔

ماخذ:

❁ سیر اعلام النبلاء: ۷ص ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷؛ ۸ص ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۵۳، ط الرسالۃ ❁ نفح الطیب: ۳ص ۳۰ تا ۵۰۔

❁ البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ج ۲ص ۳۰، ۳۱، ۴۳، ۵۱، ۵۲، ۵۹، ۶۵

❁ التاریخ الاسلامی از احمد شلبی: ج ۴ص ۵۵ تا ۵۷، ص ۷۸، ۷۹ ❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ص ۱۵۷، ط دار الفکر

ہشام اوّل الرضی

۱۷۲ھ تا ۱۸۰ھ (۷۸۸ء تا ۷۹۶ء)

عبدالرحمن اول کا فرزند ہشام اوّل بچپن ہی سے اَندَلُس کے نامی گرامی علماء فقہاء اور مشائخ کی مجالس میں حاضری دیتا اور ان سے استفادہ کرتا تھا۔ وہ علم کا پیاسا اور عمل کا خوگر تھا، شریعت کی سختی سے پابندی کرتا تھا، نماز، روزہ اور دیگر عبادات بڑے اہتمام سے بجالاتا تھا۔ ادبی اور شعری ذوق بھی ورثے میں ملا تھا۔ اس نے شرعی محاصل کے سوا تمام ٹیکس معاف کر دیئے اور قرآن وسنت کے مطابق صدقات، زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کا حکم دیا اور اس کے لئے عامل مقرر کئے۔

اس کے بھائیوں سلیمان اور عبداللہ نے اس کے خلاف بار بار شورش برپا کی مگر دونوں کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر کار دونوں نے معافی کی درخواست کی، ہشام نے اسے قبول کر کے ان دونوں کا غیر معمولی اعزاز واکرام کیا۔

رحمدلی کے ساتھ ساتھ ہشام اوّل بڑا بہادر اور جنگجو حکمران تھا۔ اَندَلُس کی تاریخ میں اسے ''کثیر الغزو والجہاد'' (بکثرت جہاد کرنے والا) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے فوج کشی کر کے شمال کی نصرانی ریاستوں کو دوبارہ باج گزار بنالیا۔ اس نے جنوبی فرانس میں بھی کئی بار لشکر بھیجے۔ وہاں مہم اربونہ سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا، اس کا خمس ۴۵ ہزار اشرفیاں تھیں۔ امیر ہشام نے یہ تمام رقم جامع مسجد قُرطُبہ کی تکمیل پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔

ہشام کے زمانے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی مہارت کا شہرہ دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا، چنانچہ امیر ہشام نے یحییٰ بن یحییٰ اور دیگر باصلاحیت افراد کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علم دین اور اصول فقہ کی تحصیل کے لئے روانہ کیا۔ ان حضرات نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہ کر دن رات ایک کر کے فقہ مالکی سیکھا اور مؤطا امام مالک پڑھی۔ جب یہ واپس آئے تو ہشام نے انہیں حکومت اور شرعی عدالتوں کے اعلیٰ عہدے عطا کئے۔ یہی وجہ ہے کہ اَندَلُس میں مالکی مذہب کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ امیر ہشام اوّل نے پورے اَندَلُس میں اسلامی تعلیمات کے مراکز کا جال بچھوا دیا، ہر شہر میں بڑی بڑی جامعات اور ہر بستی اور گاؤں میں مدارس ومکاتب قائم کروائے، عصری علوم کی درس گاہیں بھی جگہ جگہ کھلوائیں۔ ان سب اداروں میں تعلیم سرکاری خرچ پر تھی۔

اسی دور میں عربی زبان کی ترویج پر خاص توجہ دی گئی اور اسے اَندَلُس کی سرکاری زبان قرار دیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اَندَلُس میں عربی کی خاطر خواہ اشاعت ہوئی۔ غیر مسلم قومیں عربی سے آشنا ہوئیں تو انہیں اسلامی تعلیمات کو قریب سے جاننے کا موقع ملا۔ اس طرح نصرانیوں اور یہودیوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے راستے کھل گئے۔

ماخذ:

- الکامل فی التاریخ: سنۃ ۱۸۰ھ، ذکر وفاۃ ھشام
- البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ۲ ص ۶۲ تا ۶۶
- نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۱ ص ۳۳۳ تا ۳۴۰

الحکم الاوّل، الربضی

(۱۸۰ھ تا ۲۰۶ھ..........۷۹۶ء تا ۸۲۲ء)

ہشام اوّل کی وفات کے بعد صفر ۱۸۰ھ میں اس کے ۲۶ سالہ بیٹے الحکم بن ہشام نے حکومت سنبھالی جو ایک سپاہی پیشہ آدمی تھا۔ اسے الحکم الاوّل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسے اپنے طویل دورِ حکومت میں مسلسل شورشوں سے پالا پڑا۔ حکومت سنبھالتے ہی اسے ۱۸۲ھ میں اپنے چچاؤں: عبداللہ اور سلیمان کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ پانچ سال کی مہم جوئی کے بعد وہ اس فتنے کو فرو کرنے میں کامیاب ہوا۔ ۱۸۸ھ میں شاہِ فرانس شارلمین کی شہ پر شمالی اندلس کے شہروں: سَرَقُسطَہ اور جلیقیہ کے مسلم حکام نے بغاوت کردی اور باغیوں کی مدد کے لیے فرانس اور شمالی نصرانی ریاستوں کی افواج بھی آن پہنچیں۔ الحکم نے اپنے وفادار جرنیلوں کی مدد سے جان توڑ لڑائیوں کے بعد اس طوفان پر قابو پایا۔ مگر اس فتح نے اسے مغرور بھی کر دیا تھا، چنانچہ اس نے کچھ ایسے خلافِ شریعت کام شروع کر دیے جنہیں دیکھ کر مالکی فقہاء اس کے خلاف ہوگئے اور بغاوت کی تیاری کر لی، تاہم حکم کو بروقت اطلاع مل گئی اور علماء وفقہاء گرفتار کر لیے گئے۔ الحکم نے قاضی یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کو مستثنیٰ کر کے باقی سب کو سرِ عام پھانسی دے دی۔

الحکم دشمنوں سے بھرپور لڑائی کے لیے ایک نئی فوج بنانا چاہتا تھا، اس مقصد کے لیے اس نے افریقہ سے ہزاروں غلام منگوائے اور انہیں سخت جنگی مشقوں کے ذریعے ماہر سپاہیوں میں بدل دیا۔

مگر یہ افریقی شائستہ اخلاق وتہذیب سے عاری تھے، اس لیے بات بات پر اہلِ شہر سے جھگڑ پڑتے تھے۔ آخر ایسے ہی ایک جھگڑے کے باعث رمضان ۱۹۸ھ میں بہت بڑا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا جس نے الحکم کے خلاف بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ تین دن تک فوج اور باغیوں میں دست بدست جھڑپیں ہوتی رہی۔ آخر بغاوت کا زور ٹوٹ گیا۔ الحکم نے بغاوت کے سرکردہ مجرموں کو سخت سزائیں دیں اور باغیوں کی بعض مضافاتی بستیوں کو جنہیں ''ربض'' کہا جاتا تھا، منہدم کرا دیا۔ اس کے باعث لوگ اسے ''الربضی'' کہہ کر یاد کرنے لگے۔

الحکم ۲۷ سال حکومت کر کے ۲۵ ذوالقعدہ ۲۰۶ھ کو فوت ہوا۔ عمر ۵۲ سال تھی۔ وہ اندلس کا پہلا حکمران تھا جس نے فوج کو پیشہ ورانہ بنیادوں پر مستحکم کیا اور تنخواہ دار سپاہی بھرتی کیے۔ یقیناً بعض مواقع پر اس کی غیر معمولی سختی ظلم کی حد تک پہنچ گئی تھی اس لیے اسے تاریخ میں اپنے باپ دادا جیسا قابلِ تعریف مقام نہ مل سکا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اندلس کو غیر ملکی طالع آزماؤں سے بچانے اور عسکری لحاظ سے مستحکم کرنے میں اس کا بہت بڑا کردار ہے۔

مآخذ:

- البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ۲ ص ۷۰ تا ۷۲
- الکامل فی التاریخ: سنۃ ۱۸۷ھ تا ۲۰۶ھ
- تاریخ الاسلام للذھبی: ۱۳ ص ۲۳ ترجمۃ الحکم بن ھشام، ت تدمری

عبدالرحمٰن الثانی

۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ (۸۲۲ء تا ۸۵۲ء)

الحکم کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی ۲۰۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ اسے بھی حکومت سنبھالتے ہی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم اس نے تمام مخالفین پر قابو پالیا۔ عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی سے پہلے شمالی اُندلس میں نصرانیوں کا ایک نیا قلعہ بند شہر آباد ہو چکا تھا جسے ''کیسٹل'' یا ''قسطالیہ'' کہا جانے لگا۔ عبدالرحمٰن ثانی کے دور میں جب کہ اُندلس کے مسلمان بے فکر تھے، ریاست آسٹریاس بھی مزید پھیل گئی اور دو مزید نصرانی ریاستیں: لیون اور جلیقیہ بھی اس میں ضم ہوگئیں۔

الحکم اوّل کے دور میں شمالی اُندلس کی نصرانی ریاستوں کو از سرِ نو باج گزار بنایا جا چکا تھا مگر عبدالرحمٰن ثانی کے دور میں ان کی طرف سے خراج کی ادائیگی بند کرنے اور آمادۂ پیکار ہونے کے واقعات پیش آتے رہے، لہٰذا قرطبہ سے شمالی اُندلس کی طرف وقتاً فوقتاً فوجی مہمات بھیجی جاتی رہیں۔ ۲۳۰ھ میں شمالی یورپ کی نارمن قوم نے بحری بیڑے کے ذریعے جنوب مغربی ساحل پر حملہ کیا مگر عبدالرحمٰن ثانی نے فوری کارروائی کر کے حملہ ناکام بنا دیا۔ نارمنوں کے حملے نے عبدالرحمٰن ثانی کو بحری فوج کی مضبوطی کی ضرورت کا احساس دلایا، چنانچہ بحری ماہرین کو اِشبیلیہ طلب کر کے جہاز سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا گیا اور بہت جلد اُندلس کی بحریہ مضبوط ہوگئی۔

عبدالرحمٰن ثانی کے دور میں اُندلس کے دارالحکومت قرطبہ میں ایک بدفطرت پادری یولوجیس نے نصرانیوں کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر اُکسایا اور اس حرکت کو درجۂ ولایت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ کئی دریدہ دہن نصرانیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ نعرے لگائے۔ اس سے معاشرے میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ کئی مقدمات عدالت میں گئے اور اسلامی شریعت کی رو سے ملزمان کو سزائے موت سنا دی گئی۔ یہ صورتحال ایک عرصے تک جاری رہی۔ قاضی مجرموں کے خلاف ثبوت مہیا ہونے پر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچاتے رہے۔

ربیع الآخر ۲۳۸ھ میں عبدالرحمٰن ثانی کی وفات ہوگئی۔ وہ بہترین ادیب اور شاعر تھا۔ اُس نے علوم شرعیہ کے علاوہ حکمت اور فلسفے کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ اس کے دور میں فتوحات اور مہمات جاری رہیں اور اس قدر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ کثرت سے خرچ کرنے کے باوجود خزانے بھرے رہتے تھے۔ وہ تعمیرات کا شوقین تھا۔ کئی مساجد اور کئی سیرگاہیں بنوائیں۔ نئے محلات اور قلعے تعمیر کرائے۔ سڑکیں نکلوائیں۔ جامع قُرطُبَہ کی تعمیر میں بھی اضافے کیے اور اس پر نئی چھت ڈالی۔ اُندلس کے مشہور شہر ''مُرسِیَہ'' کی تعمیر اسی کا کارنامہ ہے جس کی داغ بیل ۲۰۱ھ میں ڈالی گئی۔

ماخذ:

- البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ۲ص ۸۱ تا ۸۹
- الکامل فی التاریخ: سنۃ ۲۳۸ھ
- الروض المعطار فی خبر الاقطار از ابو عبداللہ محمد بن عبدالمنعم الحمیری (م ۹۰۰ھ): ص ۱۸۱

محمد اوّل

(۲۳۸ھ تا ۲۷۳ھ (۸۵۲ء تا ۸۸۶ء)

عبدالرحمٰن ثانی کا بیٹا محمد بن عبدالرحمٰن، ۴ ربیع الآخر ۲۳۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۰ سال تھی۔ اس کے دور میں طُلَیطلَہ میں جہاں نصرانی آبادی کا تناسب زیادہ تھا، مسلسل بغاوتیں ہوتی رہیں، قرطبہ سے بار بار لشکر کشی بھی ان کا زور نہ توڑ سکی۔ آخر کار ۲۵۹ھ محمد بن عبدالرحمٰن نے طُلَیطلَہ کو نیم خود مختاری دے دی۔ طے یہ ہوا کہ وہ داخلی معاملات میں آزاد ہوں گے۔ صرف حکومت کو سالانہ ٹیکس ادا کرنے کے پابند ہوں گے۔

محمد بن عبدالرحمٰن کے ابتدائی ایام میں توہینِ رسالت کی تحریک جاری تھی۔ محمد بن عبدالرحمٰن نے سختی کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے بہت سے گستاخوں کو سزائے موت دی تو پادری سوچ بچار پر مجبور ہو گئے۔ آخر انہوں نے خود مداخلت کر کے گستاخانہ تحریک کو روکا اور کہا کہ آئندہ جو توہینِ رسالت کرے گا وہ گنہگار ہوگا، مگر جو نصرانی اس طرح کی گستاخیوں کی پاداش میں قتل ہو چکے تھے پادریوں نے بہر حال انہیں اولیاء قرار دیا۔

محمد اوّل کے لیے سب سے بڑی مشکل عمر بن حفصون کی بغاوت تھی جو ۲۶۷ھ کے دوران حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا خاندان گاتھک تھا مگر اس کے باپ دادا مسلمان ہو گئے تھے۔ تاہم عمر بن حفصون مرتد ہو گیا اور ایک پادری کے اُکسانے پر اس نے ''جبل برشتر'' کی چوٹی پر واقع ایک ناقابلِ تسخیر قلعے پر قبضہ کر لیا۔ رفتہ رفتہ اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے باقاعدہ کئی بستیوں اور قلعوں پر تسلط حاصل کر لیا۔ اس کے خلاف ہر حکومتی کارروائی ناکام رہی۔ عمر بن حفصون کی سرگرمیاں جاری تھیں کہ ۲۷۳ھ میں محمد بن عبدالرحمٰن کی وفات ہو گئی۔ اس نے ۳۴ سال دس ماہ حکومت کی اور ۶۵ سال عمر پائی۔ وہ ایک نیک سیرت انسان تھا۔ لہو ولعب اور فضول کاموں سے اسے سخت نفرت تھی۔

محمد اوّل سے پہلے سرکاری دفاتر میں لکھت پڑھت اور حساب کتاب کے امور پر نصرانی چھائے ہوئے تھے۔ محمد اوّل نے نصرانیوں کی جگہ سرکاری دفاتر میں مسلمانوں کو جگہ دینا شروع کی جس سے اندلس کے مسلمان مطمئن ہو گئے۔

عام طور پر محمد اوّل کو بخیل کہا جاتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سلطنت کے تمام حسابات کی جانچ پڑتال خود کرتا تھا اور لاکھوں کے معاملات میں ایک پیسے کی کمی بیشی بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ معاملات میں یہ سختی بعض امراء کو ناگوار گزرتی تھی اور وہ اس کے خلاف ہو جاتے تھے۔

مآخذ:

❁ البیان المغرب فی اخبار الاندلس و المغرب لابن العذاری المراکشی: ۲ ص ۹۳ تا ۱۰۹

❁ Moors in Spain, by stanly lane poole.p:118,119,121

❁ Hitti:History of Arabs:615. . .Dozy:The Muslims in spain:279,280

منذر بن محمد

۲۷۳ھ تا ۲۷۵ھ (۸۸۶ء تا ۸۸۸ء)

امیر محمد بن عبدالرحمٰن کے بعد ۸ ربیع الاوّل ۲۷۳ھ کو اس کا فرزند منذر بن محمد تخت نشین ہوا۔ وہ ۴۴ سال کا آزمودہ کار انسان تھا۔ اس نے اپنے والد کی زندگی میں کئی مہمات کی قیادت کی تھی اور ہر جگہ سرفروشانہ کارنامے انجام دیے تھے۔ مگر اس قابل حکمران کو حکومت کے صرف دو برس ملے۔ اس دوران وہ عمر بن حفصون سمیت ان باغیوں سے نبرد آزما رہا جنہوں نے اس کے والد کے دور میں سر اٹھایا تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ نہایت عقل مند، دلیر اور فیاض انسان تھا۔ اپنے بھائیوں سے غیر معمولی محبت کرتا اور ان کا خیال رکھتا تھا۔ اندلس کے لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ قرطبہ کے بزرگ کہتے تھے کہ اگر امیر منذر کو مزید وقت ملتا تو ملک میں کوئی شورش پسند باقی نہ رہتا۔

عبداللہ بن محمد

۲۷۵ھ تا ۳۰۰ھ (۸۸۸ء تا ۹۱۲ء)

امیر منذر کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے حکومت اس کے بھائی عبداللہ بن محمد کو مل گئی جو حافظِ قرآن تھا اور کثرت سے تلاوت کیا کرتا تھا۔ نفل نمازوں اور صدقہ وخیرات کا عادی تھا۔ تاہم وہ اچھا سیاست دان اور قابل منتظم نہ تھا۔ اس کے دور میں نصرانی ریاستوں نے شورشوں کا طوفان برپا کر دیا اور اسلامی مقبوضات پر بے دریغ یلغار کر کے طُلَیطُلَہ سمیت اندلس کے تقریباً ایک تہائی حصے پر قبضہ کر لیا۔ بربر قبائل نے مغربی اندلس اور جنوبی پرتگال میں ایک خودمختار ریاست قائم کر لی۔ اُدھر عمر بن حفصون جو کئی سال سے بغاوت کا علم بلند کیے ہوئے تھا، قرطبہ کے نواح تک آن پہنچا اور وادی الکبیر کے جنوب کا سارا علاقہ غصب کر لیا۔ ایسے میں عبداللہ نے فنا و بقا کا معرکہ سمجھ کر عمر بن حفصون کے خلاف فوج کشی کی اور ۱۲ محرم ۲۷۸ھ (۱۵ اپریل ۸۹۱ء) کو "اگیولر یا پولی" کے مقام پر اسے عبرت ناک شکست دی۔ یوں بنواُمیہ کی دم توڑتی حکومت کو نئی زندگی مل گئی اور جنوبی اندلس میں ان کی حکومت باقی رہ گئی۔

امیر عبداللہ ۳۰۰ھ میں وفات پا گیا۔ اس نے ۲۴ برس حکومت کی۔ اس دوران اندلس کمزور تر ہو چکا تھا۔ سلطنت کی سالانہ آمدنی جو کبھی سالانہ دس لاکھ دینار تھی، ایک لاکھ دینار رہ گئی تھی۔

مآخذ:

- البیان المغرب فی اخبار الاندلس و المغرب لابن العذاری المراکشی: ۲ص ۱۱۹ تا ۱۳۲، ص ۱۵۱ تا ۱۵۳
- تاریخ ابن خلدون: ۴ص ۱۶۹ تا ۱۷۷، ط دار الفکر
- التاریخ الاندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ لعبدالرحمٰن علی: ص ۲۷۱ تا ۲۷۴

عبدالرحمٰن بن محمد الناصر

۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ (۹۱۲ء تا ۹۶۱ء)

عبدالرحمٰن الناصر امیر عبداللہ کا پوتا تھا۔ وہ شیر خوارگی میں یتیم ہوگیا تھا۔ امیر عبداللہ نے اسے گود لے کر خود اس کی پرورش کی اور اسے اسلامی علوم، شعروادب اور تاریخ کی تعلیم دلوائی۔ اس کی عمر صرف سترہ سال تھی جب امیر عبداللہ نے اسے کئی اہم ذمہ داریاں سونپیں اور اسے اچھی طرح آزما کر مہر شاہی بھی اس کے سپرد کردی۔ دادا کی وفات کے بعد عبدالرحمٰن بن محمد یکم ربیع الاوّل ۳۰۰ھ کو تختِ قُرطُبہ پر براجمان ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۳ سال تھی۔ اس نے رعایا پر عائد کردہ تمام ٹیکس معاف کردیے جس پر عوام نے سکھ کا سانس لیا اور سب اسے دل سے دعائیں دینے لگے۔

امیر عبدالرحمٰن الناصر نے زبردست جنگی تیاریوں اور مسلسل مہمات کے ذریعے سلطنت کے سب سے بڑے دشمن عمر بن حفصون کی طاقت توڑ دی اور اسے پہاڑی قلعوں میں پناہ لینے پر مجبور کردیا۔ عمر بن حفصون ۳۰۵ھ میں مرگیا اور اس کے بیٹوں کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر ۳۱۵ھ میں امیر عبدالرحمٰن الناصر نے ان کا آخری قلعہ ''بوباسترو'' بھی فتح کرلیا۔

عمرو بن حفصون کا فتنہ ٹھنڈا ہوتے ہی عبدالرحمٰن الناصر کو نصرانی ریاست ''آسٹریاس'' سے پالا پڑا جو جلیقیہ، لیون اور قستالیہ کی تین نصرانی ریاستوں کو اپنے اندر ضم کر کے ایک مستقل مملکت کی شکل اختیار کرچکی تھی اور بار بار اسلامی شہروں پر حملے کررہی تھی۔ نصرانیوں کی طاقت کا سدباب کرنے کے لیے عبدالرحمٰن الناصر نے ۳۰۶ھ سے ۳۱۲ھ تک متعدد مہمات انجام دیں اور بعض معرکوں میں خود لشکر کی کمان کی اور آسٹریاس کے بادشاہ ''اردون'' کو پے در پے ہزیمتوں سے دوچار کیا۔ آخر ۳۱۲ھ میں اردون فوت ہوگیا اور اس کے جانشین باہم لڑنے لگے۔ اس طرح نصرانیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ چند برس میں آسٹریاس کی نصرانی سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئی اور ان چھوٹی چھوٹی نصرانی ریاستوں کے کمزور خودمختار امراء اپنی بقاء کے لئے خود بخود امیر عبدالرحمٰن الناصر کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوگئے۔

۳۲۰ھ میں الناصر نے دوسال کے محاصرے کے بعد طُلَیطُلَہ کو بھی فتح کرلیا جو اندلس کا وسطی شہر تھا اور پورے ملک کی شاہراہیں یہاں آکر ملتی تھیں اس کے بعد اندلس میں اسلامی سلطنت اپنی سابقہ حدود تک وسیع ہوگئی تھی اور اردگرد کی نصرانی ریاستوں پر ایک بار پھر اسلامی حکومت کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔

اس زمانے میں خلافتِ عباسیہ اتنی کمزور ہوچکی تھی کہ عالم اسلام کی پاسبانی اس کے بس سے باہر تھی۔ قصرِ خلافت میں خواتین کا راج تھا اور باہر ترک امراء ملک پر چھائے ہوئے تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ۳۱۶ھ میں عبدالرحمٰن الناصر نے علماء وفقہاء سے مشورے کے بعد ''امیر المومنین الناصر لدین اللہ'' کا لقب اختیار کر کے اندلس میں اُموی خلافت کا آغاز کردیا۔ مشرق کے علمائے اسلام نے اندلس کی دولتِ اُمویہ کو خلافت کے طور پر قبول نہیں کیا، لہٰذا اس

اقدام کی شرعی حیثیت محلِ نظر رہی۔ تاہم اہلِ اندلس اپنے حالات کے پیشِ نظر اس اقدام کو درست سمجھتے تھے۔

اس دور میں شمالی افریقہ پر اسماعیلی شیعہ مبلغ عبیداللہ بن میمون نے، جو مہدی ہونے کا دعوے دار تھا، ایک وسیع حکومت قائم کرلی تھی اور اس کے بعد وہ مسلم اسپین پر تسلط کا خواہاں تھا۔ الناصر نے اسے سبق سکھانا ضروری سمجھا اور ۳۱۹ھ میں ایک سو بیس جہازوں اور سات ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج بھیج کر سبتہ پر حملہ کیا اور اسے عبیداللہ مہدی کے نائبین سے آزاد کرالیا اور وہاں امیرالمؤمنین الناصر کے نام کا خطبہ جاری کردیا۔

مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ عبدالرحمٰن الناصر کو ہمیشہ کامیابیاں ہی نصیب ہوئی ہوں۔ ۳۲۷ھ میں عبدالرحمٰن الناصر نے پچاس ہزار سپاہی لے کر جلیقیہ کے دارالحکومت سمورہ کا رخ کیا جہاں کے حاکم رڈمیر نے نوار، لیون اور قسطالیہ کی فوجوں کو ملا کر اسلامی سرحدوں پر حملے کی تیاری کرلی تھی۔ سمورہ کے گرد سات مستحکم فصیلیں تھیں اور ہر دو فصیلوں کے درمیان ایک گہری خندق حائل تھی۔ مسلمان قلعے پر حملہ کرکے کچھ فصیلوں کو عبور کرچکے تھے کہ بعض افسرانِ فوج کی غلطی کے باعث فوج گھیرے میں آگئی اور اسے پسپائی پر مجبور ہونا پڑا، پیچھے ہٹتے وقت اکثر سپاہی خندقوں میں گرتے گئے۔ عبدالرحمٰن الناصر بھی دشمن کے گھیرے میں آگیا تھا۔ چند جانثار جان کی بازی لگا کر اسے باہر لانے میں کامیاب ہوئے۔ اس لڑائی میں تقریباً پچاس ہزار سپاہی شہید ہوگئے۔ البتہ عبدالرحمٰن الناصر بخیریت قُرطُبَہ پہنچ گیا۔

پورے دو سال کی تیاریوں کے بعد اس نے اس شکست کا بدلہ لیا اور ایک لشکرِ جرار بھیج کر رڈمیر کو شکستِ فاش دی۔

۳۳۹ھ (۹۵۱ء) میں رڈمیر کی موت کے بعد نصرانی ریاستوں کا حال مزید ابتر ہوگیا۔ یکے بعد دیگرے تمام نصرانی حکام معافی مانگنے پر مجبور ہوگئے اور انہوں نے ہمیشہ مطیع رہنے اور خراج ادا کرنے کا وعدہ کرکے خود کو بچایا۔

عبدالرحمٰن الناصر کی فتوحات نے اس کی شہرت دنیا کے کونے کونے میں پھیلادی۔ قُسطَنطِینِیَہ کے قیصر قسطنطین بن لیون نے ۳۳۶ھ (۹۴۷ء) میں بیش قیمت تحائف کے ساتھ اپنا وفد قُرطُبَہ بھیج کر عبدالرحمٰن الناصر سے مصالحانہ تعلقات کا آغاز کیا۔ بلغاریہ کے حکمران پیٹر نے ایک وفد بھیج کر تاجدارِ اندلس سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ ۳۴۷ھ میں روم کے پوپ یوحنا ٹویلیتھ نے اپنے سفیر بھیجے جو صلح، امن اور باہمی تعاون کی پیش کش لے کر آئے۔ الناصر نے اسے بھی قبول کرلیا۔ شاہِ فرانس لوئیس چہارم کے سفیر حاضر ہوئے اور دوستانہ تعلقات کی پیش کش کی۔ الناصر نے مثبت جواب دے کر وفد کو واپس بھیجا۔ ۳۴۴ھ میں شمالی اندلس کی نصرانی ریاست لیون کے حکمران نے بھی صلح کے لیے سفارت بھیجی۔ ۳۴۵ھ میں قستالیہ کے نواب فرڈیننڈ نے عبدالرحمٰن الناصر کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ اسے قستالیہ کا مستقل حاکم مقرر کردیا جائے۔ اس درخواست کی منظوری سے فرڈیننڈ کی سیاسی ساکھ بڑھ گئی۔

فرڈیننڈ کے پڑوس میں واقعہ نصرانی ریاست پر اردون چہارم کی حکومت تھی جو اپنی بدسیرتی اور بدصورتی کے باعث اردون خبیث کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے فرڈیننڈ کو اپنے ساتھ ملا کر ریاست لیون کے حکمران شانجہ کے خلاف چڑھائی کرکے اسے ریاست لیون سے مار بھگایا۔ شانجہ جان بچا کر اپنی نانی ملکہ طوطہ کے پاس چلا گیا۔ ان

دنوں بعض امراض کے باعث شانجہ کا جسم اتنا پھول گیا تھا کہ اس کے لیے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ ملکہ طوطہ کی درخواست پر عبدالرحمٰن الناصر نے ایک طبیب کو بھیج کر شانجہ کا علاج کرایا اور پھر اسے قُرطُبہ طلب کیا۔ شانجہ اپنی نانی ملکہ طوطہ اور اپنے ماموں کے ساتھ عبدالرحمٰن الناصر کے دربار میں حاضر ہوا اور ہمسایہ نصرانی حکمرانوں کی زیادتیوں کا ازالہ کر کے اسے تختِ لیون پر بحال کرنے کی درخواست کی۔ عبدالرحمٰن الناصر نے مثبت جواب دے کر ان کو واپس روانہ کیا اور پھر فوج بھیج کر ریاست لیون'' کو اردونؔ سے چھین لیا اور اسے شانجہ کے حوالے کر دیا۔

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے پچاس سال حکومت کی اور بیمار ہو کر ۲ رمضان ۳۵۰ھ (۱۴ اکتوبر ۹۶۱ء) کو تہتر (73) سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا دور مجموعی طور پر اسلامی اندلس کا بہترین دور تھا۔ وہ مخالفین کے مقابلے میں ہمیشہ کامیاب رہا اور اس کا ستارۂ اقبال اس کے دورِ حکومت کی ابتداء سے اختتام تک بلندی پر ہی رہا مگر اس کے باوجود وہ کبھی آرام سے نہیں بیٹھا، تعطیلات یا تفریحات پر نہیں گیا بلکہ مسلسل جدوجہد میں مصروف رہا۔ کبھی جہاد کبھی سیاست، کبھی مقامی شورشوں کی سرکوبی، کبھی فریادیوں کی شنوائی اور کبھی تعمیراتی کاموں میں مشغول رہا۔

اس کی وفات کے بعد اس کے ذاتی کاغذات سے ایک تحریر برآمد ہوئی جس میں مکمل حساب لگا کر اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اپنے دورِ حکومت کے پچاس برسوں میں اسے آرام وسکون اور فراغت کے صرف چودہ دن نصیب ہوئے۔

عبدالرحمٰن الناصر کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ اس نے طلیطلہ اور قرطبہ کے درمیان ایک نیا شہر ''سالم'' تعمیر کرایا۔ اسی طرح مغربی ساحل پر ''المریہ'' نامی شہر آباد کیا جو ایک بہترین تجارتی بندرگاہ بن گیا۔ الناصر نے قرطبہ کی جامع مسجد کو جس کی بنیاد عبدالرحمٰن اوّل نے رکھی تھی، نہایت عالی شان انداز میں از سرِ نو تعمیر کرایا اور اسے اس قدر وسعت دی کہ صدیوں تک وہ دُنیا کی سب سے بڑی مسجد شمار ہوتی رہی۔

عبدالرحمٰن الناصر نے قُرطُبہ سے پانچ میل شمال مغرب میں ''الزہراء'' نامی نہایت خوبصورت شہر تعمیر کرایا جس کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہ تھی۔ عبدالرحمٰن الناصر نے اسی کو اپنا پایۂ تخت بنالیا تھا۔ اس میں پندرہ ہزار دروازے اور چار ہزار تین سو سولہ برج اور ستون تھے۔ اس کی تعمیر میں دس ہزار مزدوروں اور معماروں نے حصہ لیا تھا۔ یہ شہر ۲۵ برس میں مکمل ہوا تھا۔ شہر کے انتظامات کے لیے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم اور تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام رکھے گئے تھے۔

ماخذ:

- تاریخ ابن خلدون: ۳ص ۱۷۹ تا ۱۸۳؛ ❁ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ج ۱ ص ۳۷۰ تا ۴۵۹
- البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ۳ص ۲۱۲ تا ۲۲۹؛ ۲ص ۱۹۱ تا ۲۳۳
- المقتبس من انباء الاندلس لابن حیان القرطبی: ۵ص ۲۲ تا ۷۳، ۵ص ۱۵۶، ط المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیۃ قاھرہ
- مروج الذھب للمسعودی: ۱ ص ۷۸؛ ❁ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۳۲۷ھ
- نفح الطیب: ۱ ص ۱۶۰ تا ۱۸۰؛ ۱ ص ۳۷۲؛ ❁ التاریخ الاسلامی از شلبی: ج ۴ ص ۱۰۷؛
- جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الأندلس للمیورقی محمد بن فتوح: ۱ ص ۱۲۳، ط الدار المصریۃ
- سیر اعلام النبلاء: ۱۶ ص ۱۷۳ تا ۱۷۵، ط الرسالۃ

الحکم ثانی مستنصر باللہ

۳۵۰ھ ۳۶۶ھ (۹۶۱ء تا ۹۷۶ء)

عبدالرحمٰن الناصر کی وفات کے بعد ولی عہد شہزادہ حکم بن عبدالرحمٰن نے اُندلس کے نئے خلیفہ کی حیثیت سے قصر الزہراء میں مسند حکومت سنبھالی اور پندرہ سال سات ماہ تک حکومت کی۔ وہ اُندلس کا پہلا حکمران تھا جس نے عباسی خلفاء جیسا لقب اختیار کیا۔ حکم ثانی تجوید، تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، ریاضی، تاریخ، ادب، نظم ونثر اور دیگر مروجہ علوم و فنون میں ماہر تھا۔ حافظہ ایسا تھا کہ وہ جو پڑھتا، اسے ازبر ہوجاتا۔ اس کی علم دوستی کا چرچا سن کر دنیا کے کونے کونے سے ماہر علماء کا ایک جم غفیر قُرطُبہ میں جمع ہوگیا۔ حکم ثانی نے ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی تاکہ وہ معاش سے بے فکر ہوکر علمی خدمات میں مشغول رہیں۔ حکم ثانی نے علماء کی ایک جماعت صرف اس کام کے لیے مقرر کردی کہ وہ غیرملکی زبانوں کی مفید کتب کے تراجم تحریر کریں۔ اس کے کتب خانے کی فہرست ۴۴ جلدوں پر مشتمل تھی جن میں کم و بیش چار لاکھ کتابوں کے کوائف درج تھے۔ بہت سی کتابیں حکم ثانی نے پڑھی تھیں اور ان پر حواشی بھی لکھے تھے۔

حکم ثانی عالم ہونے کے ساتھ ساتھ قابل سیاست دان اور معرکہ آزما سپہ سالار بھی تھا۔ جب نصرانیوں نے عبدالرحمٰن الناصر کے دور میں کیے گئے معاہدوں سے روگردانی کی تو حکم ثانی نے انہیں سبق سکھانے میں دیر نہ کی۔ ۳۵۲ھ میں اس نے قسطالیہ پر چڑھائی کرکے قلعہ "سینٹ اسٹیفن" اور شہر اتنیہ (Atienza) فتح کرلیا۔ اسی دوران ایک دوسری اسلامی فوج ریاست نوار پر حملہ آور ہوئی۔ یہ جنگیں وقفے وقفے سے چار سال تک جاری رہیں۔ آخر تمام نصرانی ریاستیں یکے بعد دیگرے الحکم کی مطیع ہوگئیں۔ ۳۶۰ھ سے ۳۶۳ھ تک ان کے وفود قُرطُبہ آتے رہے۔ اسی زمانے میں قیصرِ قُسطَنطِینِیّہ اور شاہِ جرمنی ہوتو ثانی کے سفیر بھی آئے اور دوستانہ تعلقات کی تجدید کی۔

الحکم ثانی کے دور میں مجموعی طور پر اُندلس میں امن وامان رہا۔ لوگ اطمینان وسکون سے زندگی بسر کررہے تھے۔ ۳۶۴ھ میں الحکم پر فالج کا حملہ ہوا۔ دو سال بستر پر رہنے کے بعد اُس نے ۳ رمضان ۳۶۶ھ کو وفات پائی۔ آج تک دنیا اسے ایک علم دوست حکمران کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔

ماٰخذ:

❁ البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ۲ ص ۲۳۳ تا ۲۵۳

❁ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ۱ ص ۱۸۱، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۹۴، ۳۹۵؛ ۳ ص ۲۹، ۱۲۲

❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ ص ۱۸۵ تا ۱۸۸، ط دار الفکر

❁ سیر اعلام النبلاء: ج ۱۶ ص ۲۳۰ تا ۲۳۲، ط الرسالۃ

❁ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۳۸۵ تا ۴۹۷، ص ۵۰۳ تا ۵۰۷

❁ الاعلام للزرکلی: ۱ ص ۳۲۱

محمد بن ابی عامر (حاجب المنصور)

(۳۶۶ھ تا ۳۹۲ھ (۹۷۶ء تا ۱۰۰۲ء)

الحکم نے وفات سے پہلے اپنے بیٹے ہشام کو جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یہ فیصلہ اس نے اپنی چہیتی زوجہ "ملکہ صبح" (ہشام کی والدہ) کے اصرار پر کیا تھا جو قبیلہ بشکنش سے بطور باندی لائی گئی تھی۔ اگر الحکم دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے تجربہ کار اور قابل بھائی مغیرہ بن عبدالرحمٰن الناصر کو ولی عہد بناتا، تو حالات مختلف ہوتے۔ اب ہوا یہ کہ ہشام کی کم عمری کے باعث مملکت کا نظام اس کے اتالیق محمد بن ابی عامر نے سنبھال لیا جو یمن کے قبیلہ معافر سے تعلق رکھتا تھا۔ ابن ابی عامر نے ایسے وقت میں اندلس کے سیاسی و عسکری امور کی باگ ڈور سنبھالی جبکہ سلطنت میں تفرقہ پڑنے کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ نوعمر ہشام کے لئے حکومت چلانا ممکن نہ تھا بلکہ خطرہ تھا کہ مفاد پرست امراء بغاوتیں کر کے کئی نئی حکومتیں بنا لیتے۔ اس لیے حکومت کا سارا نظام ابن ابی عامر کے ہاتھ میں رہا۔

ابن ابی عامر بڑا فیاض اور مہربان حاکم تھا۔ اسے ہزارہا سپاہیوں کے نام اور کوائف یاد تھے۔ اس کے ایک اشارے پر سپاہی ہر مہم میں بے خطر کود جاتے تھے۔ اس نے فوج کو از سر نو ترتیب دیا اور نصرانی حکومتوں کے خلاف بار بار یلغار کی۔ ۴۶ ہزار گھڑسوار باقاعدہ پیشہ ور فوج کا حصہ تھے۔ رضاکاروں کو ملا کر مجاہدین کی تعداد بسا اوقات ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہو جاتی تھی۔ اس نے شمال کی نصرانی حکومتوں کے خلاف جہاد جاری رکھا اور ۲۷ سال میں ۵۲ مہمات انجام دیں۔ ہر سال موسم بہار اور موسم خزاں میں افواج روانہ ہوتیں۔ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اندلس کی تاریخ میں نصرانیوں پر کسی مسلمان حکمران کی ایسی ہیبت طاری نہیں ہوئی جیسی محمد بن ابی عامر کی تھی۔ اس نے ایسے مقامات تک بھی فوجیں بھیجیں جہاں تک اندلس کے سابقہ حکمرانوں میں سے کسی کو پیش قدمی کا موقع نہ ملا تھا۔ وہ حریف پر سخت گرفت کا قائل تھا۔ چند مواقع کے سوا کبھی دشمن سے صلح نہیں کی اور مکمل فتح حاصل کر کے ہی دم لیا۔ اس قدر فتوحات کے باعث اسے "منصور اعظم" کہا جانے لگا۔

اس نے عبدالرحمٰن الناصر کے "مدینۃ الزہراء" سے متاثر ہو کر ۳۶۸ھ میں قُرطُبہ کے مشرق میں ایک نیا شہر "الزاہرۃ" تعمیر کرانا شروع کیا۔ ۳۷۰ھ میں "الزاہرۃ" کی تعمیر مکمل ہوئی تو ابن ابی عامر نے اہل وعیال اور وفادار امراء سمیت وہیں رہائش اختیار کر لی۔ اس طرح یہ شہر اندلس کا سیاسی مرکز بن گیا۔

منصور اعظم نے ۳۸۳ھ میں افریقہ کے ساحلوں پر بھی لشکرکشی کی، بنوادریس کے ابن غنون نے دوبارہ طاقت پکڑ لی تھی۔ منصور نے فوج بھیج کر اسے صلح پر مجبور کر دیا۔ یوں منصور اعظم نے تمام مخالفین کی سرکوبی کر دی۔

منصور اعظم اپنی ذہانت سے دشمنوں کی تمام چالوں کو ناکام بنا دیتا تھا۔ اس کی کامیابیوں کی ایک بڑی وجہ کامیاب جاسوسی نظام تھا۔ اس کے سینکڑوں مخبر ہر شعبۂ زندگی میں موجود تھے، دشمن کی صفوں اور ان کی خفیہ مجلسوں میں بھی منصور

اعظم کے جاسوس شریک ہوتے تھے اور اسے پل پل کی خبر دیتے تھے۔

منصور اعظم اگرچہ اپنے عدل وانصاف، جہاں داری اور جہادی مہمات کے باعث لوگوں میں بے حد مقبول تھا مگر اکثر لوگ اس بات سے رنجیدہ تھے کہ اس نے خلیفہ ہشام کو یرغمال بنا کر کاروبارِ مملکت سے بالکل لاتعلق کردیا ہے۔ منصور اعظم نے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے ایک دن خلیفہ ہشام کی جلوہ آرائی کے لیے ایک عظیم الشان جلوس کا اہتمام کیا۔ خلیفہ کو شاہی پوشاک وکلاہ زیب تن کرا کے مرصع گھوڑے پر سوار کرایا اور خود وزارتِ عظمیٰ کا عصا تھام کر گھوڑے کی لگام پکڑے ادب واحترام کے ساتھ ہمراہ ہولیا۔ اندلس کے عوام اپنے خلیفہ کی رونمائی اور منصور اعظم کو اس کے ساتھ خادم کی حیثیت سے پیادہ چلتا دیکھ کر مطمئن ہوگئے اور نظام حکومت پر ان کا اعتماد بحال ہوگیا۔

منصور اپنی زندگی کے آخری ایام تک بڑھاپے، کمزوری اور امراض کے باوجود کفار سے جہاد میں مشغول رہا۔ صفر ۳۹۳ھ (دسمبر ۱۰۰۲ء) میں وہ آخری بار جہاد کے لئے نکلا، حسب معمول اپنا کفن جو اپنی بیٹیوں سے بنوایا تھا، ہمراہ تھا، اس بار اس نے قسطالیہ کے خلاف بھرپور کارروائی کی اور شاندار فتح کے بعد واپس لوٹا۔ مگر راستے میں مرض کا شدید حملہ ہوا اور وہ گھوڑے پر سواری کے قابل نہ رہا۔ خادموں نے ایک تخت پر لٹا دیا اور کاندھوں پر اٹھا کر لے چلے، راستے میں ماہ رمضان شروع ہوگیا۔ لشکر ''مدینہ سالم'' پہنچا تھا کہ منصور کا وقتِ موعود آپہنچا اور یہیں جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ یہ ۲۸ رمضان المبارک ۳۹۲ھ (۱۰ اگست ۱۰۰۲ھ) کا واقعہ ہے۔

منصور اعظم ایک پختہ فکر مسلمان تھا۔ حکم ثانی نے قُرطُبہ کے شاہی کتب خانے میں جو لاکھوں کتب جمع کی تھیں، ان میں غیر مسلم حکماء، فلاسفہ اور ملحدین کی تصانیف بھی شامل تھیں۔ منصور اعظم نے ایسی کتب کو تلف کرادیا۔ وہ جہادی سفر میں ہمیشہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا کلام پاک کا نسخہ ساتھ رکھتا تھا اور اس کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنی ۲۷ سالہ جہادی مہمات میں کپڑوں پر لگنے والا گرد وغبار اور مٹی جھاڑ کر ایک تھیلی میں جمع کرتا رہا تھا۔ اس کی وصیت تھی کہ اس کی نعش پر یہ گرد چھڑک دی جائے۔ وفات کے بعد اس تھیلی کو اٹھایا گیا تو اتنی وزنی ہوچکی تھی کہ اس میں موجود مٹی سے ایک اینٹ بنائی جاسکتی تھی۔ راہِ جہاد کی یہ انمول خاک جس کی موجودگی میں حضور نبی الملاحم ﷺ نے دوزخ کی آگ نہ لگنے کی بشارت دی ہے، اس مردِ مجاہد کے جسم پر چھڑک دی گئی اور مدینہ سالم ہی میں دفنا دیا گیا۔

مآخذ:

❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ ص ۱۸۸ تا ۱۹۲، ط دار الفکر

❁ التاریخ الأندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطة، لعبد الرحمن علی: ص ۳۴۶ تا ۳۶۷

❁ البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ۲ ص ۲۵۳ تا ۳۱۰، ط دار الثقافة بیروت

❁ المغرب فی حلی المغرب، لابی الحسن المغربی الأندلسی (م ۶۸۵ھ): ۱ ص ۱۹۵ تا ۲۰۱، ط دار المعارف قاہرہ

❁ سیر اعلام النبلاء: ۱۷ ص ۱۶، ط الرسالة ❁ دولة الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۵۳۵ تا ۵۷۷

❁ الاعلام للزرکلی: ۲ ص ۱۲۵

❁ Dozy: Hist. Vol. II, p. 234-235; Recherches (3ème ed.) Vol. I, p. 180-181

عبدالملک حاجب المظفر

۳۹۲ھ تا ۳۹۹ھ (۱۰۰۲ء تا ۱۰۰۸ء)

منصور اعظم کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا ۲۸ سالہ بیٹا عبدالملک عملی طور پر ملک کا حکمران بن گیا جبکہ خلیفہ کا رسمی منصب حسب سابق ہشام مؤید باللہ کے پاس رہا۔ عبدالملک اپنے باپ کی طرح بہادر اور جنگجو تھا، اس کی قیادت میں ملک امن وامان کے ساتھ ترقی وخوشحالی کی شاہراہ پر گامزن رہا۔

عبدالملک نے فوج میں بربروں کی تعداد بڑھادی اور اس نئی طاقت کے ساتھ شمالی نصرانی ریاستوں پر کئی حملے کیے۔ شعبان ۳۹۳ھ میں وہ ''الزاہرہ'' سے نکلا اور اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوا۔ اس مہم میں اس نے ''برشلونہ'' کے گردونواح میں چھ قلعے فتح کیے، ۸۵ قلعوں کو مسمار کیا اور ۵ ہزار ۷۰ قیدیوں کے ساتھ واپس آیا۔ ۳۹۵ھ میں عبدالملک نے شمال میں جلیقیہ کے سابق مرکز ''سمورہ'' تک پیش قدمی کی اور ۳۹۶ھ میں ''بنبلونہ'' پر یلغار کی۔ ۳۹۷ھ میں حاکمِ قسطالیہ شانجہ غرسیہ اور حاکم لیون الفانسو پنجم سمیت کئی نصرانی امراء ایک بار پھر قرطبہ کے خلاف متحد ہوئے مگر عبدالملک نے تیزی سے آگے بڑھ کر قلونیہ کے میدان میں ان سب کو شکستِ فاش دی۔ ان فتوحات کے باعث عبدالملک ''المظفر'' کے لقب سے مشہور ہو گیا۔

اس دور میں فتوحات کی کثرت کے باعث اسلامی اندلس میں خوشحالی کی ریل پیل تھی۔ لوگ بے فکری کی زندگی گزار رہے تھے۔ اصحابِ ثروت کے ہاں زائد دولت کو خزانوں میں محفوظ کرنا عام ہو گیا تھا۔ رقص وسرود میں دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ لوگ اس بہشتِ ارضی میں عیش کا جھولا جھولنے میں مگن تھے۔

عبدالملک بیماری کی حالت میں صفر ۳۹۹ھ میں جہاد کے لیے نکلا مگر قرطبہ سے نکلتے ہی بیماری بڑھ گئی اور اُسے واپس آنا پڑا۔ مرض کی شدت میں ناک سے خون جاری ہو گیا جس کے بعد ۱۶ صفر (۳۱ اکتوبر ۱۰۰۸ء) کو وہ وفات پا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُسے اُس کے سوتیلے بھائی عبدالرحمٰن بن محمد (شانجول) نے زہر دیا تھا۔ اس کی مدتِ حکومت چھ سال ساڑھے چار ماہ تھی۔ وہ اپنے گناہوں پر رونے اور بکثرت توبہ واستغفار کرنے کا عادی تھا۔ دلیر اور حیادار تھا۔ علماء وصلحاء کی خدمت میں بیٹھتا اور ان سے دعائیں لیتا۔ اُموی دور کے عظیم فرمانرواؤں میں سے وہ آخری شخص تھا۔ اس کے بعد مسلمانانِ اندلس تیزی سے انتشار کا شکار ہو گئے اور چند برسوں میں اندلس ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

مآخذ:

- البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ۳/ص ۲ تا ۳۷، ۲۷۵
- تاریخ ابن خلدون: ۴/ص ۱۹۰، ط دار الفکر
- دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱/ص ۶۰۱ تا ۶۲۰
- نھایۃ الارب للنویری: ۲۳/ص ۳۰۷، ط دار الکتب والوثائق القومیۃ

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ اندلس کی تاریخ میں ذورولایت کی کیا اہمیت ہے؟
❷ اندلس پر اسلامی حکومت کے قیام سے مقامی لوگوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟
❸ عبدالرحمٰن اوّل کی طرف سے غیر مسلم آبادی کے لیے جو امان نامہ لکھا گیا اس میں کیا تحریر تھا؟
❹ ہشام الرضی کی سیرت پر مختصر نوٹ لکھیے۔
❺ الحکم اول کو "الربضی" کیوں کہا جاتا تھا؟
❻ عبدالرحمٰن الناصر کے کن کارناموں نے آپ کو زیادہ متاثر کیا؟
❼ الحکم ثانی کے علمی ذوق اور کتابوں کے شوق پر روشنی ڈالیے۔
❽ محمد بن ابی عامر کو کن کارناموں کی بناء پر منصورِ اعظم کا لقب ملا؟

عملی کام:

❁ اندلس کے ان شہروں کی تصاویر جمع کریں:

(الف) طُلَیطَلَہ (Madrid)

(ب) غرناطہ (Granada)

(ج) قرطبہ (Cordoba)

(د) اشبیلیہ (Seville)

❁ اندلس کا نقشہ دیکھیے اور اس کے اہم شہروں کے محلِ وقوع کو سمجھیے۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخ اندلس از مولانا ریاست علی ندوی
❁ اندلس میں چند روز، از شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

(یونٹ:3.2)

اُمویانِ اندلس......دورِ زوال

عبدالملک کی ناگہانی وفات کے بعد اس کا سوتیلا بھائی عبدالرحمٰن شانجول زبردستی تخت پر قابض ہوگیا۔ وہ اخلاق وکردار کے لحاظ سے بالکل نااہل تھا۔ اس کا سارا وقت کھیل تماشے اور عیش وعشرت میں گزرتا تھا۔ لہٰذا عوام وخواص سب اس سے نفرت کرنے لگے۔ وہ قُرطُبَہ کے کٹر مخالف نصرانی حکمران شانجہ غرسیہ (شاہِ قسطالیہ) کا نواسا تھا۔ شانجہ غرسیہ نہایت عیار تھا۔ کبھی مسلمانوں سے صلح کرتا اور کبھی ہتھیار اٹھالیتا۔ ایک صلح کے موقع پر اس نے اپنی بیٹی ''عبدہ'' منصورِ اعظم کے نکاح میں دے دی تھی۔ اس لڑکی نے اسلام قبول کرلیا اور منصورِ اعظم کی سب سے چہیتی بیگم ثابت ہوئی۔ عبدالرحمٰن شانجول اسی کی اولاد تھا۔ چونکہ شکل وصورت میں وہ اپنے نانا شانجہ غرسیہ سے ملتا جلتا تھا، اس لیے لوگ اسے ''شانجول'' یعنی چھوٹا شانجہ کہا کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن شانجول مسلمانوں کو تیزی سے تباہی کی طرف لے گیا۔ اندلس میں حکومت کا وقار اور حکمران کا رعب داب ختم ہوگیا۔ عوام صبر وتحمل سے عاری اور خواص بصیرت سے محروم ہوگئے۔

آخر عبدالرحمٰن شانجول ۳۹۹ھ میں ایک بغاوت میں مارا گیا۔ اب قُرطُبَہ میں ایک نئی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ شروع ہوگئی۔ ایک طرف بربر تھے جن کی بہت بڑی کھیپ محمد بن ابی عامر کے تیس سالہ دور میں مَرّاکش سے قُرطُبَہ منتقل ہوئی تھی۔ مگر اب عرب بربروں کو اپنا دشمن سمجھنے لگے تھے۔ ایک گروہ ان صقلبی افسران وسپاہ کا بھی تھا جنہیں محمد بن ابی عامر کے دور میں ترقیاں ملی تھیں لہٰذا وہ بربروں سے اتحاد میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ان مختلف الخیال گروہوں کی کش مکش کی بناء پر قُرطُبَہ میں یکے بعد دیگرے حکمران آتے اور جاتے رہے۔ امراء کسی ایک کو ''مسندِ خلافت'' پر بٹھاتے مگر عوام احتجاج کرکے اسے اترنے پر مجبور کردیتے۔ پھر کوئی لیڈر عوام کا نمائندہ بن کران کی حمایت کے ساتھ اوپر آتا مگر امرائے لشکر کے ہاتھوں مارا جاتا۔ قُرطُبَہ کے قضاۃ اور فقہاء کسی نیک بندے کو دستارِ خلافت پہناتے مگر وہ محلاتی سازشوں کا شکار ہوکر قتل ہوجاتا یا جیل کی کسی کال کوٹھری میں پہنچ جاتا۔ اقتدار کا کوئی بھوکا بربری قبائل کے بل بوتے پر مسندِ حکمرانی تک آن پہنچتا مگر عرب امراء بغاوت کرکے اس کا تختہ الٹ دیتے۔ الغرض مختلف حکمران اب یکے بعد دیگرے قُرطُبَہ کے تخت پر بیٹھنے اور اُترنے لگے۔ جب کہ ہشام المؤید کو معزول کردیا گیا۔

عبدالرحمٰن شانجول کے قتل کے بعد اُموی شہزادے محمد بن ہشام نے المہدی کا لقب اختیار کرکے حکومت شروع کی۔ وہ کردار کے لحاظ سے شانجول سے بھی گیا گزرا تھا۔ وہ تخت پر بیٹھ کر تمام ذمہ داریوں سے غافل ہوگیا اور عیش وعشرت، مے نوشی اور دیگر معاصی میں منہمک ہوگیا۔ جبکہ اس کے حامیوں نے جو بنواُمیہ کے شیدائی اور خانوادۂ حاجب المنصور کے دشمن تھے، اپنی فتح کا جشن یوں منایا کہ منصورِ اعظم کے تعمیر کردہ عظیم الشان شہر ''الزاہرہ'' کی اینٹ

سے اینٹ بجادی اور اسے لوٹ کر آخر میں نذرِ آتش کر دیا۔

یہ خبر سن کر بربر المہدی کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے ایک اور اُموی شہزادے سلیمان بن الحکم (بن عبدالرحمٰن الناصر) کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی قیادت میں المہدی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ربیع الاوّل ۴۰۰ھ میں المہدی کو بربروں سے جنگ میں شکست ہوئی اور قرطبہ سلیمان بن حکم کے قبضے میں آ گیا۔ اُدھر المہدی بھاگ کر طُلَیطلَہ پہنچا اور اپنے حامیوں اور نصرانیوں کی مدد سے دوبارہ قرطبہ پر حملہ آور ہوا۔ اس بار اسے فتح ہوئی اور وہ قرطبہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنی حکومت جمانے کی کوشش شروع کی مگر جلد ہی اُس کی بدخلقی کے باعث اس کے افسران تنگ آ گئے اور ان کی بغاوت میں المہدی مارا گیا۔ اب سابق گوشہ نشین خلیفہ ہشام المؤید باللہ کو دوبارہ مسندِ خلافت پر بٹھا دیا گیا۔

ہشام المؤید نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح امن وامان قائم ہو اور بربروں سے صلح ہو جائے۔ اس نے المہدی کا کٹا ہوا سر بھی ان کے پاس بھیج دیا تاکہ اپنے دشمن کا انجام دیکھ کر اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے مگر بربر راضی نہ ہوئے۔ وہ ربیع الاوّل ۴۰۱ھ (نومبر ۱۰۱۰ء) میں قُرطُبَہ کے نواح میں مدینۃ الزہراء پہنچے۔ چوں کہ قرطبہ کے عربوں نے بربروں کے سرپرست منصورِ اعظم کے شہر "الزاہرہ" کو تہس نہس کیا تھا، اس لیے بربروں نے اس کے ردِّ عمل میں "مدینۃ الزہراء" کو نذرِ آتش کر دیا۔ وہ شہر جس کی ہر عمارت فنِ تعمیر کا ایک شہ پارہ تھی، عصبیت کی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔

الزہرا کو اجاڑ کر بربروں نے قُرطُبَہ کا محاصرہ کر لیا۔ ہشام المؤید اور اس کے اُمراء قُرطُبَہ میں لرزہ براندام تھے۔ ایسے میں نصرانی حکمران شانجہ نے حکومت قُرطُبَہ کے خوف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک سفارتی وفد بھیجا جس نے مطالبہ کیا کہ الحکم کے دور سے منصورِ اعظم کے دور تک فتح کیے گئے تمام شہروں اور قلعوں کی تولیت نصرانیوں کو واپس کی جائے۔ ہشام المؤید نے یہ معاہدہ کر لیا جس کے مطابق دو سو سرحدی قلعے اور کئی شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ یوں اسلامی اُندلُس اپنے دفاع کے خطِ اوّلین سے محروم ہو گیا۔ دو صدیوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ اُندلُس کے کسی حکمران نے خود نصرانیوں کو اپنی زمین دی ہو۔ تاہم اس قدر ذلت آمیز اقدام کا حکومت قُرطُبَہ کو ذرہ برابر فائدہ نہ ہوا اور بربروں سے انہیں نجات نہ ملی۔ ۲۶ شوال ۴۰۲ھ (یکم جون ۱۰۱۲ء) کو بربر شہر میں گھس گئے، انہوں نے ہزاروں لوگوں کو تہہ تیغ کر کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ ہشام المؤید لاپتا ہو گیا۔ اگلے دن سلیمان مستعین لوگوں کی لاشوں سے گزر کر بربروں کے کاندھوں پر مسندِ خلافت تک پہنچا۔

سلیمان مستعین باللہ قُرطُبَہ میں دوبارہ حکمران بن گیا۔ وہ ذاتی طور پر علم وفضل سے آراستہ تھا اور اچھا شاعر وادیب تھا مگر وہ سیاست میں کمزور تھا، لہٰذا بربروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ ان ایام میں بربروں کے چھ قبائل: بنو زیری (صنہاجہ)، بنو مغراوہ، بنو برزال، بنو یفرن، بنو دُمّر اور بنو ازداجہ پوری حکومت پر حاوی تھے۔ آخر مستعین نے انہیں قُرطُبَہ سے نکالنے کے لیے کئی اہم اضلاع اور شہروں کی ولایت انہی کے سپرد کر دی۔ چنانچہ ضلع البیرہ (غرناطہ) بنو زیری کو، ضلع جَیّان مع مضافات بنو برزال اور بنو یفرن کو، ضلع شذونہ اور مورو بنو دُمّر اور بنو ازداجہ کو دے دیے

گئے۔ بنو مغراوہ کو بعض وسطی شہر دے دیے گئے۔ یوں بربر جنوبی اور وسطی اُندلس پر چھا گئے۔ جب بنو عامر کے وفادار اُمراء نے یہ منظر دیکھا تو بربروں سے خوف محسوس کیا لہٰذا اُن کی اکثریت قُرطُبَہ چھوڑ کر وہاں سے بہت دور مشرقی اُندلس چلی گئی۔ اُن کے ایک افسر مجاہد نے ''دَانِیَہ'' میں اور دوسرے اَفسر خیران نے اَلْمَرِیَہ اور مُرسِیَۃ میں کچھ قلعوں پر چھوٹی چھوٹی آزاد حکومتیں بنالیں۔ مستعین نے عربوں کو بھی کچھ علاقے اور شہر دیے، مثلاً بنو تجیب کے منذر بن یحییٰ کو سَرَقُسطَہ اور شمالی سرحدوں کی ولایت دے دی۔ نیز اس زمانے میں مَرّاکش کے حکمران خاندان الادارسہ کے بعض شہزادے اور اُمراء حکومت سے محروم ہونے کے بعد نئے مواقع کی تلاش میں قُرطُبَہ آ چکے تھے۔ ۴۰۴ھ میں مستعین نے انہیں مغربی سرحدوں کے اضلاع بخش دیے۔ علی بن حمود کو سبتہ کا حاکم بنادیا جبکہ اس کے بھائی قاسم بن حمود کو جزیرۃ الخضراء اور طنجہ کی ولایت دے دی۔ مستعین نے سلطنت کو اس طرح تقسیم کرکے بظاہر قُرطُبَہ کو بچالیا تھا مگر یہ تمام حکام جلد ہی خود مختار بن گئے اور یوں اُندلس میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوگیا۔

قرطبہ پر سلیمان مستعین باللہ کی حکومت ۴۰۷ھ تک رہی۔ پھر ایک ہاشمی گھرانے بنو حمود کے اُمراء یہاں قابض ہوگئے۔ یہ صورتحال اُموی شہزادوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھی، چنانچہ اب قُرطُبَہ میں بنو حمود اور بنو اُمیہ کے درمیان ایک نئی کش مکش شروع ہوگئی اور ۴۰۷ھ سے ۴۱۸ھ تک باری باری دونوں خاندانوں کے حکمران مختصر وقفے کے لیے برسرِ اقتدار آتے رہے۔ بنو حمود میں سے علی بن حمود، قاسم بن حمود اور یحییٰ بن علی بن حمود نے یہاں حکومت کی۔ جبکہ اُمویوں میں سے عبدالرحمٰن بن ہشام مستظہر، عبدالرحمٰن بن محمد مستکفی اور ہشام بن محمد المعتد مسند نشین رہے مگر کوئی بھی زیادہ دنوں تک نہ ٹک سکا۔ آخر ۴۱۸ھ میں بنو حمود اور بنو اُمیہ دونوں سیاست کے میدان سے باہر ہوگئے اور قرطبہ کے عمائد نے ایک نامور رئیس ابن جہور کی قیادت میں اعلان کردیا کہ اس وقت خلافت کا کوئی اہل موجود نہیں ہے، لہٰذا قُرطُبَہ کی خلافت ختم کی جارہی ہے۔ الغرض بنو اُمیہ کی حکومت جو چوتھی صدی ہجری میں عبدالرحمٰن الناصر، الحکم ثانی اور حاجب المنصور جیسے حکمرانوں کے ماتحت دنیا کی مضبوط ترین سلطنتوں میں شمار ہوتی تھی، چند برسوں میں زمیں بوس ہوگئی۔ اب ہم یہاں اس سلطنت کے زوال کے اسباب کا ذکر کرتے ہیں:

❶ عبدالرحمٰن الناصر اور منصورِ اعظم جیسے مجاہد حکمران جو کثرت سے شمالی نصرانی ریاستوں: آسٹریاس، قسطالیہ، لیون اور نوار وغیرہ پر حملہ آور ہوتے تھے، ان علاقوں کو باج گزار بنانے پر اکتفا کرتے رہے۔ شمالی ریاستوں میں اشاعتِ اسلام کی کوئی مؤثر کوشش نہیں ہوئی۔ نیز ان علاقوں میں مسلمانوں کو بسانے کی منصوبہ بندی بھی نہیں گئی۔ نصرانی مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے، اس لیے جب بھی کوئی بڑی فوج حملہ آور ہوتی تو وہ پسپائی اختیار کرلیتے اور معافی طلب کرکے خراج دینے کا وعدہ کرلیتے۔ مسلمانوں کی واپسی پر دوبارہ ان پہاڑوں پر قبضہ جما کر حسبِ معمول حکومت کرنے لگتے۔ چنانچہ شمال کی نصرانی ریاستیں ختم نہ ہوسکیں اور جیسے ہی انہیں موقع ملا، وہ طاقت ور ہونا شروع ہوگئیں۔

❷ معاشی آسودگی، بے پناہ خوشحالی اور ثروت نے مسلمانوں کو اعلیٰ مقاصد سے غافل کردیا۔ عیاشی، تفریح اور

تن آسانی کی ثقافت عام ہوئی تو دنیا وآخرت کے اہم حقائق پسِ پشت چلے گئے اور لوگ نفس پرستی کے اسیر بن کر پے در پے غلط فیصلے کرتے چلے گئے جو زوال معاشرہ، خانہ جنگی اور انتشارِ قوم کا ذریعہ بنے۔

❸ موروثی حکومتوں میں محض حسب نسب کی بناء پر کسی نااہل آدمی کے اوپر آنے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بنیادی خرابی اس دور کی تمام مسلم سلطنتوں میں موجود تھی اور بعد میں بھی رہی۔

❹ حکم ثانی نے اپنے کم عمر بیٹے ہشام المؤید باللہ کو جانشین بنادیا تھا جو ذاتی طور پر نیک سیرت ہونے کے باوجود، انتظامی قابلیت اور سیاسی تجربے سے محروم تھا۔ اُمویانِ اندلس کا دورِ زوال اسی دن سے شروع ہو گیا تھا۔

❺ منصورِ اعظم کا دور ایک لحاظ سے اندلس میں مسلمانوں کا دورِ عروج تھا مگر اس دور میں خلیفہ کے اختیارات سلب کر لیے گئے تھے۔ عوام وخواص چاہتے تھے کہ خلیفہ کے اختیارات بحال کیے جائیں۔ منصورِ اعظم نے اپنی سیاسی مہارت کے ذریعے حالات پر قابو پائے رکھا مگر جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو نظام کی یہ خرابی ابھر آئی۔

❻ ہشام المؤید کی گوشہ نشینی نے بنو اُمیہ کی ہیبت اور عظمت کا تاثر ختم کر دیا تھا۔ پھر عبدالملک المظفر کی اچانک موت اور شانجول جیسے نالائق کی سربراہی نے امرائے قرطبہ کو بے باک کر دیا اور انہوں نے مسندِ خلافت کو کھیل بنالیا۔ قرطبہ میں وہی حالات پیدا ہو گئے جو بنو عباس کے دورِ زوال میں بغداد کے تھے۔

❼ اندلس میں بربر، صقالبی، مولدین، یمانی عرب، مضری عرب، گاتھک اور دیگر نسلوں کے نصرانیوں سمیت طرح طرح کی قومیں جمع ہو گئی تھیں اور ہر قوم میں اقتدار کے کئی کئی حریص موجود تھے۔ اس صورتحال نے یہاں بار بار بغاوتوں اور خانہ جنگی کا ماحول پیدا کر کے ملک کو کمزور تر کر دیا۔

❽ نصرانی عورتیں باندیاں بن کر مسلمانوں کے گھروں کا حصہ بنتی رہیں۔ ان خواتین کے اثرات اگلی نسلوں پر پڑے جن میں سے بعض کے ہاتھوں میں اقتدار کی باگ ڈور بھی آئی۔ شانچہ غرسیہ جیسے کٹر نصرانی کا نواسا "شانجول" منصورِ اعظم کے گھر پیدا ہونے کے سبب قرطبہ کے تخت پر آ بیٹھا اور ملک کو تباہی کی راہ پر ڈال گیا۔

❾ آخری دور میں مسلمانانِ اندلس کے سیاسی رجحانات سخت عاقبت نااندیشی پر مبنی دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں سے نہ صرف بے فکر ہو گئے بلکہ انہیں ساتھ ملا کر ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے تھے۔

غرض یہ وہ اہم اسباب تھے جن کی بناء پر دیکھتے ہی دیکھتے اُمویانِ اندلس کی عظیم حکومت زمین بوس ہو گئی۔

❁❁❁

ماخذ:

❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ص ۱۹۱ تا ۱۹۸، ط دار الفکر

❁ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱ص ۵۸۳، ۵۸۴، ۶۱۱ تا ۶۱۵، ۶۳۹ تا ۶۶۸

❁ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ۱ص ۳۲۷ تا ۳۳۸؛ ۳۸۲، ۳۸۳؛ ۵۲۳

❁ نہایۃ الارب للنویری: ۲۳ص ۳۱۰، ط دار الکتب والوثائق القومیۃ ❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ص ۱۹۰، ط دار الفکر

قُرطُبہ کے حکمرانوں کی فہرست

نمبر	حکمران	دور حکومت	کل مدت	خاص بات
۱	عبدالرحمٰن اوّل	۱۳۸ھ تا ۱۷۲ھ (۷۵۵ء تا ۷۸۸ء)	۳۳ سال ۴ ماہ	بانیٔ دولتِ اُمویہ
۲	ہشام الرضی	۱۷۲ھ تا ۱۸۰ھ (۷۸۸ء تا ۷۹۶ء)	۷ سال ۹ ماہ	مملکت کا استحکام ہوا
۳	الحکم اوّل	۱۸۰ھ تا ۲۰۶ھ (۷۹۶ء تا ۸۲۲ء)	۲۶ سال ۱۱ ماہ	نصاریٰ سے جہاد
۴	عبدالرحمٰن ثانی	۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ (۸۲۲ء تا ۸۵۲ء)	۳۱ سال ۳ ماہ	توہینِ رسالت کا فتنہ
۵	محمد اوّل	۲۳۸ھ تا ۲۷۳ھ (۸۵۲ء تا ۸۸۶ء)	۳۴ سال ۱۰ ماہ	اندرونی بغاوتیں
۶	منذر بن محمد	۲۷۳ھ تا ۲۷۵ھ (۸۸۶ء تا ۸۸۸ء)	۲ سال	حکومت کمزور ہوگئی
۷	عبداللہ بن محمد	۲۷۵ھ تا ۳۰۰ھ (۸۸۸ء تا ۹۱۲ء)	۲۵ سال ۶ ماہ	عمر بن حفصون کا فتنہ
۸	عبدالرحمٰن الناصر	۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ (۹۱۲ء تا ۹۶۱ء)	۵۰ سال ۶ ماہ	سنہرا دور۔ اعلانِ خلافت
۹	الحکم ثانی	۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ (۹۶۱ء تا ۹۷۶ء)	۱۵ سال ۷ ماہ	علم نواز، پُرامن دور

اُموی خلفاء، امرائے بنو عامر کے تحت

۱۰	المنصور مع ہشام المؤید	۳۶۶ھ تا ۳۹۲ھ (۹۷۶ء تا ۱۰۰۲ھ)	۲۷ سال چند ماہ	نصرانیوں سے جہاد
۱۱	عبدالملک مع ہشام المؤید	۳۹۲ھ تا ۳۹۹ھ (۱۰۰۲ء تا ۱۰۰۸ء)	۷ سال	نصرانیوں سے جہاد
۱۲	شانجول مع ہشام المؤید	۳۹۹ھ (۱۰۰۸ء تا ۱۰۰۹ء)	تین ماہ	دورِ زوال شروع

دورِ زوال۔ کمزور اُموی خلفاء

۱۳	محمد بن ہشام، المہدی	۳۹۹ھ تا ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ء)	دس ماہ	
۱۴	سلیمان بن الحکم مستعین	۴۰۰ھ (نومبر ۱۰۰۹ء تا مئی ۱۰۱۰ء)	سات ماہ	
۱۵	محمد بن ہشام المہدی	۴۰۰ھ (مئی تا جولائی ۱۰۱۰ء)	دو ماہ	دوبارہ حکومت
۱۶	ہشام المؤید	۴۰۰ھ تا ۴۰۲ھ (۱۰۱۰ء تا ۱۰۱۲ء)	ایک سال دس ماہ	دوبارہ حکومت
۱۷	سلیمان مستعین	۴۰۲ھ تا ۴۰۷ھ (۱۰۱۲ھ تا ۱۰۱۶ء)	چار سال	دوبارہ حکومت

قُرطُبہ پر بنو حمود کا تسلط جس کے دوران برائے نام اُموی خلفاء بھی آتے رہے۔			
۱۹	علی الناصر بن حمود	۴۰۷ھ ۴۰۸ھ (۱۰۱۶ء تا ۱۰۱۸ء)	ایک سال
۲۰	القاسم المأمون بن حمود	۴۰۸ھ تا ۴۱۲ھ (۱۰۱۸ء تا ۱۰۲۱ء)	پانچ سال
۲۱	یحییٰ بن علی بن حمود	۴۱۲ھ تا ۴۱۳ھ (۱۰۲۱ء تا ۱۰۲۳ء)	چند ماہ
۲۲	القاسم بن حمود۔ دوبارہ	۴۱۳ھ تا ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء تا ۱۰۲۴ء)	ایک سال
۲۳	عبدالرحمٰن المستظہر	۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء تا ۱۰۲۴ء)	چند ماہ
۲۴	محمد الثالث المستکفی	۴۱۴ھ تا ۴۱۶ھ (۱۰۲۴ء تا ۱۰۲۵ء)	دو سال
۲۵	یحییٰ بن علی۔ دوبارہ	۴۱۶ھ تا ۴۱۷ھ (۱۰۲۵ء تا ۱۰۲۶ء)	دو سال
۲۶	ہشام المعتد باللہ	۴۱۸ھ تا ۴۲۲ھ (۱۰۲۷ء تا ۱۰۳۱ء)	چار سال

دوسرا باب

ملوک الطوائف تا سقوطِ غرناطہ

تعارف:

اَندَلُس سے دولتِ اُمویہ کے خاتمے کے بعد یہاں مسلمانوں کی بہت سی الگ الگ حکومتیں قائم ہوگئیں جنہیں ملوک الطوائف کہا جاتا ہے۔ افریقہ کے مرابطین اور پھر مؤحدین نے آکر یہاں سیاسی وحدت دوبارہ قائم کی جو زیادہ عرصے برقرار نہ رہی۔ انجام کار فقط غرناطہ میں مسلمانوں کی حکومت باقی رہ گئی جسے نصرانیوں نے نویں صدی ہجری (پندرہویں صدی عیسوی) کے اواخر میں ختم کردیا۔ یوں مسلم اَندَلُس کا دور ختم ہوگیا۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

① اَندَلُس میں سیاسی انتشار اور ملوک الطوائف کے دور کے خطرناک بحران سے آگاہ ہوسکیں۔

② اس ملک کو متحد اور محفوظ رکھنے کے حوالے سے مرابطین اور مؤحدین کی مساعی سے واقف ہوسکیں۔

③ بنونصر کے دور میں اَندَلُس کی صورتحال کو جان سکیں۔

④ سقوطِ غرناطہ اور اسلامی اَندَلُس کے خاتمے کے اسباب کو جان سکیں۔

⑤ مسلمانوں کی نسل کشی اور تہذیبِ اسلامی کے آثار کی بیخ کنی کے حوالے سے اَندَلُس کے نصرانیوں کا افسوس ناک کردار آپ کے سامنے آسکے۔

ملوک الطوائف

۴۰۰ھ تا ۴۸۴ھ (۱۰۱۰ء تا ۱۰۹۱ء)

قُرطُبہ میں اُموی حکومت کے زوال پذیر ہوتے ہی پورے ملک میں صوبے آزاد ہونے لگے۔ تقریباً ہر سال ایک دو شہروں کے خودمختاری کا دعویٰ کردیتے اور مرکزی حکومت ان پر قابو پانے کی ہمت نہ کرسکتی۔ عبدالرحمٰن اول نے جس اندلس کو جان کی بازی لگا کر حاصل کیا تھا، وہ سمٹ گیا اور عبدالرحمٰن الناصر اور حاجب المنصور نے درجنوں شہروں کو سالہا سال جہاد کے بعد فتح کرکے جو وسیع وعریض سلطنت قائم کی تھی، وہ بکھر گئی۔ خودغرض سیاست دانوں اور اقتدار کے بھوکے جرنیلوں نے اسلامی اندلس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کئی مملکتوں میں بانٹ لیا۔ پھر ہر ریاست کے اندر اقتدار کے کئی کئی دعوے دار پیدا ہوگئے اور ایک نہ ختم ہونے والی کشاکشی شروع ہوگئی۔

یوں پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں یہاں کئی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ ان میں سے بعض حکمران خلافت کے دعوے دار بھی بن گئے اور خلفائے بنوعباس کی طرح اپنے نام کے ساتھ، باللہ، من اللہ، للہ جیسے القاب لگانے لگے۔ باقی اسلامی دنیا میں انہیں "ملوک الطوائف" کہا جاتا تھا۔ ان میں سے مشہور حکومتیں درج ذیل ہیں۔

نمبر	حکومت	خاندان	علاقہ	مشہور حکمران
۱	دولۃ بنی حمود	علوی ادریسی (عرب)	مالقہ، الخضراء، پھر قُرطُبہ	علی بن حمود، قاسم بن حمود
۲	دولۃ بنی جَہوَر	بنوکلب (عرب)	قُرطُبہ، وادی الکبیر	ابوالحزم ابن جَہوَر
۳	دولۃ بنی ذوالنون	ہوارہ (بربر)	طلیطلہ، پھر قُرطُبہ بھی	یحییٰ المامون، یحییٰ القادر
۴	دولۃ بنی عباد	بنولخم (عرب)	اِشبیلیہ، پھر قُرطُبہ بھی	عباد المعتضد، المعتمد
۵	دولۃ بنی ہود	بنوہود (عرب)	قلعہ ایوب، پھر سرقسطہ بھی	مستعین، مقتدر، مؤتمن
۶	دولۃ بنی اَفطَس	بنواَفطَس (بربر)	بَطَلیُوس، ماردہ	محمد المظفر، عمر المتوکل
۷	دولۃ بنی زیری	بنوزیری (بربر)	غرناطہ، وادی الکبیر	بادیس بن حبوس، تمیم، عبداللہ
۸	دولۃ بنی صمادح	بنوتجیب (عرب)	اَلمَرِیّہ	معن بن صمادح، معتصم

ملوک الطوائف میں بنو ذوالنون، بنوعباد، بنوزیری اور بنو اَفطَس کی ریاستیں کسی قدر وسیع تھیں۔ان کے سوا باقی ریاستیں دو چار شہروں اور چند قلعوں تک محدود تھیں۔بعض ریاستوں کو ایک بھی بڑا شہر میسر نہ تھا۔کسی ایک قلعے اور چند دیہاتوں کی جاگیر رکھنے والے بھی اپنے زعم میں بادشاہ اور خلیفہ بن کر خود کو امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کہلواتے اور اپنے ناموں کے ساتھ عباسی خلفاء کی طرح عالی شان القاب لگاتے۔اس دور کا ایک شاعر ابن رُشیق (م ۴۶۳ھ) ان کی حالت اور ان القابات کا موازنہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

مِمَّا يُزَهِّدُنِي فِي أَرْضِ أَندلس...سِمَاعُ مُقْتَدِرٍ فِيهَا وَمُعْتَضِدِ

''سرزمینِ اندلس میں مجھے کہیں مقتدر اور کہیں معتضد کا ذکر بہت برا لگتا ہے۔''

أَلْقَابُ مَمْلَكَةٍ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهَا...كَالْهِرِّ يَحْكِيْ اِنْتِفَاخًا صَوْلَةَ الْأَسَدِ

''یہ شاہی القابات غلط استعمال ہورہے ہیں۔جیسے کوئی بلی خود کو پھلا کر شیر جیسے رعب داب کی نقل کرے۔''

اس زمانے میں اِشبیلیہ کے تخت پر معتمد نامی ایک نامور شاعر وادیب حکمران براجمان تھا۔اس کا وزیر ابن عمار بھی ایک چوٹی کا شاعر تھا۔شاعر بادشاہ اور وزیر جب بھی جمع ہوتے تو شعر وشاعری کے سوا کچھ نہ سوجھتا۔شاعری کے علاوہ معتمد کی دلچسپیوں کا محور اس کی زوجہ رُمَیکیہ تھی جو پہلے رمیک بن حجاج نامی ایک رئیس کی باندی تھی۔اس کے حسن و جمال اور شعری مہارت سے متاثر ہوکر معتمد نے اسے بھاری قیمت دے کر خرید لیا اور پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرلیا۔یوں یہ نازنین اِشبیلیہ کی ملکہ بن گئی۔اب سلطنت کے تینوں ستارے: بادشاہ، ملکہ اور وزیر، شاعر تھے۔

ملوک الطوائف میں معتمد نسبتاً بڑا شریف طبع اور نیک آدمی تھا مگر اس کی شاہ خرچیوں کا یہ حال تھا کہ رمیکیہ کی معمولی سی خواہش پوری کرنے کے لیے وہ خزانوں کے منہ کھول دیتا۔ایک دن رمیکیہ نے دیہات کی کچھ دودھ فروش عورتوں کو دیکھا کہ وہ دودھ کے مٹکے سر پر رکھے، پائنچے پنڈلیوں تک چڑھائے ننگے پاؤں مزے سے کیچڑ میں چل رہی ہیں۔ رمیکیہ نے چاہا کہ وہ بھی کیچڑ میں چلنے کا لطف لے۔معتمد کو اس کی خواہش کا پتا چلا تو اس کے حکم سے مٹی میں کئی من عرقِ گلاب گھول کر گارا تیار کیا گیا، پھر اس میں عنبر، مشک اور کافور سمیت طرح طرح کے بیش قیمت عطریات ڈال کر اسے گوندھا گیا۔پھر اسے محل کے صحن میں پھیلا دیا گیا۔وہاں خوبصورت مٹکے اور ریشم کی رسیاں لٹکا کر دودھ فروشوں کے ڈیرے جیسا ماحول پیدا کیا گیا۔اب رمیکیہ کو بلایا گیا کہ وہ اپنا شوق پورا کرے۔وہ اپنی سہیلیوں اور باندیوں کے ساتھ آئی اور کیچڑ میں لوٹ پوٹ ہوکر دیر تک نہال ہوتی رہی۔ایک دن شدید گرمی تھی۔رمیکیہ نے کہا: کاش آج بادل چھائے ہوتے اور ہم بارش کا مزہ لیتے۔''معتمد رمیکیہ کو لے کر محل کے باغ میں آبیٹھا اور حکم دیا کہ عنبر اور عود کی دھونی دی جائے۔ عود اور عنبر کو اتنی بھاری مقدار میں جلایا گیا کہ دھواں اٹھ کر آسمان تک جانے لگا اور ماحول ابر آلود ہوگیا۔پھر فواروں کے ذریعے عرقِ گلاب کا چھڑکاؤ شروع کیا گیا تو یوں لگا کہ واقعی بارش ہورہی ہے۔ہر طرف جل تھل ہوگیا۔

نہ صرف یہ کہ اخلاقی طور پر ملوک الطوائف کی حالت ابتر تھی بلکہ دینی وسیاسی لحاظ سے بھی ان کی بصیرت سلب ہو چکی تھی۔ ملوک الطوائف میں غرناطہ کا بربری سردار بادیس بن حبوس بڑا طاقتور سمجھا جاتا تھا اور اس نے غرناطہ میں تعمیری وترقیاتی کام کرا کے اسے نت نئی عمارتوں کے ساتھ ایک خوبصورت شہر بنا ڈالا تھا تاہم اس کی حالت یہ تھی کہ اللہ کے ممنوع کردہ کام بڑی بے باکی سے کرتا اور شرمندہ بھی نہ ہوتا۔ اسے اہلِ ایمان سے زیادہ کفار پر بھروسہ تھا۔ اس نے اسماعیل بن نغرالہ نامی ایک یہودی کو وزیر بنا کر ملک کا نظام اس کے ہاتھوں میں دیا ہوا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ملوک الطوائف عموماً باہم دست وگریباں رہتے تھے۔ اشبیلیہ، قرطبہ، طلیطلہ، غرناطہ اور دیگر ریاستوں میں آئے دن جنگیں ہوتی رہتیں اور ان علاقوں کے سیاسی نقشے دن بدن بدلتے رہتے۔ طالع آزماؤں کا سب سے بڑا ہدف قرطبہ تھا جہاں کبھی ایک شہر کا حاکم قبضہ کرتا اور کبھی دوسرے شہر کا۔ الغرض ملوک الطوائف آنے والے خطرات کو بالکل نظر انداز کیے ہوئے تھے۔

اُدھر الفانسو ششم کی صورت میں نصرانیوں کو ایک نیا قائد مل گیا۔ لیون، جلیقیہ اور نوار کے قسطالیہ کے الحاق کے باعث اس کی فوجی قوت بے پناہ ہوگئی۔ وہ ملوک الطوائف کو دباتا چلا گیا۔ وہ ایک ریاست کے امیر کو سرپرستی کا جھانسا دے کر ساتھ ملاتا اور دوسری ریاست کے خلاف فوج کشی کر کے اس سے ایک دو شہر چھین لیتا اور پھر بھاری خراج عائد کر کے جنگ بندی قبول کرتا۔ کچھ مدت بعد وہ کسی دوسری مسلم ریاست کو اتحادی بنا کر تیسری سے لڑائی چھیڑ دیتا۔

اس کا طریقِ جنگ چار مراحل پر مشتمل تھا: پہلے وہ کسی ریاست کو باج گزار بناتا اور لگان کو دوگنا چوگنا کرتے ہوئے ریاست کو معاشی طور پر دیوالیہ کر دیتا۔ دوسرے مرحلے میں وہ اس کے دیہات اجاڑ کر اس کے پیداواری وسائل ختم کر دیتا تاکہ وہ خراج دینے کے قابل نہ رہے۔ تیسرے مرحلے میں وہ خراج ادا نہ کرنے کا الزام لگا کر فوج میدان میں اتار دیتا اور اہم قلعوں پر قبضہ کر لیتا۔ چوتھے مرحلے میں باقاعدہ لشکر کشی کر کے ریاست کو فتح کر لیتا۔

محرم ۴۷۸ھ میں الفانسو ششم کی افواج طُلَیطَلَہ پر قابض ہوگئیں۔ وہاں کے بدکردار حاکم یحییٰ القادر کو کان سے پکڑ کر تخت سے اتار دیا گیا۔ شہر کی عظیم الشان جامع مسجد کے چرچ میں تبدیل کر دیا گیا۔ مسجد کی محراب توڑ دی گئی اور چھت پر صلیب آویزاں کر دی گئی۔ طُلَیطَلَہ سے سقوط کے بعد الفانسو ششم کی توجہ دوسرے ملوک الطوائف کی طرف ہوئی۔ اس نے تیزی سے مشرق اور جنوب میں افواج بھیج کر چھاپہ مار حملے شروع کرا دیے۔ سینکڑوں دیہات، قصبات اور درجنوں چھوٹے چھوٹے شہر اس کی مملکت کا حصہ بن گئے۔ اس نے مسلمانوں کی وطنی شناخت پر زور دیا اور متحدہ ہسپانوی قومیت کا جھانسا دے کر دعویٰ کیا کہ وہ نصاریٰ اور مسلم دونوں ملتوں کا مشترکہ قائد ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے نام کے ساتھ بھی ''شہنشاہِ ملّتین'' اور ''جامع مسیحیت واسلام'' کا لقب لگا لیا۔

ملوک الطوائف کی باہمی لڑائیوں اور شمال سے نصرانیوں کی یلغار کے دوران علمائے اندلس اتحادِ ملت کی کوششیں شروع کر چکے تھے۔ ان میں قیروان کے مکی ابن ابی طالب رحمہ اللہ (۳۵۵ھ۔۴۳۷ھ)، علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ

(۳۶۸ھ۔ ۴۶۳ھ) علامہ علی بن احمد، ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (۳۸۴ھ۔ ۴۵۶ھ)، غرناطہ کے ابواسحٰق البیری رحمہ اللہ (م ۴۶۰ھ)، طُلَیطلہ کے ابن عسال رحمہ اللہ (م ۴۸۷ھ) اور اشبیلیہ کے ابوحفص ہوزنی رحمہ اللہ (۴۶۰ھ) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ تاہم مسلمانانِ اندلس میں سیاسی بیداری کے حوالے سے قاضی ابوالولید رحمہ اللہ (م ۴۷۴ھ) کا کردار سب سے اہم رہا۔ انہوں نے اندلس کا دورہ کر کے امرائے فوج اور ملوک الطوائف کو نصرانیت کے اس سیلاب کے خلاف اتحاد کی دعوت دی۔ ان کی تجویز یہ بھی تھی کہ اس اتحاد میں مراکش کے حکمران یوسف بن تاشفین کو شریک کیا جائے، کیوں کہ الفانسو ششم کے سامنے ملوک الطوائف کی فوجیں ناکافی ہوں گی۔ قاضی ابوالولید کی زندگی کے آخری سالوں میں، جب طُلَیطلہ پر الفانسو ششم کے چھاپہ مار حملے شروع ہو چکے تھے، ملک کے بیشتر امراء اور جرنیل ان کی رائے کو اہمیت دینے لگے تھے۔

❁❁❁

ماخذ:

- تاریخ ابن خلدون: ۴ص ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵، ط دار الفکر
- البیان المغرب فی اخبار الاندلس و المغرب لابن العذاری المراکشی: ۳ص ۱۵۰ تا ۱۵۵، ۲۰۵
- المقتبس من انباء الاندلس لابن حیان: ۲ص ۳۳ تا ۳۵
- المعجب فی تلخیص اخبار المغرب: ۱ص ۵۹، ۷۴، ۷۵
- خریدۃ القصر و جریدۃ العصر للعماد کاتب الاصفہانی، قسم: شعراء المغرب و الاندلس: ج ۱ص ۷۴
- تاریخ الادب الاندلسی عصر الطوائف: ۱ص ۵۱، ۵۲، ۱۳۱، ۱۳۲، ۳۱، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸
- سیر اعلام النبلاء: ۱۸ص ۱۵۳، ۱۵۴، ۲۰۲، ۵۹۱؛ ۱۹ص ۵۹، ۶۰؛ ط الرسالۃ
- نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ۱ص ۳۳۰؛ ۱ص ۳۰۲، ۳۳۹، ۳۴۰؛ ۲ص ۲۸۵؛ ۴ص ۲۷۳، ۳۵۸
- نہایۃ الارب فی فنون الادب للنویری: ۱ص ۱۳۹، ط دار الکتب و الوثائق القومیۃ
- الاعلام للزرکلی: ۱ص ۳۳۴؛ ۳ص ۱۲۵؛ ۴ص ۲۵۴، ط دار العلم
- التاریخ الاندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ لعبد الرحمن علی: ص ۳۳۳ تا ۳۶۱؛ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۳ص ۱۱۱
- الاحاطۃ فی اخبار غرناطۃ: ۱ص ۲۴۱، ط دار الکتب العلمیۃ
- دولۃ الاسلام فی الاندلس: ج ۲ص ۳۴ تا ۵۶، ۶۰ تا ۷۳، ۱۰۸ تا ۱۳۳، ۱۱۰ تا ۱۵۸، ۱۵۰ تا ۱۷۴، ۱۹۳ تا ۲۲۸، ۲۱۷ تا ۲۲۳، ۲۶۵ تا ۲۸۰

مرابطین

قریب تھا کہ اس زوال و انتشار کا انجام مسلم اُندلس کے سقوط کی شکل میں نکلتا کہ ایسے میں مرابطین اللہ کی مدد بن کر یہاں آن پہنچے۔ بربری قبیلہ ''لمتونہ'' سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ مَرّاکش کے صحرا میں آباد تھے۔ اس کے سربراہ یوسف بن تاشفین کو امیر المسلمین کہا جاتا تھا۔ اس مردِ مجاہد کی زندگی سادگی کا بہترین نمونہ تھی۔ مرابطین کی حکومت شریعت کی سختی سے پابند تھی اور مسلمانوں سے زکوۃ و عشر اور ذمیوں سے جزیے کے سوا کچھ وصول نہیں کرتی تھی۔ یوسف بن تاشفین نے کبھی اُندلس میں مداخلت کی کوشش نہیں کی، مگر اب اندلس کے حالات بہت بدل گئے تھے۔ قاضی ابوالولید رحمہ اللہ نے اپنے آخری ایام میں علماء کا ایک وفد بھیج کر امیر یوسف کو اُندلس آمد کی دعوت دے دی تھی۔

طُلَیطلَہ پر الفانسو ششم کے قبضے کے بعد علمائے اُندلس جوق در جوق سبتہ آنے لگے اور مسلمانانِ اُندلس پر بیتنے والی قیامت کا حال سنا کر امیرِ مرابطین سے مدد طلب کرنے لگے۔ اُدھر الفانسو کی جانب سے ملوک الطوائف کو دی جانے والی دھمکیوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ خاص کر قرطبہ کا حکمران معتمد ان دھمکیوں کی زد میں تھا۔ آخر معتمد بھی سمجھ گیا کہ امیر مَرّاکش سے مدد طلب کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ جب اس کے بیٹے نے کہا: ''ابا جان! آپ ایسے شخص کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع دے رہے ہیں جو ہم سے ہماری حکومت چھین لے گا۔'' تو معتمد کا جواب تھا: ''اللہ کی قسم! مجھے خنزیروں کی گلہ بانی کی بجائے اونٹ چَرانا زیادہ پسند ہے۔'' معتمد کے علاوہ بَطَلْیُوس کا عمر المتوکل اور دَانِیَہ کا دلیر حاکم معتصم بھی یوسف بن تاشفین کو بلانے کے حامی تھے۔ آخر معتمد کی سرکردگی میں ملوک الطوائف نے امیر مرابطین کو درخواست بھیجی کہ وہ اُندلس کے مسلمانوں کو نصرانیوں سے بچانے کے لیے الفانسو ششم سے فیصلہ کن جنگ لڑے۔ اس فریاد پر لبیک کہتے ہوئے یوسف بن تاشفین نے ربیع الاول ۴۷۹ھ میں سرزمین اَندلس کی بندرگاہ ''جزیرۃ الخضراء'' پر قدم رکھا۔ معتمد کے بیٹے سمیت نامی گرامی امراء اور علماء استقبال کے لیے موجود تھے۔ اس کے بعد معتمد اپنے محافظ دستے کے جلو میں بیش قیمت تحائف کے ساتھ مرابطین کی چھاؤنی پہنچا اور یوسف بن تاشفین سے ملا۔

اس وقت الفانسو ششم شمالی اُندلس کی اسلامی ریاست سَرَقُسطَہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ سَرَقُسطَہ کے لوگوں کا دَم لبوں پر تھا کہ اچانک امیرِ مرابطین کے اُندلس میں داخل ہونے کی خبر پھیل گئی۔ الفانسو ششم اس اطلاع پر محاصرہ ختم کر کے واپس ہوگیا اور تیزی سے اپنی افواج جمع کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے امیر یوسف کو ایک طویل مکتوب بھیجا جس میں اپنی شان و شوکت کی شیخیاں بگھاری گئی تھیں اور بُرے انجام سے ڈرایا گیا تھا۔

یوسف بن تاشفین نے الفانسو کے مراسلہ کی پشت پر جواب لکھوایا: ''جو ہوگا، وہ تم بہت جلد خود دیکھ لوگے۔''

اب یوسف بن تاشفین نے الفانسو ششم سے ٹکر لینے کے لیے پیش قدمی شروع کردی۔ اِشبیلیَہ کے پاس سے گزرتے ہوئے معتمد نے مشورہ دیا کہ کچھ دن شاہی محل میں گزار کر تازہ دم ہوجائیں مگر امیر یوسف نے کہا: ''میں جہاد

کی نیت سے آیا ہوں۔ جہاں دشمن ہوگا میں وہیں جاؤں گا۔"

یہ لشکر بطلیوس پہنچا جہاں عمر المتوکل نے خیر مقدم کیا اور لشکر کو ہر ممکن سہولت پہنچائی۔ مسلمانوں کی پیشہ ور افواج کی تعداد لگ بھگ بیس ہزار تھی۔ اس کے علاوہ اندلس کے کونے کونے سے آنے والے کئی ہزار مزید رضا کار بھی شامل تھے۔ امیر یوسف نے مقامی امراء کے مشورے سے بطلیوس سے ۸ میل شمال مشرق میں دریائے تاجہ کے قریب ایک میدان منتخب کیا جسے مسلم مؤرخین "الزلاقہ" اور اہلِ یورپ "ساکرالیاس" کہتے ہیں۔ اُدھر الفانسو ششم بھی ۸۰ ہزار سپاہی لے کر آن پہنچا اور دریائے تاجہ کے کنارے خیمے گاڑ دیے۔ جنگ کے لیے ہفتے کا دن طے ہوا تھا، مگر الفانسو ششم بے خبری میں حملہ کرنا چاہتا تھا، اس نے معتمد کو پیغام بھیجا: "جمعہ آپ کا مقدس دن ہے، ہفتہ یہودیوں کا ہے جو ہمارے منشی، وزیر اور ملازم ہیں۔ اتوار ہماری عبادت کا دن ہے۔ جنگ اس کے بعد پیر کے دن رکھی جائے۔"

اسی رات معتمد کی فوج میں شامل قرطبہ کے ایک فقیہ احمد بن رُمیلہ رحمہ اللہ کو خواب میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کل صبح شہادت کی خوشخبری دیتے ہوئے مسلمانوں کے لیے فتح کی نوید سنائی۔ پھر فقیہ کے سر پر تیل لگایا اور خوشبو ملی۔ معتمد نے فوراً یوسف بن تاشفین کو یہ اطلاعات بھیج دیں اور خبردار کیا کہ دشمن کل اچانک حملہ کرسکتا ہے۔ اس اطلاع پر مسلمان رات بھر چوکنا، بیدار اور جنگ کے لیے تیار رہے۔

جمعہ ۱۲ رجب ۴۷۹ھ کی صبح منہ اندھیرے نصرانیوں کی خیمہ گاہ سے سپاہیوں کا ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ مسلمانوں نے بھی نمازِ فجر سے فارغ ہو کر تیزی سے صف بندی کرلی۔ نصرانیوں نے زیادہ زور معتمد کی افواج پر ڈال دیا مگر معتمد نے نہایت جانبازی کا مظاہرہ کیا۔ اُسے کئی کاری زخم لگے مگر وہ ڈٹا رہا۔ مرابطین نے معتمد کو نرغے میں دیکھا تو فوراً کمک پہنچا کر نصرانیوں کو پیچھے ہٹایا۔ الغرض دن بھر نہایت قہر انگیز جنگ جاری رہی۔ شام کے وقت یوسف بن تاشفین نے چار ہزار دیو ہیکل سوڈانیوں کو ساتھ لیا اور حریف کی صفوں کو تتر بتر کرتے ہوئے الفانسو ششم کو گھیر لیا۔ ایک سوڈانی کا خنجر الفانسو کی ران پر لگا اور وہ زخمی ہو کر صرف پانچ سو افراد کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ یوں یوسف بن تاشفین نے نصرانیوں کی طاقت کو فنا کر کے اسلامیانِ اندلس کو نصرانیوں کی غلامی کے خطرے سے نجات دلا دی۔ امیر نے معرکے میں حریف کے چھوڑے ہوئے مال و دولت اور دیگر ساز و سامان کے انبار یہ کہہ کر ملوک الطوائف کے حوالے کر دیے کہ میرا مقصد صرف جہاد اور ثواب تھا۔ اس سے بڑھ کر کسی کے اخلاص اور حسنِ نیت کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔

افسوس کہ ملوک الطوائف کا باہمی بغض و عناد، نصرانیوں کے اتنے بڑے خطرے اور جہاد کی ایسی اہم مہم کے درمیان بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ جنگِ زلاقہ تک ایک اجتماعی ضرورت نے انہیں یکجا رکھا مگر یہ ضرورت پوری ہوتے ہی ان کی سابقہ رقابت پوری طرح ابھر آئی۔ وہ خلوت میں یوسف بن تاشفین کے سامنے ایک دوسرے کی برائیاں کرتے تھے۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ یوسف بن تاشفین کے ہاں اسے فوقیت ملے اور دوسرے کو منہ نہ لگایا جائے۔ ان باتوں سے یوسف بن تاشفین جیسے صاف دل آدمی کو جس قدر اکتاہٹ ہوتی، کم تھی۔ چنانچہ امیر نے جنگ کے بعد معتمد کی دعوت

پر کچھ دن اشبیلیہ میں گزارے اور پھر کوئی بدمزگی پیدا ہونے سے پہلے ہی واپسی کے لیے رختِ سفر باندھ لیا۔

ملوک الطوائف نے زلاقہ کی فتح سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور آزادی کے نئے موسم میں عیش و آرام اور باہمی جھگڑوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ نصرانیوں نے ان کی سیاسی بے بصیرتی سے پورا فائدہ اٹھایا اور بلنسیہ کو مرکز بنا کر اسلامی سرحدوں کو اپنی تاخت و تاراج کا نشانہ بنالیا۔ ان حملوں میں قسطالیہ کا نائٹ ''السید قنبیطور'' (ایل سِڈ کمپیڈور) پیش پیش تھا جو ایک پیشہ ور جنگجو تھا۔ اس کے کارنامے دیکھ کر الفانسو ششم نے ۴۸۲ھ میں اسے شمال مشرقی اُندلس کے مزید کچھ قلعے دے دیے۔ اُدھر الفانسو ششم نے لُورقہ اور مُرسِیہ کے درمیان ایک پہاڑی پر نہایت وسیع اور مضبوط قلعہ تعمیر کرایا تھا جسے حِصنِ اللَّبِیط کہا جاتا تھا۔ اس نے زلاقہ کی شکست کے بعد اپنے تیرہ ہزار سپاہی وہاں منتقل کر دیے جنہوں نے نواحی مسلم اضلاع میں پے در پے یلغار کی اور ان تمام علاقوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ ان حالات میں معتمد نے چند ارکانِ سلطنت کے ساتھ خود سمندر عبور کیا اور امیر یوسف سے ملاقات کر کے التجا کی کہ حصن اللبیط کے لٹیروں کا قلع قمع کیا جائے۔ امیر نے یہ درخواست قبول کر لی اور ربیع الاوّل ۴۸۱ھ میں ایک بار پھر اُندلس کا سفر کیا۔

جزیرۃ الخضرا پہنچ کر امیر یوسف نے ملوک الطوائف کو مراسلے بھیجے کہ وہ اپنی افواج کے ساتھ جہاد میں شرکت کے لیے نکل پڑیں۔ اُدھر حصن اللبیط میں الفانسو ششم کی تیرہ ہزار فوج کی کمک کے لیے کئی نصرانی حکمرانوں کی افواج جمع ہو چکی تھیں۔ مسلمانوں نے نہایت سختی سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ کئی ہفتے گزر گئے مگر جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وجہ یہ تھی کہ ملوک الطوائف کی صفوں میں اتحاد و اتفاق کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ان میں سے ہر ایک، دوسرے کے خلاف بغض و عناد سے بھرا ہوا تھا۔ ہر ایک امیر یوسف کو بتاتا کہ دوسرے نے اس پر زیادتی کی ہے اور امیر کو چاہیے کہ اسے انصاف دلائے اور اس کے مخالف امیر کو عبرت کا نشانہ بنا دے۔ ان حالات میں مرابطین کے لیے حصن اللبیط کا مزید محاصرہ ممکن نہ رہا۔ چنانچہ یوسف بن تاشفین نے اس مہم کو ادھورا چھوڑ کر واپسی اختیار کر لی۔ ملوک الطوائف یوسف بن تاشفین کے غم و غصے سے آگاہ تھے۔ انہوں نے طے کیا کہ مرابطین کو دوبارہ اُندلس میں مداخلت کا موقع نہ دیں گے۔

اُدھر یوسف بن تاشفین نے علماء سے استفتاء کیا کہ آیا ملوک الطوائف کو معزول کرنا جائز ہے یا نہیں۔ علماء سے اس کے جواز کا فتویٰ لینے کے بعد ۴۸۳ھ میں امیر مرابطین نے نئی تیاری کے ساتھ تیسری بار اُندلس میں قدم رکھا۔ اُدھر معتمد، عمر المتوکل اور عبداللہ بن بُلقین الفانسو ششم سے مل کر مرابطین کے خلاف محاذ بنانے کا معاہدہ کر چکے تھے۔ تاہم یوسف بن تاشفین کی اَفواج نے پیش قدمی کی تو الفانسو ششم نے سامنے آنے کی جرأت نہ کی۔ مرابطین یکے بعد دیگرے اسلامی اُندلس کے مختلف شہروں کو زیرِ نگین کرتے چلے گئے۔ ۴۸۴ھ میں وہ قرطبہ میں داخل ہو گئے۔ پھر اشبیلیہ بھی ان کے قبضے میں آ گیا۔ معتمد اور اس کے خاندان کو قیدی بنا کر مَرّاکش بھیج دیا گیا۔

الغرض ۴۸۴ھ سے اُندلس میں مرابطین کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ مرابطین کی حکومت نے مسلم اُندلس کو سقوط سے بچا کر ایک نئی زندگی دے دی اور ظاہر ہے کہ اتنی بڑی نعمت کے لیے اُندلس کو قربانی دینا لازم تھی۔ انہی میں اُن

خاندانی حکومتوں کی قربانی بھی شامل تھی جو الگ الگ شہروں پر مسلط تھیں۔ملوک الطوائف کا جو انجام ہوا، وہ مکافاتِ عمل تھا۔یوسف بن تاشفین نے یکم محرم ۵۰۰ھ (۱۴ ستمبر ۱۱۰۶ء) کو وفات پائی۔ان کے جانشینوں میں سے علی بن یوسف نے ۵۰۰ھ سے ۵۳۷ھ (۱۱۰۶ء تا ۱۱۴۳ء) تک حکومت کی۔وہ بڑا بہادر، پرہیزگار اور عبادت گزار تھا۔اس نے مسلمانانِ اندلس کی حفاظت کی ذمہ داری بخوبی نبھائی اور کئی جنگوں میں نصرانیوں کو شکستیں دیں البتہ اُس نے آگے پیش قدمی کی کوشش نہ کی۔اس کے ۳۷ سالہ طویل دور میں نصرانیوں کا کوئی بڑا شہر فتح نہ ہوسکا۔

اس کے بعد اُس کے بیٹے تاشفین بن علی نے دو سال حکومت کی۔وہ بڑا قابل نوجوان تھا مگر اس زمانے میں مؤحدین ایک زبردست طاقت بن کر ابھرے اور آگے چل کر پورے شمالی افریقہ پر چھا گئے۔تاشفین بن علی ان سے کش مکش میں مارا گیا۔اب اس کا سولہ سالہ لڑکا ابراہیم بن تاشفین تخت نشین ہوا جو حکومت کو نہ سنبھال سکا اور آخر کار مؤحدین نے مرابطین سے حکومت چھین لی۔

مرابطین کے یکایک زوال کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انہیں اندلس کے بہت سے امراء کی دلی حمایت حاصل نہیں تھی جو مرابطین کے سادہ تمدن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں غیر ملکی تصور کر کے ان کا اقتدار ناپسند کرتے تھے۔اس کے علاوہ مرابطین میں بھی اسلامی حکومت، موروثی بادشاہت کی شکل اختیار کر گئی، بربروں کے ایک خاندان میں اقتدار کے مرکوز ہونے سے بعض بربر قبائل میں حسد اور عدم اعتماد پیدا ہوا چنانچہ وہ مؤحدین سے جا ملے جو خود بھی بربر قبائل سے تھے۔اس طرح مؤحدین نے تیزی سے قوت پکڑ کر مرابطین کو مشرق سے اپنے حملوں کا ہدف بنایا اور ان کی افواج کو بیک وقت مشرق اور مغرب کے محاذوں پر منتشر کر دیا۔

مآخذ:

- نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۴ ص ۳۵۳ تا ۳۷۰؛ ج ۴ ص ۳۷۲؛ ج ۱ ص ۴۴۰
- الحلۃ السیراء: ۲ ص ۶۳
- البیان المغرب: ج ۴ ص ۸۰، ۸۹
- الکامل فی التاریخ: سنۃ ۴۷۹ھ
- المعجب فی تلخیص اخبار المغرب، لعبدالواحد المراکشی: ا ص ۱۳۲، ج ۱ ص ۹۹ تا ۱۰۱، ۱۳۸
- وفیات الاعیان: ج ۷ ص ۱۱۵ تا ۱۱۷، ط دار صادر۔
- Story of the moors in Spain: 205 to 207
- دولۃ الاسلام فی الاندلس، لعبداللہ عنان المصری: ج ۲ ص ۷۷ تا ۷۹، ص ۲۸۵ تا ۳۶۲؛ ۳ ص ۵۰۲، ۵۰۷
- التاریخ الأندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ، لعبدالرحمن علی: ص: ۳۳۶، ۳۳۷
- الاحاطۃ فی اخبار الغرناطۃ: تلخیص از تذکرہ تاشفین بن علی، ج ۱ ص ۴۳۷ تا ۴۳۹؛
- تاریخ الاسلام للذہبی: ۱۱ ص ۶۷۴، ت بشار
- سیر اعلام النبلاء: ج ۱۸ ص ۳۲۶ تا ۳۳۰؛ ج ۱۹ ص ۲۵۳؛ ۲۰ ص ۱۲۴، ۱۲۵، ط الرسالۃ
- الزلاقۃ معرکۃ من معارک الاسلام للمصری جمیل عبداللہ محمد: ص ۱۸۳ تا ۲۰۰

اَندُلس میں مؤحدین کا دور

۵۴۱ھ تا ۶۲۹ھ (۱۱۴۷ء تا ۱۲۳۲ء)

مؤحدین کا بانی ابوعبداللہ محمد بن تُومَرت نامی ایک درویش تھا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لوگوں کو اپنا معتقد بنا کر شمالی افریقہ کے خاصے حصے پر قبضہ کرلیا۔ ابنِ تُومرت نے خود کو ہاشمی ظاہر کیا جبکہ وہ درحقیقت بربری تھا۔ اسی زمانے میں عبدالمؤمن نامی ایک ہوشیار بربری نوجوان اس کا مرید بن گیا۔ ابنِ تُومرت نے اسے نائب بنا کر ''امیرالمؤمنین'' کا لقب دیا۔

ابنِ تُومرت کے مرید بہت زیادہ ہوگئے تو اس نے خود کو ''امام معصوم'' کے طور پر متعارف کرانا شروع کردیا۔ رفتہ رفتہ اس نے کئی افریقی قبائل کو اس طرح اپنا عقیدت مند بنالیا تھا کہ اس کے ایک اشارے پر بھائی اپنے بھائی کا سر قلم کردیتا تھا۔ وہ اپنے مخالفین کو زندہ چھوڑنے کا عادی نہ تھا۔ کوہستانِ تین مَلل کے قبائلیوں نے اسے ٹھکانا فراہم کیا تھا مگر وہ بعد میں اس کے امام معصوم ہونے میں شک کرنے لگے۔ ابنِ تُومرت نے ان سب کو مروا ڈالا۔ جب اس کے مشیروں میں شامل ایک فقیہ نے ان محسن میزبانوں کو قتل کرنے پر اعتراض کیا تو ابنِ تُومرت نے یہ کہہ کر اسے بھی قتل کرا دیا کہ یہ میری معصومیت میں شک کرنے لگا ہے۔

۵۲۴ھ میں ابنِ تُومرت کا انتقال ہوگیا اور تمام امور عبدالمؤمن کے ہاتھ میں آگئے۔ اس نے مرابطین کے علاقے میں مداخلت شروع کردی اور ۵۴۲ھ میں ان کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ ۵۵۰ھ میں مؤحدین اندلس پر بھی قابض ہوگئے۔ یہاں ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس دور کا اسلامی اَندُلس اُموی دور جتنا وسیع نہ تھا۔ اُموی دور میں فقط شمالی اضلاع نصرانیوں کے پاس تھے مگر اب بعض وسطی اضلاع بھی انہی کے ہاتھ میں تھے جن میں طلیطلہ سب سے اہم تھا جو ملوک الطوائف سے چھینا گیا تھا۔ مرابطین اور مؤحدین اسے کبھی واپس نہ لے سکے۔

اگرچہ عبدالمؤمن نے پورے اسلامی اَندُلس کی بازیابی کی بڑی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اپنے آخری ایام میں عبدالمؤمن نے پورے اَندُلس پر قبضہ کرنے کی تیاری شروع کی اور ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا مگر روانگی سے قبل وہ بیمار پڑ گیا اور جمادی الاخریٰ ۵۵۸ھ (جون ۱۱۶۳ء) میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔

عبدالمؤمن کے بعد اس کا بیٹا ابویعقوب مؤحدین کا حکمران بنا جس نے ۵۵۸ھ سے ۵۸۰ھ تک حکومت کی۔ اس نے افریقہ اور اَندُلس کے مفتوحہ علاقوں میں امن وامان قائم رکھا اور عدل وانصاف سے حکومت کی۔ اس نے اپنی کمان میں لشکر کشی کر کے اَندُلس میں کئی معرکے لڑے اور فتوحات حاصل کی۔

ابویعقوب ۵۶۶ھ میں خود اَندُلس پہنچا اور پانچ سال تک یہاں مہمات میں مشغول رہ کر نصرانیوں کو مزید آگے بڑھنے سے روکا۔ ۵۷۱ھ میں وہ واپس مَرّاکش آگیا اور آٹھ سال تک دوبارہ اَندُلس نہ جاسکا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ

کر نصرانیوں نے دوبارہ حملے شروع کر دیے۔ ۵۸۰ھ میں ابو یعقوب ستر ہزار پیادوں اور تیس ہزار شہسواروں کو لے کر اندلس پہنچا اور پرتگالیوں کو سبق سکھانے کے لیے شنترین کا محاصرہ کر لیا۔ یہ مہم جاری تھی کہ ابو یعقوب کو ایک معرکے میں کاری زخم لگا جس کے سبب وہ ربیع الآخر ۵۸۰ھ میں انتقال کر گیا۔

اس کے بعد مراکش میں اس کا بیٹا ابو یوسف یعقوب تخت نشین ہوا جس نے المنصور کا لقب اختیار کیا اور ۵۸۰ھ سے ۵۹۵ھ تک حکومت کی۔ اس کی فیاضی، جنگجوئی اور حسنِ انتظام کا شہرہ پورے عالم اسلام میں تھا۔ اسے ایک عظیم سلطنت ورثے میں ملی تھی جسے اس نے ترقی یافتہ اور خوشحال بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس نے سلطنت کو بھی وسعت دی اور اندلس کے مشرقی جزائر بھی فتح کر لیے۔

مؤحدین کی ان مہمات کے باوجود شمالی اور وسطی اندلس کی نصرانی ریاستیں بار بار سرکشی کر کے اسلامی سرحدوں کو پامال کرتی رہتی تھیں۔ اس زمانے میں قسطالیہ کا بادشاہ الفانسو ہشتم مسلمانوں کے لیے قہر بنا ہوا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لیے ۵۹۱ھ میں ابو یوسف ایک بڑا لشکر لے کر اندلس پہنچا۔ اُدھر الفانسو ہشتم نے نوار اور لیون کی افواج کو ساتھ ملا کر پچیس ہزار گھڑسواروں اور دو لاکھ پیادوں کے ساتھ طُلَیطُلَہ سے پیش قدمی کی اور قلعہ ''اَلْاَرْک'' پہنچ گیا۔

نصرانیوں کو اپنی فتح کا اس قدر یقین تھا کہ ان کے ساتھ بڑے بڑے یہودی تاجر بھاری رقوم لے کر آئے تھے تا کہ فتح کے بعد زیادہ سے زیادہ مالِ غنیمت خرید سکیں اور مسلمان قیدیوں کو غلاموں کی منڈی میں لے جائیں۔

۹ شعبان کو قلعہ ''اَلْاَرْک'' کے قریب فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں ہر ایک نے اپنی پوری طاقت جھونک ڈالی۔ آخر میں الفانسو ہشتم کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ پسپائی پر مجبور ہو گیا۔ اس لڑائی میں بیس ہزار مسلمان شہید ہوئے جبکہ مقتول نصرانی ایک لاکھ چھیالیس ہزار تھے۔ اس کے بعد مؤحدین نصرانیوں کے بہت سے قلعے فتح کرتے ہوئے طلیطلہ تک پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ شہر فتح ہو جاتا مگر الفانسو ہشتم کی ماں اور بیگمات نے ابو یوسف کے پاس حاضر ہو کر گریہ وزاری کے ساتھ لشکر کشی روکنے کی درخواست کی۔ ابو یوسف کو رحم آ گیا اور وہ شہر کی فتح کا موقع چھوڑ کر واپس آ گیا۔ یہ ابو یوسف کی بھاری غلطی تھی کیوں کہ اس کے بعد اس شہر کو فتح کرنے کا موقع کبھی نہ ملا اور یہ مسلمانوں کے لیے ناسور بنا رہا۔ ۵۹۵ھ (۱۱۹۹ء) میں ابو یوسف وفات پا گیا۔

ابو یوسف کا بیٹا محمد بن یعقوب اس کا جانشین بنا۔ اس نے الناصر کے لقب کے ساتھ ۵۹۵ھ سے ۶۱۰ھ تک حکومت کی۔ اس کی انتظامی کمزوریوں نے سلطنت کو زوال کی طرف دھکیل دیا۔ اس نے ۱۵ صفر ۶۰۹ھ کو قسطالیہ کے شاہ الفانسو ہشتم کے خلاف بہت بڑی جنگ لڑی جسے ''معرکہ عقاب'' کہا جاتا ہے۔ دشمن کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی جبکہ مؤحدین دو لاکھ سے کم نہ تھے مگر ان کو بدترین شکست ہوئی اور صرف چار ہزار مسلمان زندہ بچ سکے۔ مؤحدین اگر از سرِ نو تیاری کرتے تو عقاب کی شکست کا بدلہ لینا ناممکن نہ تھا مگر الناصر اتنا غم زدہ ہوا کہ فوراً واپس مراکش چلا گیا۔ مایوسی کی انتہاء کے باعث اس نے کاروبارِ حکومت بھی چھوڑ دیا اور اپنے بیٹے کے لیے ولی عہدی کی بیعت لے کر خود

تنہائی میں وقت گزارنے لگا۔ غم کو بھلانے کے لیے وہ رقص وسرود اور مے نوشی کا سہارا لینے لگا مگر سب کچھ بے سود رہا۔ ذہنی تناؤ سے اس کے دماغ میں ورم آگیا اور ۱۴ شعبان ۶۱۰ھ (۲ جنوری ۱۲۱۴ء) کو اس کا انتقال ہو گیا۔

اُدھر الفانسو ہشتم نے عقاب کی فتح سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے لشکر اطراف وجوانب میں پھیلا کر کچھ ہی دنوں میں کئی چھوٹے چھوٹے شہروں کو بلا مزاحمت فتح کر لیا۔ ان حالات میں اُندلس کے محتاط لوگوں نے نوشتۂ دیوار پڑھ کر افریقہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع کر دیا اور چند سالوں میں کم وبیش پانچ لاکھ مسلمان اُندلس چھوڑ گئے۔

اس کے بعد مؤحدین کے کئی حکمران آئے جیسا کہ مستنصر باللہ (۶۱۰ھ تا ۶۲۰ھ)، عبدالواحد بن یوسف (۶۲۰ھ تا ۶۲۱ھ)، العادل (۶۲۱ھ تا ۶۲۴ھ)، ابوالعلاء ادریس المامون (۶۲۴ھ تا ۶۲۹ھ) وغیرہ مگر کوئی بھی ملک کو زوال سے نہ بچا سکا۔

العادل کے دور میں مؤحدین کے نائب عبداللہ بیاسی نے جس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا، اُندلس میں غداری کر دی اور اپنی فوج سمیت نصرانیوں سے جاملا۔ اس نے مسلمانانِ اُندلس کے دفاعی خطوط تباہ کر دیے اور نصرانیوں کو وہ تمام اہم قلعے دے دیے جن پر قبضے کے بعد اُن کے لیے وسطی اور جنوبی اُندلس کو فتح کرنا مشکل نہ رہا۔ اُدھر مؤحدین افریقہ میں بھی زوال کا شکار ہو گئے اور ایک افریقی قبیلے بنو مرین نے ان کی حکومت ختم کر دی۔

اُندلس کی حفاظت میں مؤحدین کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مَرّاکش میں رہ کر اسپین پر حکومت کی کوشش کی تھی، اس لیے یہ وسیع ملک جو نصرانیوں کے پڑوس کی وجہ سے عالم اسلام کی خطرناک ترین سرحد تھا، کبھی پوری طرح ان کے قابو میں نہ آسکا۔ اگرچہ انہوں نے نصرانیوں کی ہر یلغار کو روکنے یا مقامی بغاوتوں کو فرو کرنے میں کبھی تاخیر نہیں کی مگر انہیں اُندلس کے داخلی معاملات میں زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ ایک صدی تک حکومت کے باوجود مؤحدین نے یہاں اپنے کوئی خاص اثرات نہیں چھوڑے۔ آخر میں وہ اُندلس کے دفاع سے عاجز آگئے اور خود آپس میں دست وگریباں ہو کر اُندلس سے بے دخل ہو گئے۔ ان کی بے دخلی کے بیس سال پورے ہونے سے پہلے نصرانی غرناطہ اور گردو نواح کے کچھ اضلاع کے سوا، پورا اُندلس فتح کر چکے تھے۔

ماخذ:

- دولة الاسلام فی الاندلس: ج ۳ص ۲۶۰ تا ۵۱۳، ج ۴ص ۲۰۸ تا ۳۸۴
- التاریخ الاندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطة، لعبدالرحمن علی: ص ۳۶۰ تا ۳۶۵
- سیر اعلام النبلاء: ۱۹ص ۵۳۰ تا ۵۵۲، ۲۰ص ۳۴۰ تا ۳۴۵، ۲۱ص ۳۰۷ تا ۳۱۶، ۲۱ص ۳۱۱ تا ۳۱۷، ط الرسالة
- البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ج ۳ص ۷۷
- نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۲ص ۲۰۷
- تاریخ الاسلام للذهبی: ج ۴۷ص ۷، ۸، ۱۰۳، ۱۰۵، ت تدمری
- الکامل فی التاریخ: سنة ۵۱۳ھ، سنة ۵۹۱ھ؛
- العبر فی خبر من غبر: ج ۳ص ۱۶۵

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ ہشام المؤید کے کون سے معاہدے نے قرطبہ کا دفاع کمزور کر دیا؟
❷ مدینۃ الزاہرہ اور مدینۃ الزہراء کی بربادی پر مختصر نوٹ لکھیں۔
❸ سلیمان المستعین باللہ نے سلطنت کو اُمراء کے درمیان کس طرح تقسیم کیا؟ کس امیر کو کونسا شہر دیا؟
❹ اُمویانِ اندلس کا زوال کیسے شروع ہوا؟ اہم اسباب بیان کیجیے۔
❺ ملوک الطوائف کو مغلوب کرنے کے لیے الفانسو ششم کا طریق کار کیا تھا؟
❻ جنگِ زلاقہ کا پس منظر اور جنگ کا واقعہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
❼ مرابطین کے یکایک زوال کے اہم اسباب کیا تھے؟
❽ مؤحدین اسلامی اندلس کو زیادہ مدت تک کیوں نہ سنبھال سکے؟

عملی کام:

❁ اندلس کے ان شہروں کی تصاویر جمع کریں:

(الف) بَلَنسِیہ (Valencia)

(ب) اَلْمَرِیّہ (Almeria)

(ج) مُرسیہ (Murcia)

(د) وادی آش (Guadix)

❁ اندلس کا کوئی سفرنامہ مطالعہ کیجیے اور اس پر اپنے تاثرات قلم بند کیجیے۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخ اندلس از نواب ذوالقدر جنگ بہادر، ناشر: دارالاشاعت کراچی
❁ مسلم اسپین، از پروفیسر آئی ایچ برنی

(یونٹ:3.3)

اَندَلُس صغریٰ

۶۳۳ھ تا ۸۹۷ھ (۱۲۳۶ء تا ۱۴۹۲ء)

اَندلسی امراء نے مؤحدین کی حکومت کوصرف اس اُمید پر قبول کیا تھا کہ یہ لوگ نصرانیوں سے اَندلُس کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مؤحدین اپنی حفاظت کے بھی قابل نہیں رہے تو انہوں نے اپنی آزاد حکومتوں کے قیام کوترجیح دی اور یوں اَندلُس میں ایک بار پھر جگہ جگہ آزاد حکومتیں قائم ہوگئیں۔ مؤحدین بے دخل ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی یہاں پھر ویسا ہی سیاسی انتشار پیدا ہوگیا جیسا بنواُمیہ کی حکومت ختم ہونے پر ملوک الطوائف کے دور میں تھا۔ تاہم بڑا فرق یہ تھا کہ ملوک الطوائف کی ریاستوں کا مجموعی رقبہ خاصا وسیع تھا اور نصف سے زائد اَندلُس ان کے پاس تھا جبکہ مؤحدین کی واپسی کے بعد جو ریاستیں وجود میں آئیں وہ بہت چھوٹی اور کمزور تھیں، نیز ان سب کا رقبہ ملا کر اَندلُس کا تہائی بھی نہیں بنتا تھا۔ مقامی امراء کی یہ ریاستیں بڑی حد تک نصرانیوں کے رحم وکرم پر تھیں اور انہیں اپنی آزاد اور خودمختار حیثیت برقرار رکھنا بہت مشکل تھا۔ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ان حالات میں بھی یہ مسلم ریاستیں آپس میں دفاعی وعسکری اشتراک نہ کرسکیں بلکہ اس کے برعکس وہ قسطالیہ، ارغون یا پرتگال کے نصرانیوں سے مدد لے کر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہیں۔ ان میں سے ایک امیر اپنے مخالف کوزیر کرنے کے لیے نصرانیوں سے مدد لیتا اور بدلے میں ایک دو قلعے ان کے سپرد کر دیتا۔ اس طرح نصرانیوں کو جانی ومالی نقصان اٹھائے بغیر اپنا مقصود حاصل ہوتا رہا اور اسلامی ریاستوں کا حدودِ اربعہ سمٹتا رہا۔ حد یہ ہے کہ نصرانیوں کی خوشنودی کے لیے بعض سرکردہ مسلم امراء مرتد بھی ہوئے جیسا کہ بَلَنْسِیہ کا ابوزید اپنی آزاد حکومت سازی میں ناکام رہنے کے بعد ارغونؔ جا کر مسیحی بن گیا تا کہ اہلِ کلیسا کی مدد سے اقتدار حاصل کرے۔ ایسے معمولی سیاست دانوں اور ریاستوں کو چھوڑ کر اس دور میں قابلِ ذکر مسلم ریاستیں فقط تین تھیں: ① بنوہود ② بنومردنیش ③ بنونصر

بن ہود کی ریاست مرسیہ تھی۔ اس کا بانی ابوعبداللہ محمد بن یوسف تھا جو ملوک الطوائف کے دور میں سَرَقُسْطَہ پر حکومت کرنے والے بنوہود کی اولاد سے تھا لہٰذا عموماً اسے ابن ہود کہا جاتا تھا۔ جب مؤحدین کی حکومت کا شیرازہ بکھرا تو اس نے اپنے حامیوں کی گروہ بندی کی اور مؤحدین کے نائبین سے کئی قلعے چھین لیے۔ ۶۲۵ھ میں اس نے مُرسِیہ پر قبضہ کرلیا۔ جلد ہی اس نے بغداد کے عباسی خلیفہ مستنصر باللہ سے سندِ حکومت بھی حاصل کرلی۔ اب قرطبہ سمیت کئی اسلامی شہر اس کے مطیع ہو گئے۔ وہ غیر محتاط اور جلد باز تھا اس لیے نصرانیوں سے کئی معرکوں میں شکست کھائی۔ ۶۳۵ھ میں ابن ہود اپنے ایک نائب کی سازش کا شکار ہو کر مارا گیا۔ اس نے جو حکومت قائم کی وہ نصف صدی بھی نہ چل

سکی)۔دوسری حکومت بنو مردنیش کی تھی۔اس خاندان کا ایک سیاست دان ابوجمیل زیان ۶۲۶ھ میں بَلَنْسِیَہ پر قابض ہوگیا اور یہاں ایک خود مختار حکومت قائم کرلی۔متعدد قلعوں کے مسلمان بھی اس کے تابع ہو گئے۔تیسری حکومت خاندان بنونصر کی تھی جس کے ایک فرد محمد بن یوسف بن نصر نے غرناطہ کو اپنا مرکز بنایا اور ابن الاحمر کے لقب سے مشہور ہوا۔

اس زمانے میں ریاست لیون کا بادشاہ الفانسو نہم اور اُس کا بیٹا فرڈی ننڈ سوئم (شاہِ قسطالیہ) اسلامی اُندلُس کے باقی ماندہ شہر ہڑپ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔اُدھر ریاست ارغونؔ کا بادشاہ خائمی اوّل (جیمز پیڈرو) مشرقی اُندلُس کے جزائر کو ہڑپ کرنے کی تیاری کررہا تھا۔۶۳۳ھ میں فرڈی ننڈ سوئم نے قُرطُبَہ پر قبضہ کرلیا اور جامع قُرطُبَہ کو چرچ میں تبدیل کر کے اس کے مینار پر صلیب آویزاں کردی۔قُرطُبَہ سے ہجرت کرنے والوں میں علامہ شمس الدین ابوعبداللہ القرطبی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) بھی تھے۔وہ مصر چلے آئے اور وہیں اپنی شہرۂ آفاق تفسیر مکمل کی۔

۶۳۴ھ میں ریاست ارغونؔ کے نصرانی بَلَنْسِیَہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔وہاں کے حاکم ابوجمیل زیان نے باہر نکل کر ذوالحجہ ۶۳۴ھ میں نصرانیوں سے سخت جنگ لڑی مگر شکست کھائی۔۶۳۵ھ میں نصرانیوں نے بَلَنْسِیَہ پر فیصلہ کن حملہ کردیا۔شہر کو کہیں سے بیرونی امداد نہ مل سکی۔آخر ابوجمیل زیان نے صفر ۶۳۶ھ میں اس شرط پر کہ اہلِ بَلَنْسِیَہ کو اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ دوسرے شہروں کی طرف نقل مکانی کرنے دی جائے گی، شہر نصرانیوں کے حوالے کردیا۔۲۷ صفر کو شاہِ ارغون خائمی اوّل شہر میں داخل ہوگیا اور یہاں سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

۶۴۵ھ میں فرڈی ننڈ سوئم نے مسلمانوں کے عظیم علمی و ثقافتی مرکز اِشبیلیہ کا محاصرہ کرلیا جو پندرہ ماہ تک جاری رہا۔ اِشبیلیَہ کے مسلمانوں نے جرأت اور دلیری کی ایک تاریخ رقم کردی اور پیٹ پر پتھر باندھ کر حریف سے نبرد آزما رہے مگر کوئی بیرونی امداد نہ ملنے کے باعث آخر وہ ہار ماننے پر مجبور ہو گئے۔انہوں نے شعبان ۶۴۶ھ میں پُرامن انخلاء کی ضمانت پر شہر نصرانیوں کے حوالے کردیا۔یہاں آبادی اتنی زیادہ تھی کہ انخلاء کے عمل میں تقریباً ایک مہینہ لگ گیا۔ان میں سے ایک لاکھ افراد سمندری راستے سے مراکش چلے گئے جبکہ تین لاکھ کو ابن الاحمر نے غرناطہ میں جگہ دے دی۔

یوں اُندلُسِ کبریٰ کا دور ختم ہوگیا اور مسلمانوں کے پاس اس جزیرہ نما کا تقریباً چوتھائی علاقہ بچا رہ گیا جسے اَندلُسِ صغریٰ کہا جاتا تھا۔اس کا مرکز غرناطہ تھا۔اُندلُسِ کبریٰ کے سقوط کے بعد ابن الاحمر نے اسی غرناطہ کو اسلامیانِ اُندلُس کا آخری دفاعی مورچہ بنالیا جو اڑھائی سو سال تک اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز رہا۔

مآخذ:

❁ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ۱۴/ص ۴۴۷ تا ۴۵۸
❁ تاریخ ابن خلدون: ۴/ص ۲۱۵ تا ۲۲۰ ❁ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۴/ص ۳۸۹ تا ۴۸۳
❁ التاریخ الأندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ: ص ۴۷۳، ۴۷۴
❁ الاعلام زرکلی: ج ۵ ص ۳۲۲
❁ البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب لابن العذاری المراکشی: ج ۳ ص ۳۸۱
❁ الاحاطۃ فی اخبار غرناطۃ: ج ۲ ص ۵۱ تا ۵۶، ط دار الکتب العلمیۃ ❁ المغرب فی حلی المغرب: ۲/ص ۱۰۹

دولت بنو نصر

اب اندلس میں صرف ایک مسلمان حکمران محمد بن الاحمر (محمد بن یوسف بن نصر) کی حکومت باقی رہ گئی تھی۔ اس کی ریاست میں غرناطہ کے علاوہ مالقہ اور المریہ بھی دو بڑے شہر تھے۔ جبکہ جزیرۃ الخضراء، لوشہ، اور وادیٔ آش چھوٹے شہر یا قلعے تھے۔ یہ ریاست اندلس کے لگ بھگ چوتھائی رقبے پر مشتمل تھی۔ ابن الاحمر نے غرناطہ کو اندلس کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک حصار بنادیا تھا جہاں ٹھہر کر وہ مناسب وقت کا انتظار کرسکتے تھے اور موقع ملنے پر اپنے علاقے دوبارہ حاصل کرسکتے تھے۔ محمد ابن الاحمر کے نزدیک ایسا وقت آنے تک نصرانیوں کو دوستی کا جھانسہ دینا ہی مناسب حکمتِ عملی تھی، اسی لیے اس نے وقت پڑنے پر نصرانیوں کی مدد بھی کی اور ضرورت کے موقع پر ان سے فائدہ بھی اٹھایا۔ اسے جن شدید اور نازک حالات سے سابقہ پڑا تھا، ان میں مسلمانانِ اندلس کا وجود باقی رکھنا بھی بہت بڑی خدمت تھی جس میں وہ کامیاب رہا۔ وہ عمر بھر غرناطہ کو ایک مضبوط اور خوشحال مملکت بنانے میں جتا رہا جہاں اندلس کے طول وعرض میں دربدر بھٹکتے ہوئے مسلمانوں کو بسایا جاسکے۔

محمد ابن الاحمر نصرانیوں سے دوستانہ معاہدوں کو ہمیشہ جنگ پر ترجیح دیتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کبھی قابلِ اعتراض حد تک بھی پہنچ جاتا تھا۔ تاہم اس تدبیر کے نتیجے میں اس کا دور عمومی طور پر امن وامان کا تھا۔ چونکہ تمام معاہدوں کے پیچھے فریقین کے مفادات یا مجبوریاں کارفرما ہوتی ہیں، اس لیے حالات بدلتے ہی اہداف بھی بدل جاتے ہیں اور امن معاہدوں کے نقیب پھر ہتھیار اٹھالیتے ہیں۔ اس لیے ابن الاحمر نے نصرانیوں سے ظاہری دوستی ضرور رکھی مگر کبھی انہیں قابلِ بھروسہ سمجھنے کی غلطی نہیں کی۔ اس نے غرناطہ پر نصرانیوں کے قبضے کے ارادے کو خاک میں ملادیا۔ وہ خفیہ طور پر شذونہ، مُرسیہ اور دیگر علاقوں میں نصرانیوں سے برسرِ پیکار مسلمانوں کو مدد بھی فراہم کرتا رہا۔ وہ موقعے کا منتظر رہا کہ کب نصرانی کمزور ہوں اور وہ ان کی بالادستی سے آزاد ہوسکے۔ اس دوران اس نے اپنی کمزور ریاست کو بڑی تیزی سے مضبوط کرکے ایک آزاد وخودمختار مملکت بنادیا جس کی افواج اپنی سرحدوں کی حفاظت کرسکتی تھیں۔ الفانسو دہم یہ برداشت نہ کرسکا اور ایک بار پھر اس نے غرناطہ پر جنگ مسلط کرنا چاہی۔ اس زمانے میں مراکش میں مؤحدین کی جگہ بنومَرین نے ایک نئی حکومت قائم کرلی تھی۔ ابن الاحمر نے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے بنومَرین کے سلطان یعقوب بن عبدالحق سے دوستانہ تعلقات قائم کرلیے اور اس سے مدد لے کر ریاست کو محفوظ رکھا۔

۶۷۱ھ (۱۲۷۳ء) میں ابن الاحمر کی وفات ہوگئی۔ وہ اپنے دور کا اقبال مند سیاست دان تھا جو اسلامیانِ اندلس کے ختم ہوتے وجود کو قوی سہارا دے گیا اور اندلسِ کبریٰ کی جگہ اندلس صغریٰ کا حصار قائم کرگیا۔

اس کا جانشین محمد دوئم اپنے علم اور مطالعے کی وجہ سے محمد الفقیہ کہلاتا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے بعد ۶۷۲ھ میں قسطالیہ نے غرناطہ پر بڑا حملہ کیا تو الفقیہ نے بنومَرین کے حکمران ابو یوسف یعقوب المنصور سے مدد مانگی۔ وہ بلادریغ

پانچ ہزار سپاہی لے کر اہل غرناطہ کی مدد کو پہنچ گیا۔ اُدھر نصرانی ۹۰ ہزار سپاہی میدان میں لے آئے تھے۔ ۱۵ ربیع الاوّل ۶۷۴ھ کو قرطبہ کے جنوب مغرب میں بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں نصرانی آٹھ ہزار لاشیں چھوڑ کر فرار ہوئے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر قسطالیہ کے نئے پایۂ تخت اشبیلیہ کا محاصرہ کرلیا اور آخر میں غرناطہ کی آزادی واستقلال کی شرط پر صلح قبول کی۔ محمد دوئم نے تیس سالہ قابل تعریف حکمرانی کے بعد ۷۰۱ھ (۱۳۰۲ء) میں وفات پائی۔

آٹھویں صدی ہجری میں اس خاندان کا ایک حکمران ابوالولید نہایت مشہور ہوا جس نے ۷۱۳ھ سے ۷۲۵ھ تک حکومت کی۔ اس دور میں نصرانیوں میں ایک بار پھر غرناطہ کو سر کرنے کا جوش پیدا ہوا۔ شاہ قسطالیہ الفانسو یازدہم نے جنگ کی بھرپور تیاری کی اور اُدھر پادریوں نے جوشیلی تقریریں کرکے پورے یورپ میں صلیبی جنگ جیسا ماحول پیدا کر دیا۔ پوپ نے اندلس کے بقیہ مسلمانوں کے خاتمے کے لیے دعا کی جس کے بعد ۷۱۹ھ میں دو لاکھ کا ٹڈی دل لشکر غرناطہ کو فتح کرنے اور جزیرہ نما اندلس سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے لیے روانہ ہوگیا۔

ابوالولید نے مراکش کے حکمران ابوسعید سے کمک طلب کی مگر کوئی مدد نہ آئی اور اس دوران نصرانیوں کا سیلاب غرناطہ کی سرحدوں پر آن پہنچا اور شہر سے دس میل دور کوہ البیرہ کے دامن میں خیمہ زن ہوا۔ غرناطہ کے مسلمان کوئی سہارا نہ پاکر اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ ابوالولید فوری طور پر جو سپاہی جمع کرسکا، ان کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار سے زائد نہ تھی۔ یہ سب اللہ کا نام لے کر غرناطہ سے نکل کھڑے ہوئے۔

ابوالولید نے اپنے سالار ابوالجیوش کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ قریبی جنگل میں کمین گاہیں بنانے کا حکم دیا۔ پھر شیخ الغزاۃ (رضا کاروں کے افسر) کو ہدایت دی کہ وہ پانچ سو مجاہدین کے ساتھ نصرانیوں پر نمائشی حملہ کرے اور پسپائی اختیار کرکے نصرانیوں کو اپنے پیچھے لگاتے ہوئے ابوالجیوش کی کمین گاہوں سے آگے لے جائے۔ اس دوران ابوالولید تین سو سپاہیوں کے ساتھ ایک اور سمت میں کھڑا رہا۔ بقیہ چار ہزار سپاہی چوتھی سمت میں فیصلہ کن حملے کے لیے محفوظ رکھے گئے۔ اس ترتیب کے مطابق ۶ جمادی الاولیٰ ۷۱۹ھ کو مجاہدین نے حریف پر دھاوا بولا اور کچھ دیر بعد جنگل کی طرف پسپائی اختیار کرلی۔ یہ دیکھ کر نصرانیوں کا پورا لشکر ان کے تعاقب میں نکل کر جنگل میں داخل ہوگیا۔ جب وہ ابوالجیوش کی کمین گاہوں کے پاس سے گزر گئے تو اس نے عقب سے ایسا زوردار حملہ کیا کہ نصرانیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اُدھر سے شیخ الغزاۃ نے بھی مڑ کر دھاوا بول دیا۔ نصرانی تیسری سمت میں فرار ہونے لگے تو وہاں ابوالولید نے اپنے تین سو سپاہیوں کے ساتھ انہیں تیروں کی زد پر رکھ لیا۔ جنگل میں درختوں کی کثرت کی وجہ سے نصرانیوں کو اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ ان پر حملہ کرنے والوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ کھلے میدان کی طرف نکلے تو باقی چار ہزار گھڑسوار مجاہدین نے نیزے تان کر ان پر فیصلہ کن حملہ کر دیا اور نصرانیوں کو روندتے چلے گئے۔

اب نصرانی نہایت سراسیمہ ہو کر طُلَیطُلَہ کی طرف بھاگے، مسلمان ان کا برابر تعاقب کرتے رہے اور قدم قدم پر ان کی لاشیں گراتے رہے۔ یہ تاریخ کی ایک حیرت انگیز لڑائی تھی جس میں صرف ساڑھے پانچ ہزار مسلمانوں نے دو

لاکھ کے لشکر پر فتح پائی۔ اس پورے معرکے میں صرف تیرہ مسلمان شہید ہوئے جبکہ نصرانی مقتولین کی تعداد ساٹھ ہزار سے اسّی ہزار کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ اس طرح نصرانی حکام کی سطوت وہیبت خاک میں مل گئی۔ شاید ابوالولید مزید بڑی فتوحات بھی حاصل کرلیتا مگر افسوس کہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں اس کے بھتیجے نے اسے اچانک قتل کردیا۔

ابوالولید کا بیٹا محمد چہارم اس کا جانشین بنا۔ کم عمری کے باوجود وہ انتہائی بہادر تھا۔ اس نے کئی جنگیں لڑیں اور کئی قلعوں کو فتح کر کے اُندلسِ صغریٰ کا رقبہ خاصا وسیع کردیا۔ اس نے بنومَرِین سے تعلقات بہتر بنائے اور ۷۳۳ھ میں ان کی مدد سے جبل الطارق کو نصرانیوں سے بازیاب کرالیا۔ یہ اس کا بہت بڑا کارنامہ شمار ہوتا ہے۔ یہ نوجوان ابھی اپنے افسرانِ فوج کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس کی عمر فقط بیس برس تھی۔

اس کے بعد اس کا بھائی ابوالحجاج تخت نشین ہوا۔ اس کے دورِ حکومت میں نصرانیوں نے ایک بار پھر جبل الطارق پر حملہ کیا تاکہ مراکش اور اسپین کا رابطہ ختم کردیا جائے۔ ابوالحجاج نے مراکش کے حکمران ابوالحسن مَرِینی سے مدد طلب کی جس نے اپنے بیٹے عبدالملک کی قیادت میں فوج بھیج دی مگر اس بار مسلمانوں کو شکست ہوئی اور بنومرین کا شہزادہ عبدالملک دس ہزار سپاہیوں سمیت شہید ہوگیا۔ البتہ اس شکست کے باوجود جبل الطارق پر نصرانی قبضہ نہ کرسکے۔

اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے امیرِ مراکش ابوالحسن خود ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر اُندلس آیا اور ابوالحجاج کی فوج کے ساتھ مل کر نصرانیوں سے نبرد آزما ہوا۔ ۷۴۱ھ (۱۳۴۰ء) میں ''طریف'' کے قریب ایک نہایت قہر انگیز جنگ ہوئی جس میں اُندلس کے مسلمانوں نے پہلی بار آتشیں اسلحہ استعمال کیا جو بعد میں روایتی ہتھیاروں میں شامل ہوگیا۔ اس کے باوجود اس بار بھی نصرانی فتح یاب ہوئے اور مملکتِ غرناطہ کا ایک حصہ ان کے قبضے میں چلا گیا۔ مراکش کے نقصانات اتنے زیادہ تھے کہ اس کے بعد مراکشی حکمرانوں نے اُندلس میں پھر کسی بڑی فوج کشی کی ہمت نہ کی اور اہلِ غرناطہ کو اپنی قوت پر بھروسہ کرنا پڑا۔ جنگِ طریف کو جنگِ عقاب کی طرح مسلمانانِ اُندلس کی بہت بڑی پسپائی مانا جاتا ہے۔

اس کے بعد مملکتِ غرناطہ اندرونی طور پر بھی اختلافات کا شکار ہوگئی۔ یہاں بار بار اندرونی شورشوں کے باعث حکمران تبدیل ہوتے رہے۔ اس زمانے کا فقط ایک حکمران ''غنی باللہ'' قابلِ ذکر ہے جس کا اگرچہ فتوحات میں کوئی خاص کردار نہیں مگر اخلاق و کردار، علم دوستی اور ملک کی تعمیر و ترقی کے حوالے سے وہ غیر معمولی شخص تھا۔

خوش قسمتی سے اس طویل زمانے میں خود نصرانی ریاستوں میں سخت اختلافات رہے، اس لیے وہ غرناطہ پر کوئی بھرپور حملہ کرنے سے باز رہیں۔ درمیان میں کچھ زمانہ ایسا بھی گزرا کہ نصرانیوں سے اہلِ غرناطہ کی اچھی دوستی رہی۔ چنانچہ یوسف سوئم الناصر (۸۱۱ھ تا ۸۲۰ھ) کے دور میں غرناطہ اور قسطالیہ میں دونوں اطراف سے وفود اور تاجروں کا آنا جانا بکثرت ہوگیا۔ قسطالیہ کے نواب اور اُمراء غرناطہ کا حسن جمال اور الحمراء کی دلکشی دیکھنے جوق در جوق وہاں آیا کرتے تھے۔ شہر کے بڑے میدانوں میں ان کے اعزاز میں تقاریب ہوتیں۔ گھڑ دوڑ، نیزہ بازی، تیراندازی اور شمشیر زنی جیسے حربی کھیلوں کے مقابلے ہوتے جنہیں دیکھنے غرناطہ کے عوام ٹوٹ پڑتے۔ اس زمانے میں وہاں مسلم

خواتین میں پردے کا رواج کم ہوگیا تھا، اس لیے خواتین بھی بڑی تعداد میں کھلے چہروں کے ساتھ یہ کھیل دیکھنے آیا کرتی تھیں۔ تاہم نصرانیوں کے غرناطہ میں بکثرت آنے جانے کا ایک نقصان یہ ہوا کہ ان لوگوں نے یہاں افسرانِ شاہی سے تعلقات بنالیے اور مستقبل میں یہاں محلاتی سازشوں میں اپنی شرکت کی راہ ہموار کرلی۔

اس کے بعد غرناطہ مسلسل سیاسی بحران کا شکار رہا اور کوئی مضبوط حکمران سامنے نہ آسکا۔ اسی زمانے میں قدرتِ الٰہیہ نے مسلمانانِ اندلس کو دوبارہ قوت حاصل کرنے کا ایک بہترین موقع اس وقت دیا جب نصرانی ریاستوں میں سیاسی اختلافات عروج پر پہنچ گئے یہاں تک کہ ارغون اور اربونہ کی نصرانی ریاستیں ۸۵۲ھ میں متحد ہوکر قسطالیہ پر حملہ آور ہوگئیں۔ اس وقت اگر مسلمان متحد ہوجاتے تو قرطبہ اور اشبیلیہ بھی فتح کرسکتے تھے مگر افسوس کہ اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔

جب یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا، تب مدتوں بعد اہلِ غرناطہ کو یوسف پنجم (سعد بن اسماعیل) کی شکل میں ایک اچھا حکمران میسر آیا جس نے ۸۵۴ھ سے ۸۷۰ھ تک حکومت کی۔ اُس نے اپنی قلمرو میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے عمدہ انتظامات کیے اور بہت سے نئے قلعے تعمیر کرائے۔ تاہم اسی کے دور میں قسطالیہ نے اچانک یلغار کرکے جبل الطارق پر قبضہ کرلیا اور یوسف پنجم کو محاذ پر پہنچ کر دشمن کو روکنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یوں افریقہ سے غرناطہ کی کمک کا ایک اہم راستہ بند ہوگیا۔ یہ ۸۶۷ھ (۱۴۶۲ء) کا واقعہ ہے۔ اُدھر ۸۶۹ھ میں مراکش سے بنومرین کی حکومت ختم ہوگئی جو دو صدیوں سے مسلمانانِ اندلس کی فوجی مدد کرتی آرہی تھی۔ اس طرح غرناطہ اپنے بیرونی مددگاروں سے محروم ہوگیا۔

۸۷۰ھ میں یوسف پنجم (سعد بن اسماعیل) کی وفات ہوگئی۔ اس وقت غرناطہ کی قسطالیہ سے کشیدگی عروج پر تھی اور وقفے وقفے سے فریقین میں جنگیں جاری تھی۔ ان جنگوں میں سعد بن اسماعیل کے ولی عہد ابوالحسن علی نے دلیرانہ کارنامے دکھا کر بڑی مقبولیت حاصل کرلی تھی۔

مآخذ:

❁ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۱ ص ۴۴۷ تا ۴۵۲، ط دار صادر؛
❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ ص ۲۱۸ تا ۲۲۵؛ ۷ ص ۳۰۵، ط دار الفکر
❁ الاحاطۃ فی اخبار غرناطۃ: ۱ ص ۱۳۱ تا ۳۳۳؛ ۲ ص ۳ تا ۵۶، ط دار الکتب العلمیۃ؛
❁ المنہل الصافی والمستوفی بعد الوافی از علامہ یوسف بن تغری بردی: ۲ ص ۲۱۶؛
❁ التاریخ الأندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ، لعبدالرحمن علی: ص ۵۳۹ تا ۵۴۳
❁ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۴ ص ۱۳۱؛ ۵ ص ۹۳ تا ۱۷۳
❁ غرناطۃ فی ظل بنی الاحمر از دکتور یوسف شکری: ص ۷۳ تا ۱۳۰، ط دار الجیل بیروت

سقوطِ اسلامی اَندلُس

اب ہم اَندلُس کی تاریخ کا آخری باب کھول رہے ہیں جو سلطان ابوالحسن علی کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بنو نصر کا اُنیسواں حکمران تھا جس نے ۸۷۰ھ سے ۸۹۰ھ تک حکومت کی۔ اس نے اپنی ولی عہدی کے زمانے میں سپاہیانہ کارناموں سے قوم کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۰ سال تھی۔ اس نے "الغالب باللہ" کا لقب اختیار کیا۔ اس دوران اسے اپنے بھائی محمد الزغل کی شورش سے بھی سابقہ پڑا، جو مالقہ کا اُمیر اور بڑا نامور سپاہی تھا۔ اس اختلاف کے باعث کئی سال تک یہ چھوٹی سی مملکت دو ٹکڑوں میں بٹی رہی۔ اس دوران قسطالیہ میں ہنری چہارم کی حکومت تھی جو اندرونی تنازعات کی وجہ سے دونوں بھائیوں کے اختلاف سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھا سکا۔

ملک وقوم کے لیے مخلص ہونے کے باوجود ابوالحسن ایک مدت تک شرعی احکام کے بارے میں آزاد روش رکھتا تھا اور دین داری کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتا تھا۔ بعد میں اس نے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ اس نے غرناطہ کے لوگوں کے سامنے علانیہ توبہ کی اور وعدہ کیا کہ وہ شریعت کے نفاذ اور سرحدوں کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ چونکہ طبیعت کے لحاظ سے وہ ایک کھرا آدمی تھا، لہٰذا اہلِ غرناطہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے مخالفین سے کنارہ کش ہوگئے۔ الزغل نے بھی صلح کرلی اور شورشوں کا خاتمہ ہوگیا۔ سلطان ابوالحسن علی نے وعدہ نبھاتے ہوئے متقیانہ اور مجاہدانہ زندگی اپنائی اور اس کی حکومت مضبوط ہوگئی۔ الغرض چند سال امن وامان سے گزر گئے۔

۸۸۰ھ میں قسطالیہ کے نوجوان بادشاہ فرڈی ننڈ پنجم نے ابوالحسن کو پیغام بھیجا کہ اگر تم صلح کے خواہاں ہو تو ہمیں خراج دینا منظور کرلو۔ سلطان ابوالحسن علی نے جواب میں یہ تاریخی جملہ کہلوایا: "خراج ادا کرنے والے حکمران مرچکے ہیں۔ غرناطہ کی ٹکسال میں اب سکے نہیں، تلواریں تیار کی جاتی ہیں۔" فرڈی ننڈ پنجم یہ جواب سن کر گم صم رہ گیا اور چند سالوں تک اسے کچھ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ذوالحجہ ۸۸۲ھ میں سلطان ابوالحسن علی نے غرناطہ کے باہر ایک کھلی وادی میں عسکری نمائش منعقد کی تاکہ اپنے اور پرائے سب غرناطہ کی فوجی طاقت دیکھ کر مرعوب رہیں۔ یہ نمائش تقریباً ایک ماہ جاری رہی۔ مگر نمائش کے آخری دن خوفناک گھن گرج کے ساتھ سیاہ بادل امنڈ آئے اور ایسی موسلا دھار بارش شروع ہوئی کہ آن کی آن میں پوری وادی زیرآب آگئی۔ پانی دکانوں، مکانوں، مسجدوں اور قہوہ خانوں میں گھس گیا۔ جامع مسجد تک محفوظ نہ رہی۔ درجنوں عالی شان عمارتیں زمین بوس ہوگئیں اور کئی پُل تباہ ہوگئے۔ اہلِ نظر اس سیلاب کو اللہ کی طرف سے کسی ناگہانی خطرے کی تنبیہ شمار کرنے لگے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ سلطان ابوالحسن علی جو کچھ مدت پہلے متقی و پرہیزگار ہوگیا تھا، اس آفتِ ناگہانی کے بعد یکدم بدل گیا اور عیش وعشرت میں منہمک ہوگیا۔ علامہ مقری رحمہ اللہ کے مطابق اُسے نصرانی شہزادوں کی باہمی خانہ جنگی سے یہ دھوکہ ہوگیا تھا کہ وہ ہمیشہ لڑتے رہیں گے لہٰذا مسلمان اب بے فکری سے زندگی گزار سکتے ہیں۔

مگر اسی زمانے میں متحارب نصرانی ریاستیں؛ ارغون اور قسطالیہ غیر متوقع طور پر باہم انتہائی متحد ہو گئیں۔ ہوا یہ کہ شاہ قسطالیہ فرڈی ننڈ پنجم کی شادی، ارغون کی شہزادی ازابیلا کے ساتھ ہو گئی۔ یہ دونوں مسلمانانِ اندلس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔

فرڈی ننڈ اپنی ملکہ ازابیلا سے غرناطہ کی تسخیر کے لیے مشورے کرتا رہا، آخر دونوں میں یہ طے پایا کہ اپنی قوت کو منظم اور مستحکم کرنے کی خاطر ریاستِ ارغون اور قسطالیہ کا انضمام کر لیا جائے۔ یوں ۸۸۴ھ میں نصرانیوں کی ایک بہت بڑی متحدہ طاقت وجود میں آ گئی جو لگ بھگ سوا لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی جبکہ مملکتِ غرناطہ کا رقبہ کوئی چار ہزار مربع میل رہ گیا تھا۔

نصرانیوں کی اتنی بڑی طاقت کا ظہور مسلمانانِ اندلس کے خاتمے کی علامت تھا، چنانچہ مسلمان بھی بیدار ہو گئے اور علماء وصلحاء اور مجاہدین کے ہمت دلانے پر سلطان ابوالحسن نے جہاد کا اعلان کر دیا اور ۸۸۶ھ میں عیسائیوں کا مستحکم سرحدی قلعہ الصخرہ فتح کر لیا۔ پھر ابوالحسن نے مزید پیش قدمی کی اور ۲۷ جمادی الاولی ۸۸۷ھ کو لوشہ کے میدان میں نصرانیوں کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ وہ ہزاروں لاشیں اور تمام ساز وسامان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

اس فتح کی خوشخبری جونہی غرناطہ پہنچی وہاں مسرت کا سماں ہو گیا مگر ابوالحسن کے بیٹے ۲۵ سالہ شہزادے ابوعبداللہ محمد کا مزاج بگڑ گیا جسے حاشیہ برداروں نے باپ کا سخت مخالف بنا رکھا تھا۔ اس نے باپ سے بغاوت کر دی اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لوشہ کے فاتحین کو یہ اطلاع ملی تو ان پر بجلی گر پڑی اور فتح کی خوشی خاک میں مل گئی۔ سلطان ابوالحسن علی نے صدمے سے بوجھل ہو کر مالقہ کا رُخ کیا اور وہاں اپنے بھائی الزغل کے ہاں پناہ لی۔ اب چھوٹی سی مملکتِ غرناطہ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ غرناطہ، وادیٔ آش، المریہ اور جنوب مشرقی شہروں کا بادشاہ ابوعبداللہ تھا جبکہ مالقہ، بلش اور جنوب مغرب کے کچھ قلعوں پر سلطان ابوالحسن علی کی حکومت تھی۔

فرڈی ننڈ کو اصل خطرہ ابوالحسن علی سے تھا، لہٰذا اسے ٹھکانے لگانے کے لیے صفر ۸۸۸ھ میں قسطالیہ کی افواج دو سمتوں سے مالقہ پر حملہ آور ہو گئیں تاہم یہاں بھی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور نصرانی قدم قدم پر لاشیں چھوڑتے ہوئے واپس بھاگے۔ یہ گیارہ صفر ۸۸۸ھ کا واقعہ ہے۔

غرناطہ کا سلطان بننے کے بعد ابوعبداللہ نے اپنے باپ اور چچا کے خلاف صف آراء ہونے میں دیر نہیں لگائی اور جلد ہی اس نے فوج لے کر مالقہ کی طرف کوچ کیا۔ الزغل بھی مجاہدین اور سپاہیوں کو لے کر میدان میں نکل آیا۔ ابوعبداللہ کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ غرناطہ کی طرف بھاگ نکلا۔ واپس آ کر اسے احساس ہوا کہ وہ عوامی مقبولیت سے محروم ہے اور اسے اپنا سیاسی قد بلند کرنے کے لیے اپنے باپ اور چچا کی طرح دو چار میدانوں میں نصرانیوں کو شکست ضرور دینی چاہیے۔ چنانچہ اس نے غرناطہ کی فوج اور رضا کاروں کے ساتھ ربیع الاول ۸۸۸ھ میں شمال مغرب کی سمت قسطالیہ کے شہر قرطبہ کی طرف یلغار کی۔ راستے میں اس نے کئی قلعے فتح کیے اور کئی جھڑپوں میں نصرانیوں کو شکست دی۔

ان فتوحات کے بعد وہ مالِ غنیمت سے لدا پھندا واپس آ رہا تھا کہ "لسانہ" کے قلعے کے قریب نصرانیوں کی ایک

فوج نے اچانک حملہ کر کے اسے گرفتار کرلیا۔ اسے سخت پہرے میں فرڈیننڈ کے پاس قرطبہ بھیج دیا گیا جس نے ملاقات میں شہزادے کی کم عقلی کا اندازہ لگالیا۔ وہ سمجھ گیا کہ غرناطہ پر قبضہ تب ہی ہوسکتا ہے جب ایسا نادان نوجوان وہاں تخت نشین ہو۔ اس نے شہزادے پر مہربانیوں اور نوازشوں کی بارش کر کے اسے یقین دلادیا کہ دنیا میں اس کے سچے دوست صرف فرڈی ننڈ اور اس کی ملکہ ازابیلا ہیں۔

شہزادے کی گرفتاری سے غرناطہ کا ایوانِ اقتدار لرزنے لگا تھا۔ مسلمانانِ اندلس آٹھ صدیوں میں کبھی ایسی ذلت سے دوچار نہیں ہوئے تھے۔ شاہی خاندان کے امراء اور غرناطہ کے عمائد حیران تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ ایسے میں شہزادے کی ماں ملکہ عائشہ نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے سب کی ہمت برقرار رکھی جس کی بناء پر آخر کار سب نے متفق ہوکر دوبارہ ابوالحسن علی کو سلطان مان لیا اور ان کے وفد نے مالقہ حاضر ہوکر سلطان سے دوبارہ تاج وتخت سنبھالنے کی درخواست کی۔ ابوالحسن پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا، نگاہ جواب دے گئی تھی تاہم وہ امراء کے ساتھ غرناطہ چلا گیا اور حکومت سنبھال لی۔ اس نے پوری کوشش کی کہ منہ مانگی دولت دے کر اپنے بیٹے ابوعبداللہ کو فرڈی ننڈ کی قید سے چھڑالے۔ اس کوشش کے پیچھے شفقتِ پدری سے زیادہ یہ خیال کارفرما تھا کہ شہزادہ فرڈی ننڈ کے پاس رہ کر کہیں دشمن کا آلۂ کار نہ بن جائے، جبکہ غرناطہ واپس لاکر اسے قابو میں رکھا جاسکتا ہے۔ ابوالحسن نے فرڈی ننڈ کو شہزادے کے بدلے اپنے ہاں قید کئی نصرانی جرنیلوں کی رہائی کا یقین بھی دلایا مگر فرڈی ننڈ نہ مانا۔

ابوالحسن علی سخت بیماری اور طبیعت کے ملال کے باعث کچھ مدت بعد تخت سے دستبردار ہوگیا اور اپنے بھائی محمد الزغل کو نیا سلطان مقرر کر کے کچھ دنوں بعد وفات پا گیا۔ یہ ۸۹۰ھ کا واقعہ ہے۔

سلطان ابوالحسن علی کی موت کی خبر سنتے ہی فرڈی ننڈ نے غرناطہ کے خلاف نئی مہمات کا آغاز کردیا اور ربیع الآخر ۸۹۰ھ میں مغرب کی سمت میں غرناطہ کی تقریباً تمام دفاعی چوکیاں ایک ایک کر کے چھین لیں۔ تاہم الزغل نے جوابی کارروائی کر کے انہیں پسپا کردیا۔ اس دوران ملکہ عائشہ نے فرڈی ننڈ کی طرف سفیر بھیج کر ایک بار پھر شہزادہ ابوعبداللہ کی رہائی کی کوشش کی۔ فرڈی ننڈ نے رہائی کی سخت قیمت لگائی اور مطالبہ کیا کہ شہزادہ رہائی کے بعد غرناطہ کا تخت سنبھال کر فرڈی ننڈ کا مطیع رہے گا۔ ملکہ نے مجبوراً یہ مطالبہ تسلیم کرلیا۔

دراصل امیر محمد الزغل کے ہاتھوں دو تین میدانوں میں شکست کے بعد فرڈی ننڈ سمجھ گیا تھا کہ جب تک مسلمانوں کو باہم لڑایا نہیں جائے گا، غرناطہ پر قبضہ مشکل ہے۔ چنانچہ اس نے یہ معاہدہ کر کے چچا اور بھتیجے کے درمیان خانہ جنگی کی آگ بھڑکادی۔ اس نے شہزادے کو آزاد کردیا، مگر قسطالیہ کی فوج کا ایک دستہ اس کے ساتھ رہا۔ شہزادے کو سب سے پہلے تختِ غرناطہ حاصل کرنا تھا تاکہ وہ معاہدے کی باقی شقوں پر عمل کے قابل ہوسکے۔ چنانچہ اس نے اپنے چچا کے خلاف بغاوت کردی۔

الزغل نے اس سے رابطہ کیا اور اسے بمشکل سمجھایا کہ اس وقت اختلافات کا نتیجہ اندلس سے مسلمانوں کے خاتمے کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ آخر ابوعبداللہ مان گیا۔ طے پایا کہ تختِ غرناطہ الزغل کے پاس رہے گا اور شہزادہ ابوعبداللہ

کو اس کے پسندیدہ شہر کی گورنری دی جائے گی۔ اختلاف ختم ہوتے ہی مسلمان نصرانیوں سے جہاد کے لیے متحد ہونے لگے۔

یہ اتحاد فرڈی نینڈ کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے مترادف تھا۔ شہزادہ ابوعبداللہ محمد لوشہ میں تھا کہ فرڈی نینڈ نے ایک بڑا لشکر بھیج کر اس شہر کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے جان لڑا کر مزاحمت کی مگر ان کی تعداد بہت کم تھی، غرناطہ سے بھی کوئی کمک نہ آئی اور آخر شہر فتح ہوگیا۔ فرڈی نینڈ شہزادہ ابوعبداللہ محمد کو دوبارہ گرفتار کر کے ساتھ لے گیا۔ یہ واقعہ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۸۹۱ھ کا ہے۔ اس کے بعد نصرانی بڑی تیزی سے غرناطہ کے نواحی قلعوں پر قابض ہوگئے۔

اب شہزادہ ابوعبداللہ محمد، فرڈی نینڈ کی قید میں تھا اور اسے یہ یقین دلایا جا چکا تھا کہ غرناطہ چند دنوں کا مہمان ہے، لہٰذا اس سے پہلے کہ نصرانی افواج غرناطہ پر قابض ہو کر مسلمانوں کا قتل عام کریں، کسی ایسے معاہدے پر غور کر لیا جائے جو ابوعبداللہ اور اس کے خاندان کو بھی تحفظ فراہم کرے اور مسلمانوں کو بھی۔ ابوعبداللہ محمد مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ اور اپنے لیے خاص مراعات کے بدلے غرناطہ حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

یہ بات ابوعبداللہ اور فرڈی نینڈ دونوں جانتے تھے کہ غرناطہ کا موجودہ حکمران الزغل کسی معاہدے پر رضامند نہیں ہوگا بلکہ آخر دم تک لڑنے کی کوشش کرے گا۔ غرناطہ کو انجام تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ وہاں فرڈی نینڈ کی سوچ سے ہم آہنگ حکمران تخت نشین ہو، جس کے ہاتھوں یہ ''کارنامہ'' عمل میں آئے۔ چنانچہ فرڈی نینڈ نے شہزادہ ابوعبداللہ محمد ہی کو یہ مہم سونپی اور اسے غرناطہ کا جائز حاکم اور اپنا دوست قرار دیتے ہوئے آزاد کر دیا۔

۶ شوال ۸۹۱ھ کو ابوعبداللہ محمد غرناطہ پہنچا اور وہاں کچھ لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ نصرانیوں سے صلح کا اعلان کر دیا گیا مگر غرناطہ کے اکثر شہریوں نے اس اعلان کو مسترد کر دیا۔ اس پر دونوں گروہوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ فرڈی نینڈ دیر تک اس تماشے سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک نہایت خطرناک چال چلی اور ربیع الآخر میں یکدم مالقہ کی طرف لپکا جو مملکتِ غرناطہ کا آخری ساحلی شہر تھا جس پر عیسائیوں کے قبضے سے مسلمانوں کی سمندر پار آمد و رفت کا ہر امکان مسدود ہو جاتا۔ سلطان الزغل مالقہ پر فرڈی نینڈ کی یلغار کی خبر سن کر رہ نہ سکا۔ اس نے غرناطہ میں اپنے حامیوں کو ابوعبداللہ کے مقابلے میں جمے رہنے کی تاکید کی اور فوج کا بڑا حصہ ساتھ لے کر مالقہ کی سمت روانہ ہوگیا۔ مگر وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ نصرانی اتنا سخت محاصرہ کر چکے ہیں کہ اہلِ شہر کو کمک پہنچانے کا کوئی راستہ نہیں بچا۔ الزغل یہ دیکھ کر اپنی فوج کو لے کر تیزی سے غرناطہ واپس روانہ ہوا مگر راستے میں یہ اطلاع ملی کہ پانچ دن پہلے ابوعبداللہ محمد غرناطہ پر قبضہ کر چکا ہے۔ الزغل یہ اطلاع ملنے پر مایوس ہو کر کوہ البشارۃ عبور کر کے وادی آش چلا گیا اور وہاں کے قلعوں کا دفاع کرنے لگا۔

الزغل کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وہ مالقہ کا محاصرہ توڑ سکتا۔ آخر شعبان ۸۹۲ھ کے اواخر میں مالقہ کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ اس کے بعد پورے اندلس میں غرناطہ شہر کے سوا مسلمانوں کے پاس کوئی بڑا شہر نہیں رہا جو آزاد اور خود مختار ہو۔ فرڈی نینڈ کی فوجیں اب وادی آش پہنچیں۔ الزغل اپنی شجاعت و بسالت کے باوجود، اب کچھ کرنے کے قابل نہ

تھا۔اس کے پاس مٹھی بھر مجاہدین اور مختصری فوج کے سوا کچھ نہ تھا جو ایک شہر کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھی۔کہیں سے کوئی کمک ملنے کا امکان نہ تھا۔مایوس ہو کر اس نے وادی آش کو نصرانیوں کے حوالے کر دیا۔یہ صفر ۸۹۵ھ کا واقعہ ہے۔

غرناطہ کا نیا بادشاہ ابوعبداللہ محمد سمجھتا تھا کہ اس نے امن پسندانہ حکمتِ عملی سے نصرانیوں کو اپنا مخلص دوست بنالیا ہے مگر جلد ہی اس کی غلط فہمی دور ہوگئی اور وہ فرڈی ننڈ کے مقابلے پر کمر بستہ ہو گیا۔مؤرخین کا کہنا ہے کہ ابوعبداللہ محمد کی سوچ میں تبدیلی کے پیچھے غرناطہ کے سپہ سالار موسیٰ بن ابی الغسان کا بڑا ہاتھ تھا۔

موسیٰ بن ابی الغسان غرناطہ کی تاریخ کے آخری ایام میں مسلمانوں کی حریت،آزادی اور جذبہ جہاد کا وہ روشن مینار تھا جس کی عظمت وشجاعت کا اعتراف ساری دنیا نے کیا ہے۔اس حالت میں جبکہ غرناطہ ہر طرف سے گھر چکا تھا،موسیٰ بن ابی الغسان واحد شخص تھا جو اسلامیانِ اندلس کو آخری سانس تک لڑنے کا پیغام دے رہا تھا۔وہ شاہی خاندان کا فرد اور ابوعبداللہ محمد کا قریبی تھا۔اس کی خطابت میں جذبات کا رُخ پھیرنے کی زبردست طاقت تھی۔وہ ابوعبداللہ کو مسلسل ترغیب دیتا رہا کہ یہ وقت قومی و دینی غیرت سے آراستہ ہو کر میدانِ جہاد میں اترنے کا ہے۔ابوعبداللہ شاید موسیٰ کی باتوں سے اتنی جلد متاثر نہ ہوتا مگر ۸۹۵ھ کے وسط میں جب فرڈی ننڈ نے اپنے چہرے سے دوستی کا نقاب اتارا تو ابوعبداللہ کو موسیٰ بن ابی الغسان کی رائے ماننا پڑی۔فرڈی ننڈ نے یکا یک غرناطہ سے صلح کا معاہدہ توڑ ڈالا اور ابوعبداللہ کو پیغام بھیجا کہ وہ شاہی محل قصر الحمراء،سرکاری عمارات اور غرناطہ کا مرکزی حصہ اس کے سپرد کر دے اور اس کا مطیع بن کر غرناطہ میں مقیم رہے یا اندلس کے کسی اور شہر میں رہائش اختیار کرلے۔اس کی بھرپور مالی کفالت کی جاتی رہے گی۔

موسیٰ بن ابی الغسان سمیت اکثر امراء نے فرڈی ننڈ کا مطالبہ مسترد کر دینے پر زور دیا۔انہیں امید تھی کہ عیسائیوں کو پسپا کیا جاسکتا ہے۔آخر ابوعبداللہ نے فرڈی ننڈ کو جواب دیا کہ معاملہ اس کے بس سے باہر ہے۔وہ غرناطہ اس کے سپرد نہیں کرے گا۔ایسا کیا گیا تو امراء بغاوت کردیں گے۔

پھر اس نے فرڈی ننڈ کے خلاف تلوار بے نیام کی اور غرناطہ کے مجاہدین کو لے کر مقابلے پر نکل آیا۔یہ اس کا ایک نیا کردار تھا جس کی فرڈی ننڈ کو ہرگز توقع نہ تھی۔ربیع الاول سے رجب ۸۹۵ھ تک فریقین کے درمیان کئی جھڑپیں ہوئیں۔موسیٰ بن ابی الغسان اور ابوعبداللہ کی قیادت میں غرناطہ کو اپنا آخری حصار سمجھ کر لڑنے والے مسلمانوں کے جوش وجذبے کے آگے صلیب پرستوں کو بار بار پسپا ہونا پڑا۔آخر کار فرڈی ننڈ اپنا لشکر لے کر واپس ہو گیا۔ابوعبداللہ نے اس کی واپسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی قلعے فتح کر لیے۔

فرڈی ننڈ اور ازابیلا کو یقین تھا کہ جب تک غرناطہ فتح نہیں ہو جاتا،اندلس کے مسلمانوں میں حریت کی شمع جلتی رہے گی،اس لیے جمادی الآخرہ ۸۹۶ھ (اپریل ۱۴۹۱ء) کے موسم بہار میں وہ اس عزم کے ساتھ کہ اس بار الحمراء فتح کیے بغیر ہرگز واپس نہیں جائیں گے،۸۰ ہزار سپاہی لے کر غرناطہ پہنچ گئے۔غرناطہ کے مسلمان ایک مدت تک فرڈی ننڈ کی ٹڈی دل افواج کا جم کر مقابلہ کرتے رہے۔ان کی ہمت بڑھانے میں سپہ سالار موسیٰ بن ابی الغسان پیش پیش تھا۔

اس کا یہ نعرہ ہر کسی کی زبان پر تھا:

''عیسائی بادشاہ جان لے کہ عرب گھڑ سواری اور نیزہ بازی کے لیے ہی پیدا ہوئے ہیں۔''

تاہم کسی شاندار فتح کا دور دور تک امکان نہ تھا۔ بیرونی کمک کی ہر توقع ختم ہو چکی تھی۔ نصرانیوں کو دور دراز کے شہروں سے مسلسل کمک مل رہی تھی جبکہ مسلمانوں کی افرادی قوت محدود تھی۔ برف باری شروع ہوئی تو البشرات سے رسد کا راستہ بند ہو گیا۔ غرناطہ میں مقامی آبادی کے ساتھ گردونواح کے لاکھوں بے گھر افراد جمع ہو چکے تھے، اس لیے رسد بند ہوتے ہی شہر میں بہت جلد قحط کی سی صورتحال پیدا ہو گئی۔ اہلِ شہر میدانِ جنگ میں شکست نہ کھا سکے مگر فاقوں نے انہیں لاچار کر دیا۔

آخر وزیر سلطنت ابوالقاسم عبدالملک نے دربار میں اعلان کیا کہ صرف چند دنوں کا راشن باقی رہ گیا ہے، فوج اور عوام ہمت ہار چکے ہیں۔ مزید مزاحمت بے سود ہے۔ موسیٰ بن ابی الغسان واحد شخص تھا جس نے ہتھیار ڈالنے پر غور کرنے سے انکار کر دیا اور پورے شدومد سے کہا کہ شہر کا دفاع ہم پر فرض ہے۔ اس نے امرائے سلطنت کو آخری دم تک لڑنے پر ابھارا۔ ابوعبداللہ نے مایوس کن حالات کے باوجود، اس کی بات مانتے ہوئے لڑائی جاری رکھنے کی اجازت دی۔

شہر کے دروازے ایک مدت سے بند تھے۔ موسیٰ نے انہیں کھولنے کا حکم دیا اور کہا: ''ہم اپنے جسموں سے دروازوں کی حفاظت کریں گے۔'' اس کے الفاظ نے شہر میں ایک نیا جوش پیدا کر دیا اور ہر طرف اسلحے کی جھنکار گونجنے لگی۔ یہ فوج دن رات لشکرِ صلیب پر بجلیاں گراتی رہتی۔ جب بھی عیسائیوں کا کوئی دستہ شہر کے قریب آتا، یہ لوگ عقابوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے۔ موسیٰ اپنے سپاہیوں سے کہتا تھا: ''ہمارے لیے اس کے سوا کوئی زمین نہیں جس پر ہم کھڑے ہیں۔ اسے کھو کر ہم اپنا نام ونشان، گھربار اور وطن سب کچھ گم کر دیں گے۔''

آخر کار فرڈی ننڈ نے شہر پر بڑے حملے کا حکم دیا۔ عیسائی ایک ریلے کی طرح صفیں بنا کر غرناطہ کی فصیلوں کی طرف بڑھے۔ اُدھر سے مسلمان بھی سر پر کفن باندھ کر نکل آئے۔ ابوعبداللہ محمد سرکاری سپاہیوں کی قیادت کر رہا تھا جبکہ موسیٰ بن ابی الغسان کے پاس مجاہدین کی کمان تھی۔ فریقین میں نہایت خوں ریز جنگ شروع ہو گئی۔ رضا کاروں پر مشتمل مسلمانوں کی پیادہ فوج ناتجربہ کار تھی، وہ جوش وجذبے کے باوجود، عیسائیوں کا دباؤ برداشت نہ کر سکی اور جنگ کے قہر انگیز لمحات میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ دیکھ کر سرکاری فوج بھی جم کر نہ لڑ سکی۔ موسیٰ بن ابی الغسان آخری لمحے تک مجاہدین کو دوبارہ منظم کر کے قدم جمانے کی کوشش کرتا رہا تاہم یہ کوشش بے سود رہی اور موسیٰ نہایت غم وغصے اور صدمے کی حالت میں شہر کی طرف پلٹ گیا۔ اس ناکام معرکے کے بعد غرناطہ پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔

اب امرائے سلطنت کے اجلاس میں وزیر ابوالقاسم نے آگاہ کیا کہ ہماری گھڑ سوار فوج کا بہترین حصہ کام آ چکا ہے، دفاع کی امید ختم ہو چکی ہے، اناج ختم ہونے کو ہے اور کہیں سے کوئی کمک ملنے کا کوئی امکان نہیں۔ ان حالات

میں تمام امراء نے اتفاق کیا کہ دشمن سے باعزت شرائط پر صلح کر لینی چاہیے۔ تاہم موسیٰ بن ابی الغسان نے بلند آواز سے اس رجحان کی مخالفت کی۔ اس نے گرج کر کہا:

''ابھی راستے بند نہیں ہوئے۔ ایک ایسا راستہ ہے جس سے کوئی کرشمہ دکھایا جاسکتا ہے۔ ہماری مایوسی نے ہمیں اس حال تک پہنچایا ہے۔ ہم عوام کو لڑنے مرنے پر آمادہ کریں گے، ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھما دیں گے۔ ہم آخری سانس اور آخری جان تک دشمن سے لڑیں گے۔ میں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ غرناطہ کو دشمن کے سامنے سرنگوں دیکھوں۔ مجھے اس پر فخر ہوگا کہ میری لاش ان لوگوں میں ملے جو غرناطہ کے دفاع میں قربان ہوگئے۔''

مگر اس بار موسیٰ بن ابی الغسان کی شعلہ نوائی، دربار کے ماحول میں کوئی تبدیلی نہ لاسکی۔ لوگ اس حالت سے گزر رہے تھے جس میں بہادروں کی للکار اور شعراء کے رجز کی جگہ بوڑھوں کی نصیحت پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

صلح کے حامی امراء نے کہا:

''ہماری کمک و رسد بند ہے۔ اب موسم سرما شروع ہوگیا ہے۔ اس وقت دشمن نے اپنی فوج بکھیر دی ہے۔ ابھی اگر ہم مذاکرات کریں تو ہمارے تمام مطالبات مان لیے جائیں گے۔ اگر ہم نے دیر کی اور موسم بہار شروع ہوگیا تو تب تک حریف کا بکھرا ہوا لشکر دوبارہ جمع ہو جائے گا اور ہم مزید کمزور ہو چکے ہوں گے، ایسی حالت میں وہ ہمارے مطالبے نہیں مانے گا۔''

امراء نے باہم مشورے سے یہ طے کیا کہ چند بہترین سفارت کار فرڈی ننڈ سے صلح کی بات چیت شروع کریں۔ ذوالحجہ ۸۹۶ھ (اکتوبر ۱۴۹۱ء) میں مذاکرات شروع ہوئے۔ مسلمانوں کے تمام مفادات کے مکمل تحفظ پر مبنی ایک معاہدہ طے پا گیا۔ اس میں کچھ خفیہ دفعات بھی تھیں جن میں ابو عبداللہ، اس کے امراء اور ان کے سب کے اہل و عیال کے لیے ممکنہ مراعات اور سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنایا گیا تھا۔ صلح نامے کی اہم شرائط یہ تھیں:

❶ امیر غریب، چھوٹے بڑے تمام مسلمانوں کو جان و مال کا بلا امتیاز تحفظ دیا جائے گا۔

❷ مسلمانوں کی اجتماعی املاک، اوقاف، مینار اور منابر (یعنی مساجد) کو تحفظ حاصل ہوگا۔ مساجد کی جائیدادیں حسب سابق محفوظ ہوں گی۔ ان امور میں عیسائی مداخلت نہیں کریں گے۔

❸ مسلمانوں کے باہمی تنازعات کے فیصلے اسلامی قوانین کے مطابق کیے جائیں گے جس کے مجاز صرف مسلمان قاضی ہوں گے۔

❹ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

❺ کسی مسلمان کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

❻ مسلمانوں کو شاہی فوج میں شمولیت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

❼ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذبح خانے الگ ہوں گے۔

❽ فرڈی ننڈ اور ازابیلا مسلم اکثریتی علاقوں میں ایسے حکام تعینات کریں گے جو مسلمانوں سے عزت واحترام کے ساتھ پیش آئیں گے۔

یہ معاہدہ 14 محرم 897ھ (۲۵ نومبر ۱۴۹۱ء) کو ہوا۔ اس میں ۶۷ شقیں تھیں۔ اس پر ابوعبداللہ، اس کے وزیر ابوالقاسم عبدالملک، فرڈی ننڈ، ازابیلا اور قسطالیہ کے کاتب فرنانڈوز افرا کے دستخط تھے۔ فرڈی ننڈ اور ازابیلا نے اپنے تمام بڑے امراء سمیت عہد کیا کہ اس معاہدے کی کبھی بھی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی، اس میں کبھی بھی کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔

غرناطہ کے سفیر معاہدے کی دستاویز کو فرڈی ننڈ سے منظور کرانے کے بعد غرناطہ پہنچے۔ ایک بار پھر قصرِ الحمراء میں امرائے غرناطہ کا اجلاس ہوا۔ معاہدے کی دستاویز کو حتمی مان لیا گیا۔ صرف موسیٰ بن ابی الغسان نے اس کی مخالفت کی اور مستقبل کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا:

"نوحہ وزاری کا کام عورتوں اور بچوں کے لیے چھوڑ دو۔ ہم مرد ہیں۔ ہم آنسو نہیں خون بہانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ حریت کی روح مر چکی ہے اور غرناطہ کو بچانا محال ہو گیا ہے۔ مگر ایک چیز باقی ہے جسے غیور انسان پسند کریں گے۔ وہ ہے عزت کی موت۔ ہم اپنی آزادی کی خاطر اور دشمن سے انتقام کے لیے کٹ مریں گے۔ فاتحین کے ہاتھوں ظلم کی زنجیریں پہننے سے کہیں بہتر ہے کہ مادرِ وطن ہمیں آزادی کے لیے لڑتا ہوا اپنی آغوش میں لے لے۔ اگر ہماری ہڈیوں کو ایک قبر کی پناہ نہ ملے تو بھی اس آسمان کا سایہ ان پر باقی رہے گا۔ اللہ نہ کرے کہ کل کوئی یہ کہے کہ غرناطہ کے شرفاء اپنے دفاع کے لیے مر مٹنے سے ڈرتے تھے۔"

ابوعبداللہ نے دربار پر نگاہ ڈالی، سبھی کے چہروں پر مایوسی کھنڈی ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے نکلا:

"اللہ اکبر!...... لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ...... اللہ کی تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے۔ یقیناً میں بدبخت ہوں...... یہ مملکت میرے ہاتھوں سرنگوں ہونی تھی۔"

موسیٰ بن ابی غسان نوشتۂ تقدیر پڑھ چکا تھا۔ اس نے آخری بار امرائے غرناطہ کو مخاطب کر کے واشگاف الفاظ میں کہا:

"اپنے آپ کو دھوکا مت دو۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ نصرانی معاہدے کی پاسداری کریں گے! شاہِ نصاریٰ کی شان وشوکت پر مت ریجھو! یہ لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہمیں خوف زدہ کرنے والی چیزوں میں موت سب سے آسان ہے۔ ہمارے سامنے ہے اپنے شہروں کی تباہی وبربادی، اپنی مساجد کی بے حرمتی، اپنے گھروں کی پامالی، اپنی عورتوں کی عصمت دری۔ ہمارے سامنے ہے کھلم کھلا ظلم اور پاگل پن کی حد تک تعصب۔ ہمارے سامنے ہیں کوڑے، طوق، بیڑیاں، جیل خانے، عقوبت خانے اور آگ کے الاؤ۔ بہت جلد ہم ان تمام مظالم کے لیے تختۂ مشق ہوں گے۔ جو بزدل لوگ آج ایک باعزت موت سے ڈر رہے ہیں وہ عن قریب یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ مگر میں ہرگز یہ نہیں دیکھوں گا۔"

موسیٰ بن ابی الغسان یہ کہہ کر تیزی سے دربار سے باہر نکل گیا۔ سب خاموشی سے اسے تکتے رہ گئے۔ موسیٰ نے سر سے پاؤں تک بھاری زرہ پہنی، اسلحہ لگایا، نیزہ تھام کر اپنے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور غرناطہ سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ تاریخی روایات بتاتی ہیں کہ اسی دن شہر سے باہر ایک زرہ پوش نے دریائے شنیل کے کنارے پہرہ دینے والے پندرہ نصرانیوں کی ایک ٹولی پر تن تنہا حملہ کر دیا۔ اس نے نیزے کے پے در پے وار کر کے کئی نصرانیوں کو مار گرایا۔ جوابی حملے میں وہ خود بھی شدید زخمی ہوا مگر اسی طرح بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر اس کے گھوڑے کو ایک کاری زخم لگا اور اس کے ساتھ وہ بھی زمین پر آ گرا۔ نصرانیوں نے اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر اس حالت میں بھی وہ گھٹنوں کے بل اٹھ کر خنجر چلاتا رہا اور جب لڑنے کی رمق ختم ہو گئی تو اس نے خود کو دریائے شنیل میں گرا دیا۔ بھاری زرہ بکتر کی وجہ سے وہ تیر نہ سکا اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈوب گیا۔ اس کی لاش نہ مل سکی۔ قسطالیہ کے لشکر میں شامل بعض عربوں نے جنہیں جبراً عیسائی بنایا گیا تھا، مرے ہوئے گھوڑے کو دیکھ کر گواہی دی کہ یہ موسیٰ بن ابی الغسان کی سواری تھی۔

جونہی یہ خبر پھیلی کہ شہر نصرانیوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے، غرناطہ کے گلی کوچوں میں شدید اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ابو عبداللہ اور اس کے امراء کو خطرہ ہوا کہ کہیں ساٹھ دن پورے ہونے سے پہلے ہی شہر میں بغاوت نہ ہو جائے۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ جلد از جلد شہر فرڈی ننڈ پنجم کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے لیے ۲ ربیع الاوّل ۸۹۷ھ (۲ جنوری ۱۴۹۲ء) کی تاریخ طے ہو گئی۔ اس صبح مؤذنوں نے اَندلُس کے اس آخری اسلامی شہر میں آخری بار صدائے توحید و رسالت بلند کی۔ فرڈی ننڈ پنجم نے بڑے پادری کارڈینل منڈوس کو تین ہزار سپاہیوں اور نامی گرامی نصرانی امراء کے ساتھ غرناطہ بھیجا۔ یہ جلوس ظہر کے وقت قصرالحمراء پہنچا جہاں غرناطہ کی فوج نے اپنا اسلحہ ان کے حوالے کر دیا۔ ابو عبداللہ اپنی والدہ، بیگمات، بہنوں اور بچوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار قصر سے باہر نکلا۔ کارڈینل اسے دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ ابو عبداللہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''یہ قصر آپ کے سپرد ہے۔ اللہ نے ہماری خطاؤں کے سبب ہمیں اس سے محروم کیا اور فرڈی ننڈ اور ازابیلا کو ان کی قابلیت کی وجہ سے اس کا مالک بنا دیا۔''

یہ کہہ کر وہ شہر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُدھر نصرانی عمائد نے الحمراء کے سب سے بلند مینار ''برج الحراسہ'' پر چڑھ کر اسلامی پرچم اتار پھینکا اور وہاں نقرئی صلیب آویزاں کر دی۔ فرڈی ننڈ پنجم شہر کے باہر الحمراء کے برجوں پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ وہاں صلیب آویزاں ہوتے دیکھ کر وہ پوری فوج سمیت گھٹنوں کے بل گر گیا اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ ابو عبداللہ شہر سے نکل کر فرڈی ننڈ پنجم کے پاس پہنچا اور اسے قصر الحمراء اور شہر کی چابیاں پیش کرتے ہوئے کہا:

''یہ اس جنت کی چابیاں ہیں، یہ اَندلُس میں مسلمانوں کی آخری نشانیاں ہیں۔ اب تم ہماری زمین اور ہماری رعایا کے مالک ہو۔ یہی اللہ کا فیصلہ تھا۔ تم اس فتح پر رحم دلی اور انصاف سے کام لینا۔'' فرڈی ننڈ نے کہا: ''ہمارے وعدوں پر شک نہ کریں۔ تقدیر نے آپ سے جو چھینا ہے، ہماری دوستی کی شکل میں آپ کو اس کا بہترین بدلہ ملے گا۔''

آگے چل کر ابوعبداللہ کے قافلے کی ملاقات ملکہ ازابیلا کے جلوس سے ہوئی۔ وہ کچھ دن تک ازابیلا کی خیمہ گاہ میں ٹھہرا رہا۔ پھر اہل وعیال اور حشم وخدم کے ساتھ البشرات کی طرف روانہ ہوگیا۔ "البذول" کی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر اس نے آخری بار غرناطہ کی طرف دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ملکہ عائشہ نے ڈانٹ کر کہا: "ہاں ہاں! جو بادشاہ مردوں کی طرح اپنے ملک کی حفاظت نہ کر سکے، اسے عورتوں کی طرح آنسو بہانا پڑتے ہیں۔"

ابوعبداللہ جس کی عمر سقوطِ غرناطہ کے وقت تقریباً تیس سال تھی، تقریباً ایک سال تک البشرات کے قلعے "اندرش" میں رہائش پذیر رہا۔ رمضان ۸۹۸ھ (اپریل ۱۴۹۳ء) میں شاہِ قسطالیہ نے اسے اپنی تمام جاگیروں سے دست بردار ہوکر اندلس چھوڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے اہل وعیال سمیت سمندر عبور کر کے مراکش کے شہر فاس میں پناہ لے لی۔ وہاں کے امیر محمد بن زکریا نے اسے رہنے کے لیے ایک قطعۂ زمین دے دیا۔ تاہم حسرت ویاس نے کبھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور گمنامی کے طویل ایام گزار کر وہ ۹۴۰ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کی عمر لگ بھگ ۷۵ سال ہوئی۔ اس کے دو بیٹوں: یوسف اور احمد سے اس کی نسل چلتی رہی مگر اقبال مندی اس خاندان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی، یہ لوگ افریقہ میں نہایت غربت وعسرت کی زندگی بسر کرتے رہے۔

اُدھر ۶ جنوری ۱۴۹۲ء (۲ ربیع الاوّل ۸۹۷ھ) کو ازابیلا اور فرڈی ننڈ پنجم قصرِ الحمراء میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ پہلی وعدہ خلافی یہ کی کہ غرناطہ کی جامع مسجد کو کلیسا میں تبدیل کر دیا۔ فرڈی ننڈ نے کچھ دنوں تک مسلمانوں کے لیے افریقہ جانے کے راستے کھلے رکھے اور بحری جہاز بھی مہیا کر دیے۔ بے شمار لوگ نصرانیوں سے معاہدے کو شک وشبہے کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لہٰذا وہ اپنے تمام اثاثے سستے داموں نصرانیوں کو فروخت کر کے افریقہ چلے گئے مگر ان دنوں افریقہ میں سخت قحط سالی تھی، اس لیے بہت سے لوگ وہاں جاں بحق ہوگئے۔ کچھ بھاگ کر واپس اندلس آگئے۔ ان کی زبانی وہاں کے سخت حالات کا چرچا ہوا تو باقی مسلمانوں نے اندلس میں رہنے کو ہی ترجیح دی۔ یہ وہ لوگ تھے جو سفر کی طاقت نہیں رکھتے تھے یا نصرانیوں کے وعدوں پر مطمئن تھے۔

❁❁❁

مآخذ:

❁ نبذۃ العصر فی احوال ملوک بنی نصر: ص ۳۰ تا ۱۲۹، ط دار احسان دمشق
❁ نفح الطیب: ج ۳ ص ۵۱۱ تا ۵۵۵؛
❁ دولۃ الاسلام فی الاندلس، لعبداللہ عنان المصری: ج ۵ ص ۱۹۸ تا ۳۳۵
❁ التاریخ الاندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ، لعبدالرحمن علی: ص ۵۳۸ تا ۵۵۹
❁ دولۃ الاسلام فی الاندلس، لعبداللہ عنان المصری: ج ۵ ص ۲۳۹، ۲۳۰
❁ الاعلام للزرکلی: ۳ ص ۲۹۰
❁ لین پول، مورس ان اسپین: ص ۱۳۹ تا ۱۵۵

مسلمانوں کی نسل کشی

غرناطہ کے سقوط کے بعد اندلس میں ایک چپہ زمین بھی مسلمانوں کے قبضے میں نہ رہی۔ متعصب پادری اس ملک سے مسلمانوں کا نام ونشان تک مٹادینا چاہتے تھے۔ ان میں طُلَیطلَہ کے مرکزی کلیسا کا کارڈینل اور ازابیلا کا خاص پادری "فرانسس شمینیس سیزر" سب سے آگے تھا۔ پادریوں کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے ہیں: "وہ اندلس چھوڑ دیں یا عیسائی بن کر رہیں۔" آخر بہت سے غیور مسلمان اللہ پر بھروسہ کر کے اس ظلم وستم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ غرناطہ کے کئی مضافاتی قصبوں کے مسلمانوں نے ہتھیار اٹھا کر اعلانِ جہاد کر دیا۔ ایک مدت تک وہ نصرانی افواج سے چھاپہ مار جنگیں لڑتے رہے۔ مگر آخر کار انہیں شکست ہوئی اور نصرانیوں نے ان علاقوں میں مظالم کی انتہاء کر دی۔ مغربی اندلس میں بھی مجاہدین طویل عرصے تک لڑتے رہے مگر آخر ان کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ مزاحمت میں ناکامی کے بعد انتقامی مہم کے دوران نصرانی پادریوں نے غرناطہ اور گردونواح کی آبادیوں میں گھر گھر کی تلاشی لے کر تمام اسلامی کتب چھین لی گئیں اور غرناطہ کے مرکزی چوک میں بیک وقت لاکھوں کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ یوں اندلس کے مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ علمی دولت وثروت راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

اس انقلاب کے بعد بھی مسلمان ختم نہیں ہوئے بلکہ وہ ایک نئے طبقے میں ڈھل گئے جنہیں "مورسکی" یا "مراکسی" (حقیر مسلمان) کہا جاتا تھا۔ یہ وہ مسلمان تھے جنہیں جبراً مذہب تبدیل کرایا گیا۔ ان میں سے شاید ہی کوئی ہو جو دل سے نصرانی ہوا ہو۔ خود نصرانیوں کو بھی اس کا احساس تھا، اس لیے انہوں نے جبراً نصرانیت قبول کرنے والوں کو بھی عام نصرانی نہیں سمجھا بلکہ انہیں "اندر سے مسلمان" تصور کرتے رہے۔ انہیں اپنی املاک فروخت کرنے یا کسی دوسرے شہر کا سفر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ان کے خلاف جبر وتشدد کا محاذ کھول دیا گیا۔

کارڈینل فرانسس نے فرڈی ننڈ پنجم اور ازابیلا کی سرپرستی میں مورسکین کے "ایمان" کی آزمائش کے لیے تفتیشی ادارے قائم کیے۔ پادری ان اداروں کے نگران تھے اور انہیں مکمل اختیارات حاصل تھے۔ ان کا کام چن چن کر ان لوگوں کو گرفتار کرنا تھا جن پر مسلمان ہونے کا شک ہوتا۔ ان ملزموں کو اپنی صفائی دینے کا حق حاصل نہ تھا۔ انہیں عقوبت خانوں میں شدید ترین سزائیں دی جاتیں، کوڑوں سے مارا جاتا، آگ میں جلایا جاتا، یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتے یا نصرانیت پر ایمان کا یقین دلا دیتے۔ حراست میں لیے گئے افراد کو زمین دوز تاریک عقوبت خانوں میں رکھا جاتا۔ ان میں سے بہت کم کو زندہ نکلنا نصیب ہوتا۔ اکثر تشدد یا بیماریوں کا شکار ہو کر وہیں جان دے دیتے۔

جو لوگ ان ناقابلِ برداشت آزمائشوں سے تنگ آکر اندلس سے بھاگنے کی کوشش کرتے، تفتیشی ادارے ان کے پیچھے پڑ جاتے۔ اسی لیے ۹۱۸ھ (۱۵۰۲ء) میں حکم جاری ہوا کہ کوئی ملاح کسی مورسکی کو خصوصی اجازت نامے کے بغیر اپنی کشتی یا جہاز میں سوار نہیں کرے گا۔ اجازت نامے کے بغیر سفر کرنے والے گرفتار کر لیے جاتے اور انہیں تفتیشی

اداروں کے حوالے کر دیا جاتا۔

۱۵۰۴ء (۹۰۹ھ) میں ازابیلا فوت ہوئی۔ ۱۵۱۶ء (۹۲۲ھ) میں فرڈی ننڈ پنجم بھی دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس کا نواسا چارلس پنجم تخت نشین ہوا۔ اس دور میں مسلمانوں پر کبھی سختی ہوتی، کبھی نمائشی نرمی۔ حکومت نت نئے قوانین بناتی، کبھی مسلمانوں کے لیے برائے نام کچھ رعایت کر دیتی، کبھی مشکلات بڑھا دیتی۔ ۱۵۵۶ء سے ۱۵۹۸ء تک چارلس کے بیٹے فلپ دوئم کی حکومت رہی جس نے گزشتہ دور کی برائے نام نرمی کو ختم کر ڈالا۔ اس نے پندرہ سال کی عمر تک کے تمام مسلمان بچوں کو جبراً نصرانی مذہب پڑھانا لازم کر دیا اور عورتوں کے پردہ کرنے پر پابندی عائد کر دی۔ اندلس کے کئی علماء، ادباء اور شعراء نے اپنی داستانِ الم نظم ونثر میں لکھ کر نہایت رازداری کے ساتھ استنبول کے عثمانیوں، قاہرہ کے مملوکوں اور دوسرے طاقتور مسلمان حکمرانوں تک پہنچائی۔ ایک مسلمان نے اپنے منظوم مراسلے میں لکھا:

"جب ہم ان کی ماتحتی میں آئے...... تو عہد شکنی کے ساتھ ان کی دھوکہ دہی ظاہر ہو گئی۔

انہوں نے ہم سے کیے گئے تمام وعدوں میں خیانت کی...... ہمیں زبردستی، مجبور کر کے نصرانی بنا دیا گیا۔

ہماری ہر دینی کتاب کو نہایت حقارت کے ساتھ آگ میں پھینک دیا گیا۔

کسی مسلمان کے پاس کوئی کتاب تو کیا کوئی قرآن مجید کا نسخہ تک نہ رہا جسے وہ تلاوت کرتا۔

کسی کے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کی انہیں اطلاع ہو جاتی تو اسے بہر حال آگ میں پھینک دیتے۔

ہم میں سے جو بھی ان کے کفریہ مرکز (چرچ) نہ جائے، اسے بدترین سزا دی جاتی ہے۔

اسے منہ پر طمانچے مارے جاتے ہیں، مال چھین لیا جاتا ہے، اور جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔

رمضان میں وہ ہمیں بار بار کھانے پر مجبور کر کے ہمارے روزے فاسد کرتے ہیں۔

ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنے نبی کو گالی دیں۔ اور کبھی اچھی یا بری حالت میں انہیں یاد نہ کریں۔

انہوں نے ہمارے کچھ لوگوں کو نعت پڑھتے دیکھا تو انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا۔

انہوں نے ہمارے نام تک بدل ڈالے جبکہ ہم نے ایسا چاہا نہ ہم اس پر راضی تھے۔

آہ! وہ مینار جہاں اب کلمہ شہادت کی جگہ بگل بجائے جاتے ہیں۔

آہ! وہ خوبصورت شہر جہاں کفر کی مہیب ترین ظلمت چھا گئی ہے۔

ہم غلام ہیں، قیدی نہیں کہ کوئی فدیہ دے کر چھڑا لے، ہم ایسے مسلمان بھی نہیں جو کلمہ شہادت پڑھ سکیں۔

اگر آپ کی آنکھیں ہمارا حال دیکھ لیں تو آپ کے آنسو بہہ پڑیں گے۔

ہائے یہ کیسی تباہی اور کیسی مصیبت ہے۔ ذلت کا کیسا لبادہ ہے جس میں ہم لپٹے ہوئے ہیں۔"

مگر یہ تمام فریادیں بے اثر رہیں۔ کوئی محمد فاتح، کوئی صلاح الدین ایوبی، کوئی محمد بن قاسم اور کوئی طارق بن زیاد ان کی مدد کے لیے نہ آیا۔ مایوسی کی انتہاء نے بہت سے غیور مسلمانوں کو ان حالات میں موت کے لیے تیار کر دیا اور

کچلے ہوئے لوگوں میں مزاحمت کی چنگاری ایک بار پھر بھڑک اٹھی۔ غرناطہ کے محلے ''بیازین'' کے ایک مجاہد فرج بن فرج نے اس تحریک کو خفیہ طور پر منظم کر کے دسمبر ۱۵۶۸ء (جمادی الآخرہ ۹۷۶ھ) میں چھاپہ مار جنگ کا آغاز کر دیا۔

مجاہدین نے جبلِ شلیر کو اپنا مرکز بنالیا اور ایک اُموی نوجوان محمد بن اُمیہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب جگہ جگہ اہلِ ایمان نصرانیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ تفتیشی اداروں کے سنگ دل پادریوں، مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والے درندہ صفت افسران اور سرکاری اہلکاروں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ البشارۃ کا کوہستان مجاہدین کا اہم مرکز بنا اور نصرانیوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع ہوگئی جس کا دائرہ کار اتنی دور تک پھیلا کہ غرناطہ سمیت تمام جنوبی اسپین سے نصرانیوں کا تسلط ختم ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ سقوطِ غرناطہ کے پون صدی بعد بھی مسلم قوم میں مقاومت کی طاقت دیکھ کر قسطالیہ کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہاں سے فوجوں پر فوجیں روانہ کی گئیں۔ چار سال تک مجاہدین نصرانی افواج کے حملے پسپا کرتے رہے۔ لڑنے والوں میں مرد ہی نہیں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اس دوران ابن اُمیہ نے استنبول، الجزائر اور مراکش کے درباروں میں درخواست بھیجی کہ انہیں کمک بھیجی جائے۔ اگر بیرونی امداد مل جاتی تو اس تحریک کے ذریعے کم از کم جنوبی اندلس کو آزاد کرایا جاسکتا تھا مگر مسلم حکمران مسلمانانِ اندلس پر جیتے جی فاتحہ پڑھ چکے تھے۔

اس دوران مجاہدین میں عبداللہ بن ابیہ نامی ایک اور عالی ہمت قائد سامنے آیا جس کے مجاہدین البشرات اور رُندہ سے مالقہ تک پھیل گئے۔ تحریک کامیابی کی طرف گامزن تھی کہ شاہ فلپ دوئم کے بھائی ڈون خوان نے اپنی سازشوں کے ذریعے عبداللہ بن ابیہ اور محمد بن اُمیہ میں پھوٹ ڈلوادی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عبداللہ بن ابیہ کے حامیوں نے محمد بن اُمیہ کو قتل کر دیا اور مجاہدین کی قیادت عبداللہ بن ابیہ نے سنبھال لی۔ اس نے بھی اسپینی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ کئی ناکام جنگوں کے بعد آخر فلپ دوئم نے ڈون خوان کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر جنوبی اندلس بھیجا۔ اس کی فوجیں ایک جامع منصوبے کے تحت مجاہدین کے ٹھکانوں کو گھیرتی رہیں۔ مجاہدین جگہ جگہ مورچہ بند لڑائی کرتے ہوئے شہید ہوتے اور پیچھے ہٹتے رہے۔ عبداللہ بن ابیہ کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا مگر ایک غدار نے نصرانیوں سے انعام کی امید پر اسے قتل کر دیا اور لاش غرناطہ پہنچا دی۔ اس دلیر رہنما کا سر کاٹ کر غرناطہ کے پھاٹک پر آویزاں کر دیا گیا اور لاش جلادی گئی۔ یہ مارچ ۱۵۷۱ء (شوال ۹۷۸ھ) کا واقعہ ہے۔ یوں تحریکِ آزادی کی آخری چنگاری بھی بجھ گئی۔

نصرانیوں نے اس مزاحمتی تحریک کا نہایت ہولناک انتقام لیا۔ البشارۃ کے پورے علاقے کو مقتل بنا دیا گیا۔ ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کر دیا گیا۔ جگہ جگہ مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا۔ ہزاروں افراد کو محض بغاوت کی حمایت کے شبہے میں قتل کر دیا گیا، لاشیں پانی میں بہادی گئیں اور اندلس کے دریا مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوگئے۔ اَن گنت افراد حراست میں لیے گئے اور باقی ماندہ کو بڑے پیمانے پر اِدھر سے اُدھر منتقل کیا گیا۔

۱۵۹۸ء (۱۰۰۶ھ) میں فلپ سوئم بادشاہ بنا جس کی بے رحمی اپنی مثال آپ تھی۔ ایک صدی تک مسلمانوں کو کچلنے اور اسلام سے برگشتہ کرنے کی تمام کوششوں کے باوجود نصرانی حکام اور مذہبی پیشوا یہ دیکھ چکے تھے کہ گنے چنے کچھ

لوگوں کے سوا، موریسکیوں میں سے کوئی بھی دل سے نصرانی نہیں ہوا۔ چنانچہ فلپ سوئم نے ۲۲ ستمبر ۱۶۰۹ء کو اعلان کر دیا کہ موریسکیوں کو تین دن کے اندر اسپین سے نکلنا ہوگا۔ صرف ایسے موریسکیوں کو ملک میں رہنے کی اجازت دی گئی جو چرچ میں باقاعدگی سے حاضر ہو رہے تھے۔ تین دن بعد لاکھوں موریسکیوں کو ان کے شہروں اور دیہاتوں سے نکال کر نامعلوم منزلوں کی طرف دھکیل دیا گیا۔ ہزارہا لوگوں کو پہاڑی درّوں میں ٹھونس کر فرانس کی طرف ہانک دیا گیا مگر فرانس نے انہیں جگہ دینے سے انکار کر دیا اور وہ برف پوش گھاٹیوں میں پھنس کر رہ گئے۔ بے شمار افراد کو بحیرۂ روم کے جزیروں میں پھینک دیا گیا۔ ہزاروں لوگوں کو خلیج بسکی میں اتار دیا گیا جہاں وہ بحری قزاقوں کا نشانہ بن گئے۔ الغرض اس جبری اور اچانک انخلاء کے ذریعے کم از کم تین چوتھائی مسلمانوں کو لقمۂ اجل بنا دیا گیا۔

اس موقع پر ترک جہاز رانوں نے لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ افراد کو الجزائر کے ساحلوں تک پہنچایا۔ دس بیس ہزار افراد وہ تھے جو شمالی اندلس سے مغربی یورپ پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور ترک حکام نے برطانیہ سے مذاکرات کر کے انہیں بحری جہازوں پر استنبول منتقل کر لیا۔ باقی مسلمان بالکل بے نام ونشاں ہو گئے۔ فرانسیسی مؤرخ گستاؤلی بان لکھتا ہے:

''پہلے تو وہ جبری عیسائی بنائے گئے اور پھر اس بہانے سے کہ عیسائی ہیں، وہ اس مقدس مذہبی عدالت [1] کے سپرد کیے گئے جس نے انہیں جہاں تک ممکن ہوا آگ میں جلایا۔ چوں کہ یہ طریقہ بہت سست رَو تھا، اور لاکھوں اَفراد کا ایک ساتھ جلانا دشوار تھا، اس لیے نصرانی عمائد کو عربوں کو ملک سے ختم کرنے کی ایک نئی ترکیب سوجھی۔ چنانچہ طلیطلہ کے بڑے پادری نے جو اس مذہبی عدالت کا سربراہ تھا، تجویز دی کہ تمام عربوں کو جو عیسائی نہیں، عورتوں اور بچوں سمیت قتل کر دیا جائے۔ بلیدؔا راہب اس سے بھی بڑھ گیا جسے عربوں کے بصدقِ دل نصرانی ہونے کا یقین نہ تھا، اس لیے اس نے مشورہ دیا کہ بلا استثناء تمام عربوں کو قتل کر دیا جائے۔ اگرچہ پادریوں نے اس تجویز کی خوب تائید کی مگر حکومت کو خیال ہوا کہ شاید عرب اس ظلم کو آسانی سے برداشت نہ کریں، چنانچہ ۱۶۱۰ء میں اعلان کر دیا گیا کہ تمام عرب یکلخت ملک سے نکل جائیں۔

راہب بلیدؔا نے بڑی خوشی سے بیان کیا کہ ان عربوں میں سے تین چوتھائی راستے میں قتل کر دیے گئے۔ فقط ایک قافلے میں جس میں ایک لاکھ چالیس ہزار افراد افریقہ جا رہے تھے، ایک لاکھ افراد مار ڈالے گئے۔ چند ماہ کے اندر اندلس سے دس لاکھ سے زیادہ افراد نکل گئے۔ سڈیو اور اکثر مؤرخین اندازہ لگاتے ہیں کہ فرڈی ننڈ کی فتح سے لے کر مسلمانوں کے اخراج تک تیس لاکھ تک افراد نکالے گئے ہوں گے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وحشی سے وحشی اور بے رحم سے بے رحم ملک گیروں نے بھی کبھی اس قسم کے دردناک قتلِ عام کا دھبہ اپنے دامن پر نہیں لگایا۔'' [2]

---

① مقدس مذہبی عدالت سے مراد اس زمانے میں قائم کی گئی ایک خاص عدالت تھی جو ان لوگوں سے متعلق تھی جنہیں کسی بھی مسئلے میں رومن کیتھولک چرچ سے اختلاف ہو۔ یہ لوگ خارجی کہلاتے تھے اور ان پر ہر قسم کے مظالم کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ انتہاء میں ایسے لوگوں کی سزا آگ میں جلانا طے کی گئی تھی۔

② تمدنِ عرب: ص ۲۵۳

مسلمانوں کے اسباب زوال:

اگر اندلس میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر غور کیا جائے تو وہ بالکل عیاں ہیں۔ مسلمان دُنیا کی نعمتوں میں مگن ہو کر اُسے چھیننے جھپٹنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہاں ایک عرصے تک اسلامی تہذیب کی نشوونما کی مگر پھر وہ رقص وسرود اور دیگر عیاشیوں کے عادی اور نصرانی بیویوں اور رومی باندیوں کے حسن وشباب کے اسیر ہو گئے۔ حکمرانوں کے باہمی نفاق اور خانہ جنگیوں کی بڑی وجہ یہی دنیا کی محبت تھی۔ اسی بناء پر ابن ابی عامر کے بعد جذبۂ جہاد سرد پڑ گیا تھا۔ مسلمان بس مرابطین، مؤحدین اور بنو مرین کے سہارے اپنا دفاع کرتے رہے۔ اگر وہ جذبۂ جہاد سے معمور ہوتے تو انہیں کسی بیرونی سہارے کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں آخر تک پینتیس چالیس لاکھ مسلمان موجود تھے۔ اگر حکمران سادہ زندگی اختیار کر کے اپنے وسائل کا زیادہ حصہ جہاد پر خرچ کرتے تو ایک لاکھ کی فوج تیار کرنا مشکل نہ تھا۔

مسلمانوں سے ایک بڑی غلطی یہ بھی ہوئی کہ انہوں نے نصرانیوں میں اسلام کی تبلیغ کی کوئی خاص فکر نہیں کی بلکہ غالب آ کر ان سے خراج اور جزیہ لینا کافی سمجھا۔ اگر دھیرے دھیرے بھی دعوتِ اسلام کا کام ہوتا تو کوئی بعید نہ تھا کہ اندلس بھی شام ومصر کی طرح مسلم اکثریتی ملک بن جاتا۔ دعوتِ دین میں کوتاہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نصرانی ایک دشمن کی شکل میں ہمیشہ مسلمانوں سے نبرد آزما رہے اور ان کی مکمل تباہی کا ذریعہ بنے۔

اندلس کے مسلمانوں کے سیاسی اختلافات اور نسلی وگروہی انتشار ان کے خاتمے کا سب سے بڑا سبب تھے جو قوم کو بار بار خانہ جنگی کی طرف لے گئے۔ حد یہ تھی کہ ابوعبداللہ اور الزغل جیسے مسلم امراء اس وقت بھی آپس میں لڑ رہے تھے جب فرڈی ننڈ پنجم ان کے خلاف لشکر کشی کی تیاری مکمل کر چکا تھا۔ مسلمانوں کا وطنی قومیت کی بناء پر نصرانیوں کو دوست سمجھنے کی غلطی کرنا بھی تباہی کا بڑا سبب بنا۔ قرآن مجید کہتا ہے: ''ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بنانا۔''[1]

ملوک الطوائف الفانسو کو قومی سرپرست بنائے ہوئے تھے۔ ابوعبداللہ نے فرڈی ننڈ پنجم کو وطنی قائد مان لیا۔ آخر یہی بھروسہ انہیں لے ڈوبا۔ قرآن کے احکام کو بھلانے کا نتیجہ زوال، انتشار اور تباہی کے سوا بھلا کیا ہو سکتا تھا!!

مسلم اندلس کی تاریخ ہمیں ایک کلیہ سکھاتی ہے، وہ یہ کہ کسی ملک میں مسلمانوں کی بقا کے لیے متحدہ وطنی قومیت کے جذبے سے زیادہ ملی وحدت کا جوش درکار ہے اور اسی بنیاد پر ان کا سیاسی اتحاد لازم ہے۔ متحدہ وطنی قومیت کا نظریہ مسلمانوں کو کسی معاشرے میں شاید قابلِ قبول بنا دے مگر انہیں وہ حقیقی عزت نہیں دلا سکتا جو ملی ولولے اور اسلامی اخوت پر منحصر ہے۔

---

[1] سورۃ المائدہ: آیت ۵۱

ماخذ:

- نبذۃ العصر فی احوال ملوک بنی نصر: ص ۱۳۱ تا ۱۳۴
- تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از محامی: ص ۲۰۳
- دولۃ الاسلام فی الاندلس، لعبداللہ عنان المصری: ج ۵ ص ۲۴۵ تا ۲۷۵
- الاندلسیون المواركۃ از ڈاکٹر عادل سعید بشتاوی، ص ۱۲۵ تا ۲۳۴
- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ کرسٹوفر کولمبس
- ہوئے تم دوست جس کے، از ڈاکٹر حقی حق: ص ۷۲
- تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۳۳۶، ۳۳۷

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ مؤحدین کے اندلس سے بے دخل ہونے کے بعد وہاں پیدا ہونے والے سیاسی انتشار پر تبصرہ کیجیے۔

❷ فرڈی ننڈ سوئم کے قرطبہ اور اشبیلیہ اور خائمی اوّل کے بلنسیہ پر قابض ہونے کا حال مختصراً لکھیے۔

❸ محمد ابن الاحمر کی سیاست اور مسلمانانِ اندلس کے لیے اس کی خدمات پر روشنی ڈالیے؟

❹ نصرانیوں کے خلاف ابوالولید کی فتح کا واقعہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

❺ فرڈی ننڈ پنجم کے خلاف سلطان ابوالحسن کے اعلانِ جہاد اور اس کی فتوحات کا ذکر کیجیے؟

❻ ابوعبداللہ محمد کو فرڈی ننڈ پنجم نے کس طرح اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا؟ وضاحت سے لکھیے۔

❼ سقوطِ غرناطہ کے وقت موسیٰ بن ابی الغسان کا کردار کیا رہا؟

❽ سقوطِ غرناطہ کے بعد مسلمانانِ اندلس پر کیا بیتی؟ ممالکِ اسلامیہ نے اس موقع پر کیا کردار ادا کیا؟

عملی کام:

❀ اندلسِ صُغریٰ کا نقشہ دیکھیے جس میں اس کے اہم شہروں کو واضح کیا گیا ہو۔

❀ ایسا نقشہ دیکھیے جس میں غرناطہ کے مقابلے میں نصرانی ریاستوں کی حدود ظاہر کی گئی ہوں۔

کتب برائے مطالعہ:

❀ تاریخ اندلس از نواب ذوالقدر جنگ بہادر، ناشر: دارالاشاعت کراچی

❀ مسلم اسپین، از پروفیسر آئی ایچ برنی

تیسرا باب

اسلامی اَندلُس میں تہذیب وتمدن

تعارف:

اسلامی اَندلُس شہروں کی رونق، عظیم الشان عمارتوں کے طرزِ تعمیر، انتظامی تشکیلات، عوامی فلاح وبہبود کے کاموں اور لوگوں کے طرزِ حیات کے حوالے سے ایک شاندار تہذیب کا حامل رہا۔ یہاں کے علوم وفنون کی بہار سے یورپ بھی بہت مستفید ہوا۔ مسلم دورِ حکومت کے خاتمے کے بعد یہ ملک کبھی پہلے جیسی ترقی نہ کرسکا۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

1. اَندلُس کے اسلامی تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں سے آگاہ ہوسکیں۔
2. یہ جان سکیں کہ اسلامی اَندلُس نے کس طرح نہ صرف اس خطے بلکہ یورپ پر بھی نہایت مثبت اثرات ڈالے۔
3. مسلم حکمرانوں کی علم دوستی، ذوقِ تعمیر وترقی، رواداری اور رفاہِ عامہ میں ان کی دلچسپی سے روشناس ہوسکیں۔
4. اسلامی اَندلُس کے خاتمے کے بعد اَندلُس کے معاشی، صنعتی، تجارتی اور اخلاقی زوال سے واقف ہوسکیں۔

(یونٹ:3.4)

اسلامی اَندلُس کی تہذیب وثقافت پر ایک نگاہ

اسلامی عہد کا اَندلُس ایک شاندار تہذیب اور دلکش ثقافت کا حامل تھا۔ یہاں مساجد، مدارس اور کتب خانوں کی کثرت تھی۔ لوگ نماز کے پابند تھے۔ علمی ذوق عام تھا۔ لوگ علوم اسلامیہ کی تحصیل، کتب بینی اور جہاد میں شرکت جیسے اعلیٰ مقاصد میں دلچسپی لیتے تھے۔ فرانسیسی مؤرخ گستاؤلی بان لیبان لکھتا ہے:[①]

''ویسی گاتھوں کے وقت اَندلُس کی حالت زیادہ سرسبز نہ تھی اور ان لوگوں کا تمدن بھی ایک نیم وحشی قوم کا تمدن تھا۔ فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد عربوں نے ترقی شروع کردی۔ ایک صدی کے اندر تمام غیر مزروعہ زمینیں کاشت ہونے لگیں۔ اجاڑ بستیاں آباد ہوگئیں۔ بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں اور دوسری اقوام کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ اس کے بعد عربوں نے علوم اور ادب کی طرف بھی توجہ کی اور یونانی اور لاطینی کتب کے ترجمے کرائے اور وہ دار العلوم قائم کیے جو مدتوں تک یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔''[②]

زرعی ترقی اور حکومت کی آمدن:

اَندلُس کی گنجان آبادی کے سامنے یورپی ممالک دشت وصحرا معلوم ہوتے تھے۔ یہاں کا ہر شہر دلکش اور بلند وبالا عمارتوں سے سجا ہوا تھا۔ ہر گاؤں نے ہریالی کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ملک میں کوئی قطعہ زمین بنجر نہیں دکھائی دیتا تھا، چپے چپے کو قابل کاشت بنالیا گیا تھا، زراعت کے سائنسی طریقے دریافت کرکے انہیں رائج کیا گیا تھا۔ لیبان لکھتا ہے:

''عربوں میں زراعت کی صلاحیت علمی اور حرفتی صلاحیت سے بھی زیادہ تھی اور اس وقت جو ذرائع آب پاشی اَندلُس میں موجود ہیں، وہ انہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ عربوں ہی نے اَندلُس کی زرخیز زمین میں نیشکر، شہتوت، چاول، کپاس، کیلے وغیرہ اجناس کی کاشت کی۔ ان کی باقاعدہ کاشت کاری نے اَندلُس کو جو جنوبی حصے کو چھوڑ کر تمام کا تمام اس وقت بالکل میدان ہورہا تھا، باغِ ارم کا نمونہ بنادیا۔''[③]

اَندلُس کے مسلم ماہرینِ زراعت نے اس فن کی معراج کو پالیا تھا، ان کی مہارت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ پورے سال میں زمین کو ایک دن کے لیے بھی خالی نہیں رہنے دیتے تھے۔ ایک فصل کٹتے ہی موسم کے مناسب اگلی فصل کی تخم ریزی شروع ہوجاتی۔ کھجور، زعفران، انجیر، زیتون، پستہ، شہتوت، انار، کیلا، آڑو، کپاس اور چاول یہاں کی خاص پیداوار تھے۔ کسان جدید زرعی طریقوں پر عمل کرکے ایک سال میں تین تین فصلیں کاٹتے تھے۔ عبدالرحمٰن الناصر کے خزانے کو سالانہ دو کروڑ چون لاکھ اسی ہزار دینار کی آمدنی ہوتی تھی۔[④] زرعی محصولات ۵۴ لاکھ ۸۰ ہزار دینار تک تھے۔[⑤] جبکہ

---

① نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۱ ص ۴۶۲ ② تمدن عرب: ص ۲۵۳ ③ تمدن عرب: ص ۲۵۵

④ نفح الطیب: ج ۱ ص ۱۷۷، ۲۰۵؛ البیان المغرب: ج ۲ ص ۲۳۷؛ نزھۃ المشتاق للادریسی: ص ۲۷۳..... یہ آمدن تقریباً ۲ ارب ۴۴ کروڑ ڈالر کے بقدر بنتی ہے۔ ⑤ تقریباً ایک ارب ۶۰ کروڑ ڈالر

تجارتی محصولات ۷ لاکھ ۶۵ ہزار دینار تھے۔[①] عبدالرحمن الناصر کی وفات کے وقت خزانے میں محفوظ رقم پانچ ارب دینار تھی۔[②] سرکاری بجٹ کا ایک تہائی فوج پر جبکہ ایک تہائی تعمیری وترقیاتی کاموں اور عوامی فلاح وبہبود پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ایک تہائی محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اس دور میں یورپ کے تمام بادشاہوں کی مجموعی آمدنی بھی اُندلس کی اسلامی حکومت کی آمدنی کے برابر نہیں تھی۔[③]

مستشرقین نے اعتراف کیا ہے کہ اہلِ یورپ نے صنعت وحرفت اور طب وصحت کی مہارتیں اُندلس کے عربوں سے سیکھیں اور یورپ کی زرعی ترقی اہلِ اندلس کے مرہونِ منت ہے۔ شامی مؤرخ محمد کرد علی (م ۱۹۵۳ء) لکھتے ہیں:

''بعض فرانسیسی محققین کا بیان ہے کہ عرب جب ناربن اور بروفیسا[④] وغیرہ پر قابض ہو گئے تو اسے نہایت عمدہ طریقے سے آباد کیا۔ لیون کا فرمانروا شانجہ اپنے علاج کے لیے عرب طبیبوں سے مشورے لیتا تھا۔ فرانس کے علماء میں سے لنفرائیل اور لابیہ دی کلوتی نے قرطبہ کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ فرانسیسیوں نے زراعت کے طریقے، دریا سے کاٹ کر نہریں نکالنے اور آب پاشی وسیرابی کے نظام کو عربوں سے سیکھا تھا۔ عربوں نے اُندلس میں ایسے ایسے نباتات اور درخت لگائے جو وہاں نہیں پائے جاتے تھے۔ یہاں سے وہ (پودے) یورپ کے دوسرے ملکوں میں پہنچے۔ قالین بافی اور جہاز سازی کی صنعت عربوں سے ہمارے ہاں آئی۔''[⑤]

صنعت وتجارت:

زراعت کے ساتھ صنعت وتجارت کے لحاظ سے بھی مسلم اَندلس دُنیا میں اپنی مثال آپ تھا۔ لیبان لکھتا ہے:

''حرفت وتجارت کا بھی ایسا ہی زور وشور رہا۔ معدنیات، اسلحہ، ریشمی اور طرح طرح کے کپڑے، دباغت کیا ہوا چمڑا اور شکر جیسی چیزیں یہاں تیار ہوتی تھیں اور یہودیوں اور بربروں کے ذریعے جو اس زمانے کے تجار تھے، افریقہ اور مشرقی ممالک میں بھیجی جاتی تھیں۔''[⑥]

معیشت کی اس ترقی میں بعض وزرائے سلطنت کی مہارت اور جدت پسندی کا بڑا دخل تھا۔ محمد کرد علی لکھتے ہیں:

''وزیر رضوان النصری نے ۷۶۰ھ میں غرناطہ میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا۔ ابن الخطیب کا بیان ہے کہ حکومتوں میں رضوان نصری جیسے ذہین لوگوں کی مثالیں کم یاب ہیں۔ اس نے صرف زراعت اور تجارت کے ذریعے دولت پیدا کی اور ایسے تمدنی کارنامے انجام دیے جن پر بڑے بڑے بادشاہ رشک کرتے ہیں۔''[⑦]

---

① تقریباً ۲۲ کروڑ ۱۸ لاکھ ڈالر ② تقریباً ۱۴ کھرب ۵۰ ارب ڈالر

③ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۴۴۷

④ یہ دونوں جنوبی فرانس کے اضلاع تھے جہاں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں کی حکومت رہی۔

⑤ الاسلام والحضارۃ العربیۃ: ص ۲۷۶

⑥ تمدنِ عرب: ص ۲۵۵

عسکری طاقت:

اُموی دورِ عروج میں اسلامی اندلس کی فوج لگ بھگ پچاس ہزار پیشہ ور گھڑسوار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ رضاکاروں کو ملا کر بعض اوقات لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہوجاتی تھی۔ ① غرناطہ کی مسلم مملکت میں ابن الاحمر کے جانشینوں نے ''شیخ الغزاۃ'' کے نام سے ایک عہدے کا اضافہ کیا تھا جس کے تحت افریقہ سے آئے ہوئے رضاکاروں کو منظم کیا گیا اور وہ جنگوں میں بڑے جوش وخروش سے شریک ہوکر ملک کے دفاع میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔ ②

دورِ عروج میں سلطنت کا بحری بیڑا نہایت مضبوط تھا اور دوسو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔ ③

دارالخلافہ قرطبہ ایک نگاہ میں:

دارالحکومت قُرطُبہ چھ میل چوڑا تھا جس کی عمارتیں، محلات، بازار، مساجد اور باغات دریائے وادیٔ الکبیر کے کنارے کنارے چوبیس میل تک چلے گئے تھے۔ ④ شہر کے اندر صاف ستھری اور کشادہ سڑکیں تھیں جن کے اَطراف میں حسین وجمیل اور مستحکم عمارتوں کا سلسلہ دکھائی دیتا تھا۔ کتنی ہی بارش ہو، یہاں کیچڑ کا نام ونشان تک نہ ہوتا تھا۔ ⑤ شہر سے مدینۃ الزہراء تک دس میل طویل سڑک پر مسلسل آبادی تھی۔ رات کے وقت بھی چراغوں کی روشنی کے باعث اس پر آمدورفت میں کوئی مشکل نہ تھی۔ ⑥ شہر میں عام شہریوں کے مکانات کی تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار تھی۔ اُمراء، وزراء، افسران اور سرکاری خدمت گاروں کے مکانات اس کے علاوہ تھے۔ ⑦

قصرِ شاہی شہر کی سب سے پُرشکوہ اور عالی شان عمارت تھی جس کے درودیوار خوبصورت نقش ونگار اور مینا کاری سے آراستہ تھے۔ اس نقاشی میں پیتل، تانبے اور سیسے کے علاوہ سونے چاندی کا استعمال بھی کیا گیا تھا۔ قصر کے باغات میں جگہ جگہ سنگِ مرمر کے تالاب، حوض اور صاف پانی کی ترویج تھیں۔ ⑧ شہر کی آب وہوا نہایت عمدہ تھی۔ نہروں، چشموں، قلعوں اور تاحدِ نظر پھیلے ہوئے باغات اور کھیتوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ ⑨

قُرطُبہ پانچ حصوں میں تقسیم تھا۔ ہر حصہ اپنی جگہ بذاتِ خود ایک شہر تھا جس میں مساجد، مدارس، بازار، سرائے خانے، حمامات اور صنعتی علاقہ تھا۔ ہر حصے کے لیے الگ فصیل بھی تھی۔ ⑩ پھر مجموعی شہر کے گرد ایک اور بڑی فصیل تھی جس کے سات دروازوں سے سات مختلف اطراف میں شاہراہیں نکلتی تھیں۔ ⑪ شہر سے متصل اکیس (۲۱) قصبے تھے۔

---

① دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۵۷۰

② الدرر الکامنۃ فی اعیان مائۃ الثامنۃ: ۵ ص ۵۱۵

③ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۳۳۶

④ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ۱ ص ۳۵۸

⑤ نفح الطیب: ۱ ص ۳۶۲

⑥ نفح الطیب: ۱ ص ۳۵۶

⑦ البیان المغرب: ۲ ص ۲۳۲

⑧ نفح الطیب: ۱ ص ۳۶۳

⑨ نفح الطیب: ۱ ص ۳۶۰

⑩ نزھۃ المشتاق: ۲ ص ۵۷۵

⑪ نفح الطیب: ۱ ص ۳۶۵

ہر قصبے میں مسجد، بازار اور ضروریاتِ زندگی کی تمام سہولتیں میسر تھیں۔ ①

قُرطُبہ کی اس شان وشوکت کا تذکرہ کرتے ہوئے سڈیو (یورپی مؤرخ) لکھتا ہے:

''مسلم اسپین چھے صوبوں، اسی بڑے اور تین سو چھوٹے شہروں، لاتعداد بستیوں اور ہزاروں دیہاتوں پر مشتمل تھا۔ ترقی کا یہ عالم تھا کہ صرف قُرطُبہ میں دولاکھ مکانات، چھ سو مسجدیں، پچاس اسپتال، اسی جامعات اور نو سو حمامات تھے، شہر کی آبادی کئی ملین تھی...... شہر کے ایک کتب خانے میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔'' ②

اس بناء پر دسویں صدی عیسوی کی نامور لاطینی شاعرہ ''ہیروسوفیتا'' نے اپنی ایک نظم میں قرطبہ کو ''زینتِ دُنیا'' کہہ کر یاد کیا تھا۔ ③

عادات واخلاق:

اس سرزمین میں اسلام کی آبیاری نے لوگوں کی اخلاقی اَقدار کو بلند کردیا تھا۔ مسلمانوں کی نرمی، مہربانی اور مذہبی رواداری کا اثر کچھ نہ کچھ مقامی غیر مسلموں پر بھی پڑا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یورپ میں آج ظاہری شائستگی اور وضع داری کا جو کچھ اثر ہے، وہ مسلم اَندَلُس کی اخلاقی روشنی کا عکس ہے تو غلط نہ ہوگا۔ فرنچ مؤرخ گستاؤلیبان لکھتا ہے:

''چند صدیوں میں عربوں نے اَندَلُس کے ملک کو علمی اور مالی ترقی کے لحاظ سے بالکل بدل دیا اور اس کو یورپ کا سرتاج بنادیا۔ یہ تغیر محض مالی اور علمی نہ تھا بلکہ اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے اقوامِ نصاریٰ کو ایک بیش بہا خصلت سکھائی یا کم ازکم سکھانے کی کوشش کی، یعنی مخالف مذاہب کے ساتھ رواداری۔ مفتوحہ اقوام کے ساتھ ان کا رویہ اس قدر نرم تھا کہ انہوں نے بڑے پادریوں کو مذہبی مجالس منعقد کرنے کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔'' ④

اس تہذیبی بلندی، شریفانہ اخلاق وعادات اور شائستگی ووضع داری کا سب سے بڑا مرکز اَندَلُس کا دارالخلافہ قُرطُبہ جہاں کے لوگ صحتِ اعتقاد، عالی ہمتی اور حسنِ اخلاق کے لیے مشہور تھے۔ کسبِ حلال، اچھے لباس اور عمدہ سواریوں کے عادی تھے۔ کھانے پینے میں بھی بڑا نفیس ذوق رکھتے تھے۔ ⑤ دین داری اور نماز کی پابندی میں معروف تھے۔ اعلیٰ نسبی کے بعد علمی یا عسکری کارنامے ہی شرف کا باعث تھے اور انہی کے سبب محفلوں میں اعزاز واکرام ہوتا تھا۔ ⑥

لیبان لکھتا ہے:

''جن قلیل الوجود مؤرخین نے تاریخِ اسلام کو بغور پڑھا ہے وہ عربوں کی اخلاقی برتری کا پوری طرح اعتراف کرتے ہیں۔ موسیو سدیو جو اس خاص امر میں نہایت مشہور مؤرخ ہیں، لکھتے ہیں: اخلاقی، علمی اور حرفتی لحاظ سے عرب نصرانیوں سے کئی درجہ بہتر تھے۔ ان کے خصائص اور عادات واطوار میں ایک فیاضی، ایک وابستگی

---

① نفح الطیب: ۱ ص ۳۵۸ ② دائرة المعارف للقرن العشرین از فرید وجدی۔ نقله عن خلاصة تاریخ العرب للمؤرخ سدیو

③ دولة الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۴۳۸ ④ تمدن عرب: ص ۲۵۷

⑤ نزهة المشتاق فی اختراق الآفاق: ۲ ص ۵۷۵ ⑥ نفح الطیب: ۱ ص ۲۶۲، ۲۶۳

اور ایک طلب خیر تھی ،ان اوصاف کو دوسروں میں تلاش کرنا لاحاصل تھا۔ان میں فطرتِ انسانی کا ایسا اعزاز تھا جس نے انہیں ہمیشہ ممتاز رکھا۔.......... قسطالیہ اور نوار کے عیسائی بادشاہوں کا عربوں کی وفاداری اور مہمان نوازی پر ایسا بھروسہ تھا کہ وہ بلا تامل قرطبہ میں علاج معالجے کے لیے آیا کرتے تھے۔،،①

تعمیراتی ذوق:

اَندُلس کے مسلم فرمانرواؤں نے یہاں مسلسل تعمیراتی کام کرائے ،انہوں نے نئے شہر بھی آباد کیے اور قدیم شہروں کی تجدید وتوسیع بھی کی۔شاہی محلات اور قلعے بھی تعمیر کرائے اور رعایا کی سہولیات سے متعلق کام ہمیشہ جاری رکھے اور ان کے عملے نے ہر نہایت ہنر مندی اور اعلیٰ درجے کی کاریگری کا مظاہرہ کیا۔لیبان لکھتا ہے:

”عربوں کی مستعدی علوم وفنون وحرفت کی کل شاخوں پر چھائی ہوئی تھی۔ان کی تعمیراتِ عامہ رومیوں سے کم نہ تھیں۔سڑکیں، پُل،مسافر خانے،شفاخانے،مساجد ہر طرف کثرت سے بن گئیں تھیں۔،،②

جامع مسجد قُرطُبَہ:

اسلامی اَندُلس کا ذکر جامع مسجد قُرطُبہ کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔اس کی بنیاد عبدالرحمن الداخل نے رکھی تھی جبکہ اس کی تکمیل عبدالرحمن الناصر نے کی۔اس کے زمانے میں تعمیر نو اور توسیع کے بعد مسجد کی لمبائی ۵۰۰ فٹ تک پہنچ گئی۔مسجد کا کل رقبہ ۳۳ ہزار مربع ذراع (تقریباً ۱۶ ہزار مربع گز) تھا۔اس وقت رقبے کے لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے بڑی مسجد تھی۔مسجد کے بڑے دروازے کے اندر داخل ہونے کے بعد باغیچے اور تالاب نظر آتے تھے جن کے درمیان سے ایک روش گزر کر مسجد کے ہال تک جاتی تھی۔ہال سنگ مرمر کے ایک ہزار ۱۷ ستونوں پر مشتمل تھا،ستونوں پر نہایت دیدہ زیب اور خوش نما محرابیں تھیں اور ان پر عظیم چھت ڈالی گئی تھی۔ستونوں پر گلکاری کا نہایت دیدہ زیب کام تھا۔محرابوں کی تعداد سال کے دنوں کے حساب سے ۳۶۰ تھی۔ان کے وسط میں چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے تھے۔سورج اپنے سال بھر کی گردش میں روزانہ ایک طاق کے عین اوپر سے گزرتا تھا اور روزانہ ایک محراب کے طاق سے سورج کی شعاعیں خطِ مستقیم میں اندر داخل ہوتی تھیں۔عبدالرحمن الناصر نے قدیم مینار منہدم کرا کے ۱۰۸ فٹ بلند نیا مینار بنوایا تھا جس پر چڑھنے اور اترنے کے لئے دو علیحدہ علیحدہ زینے تھے۔مؤذن کے مینار کی بلندی تقریباً ۸۲ فٹ تھی جس میں انار سے مشابہ تین بڑے روشن دان تھے۔

رات کے وقت مسجد میں روشنی کے لئے ۲۸۰ فانوس جلائے جاتے تھے جن میں سے تین بڑے فانوس چاندی کے تھے۔بڑے فانوس میں ایک ہزار ۴۸۰ چراغ روشن ہوتے تھے،مجموعی طور پر فانوسوں میں سات ہزار ۴۲۵ چراغ

① تمدنِ عرب:ص ۲۶۰،۲۶۱

② تمدنِ عرب:ص ۲۵۵

جلائے جاتے تھے۔ روشنی کی وجہ سے مسجد میں رات کو بھی دن کا گمان ہوتا تھا۔ شمعوں کے لئے ہر سال ساڑھے تین من موم اور ساڑھے ۳۴ سیر سوت درکار ہوتا۔ چراغوں میں سالانہ ۱۴۳ من تیل استعمال ہوتا، ہر جمعہ کے دن مسجد کو عود اور عنبر کی دھونی دی جاتی تھی۔ میناروں کے اوپر چاندی کے لٹو بنے ہوئے تھے جب سورج کی روشنی میناروں پر پڑتی تو ان کی جگمگاہٹ میلوں دور تک نظر آتی۔ مسجد کی مرکزی محراب اپنی دلفریبی کے باعث عجائبات زمانہ میں شمار کی جاتی تھی۔

محراب میں خطیب اور امام کے داخل ہونے کے لئے علیحدہ دروازہ تھا۔ منبر خالص ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا، اس کی سجاوٹ کے لئے ۳۶ ہزار رنگ اور درجنوں قسم کی قیمتی لکڑیاں استعمال کی گئی تھیں۔ اس کو دنیا کے مانے ہوئے کاریگروں نے نہایت عرق ریزی اور نفاست سے سات برس میں تیار کیا تھا، اس کی تعمیر پر ۳۷ ہزار ۷۰۵ دینار خرچ ہوئے۔ مسجد کی صفائی اور دیکھ بھال کے لئے ۳۰۰ ملازمین رکھے گئے تھے۔ امام مسجد کے لئے علیحدہ حجرے کا انتظام کیا گیا تھا۔ حفاظتی نقطۂ نظر سے سربراہِ مملکت کے لئے پہلی صف میں علیحدہ جنگلے والا احاطہ بنوایا گیا تھا۔ [1]

مدینۃ الزہراء:

اندلس کے کئی مسلم حکمرانوں کو شہر آباد کرنے اور عمارتیں تعمیر کرانے کا خاص ذوق تھا اور وہ اُن پر اپنی دولت پانی کی طرح بہاتے تھے۔ اس حوالے سے سب سے بڑی مثال ''مدینۃ الزہراء'' کی ہے جسے عبدالرحمن الناصر نے بنوایا تھا۔ اُس نے اپنی ایک چہیتی باندی ''الزہراء'' کی فرمائش پر قرطبہ سے پانچ میل شمال مغرب میں ایک شاندار محل بنوانا شروع کیا تھا۔ بعد میں اس کے اردگرد خوبصورت عمارتوں کی مسلسل تعمیر نے اسے ایک شہر کی شکل دے دی۔

''الزہراء'' کی لمبائی چار میل اور چوڑائی تین میل سے کم نہ تھی۔ اس میں پندرہ ہزار بلند و بالا دروازے اور چار ہزار تین سو سولہ برج اور ستون تھے ان کی تعمیر پر کم از کم ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار (موجودہ حساب سے تقریباً ۴ ارب ۳۵ کروڑ ڈالر) خرچ ہوئے۔ دس ہزار مزدوروں اور معماروں نے مسلسل کام کر کے ۲۵ برس میں اسے تیار کیا۔ اوسطاً روزانہ چھ ہزار پتھر تراش کر تعمیر میں استعمال کئے جاتے تھے۔ تعمیراتی کام ۳۲۵ھ (۹۳۷ء) میں شروع ہوا تھا۔ اس میں شاہی محل کے ساتھ ساتھ شہزادوں، شاہی بیگمات، خلیفہ کے قریبی اعزہ و اقارب، خادموں اور محافظ سپاہیوں کے لئے بھی محلات اور مکانات تعمیر کئے گئے تھے۔ الزہراء کی تعمیر کے لئے سنگ مرمر کی بہت بڑی مقدار استعمال کی گئی تھی جو افریقہ سے منگوایا گیا تھا۔ فرانس اور قُسطَنطِینِیَّہ کے بادشاہوں نے تحفے میں کچھ ستون بھیجے تھے جنہیں ٹکڑوں کی شکل میں منتقل کر کے محل میں لگا دیا گیا۔ محل کے سبزہ زار کی سجاوٹ کے لئے قُسطَنطِینِیَّہ سے ایک فوارہ منگوایا گیا تھا جو بالکل سونے کا معلوم ہوتا تھا۔ شام سے بھی ایک بے مثال فوارہ منگوایا گیا تھا جو سبز رنگ کا اور نہایت خوبصورت تھا۔

[1] نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۱ ص ۵۳۹ تا ۵۵۶، ۵۵۸ تا ۵۶۶؛ المسالک والممالک للبکری: ۲ص ۹۰۱؛ نزھۃ المشتاق: ج ۲ ص ۵۷۵ تا ۵۷۹؛ خریدۃ العجائب و فریدۃ الغرائب: ا ص ۲۱، ۲۲؛ الروض المعطار فی خبر الاقطار: ج ا ص ۲۸؛ البیان المغرب: ج ۲ ص ۲۲۹ تا ۲۳۱۔

''الزہراء'' کا سب سے خاص حصہ ''قصر الخلفاء'' تھا جس کی چھت سونے کی تھی۔ سنگ مرمر اتنا دیدہ زیب اور نفیس تھا کہ آئینے کی طرح چمکتا تھا۔ بیرونی دیواروں پر سونے چاندی کا کام تھا۔ اس کے وسط میں ایک عجیب و غریب فوارہ تھا جس کے بالائی حصے پر شاہِ یونان کا بھیجا ہوا قیمتی موتی نصب تھا اور نیچے ایک فوارہ نما تھال تھا جس میں پارہ بھرا رہتا تھا۔ دیواروں پر ہاتھی دانت کے فریموں میں آئینے آویزاں تھے۔ جب سورج کی روشنی ''قصر الخلفاء'' کے دروازوں سے گزر کر ان آئینوں پر پڑتی تو پورا دربار جگمگا اٹھتا اور آئینوں سے ہونے والی شعاعوں کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرنے لگتی۔ اگر کبھی ہوا کے جھونکوں سے تھال میں موجود پارے میں لہریں پیدا ہوتیں تو آئینوں میں اس کے انعکاس سے یوں محسوس ہوتا جیسے پورا محل لرز رہا ہے۔ غیر ملکی سفیر قصر الخلفاء میں حاضر ہوتے تو ان کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتیں۔ اگر اس موقع پر پارے کو حرکت دے دی جاتی تو مہمانوں کے ہوش اڑ جاتے تھے۔ انہیں گمان ہوتا تھا کہ زلزلہ آ گیا ہے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے الزہراء کے انتظامات کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا جس میں تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم اور تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام کام کرتے تھے۔ خواتین کی خدمات کے لئے چھ ہزار تین سو چودہ کنیزیں مقرر تھیں۔ اس وسیع و عریض دلکش تفریح گاہ میں سینکڑوں حوض تھے جن میں رنگ برنگی مچھلیاں تیرتی پھرتی تھیں۔ ان مچھلیوں کی خوراک کے طور پر روزانہ بارہ ہزار روٹیاں حوضوں میں ڈالی جاتی تھیں۔ باغات میں طرح طرح کے خوش آواز اور خوش نما پالتو پرندے فضا میں اڑتے اور شاخوں پر پھدکتے نظر آتے تھے۔ الزہراء کے مکینوں کو روزانہ بکری اور گائے کا تیرہ ہزار سیر گوشت فراہم کیا جاتا تھا۔ مرغیوں، مچھلیوں، مرغابیوں اور تیتروں کا گوشت اس کے علاوہ تھا۔

خلیفہ عبدالرحمن الناصر نے الزہراء میں ایک خوبصورت مسجد بھی بنوائی تھی جسے ''مسجد الزہراء'' کہا جاتا تھا، اس کی بنیادیں اتنی گہری کھدوائی گئی تھیں کہ پانی نکل آیا تھا، مسجد کی تعمیر میں تین سو انجینئر، دو سو بڑھئی اور پانچ سو مزدور شریک ہوئے تھے۔ مدینۃ الزہراء میں آب رسانی کے لئے قُرطُبہ کے پہاڑوں سے صاف وشفاف شیریں پانی کی ایک نہر نکالی گئی تھی، پانی کے بہاؤ کے لئے جیومیٹری اور ریاضی کے اصولوں کے مطابق ایسے طریقے اختیار کئے گئے تھے کہ پانی پختہ نالیوں میں بہتا ہوا محلات کے ہر بلند و پست حصے تک پہنچ جاتا تھا۔ ①

الزہراء میں خلیفہ عبدالرحمن الناصر کی مجلس جس بالاخانے میں ہوتی تھی، وہ سونے اور چاندی سے ملمع شدہ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ اس کی چھت زعفرانی تھی جس پر سفید چمکدار رنگ کے ایسے نقش و نگار تھے کہ نگاہ خیرہ ہو جاتی تھی۔ ②

اسی خلیفہ نے طُلَیطَلَہ سے ۱۳۵ کلومیٹر شمال میں ''مدینہ سالم'' تعمیر کرایا تا کہ سرحدوں کا دفاع مضبوط ہو۔ اس نے جنوب مشرقی ساحل پر ''اَلمَرِیَہ'' تعمیر کرایا جو بحری فوج کی چھاؤنی اور ایک عظیم تجارتی بندرگاہ ثابت ہوا۔ ③

① نفح الطیب: ۱ ص ۲۳۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۱۶۳، ۱۶۵، ۲۶۵، ۲۶۶، ۵۲۳ تا ۵۲۸، ۵۶۷ تا ۵۷۰؛ صورۃ الارض لابن حوقل: ۱۱۱، ۱۱۲؛ صفۃ جزیرۃ الأندلس از علامہ حمیری: ۱ ص ۹۵؛ المسالک والممالک لابی عبید البکری: ۲ ص ۹۰۰ تا ۹۰۲

② صفۃ جزیرۃ الأندلس: ج ۱ ص ۱۳۱؛ نفح الطیب: ج ۱ ص ۵۲۳، ۵۲۵

③ التاریخ الأندلسی من الفتح الاسلامی الیٰ سقوط غرناطۃ، لعبد الرحمن علی: ص ص ۳۰۳؛ البیان المغرب: ج ۲ ص ۲۱۳

مدینۃ الزاہرۃ:

منصور اعظم محمد بن ابی عامر نے بھی ''مدینۃ الزہراء'' سے متاثر ہوکر ۳۶۸ھ میں قرطبہ کے مشرق میں ایک نیا شہر تعمیر کرانا شروع کیا جسے ''الزاہرہ'' کا نام دیا گیا۔اس کی تعمیر ۳۷۰ھ میں مکمل ہوئی جس کے بعد ابن ابی عامر نے وہیں رہائش اختیار کرلی۔سرکاری دفاتر بھی وہیں منتقل کر دیے گئے۔یہاں فوج کی چھاؤنی بھی بنائی گئی۔الزاہرہ اونچی فصیلوں، بلند برجوں اور میناروں، کشادہ سڑکوں، بڑے بڑے محلات اور خوبصورت کوٹھیوں کے باعث نہایت دلکش دکھائی دیتا تھا۔اس کے بازار تاجروں اور گاہکوں سے بھر رہتے تھے۔①

موحدین کے حکمران امیر ابو یعقوب نے اشبیلیہ میں نئے محلات، مساجد، پل، عوامی حمام اور مینار بنوائے۔شہر کے وسط میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی جس کا مینار غیر معمولی بلند تھا۔اس مسجد کے آثار آج تک موجود ہیں۔②

مسلمانوں کی ان تعمیرات کا اگرچہ بہت سا حصہ نصرانیوں نے بڑی بے دردی سے مٹاڈالا مگر جو باقی ہے، وہ بھی دورِ جدید کے محققین کو حیرت زدہ کیے دیتا ہے۔محمد کرد علی لکھتے ہیں:

''مستشرق بولس کا بیان ہے کہ ہمارے پرتگالی لوگوں کو اب جاکر عظیم عرب اقوام کے مرتبے کا اندازہ ہوا ہے اور انہوں نے ان کے کارناموں کے باقی ماندہ آثار کا مطالعہ شروع کیا ہے، خصوصاً ان کی سول انجینئرنگ کا، جو کہ ان کا خاص فن تھا اور جس پر ہمارے زمانے کی قومیں بھی فخر اور حیرت ظاہر کرتی ہیں۔عربوں کی تاریخ، ان کے تمام علوم وفنون، یہاں تک کہ زراعت میں بھی ان کی ذہانت وفطانت جدت پسندی کے رجحانات سے بھرپور ہے۔اگر وہ جنگ میں کسی علاقے کو ویران کرنے پر مجبور ہوتے تو اپنی کوشش اور زراعت میں فنی مہارت اور عجیب وغریب ترکیبوں سے اسے چند سالوں میں دوبارہ باغ وبہار بنادیتے تھے۔''③

علم دوستی اور کتابوں کا شوق:

اسلامی اندلس کے حکمرانوں کی علمی دوستی مشہور ہے۔ہشام اوّل نے ہر شہر میں بڑی بڑی جامعات اور ہر بستی اور گاؤں میں مدارس ومکاتب قائم کروائے،عصری علوم کی درس گاہیں بھی جگہ جگہ کھلوائیں۔④

لیبان لکھتا ہے:

''عربوں کے تمدن میں ایک خاص بات یہ تھی کہ انہیں علوم وفنون اور ادب کا بے انتہاء شوق ہوگیا تھا۔ مدارس، کتب خانے اور علمی تحقیقات کے مقامات ہر جگہ قائم ہوگئے تھے۔یونانی کتب کا ترجمہ کیا گیا۔ہندسہ،

---

① نفح الطیب: ۱ ص ۵۷۹

② التاریخ الاندلسی من الفتح الاسلامی الی سقوط غرناطۃ لعبد الرحمن علی: ص ۴۶۲

③ الاسلام والحضارۃ العربیۃ: ص ۲۷۳،۲۷۵

④ تاریخ العرب وحضارتھم فی الاندلس: ۱ ص ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۹، ۱۸۵، ۳۲۵

ہیئت، طبعیات، کیمیا اور طب کی تحصیل نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رہی۔"①

محمد کرد علی لکھتے ہیں:

"حکم ثانی نے ایک شہر قرطبہ میں ۲۷ درسگاہیں قائم کیں جن میں غرباء کے بچے مفت تعلیم پاتے تھے۔ ڈوزی کا بیان ہے کہ اس دور میں جبکہ یورپ کے بڑے بڑے نصرانی عمائد اور اشراف تک تعلیم کے بارے میں سوچتے بھی نہ تھے، اَندلُس کا ہر شخص پڑھا لکھا تھا۔"②

حکم ثانی کو نئی نئی کتابیں پڑھنے اور انہیں قُرطُبَہ کے کتب خانے میں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، اس مقصد کے لئے اس نے اپنے خصوصی کارکن دنیا کے تمام علمی مراکز میں پھیلا دیئے تھے، یہ کارکن مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، قاہرہ، دِمَشق، قُسطَنطِینِیَہ، بغداد، کوفہ اور بصرہ سمیت ہر اس شہر میں جہاں علم کی گرم بازاری تھی، موجود رہتے اور نادر و نایاب کتابیں تلاش کر کر کے قُرطُبَہ بھیجا کرتے۔ کسی کتاب کے حصول کے لئے یہ کارکن بڑی سے بڑی تکلیف بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ ان خدمات کا ان کو نہایت معقول وظیفہ اور مزید انعام واکرام بھی ملتا تھا۔ اگر کوئی کتاب منہ مانگے داموں فروخت ہوتی تو بھی حکم ثانی کی ہدایت تھی کہ اسے خرید لیا جائے اور قیمت کی پروا نہ کی جائے۔ بسا اوقات ایک کتاب کے لئے اسے اشرفیوں کے کئی توڑے خرچ کرنا پڑتے مگر وہ اسے سستا سودا سمجھتا۔

ہر شہر میں اس کے مقرر کردہ خوش نویس بھی موجود تھے۔ جو کتاب زیادہ خستہ ہوتی یا اس کا مالک اسے فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تو یہ خوش نویس اس کی نقل بنا کر حکم ثانی کی خدمت میں بھیج دیتے۔ کوئی شخص دربار میں باریابی اور عزت افزائی کا خواہش مند ہوتا تو جستجو کر کے کوئی نادر کتاب ڈھونڈ نکالتا اور اسے خدمت میں ہدیہ کر کے شاہی عنایات کا مستحق بن جاتا۔ حکم ثانی کے زمانے میں اَندلُس میں علمی ذوق اتنا عام ہو گیا تھا کہ مورخین کے بقول "ہر گھر میں ایک کتب خانہ موجود تھا۔" علاوہ ازیں اَندلُس کے ہر بڑے شہر میں ایک سرکاری کتب خانہ بھی بنایا گیا تھا جہاں کتابوں کے شوقین مطالعے میں غرق نظر آتے تھے۔ حکم ثانی نے اَندلُس میں جگہ جگہ نئی جامعات قائم کیں، چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور بستیوں میں نئے مکاتب اور مدارس کھلوائے۔ تمام جامعات اور مدارس و مکاتب کے جملہ اخراجات حکومت برداشت کرتی تھی۔ بیرونِ ممالک سے آنے والے طلبہ کا اتنا اعزاز کیا جاتا تھا کہ جب تک وہ اَندلُس میں رہتے انہیں حکم ثانی کے ذاتی مہمان کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔

اسی دور میں مشہور ادیب و مورخ ابوالفرج اصفہانی نے شعراء، ادباء، اہل علم و سخن، سلاطین اور امراء کے حالات پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو "الاغانی" کے نام سے مشہور ہوئی۔ حکم ثانی کو ابوالفرج اصفہانی کی اس تالیف میں مشغولیت کا

---

① تمدنِ عرب: ص ۲۵۵

② الاسلام والحضارۃ العربیۃ: ۲۷۳

علم ہوا تو پیشگی ایک ہزار اشرفیاں ارسال کر کے درخواست کی کہ کتاب مکمل ہونے پر پہلا نسخہ قُرطُبہ روانہ کر دیا جائے۔ ابوالفرج نے کتاب ایک مدحیہ قصیدے سمیت حکم ثانی کو بھجوادی جس پر حکم ثانی نے مزید ایک ہزار اشرفیاں ہدیہ کیں۔ اہلِ قلم کی یہ عزت افزائی دیکھ کر اس دور کے ممتاز مصنفین کا معمول بن گیا کہ وہ اپنی تصانیف کا پہلا نسخہ الحکم کی خدمت میں روانہ کر دیا کرتے تھے۔ ①

خلیفہ حکم ثانی کا ذاتی کتب خانہ چار لاکھ کے لگ بھگ کتابوں پر مشتمل تھا، اس کتب خانے میں نئی کتابوں کے مزید نسخے تیار کرنے کے لئے سینکڑوں ملازمین ہر وقت مصروفِ کار رہتے تھے۔ کتب خانے کی عمارت ایک محل سے کم نہ تھی، اسے سنگ مرمر سے تیار کیا گیا تھا، اس میں صندل اور آبنوس کی بیش قیمت لکڑی سے تیار کردہ الماریاں قطار در قطار نظر آتی تھیں۔ الماریوں کو موضوعات کے لحاظ سے الگ الگ ترتیب دیا گیا تھا، ہر الماری پر متعلقہ موضوع کی تختی آویزاں تھی۔ کتب خانے میں شامل کی جانے والی ہر کتاب کی مضبوط اور خوبصورت جلد بندی کرائی جاتی تھی، اس مقصد کے لئے جلد سازوں کی ایک جماعت کتب خانے کے ایک حصے میں اپنے کام میں مشغول نظر آتی تھی۔

اس کتب خانے میں موجود کتابوں کی صرف فہرست ۴۴ جلدوں پر مشتمل تھی جن میں کم و بیش چار لاکھ کتابوں کے کوائف درج تھے۔ اکثر کتابیں خلیفہ حکم ثانی نے پوری پوری پڑھی تھیں اور ان پر حواشی بھی لکھے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ ہر کتاب کے پہلے صفحے پر خلیفہ حکم نے اپنے قلم سے کتاب کا نام اور مصنف کے کوائف لکھے تھے۔ ②

یہ اَندَلُس کے بادشاہوں کی علم نوازی ہی کا کرشمہ تھا کہ ان کے دربار علماء و فضلاء سے بھرے رہتے تھے۔ عموماً وزیر بھی ایسی شخصیت کو بنایا جاتا جو مملکت میں اپنے علمی کارناموں کی بناء پر مشہور ہو۔ محمد کرد علی لکھتے ہیں:

"اَندَلُس کے سلاطین کو بڑے بڑے علماء کو وزیر بنانے کا شغف تھا جو حکومت کا نظام بھی بہت حسن و خوبی کے ساتھ چلاتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے علم وفن کی مسند کی طرح ملکی سیاست، انتظامِ حکومت اور فوجوں کی قیادت میں بھی نام پیدا کیے۔ مثلاً: ابن زیدون، ابن عبدون، ابن ابی الخصال، ابن خلدون، ابن الخطیب، ابن زہر، ابن سعید، ابن عمار، ابن الجدّ، ابن ایمن، ابن ہود، ابن سوار، ابوعبداللہ طاہر، ابن فرج، ابن لبون، ابن زرین، ابن ارقم، ابن القلاس، ابن غیطون، ابن القاسم، ابن زمرک، ابن حزم، ابن جبیر، ابن عبدالبر، ابن سید اور البکری وغیرہ جنہوں نے اپنے کارناموں سے اَندَلُس کا چہرہ روشن کر دیا۔" ③

عوام کا علمی شغف:

پھر یہ علم دوستی حکمرانوں تک ہرگز محدود نہیں تھی بلکہ باقی لوگ بھی اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ لوگ کتابیں جمع

---

① نفح الطیب: ج ۱ ص ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۹۴، ۳۹۵۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۱۶ ص ۲۳۰ تا ۲۳۲، ط الرسالۃ؛ تاریخ ابن خلدون: ۴ ص ۱۸۷، ۱۸۸، ط دار الفکر؛ دولۃ الاسلام فی الاندلس: ج ۱ ص ۵۰۳ تا ۵۰۷۔

② نفح الطیب: ۱ ص ۳۹۴، ۳۹۵ ③ الاسلام والحضارۃ العربیۃ: ص ۲۷۳

کرنے کے بڑے شوقین تھے۔ کسی کو اس وقت تک معزز رئیس نہیں مانا جاتا تھا جب تک اس کا ذاتی کتب خانہ نہ ہو۔ رؤساء اور اُمراء اپنی حویلیوں میں کتب خانے قائم کرتے اور ایسی نادر و نایاب کتابیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے جو کسی اور کے پاس نہ ہوں۔ کسی کے پاس کوئی نایاب کتاب ہوتی تو وہ اس پر فخر کرتا اور لوگ اس پر رشک کرتے۔ [1]

دیہاتوں میں درس و تدریس کا اہتمام:

اندلس کے حکمرانوں نے صرف شہروں پر ہی توجہ نہیں دی بلکہ دیہاتوں کو بھی تمام سہولیات مہیا کی گئیں۔ خاص کر وہاں اچھی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ قرطبہ کے نواح میں تین ہزار گاؤں تھے۔ حکومت کی جانب سے ہر گاؤں میں ایک ماہر عالم مقرر کیا گیا تھا۔ علم میں مہارت کا معیار یہ تھا کہ مؤطا امام مالک زبانی یاد ہو۔ ایک قول کے مطابق ماہر عالم اسے کہا جاتا تھا جو دس ہزار احادیث اور فقہ مالکی کی کتاب "المدوّنہ" کا حافظ ہو۔ [2]

عربی شعر و ادب کی بہار:

اندلس کے اُموی حکمرانوں نے یہاں عربی زبان وثقافت کی بخوبی اشاعت کی۔ ہشام اوّل نے عربی زبان کی ترویج پر خاص توجہ دی اور اسے اندلس کی سرکاری زبان قرار دیا گیا، چنانچہ اندلس میں عربی کی خوب اشاعت ہوئی۔ [3] ایک صدی کے اندر اندر صورتحال یہ ہوئی کہ عربی زبان ہر جگہ مادری زبان کی طرح بولی جانے لگی۔ عربی کے بڑے بڑے نامور خطیب، ادیب، مصنف، شاعر اور نثر نگار اس دور میں اپنی اپنی سخن دانی کا جادو جگاتے رہے۔ ابن مجبر، ابن ہانی، ابن عبدربہ اور ابن سہل جیسے شعراء پیدا ہوئے۔ بادشاہ اور وزیر بھی شعر و شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ عبدالرحمن اوّل بانی دولتِ اُمویہ اندلس، معتمد بن عباد شاہِ اشبیلیہ اور ابنِ عمار وزیرِ اشبیلیہ کے اشعار مشہور و معروف ہیں۔ عوام بھی شعر و ادب کی لطافتوں کے محرمِ راز تھے۔ رئیسوں کے ہاں پالتو پرندوں کو بھی عربی کے اچھے اچھے اشعار یاد کرائے جاتے تھے اور انہیں موقع کے مطابق یہ اشعار پڑھنے کی تربیت دی جاتی تھی۔

علامہ مقری نے نقل کیا ہے کہ ایک بار خلیفہ عبدالرحمن الناصر نے اپنی فصد کھلوانے (جسم سے زائد و فاسد خون کے اخراج) کے لئے شاہی جراح کو طلب کیا۔ جراح نشتر اٹھا کر فصد لگانے کو تھا کہ یکا یک کھڑکی کے راستے ایک مینا اڑتی ہوئی آئی اور سونے کے گلدستے پر بیٹھ کر یہ اشعار پڑھنے لگی:

أَيُّهَا الْفَاصِدُ رِفْقًا... بِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَا
إِنَّمَا تَفْصِدُ عِرْقًا... فِيْهِ مَحْيُ الْعَالَمِيْنَا

"اے جراح! امیر المومنین کو نشتر لگاتے ہوئے احتیاط سے کام لینا، کیوں کہ تم اس کی رگ پر نشتر زنی کرنے والے ہو جس پر سب کی زندگی کا دارومدار ہے۔"

عبدالرحمن الناصر کو مینا سے یہ اشعار سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ پوچھا: "یہ مینا کس کی ہے؟"

[1] نفح الطیب: ۱ص ۳۶۲، ۳۶۳ [2] نفح الطیب: ۱ص ۳۵۸

کسی کے بولنے سے قبل مینا نے خود ہی جواب دیا: ''میں آپ کے ولی عہد شہزادہ الحکم کی والدہ مرجانہ کی مینا ہوں۔'' عبدالرحمن الناصر یہ سن کر بہت خوش ہوا اور مرجانہ کو بیس ہزار دینار انعام میں دیے۔ ①

زریاب۔علی بن نافع:

شروع میں اندلُس عربوں کے سادہ طرزِ حیات سے آشنا ہوا تھا اور تقریباً ایک صدی تک صورتحال یہی رہی۔ مگر جلد ہی یہ ایک رنگا رنگ تہذیب وتمدن کا آئینہ دار بن گیا۔ اس تہذیب وثقافت کو پُرتکلف بنانے میں علی بن نافع کا نام بہت نمایاں ہے جو ۲۰۶ھ میں مشرقی ممالک سے اندلُس آیا تھا۔

تاریخ میں اسے ''زریاب'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ حکمت، فلسفے اور فنونِ لطیفہ کا فقید المثال ماہر تھا۔ وہ عراق کے مشہور گلوکار و موسیقار ابواسحق موصلی کا شاگرد تھا مگر اس کی علمی وفنی قابلیت موصلی سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اسے بیک وقت درجنوں متنوع فنون پر عبور تھا۔ مزید یہ کہ ہر فن میں اختراعات اور جدت طرازیاں اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھیں۔ جب وہ اندلُس پہنچا تو شہر شہر اس کا شاندار استقبال ہوا اور قُرطُبہ پہنچ کر اسے ندیمِ خاص کا مقام مل گیا۔ اس نے ملبوسات، بناؤ سنگھار، آرائش وزیبائش اور طرزِ رہائش سے لے کر کھانے پینے تک، ہر شعبۂ زندگی میں اس نے جدتیں پیدا کیں۔ اندلُس کے لوگ خوشحال اور فارغ البال تھے لہٰذا ان نئی تبدیلیوں کی طرف تیزی سے متوجہ ہونے لگے۔

زریاب نے نالیوں کی جگہ پائپ لائن سے پانی کی فراہمی کا طریقہ نکالا جس کی ابتداء قُرطُبہ سے ہوئی۔ پھر پورے اندلُس میں اس کا رواج ہو گیا۔ اس نے کھانے پینے کے طرز کو بدلا۔ کھانے میں چھری کانٹے کا استعمال اسی کی ایجاد ہے۔ اس نے شامی کباب جیسے لذیذ اور پُرتکلف پکوانوں کو رواج دیا۔ شیشے کے برتن، چمڑے کے بستر اور چمڑے کے دسترخوان متعارف کرائے۔ ہر موسم کے لیے الگ الگ وضع کی پوشاکوں کو عام کیا۔ وہ موسیقی کا بہت بڑا ماہر تھا۔ ایک ہزار سے زائد گیت اسے نوکِ زبان تھے اور ہر گیت کو وہ کئی سروں اور راگوں میں گا سکتا تھا۔ اس نے قدیم آلاتِ طرب میں جدتیں پیدا کیں۔ چنانچہ لوگوں میں بھی موسیقی کا ذوق بڑھنے لگا۔ ②

اندلُس میں زریاب کی متعارف کردہ اکثر چیزیں لوگوں کی سہولت اور زندگی کو آسان کرنے کا باعث بنیں مگر بعض وہ چیزیں جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی، یہاں کے باشندوں کے لیے روگ بن گئیں۔ اندلُس کے مسلمان جو پہلی صدی میں سپاہی پیشہ تھے، اگلی صدیوں میں جفاکشی، بیدار نگاہی اور عالی ہمتی سے عاری ہو کر نازک بدن، عاشق مزاج اور آرام پسند بنتے گئے۔ اس طرح نصرانیوں کو ان پر غالب آنے کے مواقع ملتے چلے گئے۔

① نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ج ۱ ص ۳۶۱

② نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ۳ص ۱۲۲ تا ۱۳۳؛ والتاریخ الاسلامی از احمد شلبی: ج ۴ ص ۸۹۔
Moors in Spain, by stanly lane poole.p: 81,82

عباس بن فرناس کی ایجادات:

مشہور ماہر فلکیات، کیمیادان، سائنسدان، موجد اور شاعر عباس بن فرناس کا تعلق بھی مسلم اُندلس سے تھا۔ اس نے جدید قسم کی گھڑیاں ایجاد کیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے پتھر سے شیشہ بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ وہ پہلا انسان تھا جس نے پرندوں کی طرح پرواز کا تجربہ کیا۔ ۲۷۴ھ میں اس نے اپنے بازوؤں پر لمبے لمبے پر باندھے اور ایک بلند پہاڑ سے چھلانگ لگادی۔ پرواز کرتے کرتے اس نے ایک طویل مسافت طے کی، مگر اس تجربے میں یہ کمی رہ گئی کہ دُم کا انتظام نہیں کیا گیا تھا جس کے ذریعے پرندے اترتے ہوئے اپنا توازن برقرار رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ نیچے آتے وقت خود کو سنبھال نہ پایا اور شدید زخمی ہو کر جان کی بازی ہار گیا۔[1]

اسلامی اُندلس کی آبادی اور وہاں کے مختلف نسلی اور مذہبی گروہ

اسلامی اُندلس میں بہت سی نسلیں اور مختلف مذاہب وأدیان کے لوگ آباد تھے جن کا مختصر تعارف یہ ہے:

❶ **عرب خالص:** یہ ملک کے فاتح اور حکمران تھے۔ بالادست طبقہ یہی تھے۔ ان میں کئی نسلیں اور گروہ تھے مثلاً حجازی، شامی، یمانی، مضری۔

❷ **مولّدین:** عربوں اور مقامی نصرانی خواتین کے رشتوں سے پیدا ہونے والے مسلمان، مولّدین کہلاتے تھے۔ یہ عربوں کے برابر درجہ پانا چاہتے تھے مگر عرب انہیں یہ مقام دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس احساسِ محرومی کے باعث یہ عربوں کی موجودہ قیادت سے نفرت کرتے تھے اور خود اقتدار حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔

❸ **مسالمہ (نومسلم):** یہ لوگ نصرانیت سے اسلام کی آغوش میں آئے تھے، اور اپنی الگ پہچان رکھتے تھے۔

❹ **بربر (افریقی):** یہ بہت بڑا اور سخت جنگجو اُفریقی قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں۔ فوج میں اس کا اہم کردار تھا۔

❺ **صقالبہ:** نصرانی ریاستوں کے خلاف جہاد کے دوران جو کم عمر لڑکے اور لڑکیاں قیدی بن کر آتے تھے، انہیں غلام اور باندیوں کے طور پر رکھا جاتا اور ساتھ ساتھ ان کی اسلامی تربیت کی جاتی تھی اور انہیں علم وأدب سے روشناس کیا جاتا۔ پھر یہ حکومتی اداروں خصوصاً فوج کا اہم عنصر بن جاتے تھے۔ انہیں صقالبہ یا صقلبی کہا جاتا تھا۔

❻ **ذمّی:** یہ وہ یہودی ونصرانی تھے جو مسلم معاشرے میں تمام حقوق کے ساتھ رہتے تھے۔ ان میں سے بہت سے مسلم معاشرے میں گھل مل کر عربی زبان وثقافت اختیار کر چکے تھے۔ انہیں ''مستعرب'' کہا جاتا تھا۔ جنوبی اُندلس میں ان کی تعداد مسلمانوں کے قریب قریب تھی، یہ مہذب، امن پسند اور نرم مزاج تھے۔ شمالی اُندلس میں نصرانی اکثریت میں تھے، یہ جنگجو اور شورش پسند تھے۔

---

(1) نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، للمقری التلمسانی: ۳ص ۳۷۴ و دولۃ الاسلام فی الاندلس: ۱ ص ۲۵۲

ملک کی آبادی:

امیر شکیب ارسلان مرحوم کے مطابق عبدالرحمن الناصر کے دور میں یہاں کی مسلم آبادی ڈیڑھ کروڑ سے کم نہ تھی۔ اس وقت یہاں چالیس شہر صرف عربوں کے تھے اور فقط قرطبہ کی آبادی اس زمانے میں بیس لاکھ سے کم نہ تھی۔ ① مؤرخ سڈیو نے قرطبہ کی آبادی دس لاکھ بتائی ہے اور بعض عرب مؤرخین نے پانچ لاکھ کہی ہے مگر درحقیقت یہ تمام اَقوال اپنی جگہ درست ہوسکتے ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ زمانے کے لحاظ سے شہروں کی آبادی کم وبیش ہوتی رہی تھی۔ بہرحال یہ طے ہے کہ مسلم دور میں اَندلُس ملک دُنیا کا گنجان ترین خطہ تھا۔

اس ملک کے چھ بڑے صوبے تھے، یعنی: قُرطُبَہ، اِشبیلیَہ، غرناطہ، طلیطلہ، بلنسیہ اور سرقسطہ۔ گنجان آباد بڑے شہروں میں: مالقہ، المَرِیّہ، مُرسِیَہ، جیّان، شاطبہ، دَانِیَہ، میورقہ، طرطوشہ، ماردہ، بطلیوس، شنترین، برشلونہ اور اشبونہ شامل تھے۔ چھوٹے شہروں میں الجزیرۃ الخضراء، قرطاجنہ، وادی الحجارۃ، سالم، بربشتر، یابرہ، شنترہ، لوشہ، لورقہ، رُندہ، طریف، وادی آش، قادس، وغیرہ اہم تھے۔ یہ سب آبادی سے بھرپور، خوشحال اور خوب ترقی یافتہ تھے۔

جب یہاں سے مسلمانوں کا خاتمہ کیا گیا تو اس کے ساتھ ہی یہاں کی آبادی بھی گھٹ گئی۔ اسلامی دور میں یہاں فقط مسلم آبادی ڈیڑھ کروڑ سے کم نہ تھی (اور جملہ آبادی تین کروڑ سے زائد تھی۔) مگر غیر مسلم دور میں یہاں کی مجموعی آبادی ایک کروڑ سے بھی گھٹ گئی۔ چنانچہ ۱۷۶۸ء میں یہاں کی مردم شماری ۹۰ لاکھ تک تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں بھی یہ ملک مسلم دور جیسا گنجان نہیں ہوسکا تھا، چنانچہ اس وقت اس کی آبادی دو کروڑ دس لاکھ تک پہنچ پائی تھی۔ ②

لیبان جس نے انیسویں صدی عیسوی میں اسپین کی سیر کی تھی، مسلمانوں کے اخراج کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"وہ اَندلُس جس نے ایک زمانہ تک اس قدر عروج پایا تھا، دفعۃً ادنیٰ سے ادنیٰ درجۂ تنزل پر آگیا۔ زراعت، حرفت، تجارت، علوم وادب اور مردم شماری، سب یک لخت گھٹ گئیں۔ اس وقت سے کئی صدیاں گزر چکی ہیں لیکن باوجود کوششوں کے اَندلُس نے اب تک سر نہیں ابھارا۔ طلیطلہ میں جس کی مردم شماری مسلمانوں کے وقت دو لاکھ تھی، اب صرف سترہ ہزار اَفراد ہیں۔ قرطبہ میں جہاں دس لاکھ آدمی بستے تھے، اب بیالیس ہزار لوگ ہیں۔" ③

الغرض وہ مسلمان جنہوں نے اسپین کو مہذب اور ترقی یافتہ بنایا اور دیگر دولِ یورپ نے انہی سے تہذیب وتمدن کی روشنی حاصل کی، انہیں یہ صلہ دیا گیا کہ انہیں بلا استثناء مرد وزن چن چن کر ختم کردیا گیا اور ان کی تمام باقیات کو مٹانے کی حتی الامکان کوشش کی گئی جس کے بعد اس ملک کا سنہرا دور ختم ہوگیا اور یہ دنیا کا ایک معمولی ملک بن کر رہ گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اَندلُس کا یہ زوال اس لیے ہرگز نہیں تھا کہ اس دور میں یہاں کے نصرانی حکمرانوں کے پاس دولت کی کوئی کمی تھی یا انہیں کسی سیاسی یا عسکری بحران کا سامنا تھا۔ بلکہ اس زمانے میں ان کے

---

① الحلل السندسیۃ: ۱ ص ۳۱، ۳۲

② الحلل السندسیۃ فی الاخبار والآثار السندسیۃ از امیر شکیب ارسلان: ۱ ص ۳۱

③ تمدن عرب: ص ۲۵۳، ۲۵۴

خزانے لبالب بھرے ہوئے تھے اور سیاسی وعسکری لحاظ سے یہ زمانہ ان کے عروج کا تھا۔ چنانچہ سقوطِ غرناطہ کے ساتھ ہی ایک طرف تو مسلمانوں کے تمام خزانے اور مال ودولت کے انبار فرڈیننڈ پنجم کے قبضے میں آ گئے اور دوسری طرف اس کے فوراً بعد امریکہ اسپین کی نو آبادیات میں شامل ہوگیا اور وہاں کے وسائل بھی اسپین کے قبضے میں آ گئے۔

ساتھ ہی سولہویں صدی عیسوی میں اسپین کے حکمران ایک طرف یورپی ہمسایہ ممالک اور دوسری طرف شمالی افریقہ کے مسلم ممالک پر فوج کشی کر کے اپنے رقبے اور دولت کو دن بدن بڑھاتے رہے مگر اتنی دولت وثروت اور اتنی عظیم افواج کے ہوتے ہوئے بھی اس ملک کے عوام روز بروز مفلوک الحال ہوتے گئے اور یہ ملک ترقی کرنے کی جگہ دن بدن زوال پذیر ہوتا گیا۔ لین پول کے مطابق: ''سرزمینِ اسپین سے اسلام کی جلاوطنی کے بعد ہسپانویوں کی وحشت و جہالت اور ترقی کے میدان میں ان کی رجعت پسندی کی وجہ سے مسلم اسپین کی فضیلت اور زیادہ نمایاں ہوگئی۔''①

امریکا کی دریافت اور سرمایہ دارانہ نظام کا جال :

پندرہویں صدی کے اواخر میں غرناطہ سے مسلسل جنگوں کے باعث فرڈی ننڈ پنجم کا خزانہ خالی ہونے کو تھا اور قسطالیہ کا دیوالیہ نکلنے کے قریب تھا۔ ایسے میں غرناطہ سے حاصل شدہ دولت کے ذخائر نے قسطالیہ کو دوبارہ معاشی طور پر مضبوط کر دیا مگر فرڈی ننڈ اور ازابیلا مزید دولت حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ اس زمانے میں کرسٹوفر کولمبس نامی ایک یہودی جہاز ران یہ نظریہ رکھتا تھا کہ مغرب کی طرف سمندری سفر کر کے مشرق کی ایسی سرزمینوں اور جزائر پر پہنچا جاسکتا ہے جہاں پہلے کوئی یورپی طاقت نہیں پہنچ سکی اور اس طرح اس خطے کی بلاشرکتِ غیرے ملکیت کا حق مضبوط کر کے وہاں کی تمام دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹی جاسکتی ہے، مگر اس مہم کے لیے ایک مضبوط بحری بیڑے، بہت سے سپاہیوں اور کثیر سرمایے کی ضرورت تھی۔ وہ پرتگال، برطانیہ اور فرانس کے بادشاہوں کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کر کے اس سرمایہ داری میں حصہ لینے کی درخواست کر چکا تھا مگر کہیں بھی اس کی شنوائی نہ ہوئی جس کے بعد وہ اسپین آ گیا۔

سقوطِ غرناطہ تک اسپین کے نصرانی حکمران بھی اس منصوبے کو فضول سمجھ کر کولمبس کو مایوس کر چکے تھے مگر سقوطِ غرناطہ کے فوراً بعد ملکہ ازابیلا نے اس منصوبے میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ طے پایا کہ حاصل کردہ زمینوں کا آٹھواں حصہ کولمبس کا اور باقی حصے ازابیلا کے ہوں گے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ اس خطے میں نصرانیت پھیلانے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔

سقوطِ غرناطہ کے صرف تین ماہ بعد ۱۷ اپریل ۱۴۹۲ء کو ملکہ ازابیلا اور کولمبس کے مابین نئے جزائر کی دریافت اور باہم حصہ داری وسرمایہ کاری کے معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ اگر پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں مسلمان اتنے کمزور نہ ہوچکے ہوتے اور پندرہ بیس سال مزید اپنا اقتدار قائم رکھ سکتے تو کوئی بعید نہ تھا کہ مایوس کولمبس کو یہ معاہدہ غرناطہ کے مسلم حکمران سے کرنا پڑتا اور نئی دُنیا امریکہ مسلمانوں کا ملک ہوتی اور معیشتِ دُنیا اتنی تنگ نہ ہوتی، جتنی اب ہے۔

؎ لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

① الاسلام والحضارة العربية: ص ۲۸۵

۱۲ اکتوبر ۱۴۹۲ء کو کولمبس اپنے اندازے کے مطابق ایشیا کے کسی مشرقی جزیرے پر لنگر انداز ہوا جبکہ وہ امریکہ کے جزائر ''غرب الہند'' پر پہنچا تھا۔ کولمبس نے ۱۵ مارچ ۱۴۹۳ء کو واپس اسپین پہنچ کر مقامی لوگوں سے لوٹے گئے سونے چاندی کے کچھ ٹکڑے فرڈی ننڈ اور ازابیلا کی خدمت میں پیش کر دیے جس سے ان کی حرص و ہوس مزید بڑھ گئی۔ باہمی مشوروں کے بعد ۴ مئی ۱۴۹۳ء کو پوپ الیگزنڈر ششم نے ایک اجازت نامہ جاری کیا جس میں چرچ نے امریکہ کی زمینوں کی ملکیت شاہ اسپین کے لیے ثابت ہونے کی توثیق کر دی اور ہسپانوی جرنیلوں کو ''مذہبی و قانونی'' تقاضے پورے کرنے کے لیے جنگ، قتلِ عام اور مقامی لوگوں کو غلام بنانے کی کھلی اجازت دے دی۔ اس کے بعد ہسپانوی بحری بیڑے یکے بعد دیگرے امریکہ پہنچنے لگے۔ شمالی و جنوبی امریکا کی آبادی جو اس وقت کم و بیش دس کروڑ ریڈ انڈینز پر مشتمل تھی، اگلی تین صدیوں تک اسی سلوک سے دوچار ہوئی جو مسلمانانِ اندلس کے ساتھ کیا گیا تھا۔

جب کولمبس کو اتنا سونا چاندی نہ مل سکا جس کے خواب اُس نے ملکہ کو دکھائے تھے تو اُس نے وہاں کے لاکھوں لوگوں کو جبراً غلام بنا کر یورپ میں بیچا اور ان کی قیمت دے کر ملکہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح پوپ کو خوش کرنے کے لیے مقامی لوگوں کو جبراً نصرانی بنانے کی کوشش کی گئی مگر جب اس میں بھی کچھ خاص کامیابی نہ ہوئی تو ان بے قصور لوگوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ صرف فرڈی ننڈ پنجم کے دور میں ۱۴۹۴ء سے ۱۵۰۸ء تک (چودہ سالوں میں) چالیس لاکھ ریڈ انڈینز قتل کیے گئے۔ شمالی و جنوبی امریکا کی زمینیں دُنیا کے کل رقبے کا ۲۸ فیصد ہیں جن پر یورپ کے حریص ابنائے سیم و زر قابض ہو گئے۔ یہاں معدنیات کی کھدائی، باغبانی اور زراعت کے لیے لاکھوں مزدور درکار تھے، چنانچہ افریقی ممالک پر یلغار کر کے بے شمار اَفراد کو غلام بنایا اور جبری مشقت کے لیے امریکا لایا گیا۔ یوں کروڑوں ایکڑ مفت زمین پر مفت کے مزدوروں سے جو دولت پیدا کی گئی، اس کی مقدار کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

چوں کہ ان نو آبادیات کے قیام کا اصل مقصد اندھا دھند سرمایہ جمع کرنا تھا اور اس کے طریقِ کار میں جائز و ناجائز کا فرق بھی نہیں رکھا گیا تھا بلکہ خود پوپ کی جانب سے ہر قسم کے بہیمانہ جرائم کو سندِ جواز دے دی گئی تھی، اس لیے بعض مغربی دانشوروں نے پیش گوئی کر دی تھی کہ برِ اعظم امریکا میں قتل و غارت اور ظلم و ناانصافی کی بنیاد پر نو آبادیات کے قیام کا نتیجہ دُنیا پر ایک ایسے سرمایہ دارانہ نظام کے تسلط کی شکل میں نکلے گا جس میں دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہوگا۔ اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط ہی میں (آج سے پونے دو سو سال قبل) امریکی سرمایہ دارانہ نظام عالمی معیشت پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔ اب دورِ حاضر میں دنیا کے اکثر اثاثوں کے مالک چند سو امریکی سرمایہ دار ہیں۔

قارئین! ان چند سطور میں ہمارے عروج و زوال کی ساری داستان سمٹ کر آ گئی ہے۔ عاقل کے لیے ان محدود اوراق میں عبرت کے بے شمار اسباق مضمر ہیں۔

❁❁❁

① ہوئے تم دوست جس کے از ڈاکٹر حقی حق: ص ۱۵ تا ۱۶۰

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ اسلامی اندلس میں زراعت کی ترقی کا حال کیا تھا؟
❷ صنعت وتجارت کے لحاظ سے دنیا میں اسلامی اندلس کا مقام کیا تھا؟
❸ اُمویانِ اندلس کے دارالخلافہ قرطبہ کی رونق اور خوبصورتی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
❹ کسی ایک پر مفصل نوٹ لکھیے: ① جامع مسجد قرطبہ ② مدینۃ الزہراء
❺ مسلمانانِ اندلس کے علمی شغف اور کتاب دوستی پر روشنی ڈالیے۔
❻ اسلامی اندلس کے مختلف نسلی گروہوں کے بارے میں اپنی معلومات مختصراً لکھیے۔
❼ مسلم دور میں اندلس کی آبادی کتنی تھی اور مسلمانوں کے خاتمے کے بعد یہاں آبادی کا شمار کیا تھا؟
❽ امریکا کی دریافت کا سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑ بندیوں سے کیا تعلق ہے؟ واضح کیجیے۔

عملی کام:

❁ کولمبس کے سفرِ امریکا کا نقشہ دیکھیے اور اندازہ لگائیے کہ اس نے کتنے کلومیٹر کا سفر کیا تھا۔
❁ قرطبہ کی خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی بیاض میں پنسل اور رنگوں کی مدد سے اس شہر کی ایک تخیلاتی تصویر بنائیے۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ ہوئے تم دوست جس کے، از ڈاکٹر حقی حق
❁ قرطبہ کی خاموش اذانیں، از اے حمید
❁ اندلس میں اجنبی، از مستنصر حسین تارڑ

حصہ ثانی

سلطنتِ عثمانیہ

۶۹۹ھ تا ۱۳۴۲ھ

۱۲۸۱ء تا ۱۹۲۴ء

کل مدت: ۶۴۳ سال

تبویب

پہلا باب

سلطنتِ عثمانیہ
دورِ تاسیس وعروج

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. عثمانیوں کی حکومت کے قیام اور ان کے عظیم سلاطین کے حالات اور کارناموں سے آگاہ ہو سکیں۔
2. یورپ میں عثمانیوں کی پیش قدمی اور اس زمانے کی تاریخ کی بڑی جنگوں سے آگاہ ہو سکیں۔
3. مغل فاتح تیمور کے عثمانی سلطنت پر حملے اور اس کے اثرات سے واقف ہو سکیں۔
4. یہ جان سکیں کہ عثمانیوں نے قُسطَنطِینِیَہ کیسے فتح کیا؟



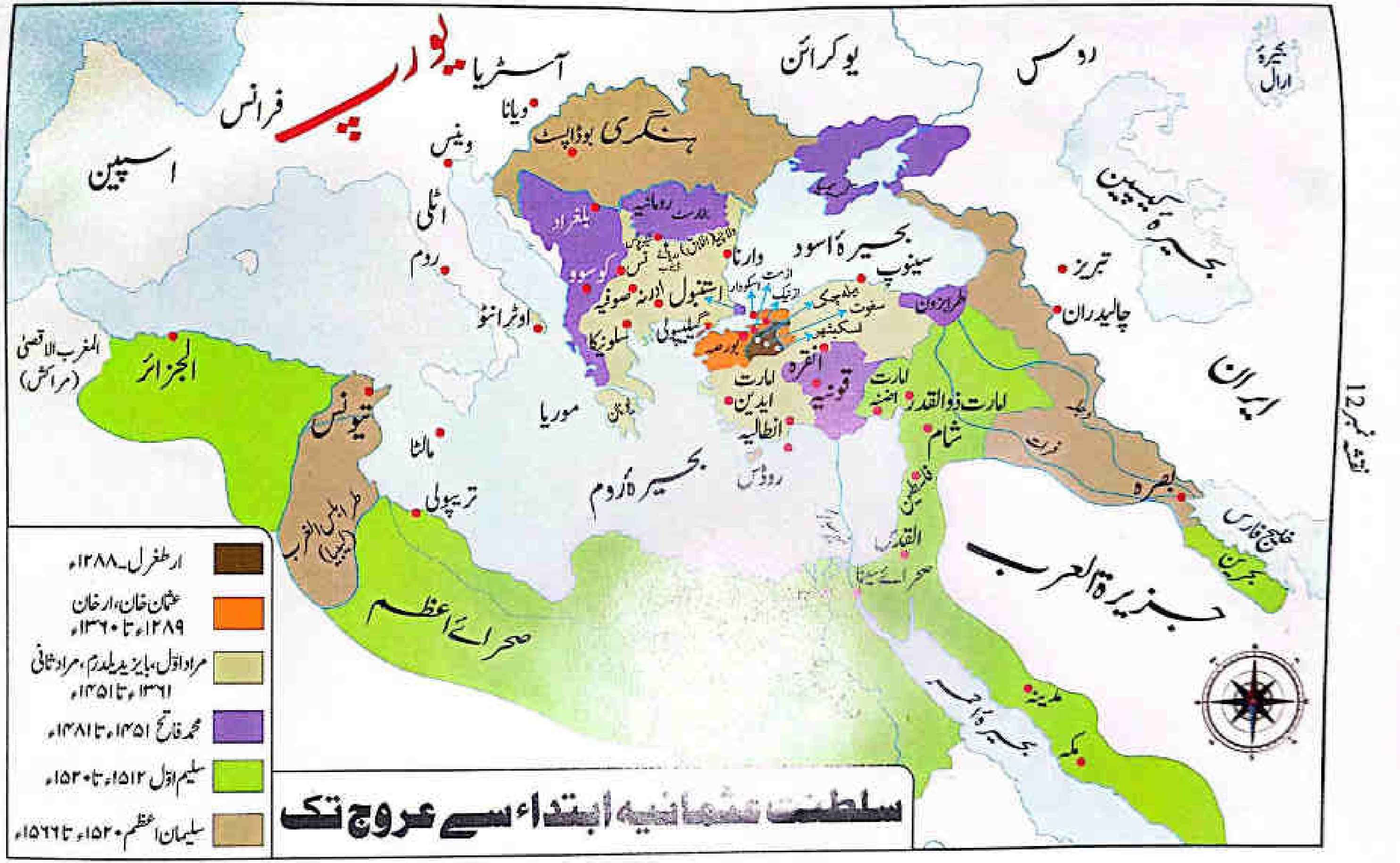


ترکی کے ضلع بیلہ چک کا قصبہ سغوت (Sogut) جہاں سے ارطغرل غازی کی جاگیر داری کا آغاز ہوا تھا۔ اب یہاں ایک پارک میں قائی قبیلے کی خیمہ گاہ کے ڈیزائن کو قدیم شکل کے مطابق بطور یادگار قائم کر دیا گیا ہے۔

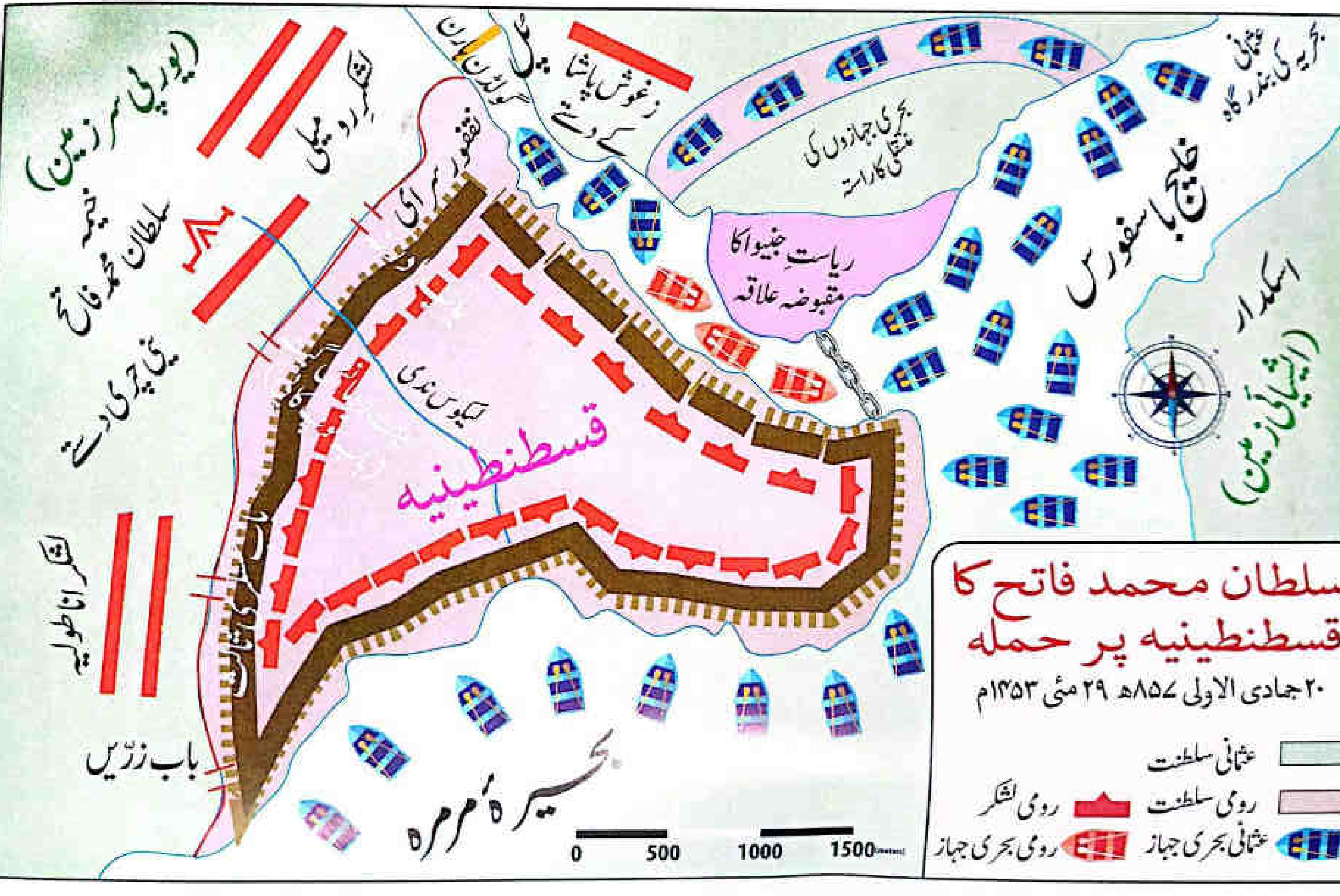
قائی قبیلے کا سفر



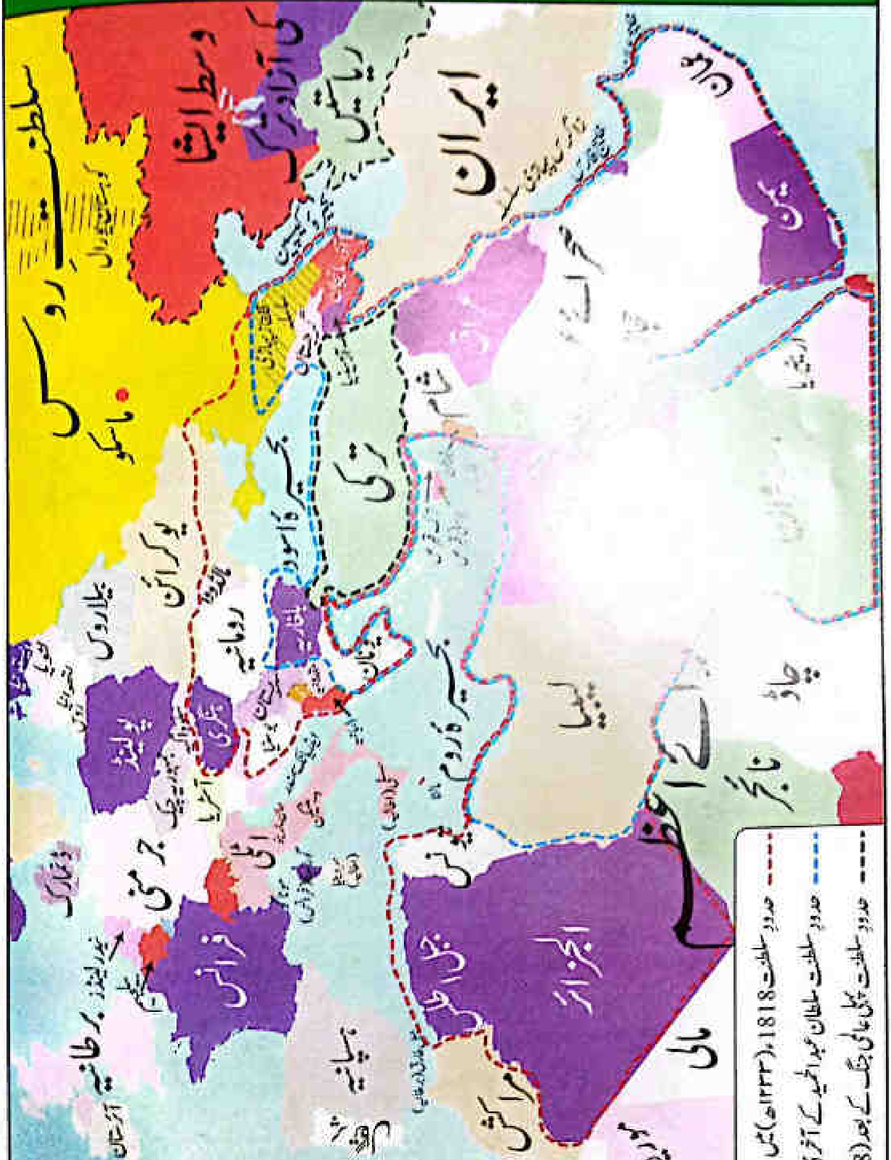
نقشہ نمبر 12



سلطنت عثمانیہ ابتداء سے عروج تک
ارطغرل۔۱۲۸۸ء
عثمان خان، ارخان ۱۲۸۹ء تا ۱۳۶۰ء
مراد اوّل، بایزید یلدرم، مراد ثانی ۱۳۶۱ء تا ۱۴۵۱ء
محمد فاتح ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء
سلیم اوّل ۱۵۱۲ء تا ۱۵۲۰ء
سلیمان اعظم ۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء
یورپ
فرانس
آسٹریا
یوکرائن
روس
بحیرۂ ارال
اسپین
ویانا
ہنگری
بوڈاپسٹ
وینس
اٹلی
روم
اوٹرانٹو
بلغراد
کوسوو
رومانیہ
وارنا
بحیرۂ اسود
سینوپ
استنبول
ادرنہ
صوفیہ
گیلیپولی
سلونیکا
بورصہ
سغوت
انقرہ
قونیہ
طرابزون
امارت ایدین
انطالیہ
روڈس
امارت ذوالقدر
شام
تبریز
چالیدران
ایران
بحیرۂ کیسپین
بصرہ
خلیج فارس
بحرین
جزیرۃ العرب
فلسطین
القدس
مدینہ
مکہ
بحیرۂ روم
مالٹا
موریا
طرابلس
تیونس
تریپولی
الجزائر
المغرب الاقصیٰ (مراکش)
صحرائے اعظم


سلطان محمد فاتح کا
قسطنطنیہ پر حملہ
۲۰ جمادی الاولی ۸۵۷ھ ۲۹ مئی ۱۴۵۳م
عثمانی سلطنت
رومی سلطنت
رومی لشکر
عثمانی بحری جہاز
رومی بحری جہاز
0
500
1000
1500
یورپی سرزمین
خیمہ
سلطان محمد فاتح
ینی چری کے دستے
لشکر روملی
لشکر اناطولیہ
باب زریں
بحیرۂ مرمرہ
قسطنطنیہ
لیکوس ندی
زغنوش پاشا کے دستے
پل
گولڈن ہارن
بحری جہازوں کی
خشکی کا راستہ
ریاستِ جنیوا کا
مقبوضہ علاقہ
خلیج باسفورس
عثمانی
بحریہ کی بندرگاہ
اسکدار
ایشیائی سرزمین

خلافتِ عثمانیہ دورِ زوال میں



(یونٹ:3.5)

اناطولیہ

موجودہ ترکی جس علاقے پر مشتمل ہے، پہلے اسے ایشیائے کوچک (آسیا الصغریٰ۔Asia minor) کہا جاتا تھا۔ یونانی اسے "اناطولیہ" جبکہ عرب اور ترک اسے "اناضول" کہتے ہیں۔ یہ علاقہ ایک جزیرہ نما ہے جو چار سمندروں سے جا لگتا ہے۔ اس کے شمال میں بحیرۂ اسود، شمال مغرب میں بحیرۂ مرمرہ، جنوب میں بحیرۂ ایجیئن اور جنوب مغرب میں بحیرۂ روم واقع ہیں۔ ①

اناطولیہ کی تاریخ:

اناطولیہ کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ دور قبل از مسیح میں یہ یونانی تہذیب کے زیر اثر رہا۔ ۳۳۴ قبل از مسیح میں یہاں سکندر اعظم نے قبضہ کیا مگر اس کے وارث اس علاقے کو نہ سنبھال سکے۔ اس کے بعد اسے رومیوں نے فتح کیا۔ ساتویں صدی عیسوی میں خلفائے راشدین نے فلسطین، شام اور مصر سے روما کی سلطنت کو مٹا دیا اور اُموی دور میں مشرقی اناطولیہ کا خاصا حصہ فتح ہو گیا اور رومی سلطنت اناطولیہ کے شمالی اور مغربی علاقوں تک رہ گئی۔ اس کے بعد تقریباً سات صدیوں تک یہ خطہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان سب سے بڑا محاذ بنا رہا۔ کبھی مسلمان رومیوں کو پسپا کر کے قسطنطینیہ کے سامنے پہنچ جاتے اور کبھی رومی دھاوا بول کر الجزیرہ اور شام کی سرحدوں تک آ جاتے۔ آخر کار عثمانی ترکوں نے اس علاقے کو مکمل طور پر فتح کیا اور مزید آگے بڑھ کر یورپ میں داخل ہو گئے۔ ②

تُرکانِ عثمان کی تاریخ کا خلاصہ

ترکانِ عثمان کی تاریخ کو ہم پانچ مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں:

① سلطنت، تاسیس و عروج...... عثمان خان تا بایزید ثانی: ۶۹۳ھ تا ۹۱۸ھ (۱۲۸۱ء تا ۱۵۱۲ء)

خود مختار بادشاہی کا آغاز عثمان خان سے ہوا تھا جو ۶۸۷ھ میں اناطولیہ میں مسند نشین ہوا تھا، اگرچہ اُس نے بادشاہ کا خطاب ۶۹۹ھ میں حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد بالترتیب اُورخان، مراد اول، بایزید اول (یلدرم) بادشاہ ہوئے۔ بایزید یلدرم ۸۰۵ھ میں تیمور سے شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ گیارہ سال کی لامرکزیت اور خانہ جنگی کے بعد بایزید یلدرم

① اردو دائرۃ المعارف پنجاب یونی ورسٹی: مقالہ ترکی۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ طبع ثانی: مقالہ ایشیائے کوچک ؛ التاریخ والجغرافیہ از مسعود محمد، باب اناطولیہ

② اردو دائرۃ المعارف پنجاب یونی ورسٹی: مقالہ ترکی؛ التاریخ والجغرافیہ از مسعود محمد، باب اناطولیہ

کے بیٹے محمد چلپی نے ۸۱۶ھ میں دوبارہ مرکزی حکومت بنالی۔اس کے بعد مراد ثانی، محمد ثانی الفاتح اور بایزید ثانی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔۹۱۸ھ میں بایزید ثانی کی وفات ہوگئی۔

(۲) خلافت، تاسیس وعروج...... سلیم اوّل تا سلیمان اعظم: ۹۲۳ھ تا ۹۷۴ھ (۱۵۱۷ء تا ۱۵۶۶ء)

سلیم اوّل ۹۱۸ھ (۱۵۱۲ء) میں بادشاہ بنا۔اس نے ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں خلافت کا منصب بھی حاصل کرلیا۔ اس کی حدود ایک طرف شام ومصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گئیں اور دوسری طرف ایران کا وسیع حصہ بھی اس کے زیرِ قلم آ گیا۔سلیمان القانونی کے دور میں ترکوں کے دھاوے آسٹریا تک جا پہنچے اور عروج اور خیرالدین باربروسا جیسے جہاز رانوں نے یورپ پر بحری فتوحات کا سکہ بٹھا دیا۔

(۳) خلافت، دورِزوال...... سلیم ثانی تا احمد ثالث: ۹۷۴ھ تا ۱۱۴۳ھ (۱۵۶۶ء تا ۱۷۳۰ء)

سلیم ثانی کے بعد مسلمانوں کے زوال کا آغاز ہوگیا۔اگرچہ زوال کی طرف یہ جھکاؤ، تدریجاً تھا۔عثمانی ترک اس دوران بھی خاصی آن بان سے حکومت کرتے اور یورپ کے سامنے ڈٹے رہے۔تاہم سلطنت میں شاہی خاندان کی خواتین کا عمل دخل بڑھ گیا اور ینی چری افواج سرکش ہوگئیں۔یوں ایک سیاسی بحران سلطنتِ عثمانیہ پر چھانے لگا۔

(۴) ضعف، جدت وجدوجہد...... محمود خان تا عبدالحمید ثانی: ۱۱۴۳ھ تا ۱۳۲۸ھ (۱۷۳۰ء تا ۱۹۰۹ء)

اس دور میں عثمانی سلاطین کو روس سے مسلسل جنگوں کا سامنا رہا۔فتوحات کا دور ختم ہو چکا تھا اور عثمانی اپنے دفاع پر مجبور تھے۔اُدھر یورپی طاقتیں اپنے بہت سے اختلافات کے باوجود عثمانیوں کے خلاف باہم معاہدے کر کے متحد ہوگئی تھیں۔تاہم اسی دور میں وقت کی للکار سن کر بعض عثمانی سلاطین نے دوبارہ سلطنتِ عثمانیہ کو مضبوط کرنے کی کوشش کی جن میں سلطان عبدالعزیز اور سلطان عبدالحمید ثانی نمایاں ہیں۔ان دوصدیوں میں مسلمان اپنے دین اور تہذیب وتمدن سے دور ہو کر مغربی تہذیب سے متاثر ہوگئے۔یہی ذہنی افلاس انہیں لے ڈوبا۔

(۵) ترقی پسندوں کا تسلط۔سلطان رشاد تا عبدالمجید ثانی: ۱۳۲۸ھ تا ۱۳۴۲ھ (۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۴ء)

جمعیت اتحاد وترقی کے فوجی کمانداروں کی بغاوت کے باعث ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید ثانی کو معزول ہونا پڑا۔ اس کے بعد دو سلاطین: سلطان محمد رشاد اور سلطان وحیدالدین محدود اختیارات کے ساتھ تخت نشین رہے۔اصل اختیارات جرنیلوں کے پاس تھے۔پہلی جنگِ عظیم میں شکست کے بعد خلافتِ عثمانیہ کو عملاً معطل کردیا گیا۔نئے معاہدوں میں عالمی طاقتوں نے ترکوں کو رسمی خلافت بھی ختم کرنے کا پابند کردیا۔آخر فوجی سربراہ مصطفی کمال پاشا نے آخری خلیفہ عبدالمجید ثانی کو معزول کر کے خلافت کا عہدہ ختم کردیا اور ترکی کو ایک سیکولر مملکت بنا دیا۔

۶۹۹ھ سے ۹۲۳ھ تک (۲۲۴ برس) عثمانیوں نے بطورِ بادشاہ حکومت کی۔پھر ان کی خلافت ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) سے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) تک قائم رہی۔عثمانیوں کا دورِ خلافت ۴۱۹ سال طویل تھا جبکہ ان کا مجموعی دورِ حکومت ۶۴۳ ہجری سال تھا۔

اَرْطَغْرُل

۶۲۹ھ تا ۶۸۷ھ (۱۲۳۲ء تا ۱۲۸۸ء)

عثمانی ترک وسطِ ایشیا میں بسنے والے تُرکانِ غُز کی ایک شاخ ''قائی'' سے تعلق رکھتے تھے جس کا اصل وطن ''مرو'' تھا۔ ۶۲۱ھ میں ''قائی'' کے سردار سلیمان شاہ نے قبیلے کو لے کر ہجرت کی اور اناطولیہ کے جنوب مشرقی ضلع ''اخلاط'' میں آباد ہوگیا۔ ۶۲۸ھ میں سلیمان شاہ کے قبیلے نے جنوب مغرب کی طرف نقل مکانی کی۔ اس سفر کے دوران حلب کے قریب دریائے فرات عبور کرتے ہوئے سلیمان شاہ ڈوب کر جاں بحق ہوگیا۔ اسے دریا کے کنارے قلعۂ جبیر (جَعْبَر) کے سامنے دفن کردیا گیا۔ یہ جگہ آج بھی ''ترک مزار'' کہلاتی ہے۔

سلیمان شاہ کی وفات کے بعد قافلے میں اختلافِ رائے پیدا ہوگیا۔ اکثریت سفر جاری رکھنے پر مصر تھی جبکہ کچھ لوگ واپسی چاہتے تھے۔ سلیمان شاہ کے چار بیٹے تھے۔ دو بیٹوں: ''سُنقر'' اور ''دوندار'' نے قبیلے کی اکثریت کے ساتھ مشرق کی طرف کوچ کردیا۔ جب کہ دو بیٹے ''ارطغرل'' اور ''کون دغدی'' لگ بھگ چار سو گھرانوں کے ساتھ ایشیائے کوچک کے شمال مغربی اضلاع کی طرف روانہ ہوگئے۔ ارطغرل کی عمر اس وقت لگ بھگ ۳۹ سال تھی۔ اس نے اپنے قبیلے کو لے کر کچھ عرصہ مختلف زرخیز وادیوں میں گزارا۔ ①

اُرطغرل نے سلطان علاؤالدین کیقباد کی مدد کی:

اُرطغرل اناطولیہ پہنچ کر کچھ مدت بعد شمال مغربی صوبوں کی طرف کوچ کرگیا۔ اس دوران ایک مقام پر اچانک دو لشکر برسرپیکار دکھائی دیے۔ ایک طرف بازنطینی رومی تھے اور دوسری طرف سلطان علاؤالدین کیقباد کا لشکر تھا۔ رومیوں کا پلہ بھاری تھا اور مسلمان پسپا ہونے کو تھے۔ ایسے میں ارطغرل نے فوری طور پر مسلمانوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے جانبازوں سمیت جنگ میں کود گیا۔ اس کی شجاعت نے رومیوں کو ہراساں کردیا جبکہ مسلمانوں کی ہمت دوبارہ بندھ گئی۔ آخر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور رومی بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ یہ واقعہ ۶۲۹ھ کا ہے۔ ②

---

① التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸ص ۵۹؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ص ۸۳ تا ۸۶؛ نصرۃ اھل الایمان بدولۃ آل عثمان از شیخ بکری: ص ۵۱، ۵۲؛ سمط النجوم العوالی: ۲ص ۳۱۲ تا ۳۲۲

ملحوظہ: ترکوں کی تاریخ لکھنے والے اکثر مورخین نے ارطغرل کے والد کا نام سلیمان شاہ ہی لکھا ہے اور اس کے ڈوبنے کا واقعہ بھی ذکر کیا ہے تاہم بعض جدید محققین کی تحقیق کے مطابق ارطغرل کے والد کا نام ''گوندوز الپ'' تھا۔ (تاریخ عثمانی از اسماعیل حقی اوزون: ۱ص ۱۲۰، ۱۲۱، حاشیہ)

② نزھۃ الانظار: ۲ص ۷؛ التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸ص ۶۰؛ تاریخ عثمانی: ۱ص ۱۲۲

ارطغرل سلجوقی جاگیردار کی حیثیت سے:

سلجوقی حکمران علاؤالدین کیقباد نے ارطغرل کی طرف سے ناگہانی امداد مل جانے پر بڑی مسرت کا اظہار کیا، اس کی عزت افزائی کی اور اس کے قبیلے کو اعزاز کے طور پر ''مقدمۃ السلطان'' کا نام دیا۔ ارطغرل نے کچھ ہی مدت میں ''قرجہ حصار'' اور ''سگوذ'' پر یلغار کر کے انہیں سلجوقی عمل داری میں شامل کر دیا۔ نیز ''بیل چک'' کے حاکم کو سرنگوں کر کے خراج کی ادائیگی پر مجبور کر دیا۔ ان کارناموں پر سلطان علاؤالدین نے اسے ''سگوذ'' کا جاگیردار بنا دیا جہاں اناطولیہ کی بازنطینی ریاستوں کے حملوں کا خطرہ رہتا تھا۔ مؤرخ قرمانی کے بیان کے مطابق یہ جگہ ''طوماچ'' اور ''ارمناک'' کے پہاڑوں کے درمیان واقع تھی جہاں ارطغرل اپنے قبیلے کے چار سو گھرانوں کے ساتھ جا کر آباد ہوا۔ اس جاگیر کی وسعت تقریباً دو ہزار مربع کلومیٹر تھی۔ صاحب نزہۃ الانظار کے مطابق ابتدائی زمانے میں ارطغرل اور اس کے قبیلے کو جو جاگیر ملی تھی وہ قرہ حصار (ضلع الیون، نزد قونیہ) اور بیل چک کے درمیان تھی اور اس علاقے کو ''سگود چک'' کہا جاتا تھا۔

۶۳۴ھ (۱۲۳۷ء) میں علاؤالدین کیقباد اوّل فوت ہو گیا اور اس کی سلطنت زوال کا شکار ہو کر ۶۴۱ھ میں منگولوں کی باج گزار بن گئی اور اس کی حدود سمٹتی چلی گئیں۔ تاہم ارطغرل نے نہ صرف اپنی جاگیر کی بخوبی حفاظت کی بلکہ کوتاہیہ سمیت گرد و نواح کے کئی علاقے بھی فتح کر لیے۔ اس طرح اس کی جاگیر کا رقبہ ۴۸۰۰ مربع کلومیٹر تک پہنچ گیا۔ اس نے سلجوقیوں کی نیابت میں جس ریاست کی بنیاد ڈالی وہ تین ضلعوں: کوتاہیہ، بیلہ جک اور اسکی شہر کے قصبات و دیہی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔

ارطغرل کی عمر ۱۰۰ سال ہوئی اور اس نے ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء) میں وفات پائی۔ ①

عثمان خان غازی، بانیٔ سلطنتِ عثمانیہ

۶۸۷ھ تا ۷۲۶ھ (۱۲۸۸ء تا ۱۳۲۶ء)

عثمان خان ارطغرل کا بڑا بیٹا تھا۔ وہ ۶۵۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ نہایت دلیر، ذہین اور حوصلہ مند نوجوان تھا۔ اس کی پرورش جہاد فی سبیل اللہ کے ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ علماء، صلحاء اور اولیاء کا بڑا عقیدت مند تھا۔ عارف باللہ شیخ بالی قرمانی کی خانقاہ میں اکثر جاتا اور کبھی کبھی رات بھی وہیں گزارتا تھا۔ شیخ قرمانی کو اس پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دی تھی۔ باپ کی وفات کے وقت وہ ۳۱ سال کا تھا۔ اس وقت قونیہ میں سلاجقۂ روم کا حکمران سلطان غیاث الدین مسعود تھا۔ اس کی بچی کھچی سلطنت کی شمالی سرحدیں ارطغرل کے قبیلے کی وفاداری ہی کی وجہ سے محفوظ تھیں، اس لیے اس نے پورے اعتماد کے ساتھ عثمان خان کا اس کے باپ کے عہدے پر تقرر کر دیا۔

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ۱ ص ۸۷ تا ۸۹؛ نزہۃ الانظار فی عجائب التاریخ والاخبار: ۲ ص ۷؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان از یوسف بیگ آصاف: ص ۳۰ تا ۳۵

عثمان خان نے خود کو اس عہدے کا صحیح حق دار ثابت کر دکھایا اور صوبے کا نظام اچھی طرح سنبھالا۔ ۶۸۸ھ میں اس نے قونیہ کے نواح میں قرا حصار (قراچہ حصار) کا مضبوط قلعہ فتح کر دکھایا اور اسے اپنا پایۂ تخت بنا لیا۔

سلاجقۂ روم کی بادشاہی عملی طور پر ختم ہو چکی تھی۔ لہٰذا ۶۹۹ھ میں عثمان خان نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ سلجوقی بادشاہ علاؤ الدین کیقباد ثالث نے اسے خود مختاری کی اجازت دے کر علاماتِ شاہی ارسال کیں۔ یوں اناطولیہ کے وسطی علاقوں میں عثمان خان کا خطبہ رائج ہو گیا۔ اس سے پہلے اس کے نام کے ساتھ بیگ (امیر) لگایا جاتا تھا مگر اب اس نے اپنے لیے "بادشاہ" کا لقب اختیار کر لیا۔

عثمان خان کے سامنے توسیعِ سلطنت کے لیے دو راستے تھے: آسان راستہ یہ تھا کہ وہ اناطولیہ کی چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں سے زور آزمائی کرتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ شمال کی طرف متوجہ رہ کر بازنطینیوں سے جہاد کرتا۔ عثمان خان نے دوسری صورت کو ترجیح دی اور ہمسایہ مسلم ریاستوں کے ساتھ ہاتھا پائی سے حتی الامکان دامن بچا کے رکھا۔

اس نے قونیہ کے علامتی سلجوقی حکمرانوں کا ادب و احترام بھی ہمیشہ برقرار رکھا اور ان کے ساتھ سابقہ رسوم و القاب کے مطابق معاملہ کیا۔ تاتاریوں نے ۷۰۱ھ غیاث الدین مسعود کو تاجِ شاہی پہنا دیا جو آخری سلجوقی بادشاہ ثابت ہوا۔ اس کی عملاً کوئی حیثیت نہ تھی۔ بہر کیف عثمان خان نے اپنے ان مخدوموں سے الجھنے کی نازیبا کوشش کبھی نہیں کی۔ ①

ریاست کی توسیع:

خود مختاری کے اعلان کے بعد عثمان خان نے ان علاقوں کو فتح کرنا شروع کیا جو کچھ مدت پہلے سلجوقیوں سے آزاد ہو گئے تھے۔ پھر ۷۰۷ھ میں اس نے بحیرۂ مرمرہ کے ساحل تک یلغار کی اور کچھ علاقہ فتح کر کے اپنی ریاست کو سمندر سے ملا دیا۔ اگلے چھ سالوں میں اس نے درجنوں رومی قلعے فتح کر لیے۔ ②

بورصہ کی مہم:

عثمان خان نے ۷۲۲ھ میں بازنطینیوں کے ایک بڑے شہر "بورصہ" کا محاصرہ کر لیا۔ چار سال کے محاصرے کے بعد بورصہ ۲۰ ربیع الآخر ۷۲۶ھ (۶ اپریل ۱۳۲۷ء) فتح کر لیا گیا۔ عثمان خان کا بیٹا اورخان اس فتح میں پیش پیش تھا جس نے بورصہ کے شہریوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اس کے اخلاق دیکھ کر شہر کا نصرانی حاکم "افرینوس" مشرف باسلام ہو گیا۔ دربارِ عثمانی سے اسے "بیگ" کا خطاب دیا گیا اور وہ سلطنتِ عثمانیہ کا مایہ ناز سالار ثابت ہوا۔ ③

---

① اخبار الدول و آثار الاول: ج ۳ ص ۷، نزہۃ الانظار: ج ۲ ص ۷، ۸؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۹۰ تا ۹۲؛ التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ج ۸ ص ۲۰ تا ۲۲؛ نزہۃ الانظار: ۲ ص ۹؛ اخبار الدول و آثار الاول: ۳ ص ۵

② تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۹۰ تا ۹۲؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از سید محمد: ص ۵۵، ۵۶؛ اخبار الدول و آثار الاول: ج ۳ ص ۸، ۹

③ تاریخ سلاطین بنی عثمان از یوسف بیگ آصاف ص ۳۵؛ اخبار الدول: ۳ ص ۸، ۹؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ ص ۹۲، ۹۳؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۲۰ تا ۱۲۲؛ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض و اسباب السقوط للصلابی: ص ۵۰، ۵۱

عثمان خان کی وفات:

عثمان خان نے ۲۷ سال حکومت کی اور اپنے باپ کی ۴ ہزار ۸ سو مربع کلو میٹر کی جاگیر کو ۱۶ ہزار مربع کلومیٹر پر محیط ریاست بنا دیا۔ مسلسل جنگوں کے باعث عثمان خان سخت بیمار ہو گیا۔ اس نے وفات سے قبل اپنے ولی عہد اُور خان کو کہا:

"اسلام کی اشاعت، لوگوں کی اس کی جانب راہنمائی اور مسلمانوں کی عزت و ناموس اور جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری تمہارے سر آچکی ہے۔ اللہ عن قریب تم سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔

بیٹے! خبردار! ایسی باتوں سے ہمیشہ بچتے رہنا جن کا حکم اللہ رب العالمین نے نہ دیا ہو۔

میرے بیٹے! اپنے تابع داروں کی عزت اور تعظیم کر کے انہیں ساتھ ملائے رکھنا۔ فوج کو انعام و اکرام سے نوازتے رہنا۔ دیکھو! ایسا نہ ہونے پائے کہ شیطان تمہیں دولت اور فوج پر غرور میں مبتلا کر دے۔"

یہ وہ وصیتیں تھیں جو عثمان خان کے بیٹوں اور پوتوں نے اپنی گرہ سے باندھ لیں اور انہیں اس سلطنت کے دستورِ اساسی کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ جب تک عثمانی سلاطین ان پر کاربند رہے، کامیابیاں ان کے قدم چومتی رہیں۔

ان وصیتوں کے بعد ۲۱ رمضان ۷۲۶ھ کو عثمان خان دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ اس کی عمر ۷۰ سال تھی۔ ①

عثمان کی سیاست پر ایک نگاہ:

عثمان خان کی سیاست میں چند چیزوں کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ ایک وقت میں ایک ہی حریف ریاست سے جنگ چھیڑتا تھا۔ نہایت طویل دورانیے کے محاصروں کو صبر و تحمل کے ساتھ جاری رکھنا اور ان مہمات کی تمام صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اس کی اولوالعزمی کا پتا دیتا ہے۔ اس کی جنگی حکمت عملی میں خونریزی کم سے کم ہوتی اور دشمن تھک ہار کر خود کو حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ وہ بغاوتوں کے انسداد کے لیے نو مفتوحہ علاقوں کا انتظام بہت مضبوطی اور باریک بینی سے کرتا، وہاں ترقیاتی کام کراتا، لوگوں سے مہربانی برتتا، انہیں زبان اور کردار سے اسلام کی دعوت دیتا۔

عثمان خان عدل و انصاف اور لطف و مہربانی کے ساتھ ساتھ ہر صوبے میں اچھی خاصی مستقل فوج تعینات رکھتا تھا، اس کی سیاست کی کامیابی اس سے ظاہر ہے کہ اتنے طویل دورِ حکومت میں اس کے خلاف کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔

عثمان خان ایک نہایت دلیر، جنگ آزما، صائب الرائے، دور اندیش، بلند ہمت، مہربان اور خود دار انسان تھا۔ وہ رعایا کے ساتھ ہمیشہ احسان کا برتاؤ کیا کرتا تھا۔ اس کی ذاتی زندگی بڑی درویشانہ تھی۔ اس نے اپنی میراث میں چند اونی جوڑوں، ایک عمامے اور ایک عمدہ پوشاک کے سوا کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ تاریخ میں اسے زندہ رکھنے کے لیے یہی بات کافی تھی کہ وہ چھ صدیوں تک قائم رہنے والی "سلطنتِ عثمانیہ" کا بانی تھا۔ ②

❁❁❁

① تاریخ سلاطین بنی عثمان از یوسف بیگ آصاف: ص ۳۵۔ جوانب مضیئة فی تاریخ العثمانیین: ص ۲۱ ؛ العثمانیون فی التاریخ والحضارة از ڈاکٹر محمد حرب: ص ۱۶

② الدولة العثمانیة للصلابی: ص ۳۸؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان از یوسف بیگ آصاف: ص ۳۳

اُورخان

۷۲۶ھ تا ۷۶۱ھ (۱۳۲۶ء تا ۱۳۶۰ء)

عثمان خان کا جانشین ''اُورخان'' باپ کی زندگی میں ہی اپنی حربی صلاحیتوں اور سیاسی قابلیت کا لوہا منوا چکا تھا۔ اس کا ہدف سمندر کے پار یورپی ریاستیں تھیں جن پر حملے کے لیے بورصہ بہترین مرکز بن سکتا تھا، اس لیے اس نے 'بورصہ' کو اپنا پایۂ تخت بنالیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق خود عثمان خان نے اس کی تاکید کی تھی تا کہ پرچم جہاد ہمیشہ سرحدوں پر نصب رہے اور عثمانی سربراہ جہاد کی پہلی صف میں رہے۔ بورصہ کو مرکز بنانے کے بعد اُورخان نے اپنی افواج ہر طرف پھیلا کر اناطولیہ میں بازنطینیوں کے باقی قلعوں اور شہروں کو فتح کرنے میں دیر نہ لگائی۔ ①

۷۳۱ھ میں اس نے نصرانیوں کے تاریخی ومذہبی شہر ''نیقیہ'' پر بھی قبضہ کرلیا جہاں بڑے بڑے پادری اور راہب آباد تھے۔ اب ایشیا میں بازنطینیوں کا آخری شہر ''ازنیق'' رہ گیا تھا۔ دو سال کے محاصرے کے بعد یہ شہر بھی فتح کرلیا گیا اور ایشیا سے بازنطینی بادشاہت کا یہ نشان بھی مٹ گیا۔ ②

تعمیراتی کام اور نظام مملکت کی تشکیل نو:

ان فتوحات کے بعد اُورخان تقریباً بیس برس تک کسی جنگ میں مشغول ہوئے بغیر پوری یکسوئی سے مملکت کی تعمیر و ترقی میں مصروف رہا۔ اس نے بورصہ اور ازنیق میں دو عالی شان جامعات قائم کیں۔ نیز تمام مفتوحہ شہروں میں درسگاہیں اور خانقاہیں کھلوائیں تا کہ اسلام کی دعوت اور تعلیم عام ہو۔ اس وقت تک اناطولیہ میں سلجوقی دور کے سکے رائج تھے۔ اُورخان نے ممالک محروسہ میں اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ ③

علاؤالدین پاشا کے کارنامے اور ینی چری کا قیام:

اُورخان کا وزیر علاؤالدین پاشا نہایت عالم فاضل، عابد وزاہد اور صوفیائے کرام کا خادم تھا۔ اس نے فوج، عدلیہ اور پولیس میں ایسی اصلاحات کیں کہ زمانہ دراز تک ان میں ترمیم کی ضرورت نہ پڑی۔ اس دور کی معاصر سلطنتیں نظم وضبط اور قوانین سازی کے لحاظ سے جمود کا شکار ہو چکی تھیں۔ علاؤالدین نے وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے جدت کا ایسا مؤثر ماحول پیدا کیا کہ سلطنتِ عثمانیہ باقی دنیا سے بہت آگے نکل گئی۔ ④

یورپ میں عثمانیوں کا پہلا قدم:

اس زمانے میں بازنطینی رُوما کا پایۂ تخت قُسطَنطِینِیّہ شدید سیاسی بحران سے گزر رہا تھا۔ وہاں قیصر اینڈرونیکس

---

① اخبار الدول: ۳/ ۱۰

② تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۲۳، ۱۲۴؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ۱/ ۹۳، ۹۴؛ اخبار الدول: ۳/ ۱۰

③ اخبار الدول: ۳ص ۹ تا ۱۱؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ۱۲۳ تا ۱۲۸؛ دولتِ عثمانیہ از ڈاکٹر عزیر: ۱/ ص ۴۷، طدارالمصنفین اعظم گڑھ بھارت

④ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۱۲۴

سوئم مر چکا تھا اور اس کا ولی عہد جان پلیو کم سن تھا۔ایسے میں وزیر سلطنت کنٹا کوزین شاہی اختیارات پر حاوی ہونا چاہتا تھا جبکہ ملکہ اس کا اثر ورسوخ کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ملکہ کا پلہ بھاری دیکھ کر کنٹا کوزین نے اُورخان سے مدد مانگی اور بدلے میں یہ اجازت دی کہ مسلمان ساحل کے جس قلعے پر چاہیں، قابض ہو جائیں۔

چنانچہ اُورخان نے اپنے بیٹے سلیمان پاشا کو جو سلطنت کا بیگلر بیگی (سپہ سالار اعلیٰ) تھا، درّہ دانیال کے مقام سے بحیرۂ مرمرہ عبور کرنے کا حکم دے دیا۔ چوں کہ عثمانیوں نے ابھی تک بحری بیڑہ نہیں بنایا تھا، اس لیے سلیمان پاشا نے لکڑیوں کے تختے جوڑ کر سادہ کشتیاں بنوائیں اور چالیس سپاہیوں کے ساتھ ان پر رات کی تاریکی میں ''درۂ دانیال'' کو عبور کرلیا۔دوسری سمت اتر کر ان مجاہدین نے بازنطینیوں کی کشتیوں پر قبضہ کرلیا جن پر تیس ہزار سپاہیوں کو پار اتار دیا گیا۔اس لشکر نے شہزادہ جان پلیو کو مغلوب کر کے کنٹا کوزین کی بادشاہت مستحکم کردی۔اس مہم کے ساتھ ہی سلیمان پاشا نے نہ صرف کئی ساحلی قلعے بلکہ رومیوں کا اہم شہر ''گیلی پولی'' بھی فتح کرلیا۔یہی شہر آئندہ کے لیے یورپ میں سلطنتِ عثمانیہ کا پایۂ تخت بن گیا۔اس فتح کے بعد مجموعی طور پر دولتِ عثمانیہ کے دو حصے بن گئے:

① اناطولیہ: یعنی ایشیائے کوچک کے مقبوضات ② رومیلی: یعنی سمندر پار کے مقبوضات

گیلی پولی کے فاتح سلیمان پاشا نے اپنے حسنِ سلوک، شائستگی و نرم دلی، مہربانی، عدل وانصاف اور وجاہت کی وجہ سے مفتوحہ علاقے کے شہریوں کے دل جیت لیے تھے۔[1]

اُورخان کی وفات:

اُورخان ۷۶۱ھ میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔عمر ۸۳ سال تھی۔اس نے اپنے باپ کی دی ہوئی ریاست میں چھ گنا اضافہ کر کے اسے ۹۵ ہزار مربع کلومیٹر تک پہنچا دیا تھا۔وہ سخی، فیاض، عادل اور سادگی پسند تھا۔سلطنت کی بے پناہ مصروفیات کے باوجود عبادت وریاضت کے لیے خاصا وقت نکالتا تھا۔علماء اور درویشوں کی صحبت کو غنیمت سمجھتا تھا۔ خانقاہوں، مدارس اور مساجد کی تعمیر اس کی زندگی کا خاص مشغلہ تھے۔[2]

مراد خان اوّل

۷۶۱ھ تا ۷۹۱ھ (۱۳۶۰ء تا ۱۳۸۹ء)

اُورخان کا بڑا بیٹا سلیمان اُس کی زندگی ہی میں گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا تھا، لہٰذا اُس کا جانشین اُس کا دوسرا بیٹا مرادخان ہوا۔[3] اس نے اپنے اقتدار کے پہلے سال ۷۶۱ھ میں ایشیائے کوچک کے وسطی شہر ''انگورہ'' (انقرہ) پر

---

① اخبار الدول: ۳ ص ۱۱؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از سید محمد: ص ۹۱، ۹۲؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از سید محمد: ص ۹۱، ۹۲؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ۱۲۳ تا ۱۲۷؛ التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸ ص ۶۶، ۶۷؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ۱ ص ۹۵، ۹۶؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۳۶؛ تاریخ عثمانلی از اوزون: ۱ ص ۱۸۳

② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ص ۹۷؛ اخبار الدول: ۳/ ۱۱، ۱۲؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۳۶ ③ اخبار الدول: ۳/ ۱۳

فوج کشی کی جو دنیا کے مضبوط ترین شہروں میں سے ایک تھا اور اس کے گرد و نواح میں وسیع چراگاہیں تھیں جہاں بھیڑ بکریوں کے ہزاروں ریوڑ چرتے تھے۔ یہاں کے حکام قرامانیوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث عثمانی سلاطین کے مخالف بن چکے تھے۔ مراد خان نے انہیں مہلت نہ دی اور بہت جلد یہ شہر فتح کر لیا۔ لارندہ کے حاکم ابن قرمان کو انگورہ کی فتح سے سخت تشویش ہوئی۔ اس نے تاتاریوں اور ترکمانوں کے کئی قبائل کو ملا کر مراد خان کے خلاف چڑھائی کر دی مگر مراد خان نے حملہ آوروں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا اور آخر کار متحدہ افواج پسپائی پر مجبور ہو گئیں۔ ①

ادرنہ (ایڈریانوپل) کی فتح:

مراد خان قُسطَنطِینِیّہ فتح کرنے کا خواہش مند تھا مگر وہ بخوبی جانتا تھا کہ دنیا کے اس مستحکم ترین شہر پر مشرق سے کیا گیا ہر حملہ ہمیشہ ناکام ہوا ہے۔ اس کی فتح کا زیادہ امکان مغرب کی طرف سے ہے۔ اس نے قُسطَنطِینِیّہ سے معاہدے کا احترام کرتے ہوئے اسے نہ چھیڑا، البتہ اس کے مغرب اور شمال میں مہمات جاری رکھیں۔ ۷۶۱ھ میں اس نے قُسطَنطِینِیّہ سے ۹۵ میل دور واقع رومیوں کا نہایت مستحکم شہر ادرنہ (ایڈریانوپل) بھی فتح کر لیا۔ ②

ینی چری فوج کی تشکیل

مراد خان نے اپنے وزیر قرہ خلیل (خیر الدین پاشا) کی تجویز پر جنگوں میں یتیم یا لاوارث ہو جانے والے لڑکوں، نومسلموں کے بچوں اور کم عمر نصرانی قیدیوں کے لیے خصوصی تربیتی مراکز قائم کیے تاکہ وہ وطن کے مفید شہری اور جری محافظ بنیں۔ ③ جب اس درسگاہ کی پہلی کھیپ فارغ ہوئی تو اسے دعائے خیر کے لیے ایک صوفی بزرگ حاجی بکتاش کی خانقاہ میں بھیجا گیا۔ حاجی بکتاش نے ان جوانوں کے لیے فتح و نصرت کی دعا کی اور اپنے کرتے کی آستین پھاڑ کر ان کے افسر کے سر پر باندھ دی اور اس فوج کا نام "ینی چری" تجویز کیا، یعنی جدید فوج۔ ④ اس فوج کا کام سلطان کی حفاظت کرنا اور اس کی کمان میں لڑنا تھا۔ ⑤

ینی چری میں داخلے کے لیے کبھی نصرانی شہریوں پر دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ اس فوج کا اکثر حصہ نومسلم یورپیوں کی اولاد یا جنگوں میں یتیم ہو جانے والے یورپی بچوں پر مشتمل تھا۔ ایسے بچے بھی تھے جنہیں ان کے نصرانی سرپرستوں نے خود سرکاری مراعات کے حصول کے لیے بخوشی ان درس گاہوں میں بھرتی کرایا تھا۔ ایسے بچوں کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا جنہیں والدین سے چھین کر جبراً تربیت دی گئی ہو۔ ⑥

---

① اخبار الدول: ۳ص ۱۳؛ تاریخ عثمانی از ازون حقی: ۱ص ۱۸۷

② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ۱۲۸ تا ۱۳۰

③ نصرۃ اہل الایمان: ص ۵۷؛ اخبار الدول: ۳ص ۴؛ الدولۃ العثمانیہ از الصلابی: ص ۵۲؛ التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸ص ۲۳

④ اخبار الدول: ۳/۴

⑤ فی اصول التاریخ العثمانی از احمد عبد الرحیم مصطفیٰ: ص ۴۲، ۴۳؛ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر عزیز: ۱/۸

⑥ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عزیر: ۱ص ۴۸

مغربی مؤرخین سلطنتِ عثمانیہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ بے بنیاد اور بے سند پروپیگنڈا کرتے آئے ہیں کہ عثمانی سلاطین نے نصرانی شہریوں پر لازم کر دیا تھا کہ وہ ہر گاؤں، بستی اور آبادی سے ایک خاص تعداد میں اپنے بچوں کو اس درسگاہ میں بھیجیں۔ یعنی یہ ایک جبری بھرتی تھی جو انسانی حقوق کے خلاف تھی۔ اس طرح کا پروپیگنڈا کر کے مستشرقین نے عثمانی سلاطین کی جی بھر کے کردار کشی کی ہے۔ حالاں کہ اس الزام کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

جنگِ مارِٹیزا:

مراد خان ایڈریانوپل کی فتح کے بعد بازنطینیوں کے مزید شہروں اور قلعوں پر فتح کے جھنڈے گاڑتا رہا۔ قُسطَنطِینیّہ سے پانچ میل دور واقع بعض قلعے بھی فتح کر لیے گئے۔ ۷۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں "مقدونیا" فتح کر لیا گیا۔ آخر ۷۶۴ھ (۱۳۶۳ء) میں بازنطینی بادشاہ کو مجبور ہو کر عثمانیوں سے صلح کرنا پڑی۔

یہ دیکھ کر یورپی حکام بے چین ہو گئے۔ ان کے اتفاقِ رائے سے پوپ اربن پنجم نے ایک نئی صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا اور ہنگری، رومانیہ اور سربیا اور بوسنیا کے بادشاہوں کو حکم دے دیا کہ وہ مل کر مراد خان کی سرکوبی کریں۔

یوں ۷۶۴ھ (۱۳۶۳ھ) میں دریائے مارٹیزا کے کنارے یورپی اتحاد اور عثمانیوں کے مابین ایک تاریخی جنگ ہوئی جس میں اتحادیوں کی تقریباً پوری فوج ماری گئی۔ اس جنگ نے یہ ثابت کر دیا کہ ترک یورپ کی ہر طاقت کو شکست دے سکتے ہیں۔ اس فتح کے بعد کوہِ بلقان کے جنوب کا اکثر علاقہ سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہو گیا، یوں قُسطَنطِینیّہ تقریباً ہر طرف سے عثمانی مفتوحات سے گھر گیا اور یورپ سے اس کا زمینی رابطہ تقریباً ختم ہو گیا۔

جنگِ مارٹیزا کے دو سال بعد ۷۶۶ھ (۱۳۶۵ء) میں مراد خان نے یورپ میں مزید پیش قدمی کے لیے "اِدرِنۂ" کو پایۂ تخت بنالیا۔ قُسطَنطِینیّہ کی فتح تک عثمانیوں کا مرکزِ سلطنت یہی شہر رہا۔ ①

بلقان، سربیا اور بلغاریہ کی فتوحات:

جنوب مشرقی یورپ میں جبلِ اسود، رومانیا، بوسنیا ہرزگوینیا، سربیا، کروشیا، یوگوسلاویہ اور مقدونیہ کا مجموعی علاقہ جو چار لاکھ ٦٦ ہزار مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے، "بلقان" کہلاتا ہے۔ ۷۶۸ھ (۱۳۶۷ء) میں سلطان مراد کی فوجیں بلقان کی منتشر ریاستوں میں داخل ہو گئیں۔ ۷۷۰ھ (۱۳۶۹ء) میں بلغاریہ کے جنوبی اضلاع میں کوہِ روڈوپ تک کا علاقہ فتح کر لیا گیا اور شاہِ بلغاریہ شیشمان نے دب کر خراج ادا کرنے کا معاہدہ کیا۔ تاہم شیشمان نے یہ معاہدہ دفع الوقتی کے لیے کیا تھا۔ ۷۷۲ھ (۱۳۷۱ء) میں اس نے شاہِ سربیا "لازار" کو ساتھ ملا کر عثمانیوں کے خلاف پیش قدمی کی۔ "صوفیہ" کے قریب ساکوف کے میدان میں نصرانی اتحاد کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ کے نتیجے میں کوہِ بلقان تک بلغاریہ کا تمام علاقہ سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ۱/ص۹۸،۹۹؛ تاریخ عثمانی از اوزون: ۱/ص۱۹۱ تا ۱۹۳؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص۱۳۰ تا ۱۳۲

اب سربیا کو مزہ چکھانا ضروری تھا لہٰذا سلطان مراد خان نے کسی توقف کے بغیر اُدھر افواج بھیج دیں۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک سربیا میں پیش قدمی جاری رہی اور دریائے دوردار کے مشرق کا تمام علاقہ فتح ہوگیا۔ آخر شاہ سربیا لازار نے شکست قبول کر کے صلح کی درخواست کی اور خراج دینا منظور کرلیا۔ دوسری طرف بلغاریہ میں بھی پیش قدمی جاری تھی۔ آخر شاہِ بلغاریہ نے مجبور ہو کر عثمانیوں کی باج گزاری اختیار کرلی۔ الغرض ۷۶۸ھ (۱۳۶۷ء) سے ۷۷۲ھ (۱۳۷۱ء) تک جاری ان جنگوں کا اثر یہ ہوا کہ پہلی بار یورپی ممالک سلطنتِ عثمانیہ سے معاہدوں پر مجبور ہوگئے۔

اگرچہ بلغاریہ نے زیادہ مدت تک عہد و پیمان باقی نہ رکھا۔ اس نے سربیا اور رومانیہ کے ساتھ مل کر دوبارہ ترکوں کی سرحدوں پر حملہ کردیا۔ ۳ صفر ۷۷۳ھ (۲۶ ستمبر ۱۳۷۱ء) کو ''چرمن'' کی وادی میں لڑی جانے والی جنگ میں نصرانیوں کو شکستِ فاش ہوئی جس کے بعد عثمانی افواج بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل تک پہنچ گئیں۔

کچھ وقفے کے بعد عثمانیوں نے ایک بار پھر بلغاریہ میں پیش قدمی کی اور اس کے تاریخی شہر ''صوفیہ'' کا محاصرہ کرلیا جو تین سال تک جاری رہا۔ ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) میں اسے فتح کیا گیا۔ مشرقی بلغاریہ کے کئی شہروں میں بھی اسلامی پرچم لہرادیا گیا۔ ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) میں مقدونیہ کا اہم شہر ''سالونیکا'' فتح کرلیا گیا۔ ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) میں عثمان جرنیل علی پاشا نے نکوپولس کا محاصرہ کرلیا۔ آخر شاہ بلغاریہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور بلغاریہ کا نصف علاقہ سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہوگیا۔ اس طرح عثمانیوں کی حدود مغرب میں البانیا اور شمال مغرب میں بوسنیا تک پہنچ گئیں۔ ①

اصلاحات کا دور:

یورپ کی طاقتوں کو سبق سکھانے کے بعد سلطان مراد نے ۷۷۸ھ (۱۳۷۶ء) سے ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) تک تقریباً پانچ سال ایسے گزارے جس میں اس کی توجہ فتوحات سے زیادہ ملکی نظام کو بہتر بنانے، تعمیری و ترقیاتی کام کرانے اور انتظامی اصلاحات متعارف کرانے پر مبذول رہی۔ اس نے پیشہ ور فوج اور جاگیروں کے سپاہیوں کے نظام کی تشکیلات کو مکمل کیا، سرکاری زمینیں الگ کیں، مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے لیے زمینیں وقف کیں۔ اس نے فوج کی معمولی خدمات کے لیے ذمی شہریوں کی ایک جماعت تشکیل دی جو خیمے نصب کرنے اور اکھاڑنے، بار برداری کے جانوروں اور گاڑیوں کی دیکھ بھال کرنے، اصطبل صاف کرنے اور دیگر معمولی کاموں پر مامور تھی۔ اسی زمانے میں فوجی پرچموں کے لیے ''سرخ'' رنگ طے ہوا جو بعد میں سلطنتِ عثمانیہ کا قومی رنگ ہوگیا۔ ②

قصووہ (کوسووو) کی پہلی جنگ:

عثمانیوں کی فتوحات سے خائف ہو کر ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) میں سربیا، بوسنیا، بلغاریہ، البانیہ، ہنگری، گلیشیا، پولینڈ،

① تاریخ عثمانی: ا ص ۱۹۷ تا ۱۹۹؛ دولتِ عثمانیہ از ڈاکٹر عزیز: ص ۳۲ تا ۳۵؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ا ص ۹۸ تا ۱۰۰؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۳۱، ۱۳۲؛ التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸ ص ۶۸، ۶۹

② دولت عثمانیہ از ڈاکٹر عزیز: ا ص ۳۵

آسٹریا، جرمنی اور اٹلی کی افواج جمع ہو کر عثمانی مقبوضات کی طرف بڑھنے لگیں۔ عثمانی سپہ سالار لالہ شاہین پاشا بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ان کے مقابلے میں نکلا مگر اسے شکست ہوئی اور فقط پانچ ہزار سپاہی زندہ بچ سکے۔ مراد خان کو یہ اطلاع بورصہ میں ملی۔ وہ افواج مرتب کر کے محاذ تک پہنچا۔ قصووہ (کوسوو) کے قریب افواج کا آمنا سامنا ہوا۔ جنگ سے قبل شب کی تاریکی میں سلطان مراد نے دُعا کی:

''یا اللہ! مسلمانوں کو دشمنوں کے سامنے رسوا نہ کرنا، انہیں فتح مند کر دے۔ بادشاہت بھی تیری ہے اور طاقت بھی۔ تو جسے چاہتا ہے، نواز دیتا ہے۔ میں تیری عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے جہاد سے دنیا مطلوب نہیں۔ میں ہمیشہ شہادت کی طلب میں لڑتا رہا۔ اے اللہ! اس بار مجھے شہادت کا شرف عطا فرما دے۔''

صبح میدانِ جنگ میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی جو آٹھ گھنٹے تک جاری رہی۔ آخر میں ترکوں کے قدم اکھڑ رہے تھے کہ مراد خان کا ولی عہد بایزید یلدرم اپنے دستے کے ساتھ حریف کے قلب میں گھس گیا اور دشمن کی صفیں الٹ دیں۔ شاہ سربیا ''لازار'' مارا گیا اور نصرانی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ نصرانی اسے اپنی تاریخ کی بدترین شکست شمار کرتے ہیں۔ اس جنگ نے آئندہ کئی صدیوں کے لیے یورپ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

جنگ کے بعد مراد خان میدان میں لاشوں اور قیدیوں کا معاینہ کر رہا تھا کہ لاشوں کے بیچ میں سے ایک سرب افسر میلوش قابیلوچ اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ ترک سپاہیوں نے اسے پکڑ کر نہتا کر دیا مگر اس نے بتایا کہ وہ بادشاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ مراد خان کے حکم سے سپاہیوں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ آگے بڑھ کر مراد خان کی دست بوسی کرنے لگا۔ اس دوران اس نے یکدم اپنی آستین میں چھپا زہر آلود خنجر نکال کر ایسا کاری وار کیا کہ بادشاہ جانبر نہ ہو سکا۔ ① مراد خان کے آخری کلمات یہ تھے:

''میں رخصت ہوتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ فقیر کی دعا قبول کی۔ میرے بیٹے بایزید کی اطاعت کرنا۔ قیدیوں کو سزائیں مت دینا، اذیت نہ پہنچانا، ان سے کوئی چیز مت چھیننا۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه...''

یہ واقعہ ۱۵ شعبان ۷۹۱ھ (۱۰ اگست ۱۳۸۹ء) کا ہے۔ قاتل کو مار ڈالا گیا اور شہید کی نعش بورصہ لے جا کر دفن کی گئی۔ اس واقعے کے بعد عثمانی مملکت میں یہ ضابطہ بنا دیا گیا کہ جب بھی کوئی ملاقاتی بادشاہ سے ملتا، تو دو سپاہی دائیں بائیں سے اس کی آستینیں تھامے رہتے تاکہ پھر کسی سانحے کا اعادہ نہ ہو۔

مراد خان کی عمر ۶۵ سال تھی۔ اس نے ۳۱ سال حکومت کی اور ساری زندگی جہاد میں گزاری۔ وہ اپنے باپ دادا کی طرح نیک سیرت، متقی، بہادر اور فیاض تھا۔ البتہ وہ سادگی اور درویشی کی جگہ حکومتی رعب داب قائم رکھنے کے لیے شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار ضروری سمجھتا تھا۔ ②

---

① اخبار الدول: ج ۳ ص ۱۵۔ تاریخ عثمانی از اوزون حقی: ۱ ص ۲۸۹ تا ۲۹۳، الدولۃ العثمانیہ از صلابی: ص ۶۰

② اخبار الدول: ج ۳ ص ۱۵۔ تاریخ عثمانی از اوزون حقی: ۱ ص ۲۹۵ تا ۲۹۸، الدولۃ العثمانیہ از صلابی: ص ۶۰

مرادخان کی اصلاحات:

مرادخان نے فوج، عدلیہ اور انتظامیہ کے شعبوں میں کئی اصلاحات کیں۔ زرعی نظام کو بھی ترقی دی اور مفتوحہ وسیع وعریض زمینوں کو فوج پر تقسیم کر دیا۔ سلطان مراد نے کئی مساجد، درسگاہیں اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ اس نے غیر مسلم شہریوں کو ان کے مذاہب پر عمل کی مکمل آزادی دی۔ ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) میں یونانی کلیسا کے بطریق اعظم نے پوپ اربن ششم کو ایک مکتوب میں وضاحت سے لکھا کہ مرادخان نے کلیسا کو مکمل آزادی بخشی ہے اور اس کے ہاں نصرانیوں سے بدسلوکی کی کوئی شکایت نہیں ملتی۔

مرادخان کی شہادت تک اس کی سلطنت کا دائرہ پانچ لاکھ مربع کلومیٹر میں پھیل چکا تھا۔ اس میں سے دو لاکھ ۸۰ ہزار کلومیٹر اناطولیہ میں اور دو لاکھ ۲۰ ہزار کلومیٹر ''رومیلی'' (یورپی علاقوں) میں تھا۔ اس طرح اس نے اپنے باپ ''اُورخان'' کی عملداری میں پانچ گنا اضافہ کیا۔ وہ اپنے باپ دادا کی طرح نیک سیرت، متقی، بہادر اور فیاض تھا۔ وہ حتی الامکان مسلم حکمرانوں سے لڑائی سے گریز کرتا تھا۔ اس کے بجائے وہ مصالحت کے ساتھ مسلم امارتوں کو ساتھ ملانے کے لیے کوشاں رہا۔①

بایزید یلدرم

۷۹۱ھ تا ۸۰۵ھ (۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۳ء)

مرادخان کی شہادت کے بعد اس کا ۲۹ سالہ ولی عہد بایزید شعبان ۷۹۱ھ میں مسندِ اقتدار پر بیٹھا۔ وہ نہایت آزمودہ کار سپاہی اور بہترین منصوبہ ساز تھا۔ اس کی فوج کشی اتنی تیز اور حملے اتنے اچانک ہوتے تھے کہ دنیا اسے ''یلدرم'' (آسمانی بجلی) کہہ کر پکارتی تھی۔ اس نے حکومت سنبھالنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی یعقوب کو جو ''قصووہ'' کی جنگ میں ساتھ گیا تھا، صرف اس شک کی بناء پر قتل کرا دیا کہ کہیں وہ بغاوت نہ کر دے۔ بایزید کے جہادی کارنامے جہاں اُسے سرخرو کرتے ہیں، وہاں بے قصور بھائی کے قتل کا داغ اُس کے دامن کو بدنما کرتا ہے۔②

تیمورلنگ کا ظہور:

بایزید کا دور اس لحاظ سے تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ اس دوران ایک طرف عثمانیوں کی فتوحات کا دائرہ یونان تک جا پہنچا۔ دوسری طرف اسی دوران نامور مغل حکمران تیمور نے ہندوستان کی فتح سے فارغ ہو کر شمال

---

① اخبار الدول: ج۳ ص ۱۳ و تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج۱ ص ۱۰۰، ۱۰۲
② الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الحدیث: ص ۳۰؛ اخبار الدول: ۳ص ۱۵

مغرب کا رخ کیا۔ تیمور نو مسلم منگولوں کی اولاد تھا۔ تیمور کے معنیٰ فولاد کے ہیں اور وہ سچ مچ فولادی شخصیت تھا۔ ۷۶۶ھ (۱۳۶۴ء) میں جنوبی خراسان کے قبائیلیوں سے ایک معرکے کے دوران لگنے والے ایک تیر کے زخم کے باعث سے وہ تھوڑا سا لنگڑا کر چلتا تھا، اس لیے مخالفین اسے ''تیمور لنگ'' (لنگڑا تیمور) کہہ کر یاد کرتے تھے۔[1] وہ نوجوانی میں وسطِ ایشیا کے منگول حکمران تغلق تیمور کی طرف سے سمرقند کا حاکم بنایا گیا تھا۔ ۷۷۰ھ (۱۳۶۸ء) میں بلخ کی فتح کے بعد تیمور نے خودمختار حکمرانی کا اعلان کردیا۔[2]

۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) سے ۷۸۸ھ (۱۳۸۶ء) کے درمیان وہ خوارزم، خراسان اور ایران کے طول وعرض پر قابض ہو چکا تھا۔ اس نے ان مہمات کے دوران عوام پر بھیانک مظالم توڑے اور مفتوحہ شہروں میں لاشوں کے انبار لگادیے گئے۔ تیمور کی ان فتوحات کا اثر براہِ راست اناطولیہ پر پڑا۔ سلطان مراد خان نے اناطولیہ کے جن ترکمان امراء کو باج گزار بنایا تھا، تیمور کا ستارۂ اقبال بلندی پر دیکھ کر وہ اپنی وفاداریاں تبدیل کرنے کے لیے پر تولنے لگے۔[3]

بایزید کی فتوحات:

اُدھر بایزید نے اپنے باپ کی شہادت کے بعد سربیا سے جنگ جاری رکھی۔ آخر مقتول شاہِ سربیا ''لازار'' کے بیٹے اسٹیفن لازاروچ نے جو سربیا کا نیا حکمران بن چکا تھا، ۷۹۲ھ (۱۳۸۹ء) میں بایزید کی شرائط مانتے ہوئے صلح کرلی۔[4] اس کے بعد بایزید نے ایشیائے کوچک کی ریاستوں کو مسخر کرکے ''متحدہ اناطولیہ'' قائم کرنے کی مہم شروع کی اور ۷۹۳ھ (۱۳۹۰ء) سے ۸۰۳ھ (۱۴۰۱ء) تک کئی مرحلوں میں ایشیائے کوچک کی اکثر امارات کو زیرنگین کرلیا۔ چونکہ ان سالوں میں تیمور ایران اور ہندوستان کی تسخیر میں مصروف تھا اس لیے بایزید کو اپنی مہم کی تکمیل کا موقع مل گیا۔ اس طرح تیمور سے تصادم کی نوبت آنے سے پہلے بایزید پورا ایشیائے کوچک فتح کرچکا تھا۔[5]

بایزید کی افواج یورپ میں بھی برابر پیش قدمی کرتی رہیں۔ ۷۹۷ھ (۱۳۹۳ء) میں بایزید نے اپنے بیٹے سلیمان پاشا کو افواج دے کر بلغاریہ کی طرف روانہ کیا۔ اس وسیع ملک پر قبضے کی مہم ایک سال کے اندر مکمل ہوگئی۔ یہ اس صدی کا ایک تاریخی واقعہ تھا جس نے پورے یورپ کو حیران کردیا۔[6]

صلیبی جنگ......معرکہ نیکوپولس:

بایزید ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) سے لے کر ۷۹۹ھ (۱۳۹۷ء) تک تقریباً پانچ سال ایشیائے کوچک کی مہمات میں مصروف رہا۔ اس دوران اتحادیوں نے پورے اطمینان سے ایک بڑی جنگ کی بھرپور تیاری کرلی۔ ہنگری، برطانیہ اور فرانس کے علاوہ آسٹریا، ولاچیا، پولینڈ، اسکاٹ لینڈ، کسٹالیہ (شمالی اندلس) سوئزرلینڈ، یونان، اٹلی اور دیگر یورپی

---

[1] تاریخ عثمانی از اوزون: ۱ ص ۳۳۳ [2] عجائب المقدور: ص ۵ تا ۱۰، ۱۱، ۱۸۵
[3] عجائب المقدور فی اخبار تیمور: ص ۱۰۱ تا ۱۵۷ [4] الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الحدیث: ص ۳۱
[5] تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ ص ۱۰۰ واعباز الدول: ۳ ص ۱۵، ۱۶ بتاریخ عثمانی از اوزون: ۱ ص ۳۴۰، ۳۴۳
[6] الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الحدیث: ص ۳۱

ممالک کی افواج عثمانیوں کے مقابلے میں جمع ہوگئیں جن کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار سے متجاوز تھی۔ یورپ کے صفِ اول کے شہزادے اور نواب اس فوج کی قیادت کررہے تھے۔ گزشتہ دو صدیوں میں یہ یورپی ممالک کی سب سے بڑی متحدہ فوج کشی تھی جسے قرونِ وسطیٰ کی آخری صلیبی جنگ کہا جاتا ہے۔

آخرکار یہ لشکر ''رومیلی'' میں داخل ہوا۔ اتحادیوں کو معلوم تھا کہ بایزید اپنی فوج کے ساتھ ایشیائے کوچک کی مہمات میں مصروف ہے، اس لیے وہ آبادیوں کو لوٹتے اور شہریوں کا قتلِ عام کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے نیکوپولس کا محاصرہ کرلیا۔ بایزید کو جوں ہی اتحادیوں کے نیکوپولس پہنچنے کی اطلاع ملی، وہ درۂ دانیال عبور کر کے خاموشی سے ایڈریانوپل پہنچا اور ۷۰ ہزار سپاہی لے کر محاذ کی طرف لپکا۔

اتحادی بادشاہوں کو جب جاسوسوں نے اطلاع دی کہ چھ گھنٹے میں بایزید محاذ پر پہنچنے والا ہے تو اتحادیوں نے اسے ایک جھوٹی افواہ سمجھ کر زوردار قہقہے لگائے۔ مگر جب یکایک بایزید افق پر نمودار ہوا تو سب کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ آخر معرکہ شروع ہوا۔ جنگ کے سخت مرحلے میں ہزاروں مسلمان بھی شہید ہوئے تاہم ایک قہرانگیز لڑائی کے بعد یورپی سورماؤں کے قدم اکھڑ گئے۔ مگر دریائے ڈینوب ان کی پشت پر تھا اس لیے ہزاروں سپاہی غرق ہوگئے۔ مجموعی طور پر ایک لاکھ تیس ہزار نصرانیوں میں سے صرف بیس ہزار بچ سکے۔ ۳۰ ہزار مسلمان سپاہی شہید ہوئے۔ یہ ۲۲ ذوالحجہ ۷۹۸ھ (۲۵ ستمبر ۱۳۹۶ء) کا واقعہ ہے۔ ان کے بعد بایزید نے یورپی بادشاہوں، شہزادوں اور نوابوں کو بلوایا جن کی تعداد ستائیس تھی۔ ان میں ڈیوک اوف برگنڈی (جین سونس)، فلپ ڈی کوپٹ، کاؤنٹ ہنری ڈی لورین اور مارشل بوسی کالٹ جیسے نامور حکمران افراد شامل تھے۔ بایزید نے انہیں مخاطب کر کے کہا:

''تم نے بلاوجہ میری مملکت پر حملے کی زحمت کی۔ میں خود ہنگری، آسٹریا، فرانس، جرمنی اور اٹلی کو فتح کرنے پر تلا ہوا ہوں۔ میرا عزم ہے کہ اٹلی کے شہر روم میں سینٹ پیٹر کی قربان گاہ پر جا کر اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاؤں گا۔ اب تم سے وہیں ملاقات ہوگی۔ مجھے خوشی ہوگی اگر تم زیادہ تیاری کے ساتھ مقابلے پر آؤ۔ اگر مجھے تمہارا ذرا بھی ڈر ہوتا تو میں تم سے یہ وعدہ لیتا کہ تم آئندہ میرے خلاف جنگ نہیں کروگے۔ مگر میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ اپنے وطن پہنچ کر فوراً جنگ کی تیاری شروع کردو۔''

اس جنگ کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ مشرقی یورپ کے ساتھ مغربی یورپ پر بھی ترکوں کی ہیبت بیٹھ گئی۔ دور دور تک اب یورپ میں کوئی طاقت باقی نہیں رہی تھی جو عثمانیوں کی یلغار کا مزید چند سال بھی مقابلہ کر پاتی۔[1]

بازنطینی پایۂ تخت پر بایزید کے حملے

یورپ اور ایشیائے کوچک کی ان فتوحات کے دوران بایزید کو تین بار قُسطنطینیہ کا محاصرہ بھی کرنا پڑا۔ کیوں کہ

[1] تاریخ الدولة العثمانیہ از یلماز: ۱/۱۰۷، ۱۰۸؛ تاریخ الدولة العلیة: ص ۱۴۳، ۱۴۴؛ الدولة العثمانیہ فی التاریخ الحدیث: ص ۳۲

قیصر خفیہ طور پر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا۔ بایزید نے پہلی بار ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، تاہم اس نے شہر پر براہِ راست کوئی حملہ نہ کیا بلکہ فقط ناکہ بندی پر اکتفا کیا جس کے باعث شہر کا رابطہ بیرونی دنیا سے منقطع ہوگیا اور وہاں قحط کی سی صورتحال پیدا ہوگئی۔ آخر میں بایزید نے قیصر منویل سے کچھ شرائط منوا کر محاصرہ ختم کر دیا۔ معاہدے کے مطابق منویل نے وہاں مسلمانوں کو آباد کیا، شرعی عدالت جاری کی اور ایک مسجد بھی تعمیر کرادی۔ تاہم کچھ مدت بعد منویل نے عہد شکنی کرتے ہوئے مسجد مسمار کرادی اور مسلمانوں کو شہر سے نکال دیا۔

۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) میں بایزید نے دوبارہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ اس نے سالونیکا کو فتح کر کے وہاں چھاؤنی قائم کی اور قسطنطنیہ کو گھیر لیا۔ مگر یہ دوسرا محاصرہ بھی کسی نتیجے کے بغیر ختم ہوگیا کیوں کہ یورپی طاقتیں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف جمع ہوگئی تھیں جس کے نتیجے میں بایزید کو جنگِ نیکوپولس لڑنا پڑی۔

''جنگِ نیکوپولس'' سے فارغ ہو کر بایزید نے ۷۹۹ھ (۱۳۹۷ء) میں تیسری بار قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ اس نے خونریزی کے بغیر قیصر منویل سے معاملات طے کرنے کی کوشش کی اور مطالبہ کیا کہ قیصر شہر اس کے سپرد کر دے مگر منویل نہ مانا۔ اس دوران اس نے مغل فاتح تیمور لنگ کو مراسلہ بھیج کر سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے دی۔ ساتھ ہی وہ اپنے بھتیجے یوانیس کو نائب بنا کر خود خفیہ طور پر امداد طلب کرنے یورپ روانہ ہوگیا۔ ①

بایزید کی یونان تک پیش قدمی، اچانک واپسی اور قسطنطنیہ کا چوتھا محاصرہ:

جنگ نیکوپولس کے دو سال بعد ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں بایزید نے منصوبے کے مطابق یورپ میں مزید پیش قدمی کی۔ اس نے پہلے یونان کے تاریخی شہروں ''تھسلی'' اور ''ایتھنز'' کو فتح کیا اور یہاں سے ۳۰ ہزار افراد کو اناطولیہ منتقل کر دیا۔ اس کے سپہ سالار آسٹریا اور ہنگری کی طرف بڑھے۔ یہ مہم جاری تھی کہ اسے قیصر کے اس اشتعال انگیز مراسلے کی اطلاع ملی جو اس نے تیمور کو بھیجا تھا۔ لہٰذا بایزید کو یورپ کی مہم ادھوری چھوڑ کر قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا جہاں اس وقت قیصر کا بھتیجا یوانیس حاکم تھا۔ بایزید نے پیغام بھیج کر مطالبہ کیا کہ وہ قسطنطنیہ ترکوں کے حوالے کر دے مگر یوانیس نے انکار کر دیا۔ آخر ۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں بایزید نے چوتھی بار اس شہر کا محاصرہ کر لیا جو چار ماہ تک جاری رہا۔ فتح قریب تھی کہ اچانک اناطولیہ پر تیمور لنگ کے حملے نے فتح کے امکانات پر پانی پھیر دیا۔ ②

تیمور مشرقی اناطولیہ میں:

اس زمانے میں صورتحال یہ تھی کہ تیمور کے سامنے فقط دو طاقتور سلطنتیں باقی تھیں: ایک سلطنتِ ممالیکِ مصر، دوسری سلطنتِ عثمانیہ۔ تیمور ان دونوں سلطنتوں کو بھی اپنا باج گزار بنانا چاہتا تھا۔ وہ برابر اپنی سلطنت کا رقبہ بڑھاتا رہا۔ اس کی

① تاریخ عثمانی از اوزون: ۱ص ۳۱۰ تا ۳۳۲؛ اخبار الدول: ۳ص ۱۰؛ فی اصول التاریخ العثمانی: ص ۵۳؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۴۳

② تاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۴۳، ۴۴

سرحدیں آرمینیا اور آذربائی جان تک پہنچ چکی تھیں جن کے حکام کبھی تیمور کا ساتھ دیتے، کبھی بایزید کا۔ جب وہ سلطنتِ عثمانیہ سے ناراض ہوتے تو تیمور سے مدد مانگتے۔ جب تیمور سے تنگ آتے تو بایزید سے رابطہ کرتے۔ ①

۸۰۱ھ میں تیمور پنجاب کے مختلف شہر فتح کر کے دریائے جمنا کے پار پہنچ گیا۔ جمادی الاولیٰ ۸۰۱ھ میں تیمور نے دہلی کو مسخر کر لیا جس کے بعد وہاں تین دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ ② اب صورتحال یہ تھی کہ ممالیک اور عثمانی دونوں کے سروں پر تیموری قہر کی شمشیر لٹک رہی تھی اور دونوں اس سے دفاع کی تیاری کر رہے تھے مگر مشترکہ خطرے کے باوجود وہ معمولی قسم کے سرحدی اختلافات کے باعث تیمور کے مقابلے میں متفقہ حکمتِ عملی مرتب نہ کر سکے۔ ③

اُدھر تیمور پانچ لاکھ کے لشکرِ جرار کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا آذربائی جان کی سمت سے اناطولیہ کی مشرقی سرحدوں پر پہنچ گیا۔ ۱۷ ذوالحجہ ۸۰۲ھ کو سرحدی شہر سیواس پر تیمور کا پہلا حملہ ہوا۔ یہاں بایزید کا بیٹا ارطغرل بڑی پامردی سے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتا رہا۔ مگر اسے شکست ہوئی۔ ۵ محرم ۸۰۳ھ کو تیموری افواج اندر داخل ہو گئیں۔ تیمور نے ارطغرل سمیت تمام سپاہیوں کو قیدی بنا لیا۔ شہزادہ ارطغرل کا سر قلم کر دیا گیا جبکہ تین ہزار قیدیوں کو زندہ دفن کر دیا گیا۔

بایزید کو جب اس روح فرسا سلوک کی خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ غالباً تیمور نے سیواس میں حد سے زیادہ درندگی کا مظاہرہ اسی لیے کیا تھا کہ بایزید اناطولیہ آنے پر مجبور ہو جائے اور قیصر کی سلطنت بچ جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ بایزید اس وقت قُسطنطِینیہ کے چوتھے محاصرے میں مشغول تھا۔ اسے تلملا کر محاصرہ چھوڑنا پڑا۔ وہ پایہ تخت ایڈریانوپل میں شہزادہ سلیمان پاشا کو نائب بنا کر خود اناطولیہ پہنچ گیا۔ بایزید یہ تصور کر کے کہ تیمور اپنی پوری طاقت کے ساتھ سیواس سے آگے پیش قدمی کرے گا، قیصریہ میں افواج مرتب کرتا رہا مگر تیمور نے کوئی جلدی نہ کی۔ وہ جانتا تھا کہ اناطولیہ کے قلعے فتح کرنا مشکل اور دیر طلب کام ہے۔ چنانچہ اس نے طے کیا کہ ایک ہی فیصلہ کن جنگ لڑی جائے اور وہ بھی اس وقت جب بایزید اپنا تمام لشکر لے کر کھلے میدان میں نکل آئے۔

چنانچہ سیواس پر قبضے کے بعد تیمور نے مزید قلعوں کا محاصرہ کرنے میں وقت نہیں لگایا بلکہ ممالیک کو دبانے کے لیے یکدم شام کی طرف روانہ ہو گیا اور بایزید سے جنگ مزید دو سال کے لیے ٹل گئی۔

تیمور پہلے ممالیک کو زیر کرنا اس لیے ضروری سمجھ رہا تھا کہ مملوکوں نے اس کے سفیر کو قتل کیا تھا جو اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ مملوک سلطان فرج بن برقوق، وقت پڑنے پر بایزید کی مدد کو آ سکتا ہے اور دونوں کی مشترکہ فوج کشی اسے دو اطراف سے گھیر کر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ④ آخر ربیع الاول ۸۰۳ھ میں تیموری لشکر شام میں داخل ہو گیا۔ پہلے شام کا شمالی صوبہ حلب اور پھر دمشق اس کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنے۔ ⑤

① فی اصول التاریخ العثمانی: ص ۵۶، ۵۷ ② تاریخ فرشتہ: ۱ ص ۳۳۸ تا ۳۴۱ و منم تیمور جہانگشا: ص ۲۸۹، ط اصفہان
③ تاریخ عثمانی از اوزون: ۱ ص ۳۴۲، ۳۴۳؛ عجائب المقدور: ص ۱۷۱ تا ۱۷۳
④ تاریخ عثمانی از اوزون: ۱ ص ۳۴۶ تا ۳۴۹ و تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ ص ۱۰۹
⑤ انباء الغمر بابناء العمر: ۲ ص ۱۳۷ تا ۱۳۹

تیمور شام سے لوٹے ہوئے اموال کے بے پناہ ذخائر سمرقند روانہ کرکے بغداد پہنچا اور عین عیدالاضحیٰ کے دن شہر میں گھس کر وہاں قتلِ عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ بغداد کی تقریباً تمام عمارات کو گرا کر ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ ①

تیمور کا دھمکی آمیز مراسلہ اور مطالبات:

اس کے بعد تیمور نے بایزید کو اطاعت کی دعوت دیتے ہوئے ایک دھمکی آمیز مراسلہ بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

''خبردار! ہماری نافرمانی سے بچتے رہنا، ورنہ تم ہمارے قہر کی زد میں آجاؤ گے، تم ہمارے مخالفین کے انجام کے بارے میں سن ہی چکے ہو۔ پس قیل وقال اور جنگ و جدال چھوڑ دو۔'' ②

بایزید تیمور کا مطالبہ سن کر غصے سے کانپ اٹھا۔ اس نے تیمور کو جواب دیتے ہوئے اس کا مطالبہ ماننے سے یکسر انکار کر دیا اور مراسلے کے آخر میں یہاں تک لکھ ڈالا: ''اگر میں مقابلے میں فرار ہوا تو میری بیویوں کو تین طلاق۔''

تیمور نے بایزید کا جواب پڑھ کر اس کی تیز مزاجی کا اندازہ لگا لیا اور اس کے بعد اس کی اسی کمزوری کو ابھارتا رہا۔ ③

اس سے قبل تیمور اپنے جاسوسوں کو اناطولیہ میں داخل کر چکا تھا تاکہ تمام خبریں پل پل ملتی رہیں۔ اس کے علاوہ اس نے خفیہ نمائندے بھیج کر اناطولیہ میں مقیم مغل قبائل کے سرداروں کو ایک قوم اور ایک نسل ہونے کا حوالہ دے کر اپنی حمایت پر آمادہ کر لیا تھا۔ اس کے گماشتوں نے بایزید کے افسران کو یہ تاثر دیا کہ تیمور سخی اور فیاض ہے اور اس کا لشکر خوشحال۔ بایزید بخیل ہے اور فوج تنگ دست۔ اس طرح بایزید کے کئی افسران کی وفاداریاں خرید لی گئیں۔ ④

دونوں افواج کی پیش قدمی:

اب جنگ ناگزیر تھی۔ بایزید کی افواج اناطولیہ کے وسطی شہر انقرہ میں جمع ہونے لگیں جس کی وسعت کے باعث وہاں ایک بڑی فوج کو ٹھہرانے کی گنجائش تھی اور گرد و نواح کی چٹیل سطح مرتفع پر دو بڑی فوجوں کے لڑنے کے لیے بہت بڑا میدان تھا۔ اگر بایزید وہیں ٹھہر کر تیمور کا انتظار کرتا اور اپنے دفاعی انتظامات مکمل کر کے رکھتا تو اس کے لیے بہتر تھا مگر اس نے بھاری مال و متاع کو انقرہ میں چھوڑ کر اناطولیہ کے مشرق کی طرف کوچ کر دیا جہاں تیمور ''سیواس'' اور ''توقات'' کے درمیان خیمہ زن تھا۔ تیمور کو اطلاع ملی کہ بایزید کا لشکر چند دنوں کی مسافت پر ہے تو وہ یکدم میدان خالی چھوڑ کر ایک لمبا چکر کاٹ کر انقرہ کی طرف نکل گیا۔ بایزید سیواس پہنچا تو معلوم ہوا کہ دشمن میدان چھوڑ کر انقرہ کی سمت رواں دواں ہے۔ بایزید انقرہ کو خطرے کی زد میں دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور بلا تاخیر اسی طرف لپکا۔ اُدھر تیمور انقرہ پہنچ کر پوری شدت سے فصیل پر حملے شروع کر چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بایزید کو یہاں پہنچنے میں کئی دن لگ جائیں گے مگر بایزید ایک غیر معروف راستہ اختیار کر کے ناقابلِ یقین سرعت کے ساتھ یکایک انقرہ کی شمال مشرقی سمت سے نمودار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر لشکرِ تیموری میں ہل چل مچ گئی۔ تیمور نے فوراً فوج کو شہر سے دور ہٹا لیا۔ بایزید کے افسران نے

① انباء الغمر بابناء العمر: ۲ ص ۲۰۸　② عجائب المقدور: ص ۲۵۰، ۲۵۱

③ اخبار الدول: ۳ ص ۱۸، تاریخ الدولة العثمانیه از سید محمد: ص ۱۴۸　④ انباء الغمر: ۲ ص ۲۲۸

مشورہ دیا کہ دشمن پر فوراً شب خون مارا جائے مگر بایزید نے ایک باوقار بادشاہ کی طرح حریف کو تیاری کا موقع دیا۔
یوں اسے دشمن کے سر پر یکدم پہنچ کر جو نفسیاتی برتری ملی تھی، وہ ختم ہوگئی اور تیمور کو تیاری کے لیے کھلا وقت مل گیا۔
بایزید کی فوج غیر معروف دشوار گزار پہاڑی راستے پر تیزی سے سفر کے باعث بری طرح تھک چکی تھی اور پیاسی بھی تھی
کیوں کہ اس راستے میں پانی کی کمی تھی۔ اُدھر تیمور کی فوج تازہ دم تھی اور پانی کے ذخائر بھی اس کے قبضے میں تھے۔ ①

انقرہ کی جنگ:

۱۵ ذوالحجہ ۸۰۴ھ (۲۸ جولائی ۱۴۰۲ء) کو دونوں لشکروں میں تصادم ہوا۔ بایزید کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس
ہزار تھی۔ اودھر تیمور لنگ تین لاکھ سپاہی لے کر آیا۔ پہلے دن کی لڑائی میں بایزید نے عجیب وغریب رتھ استعمال کیے جن
کے ساتھ بڑی بڑی درانتیاں لگی ہوتی تھیں جو پنکھے کی طرح گھومتی اور سامنے آنے والوں کو کاٹ دیتی تھیں۔ اس دن کی
لڑائی میں تیمور کی حکمتِ عملی دفاعی تھی۔ اس کی توجہ ان رتھوں سے بچنے اور انہیں ناکارہ بنانے پر مرکوز رہی۔
دوسرے دن شدید بارش کے باعث جنگ رُکی رہی۔ تیسرے دن موسم خوشگوار ہوگیا مگر بایزید نے حملہ نہ کیا کیوں
کہ وہ مزید رتھوں کا انتظار کر رہا تھا جو کارخانوں سے تیار ہو کر بہت جلد پہنچنے والے تھے۔ بایزید نے اس دن تیمور کو
پیش کش کی کہ وہ واپس چلا جائے تو اسے محفوظ راستہ دے دیا جائے گا۔ اُدھر تیمور رتھوں کو تباہ کرنے کے لیے بارود تیار
کرا رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے بات چیت کا سلسلہ دراز کر کے مزید دو دن گزار دیے تاکہ مطلوبہ بارود تیار ہو جائے۔
۱۹ ذوالحجہ ۸۰۴ھ (یکم اگست ۱۴۰۲ء) کو تیمور دوبارہ میدان میں نکلا۔ سورج طلوع ہوتے ہی جنگ کے نقارے پر
چوٹ پڑی اور عالم اسلام کے دو عظیم ترین لشکر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ یہ مشرق ومغرب کے عظیم ترین بادشاہوں کے
مابین جنگ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے دو پہاڑ آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ اب بایزید کے رتھ کام نہ آسکے کیوں کہ تیمور کے آتش
زنوں نے بھاری مقدار میں بارود کی بارش کر کے انہیں جلا ڈالا۔ صبح سے دوپہر تک جنگ پوری شدت کے ساتھ جاری
رہی۔ بایزید اپنے چنی چنی دستوں کے ساتھ تیموری قلب کے جارحانہ حملوں کو بری طرح ناکام بناتا رہا مگر آخر

① تاریخ عثمانی: ۱/ص ۳۵۱ تا ۳۵۳؛ عجائب المقدور: ص ۳۵۶ تا ۳۶۹؛ منم تیمور جہانگشا: ص ۳۸۱ تا ۳۸۳
نوٹ: بعض مؤرخین نے بلاتحقیق لکھ دیا ہے کہ بایزید جنگ سے ایک دن پہلے اپنی بے نیازی کا مظاہرہ کرنے کی خاطر فوج کو شکار پر لے گیا جہاں پانی
بہت کم تھا، چنانچہ پیاس کے باعث پانچ ہزار عثمانی سپاہی مر گئے اور جو باقی بچے، ان کی حالت غیر ہوگئی۔ شکار سے واپسی پر بایزید نے دیکھا کہ تیمور اس
کی لشکر گاہ پر قابض ہے اور جس چشمے سے عثمانی فوج پانی لے سکتی تھی، تیمور نے اس کا رُخ پھیر دیا ہے۔ چنانچہ بایزید کو تھکی ماندی اور پیاسی فوج لے کر
تیمور سے لڑنا پڑا۔ ڈاکٹر عزیر نے تاریخ دولتِ عثمانیہ اور اکبر شاہ نجیب آبادی نے اپنی ''تاریخ اسلام'' میں یہی نقل کیا ہے۔ مگر یہ روایت درست نہیں۔
عثمانی تاریخ کے مستند مآخذ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بایزید عجلت پسند ضرور تھا مگر وہ ایسا نادان بھی نہ تھا کہ حالت جنگ میں خیمہ گاہ اور پانی کے ذرائع کو
دشمن کے لیے چھوڑ کر شکار کے لیے نکل جاتا۔ بظاہر یہ روایت مستشرقین سے لی گئی ہے اور غالباً وضعی ہے۔ عرب اور ترک مؤرخین کے بیانات سے فقط یہ
ثابت ہوتا ہے کہ عثمانی لشکر تھکا ماندہ اور پیاسا تھا کیوں کہ بایزید نے بے آب وگیاہ بیابان راستہ اختیار کیا تھا اور بہت تیزی سے سفر کیا تھا جبکہ ادھر انقرہ
میں تیمور پانی کے وسائل پر قابض ہوگیا تھا۔ پس اس حال میں کہ عثمانی لشکر پہلے ہی تھکا ماندہ اور پیاسا تھا اور سامنے دشمن تیار کھڑا تھا، یہ نہایت بعید ہے کہ
بایزید اپنے سپاہیوں کی حالت کو یکسر نظرانداز کر کے انہیں شکار کی فضول بھاگ دوڑ میں تھکا کر مزید بے حال کرتا۔

میں اس کے تاتاری دستے جو تیمور کے ساتھ ساز باز کر چکے تھے، اپنی ہی فوج کی پشت پر تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگے اور کئی تاتاری دستے دیکھتے ہی دیکھتے تیمور کی فوج سے آملے۔ بایزید مسلسل لڑتا رہا اور ینی چری اس کے دائیں بائیں اپنی جانیں نثار کرتے رہے۔ اس دوران تیموری افواج کا قلب کمان کی شکل میں عثمانی قلب کے اردگرد پھیل کر بایزید کو اس کے دائیں اور بائیں بازو سے الگ کر چکا تھا۔ بایزید یہ دیکھ کر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مقابلے میں ڈٹ گیا۔ دس ہزار ینی چری سپاہی اس کے گرد ایک آہنی حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ تیمور نے یہ دیکھ کر تیس ہزار سپاہیوں کو اپنی کمان میں لے کر ٹیلے پر دھاوا بول دیا مگر اس حملے میں تیمور خود زخمی ہو کر بے ہوش ہو گیا اور اُسے خیمے میں لے جایا گیا۔

بایزید شام ہونے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ تاریکی میں گھیرا توڑنا آسان ہو مگر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے شہزادے بھی میدان چھوڑ گئے ہیں تو وہ غصے سے بے حال ہو گیا۔ اپنے شہزادوں کو روکنے کے لیے اس نے بلا تامل گھوڑے کو ایڑ لگادی اور حریف کا گھیرا چیر کر مفرور شہزادوں کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ اُدھر مغل شہ سوار بایزید کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ بایزید شاید اپنی تیز رفتاری کے باعث کسی کے ہاتھ نہ آتا مگر کمند اندازوں نے پھندے پھینک کر اسے جکڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس دوران بایزید کے گھوڑے کو ٹھوکر لگ گئی۔ بایزید نیچے گرتے ہی دوسرے گھوڑے پر سوار ہونے لگا مگر اسی دوران وہ مغلوں کی کمندوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ مغل سپاہی اسے گرفتار کر کے اپنے پڑاؤ میں لے گئے جہاں زخمی تیمور کو ہوش آ چکا تھا۔ اسے فتح کی خوشی میں اپنے زخموں کی پروا نہ رہی۔

الغرض قسمت کا لکھا ہو کر رہا اور یہ مہیب کش مکش بایزید کی گرفتاری جیسے حسرت ناک انجام پر اختتام پذیر ہوئی۔ جنگ میں تیمور کے چالیس ہزار سپاہی مارے گئے تھے۔ لشکر کا ایسا نقصان اس نے زندگی بھر نہیں دیکھا تھا۔[1]

بایزید کی شکست کی وجوہ:

ہم بایزید کی شکست کی وجوہ سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس شکست کی اہم وجوہ یہ تھیں:

❶ بایزید تیمور کے مظالم دیکھ کر نہایت مشتعل ہو گیا تھا۔ اس کیفیت نے اسے جلد بازی پر مجبور کیا۔

❷ یورپ میں مسلسل فتوحات کی وجہ سے وہ غیر معمولی خود اعتمادی میں مبتلا تھا۔ لہٰذا اس نے طویل منصوبہ بندی کے بغیر جنگ شروع کر دی چنانچہ اسے فیصلہ کن معرکہ بہترین نقشۂ جنگ کے بغیر اضطراری حالت میں لڑنا پڑا۔

❸ بایزید کا لشکر تھکا ماندہ تھا۔ اس کی تعداد بھی کم تھی۔ تیمور کے پاس بایزید سے دوگنی چوگنی تازہ دم فوج تھی۔

❹ عثمانی لشکر کی اکثریت ہمیشہ نصرانیوں سے نبرد آزما رہی تھی۔ انہیں مسلمانوں سے لڑنے کا کوئی شوق تھا نہ تجربہ۔ اسی لیے ان کی خاصی تعداد مسلمانوں کے خلاف بھرپور جذبے سے نہ لڑ سکی۔

❺ شکست کی فوری وجہ عثمانی لشکر کے ان تاتاری امراء کی غداری تھی جن کی کمان میں فوج کا بہت بڑا حصہ تھا۔

❁❁❁

① تاریخ عثمانی: ۱ ص ۳۵۳ تا ۳۵۸؛ منم تیمور جہانگشا: ص ۳۸۶ تا ۳۹۳؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ ص ۱۱۰

بایزید یلدرم کے جانشین

فتح کے بعد تیمور نے ایشیائے کوچک میں افواج پھیلا کر جگہ جگہ شام اور عراق جیسے تباہ کن مناظر کو دہرایا۔ بایزید نے بنو قرامان، بنو منتشا، بنو آیدین، بنو صاروخان اور بنو حمید سمیت متعدد خاندانوں سے جو علاقے چھینے تھے، تیمور نے انہیں واپس کر کے اپنے باج گزار حکام کی حیثیت دے دی۔ شعبان ۸۰۵ھ میں وہ واپس روانہ ہوا تو بایزید کو اس کی خواتین اور باندیوں سمیت ساتھ لے گیا۔ بایزید کے چھ بیٹے تھے: سلیمان، عیسیٰ، محمد، موسیٰ، مصطفیٰ، قاسم۔ ان میں قاسم بہت چھوٹا تھا۔ باقی پانچوں بایزید کے ساتھ جنگِ انقرہ میں شریک ہوئے تھے۔ شکست کے بعد بڑا بیٹا سلیمان فرار ہو کر سمندر پار چلا گیا اور پایۂ تخت ایڈریانوپل میں پناہ لے لی۔ شہزادہ محمد اپنے قلعے اماسیا میں مورچہ بند ہو چکا تھا۔ مصطفیٰ لاپتا ہو گیا، غالباً وہ لڑائی میں کام آ گیا تھا۔ شہزادہ عیسیٰ بھی بچ کر نکل گیا تھا جبکہ شہزادہ موسیٰ بایزید کے ساتھ ہی قید تھا۔①

جنگِ انقرہ کے اثرات:

معرکۂ انقرہ مسلمانوں کے درمیان تاریخ کی سب سے بڑی لڑائی تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور اس کے زخموں کی ٹیسیں ہمیشہ محسوس ہوتی رہیں گی۔ تیمور نے بایزید کی قوت کو توڑ کر جو جرم کیا وہ قطعاً ناقابلِ معافی اور ناقابلِ تلافی تھا۔ اگر بایزید پر یہ جنگ مسلط نہ کی جاتی تو کوئی بعید نہ تھا کہ نویں صدی ہجری کے وسط تک پورا یورپ اسلام کے زیرِ نگیں ہو جاتا۔ مگر اس کے برعکس اس شکست نے سلطنتِ عثمانیہ سے نصف صدی کے مفتوحہ علاقے چھین لیے۔ قُسطَنطِینِیّہ کی دم توڑتی قیصریت کو مزید پچاس برس مل گئے۔ متحدہ اناطولیہ کے خواب کی تعبیر ۷۰ سال مؤخر ہو گئی۔ بایزید نے صرف تیرہ سال میں ۴لاکھ ۱۴ ہزار مربع کلومیٹر کا رقبہ فتح کر کے مجموعی طور پر سلطنت کو ۹لاکھ ۴۲ ہزار مربع کلومیٹر تک پھیلا دیا تھا۔ ان تمام علاقوں کی بازیابی میں اس کے جانشینوں کو ایک طویل مدت صرف کرنا پڑی۔

بایزید کی وفات:

تیمور کے بیان کے مطابق بایزید کے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا مگر دیگر مؤرخین کے بیانات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ درحقیقت تیمور کا سلوک عجیب وغریب تھا۔ اس نے بایزید پر کوئی جسمانی تشدد نہیں کیا بلکہ اسے کھانے پینے اور رہن سہن کی مناسب سہولیات فراہم کیں مگر وہ ذہنی طور پر اسے اذیت دیتا رہا۔ وہ اسے پاس بلاتا، اپنے سامنے کھانا کھلاتا، کبھی نرمی کی باتیں کرتا، کبھی اس پر ترس کھاتا، کبھی اس کا مذاق اڑاتا اور اس پر قہقہے لگاتا۔ ایک دن اس نے مجلسِ طرب جمائی اور بایزید کو بھی بلایا۔ بایزید نے مجلس میں بیٹھ کر نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اس کی گھر کی عورتیں اور

① ابناء الغمر: ۲۲۶/۲؛ تاریخ عثمانی: ۳۵۸/۱ تا ۳۶۰، ۳۷۰، ۳۷۱؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ۱۰۱/۱؛ اخبار الدول: ۲۰/۳

باندیاں حاضرین کو مشروب پیش کر رہی ہیں۔ اپنی عزت کا جنازہ دیکھ کر بایزید جیتے جی مر گیا۔

ابن عرب شاہ کے بقول تیمور نے بایزید کے ساتھ ایسا سلوک اس انتقامی جذبے کے تحت کیا تھا کہ بایزید نے اپنے مراسلے میں عورتوں کا ذکر کیا تھا اور ان کی طلاق کی قسم کھائی تھی۔ مغلوں کے ہاں مردوں کی گفتگو میں خواتین کا ذکر بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔ ①

بایزید کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ وہ دمے اور خناق میں مبتلا ہو چکا تھا۔ آخر گرفتاری کے سات ماہ بعد ۴ شعبان ۸۰۵ھ (۲۶ فروری ۱۴۰۳ء) کو اس نے قید کی حالت میں ہی جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ تیمور نے بایزید کی لاش اس کے بیٹے موسیٰ کے حوالے کر دی اور اسے اپنی نیابت کی علامت کے طور پر خلعت، شمشیر اور ایک سو گھوڑے دیے اور تاکید کی کہ باپ کی نعش کو شاہی اعزازات کے ساتھ دفن کر دینا۔ نعش کو عملِ مومیائی کے ذریعے محفوظ بنا کر تابوت میں رکھا گیا جسے لے کر موسیٰ امراء کی معیت میں بورصہ روانہ ہوا تا کہ لاش کو وہاں دفن کیا جائے۔ ②

بایزید کے حالات پر ایک نظر:

بایزید نے چودہ سال تین ماہ حکومت کی۔ اس کی ولادت ۷۶۱ھ (۱۳۶۰ء) میں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے اس کی عمر تقریباً ۴۴ سال تھی۔ ③ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درج ذیل توصیف آمیز کلمات لکھے ہیں:

"وہ بہترین حکمرانوں میں سے تھا۔ بارعب تھا۔ علم اور علماء سے محبت کرتا تھا۔ اہلِ قرآن کا اکرام کرتا تھا۔" ④

تیمور کا انجام:

بایزید کی موت کے بعد تیمور زیادہ دن زندہ نہ رہا۔ وہ اپنے پایۂ تخت سمرقند لوٹ گیا۔ بایزید کے خلاف لشکر کشی نے اسے عالمِ اسلام میں بہت بدنام کر دیا تھا۔ نیک نامی حاصل کرنے کے لیے اس نے سمرقند میں ایک نہایت شاندار جامع مسجد تعمیر کرانا شروع کی۔ اس کے بعد زندگی میں پہلی بار کسی غیر مسلم مملکت پر چڑھائی کی تیاریاں کیں اور چین کا رخ کیا۔ مگر اس کے نصیب میں یہ سعادت نہیں تھی۔ دریائے سیحوں کے کنارے اس کے لشکر کو شدید برف باری کا سامنا کرنا پڑا۔ مجبوراً لشکر کشی روک دی گئی۔ کچھ دنوں بعد ۱۷ شعبان ۸۰۷ھ کو تیمور اس مہم کو ادھورا چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ ⑤

❁❁❁

---

① عجائب المقدور: ص ۲۷۸، ۲۷۹

② اخبار الدول: ۳ ص ۲۱؛ نزهة الانظار: ۲ ص ۱۱؛ تاریخ عثمانی: ۱ ص ۳۶۶

③ تاریخ الدولة العلية: ص ۱۳۷

④ انباء الغمر: ۲ ص ۲۲۷

⑤ عجائب المقدور: ص ۳۳۸

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

1. قائی قبیلے نے ارطغرل کی قیادت میں اناطولیہ کو اپنا مسکن کیوں بنایا؟
2. عثمان خان کو کن خوبیوں اور کارناموں کی بناء پر یاد کیا جاتا ہے؟
3. اُورخان کے دور میں عثمانیوں کے یورپ میں داخلے کا واقعہ اپنے الفاظ میں لکھئے؟
4. ینی چری فوج کس نے بنائی اور اس کے مقاصد کیا تھے؟
5. جنگِ مارتیزا کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔
6. مراد خان کی اصلاحات پر روشنی ڈالیے۔
7. سلطان مراد خان اوّل نے جنگِ قصووہ سے قبل کیا دعا کی تھی؟ سلطان کی شہادت کیسے ہوئی؟
8. بایزید یلدرم اور تیمور کے درمیان معرکۂ انگورہ کا خلاصہ بیان کیجئے۔

عملی کام:

- ترکی کے ان شہروں کی تصاویر جمع کریں: (الف) بورصہ (ب) ادرنہ (ج) انقرہ (د) اخلاط
- نقشہ دیکھ کر جنگِ مارتیزا، جنگِ قصووہ اور جنگِ انگورہ کے محلِ وقوع کو سمجھئے۔

کتب برائے مطالعہ:

- تاریخِ خاندانِ عثمانیہ، از مولوی انشاء اللہ خان
- دولتِ عثمانیہ، از ڈاکٹر محمد عزیز
- الدولة العثمانية، عوامل النهوض واسباب السقوط، از دكتور علی محمد الصلابی (یا اس کا اُردو ترجمہ)

(یونٹ:3.6)

انتشار کا زمانہ

۸۰۵ھ تا ۸۱۶ھ (۱۴۰۳ء تا ۱۴۱۳ء)

جنگِ انقرہ میں بایزید یلدرم کی گرفتاری کے بعد بایزید کا قائم کردہ متحدہ اناطولیہ کئی ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔ کچھ حصے تیمور کی سخاوت کی نذر ہو گئے کہ اس نے بہت سے علاقے ان سلجوقی اور ترکمان امراء کو واپس کر دیے جو پہلے اناطولیہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مالک تھے۔ کچھ علاقوں میں تیمور نے نئی ریاستیں قائم کر دیں۔ یوں اس خطے میں متعدد ریاستیں، کئی حکمران اور درجنوں امراء سامنے ابھر آئے۔ اناطولیہ میں عثمانیوں کی اس تباہ حالی کو دیکھ کر ''رومیلی'' میں بھی بعض مقامات پر بغاوت ہو گئی جن میں ہنگری، بلغاریہ، پولینڈ اور البانیہ نمایاں ہیں۔ البتہ یونان، جنیوا اور وینس کے نصرانی حسبِ سابق ان کے وفادار رہے کیوں کہ عثمانیوں کا سلوک غیر مسلم رعایا کے ساتھ بہت بہتر تھا۔ ①

بایزید کے جانشین اس کے چار بیٹے تھے: سلیمان پاشا سب سے بڑا تھا جسے بایزید نے ''رومیلی'' میں اپنا پایۂ تخت ایڈریانوپل سونپا ہوا تھا۔ وہ باپ کی مدد کے لیے جنگِ انقرہ میں شامل ہوا مگر آخر میں فرار ہو کر ایڈریانوپل چلا گیا اور تیمور کا حلقہ بگوش بن گیا۔ دوسرا بیٹا عیسیٰ عثمانیوں کے سابقہ پایۂ تخت بورصہ میں تیمور کا نائب بن گیا۔ تیسرا بیٹا موسیٰ بایزید کے ساتھ قید تھا۔ تیمور کی اجازت سے وہی باپ کی لاش کو بورصہ لے جا کر دفن کرنے کا ذمہ دار بنا۔ چوتھے بیٹے محمد چلپی نے تدبیر اور ہوشیاری کے ساتھ مشرقی اناطولیہ میں اپنی حکومت قائم کر لی اور تیمور سے سندِ حکومت لے لی۔ ②

بھائیوں میں جنگوں کا گیارہ سالہ دور: ۸۰۵ھ تا ۸۱۶ھ (۱۴۰۲ء سے ۱۴۱۳ء)

تیمور عثمانی سلطنت کو جس طرح محدود اور منقسم کر کے گیا تھا، اس کا فطری نتیجہ سلطنت کی بدحالی اور کمزوری تھا۔ اس باقی ماندہ علاقے پر کئی دشمنوں کی نگاہیں تھیں جو عثمانیوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے پر تول رہے تھے۔ پھر سلطنت کی تقسیم نے بایزید کے بیٹوں کو آپس میں آمادۂ پیکار کر دیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ باقی ماندہ پوری سلطنت کا حاکم بن جائے۔ خطرہ تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ ان بھائیوں کی خانہ جنگی کے سبب چند سالوں میں ختم ہو جائے گی۔ مگر محمد چلپی (جسے محمد اوّل کہا جاتا ہے) نے گیارہ سال کی جدوجہد کے بعد عثمانی سلطنت کو دوبارہ متحد کر دیا۔ اس جدوجہد کی داستان بہت طویل ہے۔ خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے اس کے دونوں بھائی: عیسیٰ اور سلیمان اس کے مقابلے میں متحد ہو گئے۔ مگر عیسیٰ کو اس کے مقابلے میں شکست ہوئی اور وہ روپوشی کی حالت میں قتل ہو گیا۔ ③

اب سلطنتِ عثمانیہ کے دو دعوے دار رہ گئے: اناطولیہ میں محمد چلپی تھا اور رُومیلی میں سلیمان پاشا۔

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ص ۱۱۳؛ تاریخ عثمانی: ۱ص ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۷۰؛ تاریخ الدولۃ العلیہ: ص ۱۴۷؛ فی اصول التاریخ العثمانی: ص ۵۹ ② تاریخ عثمانی: ۱ص ۳۶۱ تا ۳۷۵؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ص ۱۱۳، ۱۱۴

③ تاریخ عثمانی: ۱ص ۳۷۵ تا ۳۷۸

سلیمان نے محمد چلپی کی سرکوبی ضروری سمجھی اور لشکر لے کر اناطولیہ پہنچ گیا۔ محمد چلپی کو پسپائی ہوئی اور سلیمان پاشا بورصہ اور انقرہ پر قابض ہو گیا۔ ادھر محمد چلپی نے شہزادہ موسیٰ کو اپنا حلیف بنا لیا اور کچھ فوج دے کر رومیلی پر قبضے کے لیے بھیج دیا۔ سلیمان پاشا کو جونہی یہ اطلاع ملی، وہ اپنے پایۂ تخت ایڈریانوپل کو خطرے میں سمجھ کر تیزی سے سمندر عبور کر کے رومیلی واپس چلا گیا۔ یوں اناطولیہ میں محمد چلپی کا راستہ صاف ہو گیا۔ ①

اُدھر رومیلی میں موسیٰ اور سلیمان کے مابین جنگیں شروع ہو گئیں۔ سلیمان کی بدمزاجی کے سبب اُس کے بہترین افسران اور ینی چری جوان فیصلہ کن جنگ سے قبل اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ یہ دیکھ کر سلیمان قیصر کے پاس پناہ لینے قُسطَنطِینِیَّہ روانہ ہو گیا مگر راستے میں دیہاتیوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ یکم محرم ۸۱۳ھ (۱۸ مئی ۱۴۱۰ء) کا ہے۔

چونکہ وہ بڑا بھائی تھا لہٰذا خود کو تخت کا جائز وارث سمجھتا تھا مگر اس کا سلوک اپنی فوج سے اچھا نہیں تھا۔ اس کی ناکامی کی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ وہ کسی کا مشورہ نہیں مانتا تھا اور ماتحتوں کی تحقیر کا عادی تھا۔ ②

موسیٰ، محمد کا نائب تھا مگر سلیمان پاشا کے قتل کے بعد اُس نے رومیلی میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور محمد چلپی کا مدِ مقابل بن گیا چنانچہ محمد چلپی فوج لے کر رومیلی پہنچا اور دونوں بھائیوں میں ایک طویل کش مکش شروع ہو گئی۔ آخر موسیٰ شکست کھا کر مارا گیا۔ یوں گیارہ سالہ خانہ جنگی اختتام کو پہنچی اور محمد اوّل بلا شرکتِ غیرے حکمران بن گیا۔ ③

محمد چلپی (محمد اوّل)

۸۱۶ھ تا ۸۲۴ھ (۱۴۱۳ء تا ۱۴۲۱ء)

محمد اوّل ۸۱۶ھ (۱۴۱۳ء) میں بورصہ کو مرکز قرار دے کر باقاعدہ تخت نشین ہوا۔ وہ ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے سر پر ایک مردہ سلطنت کو زندہ کرنے کی ذمہ داری تھی۔ یہ کام انتہائی مشکل تھا مگر محمد اوّل نے دور اندیشی اور منصوبہ بندی سے اس کام کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ لازم تھا کہ اس کمزوری کی حالت میں نئے دشمن نہ پیدا کیے جاتے بلکہ سابقہ حریفوں سے بھی باوقار صلح رکھی جاتی۔ چنانچہ اس نے قریبی یورپی ہمسایوں اور سمندر سے ملحقہ ریاستوں سے دوستانہ تعلقات میں کامیابی حاصل کی۔ پہلے وہ سلطنتِ عثمانیہ کی باقیات کو وہ ایک پرچم تلے لایا۔ پھر اناطولیہ کے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس لینے کے لیے کوشاں ہوا۔ ساتھ ہی وہ سلطنت کے استحکام پر بھرپور توجہ دیتا رہا۔ ④

یورپی طاقتوں سے کش مکش:

محمد اوّل سلطنت کی شیرازہ بندی سے فارغ ہو کر یورپ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ جنگ کا خواہاں نہ تھا مگر دشمن کی

---

① تاریخ عثمانی: ۱ ص ۳۷۶ تا ۳۸۰

② تاریخ عثمانی: ۱ ص ۳۸۲ تا ۳۸۵؛ تاریخ الدولة العلية: ص ۱۳۸؛ دولتِ عثمانیہ: ۱ ص ۷۴، ۷۵

③ تاریخ عثمانی: ۱ ص ۳۸۶ تا ۳۹۰؛ تاریخ الدولة العلية: ص ۱۳۸؛ تاریخ الدولة العثمانية: ۱ ص ۱۱۵

④ تاریخ الدولة العلية: ص ۱۳۹

چھیڑ چھاڑ کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس زمانے میں ''جزائر آنڈروس'' پروینس کا ایک شہزادہ پیٹروز تو حاکم تھا۔ اس نے عثمانیوں کے جہازوں پر قبضے کوشش کی جس کے باعث وینس اور دولتِ عثمانیہ کے مابین تعلقات خراب ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں ۸۱۸ھ میں دولتِ عثمانیہ کے تیس جنگی جہاز ''جزائرِ آنڈروس'' پر حملہ آور ہوئے اور وہاں بہت سے جہازوں کو تباہ کر دیا۔ جواب میں وینس کے شہزادے نے بحری بیڑا لے کر گیلی پولی پر حملہ کیا مگر عثمانی اس حملے کو پسپا کرنے میں کامیاب رہے۔ اس کے بعد قیصر کی وساطت سے دونوں میں مذاکرات ہوئے اور صلح ہو گئی۔ ①

اسی طرح ہنگری اور رومانیہ سے کشیدگی پیدا ہوئی تو محمد اوّل نے ۸۱۹ھ (۱۴۱۶ء) میں رُومانیہ کی سرحدوں پر دو مضبوط قلعے: ''تورنو'' اور ''یرکوئی'' تعمیر کرائے۔ پھر شاہِ ہنگری کو مرعوب کرنے کے لیے ٹرانسلوانیا پر ۸۱۹ھ (۱۴۱۶ء)، ۸۲۳ھ (۱۴۲۰ء) اور ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) میں یکے بعد دیگرے تین حملے کرائے۔ ②

محمد اوّل کا سیاسی تدبر:

محمد نے سیاسی تدبر سے کام لیتے ہوئے یورپ میں اپنے اتحادی پیدا کیے۔ البانیہ اور بوسینا کے بعض صوبے جو کہ جنگِ انقرہ کے بعد خود مختار ہو گئے تھے، خدشہ محسوس کر رہے تھے کہ عثمانی کہیں دوبارہ ان پر حملہ نہ کر دیں۔ انہوں نے محمد اوّل کی تخت نشینی پر تہنیتی وفود بھیجے تو محمد اول نے ان کا خیر مقدم کیا اور مخالفین کو امن کا پیام دیا۔ اس نے سربیا کے حاکم کو شروع ہی میں اپنا حلیف بنا لیا۔ وینس کی جمہوری سلطنت نے ایک دو جھڑپوں کے بعد تعلقات کی بحالی کو ترجیح دی اور صلح کا ہاتھ بڑھایا اور محمد نے اس کا مثبت جواب دیا۔ قیصر سے اس کی پہلے ہی دوستی تھی اور اس نے بحیرۂ اسود کے کئی قلعے دے کر اسے مزید مطمئن کر دیا تھا۔ وہ زندگی کے آخری سال قُسطَنطِینِیّہ کے دورے پر بھی گیا جہاں اس کا شاندار خیر مقدم ہوا اور واپسی پر قیصر منویئل ثانی اسے دولتِ عثمانی کی سرحد تک چھوڑنے خود آیا۔ ③

وفات:

قُسطَنطِینِیّہ کے سفر سے واپسی کے بعد محمد اوّل اِسہال کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور کسی طرح افاقہ نہ ہوا۔ آخر یہ عظیم بادشاہ ربیع الآخر ۸۲۴ھ (مارچ ۱۴۲۱ء) میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی عمر ۴۸ سال تھی۔ ④

کارنامے:

محمد اوّل نے سات سال نو ماہ تک حکومت کی۔ اس نے کھوئی ہوئی سلطنت کا خاصا علاقہ دوبارہ حاصل کرنے اور اسے مستحکم بنانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں جب بایزید یلدرم تیمور سے نبرد آزما ہوا تھا تو اس

---

① تاریخ عثمانی: ا ص ۳۹۸ تا ۴۰۰؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ا ص ۱۱۷؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از سید محمد: ص ۱۳۱

② تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ا ص ۱۱۷

③ تاریخ عثمانی: ا ص ۳۹۳ تا ۴۰۰؛ الدولۃ العثمانیہ از صلابی: ص ۷۳؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۴۹؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ا ص ۱۱۹

④ اخبار الدول للقرمانی: ۳ ص ۲۳؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ا ص ۱۱۹

وقت دولتِ عثمانیہ کا رقبہ نو لاکھ بیالیس ہزار مربع کلومیٹر تھا۔ بیس برس بعد ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) میں جب محمد اوّل کی وفات ہوئی تو یہ رقبہ آٹھ لاکھ ستر ہزار مربع کلومیٹر تھا۔ یعنی صرف ۷۲ ہزار مربع کلومیٹر کا فرق تھا۔ اسی سے محمد اوّل کو سلطنتِ عثمانیہ کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے۔ اپنے آباء و اجداد کی بہ نسبت محمد اوّل کی یورپ سے جنگیں بہت معمولی ہوئی تھیں مگر ان جنگوں کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مشرقی یورپ کی ریاستوں نے عثمانیوں کو کمزور سمجھنا چھوڑ دیا اور سلطنتِ عثمانیہ پر فوری فوج کشی کا خیال ان کے دلوں سے نکل گیا۔ ①

❁❁❁

سلطان مراد ثانی

۸۲۴ھ تا ۸۵۵ھ (۱۴۲۱ء تا ۱۴۵۱ء)

سلطان مراد ثانی، سلطان محمد اوّل کا بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا۔ اس کا دورِ حکومت یورپی طاقتوں سے اپنی مملکت کے دفاع اور بغاوتوں پر قابو پانے میں گزرا۔

بغاوتیں اور ترکمان ریاستوں پر قبضہ:

اس کی تخت نشینی کے آغاز میں اس کے چچا مصطفی بن بایزید نے قیصر منویل ثانی کی مدد سے رومیلی میں بغاوت کی جو ناکام رہی اور اسے گرفتار کر کے پھانسی دے دی گئی۔ ۸۲۴ھ (۱۴۲۲ء) میں مراد ثانی کے بھائی مصطفی بن محمد نے اناطولیہ میں بغاوت کی جسے قیصر اور اناطولیہ کے بعض ترکمان سرداروں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ کوشش بھی ناکام ہوئی اور مصطفی کو قتل کر دیا گیا۔

اس فتنے کو فرو کر کے سلطان مراد نے اناطولیہ کی ان ریاستوں پر چڑھائی کر دی جو مصطفی بن محمد کی مددگار تھیں۔ ۸۳۱ھ (۱۴۲۸ء) تک سلطان مراد نے جنگِ انقرہ کے بعد آزاد ہونے والی اکثر ریاستوں کو از سرِ نو فتح کر لیا۔ ②

یورپ سے کش مکش:

مراد ثانی نے قُسطَنطِینیّہ فتح کرنے کی بھی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی۔ ۸۲۹ھ (۱۴۲۵ء) میں قیصر منویل فوت ہو گیا اور اس کے جانشین قیصر جان پلیولوگس دوئم نے مراد ثانی کو خراج دینا منظور کر لیا۔

اب مراد ثانی یورپ میں اپنی عمل داری کو وسعت دینے لگا۔ ۸۳۴ھ (۱۴۳۰ء) میں اس نے وینس کے بحری بیڑے کو شکست دے کر سالونیکا، جزیرہ زانتی اور جنوبی یونان کا خاصا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اُدھر قیصر یورپی حکام کو عثمانیوں کے خلاف بھڑکانے لگا۔ اس کی دعوت پر سربیا، پولینڈ، جرمنی، البانیہ، بوسنیا اور ولاچیا کے حکمران سلطنتِ عثمانیہ

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۴۹؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱/ص ۱۱۹ ② تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵

کے خلاف متحد ہوگئے۔ ان کے اشارے پر سلطنتِ عثمانیہ کے نو مفتوحہ یورپی شہروں میں بغاوتیں شروع ہوگئیں۔

سلطان مراد ثانی نے مخالفین کو سزا دینے کے لیے بلغاریہ میں پیش قدمی کی اور بلغراد کا محاصرہ کرلیا مگر اُدھر اناطولیہ میں قرامانیوں نے بغاوت کردی اور سلطان مراد کو مہم چھوڑ کر وہاں جانا پڑا۔ سلطان مراد نے اناطولیہ پہنچ کر قرامانیوں کی بغاوت کو کچل دیا۔ یہ ۸۴۷ھ (۱۴۴۲ء) کا واقعہ ہے۔ ①

ہونیاڈے سے معرکے۔ معاہدۂ صلح:

انہی دنوں مغربی یورپ سے ایک تجربہ کار، مکار اور سفاک سپہ سالار ہونیاڈے جانس (Hunyadi Janos) عثمانی ترکوں سے لڑنے ہنگری پہنچا۔ اس نے کئی محاذوں پر عثمانی افواج کو شکستیں دیں۔ اس کی فتوحات نے یورپی طاقتوں میں ایک زبردست جوش وخروش پیدا کردیا جسے دیکھتے ہوئے روم کے پوپ جان چہارم نے صلیبی جنگ کا اعلان کرکے مراد ثانی کے خلاف جنگ میں شرکت کو مذہبی فریضہ بنادیا۔ ہنگری، ولاچیا، بوسنیا، فرانس، جرمنی، وینس اور جنیوا اس جنگ میں شامل ہوگئے اور ہونیاڈے کو اس متحدہ لشکر کا قائد چن لیا گیا۔ ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں نیش کے مقام پر لڑی گئی ایک بڑی جنگ میں ترکوں کو شکست ہوئی اور صلیبی لشکر عثمانیوں کے پایۂ تخت ایڈریانوپل کے قریب آن پہنچا۔ سلطان مراد نے محاذ پر پہنچ کر اپنی فوج کے حوصلے پست دیکھے تو صلح جوئی بہتر سمجھی۔ آخر ''زیجیڈین'' کے مقام پر ۱۲ جولائی ۱۴۴۴ء (ربیع الاول ۸۴۸ھ) کو باہمی معاہدہ ہوا جس کے مطابق دس سال کے لیے جنگ بندی ہوگئی، سربیا آزاد قرار پایا اور ولاچیا ہنگری کو دے دیا گیا۔ گرفتار شدہ ترک اُمراء اور سپاہی رہا کردیے گئے۔ ②

جنگ وارنا:

یورپ سے حالیہ شکست نے سلطان مراد کو سخت متاثر کیا تھا، البتہ معاہدۂ صلح کے باعث اسے اطمینان تھا کہ اب دس سال امن سے گزریں گے۔ اُس نے اپنے چودہ سالہ بیٹے محمد خان کو تخت پر بٹھادیا اور خود عبادت میں منہمک ہوگیا۔ شہزادہ محمد خان کی کم عمری اور ناتجربہ کاری دیکھ کر قرامانیوں نے اناطولیہ میں بغاوت کردی۔ یہ دیکھ کر یورپی طاقتوں نے بھی معاہدہ صلح توڑ دیا اور ان کے لشکر ترکوں کے قلعے فتح کرتے ہوئے ''وارنا'' تک آپہنچے۔ سلطان مراد نے حالات کی نزاکت دیکھی تو دوبارہ شاہی اختیارات سنبھال لیے اور خود فوج کی کمان کرتے ہوئے محاذ پر پہنچ گیا۔ یکم شعبان ۸۴۸ھ (۲۴ نومبر ۱۴۴۴ء) کو جنگ شروع ہوئی۔ دن بھر نہایت قہر انگیز لڑائی ہوتی رہی۔ عصر کے وقت سلطان ینی چری دستوں کو جوش دلا کر دشمن کے قلب میں گھس گیا۔ اس حملے میں شاہِ ہنگری قتل ہوگیا جس کے بعد حریف افواج پسپائی پر مجبور ہوگئیں۔ یوں یورپی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے اور ترکوں کا رعب ایک بار پھر قائم ہوگیا۔ ③

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ص ۱۲۲ تا ۱۲۵

② تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ص ۱۲۲ تا ۱۲۳؛ تاریخ عثمانی از اوزون: ۱ص ۳۷۱ تا ۳۸۲

③ اخبار الدول: ۳ص ۲۶؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۲ص ۱۲۶، ۱۲۷؛ تاریخ عثمانی: ۱ص ۳۹۰ تا ۳۹۳

سلطان مراد کی گوشہ نشینی...... سہ بارہ حکومت:

سلطان مراد نے اس فتح کے بعد مطمئن ہو کر ایک بار پھر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور شہزادہ محمد خان کو تخت پر بٹھادیا۔ کچھ عرصے تک حالات معمول پر رہے مگر شہزادہ محمد خان اب بھی حکومت چلانے میں ناکام رہا۔ آخر امرائے سلطنت نے سلطان مراد سے دوبارہ زمامِ حکومت سنبھالنے کی درخواست کی۔ چنانچہ سلطان بادلِ نخواستہ دوبارہ تخت پر آ بیٹھا۔ ①

جنگِ موریا، جنگِ قصووہ دوئم:

جنوبی یونان میں واقع ریاست ''موریا'' پر قیصر کے دو بھائی حکومت کرتے تھے۔ انہوں نے عثمانی سلطنت میں گھس کر کچھ علاقے پر قبضہ کرلیا تھا۔ آخر سلطان مراد نے جوابی کارروائی کی۔ جنگ میں عثمانی افواج نے پہلی بار توپ خانہ استعمال کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست موریا، عثمانیوں کی باج گزار بن گئی۔

اُدھر وارنا میں شکست کے بعد ہونیاڈے کئی سال تک ایک نئی جنگ کی تیاریاں کرتا رہا۔ آخر اس نے ہنگری، جرمنی، پولینڈ، سربیا اور بوسنیا سے ایک لاکھ سپاہی جمع کرلیے اور ''قصووہ'' پہنچ گیا۔ ۱۷ اکتوبر ۱۴۴۸ء کو ''قصووہ'' کے اسی تاریخی میدان میں جنگ ہوئی جہاں سلطان مراد اوّل نے یورپی اتحاد کو شکستِ فاش دی تھی۔ تین دن اور تین راتوں تک جاری رہنے والی اس جنگ میں انجام کار اتحادی بری طرح شکست کھا کر بھاگے۔ اس شکست کے بعد سربیا کی آزادی ختم ہوگئی اور اسے ترک سلطنت میں ضم کرلیا گیا جبکہ بوسنیا ترکوں کا باج گزار بن گیا۔ ②

البانوی شہزادے سکندر بیگ کی بغاوت:

مرادثانی کی حکومت کے ابتدائی سالوں میں البانیہ کے حاکم جان کسٹرائیٹ کے ایک بیٹے جارج کسٹرائٹ نے سلطان مراد کے ہاں تربیت حاصل کی تھی اور مسلمان ہوگیا تھا۔ سلطان نے اسے سکندر بیگ کا خطاب دے کر ایک علاقے کا حاکم بنادیا۔ ۸۳۶ھ میں جان کسٹرائیٹ کی وفات ہوئی تو سلطان نے البانیہ کو سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کرلیا۔ سکندر بیگ سے یہ برداشت نہ ہوا۔ اُس نے البانیہ جا کر بغاوت کردی اور مرتد ہو کر البانیہ میں ترکوں کا قتلِ عام کرنے لگا۔ سلطان مراد نے اس فتنے کے خاتمے کی بہت کوشش کی مگر آخر تک وہ البانیہ پر تسلط حاصل نہ کرسکا۔ ③

سلطان مرادثانی کی وفات:

سلطان مرادثانی ۲۹ سال دس ماہ کا طویل دورِ اقتدار گزار کر ۵ محرم ۸۵۵ھ (۹ فروری ۱۴۵۱ء) کو دنیا سے رخصت ہوگیا۔ عمر چھیالیس سال تھی۔ اس کی تدفین بورصہ میں ہوئی۔ یہ آخری عثمانی بادشاہ تھا جو اس شہر میں پیوندِ خاک ہوا۔ ④

سلطان مرادثانی ایک سادہ مزاج، درویش صفت اور مجاہد حکمران تھا۔ حافظِ قرآن تھا، ۱۸ سال کی عمر سے تہجد کا عادی تھا۔ نفلی روزے بکثرت رکھتا تھا۔ اس کا زیادہ وقت محل کی آسائشوں کے بجائے مساجد، مدارس یا خانقاہوں میں گزرتا

---

① اخبار الدول: ۳/ص ۳۶ ② تاریخ الدولة العثمانیة: ج ۱ ص ۱۲۷، ۱۲۸

③ تاریخ الدولة العلیة: ص ۱۵۸، ۱۵۹ ④ تاریخ الدولة العلیة: ص ۱۵۹، تاریخ الدولة العثمانیة لزیلماز: ۱/ص ۱۲۹

تھا۔اس کا عدل وانصاف شک وشبے سے بالا تھا۔ ①

❁❁❁

محمد خان (محمد ثانی)...فاتح قُسطَنطِینِیَّہ

۸۵۵ھ تا ۸۸۶ھ (۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء)

سلطان مراد ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد خان تخت نشین ہوا جس کی عمر اس وقت صرف ۲۲ سال تھی۔وہ قُسطَنطِینِیَّہ کی فتح کے ناقابلِ فراموش کارنامے کی وجہ سے ''سلطان محمد خان فاتح'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ②

وہ حدیث، تاریخ اور جغرافیے کا ماہر تھا۔ اپنی مادری زبان ترکی کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، یونانی اور لاطینی زبانیں بھی جانتا تھا۔شعروادب میں اس کا پایہ اتنا بلند تھا کہ ترک شاعری میں اپنا ایک دیوان چھوڑ گیا۔

اپنے والد کی عزلت نشینی کے باعث اس کی زندگی میں وہ دو بار تختِ شاہی پر بیٹھا تھا، اگرچہ اس وقت وہ پندرہ سولہ سال کا تھا اور ایک حکمران کی حیثیت سے کوئی خاص کارکردگی نہ دکھا سکا مگر اس کے بعد اسے سیاسی وعسکری تربیت کے مزید پانچ چھ سال ملے۔چنانچہ تخت نشینی سے پہلے وہ حکمرانی کے تمام اوصاف سے بہرہ ور ہو چکا تھا۔ ③

قیصر سے کش مکش کا آغاز:

سلطان محمد خان ثانی کی تخت نشینی کی خبر قُسطَنطِینِیَّہ پہنچی جہاں ۸۵۲ھ سے قیصر قُسطَنطِین دوازدہم (Constantine 12th) تخت نشین تھا۔اس کے ہاں ''اُورخان'' نامی ایک باغی ترک شہزادہ قید تھا جس کی دیکھ بھال کا خرچہ عثمانی حکومت بھیجتی تھی۔قیصر نے سلطان محمد خان ثانی کی کم عمری دیکھتے ہوئے اسے ایک بزدل حکمران سمجھنے کی غلطی کی اور فوری طور پر اسے پیغام بھیجا کہ وہ 'اُورخان' کی دیکھ بھال کی مد میں بھیجی جانے والی رقم میں اضافہ کردے، ورنہ اسے آزاد کر دیا جائے گا اور وہ عثمانی سلطنت کی وراثت کا دعویٰ کر کے تخت پر قابض ہو جائے گا۔

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۵۵ تا ۱۵۹؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۵۰ تا ۵۲؛ اخبار الدول: ۳/ص ۲۷؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱/ص ۱۳۰

② نصرۃ اھل الایمان بدولۃ آل عثمان: ص ۴۳، ۴۷

③ فاتح القسطنطینیۃ السلطان محمد الفاتح للصلابی: ص ۸۳، ۸۴؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱/ص ۱۴۳ تا ۱۴۵؛ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر عزیر: ۱/ص ۹۵

سلطان محمد خان ثانی پر بھائیوں کے قتل کا الزام:

سلطان محمد خان ثانی پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے شیر خوار بھائی کو قتل کرادیا تھا اور مزید یہ کہ اُس نے سیاسی مصلحت کی خاطر اپنے بھائیوں کو قتل کرانا قانون کے طور پر شاہی اختیارات میں شامل کر دیا تھا۔یہ کہانیاں مغربی مؤرخین کی اختراع ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمد فاتح کے چار بھائی تھے جو سب اپنے والد مراد ثانی کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔راقم نے تاریخ اُمتِ مسلمہ میں اس پر بقدرِ ضرورت بحث کی ہے۔اسے دیکھ لیا جائے۔مزید تفصیل کے لیے دکتور سالم رشیدی کی محققانہ کتاب ''محمد الفاتح'' ملاحظہ کیجیے۔

سلطان نے اس مطالبے کو کوئی وقعت نہ دی۔ قیصر نے دوبارہ سفیر بھیج کر اس پر اصرار کیا۔ جواب میں سلطان نے 'اُورخان' کا خرچہ بالکل بند کر دیا اور قیصر کے سفیروں کو دربار سے نکال دیا۔ اس کے بعد اس نے قیصر کے مطالبے کو ایک ناروا حرکت قرار دیتے ہوئی قُسطَنطِینِیَّه پر فیصلہ کن حملے کی تیاری شروع کر دی۔ [1]

قیصر کی عسکری تیاریاں اور بیرونی امداد:

قیصر نے جب دیکھا کہ اب محمد خان ثانی قُسطَنطِینِیَّه کو فتح کیے بغیر نہیں رہے گا تو اس نے قُسطَنطِینِیَّه کے باشندوں کو جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی، جوش دلایا کہ وہ شہر کی مدافعت کے لیے پوری طرح تیار رہیں۔ ان سے جنگی اخراجات کے لیے خطیر رقم وصول کی گئی۔ ساتھ ہی قیصر نے روم میں اپنے سفیر بھیج کر کیتھولک مذہب قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور مذہبی حمیت کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ اسے مسلمانوں کے حملے سے بچانے کے لیے صلیبی جنگ کا اعلان کیا جائے۔ اس التجا کے جواب میں پوپ نکلسن پنجم نے یورپی ممالک کو ترکوں کے خلاف مہم جوئی کا حکم دے دیا۔ اسپین، وینس اور جنیوا کی فوجیں اس حکم کے مطابق قُسطَنطِینِیَّه پہنچ گئیں۔ [2]

قُسطَنطِینِیَّه خشکی کی سمت سے مضبوط فصیلوں میں گھرا ہوا تھا جبکہ سمندری سمتیں بھی محفوظ تھیں، بحیرۂ مرمرہ میں رومی بحری بیڑہ تعینات تھا جبکہ گولڈن ہارن میں رومیوں کے بحری جہاز بھی تھے اور اس کے علاوہ بندرگاہ سے دور آبنائے باسفورس کے دہانے پر لوہے کی ایک بھاری زنجیر تان دی گئی تھی جس کی وجہ سے کسی حریف کی کشتی یا جہاز کا بندرگاہ کے قریب پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ ہاں جب اہلِ شہر کسی کشتی یا جہاز کو بندرگاہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتے تو ایک چرخی گھما کر اس زنجیر کو سمندر کی گہرائی میں اتار دیتے، یوں راستہ کھل جاتا تھا۔ [3]

سلطان کی پیش قدمی......قیصری پایۂ تخت پر دھاوا:

سلطان محمد خان ثانی ۸ ربیع الاول ۸۵۷ھ (۲۳ مارچ ۱۴۵۳ء) کو پچاس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ایڈریانوپل سے قُسطَنطِینِیَّه کی طرف روانہ ہوا اور ۲۱ ربیع الاول (۵ اپریل ۱۴۵۳ء) کو قیصری پایۂ تخت کی مغربی سمت میں نمودار ہوا۔ اسلامی لشکر نے پوری تیاری کے ساتھ اس ناقابلِ تسخیر فصیل پر حملے شروع کر دیے۔ اِدھر قُسطَنطِینِیَّه کی فوج پورے جوش و خروش سے مقابلہ کرتی رہی۔ قیصر قسطنطین خود مزاحمتی کارروائیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ شہر کی دیواروں سے سنگ باری اور تیر اندازی کے علاوہ منجنیق اور توپ خانے کے ذریعے مسلمانوں پر جوابی حملے جاری رہے۔ سلطان کے ساتھ بھی ایک توپ خانہ حرکت کر رہا تھا جس میں دو توپیں تھیں جن میں سے زیادہ بڑی کے ایک [illegible] نے [illegible] دی تھیں۔ اس دوران ترک بحری بیڑہ جو [illegible] ہزار سپاہیوں اور تین سو کے لگ بھگ چھوٹے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جہازوں پر مشتمل تھی، سمندر کی سمت سے قُسطنطینیہ کی بندرگاہ گولڈن ہارن کے دہانے پر لنگرانداز تھی۔ تاہم لوہے کی زنجیر اور اس کے پار رومی بحری بیڑے نے انہیں مزید آگے نہ بڑھنے دیا۔ سلطان محمد خان ثانی بحریہ کی ناکامی کا یہ منظر دیکھ کر بے چین ہوگیا اور کسی نئے منصوبے پر غور کرنے لگا۔ گولڈن ہارن کی بندرگاہ، فولادی زنجیر کی وجہ سے مسلمانوں کے بیڑے کی پہنچ سے بالکل محفوظ تھی۔ حریف کے کئی بحری جہاز زنجیر کے پاس پہرہ دے رہے تھے، تاہم گولڈن ہارن کے کنارے شہر کی فصیل زیادہ اونچی نہیں تھی، کیوں کہ اس خلیج کا دہانہ عبور کرکے شہر تک رسائی بظاہر ناممکن تھی۔ سلطان نے سوچا اگر اس آبی پٹی میں بحری بیڑہ پہنچادیا جائے تو فتح آسان ہوجائے گی۔ مگر فولادی زنجیر اور رومی جہازوں کی موجودگی میں یہ کس طرح ممکن تھا؟

آخر سلطان نے فیصلہ کیا کہ آبنائے باسفورس پر تعینات اپنا بحری بیڑہ خشکی پر چڑھادیا جائے اور بحری ناکہ بندی کا علاقہ خشکی کا چکر کاٹ کر عبور کرلیا جائے۔ اس کے بعد رومی بحریہ کی پشت پر آکر شہر کی بندرگاہ پر حملہ کردیا جائے۔

سلطان کے حکم پر آبنائے باسفورس کے کنارے سے شاخِ زریں تک خشکی کے دس میل طویل قطعے پر لکڑی کے مضبوط تختے بچھادیے گئے اور انہیں چربی اور تیل کے ذریعے چکنا کرلیا گیا۔ ۱۴ جمادی الاولیٰ کی شب ہزاروں سپاہیوں نے ۸۰ چھوٹے جہازوں کو ان تختوں پر چڑھاکر دھکیلنا شروع کردیا۔ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ترکوں نے اپنے جہاز گولڈن ہارن میں اتار لیے اور ترک فوج شہر کی بندرگاہ اور فصیل تک پہنچ گئی۔ صبح جب اہلِ شہر نے یہ منظر دیکھا تو وہ ششدر رہ گئے۔ اسی دن (۲۴ مئی کو) قیصر نے سلطان کو پیغام بھیجا کہ اگر ایک باج گزار حاکم کے طور پر قُسطنطینیہ اسی کے پاس رہنے دیا جائے تو وہ منہ مانگا خراج ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ مگر سلطان محمد خان نے جواباً کہلوایا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دے تو اسے جنوبی یونان دیا جاسکتا ہے۔ قیصر نے اس پیش کش کو ٹھکرادیا اور مقابلے پر بضد رہا۔

آخر ۲۰ جمادی الاولیٰ (۲۹ مئی ۱۴۵۳ء) کو آخری حملہ ہوا اور گھمسان کی جنگ کے بعد عثمانی سپاہی شہر کی فصیل پر قابض ہوگئے اور اللہ کی مدد و نصرت سے بازنطینی پایہ تخت فتح ہوگیا۔ سلطان نے شہر میں داخل ہوکر چرچ ''آیا صوفیہ'' میں اذان دی اور باجماعت نماز ادا کی۔ اس چرچ کو مسجد کی حیثیت دے دی گئی۔ قیصر لڑتا ہوا، شہر کے دروازے سینٹ ارمانوس کے قریب مارا گیا تھا۔ اس کا سر کاٹ کر سلطان کو پیش کردیا گیا تھا۔ ①

اس کے ساتھ ہی بازنطینی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور دوبارہ کوئی قیصر دھرتی پر نمودار نہیں ہوا۔ یوں نبی اکرم ﷺ کی وہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوگئی کہ:

''إِذَا هَلَکَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ.'' (جب قیصر مارا جائے گا تو پھر کوئی اور قیصر نہیں ہوگا۔) ②

---

① اخبار الدول: ج۳ ص ۲۸، ۲۹؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۶۳، ۱۶۴؛ تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱ ص ۱۳۱ تا ۱۳۹؛ نزھۃ الانظار: ۲ ص ۲۶

② صحیح البخاری، ح: ۳۱۲۰، کتاب الجہاد

قُسطَنطِینِیّہ کی جنگ میں چالیس ہزار نصرانی قتل اور ساٹھ ہزار گرفتار ہوئے تھے۔ سلطان نے قیدیوں سے بہت اچھا سلوک کیا اور انہیں آزاد کر کے ایک الگ محلے میں آباد کر دیا۔ سلطان نے اعلان کیا کہ نصرانیوں کے مذہبی معاملات اور پادریوں کے مذہبی اختیارات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ اس نے اس وعدے پر پوری طرح عمل کیا۔ نصرانیوں کو مذہبی آزادی دی، ان کے گرجوں کو امان دی اور انہیں اپنا بطریق (بڑا پادری) چننے کا اختیار دیا۔ کلیسا کے بڑے عہدوں کے لیے ایک مجلس تشکیل دی گئی۔ ①

قُسطَنطِینِیّہ کی فتح نے سلطنتِ عثمانیہ کو ایک عالمگیر طاقت کا مقام دلا کر پورے یورپ میں تھل چل مچا دی۔ بازنطینیوں کی ۱۱۲۳ سالہ سلطنت کا سقوط عالمی تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے:

"استنبول کی فتح دنیا کی تاریخ کے عظیم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ یورپ کے مستقبل پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ اس واقعے نے دنیا کی تاریخ کو یکسر بدل ڈالا۔ قرونِ وسطیٰ کا خاتمہ ہوا اور قرونِ جدیدہ کا ورق کھل گیا۔" ②

❀❀❀

جنگِ بلغراد اور مزید فتوحات

قُسطَنطِینِیّہ کے ہاتھ سے نکل جانے اور بازنطینی بادشاہت کے خاتمے سے پورے یورپ میں کھلبلی مچ گئی۔ اٹلی، فرانس، جرمنی، برگنڈی، وینس، جنیوا، روڈس، پولینڈ اور سربیا کی افواج سلطان کے مقابلے کے لیے بلغراد میں جمع ہو گئیں جن کی مجموعی تعداد تین لاکھ تھی۔ ہونیاڈے کو اتحادی افواج کا کمانڈر مقرر کر دیا اور پوپ نے اپنے خصوصی مندوب جان انجلو کو اس کی معاونت کے لیے بھیج دیا۔

اُدھر سے سلطان شعبان ۸۶۰ھ (جولائی ۱۴۵۶ء) میں ڈیڑھ لاکھ کے لشکر کے ساتھ بلغراد کے سامنے پہنچ گیا۔ کئی دنوں تک محصورانہ جنگ جاری رہی۔ آخر سلطان نے خود فیصلہ کن حملہ کیا اور اپنے دستے سمیت شہر کی فصیل پر چڑھ گیا۔ یہاں اُسے گہرا زخم لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ان حالات میں اسلامی فوج کو مجبوراً واپسی اختیار کرنا پڑی اور بلغراد فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ پورے یورپ میں نصرانیوں نے اپنی اس فتح پر جشن منایا۔ ہونیاڈے "قومی ہیرو" بن گیا تاہم لڑائی میں اُسے بھی شدید زخم لگا تھا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور گیارہ اگست ۱۴۵۶ء کو فوت ہو گیا۔

ادھر سلطان محمد فاتح کو اللہ نے صحت یاب کر دیا اور اس نے کہا: "بلغراد جلد یا بدیر سرنگوں ضرور ہوگا۔" ③

---

① تاریخ سلاطین بنی عثمان: ۵۳، ۵۴ بتاریخ الدولۃ العثمانیہ: ۱/ص ۱۳۹ تا ۱۴۱

② تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱/ص ۱۴۳... بازنطینی سلطنت نومبر ۳۳۰ء سے مئی ۱۴۵۳ء تک قائم رہی۔

③ محمد الفاتح از ڈاکٹر سالم رشیدی: ص ۱۵۹ تا ۱۶۳؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۵۴؛ اخبار الدول: ۳/ص ۳۲؛ و تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۶۹، ۱۷۰؛ بتاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ۱/ص ۱۵۲

ڈریکولا، شاہ رومانیا:

رومانیا (افلاق) کا بادشاہ نہایت ظالم انسان تھا جس کی سنگ دلی اور خون آشامی کے باعث اہلِ یورپ اسے ''ڈریکولا'' کہہ کر یاد کرتے تھے۔ اسے مظلوموں کی آہ و بکا اور سسکیاں سننے ہی میں لطف آتا تھا۔ وہ تشدد کے عجیب وغریب طریقے ایجاد کرتا تھا اور اس مقصد کے لیے طرح طرح کے اوزار اور آلات بنواتا تھا۔ یہ لرزہ خیز سلوک ایسے لوگوں کے ساتھ تھا جو بے قصور تھے اور اس کی اپنی رعایا تھے۔ جبکہ اغیار پر وہ اس سے بڑھ کر مظالم ڈھاتا تھا۔ چنانچہ آئے دن ترک تاجر اس کے مظالم کا نشانہ بنتے رہتے تھے۔

حد یہ تھی کہ اس نے سلطان کے دو سفیروں کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں کھمبوں پر ٹانگ دیا اور پھر عثمانی علاقے میں گھس کر ۲۵ ہزار افراد کو قیدی بنالیا۔ جب سلطان کی طرف سے تنبیہ کے لیے دوسرا وفد بھیجا گیا تو ڈریکولا نے اس کے تمام افراد کے سروں میں میخیں ٹھوک کر انہیں قتل کرادیا۔ آخر سلطان نے پچاس ہزار کا لشکر تیار کر کے بری اور بحری دونوں اطراف سے رومانیہ پر چڑھائی کر دی۔ ڈریکولا کھلے میدان میں مقابلہ ناممکن دیکھ کر چھاپہ مار حملے کرتا رہا، آخر اسلامی فوج رومانیا کے مختلف شہروں کو فتح کرتے ہوئے پایۂ تخت ''بخارست'' (Bucharest) تک پہنچ گئی اور ڈریکولا ملک سے فرار ہوگیا۔ اس مہم سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد ۸۶۶ھ (۱۴۶۲ء) میں سلطان نے ڈریکولا کے چھوٹے بھائی راڈول کو (جو ڈریکولا کا سخت مخالف تھا) رومانیا کا باج گزار حاکم بنادیا۔ ۸۸۴ھ میں ڈریکولا اپنے ہی ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا۔ یوں ظلم کی ایک بھیانک داستان اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچی۔ ①

سربیا، جنوبی یونان، بوسینا اور البانیہ کی فتح:

سربیا وہ علاقہ تھا جسے عثمانیوں نے کئی بار فتح کیا تھا مگر ہر بار یہاں بغاوتیں ہوئیں اور یہ علاقہ بار بار ہاتھ سے نکلتا رہا۔ سلطان محمد فاتح کے دور میں سربیا پر دوبارہ حملوں کا آغاز ہوا۔ ۸۶۳ھ سے ۸۶۵ھ (۱۴۵۸ء تا ۱۴۶۱ء) تک جاری مہم کے نتیجے میں پورا سربیا فتح ہوگیا۔ اس دوران سلطان کی افواج نے ۸۶۳ھ (۱۴۵۸ء) میں جنوبی یونان کے صوبے موریا کو بھی از سرِ نو فتح کیا۔ ۸۶۵ھ (۱۴۶۰ء) میں ''ایتھنز'' بھی فتح ہوگیا۔ یوں وینس اور چند شہروں کے سوا سارا یونان زیرِ نگین ہوگیا۔

۸۶۷ھ (۱۴۶۲ء) میں ولاچیا (افلاق)، ۸۶۸ھ (۱۴۶۳ء) میں بوسنیا اور ۸۶۹ھ (۱۴۶۴ء) میں جزائر بحیرۂ ایجیئن بھی سرنگوں ہوگئے۔ سلطان مراد ثانی البانیہ میں جارج (سابق سکندر بیگ) کی بغاوت فرو نہیں کر سکا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے البانیہ پر بھی فوج کشی کی اور طویل مہمات کے بعد ۸۷۲ھ (۱۴۶۷ء) میں پورا البانیہ زیرِ نگیں آگیا۔ جارج بھاگ کر وینس میں پناہ گزیں ہوا اور کچھ دنوں بعد وہیں فوت ہوگیا۔ ②

---

① تاریخ عثمانی: ۲ ص ۷۶ تا ۷۸، محمد الفاتح لدکتور رشیدی: ص ۲۰۳ تا ۲۰۷

② تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۱۳۸ تا ۱۵۵

اوزون حسن کی سازش۔ وینس کی فتوحات:

جمہوریہ وینس (جسے عرب تواریخ میں البندقیہ کہا جاتا ہے) عثمانی سلاطین کے خلاف سازشوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے حکام نے ایران کے حکمران اوزون حسن کو اسلحہ اور گولہ بارود بھیج کر سلطنتِ عثمانیہ پر حملے کے لیے آمادہ کرلیا۔ طے ہوا کہ ایک طرف سے اوزون حسن حملہ کرکے ایشیائے کوچک کے عثمانی مقبوضات چھین لے گا اور دوسری طرف سے یورپی ممالک یلغار کرکے ترکوں کو یورپ سے نکال دیں گے مگر عثمانیوں کو اس سازش کا بروقت علم ہوگیا اور سلطان محمد فاتح نے وینس پر فوج کشی کرکے ۸۷۵ھ (۱۴۷۰ء) میں اس کا اہم جزیرہ ''اگریپوز'' فتح کرلیا۔

اسی مہم میں مشرقی یونان کے شہر: ''تھسلی'' اور ''اپیکا'' بھی فتح کرلیے گئے اور عثمانی افواج ایک طرف سے مشرقی اٹلی میں اور دوسری طرف ہنگری میں داخل ہوگئیں۔ یہ جنگیں تقریباً نوسال تک جاری رہیں۔ ۸۸۲ھ میں سلطان کا سپہ سالار عمر پاشا وینس کے پایہ تخت تک پہنچ گیا۔ آخر اہلِ وینس کی پارلیمان نے عثمانیوں سے مذاکرات شروع کیے۔ شوال ۸۸۴ھ (۱۴۷۹ء) میں سخت شرائط پر وینس سے صلح قبول کی گئی جس کے نتیجے میں اہلِ وینس نے بھاری جنگی تاوان اور سالانہ جزیے کی ادائیگی قبول کی۔

اس زمانے میں بحیرۂ روم کے مشہور جزیرے روڈس کے قزاق مسلمانوں کے بحری جہازوں اور ساحلی بستیوں پر حملے کرتے تھے۔ سلطان نے انہیں سزا دینے کے لیے یہاں تین بار فوج کشی کی مگر ہر کوشش ناکام رہی۔①

طرابزون کی فتح:

آرمینیا اور اناطولیہ کے مابین بحیرۂ اسود کے کنارے واقع آزاد بازنطینی ریاست طرابزون جو ۱۲۰۴ء میں قائم ہوئی تھی، ابھی تک عثمانیوں کی فتوحات کے دائرے سے باہر تھی۔ سلطان مراد ثانی نے اس پر ایک حملہ کیا تھا جو کامیاب نہ ہوسکا تھا تاہم سلطان محمد فاتح کے دور میں ۸۶۶ھ میں یہ ریاست بھی فتح کرلی گئی۔②

بحیرۂ اسود اور کریمیا کی مہمات:

اس زمانے میں مشرقی یورپ تک پھیلی ہوئی اہم مغل ریاست ''زرّیں خیل'' زوال کا شکار ہوکر بکھر چکی تھی، اس کی شکست وریخت سے جن ریاستوں نے جنم لیا، ان میں ریاستِ کریمیا بہت اہم تھی جو شمالی قفقاز اور روس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ساحل پر کئی قلعے تھے جہاں اہلِ جنیوا نے نوآبادیات بنائی تھیں۔ کریمیا کا مسلمان مغل حاکم جو خانِ کریمیا کہلاتا تھا، اہلِ جنیوا کے تسلط سے بہت تنگ تھا۔ اہلِ جنیوا نے اس کی بندرگاہوں پر تسلط کے ذریعے بحیرۂ اسود کی ساری تجارت اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور درآمد، برآمد پر ٹیکس وصول کرکے وہ بھاری نفع حاصل کررہے تھے۔ ایسے حالات میں خانِ کریمیا کی درخواست پر سلطان محمد فاتح نے فوج بھیج کر ۸۸۰ھ (مئی ۱۴۷۵ء) میں اہلِ جنیوا

① تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ج ۱ ص ۱۶۲ تا ۱۶۳ | تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۷۱ تا ۱۷۳

② تاریخ عثمانی: ۲ ص ۵۱ تا ۵۲

کو نکال باہر کیا اور کریمیا کی ریاست کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ ①

اٹلی پر حملہ

قُسطَنطِینِیَہ کی فتح کے بعد سلطان محمد فاتح نصرانیت کے دوسرے مرکز اٹلی کے شہر روم پر قبضہ کر کے اپنے پردادا بایزید یلدرم کا عزم پورا کرنا چاہتا تھا جس نے کہا تھا کہ روم میں سینٹ پیٹر کی قربان گاہ پر جا کر اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاؤں گا۔ سلطان محمد فاتح نے جمادی الاولیٰ ۸۸۵ھ (جولائی ۱۴۸۰ء) میں اٹلی کے لیے بحری لشکر روانہ کیا۔ پہلا حملہ اٹلی کے ساحلی شہر "اوٹرانٹو" پر ہوا جو گیارہ اگست ۱۴۸۰ء کو فتح کر لیا گیا۔ پاپائے روم سکٹس چہارم یہ خبر سن کر روما سے رخصتی کی تیاری کر رہا تھا جبکہ سلطان محمد فاتح نے اس فتح کی اطلاع سن کر آبنائے باسفورس پر عثمانی علم نصب کرا دیے تھے جو اس بات کی علامت تھے کہ سلطان خود اپنے خاص لشکر کے ساتھ محاذ پر روانہ ہونے والا ہے۔ ②

سلطان محمد خان فاتح کی وفات:

مگر اس سے پہلے کہ روم کی فتح کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا، سلطان محمد فاتح اچانک شدید پیچش میں مبتلا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۳ ربیع الاول ۸۸۶ھ (۳ مئی ۱۴۸۱ء) کو انتقال کر گیا۔ بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ کارستانی سلطان کے طبیب "لاکوبو" کی تھی۔ وینس کا یہ طبیب بظاہر مسلمان ہو چکا تھا اور یعقوب پاشا کے نام سے موسوم تھا۔ اس نے سلطان کی دوا میں ایسا زہر ملا دیا تھا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا تھا۔ یورپ میں اس پر جشن منایا گیا۔ پوپ کے حکم سے تین دن تک شکرانے کی عبادات ادا کی گئیں۔ ③

سلطان محمد فاتح کی فتوحات کا ایک جائزہ:

سلطان محمد فاتح کی عمر ۵۲ سال تھی۔ اس نے ۳۱ سال حکومت کی۔ اس کا پورا دورِ اقتدار جنگوں میں گزرا جن میں آٹھ لاکھ کے لگ بھگ سپاہی شہید ہوئے تاہم جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ ثابت کرتی ہیں کہ خونِ شہیداں ضائع نہیں گیا۔ اس دور میں بارہ ریاستیں اور دو سو سے زائد شہر فتح ہوئے۔

سلطان کی تخت نشینی کے وقت سلطنتِ عثمانیہ کا رقبہ ۹ لاکھ ۶۴ ہزار مربع کلومیٹر تھا۔ ایشیا میں ۴ لاکھ ۸۰ ہزار اور یورپ میں ۴ لاکھ ۸۴ ہزار مربع کلومیٹر۔ جب سلطان کی وفات ہوئی تو یہ رقبہ بڑھ کر ۲.۲ لاکھ ۱۴ ہزار مربع کلومیٹر ہو چکا تھا۔ ۵ لاکھ ۱۱ ہزار مربع کلومیٹر ایشیا میں اور ۷ لاکھ ۳ ہزار مربع کلومیٹر یورپ میں۔ اس سے سلطان کی فتوحات کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ④

علم دوستی اور رفاہی کارنامے:

سلطان جنگی مہمات میں اس قدر مصروفیت کے باوجود حیرت انگیز طور پر تعمیراتی اور رفاہی کاموں میں اپنے آباء و

① تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۷۲ ② تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ج ۱ ص ۱۷۳ تا ۱۷۶
③ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ج ۱ ص ۱۷۷ تا ۱۷۹، تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۷۲ ④ اطلس فتوحات الاسلامیہ: ۳ ص ۳۶۲

اجداد سے کم نہیں تھا۔ اس نے تمام شہروں اور دیہاتوں میں تعلیم گاہیں قائم کیں جن میں وہ تمام دینی وعصری مضامین پڑھائے جاتے تھے جن کی دنیا میں ضرورت پڑتی ہو۔ ان کا نصاب بھی سلطان نے طے کیا تھا اور ان کے لیے خزانے سے بھاری رقم مختص تھی۔ ان تعلیم گاہوں میں باقاعدہ امتحانات ہوتے تھے۔ کامیاب طلبہ میں اسناد تقسیم ہوتیں۔ انہی اسناد کی بنیاد پر قابلیت کے مطابق سرکاری ملازمتیں ملتی تھیں۔ ①

سلطان کی علم دوستی کا یہ حال تھا کہ اسے جس بھی راسخ عالم کا پتا چلتا، کوشش کر کے اسے اپنے ہاں مدعو کرتا اور ہر ممکن سہولت مہیا کرتا۔ غیر معمولی مقام کے حامل علماء سے خود استفادہ کرتا اور طالب علم بن کر ان سے کتابیں پڑھتا۔ دیگر شہروں اور ممالک کے علماءِ علم کی قدردانی کا یہ حال سن کر جوق در جوق استنبول کا رخ کرتے تھے۔ یوں یہ شہر علوم وفنون کے ماہرین سے آباد ہوتا جاتا تھا۔

سلطان نے پہلی بار اپنی عظیم الشان ریاست کے نظم وضبط کے لیے مفصل قانون سازی کی اور یوں صدیوں تک اس سلطنت کو نہایت مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ یہ ایک مفصل اور منضبط آئین تھا جسے ''قانون نامہ'' کہا جاتا تھا۔

قانون نامے کے مطابق قانون سازی کا اصل مأخذ قرآن مجید تھا، اس کے بعد احادیثِ صحیحہ کا درجہ تھا۔ پھر ائمہ اربعہ کی فقہ کی پیروی تھی۔ ان کے بعد سلطان کے حکم کی حیثیت تھی۔ اگر سلطان کا حکم شریعت کے خلاف ہوتو علماء کو اختیار تھا کہ اس کا خلافِ شرع ہونا ثابت کر کے اسے منسوخ کرا دیں۔ سلطنت کے سیاسی، عدالتی وعسکری قوانین طے کیے جانے سے قبل علماء اور مفتیانِ کرام کے سامنے تصدیق کے لیے پیش کیے جاتے تھے۔

قانون نامے میں سلطنت کو ایک خیمے سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس خیمے کے دروازے کو ''بابِ عالی'' کا نام دیا گیا جس سے مراد ''ایوانِ شاہی'' ہے۔ قانون نامے میں کہا گیا تھا کہ سلطنت کا خیمہ چار ستونوں پر قائم ہے۔

① وزرائے سلطنت (کابینہ) ② قاضی (عدلیہ)

③ دفتر دار (مالیات) ④ نشانچی (سرکاری دستاویزات تیار کرنے کا شعبہ)

وزیرِ اعظم کو صدرِ اعظم کہا جاتا تھا۔ سلطنت کی مُہر اسی کے پاس ہوتی تھی۔ حکومت کے تمام معاملات اور مسائل حل کرنے کی مجلسِ مشاورت دیوان کہلاتی تھی۔ اس کا صدرِ مجلس خود سلطان ہوتا تھا مگر سلطان کی غیر موجودگی یا مصروفیت کے وقت صدرِ اعظم اس کی صدارت کرتا تھا۔ صدرِ اعظم کو وزراء کی مجلس طلب کرنے اور الگ دربار منعقد کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ سرکاری مشینری کا سارا دار ومدار صدرِ اعظم کی قابلیت اور کارکردگی پر ہوتا تھا۔ ②

❁❁❁

① نزهة الانظار: ج ۲ ص ۱۸، ۱۹

② نصرة اهل الایمان بدولة آل عثمان: ص ۷۶ تا ۷۹؛ الاسلام والدستور از شیخ توفیق بن عبدالعزیز السدیری: ص ۱۶۰؛ تاریخ الدولة

سلطان بایزید ثانی

۸۸۶ھ تا ۹۱۸ھ (۱۴۸۱ء تا ۱۵۱۲ء)

سلطان محمد فاتح کے دو بیٹے تھے: بڑا بیٹا بایزید امن پسند، نرم مزاج اور عبادت گزار تھا۔ چھوٹا لڑکا جمشید جو ۲۲ برس کا تھا، جنگجو اور دلیر تھا۔ بعض ارکانِ سلطنت کا خیال تھا کہ جمشید کو بادشاہ بنایا جائے مگر بایزید کے حامی امراء غالب آئے اور ۲۲ ربیع الاوّل ۸۸۶ھ (۲۳ مئی ۱۴۸۱ء) کو بایزید تخت نشین ہو گیا۔ ①

شہزادہ جمشید کی بغاوت:

شہزادہ جمشید سلطان محمد فاتح کی وفات کے وقت کریمیا کا حاکم تھا۔ اس نے مطالبہ کر دیا کہ سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایشیائی مقبوضات اسے دے دیے جائیں۔ مگر بایزید نے اس مطالبے کو مسترد کر دیا۔ مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور آخر کار ۸۸۶ھ (۲ جون ۱۴۸۱ء) کو دونوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں جمشید کو ناکام ہو کر بھاگنا پڑا۔ مسلمانوں میں اس خانہ جنگی کی وجہ سے اٹلی فتح ہوتے ہوتے رہ گیا اور پوپ کی پکار پر اسپین، فرانس اور آسٹریا نے مل کر عثمانی افواج کو ''اوٹرانٹو'' میں گھیر کر ختم کر دیا۔ ②

سلطان محمد فاتح کا بیٹا، یورپی طاقتوں کا یرغمال:

شہزادہ جمشید تاج و تخت کے حصول میں ناکامی کے بعد اپنے اہل و عیال اور والدہ کے ساتھ مصر چلا گیا اور کچھ عرصے بعد اس نے از سرِ نو تیاری کر کے ۸۸۷ھ (جون ۱۴۸۲ء) میں ایک بار پھر بایزید ثانی کے خلاف فوج کشی کی مگر اسے دوبارہ شکست ہوئی اور وہ جان بچا کر جزیرہ روڈس پہنچ گیا جہاں ایک نصرانی حاکم ڈابسن کی حکومت تھی۔ اس نے بظاہر شہزادے کی آؤ بھگت کی مگر پھر اسے یرغمال بنا کر بایزید ثانی کو مراسلہ بھیجا کہ اہلِ روڈس کے لیے سلطنتِ عثمانیہ کی تمام بندرگاہیں کھول دی جائیں اور ان سے کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائے، نیز روڈس کو سالانہ ۴۵ ہزار ڈاکٹ (طلائی سکے) ادا کیے جائیں۔ بصورتِ دیگر جمشید کو آزاد کر کے سلطنتِ عثمانیہ میں بغاوت برپا کر دی جائے گی۔ بایزید نے بغاوت سے بچنے کے لیے حاکمِ روڈس کی ہر شرط منظور کر لی۔ دوسری طرف ڈابسن نے جمشید کی والدہ کو جو مصر میں مقیم تھی، مراسلہ بھیج کر اس سے بھی سالانہ ڈیڑھ لاکھ ڈاکٹ کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں جمشید کو بایزید کے حوالے کر دیا جائے گا جہاں اسے سزائے موت ہو سکتی ہے۔ جمشید کی والدہ نے مجبوراً یہ شرط منظور کر لی۔

کچھ مدت بعد حاکمِ روڈس کو خطرہ محسوس ہوا کہ عثمانی فوجیں کسی بھی وقت جمشید کو بازیاب کرانے کے لیے جزیرے

① تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۱۸۵، تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۷۹۔ ۱۸۰
② تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۱۹۵، تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۸۰

پر حملہ آور ہو سکتی ہیں، لہٰذا جمشید کو پہلے اٹلی کے شہر وینس اور پھر فرانس کے شہر روسلیون بھیج دیا گیا اور یکے بعد دیگرے اسے مختلف قلعوں میں رکھا جانے لگا اور اس کے ساتھیوں کی تعداد کم کی جانے لگی یہاں تک کہ آخر میں وہ تنہا رہ گیا۔

جمشید کی حیثیت شاہانِ یورپ کے نزدیک سونے کے انڈے دینے والی مرغی جیسی تھی چنانچہ سب نے اسے اپنی تحویل میں لینے کی کوششیں شروع کر دیں۔ آخر جمشید کو اٹلی میں پوپ شینوس کے پاس بھیج دیا گیا۔ جمشید نے پوپ سے درخواست کی کہ اسے گھر واپس جانے دیا جائے۔ پوپ نے جواب میں اسے عیسائی مذہب قبول کرنے کی ترغیب دی اور وعدہ کیا کہ یورپ اس کے ساتھ کھڑا ہو کر اسے عثمانی سلطنت کا تخت دلوا دے گا۔ جمشید نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

تین سال بعد پوپ شینوس کا انتقال ہو گیا اور نئے پوپ الیگزنڈر نے بایزید کو پیغام بھیجا کہ اگر تین لاکھ ڈاکٹ یک مشت بھیجے جائیں تو جمشید کا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے گا۔ بایزید نے یہ رقم بھیج دی مگر اس سے پہلے کہ پوپ جمشید کو قتل کراتا، ۹۰۱ھ میں فرانس کے بادشاہ چارلس ہشتم نے اٹلی پر حملہ کر کے جمشید کو پوپ سے چھین لیا۔ چوں کہ پوپ جمشید کے سر کی قیمت وصول کر چکا تھا، لہٰذا اُس نے جمشید کے قتل کے لیے ایک جاسوس کو فرانس بھیجا جس نے حجام کے روپ میں نیپلز کے قلعے تک رسائی حاصل کر لی اور زہر آلود اُسترے سے جمشید کی حجامت بنائی۔ چنانچہ جمشید شدید بیمار ہو گیا۔ آخری لمحات میں اس کے پاس اس کی والدہ کا خط پہنچا مگر وہ اتنا نحیف تھا کہ خط نہ پڑھ سکا اور دعا کی:

''الٰہی! اگر یہ کفار میرے ذریعے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو مجھے آج ہی اٹھا لے۔''

کچھ دیر بعد جمشید کی روح پرواز کر گئی۔ اس کی لاش بایزید کے پاس بھیج دی گئی جسے بورصہ میں دفن کیا گیا۔

شہزادہ جمشید کے اس واقعے سے یورپی طاقتوں کا حرصِ مال و زر سے لتھڑا ہوا گھناؤنا چہرہ اور مسلمانوں سے ان کے مکر و فریب کا حال خوب واضح ہو جاتا ہے۔ یہ واقعہ مسلمانوں کی نااتفاقی کے بُرے انجام کی بھی واضح مثال ہے۔ [1]

بایزید ثانی کی فتوحات:

جمشید کی جلاوطنی کے دوران بایزید ثانی نے فتوحات کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ روم کی فتح کا خواب پورا نہ ہو سکا مگر دیگر محاذوں پر فوجیں آگے بڑھتی رہیں۔ بایزید نے بحری فوج کو خاص طور پر طاقتور بنایا کیوں کہ اسے دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اہلِ یورپ شہزادہ جمشید کو لے کر کسی وقت بھی سمندری راستوں سے حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

بایزید ۸۸۸ھ (۱۴۸۳ء) میں ہنگری کے مقابلے میں فتح یاب ہوا۔ اگلے سال عثمانی افواج بغدان (مالڈیویا) کی طرف بڑھیں۔ یہ علاقہ موجودہ رومانیہ اور یوکرائن کے درمیان ہے۔ عثمانی افواج نے اس خطے کے کئی شہر فتح کیے جن میں قلعہ کیلی بہت اہم تھا جو ۲۰ جمادی الآخرہ ۸۸۹ھ (۱۵ جولائی ۱۴۸۴ء) کو فتح ہوا۔

دریائے دینسٹر کے دھانے کے بائیں کنارے پر واقع قلعہ ''اکرمان'' (آق کرمان) جو جنیوا کے ساتھ لگتا ہے، اس لیے اہم تھا کہ اس سے کریمیا کی طرف راستہ نکلتا تھا۔ رجب ۸۸۹ھ (جولائی ۱۴۸۴ء) میں یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا اور

[1] تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ج ۱ ص ۱۸۶، ۱۸۸ | بتاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۸۱، ۱۸۲ | بتاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۵۶، ۵۷

اس طرح ترک کریمیا کی طرف جانے والی تمام شاہراہوں اور بحیرۂ اسود کے ساحلوں پر قابض ہوگئے۔

ہنگری اور پولینڈ سے بھی جھڑپیں ہوئیں۔ آخر میں پولینڈ سے صلح ہوگئی اور معاہدے کے مطابق پولینڈ کے بعض سرحدی قلعے ترکوں کو مل گئے۔ ہنگری سے سرحدی لڑائیاں ایک مدت تک جاری رہیں، پھر صلح ہوگئی۔

۹۰۲ھ سے ۹۰۹ھ (۱۴۹۶ء تا ۱۵۰۳ء) کے درمیان وینس پر متعدد حملے ہوئے۔ ان جنگوں میں ۹۰۵ھ کا معرکہ بہت اہم ہے جس میں ترک بحریہ نے وینس کی بحریہ کو شکستِ فاش دے کر متعدد جزائر فتح کیے۔

۹۰۶ھ کی بحری جنگ بھی یادگار تھی جس میں وینس، اٹلی، فرانس اور اسپین کے مشترکہ بیڑے سے پالا پڑا۔ ترکوں کے امیر البحر کمال نے ایسی مہارت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ یورپ کی طاقت سمندر میں غرق ہوگئی۔

انہی ایام میں اندلس پر نصرانیوں کا مکمل قبضہ ہوا جس کے بعد شاہِ قسطالیہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا نے وہاں کے مسلمانوں کو جبراً نصرانی بنانے کی مہم شروع کی۔ لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور ان گنت مسلمان اندلس سے نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔ امیر البحر کمال نے اس دوران بحری بیڑوں کے ذریعے اندلس کے ساحلوں پر چھاپے مارے اور بہت سے مسلمانوں کو بحفاظت نصرانیوں کے چنگل سے نکال کر شمالی افریقہ کے ساحلوں تک پہنچایا۔ ①

بایزید کی دست برداری اور سلیم اوّل کی جانشینی:

بایزید ثانی کے آخری سالوں میں اس کے تین بیٹوں میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ تینوں نہ صرف ایک دوسرے کے علاقوں پر چڑھائی کرنے لگے بلکہ باپ کے منظورِ نظر مجھلے شہزادے احمد نے خود استنبول کا محاصرہ کر لیا تا کہ باپ کو معزول کر کے خود تخت پر بیٹھ جائے۔ بایزید بیٹے کے مقابل آنے سے کترا رہا تھا۔ اس کی قوتِ فیصلہ معطل دیکھ کر امرائے فوج نے سلیم کو تخت پر بٹھا دینے کا فیصلہ کر لیا اور دربار میں جمع ہو کر مطالبہ کیا کہ سلطان خود دست بردار ہو کر اقتدار سلیم کے حوالے کر دے۔ بایزید نے یہ مطالبہ منظور کر لیا اور ۲۶ محرم ۹۱۸ھ (۲۵ اپریل ۱۵۱۲ء) کو حکومت چھوڑ کر عزلت نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ تاہم وہ زیادہ دن نہ جی سکا اور یکم ربیع الاوّل (۲۹ مئی) کو دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ②

بایزید کے دور میں رونما ہونے والے ایسے چند اہم واقعات درج ذیل ہیں:

❶ دولتِ اسلامیہ اندلس کے آخری مورچے غرناطہ کا سقوط ہوگیا۔ پورے اندلس پر نصرانی قابض ہوگئے۔

❷ کولمبس نئی دنیا امریکا جا پہنچا اور وہاں یورپی اقوام کی نوآبادیات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

❸ واسکوڈی گاما، ہندوستان کے ساحلوں تک پہنچ گیا اور استعماری طاقتوں کو ایک نئی شکارگاہ نظر آگئی۔

❹ ایران میں شاہ اسماعیل نے شیعہ مملکت ”دولتِ صفویہ“ کی بنیاد ڈالی جو عثمانیوں کی سخت حریف ثابت ہوئی۔

❁❁❁

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۱۸۷ تا ۲۰۰؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۸۳ تا ۱۸۵؛ فی اصول التاریخ العثمانی از احمد عبدالرحیم مصطفیٰ: ص ۷۵، ۷۶، ط دار الشروق قاہرہ؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۷۹، ۱۸۰؛

② تاریخ الدولۃ العثمانیہ از یلماز: ج ۱ ص ۲۰۶ تا ۲۱۱۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ: ص ۱۸۶، ۱۸۷

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ بایزید یلدرم کے بیٹوں کے درمیان خانہ جنگی کا نتیجہ کیا نکلا؟
❷ سلطان محمد چلپی کو عثمانی تاریخ میں کیا خاص اہمیت حاصل ہے؟
❸ ہونیاڈے کے ساتھ سلطان مراد ثانی کی معرکہ آرائیوں کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے۔
❹ اوزون حسن کون تھا اور اس نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف کیا سازش کی تھی؟
❺ ڈریکولا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوا؟
❻ سلطان محمد فاتح کے علمی و رفاہی کارناموں پر نوٹ لکھیے۔
❼ سلطان محمد فاتح نے قُسطَنطِینِیّہ کیسے فتح کیا؟
❽ سلطان بایزید ثانی اور جمشید کے درمیان کیا کش مکش ہوئی اور یورپی طاقتوں نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا؟

عملی کام:

❁ استنبول کی ان قدیم مساجد کی تصاویر جمع کریں جو عثمانی سلاطین کی یادگار ہیں۔
❁ ترکی کا کوئی سفر نامہ پڑھیے اور اس میں سے چند پسندیدہ اقتباسات کو اپنی بیاض میں لکھیے۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخِ خاندانِ عثمانیہ، از مولوی انشاء اللہ خان
❁ دولتِ عثمانیہ، از ڈاکٹر محمد عزیز
❁ الدولة العثمانية، عوامل النهوض واسباب السقوط، ازدکتور علی محمد الصلابی
(یا اس کا اُردو ترجمہ)

دوسرا باب

خلافتِ عثمانیہ
دورِ تاسیس وعروج

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

١ خلافت کی بنو عباس سے بنو عثمان کی طرف منتقلی سے آگاہ ہو سکیں۔

٢ سلطان سلیم اوّل کی فتوحات سے واقف ہو سکیں۔

٣ سلطان سلیمانِ اعظم کی سیرت اور کارناموں سے روشناس ہو سکیں۔

(یونٹ:3.7)

سلطان یاوز سلیم اوّل بن بایزید ثانی

۹۱۸ھ تا۹۲۶ھ (۱۵۱۲ء تا ۱۵۲۰ء)

سلیم اوّل اپنے بھائیوں سے شدید کش مکش کے بعد ۹۱۸ھ (۱۵۱۲ء) میں باپ کی منظوری سے تخت نشین ہوا۔

اس کے اقتدار کے آغاز میں عالم اسلام ایک انقلابی دور میں داخل ہو رہا تھا۔ اُندلس سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور مسلمانوں کو جبراً نصرانی بنانے کی مہم جاری تھی۔ اسپین کا یہودی جہازران کولمبس نئی دنیا امریکا دریافت کر چکا تھا۔ وہاں یورپی اقوام کی نو آبادیات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور امریکا سے حاصل کردہ سونے سے یورپ کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اُدھر پرتگالی مہم جو واسکوڈی گاما ہندوستان کے ساحلوں کی راہ دیکھ آیا تھا۔ یوں یورپی ممالک کی تاخت و تاراج کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ ①

ایران میں صفوی سلطنت کا قیام:

اسی زمانے میں ایران میں اثنا عشری شیعوں کی حکومت قائم ہوگئی جسے سلطنتِ صفویہ کہا جاتا ہے۔ اس کا بانی شاہ شاہ اسماعیل صفوی تھا۔ وہ تبریز کے حاکم اوزون حسن کا نواسا تھا۔ ۸۸۲ھ (۱۴۷۸ء) میں اوزون حسن مر گیا اور اسماعیل صفوی نے ۹۰۴ھ (۱۴۹۹ء) میں اس کے پایۂ تخت تبریز پر قبضہ کر کے اپنے اقتدار کا آغاز کر دیا۔ اس نے بغداد اور موصل تک کے علاقے فتح کر لیے اور ۹۰۶ھ (۱۵۱۰ء) میں مَرْ وْ کے قریب شیبانی خان کو شکست دے کر خراسان پر بھی قابض ہو گیا۔ وہ نہایت متعصب شیعہ تھا اور اہلِ سنت کا قتل واجب سمجھتا تھا۔ حد یہ ہوئی کہ اس نے اپنی والدہ حلیمہ کو بھی شیعہ مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا مگر جب وہ نہ مانی تو اسے بھی بے دریغ قتل کر دیا۔

شاہ اسماعیل صفوی نے سلطنتِ عثمانیہ کو تباہ کرنے کے لیے شاہانِ یورپ سے بھی گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ ۹۱۳ھ (۱۵۰۷ء) میں شاہ اسماعیل نے ایشیائے کوچک کی مشرقی سرحدوں پر فوج کشی کر دی۔ سلطان سلیم اس وقت شہزادہ تھا۔ وہ ایک لاکھ سے زائد سپاہی لے کر سرحد پر پہنچ گیا اور شاہ اسماعیل کو بھاگنا پڑا۔ ②

شاہ اسماعیل کے مرکز تبریز پر قبضہ:

سلیم اوّل کی تخت نشینی ۸ صفر ۹۱۸ھ (۲۵ اپریل ۱۵۱۲ء) کو قُسطَنطِینیّہ میں ہوئی۔ ایک سال تک وہ اپنے بھائیوں سے مقابلہ کرتا رہا اور آخر صفر ۹۱۹ھ (اپریل ۱۵۱۳ء) میں ان سب پر غالب آ گیا۔ اس کے بعد وہ شاہ اسماعیل صفوی کی طرف متوجہ ہوا جس کے مبلغین، مشرقی اناطولیہ میں رفض کی تبلیغ کر کے سلطنتِ عثمانیہ سے نفرت پھیلا رہے تھے۔ سلیم باقاعدہ اعلانِ جنگ کر کے صفویوں کے مرکز تبریز کی طرف روانہ ہوا۔ ۲ رجب ۹۲۰ھ (۲۴ اگست ۱۵۱۴ء)

---

① تاریخ دولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ۱۸۷، ۱۸۸ ② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱/ ۲۰۱ تا ۲۰۳

کو تبریز کے باہر چالیدران کی وادی میں فریقین کا آمنا سامنا ہوا۔ دونوں فوجوں کی تعداد ایک ایک لاکھ تھی۔ سخت جنگ کے بعد عثمانیوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی اور تبریز پر ان کا قبضہ ہو گیا جبکہ شاہ اسماعیل فرار ہونے میں کامیاب رہا۔ ①

ممالیکِ مصر سے کشیدگی۔ شام کی فتح:

سلیم اول کی فتوحات نے سلطنتِ ممالیک اور سلطنتِ عثمانیہ کی سرحدوں کو متصل کر دیا تھا جس سے ممالیک کے خدشات مزید بڑھ گئے تھے۔ اُدھر اسماعیل صفوی نے مصر کے سلطان قانصوہ غوری کو یقین دلایا کہ صفوی اور مملوک متحد نہ ہوئے تو عثمانی ان دونوں کو پامال کر ڈالیں گے۔ قانصوہ نے ناسمجھی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاہ اسماعیل سے اتحاد کر لیا۔ یہ خبر سلیم اوّل سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور مصر اور سلطنتِ عثمانیہ میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔

سلیم اول نے استنبول میں تمام وزراء کی مجلس منعقد کی اور مشورہ لیا۔ میر منشی محمد پاشا نے رائے دی کہ سلطان کو نہ صرف بلا تاخیر شام اور مصر پر قبضہ کر لینا چاہیے بلکہ خادم الحرمین والشریفین کا حق بھی خود حاصل کرنا چاہیے۔ مجلس کے شرکاء نے اس پر اتفاق کیا کہ اس وقت سلیم اول ہی عالم اسلام کی سیادت وقیادت کا صحیح حق دار ہے۔

آخر شام کی شمالی سرحدوں پر سلیم اوّل اور قانصوہ غوری کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں مملوکوں کو شکستِ فاش ہوئی اور قانصوہ غوری فرار ہوتے ہوئے مارا گیا۔ اس کی عمر ۷۶ سال تھی۔ یہ ۲۵ رجب ۹۲۲ھ (۲۴ اگست ۱۵۱۶ء) کا واقعہ ہے۔ سلیم اوّل فاتحانہ طور پر حلب میں داخل ہوا جہاں اہلِ شہر نے اس کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ ②

حجازِ مقدس کی تولیت:

سلیم اوّل نے اس فتح کے بعد شام کے دوسرے شہروں کا رخ کیا، ہر جگہ مقامی عمائد نے شہروں کے دروازے کھول کر عثمانیوں کو خوش آمدید کہا۔ یوں ترک آسانی سے حماہ، حمص اور دمشق سمیت پورے شام پر قابض ہو گئے۔ ③

پرتگالی اس زمانے میں مسلمانوں کو دھمکیاں دے رہے تھے کہ ہم حرمین پر قبضہ کر کے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد نکال کر لے جائیں گے (نعوذ باللہ) اور اس وقت تک واپس نہ کریں گے جب تک تم بیت المقدس کو نصرانیوں کے سپرد نہیں کر دیتے۔ ④ سلطان سلیم اوّل نے ان حالات میں حجاز کو تحویل میں لینا ضروری سمجھا۔ امیر مکہ شریف برکات الثانی نے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت اللہ اور روضۂ اطہر کی چابیاں سلطان سلیم کے حوالے کر دیں۔ سلیم اوّل نے خطبۂ جمعہ میں اپنے نام کے ساتھ "خادم الحرمین والشریفین" کا اضافہ کیا جسے بعد میں حجاز کے ہر حکمران نے اختیار کیا۔ ⑤

---

① جامع الدول تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از منجم باشی احمد بن لطف اللہ: ص ۲۲۵ تا ۲۲۸؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۱۹۱، ۱۹۲۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۲۱۷ تا ۲۱۹

② جامع الدول تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از منجم باشی احمد بن لطف اللہ: ص ۲۳۹ تا ۲۴۳؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱/۲۲۳ تا ۲۲۶

③ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۲۲۴، ۲۲۵

④ التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸ ص ۹۸

⑤ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ۱/۲۳۳، ۲۳۴

جنگ وردان اور قاہرہ پر قبضہ:

قانصوہ غوری کی موت کی خبر مصر پہنچی تو وہاں طومان بائی کو بادشاہ چن لیا گیا۔ سلیم اوّل نے سفیر بھیج کر اسے بابِ عالی (عثمانی سلطنت) کی ماتحتی اختیار کرنے کی پیش کش کی مگر طومان بائی نے اسے مسترد کر دیا۔ شام کی حدود میں ایک بار پھر عثمانیوں اور مملوکوں میں جنگ ہوئی۔ عثمانی اس بار بھی غالب رہے اور مملوک پسپا ہو گئے۔ عثمانی افواج تعاقب میں قاہرہ تک پہنچ گئیں جہاں ۲۹ ذوالحجہ ۹۲۲ھ (۲۲ جنوری ۱۵۱۷ء) کو فیصلہ کن جنگ میں مملوکوں کو شکست ہوگئی اور طومان بائی گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ ①

جب خلافت آلِ عثمان کو ملی:

مصر میں اڑھائی صدیوں سے بنوعباس کے خلفاء، مملوک سلاطین کی نگرانی میں، مسندِ خلافت سنبھالے ہوئے تھے، کچھ رسمی ذمہ داریوں کے سوا، ان کا عالمِ اسلام کی سیاست میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔

سلیم اوّل آخری عباسی خلیفہ محمد المتوکل علی اللہ اور مصر کے قاضی القضاۃ کو اپنے ساتھ استنبول لے گیا جہاں جامع ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں قاہرہ کی جامعۃ الازہر اور استنبول کے نامی گرامی علماء شریک ہوئے۔ ان کی موجودگی میں خلیفہ متوکل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات، پرچم، شمشیر اور چادر مبارک جو منصبِ خلافت کی علامت تھے، سلیم اوّل کے حوالے کر دیے۔ اس کے بعد سے عثمانی سلاطین کو خلفاء بھی کہا جانے لگا۔ ②

سلیم اوّل کی وفات:

اس زمانے میں پرتگالی ہندوستان کے ساحلوں پر قلعے بنا چکے تھے۔ سلیم اوّل نے ان کی رسد منقطع کرنے کے لیے بحیرۂ روم میں ان کا زور توڑنے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا وہ اپنے آخری ایام میں جزیرۂ روڈس پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسی دوران ۹ شوال ۹۲۶ھ (۲۲ ستمبر ۱۵۲۰ء) کو اس کی وفات ہوگئی۔ عمر ۵۱ برس تھی اور مدتِ حکومت ۸ سال ۵ ماہ۔ ③

سلیم اوّل کی شخصیت اور اس کا زمانہ:

سلیم اوّل ایک پیشہ ور سپاہی اور مزاجاً بے لوچ تھا، لہٰذا اسے "یاوز" (سخت گیر) بھی کہا جاتا تھا۔ مگر لطافتِ طبع سے بے بہرہ نہ تھا بلکہ شعر و ادب میں اچھی دسترس رکھتا تھا۔ فارسی شاعری میں اس کا پورا دیوان تھا۔ علوم اسلامیہ کے علاوہ عصری علوم و فنون خصوصاً ریاضی اور سائنس پر عبور رکھتا تھا اور کئی ایشیائی زبانوں کا ماہر تھا۔ ④

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۱۹۳ تا ۱۹۵؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۲۳۰، ۲۲۹/۱

② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۱۹۴، ۱۹۵؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۲۲۴، ۲۲۳/۱

③ جامع الدول تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از منجم باشی احمد بن لطف اللہ: ۲۵۰؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۱۹۶، ۱۹۷؛ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۲۳۷/۱

④ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۱۹۶، ۱۹۷۔ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۲۳۷/۱

اس نے مصر فتح کرنے کے بعد وہاں کے بحری بیڑے کو ناقابلِ شکست بنانے پر خاص توجہ دی تاکہ بحیرۂ روم میں پرتگالی اور ہسپانوی بحریہ کو ناکوں چنے چبوائے جاسکیں۔ مصر میں نئے بحری جہازوں کی تیاری کا ایک عظیم الشان کارخانہ لگایا گیا جس پر سلطان سلیم اوّل اور وزیر ابراہیم پاشا نے دل کھول کر خرچ کیا۔ مصری بحریہ کو بحیرۂ احمر میں متحرک کر کے حجازِ مقدس کا دفاع مضبوط کرنے کا منصوبہ بھی سلیم اول کے ذہن میں تھا۔ اس کے لیے وہ بحیرۂ روم اور بحیرۂ احمر کو جہازرانی کے قابل ایک بڑی نہر کے ذریعے ملا دینا چاہتا تھا۔ مگر اس منصوبے پر عمل کی نوبت نہیں آئی۔ ①

سلطان یاوز سلیم اول نے ۸ سالوں میں جو فتوحات حاصل کیں وہ ایک کرشمے سے کم نہیں۔ اس کی تخت نشینی کے وقت دولتِ عثمانیہ کا رقبہ ۲۳ لاکھ ۳۷ ہزار مربع کلومیٹر تھا۔ اس کی وفات کے وقت یہ رقبہ دوگنا سے بھی بڑھ کر ۶۵ لاکھ ۵۷ ہزار کلومیٹر ہو چکا تھا۔ جغرافیہ اس کا پسندیدہ مضمون تھا۔ پوری دنیا کا ایک عظیم نقشہ سفر و حضر میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ پڑھتے وقت نظر کا چشمہ لگاتا تھا۔ ② اس کے دور میں ترک جہازرانوں: خیر الدین پاشا اور اس کے بھائی عروج کو بحری مہمات کے باعث بے حد شہرت حاصل ہوئی۔ عروج شمالی افریقہ میں فرنگیوں سے جنگ میں شہید ہوگیا جبکہ خیر الدین پاشا سلیم اوّل کے جانشین سلیمانِ اعظم کے دور تک بحیرۂ روم میں نصرانیوں سے نبرد آزما رہا۔ ان دونوں بھائیوں کو عثمانیوں میں قومی ہیرو کی حیثیت حاصل رہی۔

❀❀❀

سلطان سلیمان خان اوّل القانونی

۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء)

مسند نشینی کے وقت سلیم اوّل کے جانشین سلیمان خان کی عمر ۲۶ سال تھی۔ اس نے ۴۶ سال نہایت آن بان سے حکومت کی۔ اس کا دور نہ صرف بابِ عالی بلکہ اسلامی تاریخ کا سنہرا دور مانا جاتا ہے۔ تخت نشینی کے بعد اس نے تمام صوبوں کے حکام کو مراسلے روانہ کر کے انہیں عدل و انصاف اور نظم و ضبط کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت کی۔ ③

بلغراد کی فتح:

سلیمان خان کے ابتدائی دور کا سب سے اہم واقعہ ہنگری سے جنگ تھی۔ اس جنگ میں عثمانیوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے سخت خونریز جنگ کے بعد ۲۵ رمضان ۹۲۷ھ (۲۹ اگست ۱۵۲۱ء) کو ہنگری کا پایۂ تخت بلغراد فتح کرلیا۔ کسی شہری کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ سب کو جان کی امان دی گئی۔ ④

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ص ۲۳۵
② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ص ۲۳۹، ۲۳۸
③ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۱۹۸، ۱۹۹
④ جامع الدول تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از منجم باشی: ص ۲۵۶، ۲۵۷ بتاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ۱/ ۲۶۲

روڈس کی فتح:

ایشیائے کوچک کے جنوب مغرب میں اڑھائی ہزار مربع کلو میٹر پر مشتمل بحیرۂ روم کا یونانی جزیرۂ روڈس، نصرانیوں کا نہایت مضبوط جنگی مرکز تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے فتح کیا گیا تھا مگر ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ نے تخت نشین ہو کر اسے از خود خالی کر دیا تھا۔ اس کے بعد ساڑھے آٹھ سو سال تک یہ جزیرہ مسلمانوں کے لیے دردِ سر بنا رہا۔ سلیمان خان نے بڑی تیاریوں کے بعد اس پر حملہ کیا۔ اس سخت جنگ میں ۲۰ ہزار مسلمان شہید ہوئے تاہم یکم جنوری ۱۵۲۳ء (۱۳ صفر ۹۲۹ھ) کو روڈس عثمانیوں کے قبضے میں آ گیا۔ ①

وسطی یورپ میں یلغار:

اسپین اس وقت یورپ کی سب سے بڑی سلطنت بن چکا تھا۔ جرمنی، ہالینڈ کے ساحلی علاقوں اور جنوبی اٹلی کے علاوہ جینوا، وینس اور سسلی تک اس کی ماتحت ریاستیں شمار ہوتے تھے۔ ایسے میں سلیمانِ اعظم نے اسپین پر دوطرفہ ضرب لگانے کا منصوبہ ترتیب دیا۔ سمندر میں اس نے یہ مہم خیر الدین باربروسا کو سونپی جبکہ خشکی میں اس نے خود جنگ کی کمان کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے فرانس اور اسپین کی اندرونی کش مکش سے بھی فائدہ اٹھایا اور فرانس سے ایک معاہدہ کر لیا جس میں طے کیا گیا کہ فریقین مل کر اسپین اور اس کے ماتحت ممالک کو زیر کریں گے۔

مگر اس سے قبل سلیمان ہنگری کو فتح کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ وہ ۱۵۲۶ء (۹۳۲ھ) میں ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ ہنگری میں داخل ہو گیا۔ ۲۸ اگست ۱۵۲۶ء (۷ ذوالقعدہ ۹۳۲ھ) کو وادیٔ موہاکس (Mohacs) میں فوجیں باہم مدمقابل ہوئیں۔ دو گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد ہنگریوں کی مزاحمت کا زور ٹوٹ گیا۔ شاہِ ہنگری قتل ہو گیا۔ ۱۰ ستمبر ۱۵۲۶ء (۲۰ ذوالقعدہ ۹۳۲ھ) کو سلیمان نے ہنگری کے نئے پایۂ تخت بوڈاپسٹ پر بھی قبضہ کر لیا۔ ②

آسٹریا پر حملہ۔ ویانا کا محاصرہ:

ہنگری کی فتح کے بعد ترکوں کی سرحدیں آسٹریا (جسے عربی میں "النمسا" کہا جاتا ہے) سے جا ملی تھیں۔ چنانچہ ترکوں نے ہنگری سے ویانا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ شدید بارش اور کیچڑ کی وجہ سے تمام توپوں اور گولہ بارود کے سارے ذخیرے کو ساتھ لے جانا مشکل ہو گیا۔ اس لیے مجبوراً بہت سا بھاری اسلحہ ہنگری میں چھوڑ دیا گیا۔

۲۷ ستمبر ۱۵۲۹ء (۱۱ محرم ۹۳۶ھ) کو آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کا محاصرہ شروع ہوا۔ فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی، مگر مقامی فوجوں نے سخت مزاحمت کی جس میں ہزاروں ترک شہید ہوئے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۵۲۹ء (۲۷ محرم

① جامع الدول تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از منجم باشی احمد بن لطف اللہ: ص ۲۵۸ تا ۲۶۰ ؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۰۳ تا ۲۰۶

② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۰۹ تا ۲۱۴ ؛ جامع الدول تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از منجم باشی احمد بن لطف اللہ: ص ۲۶۳، ۲۶۴ ؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ص ۲۷۰ تا ۲۷۲

۹۳۶ھ) کو آخری حملہ ہوا جس کی ناکامی کے بعد سلیمان نے واپسی کا حکم دے دیا۔

ویانا کے اس محاصرے کی ناکامی کی وجوہ یہ تھیں کہ اہلِ یورپ نے ویانا کو اپنا آخری مورچہ سمجھ کر اس کی حفاظت کے لیے غیر معمولی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ ترکوں کو اتنے مضبوط دفاعی انتظامات کا اندازہ نہیں تھا۔ اُدھر بارشوں اور کیچڑ کی وجہ سے ترکوں نے اکثر بھاری توپیں ہنگری میں چھوڑ دی تھیں۔ نیز ترک فوج استنبول سے ویانا تک ایک نہایت طویل اور دشوار گزار سفر طے کر کے آئی تھی۔ مرکز اور محاذِ جنگ میں اس غیر معمولی فاصلے نے لڑائی کو مشکل ترین بنا دیا تھا۔ یورپی تاریخ میں ویانا کے اس ناکام محاصرے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیوں کہ یہ اسلامی افواج کی یلغار کی آخری حد تھی۔ مسلمان کبھی اس حد سے آگے نہ بڑھ پائے۔ ①

آسٹریا پر دوسرا حملہ:

سلیمانِ اعظم نے رمضان ۹۳۸ھ (اپریل ۱۵۳۲ء) میں دو لاکھ سپاہیوں کے ساتھ ایک بار پھر استنبول سے آسٹریا کا رُخ کیا۔ اس مہم میں جرمنی کے ۱۵ سرحدی قلعے فتح کیے گئے۔ شاہ آسٹریا فرڈی ننڈ یا شاہِ اسپین چارلس نے کہیں بھی کھلے میدان میں مسلمانوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اگر عثمانی افواج سیدھا ویانا پہنچ جاتیں تو موسم گرما میں محاصرہ شروع کیا جا سکتا تھا مگر اب موسم سرما قریب آچکا تھا اور خدشہ تھا کہ موسم سرما کی شدت کے باعث مہم ادھوری رہ جائے گی۔ اُدھر اسپین اور جرمنی کی فوجیں ویانا پہنچ گئی تھیں، لہٰذا سلیمان نے واپسی اختیار کر لی۔ ②

دُولِ یورپ سے امن معاہدہ:

سلیمان کا مقصد دنیا پر یہ ثابت کرنا تھا کہ اسپین یورپ کی حفاظت کے قابل نہیں لہٰذا یورپی طاقتوں کو سلطنتِ عثمانیہ سے اپنے معاملات خود طے کرنا ہوں گے۔ مذکورہ مہمات سے یہ مقصد بڑی حد تک پورا ہو گیا۔ لہٰذا سلطان نے بھی اب امن و امان کو ترجیح دی۔ جون ۱۵۳۳ء (ذوالقعدہ ۹۳۹ھ) میں جرمنی و آسٹریا کے حکمران فرڈی ننڈ سے سرحدوں کے احترام کا معاہدہ ہو گیا، ساتھ ہی طے ہوا کہ ہنگری میں بابِ عالی کے نائب، زاپولی کے ساتھ آسٹریا کا کوئی بھی معاہدہ، بابِ عالی کی منظوری کے بغیر جائز نہیں ہوگا نیز اسپین کا اس معاہدے اور صلح نامے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یوں سلیمانِ اعظم نے اپنے منصوبے کے مطابق اسپین کو ایک عالمی طاقت بننے سے روک دیا۔ ③

درحقیقت اپنی تخت نشینی سے لے کر وفات تک سلیمانِ اعظم کا سب سے بڑا ہدف اسپین کی بالادستی کی روک تھام کرنا تھا۔ سلیمان نے اسپین کے طاغوت چارلس پنجم کو بار بار شدید خفت و ہزیمت سے دوچار کیا اور اس کے نائبین کو وسطی یورپ میں گھٹنوں کے بل جھکا دیا۔ سلیمانِ اعظم نے یورپ میں اپنے اتحادیوں کے ساتھ رابطے بہتر بنائے۔

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۱۶، ۲۱۷، تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱/ص ۲۷۳، ۲۷۴
② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۱۸، ۲۱۹۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱/ص ۲۷۴ تا ۲۷۵
③ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۱۹۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱/ص ۲۷۴، ۲۷۵

۱۵۳۶ء (۹۴۲ھ) میں فرانس کے ساتھ سولہ شقوں پر مشتمل ایک تجارتی معاہدہ ہوا، جس کے تحت دونوں ممالک کے تاجروں کو خاطر خواہ مراعات کے ساتھ آزادانہ تجارت کی اجازت دی گئی۔ ①

خیر الدین باربروسا اور عثمانی بحریہ:

خیر الدین پاشا سلیمانِ اعظم کے مقتدر ترین امراء میں سے تھا۔ اس نے اپنے سارے اختیارات اور وسائل ملک کے دفاع میں جھونک دیے۔ وہ جانتا تھا کہ امریکا کے سونے چاندی نے اقتصادی لحاظ سے اسپین کی قوت بہت بڑھا دی ہے اور جہازوں کی تعداد کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم پاشا نے اپنے وسائل کو بخوبی استعمال کر کے دنیائے اسلام کے سمندروں کو اسپین کے لیے مقتل بنا دیا۔ اس نے پرانے جہازوں کی جگہ نئے جہاز تیار کرائے جو مضبوط، ہلکے اور تیز رفتار تھے۔ ان کے ذریعے خیر الدین پاشا نے اسپینی بحریہ کو بحیرۂ روم میں مسلسل شکستیں دیں۔ اس طرح سلیمانِ اعظم کے دور میں خلافتِ عثمانیہ کی بحریہ نہایت مضبوط سمجھی جانے لگی۔ ②

جنگِ وینس واٹلی ۱۵۳۷ء (۹۴۴ھ):

جمہوریہ وینس سے سلطنتِ عثمانیہ کی صلح ۳۵ سال بعد ٹوٹ گئی کیوں کہ اہلِ وینس جرمنی اور اسپین سے ساز باز کر کے انہیں ترکوں اور فرانس کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ لہٰذا سلیمان نے وینس اور جنوبی اٹلی پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے شاہِ فرانس، فرانسس اوّل کے ساتھ طے کیا کہ وہ مغرب سے اٹلی کی طرف پیش قدمی کرے، جبکہ عثمانی افواج مشرق سے حملہ کریں گی۔ مئی ۱۵۳۷ء (ذوالقعدہ ۹۴۳ھ) میں پہلے خیر الدین پاشا اور چند دن بعد سلیمانِ اعظم الگ الگ بحری بیڑے لے کر استنبول سے نکلے۔ ۲۳ اگست ۱۵۳۷ء (۴ ربیع الاوّل ۹۴۴ھ) کو "اوٹرانتو" دوبارہ فتح کرلیا گیا جہاں سے ۵۷ سال پہلے (۱۴۸۱ء مطابق ۸۸۶ھ میں) ترکوں کو نکالا گیا تھا۔ اُدھر خیر الدین پاشا نے "جزیرۂ کریٹ" اور "کیکلاڈ" پر چھاپے مارے۔ مجبوراً جمہوریہ وینس نے صلح کی درخواست کی۔ اس دوران فرانس کو شمالی اٹلی پر حملہ کرنا تھا مگر اُس کی پس وپیش کے باعث پورے اٹلی کو زیر کرنے کا منصوبہ کامیاب نہ ہوسکا اور عثمانی افواج واپس ہوگئیں۔ فرانس کی سرد مہری کے باوجود سلیمانِ اعظم نے سفارتی تعلقات بگڑنے نہ دیے۔ غالباً وہ یورپ میں ایک ایسے اتحادی کو نہیں کھونا چاہتا تھا جو الگ ہو کر اس کا سخت مدمقابل بن سکتا تھا۔ ③

معرکۂ پریویزا:

۱۵۳۷ء (۹۴۴ھ) میں سلیمانِ اعظم کی اٹلی کے ساحلوں سے واپسی کے بعد پوپ پال سوئم نے پورے یورپ کو عثمانیوں کے خلاف اتحاد کی دعوت دے ڈالی تھی۔ چنانچہ ساٹھ ہزار صلیبیوں کا ایک مشترکہ بحری بیڑہ تیار ہوا جس

① تاریخ الدولة العلية العثمانية از فرید بک محامی: ص ۲۲۵ تا ۲۳۰
② تاریخ الدولة العثمانية از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۲۹۰، ۲۹۱
③ تاریخ الدولة العثمانية از یلماز اوزتونا: ۲۷۶، ۲۷۷

میں ۳۰۸ جنگی اور ۲۹۲ بار برداری کے جہاز تھے۔ خیر الدین پاشا ۱۲۲ بحری جہازوں اور ۲۲ ہزار سپاہیوں کے ساتھ، اس عظیم قوت کے مقابلے پر نکلا۔ ۲۵ ستمبر ۱۵۳۸ء (۱۸ ربیع الآخر ۹۴۵ھ) کو بحیرۂ روم آگ اور خون سے بھر گیا اور پانچ گھنٹے کی لڑائی کے بعد یورپ کی مشترکہ بحری طاقت سمندر میں غرق ہوگئی۔ اس فتح کی خوش خبری کا مراسلہ جب سلیمانِ اعظم کو پہنچا تو اس نے مسرت اور تشکر کے طور پر اسے کھڑے ہو کر سنا۔ جمہوریہ وینس اور اٹلی اس شکست کے بعد ڈلماشیا (کروشیا) کے ساحل سمیت ان تمام جزیروں سے جو خیر الدین پاشا نے فتح کیے تھے، دست بردار ہوگئے اور تین لاکھ ڈوکٹ بطورِ تاوانِ جنگ بابِ عالی کو پیش کیے۔ ①

بے شمار مہمات کے بعد ۱۵۴۴ء (۹۵۱ھ) میں خیر الدین پاشا استنبول واپس آگیا۔ اُس نے اپنی دولت کا اکثر حصہ جہاد اور خیرات کے کاموں میں لگا دیا۔ ۴ جولائی ۱۵۴۶ء (۲۲ ربیع الآخر ۹۵۳ھ) کو عالمِ اسلام کا یہ بے مثل بحری سپاہی جس نے سمندروں کا سینہ، یورپی استعمار کے لیے تنگ کر دیا تھا، دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس کی عمر ۷۴ سال تھی۔ ②

پرتگالیوں کے خلاف دولتِ گجرات سے تعاون:

اس زمانے میں گجرات (ہندوستان) کا حکمران بہادر شاہ پرتگالی جہاز رانوں سے بہت پریشان تھا جو ہندوستان کے ساحلوں پر لوٹ مار کرتے آرہے تھے۔ اس نے استنبول سفارت بھیج کر سلیمانِ اعظم سے پرتگالیوں کے خلاف مدد مانگی۔ اس کے جواب میں ۱۵۳۰ء (۹۳۶ھ) میں عثمانی بحریہ گجرات کے ساحل پر پہنچی جہاں جزیرۂ دیو کو مرکز بنا کر پرتگالیوں سے جنگ کی تیاری کی گئی۔ ۶ جنوری ۱۵۳۱ء (۵ جمادی الاولی ۹۳۷ھ) کو سمندر میں خوفناک جنگ ہوئی۔ اس معرکے میں دشمن کے ۴۰ جہاز غرق ہوئے، ۲۰ جہاز مسلمانوں کے ہاتھ لگے، ۱۵۰۰ پرتگالی اور ان کے ملازم ہزاروں ہندو مارے گئے۔ ③

اس فتح کے بعد دولتِ گجرات میں عثمانی امراء کا اثر و رسوخ اتنا بڑھا کہ بہادر شاہ نے ترک امیر مصطفیٰ بیگ کو سورت کا حاکم بنا دیا۔ گجرات کی بحری طاقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ عثمانی امراء نے ایک سو نئے جہاز تیار کر کے گجرات کی بحریہ کو مضبوط کر دیا۔ ان حالات سے مقامی اُمراء ترک افسران سے حسد کرنے لگے۔ اس کے بعد گجرات میں عثمانی امراء کے لیے حالات ایسے ناموزوں ہوئے کہ پرتگالیوں سے کسی اور جنگ کی تیاری نہ کی جا سکی۔

مزید یہ کہ کچھ سالوں بعد بہادر شاہ کو مغل حکمران ہمایوں کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا، تو اس نے گجراتی بحریہ کے تمام جہازوں کو اس خیال سے نذرِ آتش کر دیا کہ کہیں یہ ہمایوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ اس اقدام سے پرتگالیوں کی خوب

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، از یلماز اوزتونا: ۲۹۳ تا ۲۹۶۔

ڈوکٹ (Ducat) ایک یورپی کرنسی تھی جو تجارتی معاملات کے لیے مختلف ممالک باہم استعمال کرتے تھے۔ یہ خالص سونے کا ایک سکہ تھا جس کا وزن کم و بیش ساڑھے تین گرام ہوتا تھا۔ اس کرنسی کا رواج تیرہویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک رہا۔

② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ص ۳۰۲، ۳۰۳

③ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ص ۳۲۶

بن آئی اور وہ ہندوستان کے ساحلوں پر آزادانہ گھومنے لگے۔ ①

سلیمانِ اعظم کی طرف سے پروٹسٹنٹ تحریک کی سرپرستی:

اسپین کا بادشاہ چارلس پوری دنیا میں جبر وتشدد کے ذریعے کیتھولک مذہب پھیلانے کے لیے کوشاں تھا مگر وہ یورپ میں فرقۂ پروٹسٹنٹ کے بانی مارٹن لوتھر کی آواز کو نہ دبا سکا جس نے عبادت گاہوں میں دولت کے عوض مغفرت ناموں کی تقسیم کو غلط قرار دیا، بت پرستی سے منع کیا اور مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری کو چیلنج کیا۔ اس تحریک نے کیتھولک چرچ کی ساکھ کم کر کے دنیائے نصرانیت کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔

پروٹسٹنٹ مذہب قبول کرنے والے شہزادوں اور نوابوں نے چارلس کے عتاب سے بچنے کے لیے سلیمانِ اعظم کا سہارا لینے کی کوشش کی اور سلیمانِ اعظم نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے ان کی سرپرستی قبول کر لی۔ پروٹسٹنٹ شہزادوں کا سفیر استنبول کا چکر لگا کر واپس یورپ پہنچا تو اس کے پاس بابِ عالی کا مراسلہ تھا جس میں پروٹسٹنٹ مذہب قبول کرنے والوں کی حمایت کا اعلان کیا گیا تھا۔ یوں چارلس پنجم جو پروٹسٹنٹ تحریک کو بالکل کچل دینا چاہتا تھا، اپنے ارادے میں ناکام ہو گیا کیوں کہ سختی برتنے کی صورت میں جرمنی سمیت کئی صوبے اس سے بغاوت کر دیتے۔ اپنی عظیم سلطنت کو تقسیم سے بچانے کے لیے ۱۳ اکتوبر ۱۵۵۵ء (۴ ذوالقعدہ ۹۶۲ھ) کو اس نے بادلِ نخواستہ ملکی قانون میں پروٹسٹنٹ مذہب کی گنجائش کا قانون منظور کر لیا۔

کیتھولک چرچ کے نزدیک یہ چارلس کی مذہبی وسیاسی خودکشی تھی جس کا خود چارلس کو بھی احساس تھا چنانچہ اس نے کچھ دنوں بعد ۱۶ جنوری ۱۵۵۶ء (۲۱ صفر ۹۶۳ھ) کو اپنا تاج وتخت چھوڑ دیا اور اپنے بیٹے فلپ کو حکومت سونپ کر خود گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ②

پروٹسٹنٹ چرچ کو ماننے والے تمام نصرانی حکمرانوں کو سلطنتِ عثمانیہ اور خصوصاً سلیمانِ اعظم کا شکر گزار ہونا چاہیے کیوں کہ اگر وہ کیتھولک اسپین اور پاپائے روم کے استبداد پر کاری ضربات نہ لگاتا، اور پروٹسٹنٹ فرقے کی حمایت نہ کرتا تو تاجِ اسپین اور کلیسائے روما بڑے اطمینان سے اس تحریک کا گلا گھونٹ دیتے۔

ایرانیوں سے کش مکش:

صفوی سلطنت کا بانی اسماعیل صفوی ۲۲ مئی ۱۵۲۴ء (۱۶ رجب ۹۳۰ھ) کو ۳۷ سال کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ اس کا دس سالہ جانشین شاہ طہماسپ تخت پر بیٹھا۔ اس کے دور میں بھی ایرانی زعماء مسلسل عثمانیوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ جب ۱۵۳۲ء (۹۳۹ھ) میں سلیمانِ اعظم، آسٹریا کی مہم پر تھا، ایرانیوں نے دوبارہ

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ ص ۳۲۵، ۳۲۶

② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ ص ۲۸۷، ۲۸۸
عزلت نشینی کے پونے تین سال بعد ستمبر ۱۵۵۸ء میں اس کی موت واقع ہو گئی۔

تبریز پر قبضہ کر لیا اور عراق میں فوجیں پھیلا کر بغداد پر بھی قابض ہو گئے۔

سلیمان نے شاہِ ایران کو مزا چکھانے کی مہم صدرِ اعظم ابراہیم پاشا کو سونپ دی جس نے ۱۵۳۴ء (۹۴۰ھ) کے موسم بہار میں فوج کشی شروع کی اور بلا مزاحمت ۱۳ مئی ۱۵۳۴ء (۱۷ شوال ۹۴۰ھ) کو تبریز فتح کر لیا۔ چند ماہ بعد سلیمانِ اعظم بھی جو آسٹریا سے صلح کے بعد ایران سے جنگ کے لیے فارغ ہو چکا تھا، تبریز پہنچ گیا۔ اس نے پیش قدمی کر کے ۳۱ دسمبر ۱۵۳۴ء (۱۳ جمادی الآخرہ ۹۴۱ھ) کو بلا مزاحمت بغداد بھی صفویوں سے واپس لے لیا۔ ①

صفوی اس کے بعد بھی سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازشوں میں مشغول رہے اور شاہ طہماسپ نے ترکوں کے خلاف اسپین اور جرمنی سے گٹھ جوڑ کر لیا اور سلطنتِ عثمانیہ میں شیعہ داعی پھیلا کر لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا۔ آخر جب فوج میں بھی شیعہ داعیوں کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں تو تحمل کی گنجائش نہ رہی۔ سلیمانِ اعظم نے ایران سے جنگ کا اعلان کر کے ۱۵۴۸ء (۹۵۵ھ) میں ایران کا رُخ کیا۔ طہماسپ مقابلے کی ہمت نہ کر سکا اور فرار ہو گیا۔ ②

شاہِ ایران کی سازشوں سے تنگ آ کر ۱۵۵۳ء (۹۶۰ھ) میں سلیمانِ اعظم نے ایران پر تیسری بار فوج کشی کی۔ شاہِ ایران اس بار بھی مقابلے میں نہ آیا اور صلح کی پیش کش کر دی۔ مذاکرات کے بعد جو فیصلہ ہوا، وہ "معاہدہ آماسیا" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں باہمی سرحدوں کا تعین کر کے ایک دوسرے کی حدود میں عدم مداخلت پر اتفاق کر لیا گیا۔ سرحدی حدود تقریباً وہی طے ہوئیں جو آج کل ایران اور ترکی کے درمیان قائم ہیں۔ ③

سلیمانِ اعظم کی وفات:

شاہِ آسٹریا فرڈی ننڈ ۱۵۶۴ء (۹۷۱ھ) میں فوت ہو گیا۔ اس کے جانشین میکسم لین نے تخت نشینی کے بعد عہد شکنی کر کے ترکوں کے زیرِ انتظام ہنگری پر حملے شروع کر دیے۔ سلیمانِ اعظم بیماری کے باوجود اس مہم پر گیا اور "سکد وار" شہر کا محاصرہ کر کے آسٹریا پر اپنی ہیبت قائم کر دی۔ یہ محاصرہ پانچ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران سلیمان کا مرض بڑھ گیا۔ آخر محاذِ جنگ پر ہی ۲۰ صفر ۹۷۴ھ (۵ ستمبر ۱۵۶۶ء) کو اس عظیم مسلم حکمران نے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کی وفات کے تین دن بعد ۸ ستمبر کو شہر سکد وار فتح ہو گیا۔

سلیمانِ اعظم کے کارنامے اور اصلاحات:

سلیمانِ اعظم کا دورِ اقتدار لگ بھگ نصف صدی پر مشتمل تھا، اس دوران وہ مسلسل سلطنت کی توسیع اور استحکام میں مصروف رہا۔ وہ غیر مسلموں پر ظلم قطعاً پسند نہیں کرتا تھا۔ حالتِ جنگ کے سوا، وہ کسی کے لیے تلوار بے نیام نہیں کرتا تھا۔ اپنے سپاہیوں کو ایسی زیادتیوں سے روکنے کے لیے سخت سزائیں دیتا تھا۔ مولڈافیا کی مہم میں اس کے دو سپاہیوں نے

---

① الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۲۲ تا ۲۲۳۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۳۳۹ تا ۳۴۱

② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۳۰، تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۳۴۴ تا ۳۴۶

③ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ا ص ۳۴۶، ۳۴۷ ④ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۴۹، ۲۵۰

نصرانیوں کا کوئی مکان جلا دیا۔ سلیمان کو شکایت پہنچی تو دونوں کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ یورپ کی تاریخ میں مشہور ہے۔ ①

سلیمانِ اعظم نے اپنے طویل دورِ اقتدار میں متعدد جنگیں لڑیں، جس کے لیے اسے فوج پر خاص توجہ دینا پڑی۔ اس کی وفات کے وقت سپاہیوں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ تین سو توپیں اور تین سو بحری جہاز ہر وقت جنگ کے لیے تیار رکھے جاتے تھے۔ اس نے صرف فتوحات پر نہیں بلکہ ملکی نظم و نسق پر بھی مکمل توجہ دی۔ اس نے ملکی انتظامات کے لیے بکثرت نئے قوانین وضع کیے جس کی وجہ سے اسے سلیمان القانونی بھی کہا جاتا ہے۔

اس نے اپنی عظیم الشان سلطنت کو "۲۱" صوبوں پر تقسیم کیا، ہر صوبے کو "ولایت" کہا جاتا تھا۔ ہر ولایت، اضلاع میں منقسم تھی۔ ہر ضلعے کو "سنجق" کہا جاتا تھا۔ اس کے دور میں سلطنتِ عثمانیہ کے اضلاع کی تعداد "۲۵۰" تھی۔

اس نے ینی چری جانبازوں کو از سرِ نو مرتب کیا۔ کارکردگی اور خدمات کے لحاظ سے ان کے تین درجات رکھے اور اس فوج کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچا دی۔ ②

اس نے فوج کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جس میں بوڑھے، معزول اور معذور سپاہی شامل کیے جاتے تھے۔ انہیں ہلکی پھلکی خدمات سپرد کر دی جاتی تھیں تاکہ وہ بالکل معطل نہ ہو جائیں اور ان کی معاش کا سلسلہ بھی باقی رہے۔ اس کے دور میں عثمانی افواج اسلحے اور حربی صنعت میں یورپ سے بہت آگے تھیں۔ سلیمان اعظم کو تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی۔ اس کے دور میں عظیم الشان مسجد، جامع سلیمانیہ تعمیر ہوئی جو ترکی فنِ تعمیر کا ایک لاجواب نمونہ ہے۔ استنبول کے علاوہ اس کے حکم سے بغداد، قونیہ اور دوسرے شہروں میں بھی کئی مساجد تعمیر ہوئیں، قدیم مساجد کی مرمت کرائی گئی، تمام شہروں میں نئے شفاخانے اور ہسپتال کھولے گئے، استنبول میں ایک نہر نکالی گئی۔ نئے پل تعمیر کیے گئے۔ اس نے اہلِ سیف کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ خیر الدین پاشا، سیدی علی، پیری رئیس اور صدرِ اعظم ابراہیم پاشا اس کے نامور جرنیل تھے۔ اس نے بحریہ کی طاقت کو اتنا بڑھا دیا کہ یورپی جہاز رانوں کا ناطقہ بند ہو گیا۔

سلیمانِ اعظم ایک سپہ سالار ہی نہیں بلکہ ایک جید عالم اور بہترین شاعر و ادیب بھی تھا۔ وہ اپنے روزمرہ کے واقعات کو ایک ڈائری کی شکل میں تحریر کرنے کا عادی تھا۔ یہ سلسلہ دورانِ جنگ بھی جاری رہتا تھا۔ اس نے علماء اور اہلِ فضل و کمال کی ہمیشہ قدردانی کی اور انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ سلطان محمد فاتح کے قائم کردہ تعلیمی نظام کو اس نے مزید ترقی دی۔ مفتی کی تنخواہ تمام عہدے داروں سے زائد رکھی۔ ③

❀❀❀

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ ص ۲۷۷

② فی اصول التاریخ العثمانی، احمد عبد الرحیم مصطفیٰ: ص ۳۳، ط دار الشروق

③ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۵۰، ۲۵۲؛ عثمانی ترک: ص ۹۴ تا ۹۶

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ سلیم خان اوّل کی شخصیت پر مختصر نوٹ لکھیے۔
❷ دولتِ صفویہ کے قیام اور جنگِ چالیدران میں صفویوں کی شکست پر روشنی ڈالیے؟
❸ خلافت بنو عباس سے بنو عثمان میں کیسے منتقل ہوئی؟
❹ یورپ کی تاریخ میں جنگِ ویانا کی کیا اہمیت ہے؟ عثمانی ترک ویانا کو کیوں فتح نہ کر سکے؟
❺ خیر الدین باربروسا کے اہم کارناموں، خصوصاً معرکۂ پرویزا کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے۔
❻ عثمانیوں نے بحرِ ہند میں پرتگالیوں کا زور توڑنے کے لیے کیا خدمات انجام دیں؟
❼ سلیمانِ اعظم کے تعمیری و ترقیاتی کارناموں اور اصلاحات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
❽ مارٹن لوتھر کون تھا؟ اس نے نصرانیوں کے کس فرقے کی بنیاد ڈالی؟ سلیمانِ اعظم کا اس کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟

عملی کام:

❁ بحیرۂ روم کے نقشے میں ''جزیرۂ روڈس'' اور یورپ کے نقشے میں ''ویانا'' کی نشاندہی کیجیے۔
❁ کوئی انسائیکلوپیڈیا دیکھیے اور نصرانی فرقوں: آرتھوڈکس، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے مابین فرق قلم بند کیجیے۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخِ خاندانِ عثمانیہ، از مولوی انشاء اللہ خان
❁ دولتِ عثمانیہ، از ڈاکٹر محمد عزیز
❁ الدولة العثمانية، عوامل النهوض واسباب السقوط، از دکتور علی محمد الصلابی (یا اس کا اُردو ترجمہ)

تیسرا باب

خلافتِ عثمانیہ
دورِ زوال

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. یہ جان سکیں کہ عثمانیوں کے زوال کی بنیاد کیسے پڑی؟
2. دورِ زوال کے اہم سلاطین کے حالات اور اس دور کے حوادث سے واقف ہو سکیں۔

(یونٹ:3.8)

عثمانیوں کا دورِ زوال

سلیمان خان قانونی کے زمانے میں سلطنتِ عثمانیہ کا آفتابِ اقبال نصف النہار پر تھا۔ قانونِ فطرت ہے کہ "ہر کمالے را زوالے۔" (ہر کمال کو زوال ہوتا ہے۔) چنانچہ اس کے بعد دھیرے دھیرے سلطنتِ عثمانیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ اگرچہ شروع میں زوال کی رفتار غیر محسوس حد تک کم رہی اور اس کا صحیح مشاہدہ تقریباً ایک صدی بعد جا کر ہوا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ زوال کے دو اہم اسباب سلیمان قانونی کے دور ہی میں پیدا ہو گئے تھے۔

ان میں سے پہلا سبب تو وہی تھا جو بنواُمیہ اور بنوعباس کے زوال کی وجوہ میں ہم بیان کر چکے ہیں، یعنی موروثی نظامِ حکومت جو درحقیقت ملوکیت اور بادشاہت ہے۔ اس نظام میں اگر جانشین اچھا ہو تو ملک حسبِ سابق ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے لیکن اگر وہ نالائق نکل آئے تو عموماً ماتحت اُمراء جبراً وقہراً اس کے غلط احکام کی بھی تعمیل کرتے رہتے ہیں اور یوں بعض اوقات ایک نااہل حکمران کئی پشتوں سے قائم عالی شان حکومت کو چند سال میں تباہ کر جاتا ہے۔ اس نظام میں حکمران خداترس نہ ہو تو وہ ملک کو اپنی جاگیر سمجھ لیتا ہے اور احتساب سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ نیز بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ بیک وقت ایک سے زائد شہزادے تخت کے خواہاں ہو کر لڑ پڑتے ہیں اور ملک کو جدی پشتی جاگیر کی طرح تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر صورت کسی سلطنت کی بربادی کے لیے کافی ہے۔

جس طرح بنوعباس نے بنواُمیہ کے حالات سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور انہی کے طرز پر خلافت کے عنوان سے ملوکیت قائم کر دی، اسی طرح بنوعثمان نے بھی شاہی نظام ہی کو اختیار کیا اور زوال کی یہ وجہ شروع ہی سے ان میں پیدا ہو چکی تھی۔ البتہ یکے بعد دیگرے قابل اور دیندار سلاطین کی تخت نشینی نے زوال کو روکے رکھا اور ملک ترقی کرتا رہا۔

مگر سلیمانِ اعظم کے دور میں بعض ایسے حالات وواقعات پیش آئے کہ زوال کا سفر شروع ہو گیا۔ ہوا یہ کہ سلیمانِ اعظم کی ایک چہیتی ملکہ "خرم" (خوریم) تھی جو مذہباً یہودی اور وطناً روسی (یوکرائنی) تھی۔ اس کا اصل نام روکسلین تھا (ایک روایت کے مطابق اس نے اسلام قبول کر لیا تھا)۔ وہ اُمورِ سیاست میں بھی مداخلت کرتی تھی اور سلیمانِ اعظم سے اپنی فرمائشیں بہر طور منوا لیتی تھی۔ اس زمانے میں سلیمان کی بڑی ملکہ کا بیٹا مصطفیٰ اپنی قابلیت کے باعث خاصا مقبول تھا اور اس کی ولی عہدی کا اعلان ہو چکا تھا مگر ملکہ خرم کی شدید خواہش تھی کہ اس کا بیٹا محمد سلطان کا جانشین بنے مگر کچھ مدت بعد محمد کی وفات ہو گئی۔ اب خرم نے کوشش کی کہ اپنے کم سن بیٹے سلیم کو جانشین مقرر کرا دے۔ اس مقصد کے لیے اس نے مرحلہ وار کام کیا۔ پہلے ایک اُمیر رُستم پاشا کو اپنا داماد بنایا اور اپنے منصوبے میں شریک کیا۔ پھر جھوٹی شکایات لگا کر سلیمان پاشا کو ملک کے قابل صدرِ اعظم ابراہیم پاشا سے اتنا بدظن کر دیا کہ ابراہیم پاشا کو سزائے موت دے دی گئی۔ اس کے بعد یکے بعد

دیگرے ایاز محمد پاشا، لطفی پاشا اور سلیمان پاشا صدرِ اعظم بنے مگر کوئی بھی عہدے پر زیادہ مدت نہ ٹک سکا، اور آخر کار ملکہ خرم کے منصوبے کے مطابق اس کا داماد رستم پاشا اس منصب پر آ گیا۔ ملکہ نے اسے استعمال کر کے سلطان کو ولی عہد شہزادہ مصطفیٰ سے بداعتماد کر دیا اور اسے یقین دلایا کہ مصطفیٰ خفیہ طور پر شیعہ ہو چکا ہے اور شاہِ ایران اور ینی چری فوج کی مدد سے سلطان کا تختہ الٹ دینے کی تیاری کر رہا ہے۔ سلطان سلیمان نے اس پر یقین کر لیا اور ۶ نومبر ۱۵۵۳ء (۱۷ ذوالقعدہ ۹۶۰ھ) کو شہزادے کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد سلطان نے سلیم کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ملکہ خرم کی مراد پوری ہو گئی۔

اس واقعے کے چند سال بعد سلیمانِ اعظم کے ایک دوسرے قابل بیٹے بایزید کا انجام بھی بڑا دردناک ہوا۔ یہاں بھی سازشیوں نے سلطان کے کان بھرے اور اسے بایزید کے خلاف بھڑکا دیا۔ سلطان نے بایزید کو اپنے ہاں طلب کیا تو وہ سزا کے خوف سے حاضر نہ ہوا۔ جب اسے گرفتار کرنے کے لیے فوج بھیجی گئی تو اس نے مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر اپنے کنبے سمیت ایران فرار ہو گیا اور شاہ طہماسپ صفوی کی پناہ لی۔ تاہم سلطان نے دباؤ ڈال کر طہماسپ کو مجبور کر دیا کہ وہ بایزید اور اس کے کنبے کو واپس استنبول بھیج دے۔ بایزید واپس پہنچا تو اسے اس کے چار بیٹوں: اُورخان، محمود، عبداللہ اور عثمان سمیت قتل کر دیا گیا۔ یہ ۱۵ محرم ۹۶۹ھ (۲۵ ستمبر ۱۵۶۱ء) کا واقعہ ہے۔ ان واقعات نے سلطنت کے اس زوال کی بنیاد رکھ دی جو سلیم اول کے دور میں دھیرے دھیرے ظاہر ہوا۔①

سلطان سلیم خان ثانی

۹۷۴ھ تا ۹۸۲ھ (۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء)

سلطان سلیم ثانی صلاحیت اور اُمورِ جہاں داری میں اپنے باپ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا۔ حکومتی اُمور میں بھی زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اس نے تقریباً تمام سیاسی وعسکری معاملات صدرِ اعظم محمد پاشا کو سونپ رکھے تھے جس کی قابلیت اور مستعدی کے باعث ملکی نظام بخوبی چلتا رہا اور سلطنت نے بعض محاذوں پر کچھ فتوحات بھی حاصل کیں۔②

فوج میں مے نوشی کا مرض:

سلیم ثانی دینی اَقدار کو قائم رکھنے کے حوالے سے کمزور ثابت ہوا۔ اُس کے دور میں بہت سے اَفسرانِ فوج اور سپاہیوں کو مے نوشی کی لت لگ گئی۔ سلطان نے اس مسئلے میں نرمی برتی اور بعد میں اس خرابی پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔③

کریٹ میں عثمانیوں کو شکستِ فاش:

اس دور میں سلطنتِ عثمانیہ کو یورپ میں اپنی تاریخ کی پہلی بڑی شکست ہوئی یعنی ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) میں جزیرۂ کریٹ کی جنگ میں جمہوریہ وینس اور اسپین کے بحری بیڑے نے ترکوں کو شکستِ فاش دی اور ان کا بحری بیڑہ

① تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از فرید بک محامی: ص ۲۳۰ تا ۲۵۲؛ تاریخ الدولة العثمانیة از یلماز: ۱/ص ۳۴۸ تا ۳۶۱

② تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از محامی: ص ۲۵۳ تا ۲۵۶ ③ تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از محامی: ص ۲۵۹

تباہ کر دیا۔ پوپ نے اس فتح پر جشن منایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلافتِ عثمانیہ، یورپ کے لیے محض ایک سیاسی مسئلہ نہیں تھا بلکہ یورپ کے مذہبی پیشوا اسے ختم کرنا ایک مذہبی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ مشہور تھا کہ دولتِ عثمانیہ کو کبھی مغلوب نہیں کیا جا سکتا مگر اب یورپ نے جان لیا کہ عثمانی ناقابلِ شکست نہیں۔ اس لڑائی کو خلافتِ عثمانیہ کے دورِ انحطاط کا نقطۂ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ ①

اس موقع پر صدرِ اعظم محمد پاشا نے بڑی ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور دن رات ایک کر کے چھ ماہ بعد ۲۵۰ جہازوں پر مشتمل نیا بحری بیڑا سمندر میں اُتار دیا تاکہ یورپ سلطنتِ عثمانیہ کو مغلوب کرنے کے خواب دیکھنا بند کر دے۔ ②

سلطان مراد ثالث بن سلیم ثانی

۹۸۲ھ تا ۱۰۰۳ھ (۱۵۷۴ء تا ۱۵۹۵ء)

۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) میں سلیم ثانی کی وفات ہوئی اور اس کا بیٹا مراد ثالث تخت نشین ہوا۔ وہ بیگمات اور کنیزوں میں گھرا رہتا تھا۔ اس کا ولی عہد شہزادہ محمد خان ملکہ صفیہ کے بطن سے تھا۔ بیگمات کے علاوہ اس کی چالیس باندیاں تھیں جن سے اس کے ۱۹ لڑکے اور ۲۶ لڑکیاں تھیں۔ ③

رشوت ستانی کا آغاز:

مراد ثالث مال جمع کرنے کا شوقین تھا۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اُمراء اور افسران بڑا عہدہ پانے کے لیے بادشاہ کو ہدیے کے نام پر رشوتیں پیش کرنے لگے۔ چنانچہ نااہل افسران کو روز بروز ترقیاں ملنے لگیں۔ سلطان کے کردار کا اثر دوسروں پر بھی پڑا اور ایوانِ سلطنت میں رشوت لینا دینا عام ہو گیا۔ ④

ینی چری کی خودسری:

قصرِ سلطانی کی اندرونی صورتحال ابتر تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ افسرانِ فوج اور سپاہیوں میں اطاعت اور جاں نثاری کا پہلے جیسا جذبہ نہ رہا اور وہ خودسر اور سرکش ہونے لگے۔ ینی چری فوج اس قدر بے لگام ہو گئی کہ جب چاہتی تھی اپنے مطالبات کی خاطر احتجاجی مظاہرے شروع کر دیتی اور دارالحکومت کا امن و سکون برباد ہو جاتا۔ جب سلطان مراد نے فوج میں شراب نوشی پر پابندی عائد کی تو ینی چری فوج نے یہ حکم ماننے سے انکار کر کے ہنگامہ کر دیا۔ آخر سلطان مراد نے اس قدر شراب نوشی کی منظوری دے دی جو عقل کو مغلوب نہ کرے۔ ⑤

اس کے بعد ۱۵۸۹ء (۹۹۷ھ) میں ینی چری سپاہ نے قصرِ شاہی کا گھیراؤ کر کے بیگلر بیگ محمد پاشا کو سزائے موت

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ا/ص ۳۷۱ تا ۳۷۵ ؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۵۷ تا ۲۵۹

② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ا/ص ۳۷۵ ③ جامع الدول از منجم باشی: ص ۳۳۶، ۳۳۷

④ تاریخ عثمانی از اوزون چرشی: ۳/ص ۱۳۸ ⑤ تاریخ الدولۃ العلیۃ از فرید بک: ص ۲۵۹

دینے کا مطالبہ کیا اور سلطان کو دب کر یہ مطالبہ ماننا پڑا۔ پھر دباؤ ڈالنے کا سلسلہ چل نکلا اور خلافتِ عثمانیہ کا قریب قریب وہی حال ہوگیا جو بنو عباس کا اپنے دورِ زوال میں تھا کہ وہ طاقتور فوجی اُمراء کے ہاتھوں یرغمال بن گئی تھی۔ ①

سلطان محمد خان ثالث

۱۰۰۳ھ تا ۱۰۱۲ھ (۱۵۹۴ء تا ۱۶۰۳ء)

محمد خان ثالث ملکہ صفیہ کا بیٹا تھا۔ یہ وینس کی ایک باندی تھی جو بحری جھڑپ میں گرفتار ہو کر خلیفہ مراد ثالث کے حرم میں پہنچی تھی، اس کا اصل نام بافو تھا، وہ مسلمان ہوگئی اور خلیفہ نے اس کا نام صفیہ رکھا۔ وہ خلیفہ مراد کی چہیتی اور بااثر بیگمات میں شمار ہوئی۔ محمد خان ثالث کے نوسالہ دور میں اس کی والدہ ملکہ صفیہ اُمورِ مملکت میں دخیل رہی۔ ②

بھائیوں کا قتل:

محمد خان کے والد مراد ثالث نے ایک انتہائی افسوس ناک فعل سے حکومت کا آغاز کیا تھا یعنی بغاوت کے امکانات سے بچنے کے لیے اپنے پانچ بھائیوں کو قتل کرادیا تھا۔ ③

پھر جب ۱۵۹۴ء (۱۰۰۳ھ) میں مراد ثالث کا انتقال ہوا تو محمد خان ثالث نے بادشاہت کی دعوے داری کا امکان ختم کرنے کے لیے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے اُنیس بھائیوں کو قتل کرادیا۔ ④

مقامِ عبرت ہے کہ سلطان مراد ثالث نے جس طرح چند سال قبل اپنے پانچ بھائیوں کو قتل کیا تھا، مکافاتِ عمل میں اس کے بدلے اس کے اپنے اُنیس بیٹوں کے جنازے ایک ساتھ نکلے اور یہ ستم خود اس کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں ہوا۔ ایسے اقدامات سے سلطنت کی دینی ساکھ اور اسلامی وقار کو شدید نقصان پہنچا۔

بعض مواقع جو گنوا دیے گئے:

محمد ثالث ایک نڈر اور جنگجو انسان تھا اور اسی لیے اُس نے مدتوں بعد بادشاہ کے میدانِ جنگ میں نکلنے کی قدیم روایت زندہ کی اور اکتوبر ۱۵۹۶ء (ربیع الاوّل ۱۰۰۵ھ) میں ایک بہت بڑی جنگ میں رومانیہ کو شکستِ فاش دی۔

مؤرخین اس فتح کو ۱۵۲۶ء کی جنگِ موہاکس کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں جس میں سلیمانِ اعظم نے یورپی اتحاد کے پرخچے اڑا دیے تھے۔ تاہم عثمانی اس فتح سے مزید فائدہ اٹھائے بغیر لوٹ گئے اور کوئی نیا علاقہ فتح نہ کیا۔ ⑤

---

① جامع الدول از منجم باشی: ص ۳۶۸ تا ۳۷۲؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ ص ۳۲۸

② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۶۷؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز: ص ۳۲۹، ۳۳۰

③ تاریخ عثمانی از حقی: ۲ ص ۳۹؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ از فرید بک: ص ۲۵۹

④ جامع الدول از منجم باشی: ص ۳۳۶

⑤ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۳۳۸، ۳۳۹؛ تاریخ آل عثمان از قرمانی: ۱۳؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک: ص ۲۶۸

سلطان احمد خان اوّل

۱۰۱۲ھ تا ۱۰۲۶ھ (۱۶۰۳ء تا ۱۶۱۷ء)

محمد خان کی وفات کے بعد اس کا چودہ سالہ بیٹا احمد خان اوّل تخت نشین ہوا جو بڑا نیک سیرت اور دیندار تھا مگر ناتجربہ کار تھا۔ ایران کی صفوی سلطنت موقع ملتے ہی سلطنتِ عثمانیہ کو پے در پے زخم لگانے کی عادی تھی۔ چنانچہ احمد اوّل کے دور میں عباس صفوی نے خلافتِ عثمانیہ کو کمزور دیکھ کر شمالی عراق اور تبریز سمیت ایک وسیع علاقہ ترکوں سے چھین لیا۔ بعد میں دونوں حکومتوں میں جنگ بندی کا معاہدہ ہوا جس کے تحت سلیمانِ اعظم کے دور میں فتح کردہ ایران وعراق کے تمام علاقے صفویوں کو دے دیے گئے۔ یہ معاہدہ انحطاط کی طرف ایک بڑا قدم تھا۔

مخبوط الحواس سلطان:

اس کے بعد موروثیت کے اصول کی پابندی، اُمراء کی اجارہ داری اور عمائدِ سلطنت کی عاقبت نااندیشی کے باعث کئی نااہل حکمران آئے۔ حد یہ ہے کہ اس زمانے میں شہزادہ مصطفیٰ خان جیسے دماغی مریض کو بھی تخت پر بٹھایا گیا جو اکثر اپنے آباء واجداد کے مقبروں پر جا کر لوگوں پر ہزارہا اشرفیاں لٹا دیتا اور کبھی اشرفیاں اٹھا اٹھا کر سمندر میں پھینکنے لگتا۔ ②

عثمان ثانی

۱۰۲۷ھ تا ۱۰۳۱ھ (فروری ۱۶۱۸ء تا مئی ۱۶۲۲ء)

۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) میں ۱۴ سالہ عثمان ثانی تخت پر بیٹھا تو اس نے ایک قابل حکمران ہونے کا ثبوت دیا اور بولونیا سے جنگ میں قیادت کر کے قدیم روایات کو زندہ کیا مگر ینی چری افسران کی اکتاہٹ کے باعث جو بادلِ نخواستہ محاذ پر آئے تھے، یہ جنگ بے نتیجہ رہی۔ واپس آ کر عثمان نے بزدلی دکھانے والے کئی ینی چری افسران کو سزائے موت دے دی۔ سلطان ینی چری فوج کو بالکل ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا مگر ینی چری افسران کو بھنک پڑ گئی اور انہوں نے ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) میں سلطان کو محل سے اغواء کر لیا اور بدترین توہین وتذلیل کے بعد قتل کر ڈالا۔ عثمانیوں کی تاریخ میں باغیوں کے ہاتھوں کسی سلطان کے قتل کا یہ پہلا واقعہ تھا جسے "المأساۃ العثمانیۃ" (سانحۂ عثمانیہ) کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ ③

اس کے بعد ینی چری افسران نے دوبارہ مخبوط الحواس مصطفیٰ خان کو تخت پر بٹھا دیا اور خود پورے حکومتی نظام پر چھا کر طرح طرح کی زیادتیاں کرنے لگے۔ ان کے لیے صدرِ اعظم کا منصب ایک کھیل بن گیا اور ان کے دباؤ پر سوا سال میں سات بار صدرِ اعظم کو تبدیل کیا گیا۔ یوں نظامِ سلطنت تہہ وبالا ہونے لگا اور ارضِ روم، سیواس، انقرہ اور طرابلس

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۲۷۱، ۲۷۲ ② جامع الدول: ص ۳۶۲

③ الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض واسباب السقوط از دکتور الصلابی: ص ۳۰۳؛ الدولۃ العثمانیۃ المجہولۃ: ص ۲۸۹؛ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از محامی: ص ۲۷۷، ۲۷۸

سمیت جگہ جگہ خود مختاری کے دعوے دار کھڑے ہو گئے۔[1]

مراد خان رابع (عارضی افاقہ کا دور)

۱۰۳۲ھ تا ۱۰۴۹ھ (۱۶۲۳ء تا ۱۶۳۹ء)

آخر کچھ مخلص اُمراء کی تگ و دو سے ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) میں مراد خان رابع کو حکومت سونپی گئی جو ایک جفاکش اور بہادر حکمران تھا۔ وہ عباسی خلیفہ معتضد کا مثیل تھا۔ اس نے جاسوسی نظام کو فعال کر کے صوبوں کو مفسدین سے پاک کر دیا۔ اس کے دور میں ینی چری افواج نے ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۲ء) میں صدرِ اعظم حافظ پاشا کو قتل کر دیا جس پر مراد رابع نے فتنہ پرداز افسران کے خلاف سخت کارروائی کر کے بہت سوں کو سزائے موت دی اور باقی سرکشی سے باز آ گئے۔[2]

مراد خان رابع نے ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) اور ۱۰۴۸ھ (۱۵ نومبر ۱۶۳۸ء) میں ایران سے دو جنگیں لڑ کر تبریز سے بغداد تک کے وہ علاقے واپس لے لیے جو شاہ عباس نے کچھ عرصہ قبل دبا لیے تھے۔ اس بہادر سلطان نے تقریباً سترہ سال حکومت کے دوران سلطنت کو یقینی تباہی سے باہر نکال لانے کا کارنامہ انجام دیا۔[3]

خواتین کی اجارہ داری

مگر سلطان مراد رابع کو اچھے جانشین میسر نہ آ سکے، اس لیے زوال کے اسباب جو پوری طرح رفع نہ ہو سکے، دوبارہ فعال ہو گئے۔ سلطان مراد کے دور میں اس کی والدہ ''کوسم سلطان'' جو رُومی نسل سے تعلق رکھتی تھی اور سلطان کی وفات کے وقت تقریباً ۶۰ برس کی ہو چکی تھی، اُمورِ مملکت میں دخیل تھی۔ کوئی فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔

سلطان مراد کے بعد پے در پے کئی نا اہل، کم عمر اور ناتجربہ کار سلاطین آئے اور امورِ حکومت پر سلاطین کی مائیں اور بیگمات مزید مسلط ہوتی چلی گئیں اور محلاتی سازشیں عروج پر پہنچ گئیں۔ ۲۸ سال تک ملکہ کوسم سیاسی معاملات پر حاوی رہی۔ اس ملکہ نے اپنی اولاد میں سے تین خلفاء کا زمانہ دیکھا۔ سلطان مراد رابع اور سلطان ابراہیم خان، اس کے بیٹے تھے جبکہ سلطان محمد رابع پوتا تھا۔ ملکہ اس طویل دور میں سیاسی بساط پر چھائی رہی مگر نتیجہ سلطنت کے مزید زوال کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آخر کار ملکہ کوسم کو مخالفین نے قتل کر دیا جس کے بعد پانچ سال تک ملکہ خدیجہ حکومت پر حاوی رہی۔ تاہم نئے صدرِ اعظم محمد کوبرلو کی درخواست پر وہ ملک کے وسیع تر مفاد میں سیاست سے کنارہ کش ہو گئی۔[4]

---

(1) الدولۃ العثمانیۃ از الصلابی: ص ۳۰۴؛ التاریخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸ص ۱۳۰؛ جامع الدول: ص ۴۷۸

(2) تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک: ۲۸۰ تا ۲۸۳؛ الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النھوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۰۵

(3) تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ۲۸۳، ۲۸۵؛ تاریخ عثمانی از اوزون حقی: ۳ص ۲۹۳

(4) تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ ج۴۹۵ تا ۵۰۱

کوبرلو خاندان کا دور

محمد کوبرلو اپنے حسنِ انتظام اور سیاسی حکمتِ عملی کے ذریعے خلافت کی عظمت کو سہارا دیے رہا اور دشمنوں کے ہر حملے کو ناکام بناتا رہا۔ ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۱ء) میں محمد کوبرولو کا انتقال ہوگیا۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے احمد کوبرولو نے سنبھالی اور اس نے بھی خلافتِ عثمانیہ کی شان کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی۔ ①

اس زمانے میں آسٹریا نے سلطنتِ عثمانیہ کے ان مقبوضات پر حملہ کر کے جو صوبہ ہنگری کی حدود میں تھے، بوڈاپسٹ پر قبضہ کرلیا۔ ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۶ء) میں جمہوریہ وینس نے یونانی مقبوضات پر حملے کر کے بعض شہروں کو عثمانیوں سے چھین لیا۔ ②

ان شکستوں سے بددل ہوکر اُمراء نے ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۸ء) میں سلطان محمد رابع کو معزول کردیا اور سلیمان خان ثانی کو حکومت سونپی مگر اس کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال آسٹریا نے مزید پیش قدمی کرتے ہوئے سلطنت کے صوبہ ہنگری کے پایۂ تخت بلغراد پر قبضہ کرلیا۔ دوسری طرف جمہوریہ وینس کی بحریہ نے کئی یونانی مقبوضات کو عثمانیوں سے چھین لیا۔

ایسے میں صدرِ اعظم مصطفیٰ بن محمد کوبرولو نے حالات کو سنبھالا۔ اس نے سلطنتِ عثمانیہ کے ذمی اور نصرانی شہریوں کے ساتھ بہت عمدہ برتاؤ کیا، تاکہ یورپی طاقتیں انہیں خلافت کی مخالفت پر نہ ابھار سکیں۔ ③

۱۱۰۲ھ (۱۶۹۱ء) میں سلیمان ثانی کی وفات کے بعد اس کا بھائی احمد ثانی تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت کے پہلے سال صدرِ اعظم مصطفیٰ کوبرولو، آسٹریا سے جنگ میں فوج کی کمان کرتے ہوئے شہید ہوگیا۔ مصطفیٰ کوبرلو کی موت سلطنتِ عثمانیہ کے لیے ایک زبردست دھچکا ثابت ہوئی اور اس کے بعد ملک کو کئی بڑی شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ④

سلطان مصطفیٰ ثانی

(۱۱۰۶ھ تا ۱۱۱۵ھ (۱۶۹۴ء تا ۱۷۰۳ء)

۱۱۰۶ھ میں سلطان مصطفیٰ ثانی بن محمد رابع (۱۶۹۴ء) تخت نشین ہوا تو عثمانیوں کی روحِ ایمانی، شوقِ تبلیغ، جذبۂ جہاد، ولولۂ ترقی اور قومی غیرت و حمیت کو لگنے والا زنگ پوری طرح ظاہر ہو چکا تھا۔

میثاقِ کارلوفتس (سیاروفتس):

یورپی طاقتیں سلطنتِ عثمانیہ کے ضعف و انحطاط کو اچھی طرح بھانپ کر اس پر چڑھ دوڑیں۔ عثمانیوں نے اپنی

---

① الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابي: ص ۳۰۸

② الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابي: ص ۳۰۸

③ الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابي: ص ۳۰۸

④ الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابي: ص ۳۱۰

کمزوری کے باعث مجبور ہوکر "کارلوفنس" میں روس سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت سلطنتِ عثمانیہ، ہنگری اور ٹرانسلفانیا کے تمام شہروں سے دست بردار ہوگئی۔ اس کے بعد ان شہروں میں بسنے والے لاکھوں مسلمان ایک بے رحم دشمن کے شکنجے میں آ گئے۔ یہ بہت بڑی پسپائی تھی جس نے عثمانیوں کے چار صد سالہ رعب داب کو ختم کر دیا۔ ①

سلطان احمد ثالث بن محمد رابع

(۱۱۱۵ھ تا ۱۱۴۳ھ) (۱۷۰۳ء تا ۱۷۳۰ء)

سلطان مصطفیٰ ثانی کے بعد اس کے بھائی احمد ثالث کو تخت پر بٹھایا گیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۴۱ سال تھی۔ وہ ایک اچھا منتظم اور قابل آدمی تھا۔ ②

روس سے دو صد سالہ جنگوں کا آغاز:

اس دور میں رُوس کے پیٹر اعظم کو عروج ملا جس نے اپنی قوم کو گرم سمندروں تک رسائی کا ہدف دیا۔ اُس نے رُوس کو ایک بڑی سلطنت بنا دیا اور پھر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف اُن جنگوں کی ابتداء کر دی جو وقفے وقفے سے تقریباً دو صدیوں تک جاری رہیں۔

۱۷۱۱ء (۱۱۲۳ھ) میں پیٹر اعظم اپنی ملکہ کیتھرائن کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کی سرحدوں پر حملے کر رہا تھا کہ عثمانی جرنیل بلطہ پاشا نے اسے گھیر لیا۔ اگر جنگ جاری رہتی تو پیٹر، ملکہ کیتھرائن اور پوری فوج سمیت قیدی بن جاتا اور عثمانیوں کو رُوس کے شر سے نجات مل جاتی۔ تاہم ملکہ کیتھرائین نے کئی عثمانی افسران کو زر و جواہر دے کر خرید لیا اور ان کی ضد کے باعث بلطہ پاشا نے جنگ ختم کر کے صلح منظور کر لی اور پیٹر اعظم اپنی تمام فوج سمیت گھیرے سے نکل گیا۔ ③

جدت پسندی کی ابتداء:

یہ وہ دور تھا کہ یورپ معاشی ترقی اور جدید علوم کے میدان میں عالم اسلام کے برابر آ چکا تھا اور یہ ظاہر تھا کہ وہ چند عشروں میں بہت آگے نکل جائے گا۔ ایسے میں بعض ترک امراء یورپ کی فتوحات کے راز پر غور کرنے لگے تھے۔ احمد ثالث کا صدر اعظم ابراہیم پاشا پہلا شخص تھا جس نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ یورپ کی سیاسی، عسکری، اقتصادی اور عمرانی ترقی کن اصولوں پر منحصر ہے۔ اس نے سلطنتِ عثمانیہ میں جدت پسندانہ رجحانات کو متعارف کرایا۔ ④

❁❁❁

① الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض و اسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۱۰
② تاریخ سلاطین بنی عثمان: ص ۱۰۳
③ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱ ص ۵۹۵، ۵۹۶
④ فی اصول التاریخ العثمانی، از احمد عبدالرحیم مصطفیٰ: ص ۱۵۹

چوتھا باب

ضعف، جدّت اور جدوجہد کا دور

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ یہ جاننے کے قابل ہو جائیں گے کہ:

1. کن عثمانی سلاطین نے سلطنت کو جدید بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی؟
2. عثمانیوں میں جدت پسندی اور قدامت پسندی کی کش مکش کا کیا نتیجہ نکلا؟
3. سلطان عبدالحمید ثانی نے خلافت کے وقار کی بحالی، بیت المقدس کے تحفظ اور اسلامی دُنیا پر مغرب کے تسلط کو روکنے کے لیے کیا خدمات انجام دیں؟

سلطان محمود خان اوّل

۱۱۴۳ھ تا ۱۱۶۸ھ (۱۷۳۰ء تا ۱۷۵۸ء)

۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) میں سلطان محمود خان اوّل تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں وہ افسران کے ہاتھوں میں کھلونا تھا مگر بہت جلد اس نے اپنے اختیارات ہاتھ میں لے لیے اور مفسدین کو سخت سزائیں دے کر امن وامان بحال کر دیا۔ ①

بلغراد کی فتح، میثاقِ کارلوفتس (سارو فتس) سے نجات:

سلطان محمود نے عثمانیوں کی رگوں میں تازہ خون دوڑا دیا اور ۱۷۳۷ء (۱۱۵۰ھ) میں روس، آسٹریا، سربیا، رومانیہ کے اتحاد کو بدترین شکست دے کر بلغراد کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جنگیں دو سال تک جاری رہیں۔ آخر یورپی اتحاد شکست کھا کر عثمانیوں سے ایک نئے معاہدے پر مجبور ہو گیا جس کے تحت سلطنتِ عثمانیہ کو بلغراد سمیت وہ تمام علاقے واپس مل گئے جو میثاقِ کارلوفتس کی بناء پر اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ یوں عثمانیوں کا وقار خاصی حد تک دوبارہ بحال ہو گیا۔ ②

جدید علوم وفنون کے اداروں کا اجراء اور بندش:

سلطان طویل جنگوں کے بعد امن کا خواہاں تھا اور ملک کو علوم وفنون اور عسکری نظام میں یورپ کے ہم پلہ بنانے کے لیے یکسو رہنا چاہتا تھا۔ صورتحال یہ تھی کہ مسلمان جہاں دینی وروحانی طور پر اپنے اسلاف کی میراث سے دور ہوتے جا رہے تھے وہاں دو صدیوں سے ان پر علمی وفنی جمود بھی طاری تھا جبکہ یورپ جو گزشتہ صدیوں میں مسلمانوں سے خاصا پیچھے تھا، تیز دوڑ کر دو قدم آگے ہو چکا تھا۔ اگر مسلمان وقت کی رفتار کو سمجھ کر تیز قدم اٹھانا شروع کر دیتے تو زمانے میں سر اٹھا کر جی سکتے تھے لیکن اگر مسلسل جمود باقی رہتا تو اس کا نتیجہ یہی نکلتا کہ چند عشروں بعد عثمانی پس ماندہ اقوام میں شمار ہونے لگتے۔ سلطان محمود خان ابراہیم پاشا کی فکر ونظر سے متاثر تھا۔ وہ یورپ میں آنے والے انقلاب کے بارے میں حقیقت پسندانہ رائے رکھتا تھا اور جانتا تھا کہ اس وقت اقوامِ عالم سے مسابقت کے لیے عسکری تنظیم اور سائنسی ترقی بہت ضروری ہے۔ اس نے فرانسیسی افسران کو اپنے ہاں بھرتی کر کے ایک نئی فوج کو یورپی افواج کے طرز پر تربیت دلانے اور جدید اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کرنے کا کام شروع کرا دیا۔ ③

افسوس کہ سلطان محمود اوّل کی کاوشوں کو ینی چری افسران نے ضائع کر دیا۔ وہ فرانسیسیوں کا بڑھتا ہوا اثر ورسوخ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے ایسا ہنگامہ مچایا کہ ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) میں یہ تمام ادارے بند کرنے پڑے۔ ④

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از محامی: ص ۳۲۰؛ تاریخ سلاطین بنی عثمان از یوسف بیگ آصاف: ص ۱۰۷

② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ۳۲۲ تا ۳۲۵۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۱/ص ۶۰۸ تا ۶۱۱

③ فی اصول التاریخ العثمانی از احمد عبدالرحیم مصطفیٰ: ص ۱۶۲، ۱۶۳، ط دار الشروق

④ فی اصول التاریخ العثمانی از احمد عبدالرحیم مصطفیٰ: ص ۱۶۲، ۱۶۳، ط دار الشروق

۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ء) میں محمود اول ۶۰ سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔ اس نے عدل وانصاف کے ساتھ ۲۵ سال حکومت کی تھی۔ بلغراد فتح کر کے یورپ میں سلطنت کا رقبہ بڑھانا اور میثاق کارلوفٹس کو جو سلطنت کے لیے سخت عار کا باعث بنا تھا، منسوخ کرانا اس کے بڑے کارنامے ہیں۔ وہ علم اور کتابوں کا بڑا قدردان تھا جس کا ثبوت اس کے قائم کردہ چار کتب خانوں سے ملتا ہے۔ ①

عثمان ثالث

۱۱۶۸ھ تا ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۷ء)

سلطان محمود خان اول کی وفات کے بعد اس کا بھائی عثمان ثالث اس کا جانشین بن کر تخت پر بیٹھا۔ اس کے تین سالہ دور میں بیرونی جنگیں نہیں ہوئیں اور وہ اطمینان سے اندرونی انتظامات کو بہتر بنانے میں مشغول رہا۔ ②

مصطفیٰ ثالث

۱۱۷۱ھ تا ۱۱۸۷ھ (۱۷۵۷ء تا ۱۷۷۳ء)

مصطفیٰ ثالث بھی اچھا حکمران ثابت ہوا۔ اس نے مشرق تا مغرب وسیع سلطنت کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے شعبہ خبر رسانی پر خاص توجہ دی تاکہ ہر شہر کے حالات جلد از جلد بلاکم وکاست معلوم ہوتے رہیں۔ اس کے دور میں بحری اور بری تجارتی راستوں کو وسعت دینے کی کوشش بھی کی گئی۔ ③

روس سے چھ سالہ جنگ:

۱۷۶۸ء (۱۱۸۲ھ) میں روس کے باج گزار قوزاق حکمرانوں نے سلطنتِ عثمانیہ کی سرحدوں پر حملے شروع کردیے اور پھر روسی فوج بھی جنگ میں شامل ہوگئی۔ عثمانیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور ۱۷۶۹ء (۱۱۸۳ھ) میں روسی فوج نے بغدان اور افلاق (رومانیا) پر قبضہ کرلیا۔ ④

اس کے بعد روسی بحریہ درّہ دانیال پر قابض ہونے کے لیے جزیرۂ لمنوس پر مورچے بنانے لگی۔ سلطان مصطفیٰ ثالث نے یہ دیکھ کر ہنگری کے ایک ماہر انجینئر بیرن ڈی توت کو درۂ دانیال کے دونوں کناروں پر قلعے بنانے اور ان پر توپیں نصب کرنے کا حکم دیا۔ نیز ایک نیا کارخانہ کھلوا کر نئی توپوں کی تیاری کا کام بھی شروع کرادیا۔ ساتھ ہی اسلحہ سازی اور جدید عسکری فنون کا کالج کھلوادیا جس سے نوجوان ترک افسران نے اسلحہ سازی اور جدید جنگی حکمت عملی کی تربیت حاصل کرلی۔ اس کے بعد ان تربیت یافتہ افسران کی قیادت میں فوج بھیجی گئی جس نے ۱۷۷۱ء (۱۱۸۵ھ)

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ: ص ۳۲۵ تا ۳۲۸ ② الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از اسماعیل یاغی: ص ۱۲۱

③ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص ۱۲۲؛ الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۱۴

④ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۳۳۵؛ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از اسماعیل یاغی: ص ۱۲۲

میں روس کو جزیرہ لمنوس سے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ ①

روس سے جنگ جاری تھی کہ ۱۷۷۳ء (۱۱۸۷ھ) میں سلطان مصطفیٰ ثالث کی وفات ہوگئی۔ چھ سالہ جنگ اور رُومانیہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے غم نے اسے بستر پر ڈال دیا تھا۔ بہر کیف اس کے باوجود اس نے حریف کو برابر کی چوٹ دی اور اس کی شرائط پر سر نہ جھکایا۔ ②

سلطان عبدالحمید اوّل

(۱۱۸۷ھ تا ۱۲۰۳ھ (۱۷۷۳ء تا ۱۷۸۸ء)

مصطفیٰ ثالث کے بعد اس کا بھائی عبدالحمید تخت نشین ہوا تو جنگ زور و شور سے جاری تھی۔ ۱۷۷۴ء (۱۱۸۸ھ) میں روسی فیلڈ مارشل رومانزوف نے دریائے ڈینوب عبور کر کے ''وارنا'' کی طرف یلغار کر دی۔ جولائی ۱۷۷۴ء (جمادی الاولیٰ ۱۱۸۸ھ) کے خونریز معرکے میں روسی غالب رہے اور جنگ بندی کے معاہدے کے تحت سلطنتِ عثمانیہ کو ریاست ''قرم'' سے دستبردار ہونا پڑا اور ساتھ ہی بحیرۂ روم کے جزائر کے باشندوں سے جزیہ ساقط کرنا پڑا۔ ③

آسٹریا اور رُوس سے جنگ:

اس معاہدے کی منظوری پر ماسکو میں جشن منایا گیا، کیوں کہ پہلی بار عثمانیوں نے اپنے اصولوں کے خلاف شرائط پر سمجھوتہ کیا تھا۔ اگلے سالوں میں معاہدۂ صلح کے باوجود روس کی زیادتیاں بڑھتی چلی گئیں۔ اس نے بحیرۂ اسود میں جنگی بیڑہ داخل کر دیا جبکہ روسی جاسوس دولتِ عثمانیہ کے یورپی صوبوں میں پھیل کر نصرانیوں کو بغاوت پر اکسانے لگے۔

آخر ۱۷۸۷ء (۱۲۰۱ھ) میں سلطان عبدالحمید اوّل نے بھی صلح کو مسترد کر دیا چنانچہ آسٹریا اور رُوس کے ساتھ ایک نئی جنگ شروع ہوگئی۔ اس بار صدرِ اعظم یوسف پاشا نے ستمبر ۱۷۸۸ء (ذوالحجہ ۱۲۰۲ھ) کی جنگ میں شاہِ آسٹریا کو شکستِ فاش دے کر بلغراد پر قبضہ کر لیا۔ جبکہ دوسری سمت روسی فوج بحیرۂ اسود کی مغربی بندرگاہوں پر قابض ہوگئی۔

جنگ کے دوران ۱۷۸۹ء (۱۲۰۳ھ) میں سلطان عبدالحمید اول کی وفات ہوگئی۔ ④

سلطان سلیم خان ثالث بن مصطفیٰ ثالث

۱۲۰۳ھ تا ۱۲۲۲ھ (۱۷۸۸ء تا ۱۸۰۷ھ)

اب سلطان عبدالحمید کے بھتیجے سلیم خان ثالث نے تخت نشین ہو کر جنگ کی کمان شروع کر دی اور نہایت حوصلے کے ساتھ حالات کا سامنا کیا۔ اس نے ایک ولولہ انگیز تقریر کر کے افسران و سپاہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ⑤

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۳۳۷ تا ۳۳۹

② الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از اسماعیل یاغی: ۱۲۳ ③ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ: ص ۳۴۰ تا ۳۵۴

④ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج ۱ ص ۶۳۹، ۶۴۰ ، تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ۳۶۲

⑤ الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض و اسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۲۰

عسکری حکمتِ عملی:

سلیم ثالث نے اسپین، فرانس اور پروشیا کے سفیروں کی طرف سے جنگ بندی کی سفارشات کو مسترد کر دیا اور صدرِ اعظم کو تاکید کی کہ تمام محاذوں خصوصاً دریائے ڈینوب کے کنارے افواج کو متحرک رکھا جائے۔ اس نے فوج کے بجٹ اور دفاعی اخراجات میں اس قدر خطیر اضافے کیے جو گزشتہ ادوار میں کبھی نہیں کیے گئے تھے۔ [1] اس نے اپنے پرانے دوست حسین پاشا کو امیر البحر مقرر کیا اور بری فوج کی کمان حسن پاشا کے سپرد کی۔ روسی سرحدی قصبے "اسماعیل" پر ایک امیر مقرر کر کے اسے تاکید کی کہ وہ کسی بھی قیمت پر قلعہ اوزی کو روس سے واپس لے، اور بری راستے سے قوم کی طرف یلغار کرے۔

اس کی جنگی حکمتِ عملی کے باعث ترک افواج نے بعض محاذوں پر شاندار کامیابیاں بھی حاصل کیں مگر ستمبر ۱۷۸۹ء (محرم ۱۲۰۴ھ) کے اہم معرکے میں ترکوں کو شکست ہوئی۔ بہرکیف تین سال دس ماہ تک جاری رہنے والی اس جنگ میں کسی فریق کو غالب برتری نصیب نہیں ہوئی۔ آخر ۱۷۹۲ء (۱۲۰۶ھ) میں فریقین کے مابین صلح کا معاہدہ ہوگیا۔ [2]

یہ معاہدہ کرانے میں برطانیہ نے غیر معمولی دلچسپی لی، جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جنگ کے باعث اس کے تجارتی منافع پر بھاری ضرب لگ رہی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ برطانیہ کو فرانس سے خطرہ تھا جو نپولین کی قیادت میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنتا جا رہا تھا۔ نپولین کو روکنے کے لیے ضروری تھا کہ روس اور آسٹریا کو سلطنتِ عثمانیہ سے الجھنے سے بچا کر فرانس کے مقابلے میں کھڑا کیا جاتا۔

نپولین کا مصر پر حملہ اور اُس کے اثرات:

سلیم ثالث کی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ۱۷۸۹ء (۱۲۰۳ھ) میں فرانس میں جمہوری انقلاب آ گیا۔ جمہوریت پسندوں نے بادشاہ کو معزول کر کے جیل میں ڈال دیا اور ستمبر ۱۷۹۲ء میں فرانس کے جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

اس دوران فرانسیسی فوج کا افسر نپولین بوناپارٹ، ابھر کر سامنے آیا اور اس نے فرانس کو بحرانی حالت سے نکال کر ایک نئے دور میں داخل کر دیا۔ وہ آسٹریا کو شکستِ فاش دے کر قوم کا ہیرو اور پھر ملک کا سربراہ بن گیا۔ ۱۷۹۷ء (۱۲۱۱ھ) میں اُس نے وینس پر قبضہ کر لیا اور جولائی ۱۷۹۸ء (محرم ۱۲۱۳ھ) میں مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پر قابض ہوگیا۔ جلد ہی اُس نے قاہرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان حالات میں سلطان سلیم ثالث نے اعلانِ جہاد کر دیا جس کے بعد مصر میں نپولین کے خلاف شدید مزاحمت شروع ہوگئی۔ برطانیہ بھی اس جنگ میں سلطنتِ عثمانیہ کا اتحادی بن گیا اور اس نے بحری جنگ میں فرانسیسیوں کو سخت نقصانات پہنچائے۔ نپولین مصر کو مسخر کر کے شام میں داخل ہو چکا تھا مگر عکا کے محاذ پر شدید مزاحمت کے باعث وہ مزید آگے نہ بڑھ سکا اور اُسے آخرکار فرانس واپس لوٹنا پڑا۔ [3]

---

① الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۲۰

② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج۱ص ۶۳۱ تا ۶۳۲؛ الدولۃ العثمانیۃ از الصلابی: ص ۳۲۱ تا ۳۲۳

③ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض واسباب السقوط از صلابی: ص ۳۳۳؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ج۱: ۶۴۸ تا ۶۵۱؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۳۷۵

مصر پر نپولین کا قبضہ چاہے مختصر رہا مگر اس کے باعث مصر میں یورپی تعلیم وثقافت کے نفوذ کی رفتار تیز ہوگئی۔ نپولین کے حملے سے بہت پہلے فرانسیسی دانشور مصر میں سرگرم ہو چکے تھے۔ مقامی یہود ونصاریٰ کے علاوہ بعض مسلمان امراء سے بھی ان کے گہرے تعلقات تھے جنہیں ذہنی طور پر ہم فکر بنایا جا چکا تھا۔ نپولین کے حملے کے بعد یہ سلسلہ مزید تیزی سے بڑھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مصر میں فری میسن کے لاجز بھی قائم ہوگئے۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے انیسویں صدی عیسوی میں مصر کے اُمیر محمد علی پاشا کے لیے بغاوت کی راہ ہموار کی اور مصر کو سلطنتِ عثمانیہ سے الگ کر دیا۔ ①

سلیم ثالث کا نظام جدید:

فرانس کے حملے کے بعد سلیم ثالث نے امراء، علماء اور دانش وروں کو حکم دیا کہ وہ سلطنت کے زوال کے اسباب پر غور کر کے، ایسی تجاویز دیں کہ عظمتِ رفتہ کی بازیافت ہو سکے۔ جو تجاویز آئیں ان کی روشنی میں فروری ۱۷۹۳ء (جمادی الآخرہ ۱۲۰۷ھ) میں نظامِ سلطنت کو تبدیل کرنے کا اعلان ہوا اور نئے نظام کو ''نظام جدید'' کا نام دیا گیا۔ اس نظام کے تحت جہاز سازی اور اسلحہ سازی کے لیے فرانسیسی طرز کے کارخانے لگوائے گئے۔ جدید حربی فنون کی تعلیم کے لیے مغربی طرز کی درسگاہیں کھولیں گئیں۔ فوج میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں شروع کی گئیں۔ انگریز افسران کے ذریعے ڈیڑھ ہزار نوجوانوں کو برطانوی قواعدِ حرب کے مطابق تربیت دلائی گئی تاکہ وہ باقی فوج کو تربیت دیں۔ ②

ینی چری کی بغاوت اور سلیم خان کی معزولی:

مگر ینی چری افسران اور قدامت پسند امراء اصلاحات کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ انہیں ورغلانے میں سرکاری مناصب پر فائز بعض مفتیوں کا بھی ہاتھ تھا جنہوں نے فتویٰ دیا کہ جو حکمران مغربی نظام اور ان کے طور طریقوں کو اختیار کرتا ہے، وہ حکمرانی کے قابل نہیں۔ اس فتوے کی مدد لے کر جون ۱۸۰۷ء (ربیع الآخر ۱۲۲۲ھ) میں قدامت پسند امراء اور ینی چری نے بغاوت کر دی اور سلیم ثالث کو معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔ ③

مصطفیٰ رابع

۱۲۲۲ھ تا ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۷ء تا ۱۸۰۸ء)

سلیم ثالث کی معزولی کے بعد باغی افسران نے سلطان عبدالحمید اوّل کے بیٹے مصطفیٰ رابع کو خلیفہ بنا دیا مگر اس کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں تھی۔ ④ وہ صرف تیرہ ماہ حکومت کر سکا۔ جون ۱۸۰۸ء (مئی ۱۲۲۳ھ) میں بہت سے افسرانِ فوج اور سپاہیوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ سلیم ثالث کو قید سے آزاد

---

① الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۲۷

② تاریخ الدولة العثمانية، از یلماز اوزتونا: ۱ ج ۶۳۵، ۶۳۶؛ الدولة العثمانية في التاريخ الاسلامي الحديث، از اسماعيل یاغی: ص ۱۲۷؛ تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از فرید بک محامی: ص ۳۷۰، ۳۷۱؛ الدولة العثمانية از الصلابی: ص ۳۲۷

③ التاريخ الاسلامي از محمود شاکر: ج ۸ ص ۱۵۸۔ تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از فرید بک محامی: ص ۳۹۳؛ الدولة العثمانية في التاريخ الاسلامي الحديث، از اسماعيل یاغی: ص ۱۲۷ ④ تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از محامی: ص ۳۹۴

کر کے دوبارہ تخت پر بٹھایا جائے۔ اس کے جواب میں مصطفیٰ رابع نے سلیم ثالث کو قتل کرا دیا۔ آخر مظاہرین نے حملہ کر کے مصطفیٰ رابع کو گرفتار کر لیا۔ انجام کار یہ شورش مصطفیٰ رابع کی معزولی پر منتج ہوئی۔ ①

سلطان محمود ثانی بن عبدالحمید اوّل

(۱۲۲۳ھ تا ۱۲۵۵ھ (۱۸۰۸ء تا ۱۸۳۹ء)

مصطفیٰ رابع کی معزولی کے بعد ۱۸۰۸ء (۱۲۲۳ھ) میں محمود ثانی تخت نشین ہوا۔ اس نے ینی چری افواج کو نظام جدید کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی مگر ینی چری افسران نے الٹا بغاوت کر دی۔ محمود ثانی نے اُن سے دَب کر سلیم ثالث کے نظام جدید کو معطل کر دیا۔ تاہم وہ موقعے کا منتظر رہا تاکہ ینی چری کا پتہ صاف کر کے دوبارہ اصلاحات کا بیڑا اُٹھایا جائے۔ مگر اسے یہ موقع ملنے میں کئی سال گزر گئے کیوں کہ اس کا دور جنگ وجدل سے بھرپور تھا۔ ②

روس سے جنگ:

محمود ثانی نے تخت نشینی کے دوسرے سال ۱۸۰۹ء (۱۲۲۴ھ) میں روسیوں کے ایک حملے کو ناکام بنا کر انہیں ان کی حدود میں واپس دھکیل دیا۔ اُدھر فرانس کے نئے بادشاہ نپولین کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ ۱۸۱۲ء میں وہ رُوس کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر روس نے مئی ۱۸۱۲ء (جمادی الاولیٰ ۱۲۲۷ھ) میں سلطنت عثمانیہ سے صلح کا معاہدہ کر لیا جو ''میثاقِ بخارست'' کے نام سے موسوم ہوا جس کے مطابق رومانیہ، بغدان اور سربیا دوبارہ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت مان لیے گئے۔

اُدھر نپولین کو روس پر حملے میں شکستِ فاش ہوئی تو اس نے شکست کی ذمہ داری خلافتِ عثمانیہ پر ڈال دی اور کہا کہ خلیفہ نے روس کو اپنی تمام افواج ترکی کے محاذ سے ہٹا کر فرانس کے مقابلے پر لانے کا موقع دیا۔ یوں سلطنتِ عثمانیہ اور فرانس کے تعلقات مزید کشیدہ ہو گئے۔ ③

محمد علی پاشا اور جدید مصر:

اس زمانے میں مصر کا عثمانی اُمیر محمد علی پاشا نامی ایک تجربہ کار رئیس تھا۔ اس نے برطانیہ سے ساز باز کر کے مصر میں خود مختاری حاصل کر لی اور ''خدیو'' کا لقب اختیار کر کے وہاں ''دولتِ خدیویہ'' کی بنیاد ڈالی۔ محمد علی پاشا ظاہراً بزرگ صورت مگر حقیقت میں انتہائی مغرب زدہ انسان تھا۔ وہ عالم اسلام کا پہلا حکمران تھا جس نے قوم کو ''ماڈرن'' بنانے کی کوشش کی۔ اس نے شرعی حدود کو معطل کر دیا اور مغربی تعلیم اور یورپی تہذیب وتمدن کے نفوذ کے لیے راہیں ہموار

---

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۳۹۴ تا ۳۹۷

② تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از محامی: ص ۳۹۸، ۳۹۹؛ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از یاغی: ص ۱۲۷، ۱۲۸

③ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از اسماعیل یاغی: ص ۱۲۷، ۱۲۹؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۳۹۸ تا ۴۰۱

کردیں۔ مصر اس کے دور میں کفار کی سازشوں کا مرکز بن گیا۔ حق گو علماء کا ناطقہ بند کردیا گیا اور یورپی تاجروں کے لیے تجارت کے دروازے پاٹوں پاٹ کھول دیے گئے جس سے ملکی معیشت کساد بازاری کا شکار ہوگئی۔ ①

ینی چری کا استیصال اور نظام جدید کا اعادہ:

۱۸۲۶ء میں سلطان محمود ثانی نے موقع پا کر پوری قوت سے ینی چری فوج کو کچل ڈالا جو قوم کے لیے ایک ناسور اور ملکی خزانے پر ایک بوجھ بنی ہوئی تھی۔ سلطان کے حکم پر ساٹھ ہزار سپاہیوں نے توپ خانے کے ساتھ ان کی چھاؤنی کو گھیر لیا۔ ینی چری کے پاس اس وقت توپ خانہ نہیں تھا، لہٰذا انہیں شکست ہوئی اور ان کی طاقت فنا ہوگئی۔ یہ واقعہ جدید ترکی کا سنگِ میل ہونے کی حیثیت سے ''الواقعة الخیریة'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد سلطان محمود ثانی نے ''نظامِ جدید'' کے اعادے کا اعلان کروایا۔ فوج کی وردی اور درباری و سرکاری لباس بھی تبدیل کردیا۔ کرتے شلوار پر یورپی وردی کو ترجیح دی گئی۔ عمامے کی جگہ ترکی ٹوپی کو دے دی گئی۔ ②

مشرقی مسئلہ۔ یونان میں بغاوت:

سلطنتِ عثمانیہ کو ٹھکانے لگانے کی متعدد ناکام کوششوں کے بعد یورپی ممالک، روس کو ساتھ ملا کر سر جوڑ کے بیٹھے اور طے کیا کہ اپنے تمام تنازعات کو ثانوی حیثیت دے کر عثمانیوں کو پہلا ہدف قرار دینا چاہیے جو صدیوں سے تن تنہا پورے یورپ کا مقابلہ کررہے ہیں۔ چنانچہ سب نے عثمانیوں کو ختم کرنے کی مشترکہ جدوجہد کو ''مشرقی مسئلہ'' کا عنوان دیا جس کے بعد روس، برطانیہ اور فرانس مل کر کبھی خفیہ اور کبھی علانیہ یونان کی آزادی کی حمایت کرنے لگے۔ انہوں نے سلطنتِ عثمانیہ کو ''یورپ کے مردِ بیمار'' کا لقب دے دیا تاکہ عثمانیوں کی ہمت پست کی جاسکے۔ اس کے بعد ۱۸۲۱ء (۱۲۳۶ھ) میں یونان میں بغاوت برپا کردی گئی۔ لگ بھگ دس سال تک وہاں جنگ ہوتی رہی۔ عالمی طاقتوں نے درمیان میں مذاکرات کی میز بھی سجائی مگر ان کی حمایت یونانیوں کے ساتھ تھی۔ آخر عثمانیوں کو محاذِ جنگ پر بھی شکست ہوگئی اور ستمبر ۱۸۲۸ء (ربیع الاول ۱۲۴۴ھ) میں یونان کا بیشتر حصہ خلافت کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ③

ترکی اور روس کی جنگ اور معاہدۂ اِدرنہ (میثاقِ ایڈریانوپل):

سلطنتِ عثمانیہ جب یونان سے جنگ میں مصروف تھی تو ۱۸۲۸ء (۱۲۴۳ھ) میں روس نے موقع پا کر اعلانِ جنگ کردیا۔ ڈیڑھ سال تک جنگیں جاری رہیں اور انجام کار رُوس غالب رہا۔ شکست کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ینی چری کے خاتمے کے بعد تیار کیے جانے والے جدید ترک دستے بہت کم تھے مگر جہاں جہاں وہ تعینات تھے، وہاں روس کو ماضی کی تمام جنگوں سے بڑھ کر نقصانات ہوئے۔ بہرکیف روس ''وارنا'' پر قابض ہوکر بحیرۂ اسود میں داخل ہوگیا اور اس کی

---

① تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از فرید بک محامی: ص ۳۹۰، ۳۹۱، ۴۰۷؛ الدولة العثمانیة عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ۳۳۷، ۳۳۸

② الدولة العثمانیة، عوامل النهوض واسباب السقوط از صلابی: ص ۳۴۰، ۳۴۱

③ تاریخ الدولة العثمانیة از یلماز اوزتونا: ۱، ص ۶۵۴؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ ص ۱۶۴، ۱۶۵

فوجوں نے استنبول کے مغرب میں ''ایڈریانوپل'' پر بھی قبضہ کرلیا جو ترکوں کا سابق پایہ تخت تھا۔

ایڈریانوپل پر روسی تسلط کے بعد خطرہ تھا کہ وہ استنبول پر بھی قبضہ کرلے گا۔ چونکہ ہر یورپی ملک دنیا کے اس اہم ترین عسکری وسیاسی مقام پر خود قابض ہونا چاہتا تھا اور روس کا وہاں قبضہ تمام یورپ کے لیے خطرہ بن سکتا تھا، اس لیے ستمبر ۱۸۲۹ء (ربیع الاول ۱۲۴۵ھ) میں فرانس اور برطانیہ نے بیچ میں آکر صلح کرادی اور میثاقِ ایڈریانوپل پر دستخط ہوگئے جس معاہدے کے مطابق رومانیہ، بغدان، بلقان، ارض روم اور بلغاریہ، ترکی کو واپس کردیے گئے جبکہ سربیا کو خودمختاری دے دی گئی اور سلطنتِ عثمانیہ کو پابند کیا گیا کہ وہ روس کو تاوانِ جنگ ادا کرے۔ ①

الجزائر پر فرانس کا اور شام پر محمد علی پاشا کا قبضہ:

فرانس بحیرۂ روم میں برطانیہ کو مات دینا چاہتا تھا لہٰذا اس نے ۱۸۳۰ء (۱۲۴۵ھ) میں تمام معاہدوں اور ضابطوں کو پسِ پشت رکھ کر اچانک الجزائر میں فوجیں داخل کردیں۔ محمد علی پاشا جو مصر میں ایک طاقتور فوج کے ساتھ موجود تھا، دم سادھے رہا۔ اُدھر خلیفہ کے لیے روس سے شکست، بحیرۂ روم کے جزیروں سے محرومی اور مصر کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اپنا دفاع بھی مشکل تھا، چہ جائے کہ وہ الجزائر کی کچھ مدد کرسکتا۔ الجزائر کے مردِ حُر امیر عبدالقادر الجزائری نے سترہ سال تک فرانس کا مقابلہ کیا مگر آخر میں انہیں بھی ناکامی ہوئی۔

خلافتِ عثمانیہ کو کمزور دیکھ کر محمد علی پاشا اس کا گلا گھونٹنے پر تیار ہوگیا اور اس نے ۱۸۳۲ء (۱۲۴۷ھ) میں شام پر چڑھائی کردی۔ عثمانیوں کو پے در پے شکستیں ہوئیں اور مصری افواج شام پر قابض ہوکر اناطولیہ میں داخل ہوگئیں۔ مجبوراً سلطان محمود ثانی نے روس کی بعض شرائط مان کر اس سے ایک دفاعی معاہدہ کرلیا تاکہ استنبول کو بچایا جاسکے۔

مصری افواج کے استنبول سے قریب تر آنے اور ترکی میں روس کا عمل دخل بڑھ جانے سے مغربی ممالک پریشان ہوگئے اور انہوں نے مصر اور سلطنتِ عثمانیہ کے مابین ایک معاہدہ کراکے جنگ کو روکا۔ کچھ عرصے کی جنگ بندی میں فریقین جنگ کی تیاری کرتے رہے اور ۱۸۳۹ء (۱۲۵۵ھ) میں الجزیرہ میں دوبارہ جنگ چھڑ گئی مگر اس بار بھی عثمانیوں کو شکست ہوئی۔ اس شکست کی خبر استنبول پہنچنے سے قبل سلطان محمود خان ثانی کی وفات ہوگئی۔ ②

سلطنت عثمانیہ میں جدت پسندی کے رجحانات:

سلطان محمود ثانی نے سلطنت کی خوشحالی اور بہتری کے لیے اَنتھک کام کیا۔ شعبۂ مواصلات اور نشر واشاعت پر خاص توجہ دی، حجری طباعت (لیتھو پرنٹنگ) کا آغاز کیا اور پریس لگوائے۔ ۱۸۳۱ء (۱۲۴۶ھ) میں ''تقویم وقائع'' کے نام سے ایک اخبار نکالا جو تین زبانوں: عربی، ترکی اور فرنچ میں شائع ہوتا تھا۔ یونان سے جنگ میں ترکوں کا بحری بیڑہ تباہ ہوگیا تھا۔ سلطان نے پہلے سے بڑھ کر عظیم الشان بحری بیڑہ تیار کرادیا۔ سلطان نے تعمیر وترقی کے متعدد محکمے قائم کیے جن

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۴۳۲، ۴۳۳؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸/ص ۱۶۳ تا ۱۶۷

② الدولۃ العثمانیۃ عوامل النھوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۶۹؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از محامی: ص ۴۴۷ تا ۴۵۳

کے تحت ہزار ہا خستہ حال اور تباہ شدہ عمارتوں کی مرمت یا تعمیرِ نو کی گئی۔ بے شمار سڑکیں بنائی گئیں اور پل تعمیر کیے گئے۔

سلطان محمود ثانی نے ''مہندس خانۂ بری ہمایونی'' (آرمی انجینئرنگ کالج) کو ترقی اور وسعت دی، نیز ''مہندس خانہ بحری ہمایونی'' (نیول انجینئرنگ کالج) قائم کیا جہاں سے بحری اُفسران تربیت لینے لگے۔ اسی دور میں ''شاہی مدرسہ طبیہ عسکریہ'' نامی کالج قائم کیا گیا۔ ان اداروں کے انتظامات عالمی معیار کے مطابق کیے گئے۔ سلطان نے ایک ادارہ ''دارالترجمہ'' کے نام سے قائم کیا۔ یہ ادارہ صدرِ اعظم اور دیگر وزراء کے لیے (جو غیر ملکی زبانیں نہیں جانتے تھے) تحریروں اور دستاویزات کا ترجمہ کیا کرتا تھا۔ نیز یہاں نوجوانوں کو غیر ملکی زبانیں خصوصاً فرنچ سکھائی جاتی تھی۔ ①

سلطان محمود ثانی سے بعض غلطیاں بھی ہوئیں۔ اس نے اپنے مشیر خلیل رفعت پاشا کے کہنے پر ۱۸۲۹ء (۱۲۴۴ھ) میں درباریوں، سرکاری افسران اور ملازمین کے لیے عمامہ، کرتا شلوار اور مقامی طرز کے جوتوں کی جگہ سرخ رومی ٹوپی، پتلون اور شرٹ لازمی قرار دے دی۔ عمامہ اور کرتا شلوار صرف علماء کے لیے مخصوص کر دیے گئے۔ ② ظاہر کا اثر انسان کے باطن پر بھی ہوتا ہے، چنانچہ مغربی لباس اپنانے کے بعد ترک افسران کے دلوں میں مغربی طرزِ حیات اور اُفکار و نظریات کے لیے بھی نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ عثمانی معاشرہ دن بدن مغربی تہذیب کی طرف مائل ہونے لگا۔

مصر اور شام کی صورتحال زیادہ خراب تھی جہاں محمد علی پاشا نے فرانس اور امریکا کے مشنری اداروں کو مسیحیت کی تبلیغ کی اجازت دے دی تھی اور غیر مسلموں پر لاگو شریعت کے خصوصی قوانین معطل کر دیے تھے۔ امریکا نے اپنا پریس جزیرہ مالٹا سے بیروت منتقل کر لیا تھا۔ یورپ اس کوشش میں بھی کامیاب رہا کہ اسلامی ملکوں میں لگنے والے جدید پریس، نصرانی سرمایہ داروں کے سوا کسی کی ملکیت نہ ہوں۔ ان مطابع سے شائع ہونے والے لٹریچر اور ان تعلیم گاہوں کے ذریعے اسلامی تہذیب وتمدن کے خلاف مہم چلائی گئی۔ شام اور مصر میں وطنیت کا جذبہ عام کیا گیا تاکہ ترکوں اور عربوں کو مزید لڑایا جاسکے۔ فری میسن کے لاجز جگہ جگہ کھل گئے اور اسلام کی جڑیں کاٹی جانے لگیں۔ ③

درحقیقت ترقی پسندوں میں سے اکثر فریبِ فکر ونظر کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ اہلِ یورپ کی علوم وفنون میں مہارت، نظم وضبط، وسیع مشاورت، ادارہ جاتی نظام میں جدتیں پیدا کرنے کی جہد و جہد اور بہتر سے بہتر آلات وایجادات کی جستجو کو نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ ان کی نگاہیں پوشاکوں کی بناوٹ، وردیوں کی تراش خراش، محلات کی آرائش وتزئین، بناؤ سنگھار کی جدتوں اور طعام وشراب کی لذتوں میں الجھ کر رہ گئیں۔ ترک امراء یورپی لباس اور طرزِ تعمیر کو زمانے کا فیشن سمجھ کر اختیار کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں اہلِ یورپ سے جو سیکھنا چاہیے تھا، وہ نہ سیکھ پائے اور جن اُمور سے بچنا تھا، ان کے گرویدہ ہو گئے۔ یوں زوالِ عالمِ اسلام کی تقدیر بن گیا۔ ④

❁❁❁

① تاریخ الدولة العثمانیة از یلماز اوزتونا: ۲، ص ۱۹ تا ۲۲ ④ ایضاً

② الدولة العثمانیة از الصلابی: ص ۳۶۹؛ تاریخ الدولة العلیة العثمانیة از فرید بک محامی: ص ۲۴۷ تا ۲۵۳

③ الدولة العثمانیة فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از اسماعیل یاغی: ص ۱۱۹

مشق

سوالات کے جوابات دیجئے:

1. عثمانیوں کے زوال میں ملکہ صفیہ اور ملکہ کوسم کا کیا کردار تھا؟
2. سلطان سلیم ثالث اور سلطان محمود ثانی کے دور میں کون کون سی نئی اصلاحات سلطنت میں داخل ہوئیں؟
3. ویانا میں عثمانیوں کی شکست کے کیا اسباب تھے؟
4. ینی چری کا ادارہ کس نے قائم کیا؟ اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
5. سلطنت عثمانیہ کی تاریخ کے بحران میں کوپریلی خاندان کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
6. سلطان محمود ثانی اور سلطان عبدالمجید اول کی کوشش کے باوجود جدید علوم و فنون کیوں ترویج نہ پا سکے؟
7. سلطنت عثمانیہ نے مصر اور شام پر نپولین کے حملے کا مقابلہ کیسے کیا؟
8. سلطان محمود ثانی نے ینی چری فوج کو کیوں ختم کیا اور عثمانیوں کے نظام میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

عملی سرگرمی:

❋ درسگاہ میں مباحثہ کیجئے کہ خواتین کا سیاست میں عمل دخل عثمانیوں کے زوال کا سبب بنا تھا یا نہیں۔
❋ انٹرنیٹ پر ینی چری کے ادارے کا متن تلاش کر کے اس کا پرنٹ نکالیں اور اس کے کوئی تین نکات قلم بند کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

❋ تاریخ خاندان عثمانیہ، از مولوی انشاء اللہ خان
❋ دولت عثمانیہ، از ڈاکٹر محمد عزیر
❋ الدولة العثمانية، عوامل النهوض وأسباب السقوط، از دکتور علی محمد الصلابی

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ عثمانیوں کے زوال میں ملکہ خرم اور ملکہ کوسم کا کیا کردار تھا؟

❷ سلطان سلیم ثانی اور سلطان مراد ثالث کے دور میں کونسی برائیاں نظامِ سلطنت میں داخل ہوئیں؟

❸ کریٹ میں عثمانیوں کی شکست کا واقعہ اپنے الفاظ میں لکھیے؟

❹ میثاقِ کارلوفتس کیوں کیا گیا؟ اس کے کیا اثرات رونما ہوئے؟

❺ سلطنتِ عثمانیہ کو تباہی سے بچانے میں کوبرلو خاندان کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

❻ سلطان محمود خان اوّل اور سلطان سلیم ثالث کوشش کے باوجود جدید علوم وفنون کو کیوں ترویج نہ دے سکے؟

❼ سلطنتِ عثمانیہ نے مصر اور شام پر نپولین کے حملے کا مقابلہ کیسے کیا؟

❽ سلطان محمود ثانی نے ینی چری فوج کو کیوں ختم کیا اور عثمانیوں کے نظام میں کیا تبدیلیاں کیں؟

عملی کام:

❁ درسگاہ میں مباحثہ کیجیے کہ خواتین کا سیاست میں عمل دخل عثمانیوں کے زوال کا سبب بنا تھا یا نہیں۔

❁ انٹرنیٹ پر میثاقِ کارلوفتس کا متن تلاش کر کے اس کا پرنٹ نکالیں اور اس کے کوئی تین نکات قلم بند کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخ خاندانِ عثمانیہ، از مولوی انشاء اللہ خان

❁ دولتِ عثمانیہ، از ڈاکٹر محمد عزیز

❁ الدولة العثمانية، عوامل النهوض واسباب السقوط، از دکتور علی محمد الصلابی

(یونٹ:3.9)

سلطان عبدالمجید اوّل

(۱۲۵۵ھ تا ۱۲۷۷ھ (۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۱ء)

سلطان محمود ثانی کی وفات کے بعد ۱۸۳۹ء (۱۲۵۵ھ) میں اس کا بیٹا عبدالمجید اوّل تخت نشین ہوا۔ وہ جسمانی لحاظ سے کمزور مگر ذہین، مہربان اور قابل نوجوان تھا۔ وہ ترقی و استحکام کے لیے نظام میں فوری تبدیلی کا خواہاں تھا۔ اس نے تجارت کو وسعت دی اور بہت سی نئی تعمیرات کرائیں۔ اسی دور میں ترکی میں پہلا بینک کھولا گیا اور کاغذی نوٹ جاری کیے گئے۔ ① اس کا یادگار کارنامہ مسجدِ نبوی کی تعمیرِ نو اور توسیع ہے جو ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۸ء تک جاری رہی۔ ②

جب وہ تخت نشین ہوا تو سلطنتِ عثمانیہ کا دم لبوں پر تھا۔ شام اور الجزیرہ کے علاوہ اناطولیہ کے کئی اضلاع پر بھی مصری فوجیں قابض تھیں۔ مزید ستم یہ ہوا کہ عثمانیوں کا امیر البحر احمد پاشا جو صدرِ اعظم کا منصب نہ ملنے پر خفا تھا، غدار بن گیا اور اس نے اپنا بحری بیڑہ اسکندریہ لے جا کر محمد علی پاشا کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد محمد علی پاشا کسی بھی وقت استنبول پر حملہ کر سکتا تھا۔ مگر یہ بات یورپی ممالک کے مفادات کے خلاف تھی جو سلطنتِ عثمانیہ کو اپنی مرضی سے باہم تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے بیچ میں پڑ کر جون ۱۸۴۰ء (ربیع الآخر ۱۲۵۶ھ) میں سلطنتِ عثمانیہ اور مصر کے درمیان ایک معاہدہ کرایا جس کے مطابق محمد علی پاشا کو شام سے انخلاء کر کے مصر تک محدود ہونا پڑا۔ ③

جنگِ کریمیا اور میثاقِ پیرس:

فرانس اب تک روس کے ہاتھوں شکست کی ذلت کو نہیں بھولا تھا اور اب روس پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ روس نے جنگ سے قبل سلطنتِ عثمانیہ کو اپنا حلیف بنانے کی کوشش کی مگر سلطان عبدالمجید اوّل نے انکار کر دیا۔ اس پر روس نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے بغدان اور افلاق پر قبضے کے لیے فوج کشی کر دی۔ برطانیہ اور فرانس اپنے مفادات کے لیے سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ ہو گئے۔ اُدھر آسٹریا اور رُوس باہم مل گئے۔

بہرکیف مختلف معرکوں میں رُوس کو مسلسل شکستیں ہوئیں۔ اقوامِ یورپ کو سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ دیکھ کر آخر روس نے ہار مان لی اور ۱۸۵۶ء (۱۲۷۲ھ) میں میثاقِ پیرس عمل میں آیا جس کے مطابق رومانیہ، بغدان اور سربیا کو سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت مان لیا گیا اور رُوس کے عزائم کی راہ میں کئی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔

بیسیوں شقوں پر مبنی میثاقِ پیرس نے بظاہر سلطنتِ عثمانیہ کو بچا لیا مگر درحقیقت اس طرح مغربی دنیا سلطنتِ عثمانیہ کے آئین، قوانین اور نظام پر اثر انداز ہونے کے قابل ہو گئی۔ جنگ کے دوران سلطنتِ عثمانیہ کو سخت مالی نقصان ہوا

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از علی حسون: ص ۹۸، ۱۸۹؛ الدولۃ العثمانیۃ از الصلابی: ص ۳۷۶؛
② المسجد النبوی فی العہد العثمانی از ہزاع الشہری: ص ۹۰ تا ۱۳۶، ط دار القاہرہ
③ الدولۃ العثمانیۃ از الصلابی: ص ۳۷۰، ۳۷۱؛ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ از فرید بک محامی: ص ۴۵۶ تا ۴۶۸

جس کے باعث ۱۸۵۵ء (۱۲۷۱ھ) میں سلطان نے برطانیہ سے پچاس لاکھ اشرفیاں قرض لیں۔ یہ عثمانی تاریخ کا پہلا قرض تھا۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور بیس برس بعد سلطنت سود کے بوجھ تلے دب کر ایک مقروض سلطنت بن گئی۔ ①

دورِ تنظیمات:

سلطان عبدالمجید کی تخت نشینی سے سلطان عبدالحمید ثانی کے برسرِ اقتدار آنے تک (۱۸۳۹ء تا ۱۸۷۶ء) کا زمانہ ''دورِ تنظیمات'' (دور التنظیمات الخیریة العثمانیة) کہلاتا ہے جس میں مملکت کے نظام میں مسلسل اصلاحات اور تبدیلیاں ہوئیں، نظام کو جدید سے جدید تر بنانے کے حوالے سے مختلف تنظیمات یعنی سرکاری ادارے اور محکمے قائم ہوئے۔ ان کوششوں کا بظاہر ہدف اس قدر تھا کہ تین براعظموں میں پھیلی ہوئی سلطنتِ عثمانیہ میں رہنے والے مختلف نسلی گروہوں میں ایک مشترکہ قومیت کا جذبہ ابھارا جائے۔ اس قومیت کو ''عثمانیت'' کا نام دیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ غیر تُرک اور غیر مسلم باشندوں کو پہلے کی بہ نسبت زیادہ آزادیاں فراہم کرتے ہوئے عثمانیت کے پرچم تلے متحد کیا جائے اور اس طرح سلطنت کے مختلف صوبوں خصوصاً یورپی مقبوضات میں ابھرنے والی نسلی اور لسانی قومیت کی تحریکوں کا زور توڑا جائے۔ ان اصلاحات میں یورپ کی طرز پر عوام کی آواز ایوانِ بالا تک پہنچانے کے انتظامات بھی زیرِ غور رہے جو آخرکار ۱۸۷۶ء میں پارلیمانی جمہوریت کے قیام پر منتج ہوئے۔ اس مہم میں سلطنت کے مختلف جدت پسند اُمراء اور وزراء شریک تھے جن میں نمایاں ترین نام مصطفی رشید پاشا کا ہے جو سلطان محمود ثانی کے دور میں وزیرِ خارجہ رہا تھا اور جدت پسندی کا پرجوش حامی تھا۔ اس دور میں مقتدر طبقے میں جدت پسندی اور مغرب کی ذہنی غلامی کے اثرات دن بدن بڑھنے لگے اور بہت سے وزراء اور اعلیٰ عہدے داروں کو ہر قدیم شے اپنے زوال کا باعث نظر آنے لگی۔ اسلام کا نظامِ قضا اور سلطنت میں علماء کا اثر و رسوخ انہیں ناگوار لگنے لگا۔ بیرونی طاقتوں کا دباؤ قبول کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہا اور ۱۸۵۶ء (۱۲۷۲ھ) میں سلطنت کے دستور میں کچھ ایسی شقوں کا اضافہ کر دیا گیا جو سلطنتِ عثمانیہ کے اسلامی تشخص کے مطابق نہ تھیں۔ الغرض متحدہ قومیت کا یہ پروگرام اسلامی خلافت کو سیکولرازم کی طرف لے جانے لگا۔ چنانچہ نظامِ قضا کو معطل کر دیا گیا اور مسلم و غیر مسلم سبھی کو فوج میں شمولیت اور ترقی کے یکساں مواقع مہیا کر دیے گئے۔ ②

سلطنت میں جدید و قدیم کی کش مکش:

اس کے بعد سلطنت میں قدیم و جدید کی کش مکش دو انتہاؤں کی طرف جانے لگی۔ کچھ جدت پسند لوگوں نے تصور کر لیا کہ اسلام میں دورِ حاضر کے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے اور یہ دین ایک جدید مملکت کو چلانے کے لیے ناکافی ہے۔ اس کے ردِ عمل میں قدامت پسند طبقے نے ان چیزوں کو بھی ممنوع کہا جن میں مغربیت کا رنگ تھا چاہے شریعت

---

① تاریخ الدولة العثمانیة از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۵۳؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ ص ۱۷۵ تا ۱۷۹؛ دولتِ عثمانیہ از ڈاکٹر عزیز: ۲ ص ۸۹ تا ۹۱

② تاریخ الدولة العثمانیة از علی حسون: ص ۱۸۶؛ الدولة العثمانیة از علی محمد الصلابی: ص ۳۷۳ تا ۳۷۹

میں اس کی گنجائش تھی جیسا کہ مغربی زبانیں اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی سیکھنا۔ بہرصورت نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان عبدالمجید کے آخری ایام میں قدیم وجدید اور مشرق ومغرب کی خلیج اتنی وسیع ہوچکی تھی کہ اسے پاٹنا مشکل تھا۔ بڑے بڑے عمائدِ سلطنت اسلامی نظام کی صحیح تشریح سامنے نہ ہونے کے سبب تیزی سے مغربی تہذیب وتمدن اور سیکولرازم کی طرف مائل ہورہے تھے۔ نئے دستور سے مشنری اداروں نے بھی بہت فائدہ اٹھایا اور بڑی تیزی سے سلطنتِ عثمانیہ میں اپنے اسکول اور تعلیمی ادارے کھولنے شروع کردیے جو آگے چل کر نصرانیت کی تبلیغ اور مغربی تہذیب کی تشہیر کا ذریعہ بنے۔ اس دور میں سلطنتِ عثمانیہ کے دارالحکومت استنبول میں مغربی تہذیب وثقافت کے اثرات اس قدر بڑھتے جارہے تھے کہ فرانسیسی مؤرخ لیبان جو مشرقی تہذیب وتمدن کا دلدادہ تھا، افسوس کے ساتھ لکھتا ہے:

"آج کل ترکوں کے بڑے شہروں میں خاص کر استنبول میں اسلامی حرم کی حالت اچھی نہیں ہے۔ استنبول کے حرموں کی معاشرت تو اس وقت تقریباً اسی قدر آزادانہ ہے جیسی یورپ کے بڑے بڑے دارالحکومتوں کی۔ اہلِ یورپ کے اثر، عیش وعشرت کی کثرت اور گزشتہ جنگ کے بعد کے افلاس نے ترکوں کے اخلاق کو بہت بگاڑ دیا ہے۔"①

سلطان عبدالعزیز بن محمود ثانی

۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۳ھ (۱۸۶۱ء تا ۱۸۷۶ء)

سلطان عبدالمجید اوّل کے بعد اس کا بھائی عبدالعزیز مسند نشین ہوا۔ وہ پختہ فکر مسلمان تھا اور مغربی تہذیب کو پسند نہیں کرتا تھا مگر وہ ایک زوال پذیر سلطنت کا حکمران تھا جس کو بچاؤ کے لیے دوسروں کا سہارا درکار تھا۔ اس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر یورپی ممالک اپنے اہداف کو تیزی سے آگے بڑھا رہے تھے۔ ہر یورپی ملک کی کوشش تھی کہ وہ ترکی سے معاہدے کرکے اسے انتظامی، قانونی، تعلیمی اور دفاعی امور کی تجدید میں اس طرح مدد دے کہ ترکی اسی کے رنگ میں رنگا جائے اور اس کی تزویری اغراض کا پابند ہوجائے۔ سلطان عبدالعزیز مجبوراً مغربی دنیا کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ پہلا عثمانی حکمران تھا جس نے یورپ کا دورہ کیا اور پیرس جاکر شاہ نپولین سوئم سے ملاقات کی۔ ۱۸۶۸ء (۱۲۸۵ھ) میں اس نے فرانسیسی طرز کی پارلیمنٹ کی داغ بیل ڈالی جسے "شوارئ دولت" یعنی مجلسِ شوریٰ کہا جاتا تھا۔②

عثمانیوں سے یورپ کی عداوت:

اُدھر یورپی دنیا اپنے باہمی اختلافات کے باوجود اس نکتے پر متفق تھی کہ جوں ہی موقع ملے خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کردیا جائے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ یورپی قوانین اور مغربی تہذیب وثقافت کو ترکی میں جوں کا توں نافذ کرنا اس لیے

① تمدن عرب: ص ۳۸۰، ۳۸۱، ط حیدرآباد دکن
② الدولۃ العثمانیۃ، از اسماعیل یاغی: ص ۱۵۹؛ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۳۹۱، ص ۴۰۱

ناممکن ہے کہ ترکی کے آئین و دستور کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ نبویہ ہے۔ اسی لیے برطانوی وزیرِ خارجہ لارڈ گلارنڈون نے ۱۸۶۵ء، (۱۲۸۲ھ) میں واضح طور پر کہا:

''عثمانیوں کی اصلاح کا ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ انہیں روئے زمین سے بالکل مٹا دیا جائے۔''①

جمعیت اتحاد و ترقی اور مدحت پاشا:

سلطان عبدالعزیز کے دور میں سلطنت کی سیاست و انتظام میں مدحت پاشا نمایاں رہا۔ وہ اُن یہودیوں میں سے تھا جو مسلمانوں کے روپ میں ایک مدت سے سلطنتِ عثمانیہ میں آباد تھے اور انہیں ''یہود الدونمۃ'' کہا جاتا تھا۔ فری میسن نے مدحت پاشا کو پوری دنیا میں ترکوں کا بہترین مدبر اور قائد بنا کر پیش کیا۔

سلطنتِ عثمانیہ نے یورپی طاقتوں کے دباؤ پر اور معاہدوں سے مجبور ہو کر عوام کو جو کھلی آزادی مہیا کی تھی، اس سے فائدہ اٹھا کر کئی یہودیوں اور نصرانیوں نے سلطنت میں ایسی تنظیموں اور جماعتوں کی داغ بیل ڈالی جو بظاہر علمی و ادبی ترقی کے لیے کام کر رہی تھیں مگر درحقیقت ان کے مقاصد سیاسی و مذہبی تھے۔ مدحت پاشا نے فری میسن کے تعاون سے جدت پسند ترک نوجوانوں کی تنظیم ''جمعیت الاتحاد والترقی'' قائم کی جس نے آگے چل کر خلافت کے خاتمے اور لادینی انقلاب لانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی طرح سیکولرازم کے حامی احمد رضا بیگ کی قائم کردہ ترک نوجوانوں کی تنظیم ''جمعیۃ الترکیا الفتاۃ'' (جوانانِ ترک) کا ہیڈ کوارٹر پیرس میں تھا جبکہ اس کی شاخیں سلانیک، برلن اور استنبول میں تھیں۔ یہودیوں کا خفیہ ادارہ فری میسن ان تمام جماعتوں کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ ان جماعتوں کی دعوت یہ تھی کہ مغربی افکار اور یورپی تہذیب و تمدن کو اپنایا جائے اور خلافتِ عثمانیہ کو ختم کیا جائے جو اس ہدف کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

یہ ترک نوجوان، ''ترک قومیت'' کے تعصب کو بھی ہوا دے رہے تھے اور خلافتِ عثمانیہ کے ماتحت عرب صوبوں کو حکومت پر ایک بوجھ باور کرا رہے تھے۔ اس طرح ترک عرب منافرت بڑھ رہی تھی۔

ان عناصر نے سلطنت میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے بعد عثمانی خلفاء کو ظالم، جابر، آمر، مطلق العنان اور خودغرض مشہور کیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کا یہ مطالبہ زور پکڑتا گیا کہ ترکی کو شرعی قانون و دستور کی بجائے یورپین طرز کا آئین دیا جائے۔ قوم پرستوں نے حکومت کی طرف سے روک تھام کی کوششوں کے باوجود جرائد و مجلات کے ذریعے اپنے خیالات کی اشاعت جاری رکھی اور ان کے حامیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔②

سلطان عبدالعزیز کے کارنامے:

سلطان عبدالعزیز کی کوشش تھی کہ یورپی ممالک کے باہمی تنازعات سے فائدہ اٹھا کر ترکی کو مستحکم بنایا جائے۔ اس نے فوج کو قدیم ہتھیاروں کی جگہ جدید اسلحہ فراہم کیا اور زرِ کثیر خرچ کر کے یورپ کی بہترین اسلحہ ساز فیکٹریوں

---

① الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از اسماعیل یاغی: ص ۱۵۹

② الیہود والماسونیۃ از عبدالرحمن الدوسری: ص ۷۰، ۷۱؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸/ص ۱۸۲، ۱۸۳

کا تعاون حاصل کیا گیا۔ یورپی ممالک کے اعتراض کے باوجود تمام ممالک میں، ان کے نامہ نگاروں کی جگہ اپنے خبر نویس مقرر کیے۔ بحری فوج میں اضافہ کیا گیا۔ سلطان عبدالعزیز کے دو اہم کارنامے ٹیلی گراف لائن اور ریلوے لائن کو دور دراز تک پھیلانا تھا۔ یہ کام سلطان عبدالمجید اول نے شروع کیا تھا جسے سلطان عبدالعزیز نے آگے بڑھایا۔ ①

مجلۃ الاحکام العدلیۃ:

سلطان نے ایک عظیم الشان کام یہ کیا کہ فقہی مسائل کو جدید انداز میں مرتب کرایا۔ یہ کام ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۶ء تک مکمل ہو کر ''مجلة الاحكام العدليه'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند علامہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے۔ مجلہ میں عبادات کو چھوڑ کر معاملات کے تمام ابواب شامل ہیں۔ ہر مسئلے پر نمبر درج ہیں تاکہ عدالت میں حوالہ دینا آسان ہو اور دفعہ نمبر کے اعتبار سے ان کی طرف مراجعت میں سہولت رہے۔ یہ مجموعہ 1918ء تک سلطنتِ عثمانیہ میں نافذ العمل رہا اور آج بھی بعض ترامیم کے ساتھ قابلِ عمل ہے۔ ②

روس سے اشتراک کی کوشش اور سلطان کے خلاف بغاوت:

سلطان عبدالعزیز کے ان اقدامات سے یورپی طاقتوں کو عثمانیوں کے دوبارہ ابھرنے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ دوسری طرف سلطان عبدالعزیز نے بھی دولِ یورپ کی مکارانہ سیاست کا تسلسل دیکھ کر یہ سمجھ لیا تھا کہ ان کی دوستی بھی دشمنی سے کم نہیں۔ چنانچہ سلطان نے طے کر لیا کہ یورپ کے مقابلے میں روس سے اشتراک کیا جائے گا۔ مگر مغربی دنیا نے سلطان کے عزائم بھانپ لیے اور ان کے ایماء پر اخبارات میں سلطان عبدالعزیز کو ایک حواس باختہ، اسراف پسند اور بدعنوان حکمران ظاہر کیا جانے لگا۔ مئی ۱۸۷۶ء (جمادی الاولی ۱۲۹۳ھ) میں مدحت پاشا نے معزولی کا فتویٰ حاصل کر کے سلطان عبدالعزیز کو برطرف کر دیا۔ سلطان کو ایک کال کوٹھری میں ڈال کر مشہور کر دیا گیا کہ وہ حکومت چھن جانے کے غم سے پاگل ہو گیا ہے۔ کچھ ہی دنوں بعد اسے قتل کر کے یہ خبر پھیلا دی گئی کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔ ③

سلطان مرادخامس

۱۲۹۳ھ (مئی تا اگست ۱۸۷۶ء)

سلطان عبدالعزیز کے بعد اس کا بھتیجا مراد خامس تخت نشین ہوا جسے مدحت پاشا جیسے سازشی افسران کی تربیت نے نہ صرف لبرل ازم اور سیکولرازم کا حامی بنا دیا تھا بلکہ فری میسن کی بھرپور حمایت بھی دلوا دی تھی مگر تخت نشینی کے بعد وہ کسی دماغی عارضے کا شکار ہو گیا، لہٰذا تین ماہ بعد اسے معزول کر دیا گیا۔

❁❁❁

① الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۹۳؛ تاریخ الدولة العثمانية از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۵۵۔

② الدولة العثمانية از الصلابی: ص ۳۹۲؛ تاریخ الدولة العلية العثمانية از فرید بک محامی: ص ۵۷۶، ۵۸۱۔

مجلہ کا اردو ترجمہ علامہ عبدالقدوس ہاشمی نے کیا ہے جو محکمۂ اوقاف پنجاب کی جانب سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔

سلطان عبدالحمید ثانی

۱۲۹۳ھ تا ۱۳۲۶ھ (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء)

مراد خامس کی جگہ اس کے بھائی عبدالحمید ثانی کو خلیفہ منتخب کرلیا گیا۔ اس نے ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء (۱۱ شعبان ۱۲۹۳ھ) کو ۳۴ سال کی عمر میں مسندِ خلافت سنبھالی۔ [1] وہ دینی وعصری علوم سے آشنا ایک عالم فاضل، ذہین، غیور اور دور اندیش نوجوان تھا۔ [2] ترکی زبان میں شعر بھی کہا کرتا تھا۔ کتبِ تاریخ اور عالمی ادب کا مطالعہ کرتا تھا۔ تصوف سے بھی اسے بہت دلچسپی تھی۔ صحت مند و توانا تھا۔ حربی ریاضتوں کا عادی اور بہترین شہ سوار تھا۔ شمشیر زنی میں ماہر تھا اور پستول سے بے خطا نشانہ لگاتا تھا۔ اکثر خاموش رہتا اور جب لب کھولتا تو نپی تلی بات کرتا تھا۔ وہ اپنے باپ عبدالمجید اوّل اور اپنے بڑے بھائی مراد خامس کو مغربی طور طریقوں کی تقلید کرتا دیکھ کر کڑھتا تھا۔ وہ اپنے چچا سلطان عبدالعزیز سے بہت متاثر تھا اور اسی کی طرح مشرقی اقدار کا پابند، اسلامی ذہنیت کا حامل اور ترکوں کی غیرت وحمیت کا نمائندہ تھا۔ وہ دنیا کے حالات سے واقفیت کو بہت ضروری سمجھتا تھا اور بلا ناغہ اخبارات کا مطالعہ کرتا تھا۔ [3]

وہ اپنے چچا سلطان عبدالعزیز کا مقرب تھا۔ ۲۵ سال کی عمر میں وہ اپنے چچا اور صدرِ اعظم فواد پاشا کے ساتھ یورپ کے دورے پر جاچکا تھا۔ اسے برطانیہ میں ملکہ وکٹوریہ، فرانس میں نپولین سوئم اور جرمنی میں شاہ ولیم اوّل سے ملاقات کا موقع ملا۔ اس سفر میں اس نے مغربی دُنیا کو بغور دیکھا اور وہاں کے طرزِ معاشرت، اقتصادیات، جدید ایجادات اور عسکری نظام کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کیں۔ اُس نے عالمی سیاست کی شطرنج کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جس کی بساط سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بچھائی گئی تھی۔ دنیا کے حالات پر اس کی گہری نگاہ تھی۔ [4]

جمہوری آئین کی منظوری:

سلطان عبدالحمید کی رائے میں ملک کو جمہوریت سے زیادہ ایک مضبوط قیادت اور وفادار معاونین کی ضرورت تھی۔ تاہم عثمانیہ سلطنت کے یورپی صوبوں میں مسلمانوں سے زیادہ آبادی نصرانیوں کی تھی جن کی طرف سے یورپی طرز پر جمہوریت کے نفاذ کا مطالبہ زور پکڑ چکا تھا۔ مغرب نواز مسلمان اور مدحت پاشا جیسے کئی اعلیٰ عہدے دار بھی یہی چاہتے تھے۔ نیز بین الاقوامی معاہدے بھی نئے آئین کی تشکیل پر مجبور کر رہے تھے۔ ایسے میں سلطان نے ایک درمیانی راستہ

---

[1] تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۹۹، ۱۰۰

[2] الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۹۵، ۳۹۹

[3] تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۹۹، ۱۰۰

[4] الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۹۹، ۴۰۰

اختیار کیا اور مدحت پاشا کے ساتھ مل کر ایک نیا آئین تیار کیا جو اسلام کی بالادستی، شہری آزادی اور پارلیمانی حکومت کے خطوط پر مبنی تھا۔ آئین ۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کو (۶ ذوالحجہ ۱۲۹۳ھ) کو پیش کیا گیا۔ اس میں قومی اسمبلی اور سینٹ کے ارکان کی اہلیت کی شرائط اور طریقِ انتخاب کو بھی واضح کیا گیا تھا۔ اس میں یہ شق بھی تھی کہ سلطان کو پارلیمان سے رجوع کیے بغیر کوئی بھی قانون طے کرنے کا حق ہوگا۔ کوئی شق ایسی نہیں رکھی گئی جو اسلام سے متصادم ہو۔[①]

۱۹ مارچ ۱۸۷۷ء کو سلطنتِ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی بار عام انتخابات ہوئے۔ یمن، طرابلس الغرب (لیبیا) اور بوسنیا جیسے دور دراز کے صوبوں میں بھی پولنگ ہوئی اور نمائندے منتخب ہو کر ایوانوں میں آئے۔[②]

جنگِ بلقان:

سلطان عبدالحمید کے دورِ حکومت کے پہلے سال جنگ بلقان برپا ہوئی اور کئی سال تک اس کے شعلے بھڑکتے رہے۔ بلقان جنوب مشرقی یورپ میں رومانیا، بوسنیا، سربیا، کروشیا، یوگوسلاویہ اور مقدونیہ کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ یورپی طاقتوں نے یہاں کے نصرانیوں کو بغاوت پر ابھار کر انہیں سلطنتِ عثمانیہ سے الگ کرنے کی کوشش کی مگر سلطان عبدالحمید نے عثمان پاشا کے ذریعے باغیوں کے خلاف سخت کارروائی کی اور ان کی قوت منتشر کر دی۔ سلطان عبدالحمید نے دوبارہ خانہ جنگی کے خطرے کو دور کرنے کے لیے اہلِ بلقان کو ہر طرح مطمئن کرنے کی کوشش کی اور مکمل عدل وانصاف فراہم کرنے کے لیے عدلیہ کو قانون نافذ کرنے والے اداروں سے الگ کر دیا، قاضیوں کے انتخاب میں بلقانی شہریوں کا مشورہ ضروری قرار دیا اور مسلمانوں اور نصرانیوں پر ٹیکس کی شرح یکساں کر دی۔ اس طرح یہ فتنہ کسی حد تک تھم گیا۔ تاہم یورپی طاقتیں بار بار سربیا، بوسنیا اور بلغاریہ میں بغاوتوں کی سرپرستی کرتی رہیں۔ سلطان عبدالحمید کی حکومت کے ابتدائی سال ان مشکلات سے نمٹتے ہوئے گزرے۔[③]

جنگِ کریمیا، عثمانی پارلیمان معطل، میثاقِ برلن:

۱۸۷۷ء (۱۲۹۴ھ) میں روس نے بلقان کے مسئلے کو حسبِ مرضی حل نہ کرنے کا بہانہ بنا کر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف وہ ہولناک جنگ چھیڑ دی جسے تاریخ کی بڑی جنگوں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں پلونہ کے محاذ پر عثمانی جرنیل عثمان پاشا اور اناطولیہ کی سرحدوں پر احمد مختار پاشا نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ دُنیا عش عش کر اٹھی تاہم روس اکثر محاذوں پر غالب رہا۔ اس دوران سربیا اور یونان میں بھی سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت ہوگئی۔ یوں عثمانیوں کو شکست ہوگئی اور رُوس نے معاہدۂ صلح کے لیے نہایت سخت شرائط پیش کر دیں۔ مگر سلطان کسی کمزور معاہدے

① تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ: ص ۵۹۰، ۵۹۱؛ الیہود والماسونیۃ، از عبدالرحمن الدوسری: ص ۷۰، ط دار السنۃ؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۱۸۵، ۱۸۶؛ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض واسباب السقوط، از الصلابی: ص: ۳۰۱ تا ۳۰۵

② تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۲ص ۱۰۵

③ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ از یلماز اوزتونا: ۲ص ۱۰۱ تا ۱۰۳؛ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، از اسماعیل یاغی: ص ۱۸۹؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۱۸۸، ۹۰

کے حق میں نہ تھا، لہٰذا اُس نے ملک کو شخصی طرز پر چلانے کا فیصلہ کر کے ۱۳ فروری ۱۸۷۸ء (۱۰ صفر ۱۲۹۵ھ) کو پارلیمان کو معطل کر دیا اور برطانیہ کو قبرص میں محدود مدت تک بحری اڈا قائم کرنے کی اجازت دے کر اُسے رُوس پر دباؤ ڈالنے کے لیے آمادہ کر لیا۔ یوں برلن میں جولائی ۱۸۷۸ء (رجب ۱۲۹۵ھ) میں ایک معاہدہ طے پایا جس کے مطابق رومانیہ کو آزادی دے دی گئی۔ اگرچہ سلطنتِ عثمانیہ کئی یورپی اضلاع سے محروم ہوگئی تاہم روس کو ایک ضلع کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ بلقان نیم خود مختار ہو کر رسماً ترکی کا حصہ رہا۔ ①

فرانس کی عداوت اور سقوطِ تیونس:

اگلے برسوں میں فرانس سلطنتِ عثمانیہ کے سخت دشمن کی شکل میں سامنے آیا اور ۱۸۸۱ء (۱۲۹۸ھ) میں اس نے سلطنتِ عثمانیہ کے افریقی صوبے تیونس پر قبضہ کر لیا۔ عثمانی گزشتہ جنگ کی تباہ حالی کے باعث تیونس کا دفاع نہ کر سکے اور وہاں فرانس قابض ہوگیا۔ سلطان عبدالحمید نے اس قبضے کو قطعاً قبول نہ کیا اور احتجاج کرتے ہوئے جنگ کے لیے فوج روانہ کر دی مگر جرمنی نے جس کی فرانس سے سخت دشمنی چل رہی تھی، سلطان کو یہ مشورہ دے کر حملے کو رکوا دیا کہ اس دور دراز محاذ پر عثمانی فوج ضائع ہو جائے گی۔ یہیں سے سلطان عبدالحمید کے جرمنی سے تعلقات کا آغاز ہوا۔ ②

سلطان عبدالحمید ثانی کے اہداف اور طرزِ سیاست:

روس سے شکست اور میثاقِ برلن کے بعد سلطان کی توجہ جنگوں سے دامن بچا کر ملک کو نظریاتی، عسکری اور معاشی طور پر مضبوط کرنے پر مرکوز ہوگئی۔ اس نے منصب خلافت کو مستحکم اور اسلامی برادری کا جذبہ عام کرنے کو خاص اہمیت دی۔ اگرچہ پارلیمان معطل کر دی گئی تھی لیکن ملکی دستور منسوخ نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہر سال حکومت اپنی سالانہ کارکردگی کی اشاعت میں دستور کو باقاعدہ شایع کرتی رہی۔ ایوانِ بالا یعنی سینٹ کو بھی رسمی طور پر باقی رکھا گیا تھا، اگرچہ اس کا اجلاس طلب نہیں کیا جاتا تھا۔ درحقیقت سلطان نے قدیم شخصی نظام حکومت کی طرف رجعت کر لی تھی۔ ③

ترکی میں اسلام دشمن تنظیموں کا نفوذ اور حکومتی محکموں میں ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ چکا تھا۔ یہ لوگ ایک مدت سے خلافت کو آمریت اور استبداد قرار دے کر خلفاء سے یورپی طرز کے دستور کے نفاذ کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ عبدالحمید ثانی ان پر قابو پانا چاہتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ یورپی ممالک ان کے پشت پناہ ہیں اس لیے ان ملک دشمنوں کو یک دم روکنے کی کوشش کی گئی تو یورپی ممالک کا ردِ عمل بہت سخت ہوگا، چنانچہ عبدالحمید ثانی کی حکمت و تدبیر یہ تھی کہ جہاں مغربی ایجنٹوں کو ٹھکانے لگانا ممکن ہو، وہاں دریغ نہ کیا جائے اور جہاں ردِ عمل میں رہا سہا اختیار ہاتھ سے جانے کا

---

① ۔ ریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۱۹۰ تا ۱۹۸؛ الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط للصلابي: ص ۳۱۰، ۳۱۱؛ تاریخ الدولة العثمانية از یلماز اوزتونا: ۲ص ۱۰۱ تا ۱۲۵

② التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۱۹۳؛ تاریخ الدولة العثمانية از یلماز اوزتونا: ۲ص ۱۳۳، ۱۳۴ ... ۱۹۲۳ء کے معاہدہ لوزان میں جا کر ترکی نے تیونس سے علیحدگی کو سرکاری طور پر منظور کیا۔

③ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۱۹۷، ۱۹۸؛ تاریخ الدولة العثمانية، از یلماز اوزتونا: ۲ص ۱۱۶

خطرہ ہو، وہاں مفاہمت سے کام لیتے ہوئے مناسب مواقع کا انتظار کیا جائے۔ اس حکمتِ عملی کے تحت اس دور میں بڑے بڑے یہودی، نصرانی اور مغربی ایجنٹ چن چن کر کیفرِ کردار کو پہنچائے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ مغربی میڈیا نے سلطان کو ''سلطانِ احمر'' (خونی سلطان) کا لقب دیا اور اسے عیاش، بدعنوان، فضول خرچ اور ظالم و جابر مشہور کیا۔ ①

سلطان عبدالحمید ثانی کے کارنامے:

سلطان عبدالحمید ثانی نے یورپی استعمار اور اس کے تحت پنپنے والے علاقائی و لسانی تعصب کے مقابلے میں اُمت کو ایک نکتے پر متحد کرنے کی تحریک شروع کی جو ''الجامعۃ الاسلامیہ'' (پان اسلام ازم) کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس نے علمائے کرام کو اپنے قریب کر کے مشوروں میں شریک کیا، شریعت کے مطابق قانون کے نفاذ اور عدل و انصاف کی فراہمی کی پوری کوشش کی۔ محکمہ جات اور حکومتی شعبوں سے رشوت اور بدعنوانی کا خاتمہ کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ الغرض بیدار نگاہی اور جرأت کے ساتھ حکمت و مصلحت پر مبنی منصوبہ بندی کے ذریعے سلطان نے اندرونی و بیرونی سازشوں کے تسلسل کے باوجود خلافت کی آن بان کو مزید ۳۳ سال تک برقرار رکھا۔ ②

سلطان عبدالحمید نے قدم قدم پر پھیلے دشمنوں کے جال کو کاٹنے اور دوست اور دشمن میں پہچان کے لیے ایک خفیہ محکمہ قائم کیا جسے ''مخابرات'' کا نام دیا گیا۔ اس کا سارا نظام سلطان کے پاس تھا۔ سلطان نے اس کے ذریعے محل کے اندر و باہر سے لے کر قومی و بین الاقوامی معاملات تک کی خفیہ خبریں حاصل کرنا شروع کر دیں جس کی وجہ سے حیرت انگیز حقائق سامنے آنے لگے اور پتا چلا کہ آوے کا آوا ہی بگڑ چکا ہے۔ سلطان عبدالحمید کا مقصد ان اطلاعات کی بناء پر ملک کو دشمن کے ایجنٹوں سے پاک کرنا تھا مگر اس کے باوجود وہ سزا دینے میں محتاط تھا۔ ''مخابرات'' کے ذریعے سلطان دشمنوں کی کسی بھی سازش کا بروقت تدارک کرنے کے قابل ہو گیا۔ اس نے اپنے باقی دور میں اکثر بغاوتوں کو کچل ڈالا اور کسی خانہ جنگی کو پنپنے نہیں دیا۔ ہاں وہ عالمی طاقتوں کے ذرائع ابلاغ سے پھیلائے جانے والے اس پروپیگنڈے کا توڑ نہیں کر سکا جس میں اس کی مسلسل کردار کشی کی جا رہی تھی۔ ③ سلطان نے مدحت پاشا کے خلاف بھی ثبوت حاصل کر لیے اور ۱۸۸۱ء میں اسے تمام ذمہ داریوں سے معزول کر کے گرفتار کر لیا۔ ④

سلطان عبدالحمید کی تحریک الجامعۃ الاسلامیہ:

غلامی کی زنجیروں میں جکڑے عالم اسلام کے مظلوم مسلمانوں نے سلطان عبدالحمید سے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان نے اپنے فرائض نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس نے علاقائی و لسانی

---

① التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ ص ۱۸۴، ۱۸۵

② التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ ص ۱۸۴، ۱۸۵

③ الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸

④ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ ص ۱۸۶، ۱۹۷ مع حاشیہ؛ تاریخ الدولة العثمانیة از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۱۲۷

حدود سے بالاتر مسلمانوں کی قومی یکجہتی اور اسلامی برادری کے نظریے کو عام کرنے کا عزم کیا اور اس خواب کی تکمیل کے لیے ''الجامعۃ الاسلامیہ'' (پان اسلام ازم) جیسی مؤثر تحریک شروع کی۔ [①] اس کا منشور یہ تھا:

- تمام مسلم جماعتوں اور گروہوں کو خلافت کے گرد جمع کرنا
- مرکزِ خلافت اور تمام صوبوں کے مابین روابط مضبوط کرنا
- مغربی آئین ودستور کا متبادل اسلامی آئین پیش کرنا
- استعماری طاقتوں کے خلاف، مسلمانوں کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانا اور جہاد کی تیاری کرنا [②]

سلطان نے مشائخ اور صوفیاء کا ایک وفد ہندوستان بھی بھیجا تا کہ برصغیر سے برطانیہ کے قدم اکھاڑے جائیں اور اسے خلافتِ اسلامیہ کے خاتمے کا خواب پورا نہ کرنے دیا جائے۔ [③]

اسلامی بیداری کے لیے سلطان کی خدمات:

سلطان عبدالحمید نے ایک انقلابی قدم یہ اٹھایا کہ عربی کو سلطنتِ عثمانیہ کی سرکاری زبان قرار دے کر اس کی زیادہ سے زیادہ ترویج کی کوشش کی۔ سرکاری افسران اور رؤساء کی اولاد کو مغرب زدگی سے بچانے اور بہترین تعلیم دلانے کے لیے استنبول میں ایک عظیم الشان مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ نیز تعمیر کردار وشخصیت کے لیے سلوک واحسان کے سلاسل کو ترویج دینے، خانقاہیں کھولنے اور مشائخ سے استفادہ کرنے کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ اسلامی دنیا میں علمی یا سیاسی اعتبار سے اثر ورسوخ رکھنے والے علماء سے رابطے کیے اور انہیں اسلامی یکجہتی کی دعوت دیئے، درسگاہیں کھولنے اور اسلامی کتب خصوصاً قدیم مآخذ کو طبع کرا کے منظرِ عام پر لانے کے اہداف سونپے۔ سلطان نے مغرب کی نظریاتی جنگ کے مقابلے میں اسلامی صحافت کا محاذ قائم کیا۔ کئی علماء، دانشور، صحافی اور مؤرخ سلطان عبدالحمید کی اس تحریک میں شامل ہوئے جن میں امیر شکیب ارسلان، محمد عاکف، مصطفی کامل اور شیخ علی یوسف کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ [④]

سلطان عبدالحمید نے مغربی نظام تعلیم کو من وعن اپنانے کی روک تھام کی اور سرکاری درسگاہوں کے نصاب میں ناگزیر تبدیلیاں کر کے فقہ، تفسیر اور اسلامی اخلاق کے مضامین کو لازمی قرار دیا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے بڑے شہروں خصوصاً استنبول میں بے پردگی عام ہو چکی تھی۔ سلطان نے ۱۸۸۳ء (۱۳۰۰ھ) میں خواتین کے بے پردہ باہر پھرنے اور خلافِ شرع لباس پہننے پر پابندی عائد کر دی۔ [⑤]

مگر سلطان عبدالحمید کا مقصد خواتین کو پس ماندہ رکھنا ہرگز نہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے لڑکیوں کی تعلیم کا الگ شعبہ قائم

---

① الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۰۸،۳۱۷، نقلاً عن مذکرات السلطان عبدالحمید: ص ۲۳، ۲۴

② صحوة الرجل المريض از دکتور موفق بنی مرجہ: ص ۱۳۶

③ سلطان عبدالحمید ثانی از محمد حرب: ص ۱۹۸

④ الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۱۹، ۳۲۰

⑤ سلطان عبدالحمید ثانی از محمد حرب: ص ۱۰۰

کیا اور اس میں کام کرنے والی معلمات کی تربیت کے لیے ایک دار التربیت بھی کھولا۔ البتہ ماضی کے تجربات کے پیش نظر سلطان کے نزدیک سیاست میں خواتین کی شرکت ملک اور معاشرے کے لیے نقصان دہ تھی۔ لہٰذا سلطان نے اپنی والدہ کو بھی محل سے باہر ملکی سیاسی امور میں مداخلت کی اجازت نہ دی۔ ①

جرمنی سے قربت:

معاہدۂ برلن کے بعد سلطان عبد الحمید نے ملک کی تعمیرِ نو اور افواج کی تیاری کے لیے جنگوں سے حتی الامکان گریز کیا اور امن کو پائیدار رکھنے کے لیے اقوامِ یورپ میں ایک مضبوط حلیف تلاش کر لیا جو جرمنی تھا۔ ویسے تو سلطان عبد الحمید کسی بھی یورپی طاقت پر اعتماد نہیں کرتا تھا مگر اس وقت اسلام دشمنی میں فرانس، برطانیہ، روس اور اٹلی ا؟ ف میں تھے جبکہ جرمنی کی برطانیہ، فرانس اور روس سے کشیدگی چل رہی تھی۔ چنانچہ جرمنی اور ترکی قریب آتے گئے۔ نومبر ۱۸۸۹ء (ربیع الاول ۱۳۰۷ھ) میں جرمن شہزادوں نے استنبول آ کر سلطان سے ملاقات کی۔ اس کے بعد جرمنی اور ترکی مضبوط اتحادی ثابت ہوئے۔ ②

جنگِ آرمینیا و یونان:

سلطنتِ عثمانیہ کو دوبارہ استحکام اور ترقی کی راہ پر گامزن دیکھ کر مغربی دنیا سیخ پا ہوگئی اور اس نے آرمینیا میں نصرانیوں کی ایک دہشت گرد تنظیم قائم کر دی جس نے ۱۸۹۵ء میں بغاوت کر کے مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا اور بچوں اور خواتین تک کو نہ بخشا۔ سلطان کی حکمتِ عملی یہ رہی تھی کہ بغاوتوں کو بزورِ قوت کچلنے سے احتراز کیا جائے اور افہام و تفہیم سے کام لے کر ان مقبوضات کو داخلی خود مختاری دے دی جائے مگر آرمینی نصرانیوں کی سرکشی حد سے بڑھ چکی تھی لہٰذا سلطان نے "الخیالة الحمیدیة" (حمیدی شہ سوار) کے نام سے کرد مسلمانوں کی ایک فوج تیار کرائی جس نے ہر جگہ آرمنی باغیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ اس خبر سے یورپ میں تہلکہ مچ گیا اور سلطان عبد الحمید کو "السلطان الاحمر" (خونی سلطان) کہہ کر بدنام کیا جانے لگا۔ ③

ابھی سلطان اس محاذ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ عالمی طاقتوں کی شہ پر یونان کے ان علاقوں میں بھی بغاوت ہوگئی جو سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت تھے۔ سلطان نے مجبوراً جنگ کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ کئی معرکوں کے بعد عثمانی افواج نے باغیوں پر قابو پا لیا اور ۱۸۹۷ء (۱۳۱۴ھ) میں تمام شہروں میں عثمانی پرچم لہرا دیے گئے۔ ④

صہیونی سازش اور سلطان عبد الحمید کا ہرزل کو جواب:

سلطان کے خلاف سازشیں کرنے میں صہیونی سب سے پیش پیش تھے جو فلسطین میں اپنی آزاد مملکت بنانے کا

---

① الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۴۲۸

② تاریخ الدولة العثمانية، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۱۳۵ تا ۱۵۰

③ تاریخ الدولة العثمانية، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۱۳۰، ۱۳۳ ④ تاریخ الدولة العثمانية، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۱۳۷ تا ۱۴۰

خواب دیکھ رہے تھے اور عالمگیر صہیونی تحریک کا آغاز کر چکے تھے۔ اس تحریک کا بانی آسٹریا کا ایک صحافی ''تھیوڈور ہرزل'' (۱۸۶۰ء تا ۱۹۰۴ء) تھا۔ ۱۸۹۶ء (۱۳۱۴ھ) میں ہرزل نے سوئٹزرلینڈ کے شہر ''باسل'' میں صہیونیوں کی پہلی سالانہ کانفرنس منعقد کی اور اعلان کیا کہ ہم نے یہودیت کے غلبے کا پہلا پتھر نصب کر دیا ہے اور عن قریب دنیا ہمارے تابع ہوگی۔ ہرزل نے جرمنی، آسٹریا، روس، اٹلی اور برطانیہ کے اعلیٰ عہدے داروں کو بھی اپنے منصوبے کا حامی بنالیا اور پھر سلطان عبدالحمید سے درخواست کی کہ یہودیوں کو آبادکاری کے لیے فلسطین میں اراضی دے دی جائیں جس کے بدلے سلطنت کو دو کروڑ لیرے معاوضہ ادا کیا جائے گا۔ سلطان نے اس موقف کو مسترد کرتے ہوئے کہا:

''فلسطین صرف یہودیوں کا نہیں، باقی سب مذاہب کے لیے بھی مقدس مقام ہے۔''

اس ناکامی کے بعد ہرزل جرمنی جا کر شاہ ولیم ثانی سے ملا جس کے ترکی سے حلیفانہ تعلقات تھے۔ ہرزل نے کوشش کی کہ جرمنی دباؤ ڈال کر سلطان عبدالحمید سے یہود کا مطالبہ منوالے مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی۔

ہر طرف سے ناکامی کے بعد ۱۹۰۱ء (۱۳۱۹ھ) میں 'صہیونیت جدیدہ'' کا بانی سلطان سے ملا اور اپنی درخواست پیش کی مگر سلطان نے فلسطین کی چپہ بھر زمین فروخت کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ ①

اس کے بعد سلطان نے خلافت اور ارضِ مقدس کے بارے میں صہیونی سازشوں کی روک تھام کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں اور یہودیوں کے ہاتھ فلسطین کی کوئی بھی زمین فروخت کرنا قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔ ②

ردِ عمل میں دشمنوں نے ۱۹۰۵ء میں سلطان کو بم دھماکے میں قتل کرنے کی کوشش کی مگر اللہ نے سلطان کو بال بال بچالیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سازش صہیونیوں کی تھی، جنہیں فلسطین کے متعلق سلطان کے اٹل موقف پر شدید غصہ تھا۔ ③

تیل کی دولت اور ریلوے کا منصوبہ:

سلطان نے سخت ترین ضروریات کے باوجود بیرونی قرضے لینے کا باب بند کر دیا تھا اور صنعت وتجارت کی ترقی کے ذریعے قرضوں کے بارِ گراں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے اناطولیہ، عراق، جزیرۃ العرب اور مشرقِ وسطیٰ میں تیل کے عظیم ذخائر پر توجہ دی جن کی دریافت ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ سلطان کا منصوبہ تھا کہ تیل کے ذخائر کو ریلوے لائن کے ذریعے ہمسایہ ممالک اور یورپ سے متصل کر دیا جائے۔ مگر سلطان کے منصوبے کا علم ہوتے ہی یورپی طاقتوں نے سازشیں شروع کر دیں اور شمالی عراق میں تیل کی اراضی خریدنے پر تل گئیں۔ یہ دیکھ کر سلطان عبدالحمید نے ۱۹۰۴ء میں قانوناً تیل سے مالا مال علاقوں میں اراضی کی خرید وفروخت ممنوع قرار دے دی۔ اس کے بعد سلطان نے شاہِ جرمنی ولیم ثانی سے ایک معاہدہ کیا جس میں طے کیا گیا کہ

---

① التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۱۹۹؛ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۳۵ تا ۳۳۹

② سلطان عبدالحمید ثانی از محمد حرب: ص ۸۸ ③ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، از یلماز اوزتونا: ۲ص ۱۶۲، ۱۶۳

ترکی اور جرمنی مل کر برلن سے بغداد تک ریلوے لائن بچھائیں گے جو تیل سے مالا مال علاقوں سے گزرتی ہوئی بغداد پہنچے گی۔ ساتھ ہی سلطان نے حجاز ریلوے کا منصوبہ شروع کر دیا تاکہ استنبول کو مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ سے ملایا جا سکے۔ یہ منصوبہ سلطنتِ عثمانیہ کی وحدت کو قائم رکھنے، حجاجِ کرام کو سہولتیں دینے اور دفاعی نقل و حرکت کو تیز تر بنانے کے علاوہ تیل کی ترسیل میں بھی معاون ہوتا۔ سلطان نے اس عظیم منصوبے کے لیے بیرونی قرضہ نہ لیا بلکہ سلطنت نے اپنے وسائل اور دُنیا بھر کے مخیر مسلمانوں کے تعاون سے اسے بڑی تیزی سے آگے بڑھایا۔ عالمی طاقتیں اس صورتحال سے خائف تھیں۔ استنبول کے برطانوی سفیر نے ۱۹۰۷ء (۱۳۲۵ھ) میں جبکہ ریلوے لائن کا افتتاح ہونے والا تھا، اس منصوبے کو ایک خطرہ باور کراتے ہوئے ایک اجلاس میں کہا تھا:

''گزشتہ دس سالوں میں ابھرنے والے خطرات میں سے اہم ترین خطرہ سلطان کی وہ مہارت ہے جس کی بناء پر وہ تیس کروڑ مسلمانوں کے سامنے خلیفہ کے روپ میں ہے جو مسلمانوں کا روحانی رہنما ہوتا ہے، سلطان نے ریلوے لائن بچھا کر اپنے دینی شعور اور اسلامی حمیت کو مسلمانوں پر ثابت کر دیا ہے کیوں کہ اس کے ذریعے عن قریب ہر مسلمان کے لیے مدینہ اور مکہ کا راستہ ہموار ہونے والا ہے۔'' ①

تمام مشکلات کے باوجود ۱۹۰۸ء (۱۳۲۶ھ) میں دمشق سے مدینہ منورہ تک ریلوے لائن مکمل کر لی گئی۔ اس کے ساتھ دوسری بڑی کامیابی یہ تھی کہ سلطان نے بیرونی قرضے تقریباً اُتار دیے تھے۔ سلطان کی تخت نشینی کے وقت سلطنتِ عثمانیہ ۳۰۰ ملین لیرے کی مقروض تھی مگر سلطان نے ترکی کی اقتصادی حالت کو اتنا بہتر بنا دیا کہ اب سلطنتِ عثمانیہ پر بیرونی قرضے صرف ۳۰ ملین لیرے رہ گئے تھے۔ ان کامیابیوں نے مغربی دُنیا کو حیران کر دیا اور استعماری وصہیونی ایجنٹ سلطان کے خلاف پوری شدت سے متحرک ہو گئے۔ ②

سلطان عبدالحمید کے خلاف سازش:

صہیونی اور استعماری طاقتوں کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ ان کے ایجنٹ عثمانی افواج میں نفوذ کر کے انہیں سلطان سے متنفر کر چکے تھے۔ افوج میں یہ ذہنیت عام کرنے میں استنبول کی عسکری درسگاہ کے بعض اساتذہ بھی شامل تھے۔ ان غدار افسران و سپاہ کی انجمن ''الاتحاد العثمانی'' ۱۸۸۹ء میں قائم ہوئی تھی جس کی پشت پناہ صہیونی تنظیم فری میسن تھی۔ وہ زیرِ تربیت نوجوان سپاہی جو انجمن کے رکن تھے، اگلے دس برسوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ ورنہ اگر فوج دین دار اور وفادار رہتی تو یہودی اور ان کے تربیت یافتہ سیاست دان اور جدت پسند صحافی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی خلافتِ عثمانیہ کو جنبش نہیں دے سکتے تھے۔ جب سلطان کے خلاف فیصلہ کن وار کرنے کا وقت قریب آیا تو غدار فوجی افسران کی جماعت ''الاتحاد العثمانی'' اور

---

① صحوۃ الرجل المریض: ۱۱۳، ۱۱۴

② صحوۃ الرجل المریض: ۱۱۳، ۱۱۴؛ مذکرات سلطان عبدالحمید از محمد حرب: ص ۴۸، ۱۵۲تا۱۵۶

سیاسی محاذ پر کام کرنے والے احمد رضا بیگ جیسے لوگوں کو مربوط کر کے ''جمعیۃ الاتحاد والترقی'' کے تحت یکجا کر دیا گیا۔ پھر آرمینیا اور بلقان کے باغی نصرانیوں کو منظم کیا گیا اور جمعیۃ الاتحاد والترقی کے غدار فوجی افسران کو ان کا حامی بنا دیا گیا۔ فوج میں غداروں کی ریل پیل کے باعث سلطان عبدالحمید رفتہ رفتہ بے بس ہوتا چلا گیا۔

آخر جولائی ۱۹۰۸ء میں غدار فوجی افسران نے سالونیکا (سلانیک) میں اپنے ہم نوا سیاست دانوں کے ساتھ ایک مشترکہ کانفرنس کر کے سلطان عبدالحمید پر جمہوری دستور کے نفاذ اور انتخابات کرانے کے لیے دباؤ ڈالا۔ پھر باغی افواج نے سالونیکا سے استنبول پہنچ کر قصرِ یلدز کا محاصرہ کر کے سلطان کو مطالبات ماننے پر مجبور کر دیا۔ آخر کار انتخابات ہوئے اور دسمبر ۱۹۰۸ء میں پارلیمان وجود میں آگئی جس میں مغرب نواز طبقے کی اکثریت تھی۔ جمہوری حکومت نے عام معافی کے اعلان کی آڑ میں سلطنت کے تمام غداروں کو رہا کر دیا جبکہ غداروں کے خلاف سرگرم رہنے والے سلطان کے وفادار افسران اور سپاہیوں کو فارغ کیا جانے لگا جس سے لوگ بہت بددل ہوئے۔ ①

سلطان کی معزولی:

۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کو استنبول میں ایک جم غفیر نے سڑکوں پر آ کر سلطان کے حق میں نعرے لگائے اور مغرب نواز طبقے سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ مغربی میڈیا نے اس کا الزام سلطان پر لگاتے ہوئے اس عوامی مظاہرے کو باغیانہ قرار دیا اور اس کی منصوبہ بندی کا الزام سلطان پر لگا دیا گیا۔ اسے بہانہ بنا کر غدار افسران جنرل محمود شوکت کی قیادت میں اپنے سپاہیوں کے جم غفیر کو لے کر استنبول میں گھسنے لگے۔ انہوں نے سلطان کے خلاف عوامی جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے مذہبی تعبیرات کا سہارا لیا اور شہر میں درج ذیل مضمون کی اشاعت کی گئی:

> ''اے توحید پرست مسلمان! اٹھ کھڑا ہو، اور اپنے دین کو ظالموں سے بچا۔ یہاں ایک ظالم شیطان سر پر تاج سجائے بیٹھا ہے۔ سلطان عبدالحمید شریعت کے لحاظ سے سلطان ہے نہ خلیفہ۔ اس کے خلاف اسلحہ اٹھانا لازم ہو گیا ہے۔ جو اس میں کوتاہی کرے گا، سلطان کے گناہوں کی ذمہ داری اسی پر ہوگی۔''

سلطان کے پاس وفادار سپاہیوں کے دستے موجود تھے مگر سلطان نے انہیں لڑائی کی اجازت نہ دی۔ آخر غداروں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر کے سلطان کو گرفتار کر لیا۔ غداروں نے اپنے ناپاک مقاصد کے لیے علماء کو بھی استعمال کیا اور سلطان کے خلاف استفتاء تیار کیا گیا جس میں سلطان پر ۱۳ اپریل کے باغیانہ مظاہرے کی منصوبہ بندی، قرآن مجید کی بے حرمتی، فضول خرچی اور اسراف اور ظلم و ستم اور خونریزی جیسے گھناؤنے الزامات لگائے گئے تھے۔ بعض علماء نے اس کے جواب میں فتویٰ دے دیا کہ ایسے شخص کو معزول کرنا واجب ہے۔ پارلیمان میں جہاں پہلے ہی مغرب پسندوں کی اکثریت تھی، یہ فتویٰ سنا کر سلطان کی معزولی کے متعلق استصواب رائے کیا گیا اور اکثریت نے تائید کی۔ یوں

---

① الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۵۰ تا ۳۵۶؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸/ص ۲۰۲ تا ۲۰۳

سلطان عبدالحمید ثانی کی معزولی کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے فوراً بعد سلطان کو گرفتار کر کے یونان کے شہر سلانیک بھیج دیا گیا۔ جب جنگِ بلقان برپا ہوئی تو سلطان کو استنبول منتقل کر دیا گیا۔ نو سال نظر بندی کی حالت میں زندگی بسر کرنے کے بعد ۱۱ فروری ۱۹۱۸ء (۳۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ) کو سلطان عبدالحمید ثانی کی وفات ہو گئی۔ ①

سلطان عبدالحمید ثانی کی سیرت پر ایک نظر:

سلطان عبدالحمید ثانی نے نہایت ناسازگار حالات میں بھی اُمت کی ناؤ پار لگانے کی پوری کوشش کی تھی مگر افسوس کہ خود ابنائے وطن اس کی فکر و نظر کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اسے زندہ در گور کر دیا۔ سلطان ایک اچھا ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ ایک بہت عظیم مفکر اور دانشور بھی تھا۔ اس نے قید میں جو یادداشتیں تحریر کی ہیں، وہ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے پسِ پردہ صیہونی سازشوں کا پردہ فاش کرتی ہیں۔ سلطان کا وہ مراسلہ بھی اہم ہے جو شاذلی سلسلے کے بزرگ شیخ محمود ابوالشامات رحمہ اللہ کے نام لکھا گیا تھا۔ سلطان نے اس میں اپنے معزولی کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اتحادیوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں ارضِ مقدس فلسطین میں ایک یہودی وطن کی تاسیس کی حمایت کردوں۔ مگر ان کے اصرار کے باوجود میں نے اسے منظور نہیں کیا۔ انہوں نے آخر میں مجھے پندرہ کروڑ برطانوی پاؤنڈز کی پیش کش کی، مگر میں نے اسے بھی مسترد کر دیا۔ اور صاف جواب دے دیا: 'اگر تم ساری دنیا کے ہم وزن سونا بھی پیش کر دو تو میں اس کی حمایت نہیں کروں گا، تیس سال سے زائد اُمت محمدیہ کی خدمت کرنے کے بعد میں مسلمانوں کی تاریخ کو سیاہ نہیں کروں گا۔ میرے اس جواب کے بعد انہوں نے معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور مجھے آگاہ کر دیا کہ وہ مجھے سلانیک بھیج دیں گے۔ میں نے اس مشقت کو قبول کر لیا۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ میں نے اسلامی دنیا کو اس ہمیشہ کی عار سے آلودہ نہیں ہونے دیا جو ارضِ مقدس فلسطین میں ایک یہودی مملکت کے قیام سے لاحق ہو سکتی تھی۔'' ②

سلطان عبدالحمید ثانی کی ان مساعیِ جمیلہ کے باوجود ملتِ اسلامیہ سنبھل نہ سکی اور خلافت کو بچایا نہ جا سکا کیوں کہ ہر طرف غداروں کی کثرت تھی جو سلطان کے منصوبوں کو ناکام بناتے چلے گئے۔ نیز مغربی تہذیب و تمدن کا نشہ نسلِ نو پر چھا چکا تھا اور استعماری طاقتیں اسلامی دنیا کے بڑے حصے پر قابض ہو کر مالی، سیاسی، تزویراتی، تمدنی و ابلاغی طاقت سے مسلم دنیا میں پوری طرح نفوذ کر چکی تھیں۔

---

① التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۲۰۳ تا ۲۰۷ ؛ خلافتِ اسلامیہ سقوط و احیاء، از حق نواز: ص ۸۳، ۸۵، ط زهير بليكيشنز بلستان؛ السلطان عبدالحمید ثانی از محمد حرب: ص ۲۸۱ تا ۲۸۳؛ والدی السلطان عبدالحمید الثانی: ص ۲۳۴ تا ۲۴۱؛ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ از محمد حرب: ص ۳۱ تا ۳۲؛ صحوۃ الرجل المریض: ص ۳۱۰؛ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص: ۳۶۰، ۳۶۱

② الیہود و الدولۃ العثمانیۃ: ص ۲۲۳

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

① محمد علی پاشا کون تھا؟ اس کے حملے سے سلطنتِ عثمانیہ کو کیسے نجات ملی؟
② سلطان عبدالمجید کو میثاقِ پیرس پر کیوں مجبور ہونا پڑا؟ اس معاہدے نے سلطنت پر کیا اثرات مرتب کیے؟
③ دورِ تنظیمات سے کیا مراد ہے؟ اور اس دور میں عثمانیوں کا ''متحدہ قومیت'' کا پروگرام مفید ثابت ہوا یا مضر؟
④ سلطنتِ عثمانیہ کے لیے سلطان عبدالعزیز کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
⑤ سلطان عبدالحمید ثانی کی شخصیت، اہداف اور طرزِ سیاست پر مفصل نوٹ لکھیے۔
⑥ ''الجامعۃ الاسلامیہ'' (پان اسلام ازم تحریک) سے کیا مراد ہے؟ اس کا بانی کون تھا؟ اور اس کے مقاصد کیا تھے؟
⑦ سلطان عبدالحمید ثانی نے القدس کے بارے میں کیا موقف اختیار کیا تھا؟
⑧ ریلوے لائن اور تیل کی دولت کے حوالے سے سلطان عبدالحمید ثانی کا منصوبہ کیا تھا؟
⑨ سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف صہیونی اور استعماری سازش کس طرح کامیاب ہوئی؟

عملی کام:

❁ سلطنتِ عثمانیہ میں جدید وقدیم کی کش مکش پر بیس سے تیس سطر کا ایک مضمون لکھیے۔
❁ ایک نقشہ بنائیں جس میں استنبول سے مکہ تک ریلوے لائن منصوبے کی نشاندہی کی گئی ہو۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخِ خاندانِ عثمانیہ، از مولوی انشاء اللہ خان
❁ الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النهوض واسباب السقوط، از دکتور علی محمد الصلابی

پانچواں باب

ترقی پسندوں کے تسلط کا دور

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ یہ سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے کہ:

1. ترقی پسندوں نے خلافت پر تسلط حاصل کر کے اُمتِ مسلمہ کو کیا نقصانات پہنچائے؟
2. سلطنتِ عثمانیہ جنگِ عظیم اوّل میں کیوں شریک ہوئی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟
3. مصطفی کمال پاشا کون تھا اور اس نے خلافت کے منصب کو کیوں ختم کیا؟
4. عثمانیوں کے زوال کے اہم اسباب کیا تھے؟

(یونٹ:3.10)

سلطان رشاد، محمد خامس بن عبدالمجید اوّل

۱۳۲۷ھ تا ۱۳۳۶ھ (۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۸ء)

ترقی پسندوں نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے اس کے بھائی محمد رشاد کو خلیفہ مقرر کر دیا جو محمد خامس کے لقب سے تختِ نشین ہوا۔ وہ علم و فضل کے باوجود عزم و ہمت اور سیاسی مہارت میں اپنے بھائی سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا۔ ①

اس کے دور میں ملک کی اصل باگ ڈور جمعیت اتحاد و ترقی کے قائدین کے ہاتھوں میں رہی جو فری میسن کے کارکن تھے، اس لیے ملک میں جاری کردہ نئے سکے پر بھی فری میسن کی علامات اور اس کے خاص نعرے یعنی: ''حریت، مساوات اور عدل'' بہت نمایاں تھے۔ ②

جمہوریت یا آمریت؟

جمعیت اتحاد و ترقی کی حکومت جمہوریت کے نام پر کھلی آمریت تھی جس میں اسلام پسندوں کے لیے زندگی اجیرن کر دی گئی۔ مخالفین سے چن چن کر بدلہ لیا گیا اور حق گو علمائے دین کو گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ عمامے کو تمسخر کی شے بنا دیا گیا اور علماء کو بے عزت کرنے کے لیے انہیں ''اَلطَّائِفَةُ الْمُعَمَّمَة'' (عمامہ پوش گروہ) کا نام دیا گیا۔ حکومت کی پشت پناہی سے چلنے والی لبرل صحافت نے عورت کی بے حجابی اور آزادی کو بھی فروغ دیا۔ سلطنتِ عثمانیہ میں یہودیوں کو کھلی چھٹی مل گئی اور جگہ جگہ فری میسن تنظیم کے لاجز کھل گئے۔ عربی کی بجائے، ترکی کو سرکاری زبان بنا دیا گیا اور ''ترک قومیت'' کا نعرہ لگا کر خلافتِ عثمانیہ سے وابستہ دیگر نسلوں کے مسلمانوں کو بددل کر دیا گیا۔ ③

سقوطِ لیبیا، جنگِ بلقان اوّل اور مسلمانانِ ہند کی خدمات:

سلطنتِ عثمانیہ کو اندرونی طور پر اس حد تک پراگندہ کرنے کے بعد مغربی دنیا نے بلقان کا مسئلہ نئی شدت کے ساتھ کھڑا کر دیا اور دوسری طرف اٹلی نے شمالی افریقہ کی ساحلی ریاست طرابلس الغرب (لیبیا) پر حملہ کر دیا جو خلافتِ عثمانیہ سے وابستہ تھی۔ یہاں سخت جنگ ہوئی، عثمانیوں کے دستے بھی پہنچ گئے اور مقامی رضا کار بھی بڑی شجاعت سے لڑے مگر آخر انہیں شکست ہو گئی اور ۱۹۱۲ء میں اطالوی افواج طرابلس الغرب (لیبیا) پر قابض ہو گئیں۔ ④

اُدھر مغربی طاقتوں کی شہ پر بلقان کی ریاستوں: سربیا، بلغاریہ اور یونان نے مل کر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف

---

① تاریخ الدولة العثمانیة، از یلماز: ۲ ص ۲۰۸

② موقف الدولة العثمانیة من الحرکة الصهیونیة از حسن علی حلاق: ص ۳۶۳

③ موقف الدولة العثمانیة من الحرکة الصهیونیة از حسان علی حلاق: ص ۳۳۱، ۳۳۲؛ کیف سقطت الدولة العثمانیة از سلیمان بن صالح الخراشی: ص ۷۲، ۷۱؛ صحوة الرجل المریض: ص ۲۳۲؛ تاریخ الدولة العثمانیة، از علی حسون: ص ۲۷۴، ۲۷۵؛

④ تاریخ الدولة العثمانیة از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۲۰۹ تا ۲۱۱؛ جهاد الابطال فی طرابلس الغرب: ص ۴۳ تا ۹۸

اعلانِ جنگ کر دیا۔ سلطنتِ عثمانیہ کو یہاں بھی شکست ہوئی اور اس نے منحرف ریاستوں کی شرائط تسلیم کر لیں۔ اس کے بعد لندن میں ایک معاہدہ ہوا جس کے مطابق عثمانی اپنے تقریباً تمام یورپی مقبوضات سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ①

جنگِ بلقان کے دوران ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی محکومی کے باوجود غیر معمولی دینی اخوت کا مظاہرہ کیا۔ دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی ترغیب پر مسلمان متحرک ہوئے۔ مولانا محمد علی جوہر کی اپیل پر ترکوں کے لیے چندہ جمع کیا گیا۔ ۱۹۱۲ء کے اواخر میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ۳۵ افراد پر مشتمل ایک طبی وفد ترکی پہنچا تاکہ زخمی ترکوں کو طبی سہولیات بہم پہنچائے۔ یہ وفد آٹھ ماہ تک وہاں خدمات انجام دیتا رہا۔ ②

جمہوری حکومت ختم، فوجی حکومت کا قیام:

لیبیا کے سقوط اور بلقان میں شکست نے جمعیت اتحاد وترقی کی ساکھ مٹی میں ملادی اور اپریل ۱۹۱۲ء کے انتخابات میں اسے بری طرح شکست ہوگئی اور اس کی جگہ ''جمعیت حریت وائتلاف'' قومی اسمبلی کی ۲۷۵ میں سے ۲۶۹ نشستیں لے کر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگئی۔ جمعیت اتحاد وترقی کو حکومت سے دست بردار ہونا پڑا، اور محمد کامل پاشا کی صدارت میں نئی مجلسِ وزراء تشکیل دے دی گئی۔ مگر جمعیت اتحاد وترقی کے جرنیلوں نے اس منتخب حکومت کو ایک سال بھی نہ چلنے دیا اور جنوری ۱۹۱۳ء میں جنرل محمود شوکت نے جمہوری حکومت کا تختہ الٹ دیا تاہم پانچ ماہ بعد اس جنرل کو نامعلوم افراد نے قتل کر دیا اور تین اعلیٰ فوجی افسران: طلعت پاشا، انور پاشا اور جمال پاشا نے سلطان رشاد کو مجبور کر کے اپنے من پسند عہدوں کی منظوری لے لی اور ملک کے کرتا دھرتا ہی بن گئے۔ ③

انور پاشا کا اعترافِ جرم، فوج کی جدید تشکیل، جنگِ بلقان دوئم:

یہ تینوں جرنیل سلطان عبد الحمید ثانی کا تختہ الٹنے میں پیش پیش تھے مگر سقوطِ لیبیا اور بلقان میں شکست کے بعد انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو چکا تھا۔ اسی لیے وزیرِ دفاع انور پاشا اب کہنے لگا تھا:

''ہم نے سلطان عبد الحمید کو نہیں پہچانا۔ پس ہم صہیونیوں کے آلۂ کار بن گئے۔ عالمگیر فری میسن نے ہمارے ذریعے اپنے مفادات حاصل کر لیے۔ ہم نے اپنی جدوجہد صہیونیت پر لگادی۔ یہ ہمارا اصل گناہ ہے۔'' ④

چنانچہ انور پاشا غیر معمولی جذبے کے ساتھ بلقان کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے مستعد ہو گیا اور اس نے دن رات ایک کر کے ترک فوج کو مختصر عرصے میں دوبارہ منظم اور مضبوط بنا کر دکھا دیا۔ جلد ہی اسے بلقان کی شکست کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ ہوا یہ کہ بلقانی اتحاد، ترکی سے یورپی مقبوضات چھیننے کے چند ماہ بعد باہم لڑ پڑا۔ اب ترکی نے بھی بلغاریا کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور متعدد فتوحات حاصل کیں۔ آخر ۱۹۱۴ء میں لندن میں مذاکرات ہوئے جن کے

---

① خلافتِ اسلامیہ، سقوط واحیاء: ص ۸۶، ۸۷
② التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۲۱۲؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، ازیلماز اوزتونا: ۱ص ۲۱۵ تا ۲۱۸
③ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۲۱۲ تا ۲۱۳؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، ازیلماز اوزتونا: ۲ص ۲۲۱، ۲۲۲
④ الدولۃ العثمانیۃ، عوامل النہوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۴۶۳

نتیجے میں ترکی کو جنگِ بلقان اوّل میں چھینے گئے کچھ علاقے واپس مل گئے جن میں "اِدِرْنہ" (ایڈریانوپل) بھی تھا۔ ①

پہلی عالمی جنگ اور سلطنتِ عثمانیہ کی اس میں شرکت:

مگر انور پاشا نے اس کارنامے کے بعد ایک ایسی بھاری غلطی کی جس نے ان فتوحات پر پانی پھیر کر سلطنتِ عثمانیہ کا سقوط طے کر دیا۔ ہوا یہ کہ اسی سال اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی جس میں ایک طرف جرمنی اور "متحدہ آسٹریا و ہنگری" تھے جبکہ دوسری جانب روس، فرانس، برطانیہ، یونان اور اٹلی تھے۔ ایسے میں جرمنی نے ترکی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ سلطان محمد رشاد اور طلعت پاشا سمیت اکثر وزراء اس جنگ میں شرکت بے سود سمجھتے تھے کیوں کہ ترکی کا یورپی قضیے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کوئی ایسی مجبوری نہیں تھی جو ترکی کو اس جنگ میں گھسیٹ لیتی مگر انور پاشا نے خلیفہ سے مشورہ کیے بغیر جرمن جرنیلوں کے مشورے پر افواج کو عالمی جنگ کے میدان میں اتار دیا۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اب جنگ چھڑ ہی چکی ہے تو اس نے بھی اعلانِ جہاد کر دیا۔ اس کے بعد ترکی چار سال تک اپنی تاریخ کی سب سے مشکل جنگ لڑتا رہا۔ نفیرِ جہاد سے چاہے عالمی پیمانے پر کوئی ہل چل نہ مچی ہو مگر خود ترک مسلمانوں میں جو ولولہ اور شوقِ شہادت بیدار ہوا، اس کا اثر بہر حال ساری دنیا نے دیکھا۔ سب سے سخت معرکہ درّہ دانیال پر پیش آیا جہاں دو سال تک اس قدر سخت جنگ ہوئی کہ دُنیا ششدر رہ گئی۔ یہاں اڑھائی لاکھ ترک سپاہی شہید ہوئے جبکہ اتحادیوں کے بھی لگ بھگ اسی قدر افراد قتل ہوئے۔ زخمیوں، مریضوں اور لاپتا ہونے والوں کی تعداد بیش از بیش تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ درۂ دانیال اور استنبول پر قبضہ کر کے ترکی کو پوری طرح زیر کرنا، برطانیہ اور یہودی زعماء کی ضد تھی جس کی وجہ سے عالمی جنگ نے مزید دو سال طول کھینچا۔ برطانوی وزیر اعظم لائڈ جارج جو اسلام اور سلطنتِ عثمانیہ کا بدترین دشمن اور یہودی سرمایہ داروں کا شریکِ کار تھا، اس پر مصر تھا کہ جب تک ترکی گھٹنے نہ ٹیک دے، جنگ جاری رہے گی۔ ②

تحریکِ ریشمی رومال:

عالمِ اسلام میں ہندوستان وہ خطہ تھا جہاں کے مسلمان برطانوی استعمار کے ماتحت ہوتے ہوئے بھی ترکی کے حق میں نہایت شدت کے ساتھ آواز بلند کرتے رہے۔ ہندوستانی علماء میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے اس موقع پر جان خطرے میں ڈال کر حجاز کا سفر بھی کیا اور اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر ریشمی رومال تحریک چلائی جس کا مقصد خلافت عثمانیہ کو قائم رکھنا اور مسلمانوں کو استعماری طاقتوں کی غلامی سے آزاد کرانا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ ترک افواج، ایران و افغانستان کے راستے ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں سے یلغار کریں اور اسی وقت ہندوستان کے عوام اندرونی طور پر انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ مگر بعض غداروں نے یہ راز فاش کر دیا جس کی بناء پر شیخ الہند رحمہ اللہ اپنے

---

① تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ ص ۲۱۳

② التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ ص ۲۱۹؛ الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ: مادہ، الحرب العالمیۃ الاولی؛ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۳۷

رفقاء حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ سمیت گرفتار کر لیے گئے اور انہیں مالٹا کے جزیرے میں قید رکھا گیا۔ عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد ان حضرات کو رہائی ملی تب بھی یہ چین سے نہیں بیٹھے بلکہ خلافت کے تحفظ کے لیے ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا پرچم لے کر کھڑے ہو گئے۔ ①

شریفِ مکہ کی غداری۔ القدس پر صلیبیوں کا قبضہ:

جمعیت اتحاد و ترقی کی حکومت میں حجاز کا امیر حسین پاشا تھا جسے "شریف مکہ" کہا جاتا تھا۔ وہ نسلاً ہاشمی تھا۔ سابق خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی نے اس میں ہوسِ اقتدار کے جراثیم محسوس کر لیے تھے، اس لیے اسے خاندان سمیت ربع صدی تک جبراً استنبول میں رہائش پذیر رکھا مگر جب جمعیت اتحاد و ترقی کی حکومت آئی تو اس نے حسین پاشا کو مکہ کا والی بنا دیا۔ عالمی جنگ کے دوران عالمی شہرت یافتہ برطانوی جاسوس کرنل لارنس (لارنس آف عربیہ) نے حسین پاشا اور اس کے بیٹوں: امیر فیصل اور امیر عبداللہ کو ترکوں کے خلاف کھلی بغاوت پر ابھارا اور انہیں یقین دلایا کہ حسین کو جزیرۃ العرب کا، فیصل کو شام کا اور عبداللہ کو فلسطین کا حکمران بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ جب عالمی جنگ نقطۂ عروج پر تھی اور ترکی اپنی ساری عسکری اور اقتصادی توانائی جنگ میں جھونک چکا تھا، شریف مکہ اور اس کے بیٹوں نے یکایک ترکی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے ترکوں کی پشت میں خنجر گھونپ دیا۔ عربوں کی غداری اور خوراک و رسد کے انقطاع کے باعث نہ صرف جزیرۃ العرب ہاتھ سے نکل گیا بلکہ شام میں لڑنے والی ترک افواج کے بھی حوصلے ٹوٹ گئے اور شکست سامنے دکھائی دینے لگی۔ ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو انگریز بیت المقدس پر بھی قابض ہو گئے۔ جنرل لینبی نے القدس پہنچ کر کہا:

"صلیبی جنگ آج ہماری فتح پر انجام پذیر ہوئی۔" ②

سلطنتِ عثمانیہ کی بندر بانٹ اور یہودی مملکت کے قیام کا اعلان۔ اعلانِ بالفور:

جنگ کے دوران ۱۹۱۶ء میں اتحادیوں نے آپس میں سلطنتِ عثمانیہ کی بندر بانٹ کا خفیہ معاہدہ کر لیا تھا جو "معاہدہ سائیکس پیکو" کہلاتا ہے۔ جنگ کے آخری مرحلے میں ۲ فروری ۱۹۱۷ء کو برطانیہ نے یہ بھی اعلان کیا کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن مان لیا جائے گا۔ اسے "اعلان بالفور" کہا جاتا ہے۔ ③

جنگِ عظیم کے ترکی پر اثرات اور جمعیت اتحاد و ترقی کی کارکردگی:

خلیفہ محمد رشاد نے اپنی وفات تک اتحادیوں سے کسی معاہدے کی توثیق نہیں کی۔ جولائی ۱۹۱۸ء (اکتوبر ۱۳۳۷ھ) میں اس کی وفات ہو گئی۔ اس وقت تک عسکری اعتبار سے ترکی کی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ جرمنی نے ہتھیار ڈال دیے

① کیف سقطت الدولۃ العثمانیۃ از سلیمان بن صالح الخراشی: ص ۴۳، ۴۷

② التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ج ۸ ص ۲۲۰، ج ۱۲ ص ۱۹، ۲۰ و تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، از یلماز اوزتونا: ۲ ص ۲۳۸، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶ ③ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض و اسباب السقوط از الصلابی: ص ۴۶۶، ۴۶۷

تھے اور ترکی کی شکست بالکل سامنے تھی۔ سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ جرمنی جو جنگ کا اصل فریق تھا، شکست کھا کر بھی اپنی نوآبادیات کے سوا، کسی علاقے سے محروم نہیں ہوا۔ جرمنی کا کوئی شہر اتحادیوں کے قبضے میں نہیں گیا۔ مگر ترکی جو ثانوی طور پر جنگ کا حصہ بنا تھا، اناطولیہ اور یورپ کے چند شہروں کو چھوڑ کر، اپنے تمام تر رقبے سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ یوں جنگِ عظیم میں شرکت کے فیصلے نے ترکی کو بالکل تباہ کر دیا۔ جمعیت اتحاد و ترقی کی حکومت جن کمزور بنیادوں پر قائم تھی، اس کا نتیجہ شاید یہی ہو سکتا تھا۔ ان کے ''عہدِ حریت'' کے بارے میں معاصر جنرل جواد رفعت کا کہنا تھا:

> ''جمعیت اتحاد و ترقی نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے اس کے بعد استبدادی نظام استوار کیا۔ اس کی گواہی ان کے دور میں پیش آنے والے وہ ملکی المیے دے رہے ہیں جو سلطان عبدالحمید کے ۳۳ سالوں میں واقع نہیں ہوئے تھے۔''[1]

سلطان عبدالحمید ثانی نے سلطنتِ عثمانیہ کا قرضہ ''تین سو ملین لیرے'' سے کم کر کے ''تیس ملین لیرے'' کر دیا تھا مگر جمعیت اتحاد و ترقی کی حکومت نے چند سالوں میں قرضوں کا بوجھ ''چار سو ملین لیرے'' تک پہنچا دیا۔ یوں ملک معاشی طور پر بھی تباہ و برباد ہو گیا۔[2]

جنگِ عظیم سے یہود کی اغراض:

یہودیوں نے اس جنگ سے درج ذیل اغراض وابستہ کر رکھی تھیں:

1. اپنے دشمن روس کی زار شہنشاہیت کا خاتمہ
2. اپنے دشمن جرمنی کی شکست و ریخت
3. خلافت کا سقوط اور سلطنتِ عثمانیہ کی تقسیم و تحلیل
4. فلسطین میں اپنے لیے وطن کی راہ ہموار کرنا
5. قیامِ امن کے نام پر ایک ایسا عالمی ادارہ قائم کرنا جو پوری دنیا پر بالادست ہو

چونکہ یہ تمام امور جرمنی اور ترکی کی شکست اور زارِ شاہی کی طاقت مضمحل ہونے پر منحصر تھے۔ اس لیے یہ بھی طے تھا کہ پہلے جرمنی کو کھل کر لڑنے دیا جائے گا تا کہ روس کمزور تر ہو جائے اور لینن وہاں کامیاب بغاوت کر سکے۔ یہ بھی طے تھا کہ جرمنی کو آخر میں شکست دلوانا ہو گی۔ اس کے لیے جرمنی کے کچھ کمانڈر خرید لیے گئے تھے جن سے جنگ کے آخری مرحلے میں کام لیا گیا جبکہ جرمنی بظاہر فتح حاصل کرنے والا تھا۔ ترکی کے خلاف جنگ کو اس حد تک طول دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ اس کی طاقت بالکل فنا ہو جائے اور وہ اتحادیوں کے ہر فیصلے کے سامنے سر جھکا دے، چاہے اس طرح انسانی جانوں کا ضیاع کئی گنا بڑھ جائے۔ ماسکو کے سرخ انقلاب سے چند ماہ پہلے جون ۱۹۱۷ء میں جب کہ جنگ کے

---

[1] کیف سقطت الدولة العثمانیة از سلیمان بن صالح الخراشی: ص ۶۰

[2] مذکرات السلطان عبدالحمید الثانی از محمد حرب: ص ۶۸

نتائج کا اندازہ ہو چکا تھا، یہود کی عالمی کانفرنس میں کہا گیا:

''ہم نے ظالم عسکری طاقتوں کو لڑوا کر اُن کی طاقتوں کو توڑ دیا ہے (ظالم عسکری طاقتوں سے مراد خلافتِ عثمانیہ، روس اور جرمنی ہیں) ہم نے قیصری طاقتوں کو توڑ دیا ہے، اور چند بقیہ حکومتوں کو بھی اُکھاڑ دیں گے، یعنی پوری دنیا میں نو آبادیات قائم ہوں گی، دنیا کا نقشہ اور جغرافیہ تبدیل ہو جائے گا، اب ایک بالا دست عالمی اقتدار وجود میں لایا جا سکتا ہے۔''

ایسا ہی ہوا۔ پہلی عالمگیر جنگ کے بعد دنیا میں بڑے بڑے انقلابات آئے۔ صہیونیوں نے حسب منصوبہ پوری دنیا کو ''لیگ آف نیشنز'' پر متفق کیا جس کا ڈھانچہ امریکی صدر ''ولسن'' کے سیاسی مشیر ''کرنل مانڈیل ہاؤس'' نے اپنے رفقاء کی مدد سے تیار کیا۔ پہلی عالمی جنگ کے اختتام پر لیگ آف نیشنز (League of Nations) کے ذریعے ہی وہ معاہدے ہوئے، جن کے ذریعے خلافتِ عثمانیہ ختم ہوئی اور خلافت کے وسیع علاقے کی بندر بانٹ ہوئی۔ اس طرح شام اور عرب ممالک پر جو افراد مسلط ہوئے ان میں سے اکثر برطانوی اور یہودی ایجنٹ تھے، اُن کی موجودگی میں یہود کو مشرق وسطیٰ لے جا کر بسانا کوئی مشکل کام نہیں رہا تھا۔ جدید ترکی وجود میں آیا، نو آبادیات اور نئی اقتصادیات کا نظام قائم ہوا۔ ۱۹۲۷ء میں فری میسنری رکن لین ہوف نے انکشاف کیا تھا:

''جو لوگ فری میسن اور لیگ آف نیشنز میں رابطہ ظاہر کرتے ہیں وہ درست کہتے ہیں۔ لیگ آف نیشنز فری میسن افکار ہی سے ماخوذ ہے۔''

لیگ آف نیشنز تین عشروں تک قائم رہی۔ بعد میں جب اس کا مطلوبہ مقاصد کے مطابق فعال رہنا مشکل ہو گیا تو اسے توڑ کر ''اقوام متحدہ'' کو وجود بخشا گیا۔ ①

❁❁❁

① حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

❁ موجز تاریخ الیہود: محمود بن عبدالرحمن قدح
❁ التاریخ الیہودی العام: ڈاکٹر صابر طعیمہ
❁ نحن والفاتیکان واسرائیل: الیس القاسم
❁ حکومۃ العالم الخفیۃ: یشیریب سبیریدوفیتش۔ تعریب: مامون سعید
❁ صراعنامع الیہود: محمد ابراھیم ماضی
❁ بابوات من الحی الیہودی: تالیف, واکیم بیرنز۔ تعریب خالد اسعد
❁ دور الیہود الدونمۃ فی اسقاط الخلافۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر محمد زعروت
❁ Hidden Menace to World Peace، امن عالم کے لیے سربستہ خطرہ از جیمز گب سٹورات

محمد سادس، وحید الدین

۱۳۳۷ھ تا ۱۳۴۰ھ (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء)

۱۱ فروری ۱۹۱۸ء (۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ء) کو سابق خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی کا بحالتِ قید و بند انتقال ہو گیا۔ چار ماہ بعد ۳ جولائی ۱۹۱۸ء کو خلیفہ رشاد (محمد خامس) کی بھی وفات ہو گئی۔ ①

ایسے میں مرحوم خلیفہ رشاد کے بھائی محمد سادس وحید الدین کو مسند خلافت پر بٹھایا گیا۔ حالت یہ تھی کہ اناطولیہ کے وسطی اور مشرقی حصوں کے علاوہ ترکوں سے سب کچھ چھن گیا تھا۔ اب ترکی کے پاس ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ خلیفہ وحید الدین نے جنگ بندی کا فیصلہ کرنے سے قبل انور پاشا، طلعت پاشا اور جمال پاشا کے ٹرائی اینگل سمیت جمعیت اتحاد و ترقی کے تمام وزراء کو معزول کر دیا جن کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے ترکی کا یہ حشر ہوا تھا۔ آخر اتحادی افواج سے صلح کی بات چیت ہوئی اور ۱۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو جنگ بندی کے معاہدے کے مطابق برطانیہ، فرانس اور اٹلی کی فوجیں درۂ دانیال اور استنبول سمیت ترکی کی اہم ترین بندرگاہوں اور عسکری نقاط پر تعینات ہو گئیں۔ ②

مصطفیٰ کمال پاشا کا عروج:

یہ وہ وقت تھا جب ترک فوج کا ایک افسر مصطفیٰ کمال پاشا میدانِ سیاست میں ابھر کر سامنے آیا۔ اسے یہ موقع ٹرائی اینگل (انور پاشا، جمال پاشا اور طلعت پاشا) کی معزولی کے بعد ملا۔ ③

مصطفیٰ کمال پاشا کو ایک طبقہ ترکوں کا نجات دہندہ، اسلام کا غازی اور اُمت کا محسن تصور کرتا ہے جبکہ حقائق اس کے برعکس ہیں۔ مؤرخ آرم اسٹرونگ کے مطابق وہ لڑکپن سے والیٹر، روسو اور وکٹر ہیوگو جیسے ملحد مفکرین کی ان کتب کا شیدائی تھا جو سلطنتِ عثمانیہ میں ممنوع تھیں۔ پھر وہ قومیت اور وطن پرستی کی حمایت میں شعلہ بار نظمیں کہنے لگا۔ بیس سال کی عمر میں وہ عسکری کالج کے ساتھیوں کے سامنے سلطان عبدالحمید کے خلاف تقریروں اور نظموں کے ذریعے خاصا مشہور ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ استنبول منتقل ہو گیا جہاں وہ مے نوشی، جوئے بازی اور معاشقوں میں لگ گیا۔ ④ نامق کمال کے رسالے ''الوطن'' نے اس کے جذبات کو متاثر کیا۔ اس کی حد سے زیادہ مے نوشی اور عیاشی بھی اس کی بدنامی کا سبب تھی۔ وہ اقتدار اور شہرت کا حریص تھا اور بعض اوقات نشے کی حالت میں شاہانہ احکامات جاری کرتا رہتا تھا۔ جب خلیفہ عبدالحمید خان ثانی کے خلاف ـــــ بغاوت ہوئی اور جنرل محمود شوکت سلانیک سے فوج لے کر نکلا تو کمال اس فوج کا

---

① التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۱۲ص ۱۳

② الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث از اسماعیل یاغی: ص ۲۲۵؛ الموسوعۃ العربیۃ العالمیہ: مادہ الحرب العالمیۃ الاولیٰ؛ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۲۱۳، ۲۲۶

③ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸ص ۲۲۸

④ صحوۃ الرجل المریض: ۲۶۸ تا ۲۷۱

ایک افسر تھا۔ انور پاشا کمال کی عادات سے سخت نالاں تھا۔ اسے جنگِ بلقان اوّل میں بھی بھیجا گیا مگر وہ شکست کھا کر واپس آ گیا۔ اسے بلغاریہ میں اتاشی کے طور پر تعینات کیا گیا مگر وہ زیادہ وقت شراب خانے میں گزارتا رہا۔ جنگِ بلقان دوئم میں اس نے اعلیٰ کمان کا حکم ملنے سے پہلے ہی حریف پر حملہ کر دیا مگر شکست کھا کر پسپا ہوا۔ پہلی عالمی جنگ چھڑنے پر اس نے انور پاشا سے مطالبہ کیا کہ اسے کسی اہم محاذ پر تعینات کیا جائے۔ انور پاشا اس پر اعتماد نہیں کرتا تھا مگر بادلِ نخواستہ اس سے درۂ دانیال کے چنا قلعہ، گیلی پولی اور شام کے محاذ پر کام لیا۔ یورپی طاقتیں اس کے سامنے جزیرہ گیلی پولی سے پسپا ہوئیں تو اسے ''پاشا'' کا اعزاز ملا جو اعلیٰ افسران کو دیا جاتا تھا۔ پھر اسے شام میں تعینات کر دیا گیا جہاں اس نے برطانوی جنرل لیبنی سے خفیہ رابطے قائم کر کے ساز باز شروع کر دی۔ یوں مغربی سیاست دانوں نے اسے اپنے لیے مفید مطلب محسوس کر لیا اور اسے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی ترغیب دی۔ مصطفیٰ کمال اور جنرل لیبنی کے خفیہ معاہدے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک لاکھ ترک سپاہی ہتھیار ڈال کر برطانیہ کے قیدی بن گئے۔

مصطفیٰ کمال کا برطانوی خفیہ اداروں سے مسلسل خفیہ رابطہ رہنے لگا۔ عام زندگی میں وہ ایک ملحد اور بدکردار آدمی تھا جسے اسلام سے سخت ضد تھی۔ پس برطانوی اداروں نے جان لیا کہ یہی شخص ترکی کی اسلامی شناخت مٹانے کا کام کر سکتا ہے۔ چنانچہ برطانوی اور یہودی ادارے اس کے پشت پناہ بن گئے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسے ایسا چمکایا کہ مسلمان اسے اپنا عظیم قائد سمجھنے لگے۔ شعراء، ادباء، صحافی اور بہت سے علماء و خطباء اس کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔ ①

خلیفہ کا منصوبہ اور مصطفیٰ کمال پر اعتماد کی غلطی:

اس دوران خلیفہ رشاد کا انتقال ہو چکا تھا اور نئے خلیفہ وحید الدین نے جمعیت اتحاد و ترقی کی حکومت توڑ دی تھی۔ خلیفہ کے سامنے سب سے بڑی آزمائش کسی طرح ترکی کو بچانا تھا جس کے دار الخلافہ پر بھی اتحادی افواج کھڑی تھیں۔ صرف مشرقی اور وسطی اناطولیہ آزاد تھا۔ خلیفہ نے جب دیکھا کہ اتحادی بھی مصطفیٰ کمال پر اعتماد کرتے ہیں تو اس نے مصطفیٰ کمال سے خفیہ طور پر یہ طے کر لیا کہ وہ ترکی کے آزاد علاقے میں جا کر خلافت کے خلاف نمائشی بغاوت کر دے۔ چونکہ باغی حکومت کا یورپی اتحاد سے کوئی معاہدہ نہیں ہوگا، اس لیے وہ ایک آزاد ترکی کے لیے جدوجہد کر سکے گی۔ یورپی اتحاد اس تحریک کو نظر انداز نہیں کر سکے گا اور اسے مجبور ہو کر صلح کی شرائط نرم کرنا پڑیں گی۔ خلیفہ کا منصوبہ اپنی جگہ عمدہ تھا مگر افسوس کہ اس نے انجانے میں اس کے لیے ایسے فرد کا انتخاب کر لیا جو قطعاً بھروسے کے قابل نہیں تھا۔

بہر کیف مصطفیٰ کمال اناطولیہ پہنچا اور خلیفہ کی کردار کشی کر کے افواج کو اپنے ساتھ ملانے اور وہاں ایک آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے خلیفہ کی مرضی کو اپنی حکمتِ عملی سے خارج کر دیا۔ خلیفہ پر جب اس کا مکر و فریب کھلا تو اس نے ۸ جولائی ۱۹۱۹ء کو کمال کی معزولی کے پروانے پر مہر لگا دی۔ مگر مصطفیٰ کمال نے کوئی پروانہ کی۔ اس

① التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۸/ص ۲۲۷ تا ۲۳۰، ۷/ص ۲۱۶ تا ۲۲۲

نے لوگوں کو متحدہ اور مضبوط ترکی کا خواب دکھا کر حامی بنالیا اور کہا کہ عوام پر اور فوج پر یہ فرض ہے کہ وہ سلطنتِ عثمانیہ، عثمانی سلطان اور خلیفہ کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کردے۔ ①

مصطفیٰ کمال کی انقرہ حکومت:

۷ نومبر ۱۹۱۹ء کو انتخابات ہوئے جن میں مصطفیٰ کمال ارض روم اور انقرہ سے انتخاب لڑ کر دونوں حلقوں میں جیت گیا۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں قومی اسمبلی نے مصطفیٰ کمال کو صدر منتخب کرلیا۔ یوں ایک مملکت میں دو حکومتیں وجود میں آگئیں۔ استنبول میں خلیفہ کی حکمرانی تھی اور انقرہ میں مصطفیٰ کمال کی جمہوری حکومت۔ قوم پرستوں نے نیا آئین مرتب کر کے انقرہ میں نئی قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس منعقد کیا جس میں سلطنتِ عثمانیہ کا نام بدل کر ''ترکیا'' رکھ دیا گیا۔ ②

یورپی اتحاد ایک ملک میں قائم ان دونوں حکومتوں کی کارکردگی کو بغور دیکھ رہا تھا کہ ان میں سے کس کا غلبہ ان کے مقاصد کے لیے زیادہ مفید ہوسکتا ہے۔ اس دوران یورپی اتحاد نے خلیفہ کو ایک معاہدے کا ایجنڈا پیش کیا جسے معاہدۂ سیورے کہا جاتا ہے۔ اس میں پیش کردہ شرائط نہایت سخت تھیں اور خلیفہ نے اسے قبول نہیں کیا تھا بلکہ وہ غور وفکر کے بہانے اس پر دستخط کرنے کو ملتوی کرتا رہا، یوں اس میثاق کی حیثیت محض ایک تحریر کی رہی جس پر کبھی بھی عمل نہیں ہوا۔

مگر مصطفیٰ کمال کو اس تحریر کی نقل کسی طرح پہنچادی گئی جسے شائع کر کے اس نے ہنگامہ برپا کردیا اور کہا کہ خلیفہ ترک قوم کو فروخت کررہا ہے۔ یوں فوج اور عوام کی اکثریت مصطفیٰ کمال کے ساتھ ہوگئی اور عالمی طاقتوں سے بھی کمال کے معاملات طے پاگئے۔ ③

کمال کو ہیرو بنانے کا ڈرامہ۔ یونان سے جنگ:

اس وقت یونان ازمیر پر قابض تھا۔ عالمی طاقتوں نے مصطفیٰ کمال کو ہیرو بنانے کے لیے یہاں ایک نمائشی جنگ کی منصوبہ بندی کی، چنانچہ مصطفیٰ کمال نے اعلان کیا کہ وہ یونان کو بزورِ شمشیر ملک سے نکالے گا۔ یونان کوئی بڑی طاقت نہ تھا۔ اس کی تمام قوت عالمی طاقتوں کی سرپرستی اور تعاون پر منحصر تھی مگر اب منصوبے کے مطابق عالمی طاقتوں نے یونان کو بتائے بغیر طے کرلیا کہ وہ جنگ میں غیر جانب دار رہ کر مصطفیٰ کمال کو جیتنے کا موقع دیں گی۔ ④

۱۹۲۱ء کے موسم بہار میں مصطفیٰ کمال نے افواج کو محاذ پر بھیج دیا۔ یونانیوں نے پہلے چھاپہ مار کارروائیوں پر اکتفا کیا کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ حسبِ معمول برطانیہ، فرانس اور اٹلی اس کی مدد کے لیے آجائیں گے مگر جب ایسا کچھ نہ ہوا تو مارچ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے بھی پیش قدمی کی اور ترک جرنیل عصمت انونو کو پسپا کردیا اور بروصہ تک پہنچ کر استنبول پر

---

① التاریخ الاسلامی للدکتور محمود شاکر: ۱۷ ص ۴۴، ۴۵؛ عثمانی ترک، ایس این علی: ۱۲۰ تا ۱۲۵؛ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث از اسماعیل یاغی: ص ۲۲۶ تا ۲۲۷

② عثمانی ترک، ایس این علی: ص ۱۲۶ تا ۱۳۱؛ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث لدکتور اسماعیل یاغی: ص ۲۲۸

③ التاریخ الاسلامی لدکتور محمود شاکر: ۱۷ ص ۲۸ تا ۳۳؛ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث از اسماعیل یاغی: ص ۲۲۶

④ بحوالہ بالا

حملے کی تیاری کرنے لگے مگر برطانوی فوجوں نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یونانی پلٹ کر ''کوتاہیہ'' پہنچے۔ اُدھر مصطفیٰ کمال نے جنگ روک کر افواج کو مشرق میں دریائے سقاریا کے پار جمع کرلیا۔ مئی ۱۹۲۱ء میں یونانیوں نے دریا کے مغربی کنارے پر پہنچ کر حملہ کردیا۔ ترک بڑی دلیری سے لڑے مگر آخر کار انہیں شکست ہوئی اور ۷۰ ہزار میں سے صرف ۳۰ ہزار انقرہ پہنچ سکے۔ اب انقرہ کے سقوط کا خطرہ پیدا ہوگیا اور شہریوں نے نقل مکانی شروع کردی۔

ایسے میں یونانی افواج نے کسی شکست یا مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اچانک واپسی اختیار کرلی۔ یہ پسپائی نہیں منظم واپسی تھی جس کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ بہرکیف یونانی دیہاتوں میں مسلمانوں کا قتل عام کرتے اور مال و مویشی سمیٹتے ہوئے ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کو واپس ''ازمیر'' پہنچ گئے اور پھر از خود وہاں سے بھی نکل گئے۔ چھ ماہ بعد ترک فوج ازمیر پہنچی اور شہر کو قبضے میں لے لیا۔ برطانوی خفیہ ایجنسیوں اور یہودی ذرائعِ ابلاغ نے اس نمائشی جنگ کے دوران مصطفیٰ کمال پاشا کی شجاعت کے ایسے ڈنکے بجائے کہ دنیا بھر کے محکوم مسلمان اسے اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے جبکہ خلیفہ وحید الدین کو وہ ایک بزدل اور نااہل شخص تصور کرنے لگے۔ رائے عامہ کو اس طرح ہموار کرنے کے بعد استنبول پر قابض برطانوی افسران نے خلیفہ وحید الدین کو معزول کر کے جزیرۂ مالٹا میں نظر بند کردیا۔ ①

میثاقِ لوزان اور خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ:

۱۷ نومبر ۱۹۲۲ء (۲۸ صفر ۱۳۴۱ھ) کو وحید الدین کی جگہ اس کے چچازاد بھائی عبدالمجید ثانی بن عبدالعزیز کو اس شرط کے ساتھ مسندِ خلافت پر بٹھادیا گیا کہ وہ صرف علامتی خلیفہ ہوگا۔ عبدالمجید ثانی کی تخت نشینی کے تین دن بعد ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء (یکم ربیع الآخر ۱۳۴۱ھ) کو عالمی طاقتوں نے معاہدۂ سیورے پر نظرِ ثانی کے عنوان سے لوزان کانفرنس منعقد کی مگر اس کا اصل مقصد صہیونی منصوبے کے مطابق ''خلافت'' اور ترکی کی ''اسلامیت'' کا خاتمہ کرنا تھا۔ اس کانفرنس میں برطانوی وزیرِ خارجہ لارڈ کرزن نے ترکی کو خود مختار ملک کی حیثیت دینے اور استنبول سے اتحادی افواج کے انخلاء کے لیے لازم قرار دیا کہ ترکی اسلام سے تعلق قطع کر کے ایک سیکولر مملکت بننا قبول کرے اور منصبِ خلافت کو بالکل ختم کردے۔ لوزان جانے والا ترک وفد جو عصمت انونو کی قیادت میں تھا، ان ذلت آمیز شرائط پر صلح سے انکار کر کے واپس آگیا۔ مگر مصطفیٰ کمال کو اسلامی شعائر و احکام سے کوئی مطلب نہ تھا۔ اس کی ضد اور اصرار کی بناء پر آخر کیم نومبر ۱۹۲۳ء کو معاہدۂ لوزان پر دستخط کردیے گئے۔ اس معاہدے کے مطابق ترکی کو زمین کا کچھ حصہ تو واپس مل گیا مگر اس کی اسلامی شناخت مٹ گئی۔

معاہدۂ لوزان کے بعد مغربی ممالک کی افواج استنبول سے نکل گئیں اور ان کی جگہ ترک افواج وہاں تعینات ہوگئیں۔ استنبول کی جگہ انقرہ کو دارالحکومت بنادیا گیا۔ مصطفیٰ کمال کی سربراہی میں ترکی کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا اور عصمت انونو کو ترکی کا پہلا وزیرِ اعظم بنادیا گیا۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء (۲۷ رجب ۱۳۴۲ھ) کو خلافت کے خاتمے کا اعلان

① التاریخ الاسلامی للدکتور محمود شاکر: ۷/ ص ۳۳ تا ۳۷؛ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث از اسماعیل یاغی: ص ۲۳۰

کر کے آخری خلیفہ عبدالمجید ثانی کو ملک بدر کر دیا گیا۔ اس کے بعد ترکی میں اسلام کو بیخ و بُن سے مٹانے کی مہم شروع ہو گئی۔ وزارتِ اوقاف ختم کر دی گئی، عثمانی خلفاء کی جاری کردہ تمام اوقاف ضبط کر لی گئیں۔ اسلامی قانون کو معطل کر کے، شیخ الاسلام کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ دینی مدارس کو جدید اسکولوں اور کالجوں کی شکل دے دی گئی۔ خانقاہیں بند کر دی گئیں اور سلاسلِ صوفیہ کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مساجد کی تعداد محدود کر دی گئی، ان میں سرکاری ملازمین کو امام مقرر کر دیا گیا۔ جامع مسجد آیا صوفیا کو عجائب گھر اور جامع مسجد سلطان محمد فاتح کو گودام میں تبدیل کر دیا گیا۔ ہجری کی جگہ عیسوی تقویم جاری کر دی گئی۔ ۱۹۲۸ء میں ترکی کے دستور کے وہ الفاظ حذف کر دیے گئے جو اسلام کو ملک کا سرکاری دین قرار دیتے تھے۔ عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی حروف کو رائج کر کے قوم کو اپنی علمی میراث سے اجنبی بنا دیا گیا۔ عورتوں کے لیے حجاب ممنوع قرار پایا۔ مشرقی لباس پر پابندی عائد کر کے مغربی لباس کو لازم کر دیا گیا۔ عربی میں اذان ممنوع قرار پائی۔ یوں مغربی طاقتوں کی خواہش کے عین مطابق، خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا اور ترکی اپنی اسلامی پہچان سے محروم ہو کر ایک سیکولر اور مغرب زدہ ملک بن گیا۔ ①

❁❁❁

سلطنتِ عثمانیہ کے زوال اور سقوط کے اسباب

سلطنتِ عثمانیہ کے زوال اور سقوط کے اہم اسباب یہ تھے:

① روحِ جہاد کی کمزوری:

شروع میں عثمانی سلاطین خود جہاد کے لیے نکلتے اور بے مثال فتوحات حاصل کرتے رہے۔ مگر پھر سلاطین خود آرام پسند ہو گئے۔ انہوں نے خود جہادی مہمات کی قیادت چھوڑ دی لہٰذا افواج میں پہلے جیسا جوش و خروش باقی نہ رہا اور عثمانیوں کی فتوحات کا دائرہ آسٹریا تک پہنچ کر رک گیا۔ اس کے بعد ان کی رجعت شروع ہوئی جس نے انہیں کمزور کرتے کرتے بالکل ختم کر ڈالا۔

② ینی چری فوج کا بگاڑ:

ینی چری فوج مجاہدانہ رنگ میں بڑی بڑی فتوحات کا باعث بنی۔ مگر پھر ایمانی روح کمزور ہوتی گئی، سپاہی مے نوشی اور فسق و فجور کے عادی ہو گئے، اللہ کی مدد شاملِ حال نہ رہی اور منکرات نے اس بہترین فوج کو آرام پسند بنا دیا۔ چنانچہ عثمانیوں کو مسلسل شکستیں ہونے لگیں۔ اُدھر اپنی طاقت کے بلاوجہ مظاہرے ینی چری سپاہ کا معمول ہو گئے، یہاں تک کہ بعض عثمانی سلاطین ان کے یرغمال بن گئے اور ان میں سے کئی انہی ینی چری افسران کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

---

① الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط از الصلابی: ص ۴۷۲، ۴۷۳؛ الدولة العثمانية فی التاريخ الاسلامی الحديث از اسماعیل یاغی: ص ۲۳۰ تا ۲۳۳؛ التاريخ الاسلامی از محمود شاکر: ۸/۱۳۷ تا ۲۰۱؛ صحوة الرجل المريض: ص ۲۶۸

③ اغیار سے معاہدے اور تعلقات:

بعض یورپی ممالک سے سلطنتِ عثمانیہ کے دوستانہ تعلقات کا آغاز سلیمان قانونی کے دور میں ہوا جب سلطان نے اسپین کی طاقت توڑنے کے لیے فرانس کو حلیف بنایا اور وینس سے بھی تجارتی معاہدے کیے۔ بعد میں جب ترکوں کی طاقت کم پڑ گئی تو یہ معاہدے ان کے گلے پڑ گئے۔ بعد کی شکستوں نے عثمانی سلاطین کو مزید معاہدوں پر مجبور کیا۔ اس طرح یورپ کا سیاسی واقتصادی اثر ورسوخ بڑھنے لگا۔ یورپی طاقتوں نے ان مراعات سے فائدہ اٹھا کر ترکی میں صحافت، ادب اور تعلیم کے نام پر ایسے ادارے اور تنظیمیں قائم کرلیں جنہوں نے بعد میں علیحدگی پسند رہنماؤں کو جنم دیا۔

④ غیر ملکی خواتین سے رشتے:

عثمانی سلاطین نے یورپ اور روس کی متعدد نصرانی اور یہودی خواتین سے شادیاں کیں۔ کبھی اس کے پیچھے کوئی سیاسی مصلحت کارفرما ہوتی (مثلاً اقلیتوں سے اظہارِ رواداری یا کسی مملکت سے حلیفانہ تعلقات مضبوط کرنا) اور کبھی ان خواتین کا حسن وجمال ہی شادی کا محرک بن جاتا۔ ان خواتین کے اثرات اپنی اولاد پر بھی پڑتے تھے۔ وہ انہیں اگر نصرانی نہ بناسکتیں تو بھی انہیں مسلم ونصرانی کی تمیز سے بے پروا کرنے کی کوشش ضرور کرتیں۔ وہ بعض اوقات سلطنت میں سیاسی بحران کا باعث بھی بن جاتی تھیں۔ اس سلسلے میں سلیمان قانونی کی بیگم خرم کی مثال دیکھ لینا کافی ہے، جس نے اپنے بیٹے سلیم ثانی کو تخت دلوانے کے لیے ولی عہد شہزادہ مصطفی کو قتل کرایا۔

⑤ رقبے کی وسعت، نظام کا جمود:

عثمانیوں نے نظام حکومت کی ترقی کو اسی جگہ روک دیا جہاں تک سلطان سلیمان القانونی نے اسے پہنچایا تھا۔ حالانکہ وقت کے ساتھ ساتھ نظام میں اصلاحات کی ضرورت تھی۔ اس جمود سے صوبوں اور مرکز کے مابین رخنے پیدا ہوگئے، نئی ضروریات کی تکمیل کی شکلیں پیدا نہ ہوئیں اور مسائل نے بڑھتے بڑھتے بحرانوں کی شکل اختیار کرلی۔

⑥ صلیبی بغض وحسد:

سلطنتِ عثمانیہ کے دوست کم تھے اور دشمن بے شمار۔ دنیائے نصرانیت ویہودیت کا وہ اولین ہدف تھی۔ صلیبی استعمار اسے برباد کرنا چاہتا تھا۔ پاپائے روم اور فری میسن حاخام (فری میسن سربراہ) اس کے خلاف ہمیشہ سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ یہودی زعماء خفیہ طور پر اس کے خلاف مستعد رہے جبکہ پوپ کے ایماء پر نصرانی ممالک سلطنتِ عثمانیہ کی سرحدوں پر نبرد آزما رہے۔ ایران کی شیعہ حکومت دولت صفویہ ہمیشہ عثمانیوں کی پشت میں خنجر گھونپتی رہی۔ امن کے چند مختصر وقفوں کے سوا، ہم اکثر وبیشتر تاریخ کے ان صفحات پر جنگ ہی جنگ لکھی دیکھتے ہیں۔ اس سلسلے نے سلطنت کو کمزور کیا اور آخرکار صلیبیوں کے بغض وحسد کی آگ اسے ختم کرکے ہی ٹھنڈی ہوئی۔

⑦ علمی وفنی کمزوری:

سلطنتِ عثمانیہ کو یورپ سے برابر کی ٹکر لینے کے لیے جس علمی وفنی مہارت کی ضرورت تھی، اس کی طرف بروقت

توجہ نہیں دی گئی۔ بعض سلاطین کو یہ خیال آیا اور انہوں نے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی مگر قدامت پسندی ترکوں کی گھٹی میں اس طرح پڑ چکی تھی کہ وہ اپنی روش بدلنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ انیسویں صدی عیسوی میں جب بعض سلاطین نے جدید علوم وفنون کی طرف توجہ کی، تب تک یورپ بہت آگے نکل چکا تھا اور اس کی برابری مشکل ہو چکی تھی۔ چنانچہ مسلمان علوم وفنون میں تقلیدی راستہ اپنانے پر مجبور ہوئے جس نے انہیں نظریاتی طور پر بھی اپاہج کر دیا۔

⑧ ایک ایمانی، اخلاقی اور دعوتی تحریک کی کمی:

سلطنتِ عثمانیہ کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے آخری دو صدیوں میں ایک ہمہ وقتی ایمانی، اخلاقی، علمی وفکری اور دعوتی تحریک کی ضرورت تھی۔ اس تحریک کے ذریعے سلطنت کے ان مسلم صوبوں کو آپس میں مربوط ومتحد کرنا ممکن تھا جہاں علیحدگی پسندی کے جراثیم پنپ رہے تھے۔ نیز غیر مسلم صوبوں میں بھی اسلام کی دعوت کا سلسلہ شروع کیا جا سکتا تھا۔ مگر ایسی کوئی تحریک ہمیں اس دور میں دکھائی نہیں دیتی۔ سلطان عبدالحمید ثانی نے پان اسلام ازم کی تحریک شروع کر کے اسی کمی کو دور کرنے کی کوشش کی تھی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

⑨ باغیانہ تحریکیں:

یورپ نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف جن باغیانہ تحریکوں کو فروغ دیا، وہ سلطنت کو زوال کی انتہاء تک پہنچانے کا بہت بڑا سبب تھیں۔ ان میں بلقان اور آرمینیا کی بغاوتیں سب سے خطرناک تھیں۔ سلاطین کی ساری توجہ اور طاقت انہی سے نمٹنے پر صرف ہوتی رہی اور دیگر انتہائی ضروری امور نظر انداز ہوتے چلے گئے۔

⑩ خفیہ جماعتیں اور تنظیمات:

سلطنت کے آخری چند عشروں میں یورپ کی سرپرستی میں قائم ہونے والی خفیہ جماعتوں نے سلطنت کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیا۔ ان جماعتوں نے جدت پسند ترکوں کو وجود بخشا، قوم پرستی اور وطن پرستی کے جذبات کو فروغ دیا اور انجام کار فوج کو بھی اپنا ہم نوا بنا کر سلطان عبدالحمید ثانی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جو عثمانیوں کا آخری فردِ فرید تھا۔

⑪ عربی کو سرکاری وعلمی زبان نہ بنانا:

سلطنتِ عثمانیہ میں بالعموم ترکی زبان ہی رائج رہی۔ علمی کام بھی اکثر وبیشتر ترکی میں ہی ہوتا رہا۔ اس بناء پر سلطنتِ عثمانیہ کے اہلِ علم وفضل کے علمی کمالات سے دنیا زیادہ مستفید نہ ہو سکی اور عالمِ عرب سے پختہ ربط وضبط پیدا نہ ہو سکا۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی نے اس صورتحال کا ازالہ کرنے کی کوشش کی مگر تب تک وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

⑫ بیرونی سودی قرضے:

سلطنتِ عثمانیہ نے سلطان عبدالمجید اوّل کے دور میں برطانیہ سے پچاس لاکھ اشرفیاں پانچ فیصد شرح سود کے ساتھ بطورِ قرض لیں۔ یہ سلطنت کا پہلا بیرونی قرضہ تھا۔ اس کے بعد قرضے لینے کا سلسلہ چلتا رہا اور سلطنتِ عثمانیہ ایک مقروض سلطنت بن کر معاشی طور پر تباہ ہو گئی۔ سلطان عبدالحمید ثانی نے قرضے لینا بند کر کے بڑی مشکل سے سابقہ

قرضوں کا اکثر حصہ ادا کیا مگر سلطان کے بعد دوبارہ بکثرت قرضے لیے گئے اور یوں تباہی سلطنت کا مقدر بن گئی۔

⑭ عالمی جنگ میں شرکت:

عالمی جنگ میں شرکت نے سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے پر مہر لگا دی۔ جنگ میں شکست نے سلطنت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے اور عالمی طاقتوں نے حسب منشاء خلافت کو خود ترکوں کے ہاتھوں ختم کرا دیا۔

فقط سلطنتِ عثمانیہ کے نہیں بلکہ دیگر اسلامی حکومتوں کے زوال کے اسباب بھی اکثر و بیشتر یہی دکھائی دیں گے۔ نیز اسبابِ زوال ان کے علاوہ بھی ہیں مگر یہاں چند اہم ظاہری اسباب بطورِ عبرت لکھ دیے گئے۔ باقی اسباب کا سارا سلسلہ مسبب الاسباب کی مشیت پر جا کر منتہی ہو جاتا ہے۔ اس نے جب تک چاہا، مسلمانوں کو عزت و حکومت عطا کیے رکھی۔ جب اس کی مرضی نہ رہی، سلسلۂ اسباب و حالات ہمارے خلاف ہو گئے اور ہم ثریا سے تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

"کہہ دیجیے...... اے اللہ! کل بادشاہت کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت عطا فرماتا ہے، اور تو جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے، اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے، اور تیرے ہی ہاتھ میں خیر ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"[1]

عثمانی ترکوں کی خدمات

ساتویں صدی ہجری کے آخر میں عثمانی ترکوں نے جب اناطولیہ میں حکومت قائم کی تو بانیانِ سلطنت ماضی کے تجربات سے یہ سبق سیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ہمیشہ ان کی فتوحات کا راستہ روکتی رہی۔ اس لیے انہوں نے اپنی پوری توجہ یورپ کی طرف مرکوز رکھی اور ان کے سلاطین یورپ میں داخل ہو کر کئی صدیوں تک نصرانیوں سے مسلسل جہاد کرتے رہے۔ انہوں نے جہاں تک ممکن ہو سکا، مسلم ممالک سے الجھنے سے اپنا دامن بچایا اور دشمنانِ اسلام کی سرکوبی اور اسلام کی اشاعت و حفاظت کو اپنا ہدف قرار دیے رکھا۔

نصرانی طاقتیں صدیوں سے شام اور مصر پر حملے کرتی آ رہی تھیں مگر عثمانیوں کی برق خیز یلغار سے خائف ہو کر ان کی ساری توجہ اپنے دفاع پر مرکوز ہو گئی اور عالم اسلام کے ساحلوں کی تسخیر کا خیال ان کے لیے خواب پریشاں بن گیا۔ ان خدمات کی وجہ سے سلطنتِ عثمانیہ کو عالم اسلام میں وہ مقبولیت نصیب ہوئی کہ اس کی مثال صرف قرونِ اولیٰ کے حکمرانوں میں ملتی ہے۔ اسی نیک نامی کی وجہ سے مسلمانوں نے انہیں خلافت کا اہل سمجھا اور جب انہوں نے قاہرہ کے عباسی خلفاء سے خلافت اپنے نام کرائی تو عالم اسلام میں اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھی۔

---

① سورۃ آل عمران: ۲۶

عثمانی سلاطین کے دینی جذبے اور مذہبی خدمات نے جہاں جمہور مسلمین میں انہیں محبوب بنادیا، وہاں باطل فرقے انہیں ہمیشہ نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے کیوں کہ عثمانیوں کے عروج نے فرقہ بندی کے نقیبوں کو سرنگوں کردیا تھا، اس لیے باطل فرقے عثمانیوں کی جڑیں کاٹنے میں مصروف رہے اور باران کی پشت میں خنجر گھونپتے رہے۔

اکثر عثمانی سلاطین عالم فاضل، عادل، رعایا پرور، متقی، مجاہد اور دین دار تھے۔ وہ فقہ حنفی کے پیروکار تھے۔ صوفیاء اور مشائخ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر کسی نہ کسی شیخ کے مرید اور ذکرواذکار کے پابند تھے۔ یہ صفات بھلا سیکولر طبقے اور مستشرقین کو کیسے گوارا ہوسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ عثمانی سلاطین یورپ کے حلق کا کانٹا بن گئے تھے اس لیے یورپی طاقتوں نے ہمیشہ ان کی کردارکشی پر زور رکھا اور ان کے خلاف متحد ہوگئیں، جنگوں اور طرح طرح کی سازشوں کے ذریعے اسے کمزور کیا اور آخر کار مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں خلافت کو ختم کرا کے چھوڑا۔

جدید ترکی میں اسلامیت اور مغربیت کا معرکہ:

سیکولرازم کے ظاہری غلبے اور مصطفیٰ کمال کی آمریت کے باوجود اسلام پسند ترک شہریوں نے ہار نہ مانی۔ ۱۹۳۸ء میں مصطفیٰ کمال کی وفات کے بعد سیاسی اصلاحات کا عمل شروع ہوگیا۔ ۱۹۵۰ء میں ڈیموکریٹک پارٹی برسرِ اقتدار آگئی اور وزیر اعظم عدنان میندرس نے مذہبی معاملات میں حکومت کی دخل اندازی ختم کرکے عربی میں اذان کی اجازت دے دی اور سرکاری اسکولوں کے نصاب میں اسلامی مضامین شامل کرائے۔ ۱۹۶۰ء میں فوج نے بغاوت کرکے عدنان میندرس کی دس سالہ حکومت کا خاتمہ کردیا اور انہیں آئین شکنی کے الزام میں پھانسی دے دی جبکہ ڈیموکریٹک پارٹی کو کالعدم قرار دے دیا۔ اسلام پسندوں نے اس کے بعد جسٹس پارٹی کی شکل میں کام شروع کردیا اور اس کے رہنما سلیمان ڈیمرل نے کمال ازم کے حامیوں کو پسپا کرکے ۱۹۶۵ء میں حکومت بنالی۔ ۱۹۷۰ء میں فوج نے بغاوت کرکے انہیں معزول کردیا۔ ان زیادتیوں کے باوجود اسلام پسندوں نے ہمت نہ ہاری اور نجم الدین اربکان نے میدان سنبھال لیا۔ انہوں نے رفاہ پارٹی قائم کی اور ۱۹۹۵ء میں وزیر اعظم بن گئے مگر ۱۹۹۶ء میں فوج نے بغاوت کرکے ان کی حکومت گرادی۔ اس کے بعد اربکان کی پارٹی کے ایک قائد رجب طیب اردوغان نے "جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی" (آق پارٹی) کی بنیاد رکھی جس نے ۲۰۰۳ء میں انتخابات جیت کر حکومت بنالی۔ رجب طیب اردغان اپنی قومی خدمات اور حکمت وتدبر پر مبنی سیاست کے باعث ترکوں میں نہایت مقبول ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں انہیں صدر منتخب کرلیا گیا۔ ان کی قیادت میں ترکی کا اسلامی تشخص ایک بار پھر نمایاں ہورہا ہے اور وہاں دینی شعائر دن بدن عام ہورہے ہیں۔

فہرست سربراہان ترکانِ عثمان

نمبر	حکمران	دورِ حکومت	کردار	خاص بات
امیر کے لقب سے حکمرانی کرنے والے				
۱	عثمان خان بن ارطغرل	۶۸۷ھ تا ۷۲۶ھ (۱۲۹۹ء تا ۱۳۲۶ء)	نیک سیرت	بانی سلطنت
۲	اُورخان بن عثمان خان	۷۲۶ھ تا ۷۶۱ھ (۱۳۲۶ء تا ۱۳۶۰ء)	نیک سیرت	سلطنت کو استحکام بخشا، یورپ میں فتوحات کا آغاز
۳	مراد خان اوّل بن اورخان	۷۶۱ھ تا ۷۹۱ھ (۱۳۶۰ء تا ۱۳۸۹ء)	نیک اور بہادر	سلطنت کو بہت وسعت دی
۴	بایزید یلدرم بن مراد اوّل	۷۹۱ھ تا ۸۰۵ھ (۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۳ء)	بہادر، تیز مزاج	سلطنت کو وسیع کیا مگر تیمور سے شکست کھا کر سلطنت کھودی
سلطان کے لقب سے حکمرانی کرنے والے				
۵	محمد چلپی بن بایزید یلدرم	۸۱۶ھ تا ۸۲۴ھ (۱۴۰۳ء تا ۱۴۲۱ء)	متوسط۔ رفاہی کاموں کا شوقین	بھائیوں سے خانہ جنگی۔ سلطنت کی از سرِ نو شیرازہ بندی
۶	مراد خان ثانی بن محمد چلپی	۸۲۴ھ تا ۸۵۵ھ (۱۴۲۱ء تا ۱۴۵۱ء)	نہایت نیک سیرت	سلطنت کا از سرِ نو استحکام
۷	محمد خان فاتح بن مراد ثانی	۸۵۵ھ تا ۸۸۶ھ (۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء)	نیک سیرت	قُسطَنطِینِیَہ کی فتح۔ کئی یورپ ممالک زیرِ نگین کیے۔
۸	بایزید ثانی بن محمد فاتح	۸۸۶ھ تا ۹۱۸ھ (۱۴۸۱ء تا ۱۵۱۲ء)	نیک سیرت	انحطاط کے آثار، بادشاہ اپنے بیٹے سلیم کے حق میں مستعفی

خلافتِ عثمانیہ۔ دورِ عروج

۹	سلیم اول بن بایزید ثانی	۹۱۸ھ تا ۹۲۶ھ (۱۵۱۲ء تا ۱۵۲۰ء)	سخت گیر۔ جنگجو۔ صورۃً غیر متشرع	آلِ عثمان کا پہلا خلیفہ، مصر کی فتح، صفوی سلطنت سے جنگ
۱۰	سلیمان قانونی بن سلیم اول	۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء)	نیک سیرت۔ سخت گیر	دورِ عروج، اسپین سے ٹکر، بحری فتوحات،

خلافتِ عثمانیہ۔ دورِ زوال

۱۱	سلیم ثانی بن سلیمان قانونی	۹۷۴ھ تا ۹۸۲ھ (۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء)	دینی اور سیاسی لحاظ سے کمزور	عثمانی امراء میں مے نوشی عام ہوئی۔ آسٹریا سے صلح
۱۲	مراد ثالث بن سلیم ثانی	۹۸۳ھ تا ۱۰۰۳ھ (۱۵۷۴ء تا ۱۵۹۵ء)	نیک سیرت۔ کمزور	روس کے سرحدی علاقوں کی فتح
۱۳	محمد ثالث بن مراد ثالث	۱۰۰۳ھ تا ۱۰۱۲ھ (۱۵۹۵ء تا ۱۶۰۳ء)	کمزور	استنبول میں بغاوت
۱۴	احمد خان اول بن محمد ثالث	۱۰۱۲ھ تا ۱۰۲۶ھ (۱۶۰۳ء تا ۱۶۱۷ء)	ذاتی طور پر نیک سیرت مگر کمزور	تمباکو نوشی عام ہوئی۔ ایران سے شکست۔
۱۵	مصطفیٰ خان اول بن محمد ثالث	۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء تا ۱۶۱۸ء)	عیش پسند، نااہل، نفسیاتی مریض	ینی چری کا اقتدار
۱۶	عثمان خان ثانی بن محمد ثالث	۱۰۲۶ھ تا ۱۰۳۱ھ (۱۶۱۸ء تا ۱۶۲۲ء)	کم عمر مگر قابل	ہنگاموں کا دور، پہلا عثمانی سلطان جسے معزول کر کے قتل کیا گیا۔
	مصطفیٰ اول، دوبارہ	۱۰۳۱ھ تا ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲ء تا ۱۶۲۳ء)	نفسیاتی مریض	دوبارہ معزول کیا گیا
۱۷	مراد رابع بن احمد اول	۱۰۳۲ھ تا ۱۰۴۹ھ (۱۶۲۳ء تا ۱۶۴۰ء)	بہادر، مستعد	سلطنت کو از سرِ نو مستحکم کیا۔ صفویوں کو شکست دی۔
۱۸	ابراہیم خان اول بن احمد اول	۱۰۴۹ھ تا ۱۰۵۸ھ (۱۶۴۰ء تا ۱۶۴۸ء)	اپنی والدہ ملکہ کوسم کے سامنے بے اختیار	کریٹ کی فتح، سلطان کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا

۱۹	محمد رابع بن ابراہیم اوّل	۱۰۵۸ھ تا ۱۰۹۹ھ (۱۶۴۸ء تا ۱۶۸۷ء)	چالیس سالہ حکومت، حکومت پر خواتین مساط	نصف ہنگری آسٹریا کے سپرد، سلطان کو معزول کیا گیا
۲۰	سلیمان خان ثانی بن ابراہیم اوّل	۱۰۹۹ھ تا ۱۱۰۲ھ (۱۶۸۷ء تا ۱۶۹۱ء)	بے اختیار	کوبرولو خاندان نے امورِ حکومت کو سنبھالے رکھا۔
۲۱	احمد ثانی بن ابراہیم اوّل	۱۱۰۲ھ تا ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۱ء تا ۱۶۹۵ء)	بے اختیار	صدرِ اعظم مصطفیٰ کوبرولو کی وفات کے بعد ملک بے آسرا
۲۲	مصطفیٰ ثانی بن محمد رابع	۱۱۰۶ھ تا ۱۱۱۵ھ (۱۶۹۵ء تا ۱۷۰۳ء)	بے اختیار	میثاقِ کارلوفتس۔ ترکی ہنگری سے محروم
۲۳	احمد ثالث بن محمد رابع	۱۱۱۵ھ تا ۱۱۴۳ھ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۳۰ء)	قابل حکمران	روس سے 200 سالہ جنگوں کا آغاز

خلافتِ عثمانیہ۔ جدّت اور جدوجہد کا دور

۲۴	محمود خان اول بن مصطفیٰ ثانی	۱۱۴۳ھ ۱۱۶۸ھ (۱۷۳۰ء تا ۱۷۵۴ء)	ہوشیار۔ جدت پسند	روس اور آسٹریا کو شکست دے کر میثاقِ کارلوفتس منسوخ کرایا۔
۲۵	عثمان ثالث	۱۱۶۸ھ ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۷ء)	نیک سیرت	ملکی انتظامات کو بہتر بنایا، غیر شرعی چیزوں کی روک تھام کی۔
۲۶	مصطفیٰ ثالث بن احمد ثالث	۱۱۷۱ھ ۱۱۸۷ھ (۱۷۵۷ء تا ۱۷۷۴ء)	نیک سیرت۔ بہادر	روس کے ایماء پر مصر میں محمد علی بیگ کی ناکام بغاوت اور قتل
۲۷	عبدالحمید اول بن احمد ثالث	۱۱۸۷ھ تا ۱۲۰۳ھ (۱۷۷۴ء تا ۱۷۸۹ء)	متوسط	روس سے جنگیں۔ ''قرم'' کی خودمختاری۔ بحیرۂ اسود کی بعض بندرگاہوں پر روس کا قبضہ
۲۸	سلیم الثالث بن مصطفیٰ ثالث	۱۲۰۳ھ تا ۱۲۲۲ھ (۱۷۸۹ء تا ۱۸۰۷ء)	دور اندیش، بہادر، عادل، جدت پسند	روس اور آسٹریا سے جنگیں، جزیرۃ العرب میں سعودی حکومت قائم، مصر پر نپولین کا حملہ، مصر میں محمد علی پاشا کی گورنری، سلطان کو معزول کیا گیا

۲۹	مصطفیٰ رابع بن عبدالحمید اول	۱۲۲۲ھ تا ۱۰۲۳ھ (۱۸۰۷ء تا ۱۸۰۸ء)	کمزور۔ بے اختیار	سلطان سلیم ثالث کو قید خانے میں قتل کرایا۔ عوام نے احتجاج کر کے اسے معزول کرادیا۔
۳۰	محمود ثانی بن عبدالحمید اول	۱۲۲۳ھ تا ۱۲۵۵ھ (۱۸۰۸ء تا ۱۸۳۹ء)	اصلاح، ترقی اور جدت کے لیے کوشاں	ینی چری کا خاتمہ۔ سعودی حکومت کا سقوط۔ فرانس کا الجزائر پر قبضہ۔ محمد علی پاشا کی بغاوت
۳۱	عبدالمجید اول بن محمود ثانی	۱۲۵۵ھ تا ۱۲۷۷ھ (۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۱ء)	ذہین، نرم، جدت پسند	جنگوں میں شکستیں، میثاقِ پیرس، ترقیاتی کام، بیرونی قرضے، حکومتی ڈھانچے میں جدتیں، تعمیرِ مسجد نبوی،
۳۲	عبدالعزیز بن محمود ثانی	۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۳ھ (۱۸۶۱ء تا ۱۸۷۶ء)	اسلام پسند، عادل	جدید تعلیمی اداروں کا قیام، نہرِ سوئز کی کھدائی، مدحت پاشا کا عروج، خفیہ انقلابی تنظیموں کا آغاز، سلطان کو معزول کر کے قتل کیا گیا
۳۳	مراد خامس بن عبدالمجید اول	۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء)	بے اختیار	جنون کے باعث معزول
۳۴	عبدالحمید ثانی بن عبدالمجید اول	۱۲۹۳ھ تا ۱۳۲۷ھ (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء)	نیک سیرت اور باہمت سلطان	سلطنت میں پہلی بار الیکشن، نئے عثمانی آئین کی منظوری، روس سے جنگِ کریمیا۔ پان اسلام ازم تحریک، حجاز ریلوے کا قیام۔ فلسطین کو یہود کے حوالے کرنے سے انکار۔ بغاوت اور معزولی

جمعیت اتحاد و ترقی کا تسلط

۳۵	محمد خامس، رشاد بن عبدالمجید اول	۱۳۲۷ھ تا ۱۳۳۶ھ (۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۸ء)	کمزور	عام انتخابات، جنگِ بلقان، بے پناہ قرضے، پہلی عالمی جنگ
۳۶	محمد سادس، وحید الدین بن مراد خامس	۱۳۳۶ھ تا ۱۳۴۰ھ (۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۲ء)	کمزور	عالمی جنگ میں شکست کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کی تقسیم، مصطفی کمال پاشا کا عروج
۳۷	عبدالمجید ثانی بن عبدالعزیز	۱۳۴۰ھ تا ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء)	برائے نام خلیفہ	خلافت کا خاتمہ

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ سلطان رشاد کے دور میں ترقی پسند جرنیلوں نے سلطنتِ عثمانیہ کو کیا نقصانات پہنچائے؟
❷ جنگِ بلقان کیوں برپا کی گئی اور اس سے سلطنتِ عثمانیہ پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟
❸ پہلی عالمی جنگ کے پسِ پردہ صہیونیوں کے کیا مقاصد تھے اور کیا وہ اپنے اہداف حاصل کر پائے؟
❹ تحریکِ ریشمی رومال کے مقاصد کیا تھے اور اس کا انجام کیا ہوا؟
❺ شریفِ مکہ کی غداری سے سلطنتِ عثمانیہ کو کیا نقصان پہنچا؟
❻ سلطان عبدالوحید خان نے مصطفیٰ کمال پاشا کو کونسی خفیہ مہم سونپی تھی اور مصطفیٰ کمال نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا؟
❼ مغربی طاقتوں نے مصطفیٰ کمال کو مسلمانوں کا ہیرو بنا کر پیش کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے؟
❽ خلافت کے خاتمے کے بعد ترک مسلمانوں کو اسلام سے بے گانہ بنانے کے لیے کیا کچھ کیا گیا؟

عملی کام:

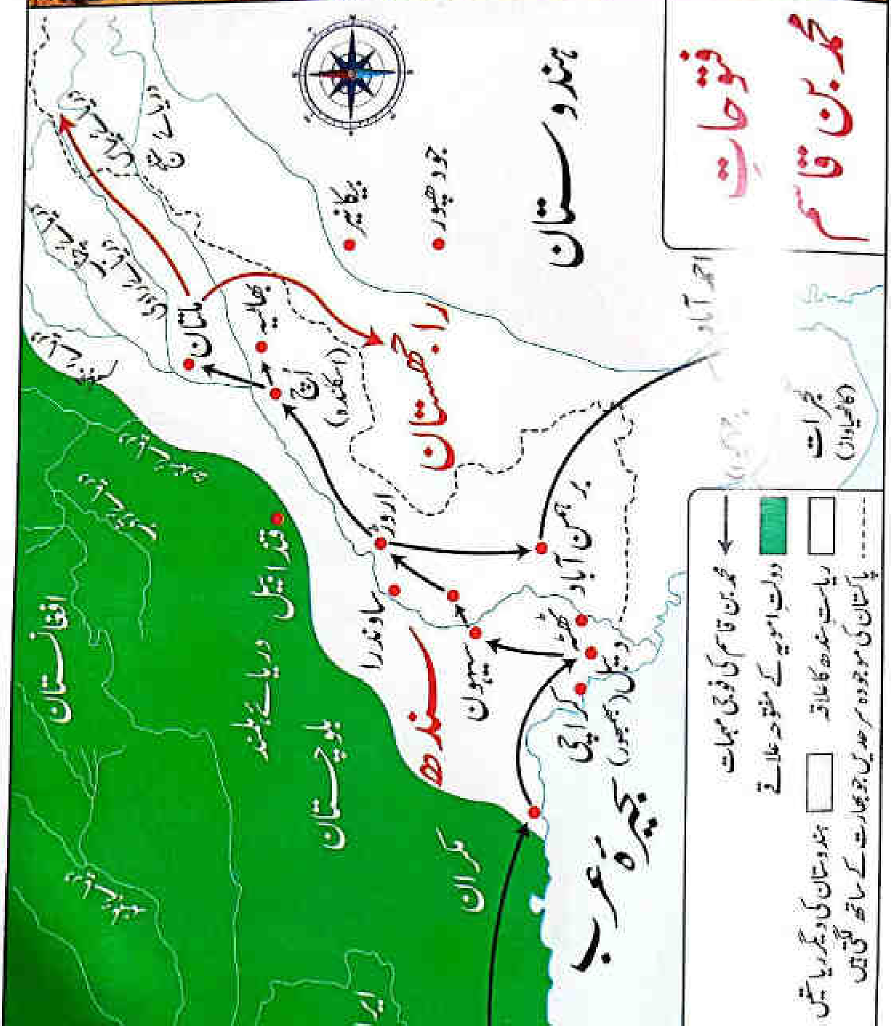
❁ اپنے ساتھیوں سے اس نکتے پر مباحثہ کریں کہ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کا سب سے اہم سبب کیا تھا؟
❁ ایک چارٹ پر پہلی عالمی جنگ میں شامل ممالک کے نام لکھ کر ہر ملک کے ساتھ اس کے پرچم کی تصویر بنائیے۔

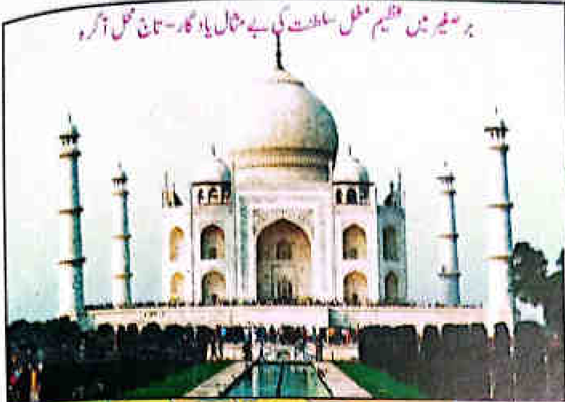
کتب برائے مطالعہ:

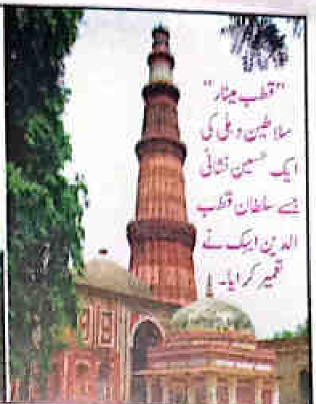
❁ تاریخِ خاندانِ عثمانیہ، از مولوی انشاء اللہ خان
❁ الدولة العثمانية، عوامل النهوض واسباب السقوط، از دکتور علی محمد الصلابی

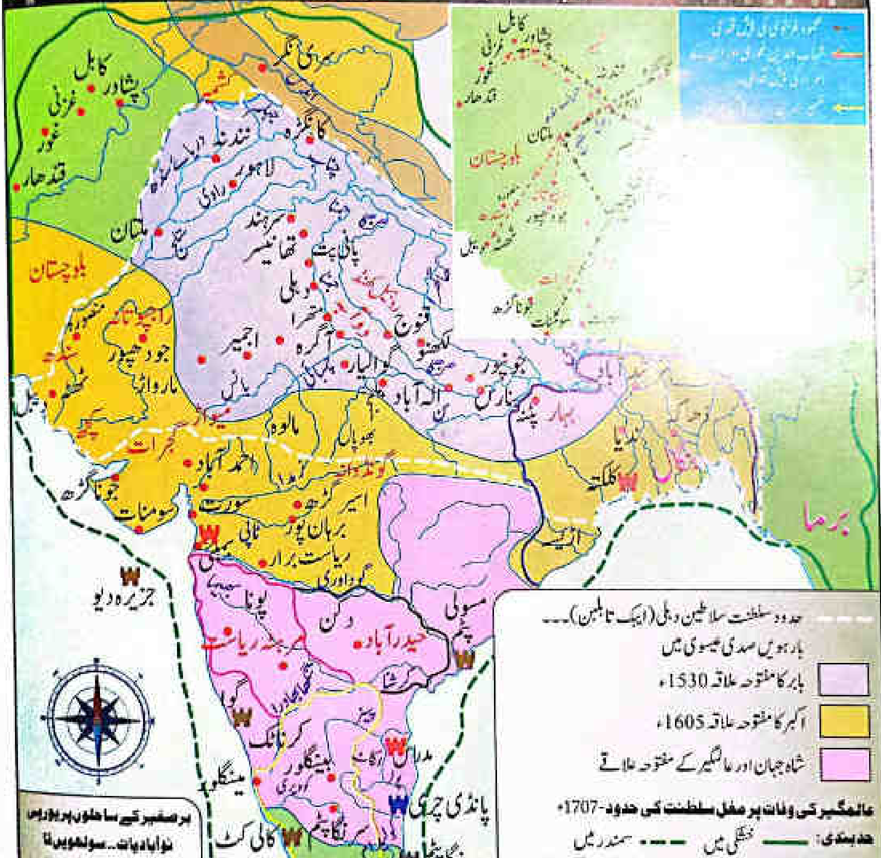


سندھ میں شہداد پور کے قریب منصورہ کے کھنڈرات۔ اس شہر کو محمد بن قاسم کے فرزند عمرو بن محمد نے 123ھ میں تعمیر کرایا تھا اور اگلی کئی صدیوں تک یہ سندھ کی اسلامی حکومت کا سیاسی و علمی مرکز رہا۔




برصغیر میں عظیم مغل سلطنت کی بے مثال یادگار - تاج محل آگرہ


"قطب مینار"
سلاطین دہلی کی
ایک حسین نشانی
ہے سلطان قطب
الدین ایبک نے
تعمیر کرایا۔


کابل
پشاور
غزنی
غور
قندھار
ملتان
بلوچستان
کشمیر
سری نگر
کانگڑہ
لاہور
راوی
ستلج
سرہند
تھانیسر
پانی پت
دہلی
متھرا
آگرہ
اجمیر
قنوج
لکھنؤ
گوالیار
چنبل
الہ آباد
بنارس
جونپور
بہار
پٹنہ
ندیا
کلکتہ
اڑیسہ
برما
راجپوتانہ
منصورہ
جودھپور
مارواڑ
ٹھٹھہ
دیبل
میواڑ
گجرات
احمد آباد
مالوہ
بھوپال
گونڈوانہ
جونا گڑھ
سومنات
سورت
اسیر گڑھ
برہان پور
تاپی
ریاست برار
گوداوری
بمبئی
جزیرہ دیو
پونا
دکن
مرہٹہ ریاست
حیدر آباد
مسولی پٹم
کرشنا
گوا
کرناٹک
بنگلور
کاویری
مدراس
منگلور
پانڈی چری
کالی کٹ
ناگاپٹم
نیگا پٹم
میسور
کوچین
سری لنکا
بحرِ ہند
حدود سلطنت سلاطین دہلی (ایبک تا بلبن)۔۔۔
بارھویں صدی عیسوی میں
بابر کا مفتوحہ علاقہ 1530ء
اکبر کا مفتوحہ علاقہ 1605ء
شاہ جہان اور عالمگیر کے مفتوحہ علاقے
عالمگیر کی وفات پر مغل سلطنت کی حدود - 1707ء
حدبندی: خشکی میں سمندر میں
اٹھارویں صدی عیسوی میں جنوبی ہندوستان کی آزاد ریاستیں:
مرہٹہ ریاست
مملکت حیدر آباد دکن
مملکت خداداد میسور
ریاست بنگال
برصغیر کے ساحلوں پر یورپی
نوآبادیات... سولھویں تا
اٹھارویں صدی عیسوی میں
پرتگالی
فرانسیسی
ڈچ (ولندیزی)
ایسٹ انڈیا کمپنی برطانیہ

حصہ ششم

جنوبی ایشیا کی مسلم حکومتیں

رمضان ۹۳ھ تا صفر ۱۲۷۴ھ

(جولائی ۷۱۲ء تا ستمبر ۱۸۵۷ء)

کل مدت:

بلحاظ قمری: ۱۱۸۱ سال۔ بلحاظ شمسی: ۱۱۴۶ سال

تبویب

پہلا باب:

محمد بن قاسم سے غوری سلاطین تک

دوسرا باب:

سلاطینِ دہلی

تیسرا باب:

مغل سلطنت

چوتھا باب:

برصغیر دورِ استعمار میں

پانچواں باب:

برصغیر میں مسلم تہذیب و تمدن

پہلا باب

محمد بن قاسم سے غوری سلاطین تک

تعارف:

مسلمانوں کی آمد سے قبل جنوبی ایشیا کفر و شرک کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ محمد بن قاسم کے حملے سے یہاں مسلم حکمرانی کا آغاز ہوا۔ سندھ اور پنجاب پر پہلے اُمویوں اور پھر عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ تیسری صدی ہجری میں یہاں کی حکومت سیاسی بحران کا شکار ہوگئی اور یہاں متعدد حکومتیں بن گئیں۔ آخر پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی اور چھٹی صدی ہجری میں سلطان شہاب الدین غوری نے یہاں اسلامی حکومت کو مستحکم کیا۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. اسلام سے قبل برصغیر کی حالت اور یہاں کی اقوام اور ان کی تہذیب سے آگاہ ہو سکیں۔
2. برصغیر پر سلطان محمود غزنوی کے سترہ حملوں کے بارے میں جان سکیں۔
3. برصغیر میں سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات اور کارناموں سے روشناس ہو سکیں۔

(یونٹ:3.11)

برصغیر اسلام سے پہلے

برصغیر کی تاریخ ہزاروں سال قدیم ہے۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے مطابق یہاں سے برآمد ہونے والے انسانی تمدن کے آثار کم از کم پانچ ہزار سال پرانے ہیں۔ وسطی ہندوستان کے زرخیز علاقوں میں کاشتکاری کرنے والی قدیم قوموں کو ''دراوڑ'' کہا جاتا تھا۔ اس زمانے کی کوئی معتبر تاریخ موجود نہیں۔ البتہ قدیم کتبوں اور ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتب سے دو تا ڈیڑھ ہزار سال قبل از مسیح کی تاریخ کے کچھ آثار ملتے ہیں۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے مطابق یہاں زراعت پیشہ لوگ آباد تھے۔ کھنڈرات سے برآمد ہونے والی مہروں پر دیوی دیوتاؤں کی تصاویر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے۔ یہ تہذیب ڈیڑھ ہزار سال قبل از مسیح میں زلزلوں یا سیلابوں کے باعث اچانک ملیامیٹ ہوگئی۔

دو ہزار سال قبل از مسیح میں وسط ایشیا سے آریا قبائل یہاں آئے۔ وہ اپنے ہاں مویشیوں کے لیے چارے کی کمی کی وجہ سے نقل مکانی پر مجبور ہوکر ایران اور افغانستان سے ہوکر پنجاب میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے مقامی لوگوں پر غالب آکر یہاں اپنی حکومتیں اور آبادیاں قائم کیں اور مخالفین کا بے پناہ قتل عام کرنے کے بعد بے شمار افراد کو غلام بنالیا۔

آریاؤں نے دریائے سندھ کی وادی کو اپنا وطن نہیں بنایا بلکہ آگے بڑھ کر وسطی ہندوستان میں گنگا جمنا کی وادی کو پسند کیا اور وہیں اپنی تہذیب وتمدن کو ترقی دی۔ انہوں نے بتوں کی پوجا کا طریقہ قدیم ہندوستانیوں سے اخذ کیا جبکہ مقامی آبادی نے آریاؤں سے مختلف رسومات سیکھیں۔ ان کے مذہبی پیشواؤں نے خود کو خدا کا نائب قرار دیا اور دیوتاؤں کی بھینٹ کے نام پر مندروں کو اپنے لیے مستقل آمدن کا ذریعہ بنالیا۔ ملک کے دفاع کا دشوار کام آریہ سرداروں کے سپرد ہوگیا جو ''کھشتری'' کہلائے۔ پیداوار کا مسئلہ ان مقامی باشندوں کے پاس رہنے دیا گیا جو پہلے سے کاشتکار، ہنرمند یا تجارت پیشہ تھے۔ انہیں ''ویش'' کہا جانے لگا۔ غلام بنائے جانے والے مقامی لوگوں کو ''شودر'' (پست لوگ) کا نام دے کر انہیں پیدائشی گنہگار اور ناپاک ٹھہرایا گیا۔ پھر ذات پات کے اس نظام کو مَنو نامی ایک برہمن نے ضابطے کی شکل میں ڈھال دیا۔ اس نے مذہبی اور حکمران طبقے کے لیے ''دھرم شاستر'' تیار کی جسے منو شاستر بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں معاشرے کو چار طبقوں: برہمن، کھشتری (کھتری)، ویش اور شودر میں تقسیم کرکے ان کے لیے تفصیلی اصول وضوابط وضع کیے گئے۔ اس نظام کا مقصد برہمنوں کی بالادستی کو ہمیشہ قائم رکھنا تھا۔

چھٹی صدی قبل از مسیح میں گوتم بدھ نے ذات پات کے اس گورکھ دھندے کے خلاف بغاوت کرکے بدھ مت کی بنیاد رکھی۔ اس نئے نظام کو پست طبقات میں بڑی مقبولیت ملی۔ بدھ مت اصل میں جنوبی ہندوستان کا مذہب تھا۔ اس کا بانی شہزادہ سدارتھ تھا جسے گوتم بدھ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ کپیلا کے راجا کا بیٹا اور ولی عہد سلطنت تھا۔ اس کی

پیدائش ''۵۶۳ قبل از مسیح'' میں ہوئی۔ ۲۹ سال کی عمر میں اس کا رجحان مذہب کی طرف ہو گیا تھا اور اس نے آبادی چھوڑ کر تنہائی اختیار کر لی تھی۔ وہ ہندو مذہب میں ذات پات کی انسانیت سوز حد بندیوں اور عوام کی تکلیفوں سے رنجیدہ تھا لہٰذا اُس نے غور و فکر کے بعد ایک نیا اخلاقی نظام تیار کیا جس میں سب انسان برابر تھے۔ دو صدیوں بعد بدھ کے پیروکاروں نے اس کی مورتیوں کی پوجا شروع کر دی اور بت پرستی اور مجسمہ سازی کے ذریعے کفر و شرک کو فروغ دیتے ہوئے ایک نئی تہذیب کو جنم دیا جو ''گندھارا تہذیب'' کہلائی جس کے آثار ٹیکسلا اور وادی سوات میں موجود ہیں۔

''۵۹۹ قبل از مسیح'' میں پٹنہ کے ایک قصبے ویشالی میں مہاویر نامی ایک دانش ور کی ولادت ہوئی جو برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری سے تنگ تھا، اس لیے اس نے ایک نیا مذہب پیش کیا جو ''جین مت'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مذہب نفس کُشی، ترکِ دنیا اور خواہشات کی مخالفت کی تلقین کرتا تھا، اس میں گوشت کھانا منع تھا اور ذاتی جائیداد رکھنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ درحقیقت یہ رہبانیت اور انسانی معاشرے سے لاتعلقی پر مبنی ایک نظام تھا۔

سکندر کا حملہ:

۳۳۰ قبل از مسیح میں مغرب سے یونانی حکمران سکندرِ اعظم (الیگزنڈر) کا ظہور ہوا جس نے مصر اور شام کو فتح کر کے ایران پر حملہ کر دیا اور ایرانی بادشاہ ''دارا'' کو شکستِ فاش دے کر اپنی سلطنت بے پناہ وسیع کر لی۔ پھر اس نے وسطِ ایشیا اور موجودہ افغانستان کے علاقوں کو زیرِ نگین کیا اور ''۳۲۷ سال قبل از مسیح'' میں کابل فتح کر کے برصغیر کے دروازے پر آن پہنچا۔ اس کے حملے کی ایک بڑی وجہ برصغیر کی وہ دولت اور خوش حالی تھی جس کے قصے اس نے سن رکھے تھے۔ پنجاب میں جہلم کے مقام پر سکندر کو راجہ پورس کی غیر معمولی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ راوی اور چناب کے مابین آباد جنگوں میں بھی اس نے زبردست جانی نقصان اٹھایا جس کے بعد اس نے واپسی اختیار کر لی۔ وطن پہنچنے سے پہلے ۳۲۳ ق م میں اس کا بیماری سے انتقال ہو گیا۔ سکندر کے حملے سے اہلِ یورپ کو برصغیر کے راستوں سے واقفیت ہوئی اور ان خطوں کے مابین تجارتی تعلقات کا آغاز ہوا۔ اس حملے سے برصغیر سیاسی بحران کا شکار ہوا مگر دوسری طرف اس کا فائدہ یہ ہوا کہ برصغیر اور یورپ کے مابین تجارتی تعلقات کا آغاز ہو گیا۔

سکندر اپنے مفتوحہ علاقوں میں نائب حکام مقرر کر کے گیا تھا مگر اس کی واپسی کے بعد پورے برصغیر میں بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں نندہ خاندان کے ایک شہزادے چندر گپت موریا کو ایک نئی حکومت بنانے کا موقع مل گیا۔ اس نے پنجاب سے درۂ خیبر تک کا علاقہ فتح کرنے کے بعد بہار اور پٹنہ کا رُخ کیا اور پاٹلی پتر سے نندہ خاندان کو بے دخل کر کے ایک بے حد وسیع سلطنت قائم کر ڈالی جس کا پایۂ تخت ٹیکسلا تھا۔ یہ سلطنت ''۳۲۱ سال قبل از مسیح'' سے ''۱۸۵ سال قبل از مسیح'' تک یعنی ۱۳۷ سال تک برقرار رہی۔ چندر گپت موریا کی کامیابیوں میں اس کے وزیر چانکیہ کے مشوروں کا بڑا دخل تھا جو ٹیکسلا کا باشندہ تھا۔ اس کے افکار اس کی کتاب ''ارتھ شاستر'' میں مذکور ہیں جسے برہمنی سیاسیات کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

''۲۷۲ قبل از مسیح'' میں چندر گپت کا پوتا اشوکا تخت نشین ہوا۔ اس نے نہ صرف پورے برصغیر بلکہ مشرقی اور وسطی افغانستان تک اپنی حدودِ سلطنت وسیع کرلیں۔ پھر اس نے بدھ مذہب قبول کرلیا اور جنگجوئی چھوڑ کر اس مذہب کی اشاعت میں سرگرم ہوگیا۔ اس نے جگہ جگہ بدھ کے مجسمے اور سٹوپے بنوائے۔ اشوکا ۲۳۲ ق م میں فوت ہوا۔

''۱۳۵ سال قبل از مسیح'' میں چینی ترکستان (وسطی چین) سے یوچی قبائل ابھرے۔ انہوں نے سنکیانگ سے لے کر پشاور، سوات اور پنجاب تک قبضہ جمالیا۔ ان کے بعد چین کے ایک اور قبیلے ''چیونی'' نے اس خطے پر طویل عرصے تک حکومت کی۔ سنہ ۱۲۵ عیسوی سے سنہ ۱۵۲ عیسوی تک یہاں کوشان خاندان کے ایک نامور بادشاہ کنشک اعظم کا اقتدار رہا جس نے پشاور کو پایہ تخت بنا کر نہ صرف کشمیر فتح کیا بلکہ پامیر کی سطح مرتفع عبور کرکے چین کے صوبوں: ختن، یارقند اور کاشغر کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ کنشک بدھ مت کا پرجوش مبلغ تھا۔ اس نے پشاور میں ایک بہت بڑا ''اسٹوپا'' (بدھ مت کی عبادت گاہ) تعمیر کرایا۔ اس دور میں شاہراہِ ریشم کے ذریعے برصغیر اور چین کے درمیان تجارتی روابط مستحکم رہے۔ کنشک کے بعد گندھارا سلطنت کو زوال آیا اور یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔

برصغیر میں بدھ مت کا عروج آٹھ نو صدیوں تک رہا۔ ۳۲۰ء میں چندر گپت اوّل، مگدھ (موجودہ بہار اور پٹنہ) میں تخت نشین ہوا اور اس آبائی ریاست کو وسعت دے کر گنگا جمنا تک پھیلا دیا۔ ۳۷۵ء میں اس خاندان کا شہزادہ ''چندر گپت بکرماجیت'' حکمران بنا۔ پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس خاندان نے بدھ مت کی تبلیغ کو روک کر برہمنی مذہب کو رواج دیا۔ یوں ہندومت اور ذات پات کا نظام پھر جڑیں پکڑ گیا۔

پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں وسطِ ایشیا کے ''سفید ہُنوں'' نے گپت سلطنت کا بھی خاتمہ کردیا۔ ۵۳۰ء تک ہنوں کا عروج برقرار رہا۔ ۶۰۶ء میں راجا ہرش برصغیر کے افق پر نمودار ہوا جس نے قنوج، بنگال، اڑیسہ، مالوہ، سندھ، پنجاب اور نیپال کو زیرنگیں کرکے شمالی ہندوستان کو یکجا کرڈالا۔ ۶۴۷ء میں اس کی موت کے بعد راجپوتوں نے شمالی ہندوستان میں کئی آزاد ریاستیں قائم کرلیں۔ یوں یہ سرزمین پھر سیاسی انتشار کا شکار ہوگئی۔ یہاں قنوج، دہلی، تامل ناڈو، بنگال اور جنوبی ہند میں الگ الگ کئی حکومتیں قائم ہوگئیں۔[1]

❁❁❁

[1] مآخذ: (۱) تاریخ ہندوستان، نوشتہ قدیم و یونانی مورخین، از بیجا تھ پوری ایم اے، مطبوعہ: نولکشور پریس لکھنؤ، سنہ ۱۹۴۷ء

(۲) قدیم تاریخ ہند: از ونسنٹ اے سمتھ، مترجم: مولوی جمیل الرحمن، مطبوعہ: جامعہ عثمانیہ دکن، سنہ ۱۹۲۲ء

(۳) تاریخ تمدن ہند: از محمد مجیب، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، سنہ ۱۹۹۹ء

(۴) آئینہ تاریخ: از پروفیسر بی این ورما، مطبوعہ رام پرشاد اینڈ برادرس، آگرہ، سنہ ۱۹۳۳ء

(۵) تاریخ ہند از تاپار رومیلا، مطبوعہ: مرکز تحقیقات زایانہ، اصفہان

(۶) قدیم ہندوستان کی تاریخ، از رام شنکر ترپاٹھی، مترجم: سید تقی حسن نقوی، مطبوعہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

(۷) تاریخ ہند از ڈاکٹر محمد شیخ اقبال، لالہ رام پرشاد پروفیسر ہسٹری گورنمنٹ کالج لاہور، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشرز لاہور، مطبوعہ ۱۹۱۳ء

محمد بن قاسم سے چوتھی صدی ہجری تک

برصغیر سے عربوں کے تجارتی تعلقات زمانہ ماقبل از اسلام سے قائم تھے۔ تجارت ان کا قدیم پیشہ تھا اس لیے وہ مختلف ممالک میں تجارت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔ اسی لیے وہ جنوبی ہندوستان کے ساحلوں پر آ کر یہاں سے مال واسباب کشتیوں کے ذریعے بصرہ، یمن، بحرین، شام اور مصر تک لے جاتے تھے۔ اسلامی دور میں برصغیر میں عرب تاجروں کی آمد ورفت مزید بڑھ گئی اور مقامی لوگوں سے ان کے خوش گوار تعلقات قائم ہو گئے۔

پھر بنو مروان کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ساحلِ سندھ کے قریب سے گزرنے والے عربوں کے ایک بحری قافلے کو قزاقوں نے لوٹ لیا جنہیں سندھ کے حکمران راجا داہر کی پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ واقعہ سندھ پر مسلمانوں کے حملے کی وجہ بن گیا جس کا تذکرہ آپ خلفائے بنو اُمیہ کی تاریخ میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں بتایا گیا تھا کہ محمد بن قاسم نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں راجا داہر کو شکست دے کر اس کی ریاست کو (جو سندھ، پنجاب، راجستھان اور گجرات تک وسیع تھی) خلافتِ اُمویہ کا حصہ بنا دیا تھا۔

محمد بن قاسم کے بعد یہاں ۱۳۲ھ تک بنو اُمیہ کی طرف سے کئی نائبین آئے جن میں عمرو بن مسلم، تمیم بن زید، جنید بن عبدالرحمن اور حکم بن عوانہ کے علاوہ محمد بن قاسم کا بیٹا عمرو بن محمد قابلِ ذکر ہیں۔

۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں دولتِ اُمویہ کو عباسی انقلاب نے ختم کر دیا جس کے بعد سندھ کا انتظام بھی عباسی خلفاء نے سنبھال لیا اور ان کے نائبین یہاں حکومت کرنے لگے۔ ان نائبین میں ہشام بن عمرو، داؤد بن یزید مہلبی، عمران بن موسیٰ اور عنبسہ بن اسحاق مشہور ہیں۔ تاہم تیسری صدی ہجری میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں سندھ کے عرب خاندانوں میں باہمی نااتفاقی پیدا ہوگئی، اُمراء بار بار بغاوتیں کرنے لگے اور حکومت کی گرفت کمزور پڑ گئی۔

موقع غنیمت جان کر ۲۴۰ھ (۸۵۴ء) میں یہاں ایک عرب سردار عمر بن عبدالعزیز ہَبّاری نے خود مختار حکومت قائم کر لی جو "دولتِ ہَبّاریہ" کہلائی۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمر، موسیٰ بن عمر اور عمر بن عبداللہ اس کے جانشین ہوئے۔

۲۹۰ھ (۹۰۲ء) میں ملتان اور اس کے مضافات میں بنوسامہ نامی ایک خاندان کی الگ حکومت قائم ہوگئی۔ یوں مملکتِ سندھ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ بنوسامہ کے فقط ایک حکمران مُنَبّہ بن اُسد کا نام تاریخ میں محفوظ ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے وسط میں یہاں اسماعیلی شیعوں کے ایک فرقے قرامطہ کا زور بڑھنے لگا، یہاں تک کہ ۳۶۷ھ (۹۷۷ء) میں ایک قرامطی رئیس جلم بن شیبان نے بنوسامہ کو بے دخل کر کے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی اور مصر کے بنوعبید کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ چوتھی صدی کے اواخر میں یہاں اس خاندان کا سربراہ ابوالفتح داؤد تھا۔ یہی زمانہ تھا جب یہاں سلطان محمود غزنوی نے قدم رکھا۔ ①

① ماخذ کے لیے دیکھیے: تاریخ اُمتِ مسلمہ، حصہ پنجم

غزنوی سلطنت

۳۶۶ھ تا ۵۸۲ھ (۹۷۷ء تا ۱۱۸۶ء)

چوتھی صدی ہجری کے وسط میں جب پوری اسلامی دنیا مذہبی افتراق اور سیاسی زوال کا شکار تھی، خراسان میں دولتِ غزنویہ نمودار ہوئی جس نے اسلام کی حفاظت واشاعت کے لیے شاندار کارنامے سرانجام دیے۔

اس مملکت کا بانی سبکتگین نامی ایک فوجی افسر تھا جس نے موجودہ افغانستان کے مشہور شہر غزنی میں ایک خودمختار حکومت قائم کی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سبکتگین کو شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دن شکار کے دوران اسے ایک ہرنی دکھائی دی جو اپنے بچے کے ساتھ گھاس چر رہی تھی، سبکتگین نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ ہرنی تو ہاتھ نہ آئی البتہ سبکتگین نے اس کے بچے کو پکڑ لیا اور گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ دور جا کر اس نے پلٹ کر دیکھا تو ہرنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر پیچھے چلی آرہی تھی۔ سبکتگین کو رحم آگیا اور اس نے بچے کو آزاد کرایا۔ ہرنی جنگل کی طرف جاتے ہوئے مڑ مڑ کر سبکتگین کی طرف یوں دیکھتی جیسے اس کا شکریہ ادا کر رہی ہو۔

اسی رات سبکتگین کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبکتگین! تم نے ایک بے زبان جانور پر رحم کیا ہے، تمہارا یہ عمل اللہ کی بارگاہ میں بہت مقبول ہوا ہے، تمہیں چاہیے کہ یہی طریقہ اختیار کیے رہو اور رحم کو کبھی ترک نہ کرو۔''

اس واقعہ کے بعد سبکتگین میدانِ سیاست وحرب میں کامیابیاں حاصل کرتے ہوئے خودمختار حکمران بن گیا اور غزنی کی قلمرو ایک طرف درۂ خیبر اور دوسری سمت ''بلوچستان'' تک وسیع ہوگئی۔ اس زمانے میں کشمیر سے پشاور تک ہندوؤں کی ایک وسیع راجدھانی قائم تھی جسے ''ویہند'' کہا جاتا تھا۔ اس کا بادشاہ راجا جے پال تھا۔ سبکتگین نے راجا جے پال کو کئی جنگوں میں شکست دی اور آخر پشاور کو فتح کر کے وہاں مسلمانوں کی ایک مضبوط چھاؤنی قائم کر دی جبکہ جے پال نے مغلوب ہو کر خراج دینا منظور کر لیا اور جنگوں کا سلسلہ رک گیا۔ سبکتگین نے ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں وفات پائی۔ اس نے بیس سال حکومت کی تھی۔ اس کی زندگی جرات مندانہ قیادت، جذبۂ جہاد اور رعایا پروری کا ایک عمدہ نمونہ تھی۔

سبکتگین کے بعد اس کا نوجوان بیٹا محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے اپنے نام کے ساتھ سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اس سے پہلے یہ لقب کسی حکمران کا نہیں ہوا۔ سلطان کی زندگی جرأت وشجاعت، سیاست وتدبیر اور عدل وانصاف کی ایک بہترین مثال تھی۔ سلطان نے ۳۳ سال جہاد میں گزارے اور ہندوستان

سے وسط ایشیا تک ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم کر کے دکھائی۔ سلطان کو اولیاء اللہ سے بڑی عقیدت تھی۔ صوفی بزرگ شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے نیازمندانہ تعلق تھا۔ سلطان نے ایک بار اپنے غلام ایاز کے ساتھ غلاموں جیسے کپڑے پہن کر شیخ کی خانقاہ میں حاضری دی اور شیخ نے سلطان کو اپنا خرقہ عنایت کیا۔

مسندِ حکومت سنبھالنے کے بعد سلطان محمود نے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی تیاری شروع کر دی۔ سلطان کو لڑکپن سے ہندوستان کے حالات کے بارے سے آگاہ رہنے کا شوق تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کی کمزوری، ہندو راجاؤں کا ظلم وستم اور عوام کا بُرا حال سلطان کے لیے باعثِ رنج تھا۔ چنانچہ غزنی کی حکومت سنبھالتے ہی سلطان نے ہندوستان فتح کرنے کا عہد کر لیا تھا مگر اس سے قبل موجودہ حکومت کو اتنا مضبوط کرنا ضروری تھا کہ وہ ہندو راجاؤں سے ایک طویل سلسلۂ حرب کے قابل ہو سکے۔ چنانچہ سلطان نے پہلے ان علاقوں کو زیرِ نگیں کرنے پر توجہ دی جو غزنوی سلطنت کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔ ان مہمات کے دوران سلطان نے مختصر مدت میں خراسان اور وسطِ ایشیا کے بڑے رقبے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان نے ہندوستان پر لشکر کشی شروع کر دی اور وہاں سترہ مہمات انجام دیں۔

① پہلی مہم میں راجہ جے پال کے خلاف تھی جس نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ اس حملے میں سلطان نے چند سرحدی قلعوں پر قبضہ کیا تھا۔ یہ مہم ۳۹۰ھ کے اواخر یا ۳۹۱ھ کے اوائل میں انجام دی گئی جس کی حیثیت اعلان جنگ کی تھی۔

② دوسری مہم میں سلطان نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ پشاور کے میدان میں جے پال کی ۵۰ ہزار فوج کا مقابلہ کیا۔ یہ جنگ محرم ۳۹۲ھ (نومبر ۱۰۰۱ء) میں لڑی گئی جس میں جے پال گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے حسنِ سلوک کرتے ہوئے اسے آزاد کر دیا مگر وہ اتنا شرمسار تھا کہ اس نے تاج وتخت اپنے بیٹے انند پال کو سونپ کر خودکشی کر لی۔

③ تیسری مہم میں سلطان نے جنوبی پنجاب کی سمت پیش قدمی کی اور ملتان کے قریب قلعہ بھاٹیہ کے راجا "بجے راؤ" سے ٹکر لی۔ "بجے راؤ" شکست کھا کر قلعے میں محصور ہو گیا اور گرفتاری سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی۔

④ چوتھی مہم ملتان کے قرامطی پیشوا ابوالفتح داؤد بن نصر کے خلاف تھی جو ۳۹۶ھ (۱۰۰۶ء) میں انجام دی گئی۔ ابوالفتح داؤد نے دب کر سلطان سے صلح کر لی۔ یہ مہم ادھوری تھی کہ سلطان کو اپنے ملک پر ترکستانی سردار ایلک خان کے حملے کے باعث واپس جانا پڑا۔

⑤ پانچویں مہم اس لیے انجام دی گئی کہ سلطان نے ہندوستان میں راجہ سکھ پال نامی ایک نومسلم کو اپنا قائم مقام بنایا تھا جو جے پال کا نواسہ تھا۔ سلطان کی عدم موجودگی میں وہ مرتد ہو گیا۔ سلطان نے یہ اطلاع ملتے ہی بلا تاخیر ہندوستان پہنچ کر سکھ پال کو گرفتار کر لیا۔ یوں برصغیر کے مفتوحہ علاقے ہندوؤں کے قبضے میں جانے سے بچ گئے۔

⑥ چھٹی مہم ۳۹۹ھ (۱۰۰۹ء) میں انجام دی گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ راجہ انند پال نے بہت سے ہندو راجاؤں کو سلطان کے خلاف بھڑکا کر متحد کر لیا اور یوں ایک بہت بڑا متحدہ لشکر پشاور پہنچ گیا۔ سلطان نے غزنی سے پیش قدمی کر کے اس سیلاب کا سامنا کیا۔ بڑی خونریز جنگ کے بعد سلطان کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کے بعد سلطان نے کوہ

ہمالیہ کے دامن میں واقع کانگڑہ کا رُخ کیا اور وہاں کے مرکز ''نگر کوٹ'' کو فتح کیا جو ہندوؤں کا مقدس مقام تھا۔

⑦ سلطان کی ساتویں مہم وسطی ہند کی ایک ریاست ''ناران'' کے خلاف تھی۔ ناران کے راجہ نے جنگ کی ابتداء ہی میں ہتھیار ڈال دیے اور صلح کر لی۔

⑧ آٹھویں مہم ۴۰۱ھ (۱۰۱۰ء) میں ابوالفتح داؤد کے خلاف انجام دی گئی جس نے ملتان میں بغاوت کر دی تھی۔ اس جنگ میں ابوالفتح گرفتار ہو گیا۔ قرامطی عالمِ اسلام کی نظریاتی سلامتی کو داؤ پر لگائے ہوئے تھے، لہٰذا سلطان نے ان لوگوں سے کوئی رعایت نہ برتی جس کے نتیجے میں برصغیر میں اس فرقے کے اثرات بہت کم رہ گئے۔

⑨ نویں مہم ۴۰۲ھ (۱۰۱۱ء) میں پیش آئی جس میں سلطان نے دریائے جمنا اور دریائے سرسوتی کے درمیان واقع ''تھانیسر'' پر حملہ کیا۔ سلطان کی آمد کی خبر سن کر وسطی ہندوستان میں تمام چھوٹے بڑے حکمران متحد ہو گئے۔ دریائے سرسوتی کے کنارے نہایت خونریز جنگ ہوئی اور آخر ہندوؤں کو شکستِ فاش ہوئی۔ سلطان نے تھانیسر پر بزورِ شمشیر قبضہ کر کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔

⑩ سلطان نے ۴۰۴ھ (۱۰۱۳ء) میں ''ویہند'' کی سلطنت کو مکمل طور پر زیر کرنے کے لیے اس کے پایۂ تخت ''نندنہ'' (پنڈ دادن خان) پر حملہ کیا۔ یہاں کا سابق حکمران انند پال مر چکا تھا جبکہ نیا حکمران ترلوچن پال کشمیر کی طرف فرار ہو گیا۔ سلطان نے بھی نندنہ پر قبضے کے بعد کشمیر کا رُخ کیا اور کشمیر کے گرد و نواح کے تمام راجاؤں کو مسخر کر لیا۔ یہاں لوگ فوج در فوج مشرف با اسلام ہوئے۔ جموں کے حاکم نے دس ہزار افراد کے ساتھ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

⑪ گیارہویں مہم بھی کشمیر سے متعلق تھی جو ۴۰۶ھ (۱۰۱۵ء) میں شروع کی گئی مگر برف باری کی وجہ سے سلطان کو یہ مہم ادھوری چھوڑنا پڑی۔ اس سفر میں ہزاروں سپاہی سیلاب زدہ وادیوں ڈوب کر جاں بحق ہوئے۔

⑫ بارہویں مہم میں سلطان نے ''قنوج'' کا رُخ کیا جو شمالی ہندوستان میں بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ غزنی سے قنوج تک تین ماہ کی مسافت تھی جس میں دریائے سندھ، جہلم، چناب، ستلج، بیاس، جمنا اور گنگا جیسے سات بڑے دریا حائل تھے۔ سلطان نے اسے فتح کرنے کا عزمِ مصمم کیا اور ایک لاکھ بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ یہ طویل مسافت طے کی۔ راستے میں جمنا کے پار برن (بلند شہر) کا قلعہ فتح ہوا اور میرٹھ کے راجہ ''ہردت'' نے دس ہزار افراد سمیت اسلام قبول کر لیا۔ اسی سفر میں ہندوؤں کے قدیم مذہبی مرکز ''متھرا'' کو فتح کر کے بت خانے مسمار کر دیے گئے۔

آخر میں اسلامی لشکر دریائے گنگا کے کنارے ''قنوج'' پہنچا۔ شہر کے نئے راجہ کورہ (کنور رائے) نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اہل و عیال سمیت اسلام قبول کر لیا۔ واپسی میں سلطان نے لاہور کو غزنوی سلطنت میں شامل کر کے اپنے وفادار غلام ایاز کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

سلطان کی یہ مہم نہایت کامیاب رہی تھی۔ وسیع و عریض علاقہ اور بڑے بڑے نوادرات ہاتھ آئے تھے۔ ایک عجیب پتھر ملا تھا جسے گھس کر گہرے سے گہرے زخم پر لگا دیا جاتا تو راتوں رات وہ زخم مندمل ہو جاتا۔ ایک ایسا پرندہ

بھی ہاتھ آیا تھا جو زہر کی پہچان رکھتا تھا۔ اگر اس کے اردگرد کوئی زہریلی چیز موجود ہوتی تو وہ بے چین ہو کر آنسو بہانے لگتا تھا۔ یہ پرندہ سلطان نے تحفے کے طور پر اس وقت کے خلیفہ القادر باللہ عباسی کی خدمت میں بغداد روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی اپنی فتوحات کی روداد پر مشتمل رسالہ ''فتح نامہ'' بھی ارسال کیا جسے خلیفہ نے ایک بڑی تقریب میں سب کو سنوایا۔ سلطان کی ان فتوحات سے عالم اسلام میں چہار سو مسرت و شادمانی کا عالم ہو گیا۔

سلطان نے فتح کے شکرانے میں ''عروس فلک'' نامی ایک بڑی شاندار مسجد تعمیر کی، ساتھ ایک بڑا مدرسہ بھی کھولا جس میں طلبہ اور مدرسین کے لیے تمام سہولیات مہیا کی گئیں۔ ہزاروں کتب پر مشتمل ایک وسیع کتب خانہ بھی بنوایا گیا۔

⑬ سلطان کی واپسی کے بعد کالنجر کے راجہ نندا نے حملہ کر کے کہ قنوج کے نومسلم راجہ کو قتل کر دیا۔ چنانچہ سلطان نے اس کا بدلہ لینے کے لیے ہندوستان پر تیرہواں حملہ کیا اور کالنجر پہنچ کر راجہ نندا کو مقابلے میں آنے کی دعوت دی۔ راجہ نندا چھتیس ہزار سواروں، پینتالیس ہزار پیادوں اور چھ سو چالیس ہاتھیوں کو لے کر مقابلے پر نکلا تھا۔ ہاتھیوں کی اتنی بڑی تعداد اب تک کسی جنگ میں سامنے نہیں آئی تھی۔ اُدھر سلطان کے پاس اس بار فوج بہت کم تھی تاہم پھر بھی مسلمان فتح یاب ہوئے، راجہ نندا فرار ہو گیا۔ مسلمانوں کو میدانِ جنگ سے پانچ سو اسی ہاتھی اور بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

⑭ کچھ مدت بعد سلطان کو معلوم ہوا کہ شمالی ہندوستان کے بعض علاقوں: ''قیرات'' اور ''ناردین'' میں اب تک بت پرستی جاری ہے۔ سلطان نے فوج کشی کر کے انہیں فتح کر لیا۔ یہ سلطان کی چودھویں مہم تھی۔ ایک رائے کے مطابق قیرات اور ناردین سے پاکستان کے شمالی علاقے چترال، سوات اور کافرستان وغیرہ مراد ہیں۔

⑮ کالنجر ابھی تک راجہ نندا کے قبضے میں تھا اور اس کی سرکشی برقرار تھی اس لیے ۴۱۳ھ (۱۰۲۲ء) میں سلطان نے پندرہویں بار ہندوستان کا سفر کیا۔ پہلے گوالیار اور پھر کالنجر کا محاصرہ کیا۔ گوالیار کے حاکم اور راجہ نندا دونوں نے مرعوب ہو کر صلح کر لی۔

⑯ ۴۱۶ھ (۱۰۲۵ء) میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان میں سولہویں مہم انجام دی جو سومنات کی فتح کے حوالے سے مشہور ہے۔ سومنات نامی بت مغربی ہندوستان کے صوبہ گجرات میں سمندر کے کنارے ایک شاندار مندر میں تھا۔ اسے تمام بتوں کا بادشاہ کہا جاتا تھا۔ برہمن دعویٰ کر رہے تھے کہ اب تک وہی بت کدے مسلمانوں کے ہاتھوں پامال ہوئے ہیں جن سے سومنات ناراض تھا، لہٰذا مسلمان انہیں تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ورنہ سومنات ایک لمحے میں مسلمانوں کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔

برہمنوں کے اس دعوے کا عملی جواب دینے کے لیے سلطان نے تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ گجرات کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ لشکرِ اسلام ملتان، راجستھان اور اجمیر کے راستے صرف چار ماہ میں گجرات پہنچ گیا۔ سومنات کی فصیل کے باہر کئی ہندو راجاؤں کے لشکر جمع تھے۔ سلطانی افواج کی ان سے تین دن تک نہایت شدید جنگ ہوئی۔ ایک موقع پر ایسا لگنے لگا تھا کہ بت پرستوں کا سیلاب موحدین کو بہا کر لے جائے گا، ایسے سلطان محمود غزنوی

نے شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کا عطا کردہ خرقہ ہاتھ میں لیا اور سجدہ ریز ہو کر اللہ سے فتح کی دعا مانگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور بجلی کی گرج چمک سے ہندو ہراساں ہونے لگے۔ ادھر سے سلطان نے طوفانی حملہ کیا اور سومنات کے پجاریوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اب مسلمان شہر میں داخل ہو گئے اور مندر میں دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ جب اسلامی فوج مندر کے وسط تک جا پہنچی تو حریف سپاہیوں کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بھاگ نکلے۔

فتح کے بعد سلطان محمود غزنوی نے جا کر سومنات بت کو دیکھا۔ پجاریوں کا دعویٰ تھا کہ وہاں پہنچتے ہی سلطان بھسم ہو جائے گا مگر جب ایسا نہ ہوا تو سلطان سے درخواست کی کہ منہ مانگی دولت لے کر بت کو باقی رہنے دیا جائے۔

سلطان نے جواب دیا: ''اگر میں تمہارے کہنے پر چلوں گا تو دنیا مجھے ''محمود بت فروش'' کے نام سے یاد کرے گی جبکہ مجھے یہ پسند ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے پکارا جائے۔'' سلطان نے سومنات کو توڑ کر بت پرستی کے اس مرکز کو اُجاڑ دیا۔ اس طرح بت پرستوں پر اپنے جھوٹے خداؤں کی بے بسی بالکل واضح ہو گئی۔

واپسی کے سفر میں سلطان نے راستہ تبدیل کر لیا اور سندھ کا رُخ کیا۔ اس دوران رہبری کرنے والا مقامی ہندو لشکر کو چولستان کے بے آب و گیاہ صحرا میں لے گیا جہاں پیاس سے پوری فوج جاں بلب ہو گئی۔ تب ہندو راہبر نے اعلان کیا کہ وہ سومنات کا پجاری ہے اور مسلمانوں کو جان بوجھ کر یہاں لایا ہے تاکہ وہ ہلاک ہو جائیں۔

سلطان نے اسے قتل کرا دیا۔ اسی شب صحرا کے شمال میں ایک عجیب و غریب روشنی دکھائی دی۔ سلطان کے حکم پر لشکر اُدھر چل پڑا۔ طلوع آفتاب کے وقت دریائے سندھ کا کنارہ سامنے آ گیا اور لشکر سیراب ہو گیا۔ غزنوی فوج ملتان سے ہو کر صفر ۴۱۷ھ (اپریل ۱۰۲۶ء) کو پایہ تخت واپس پہنچی۔

⑰ سومنات سے واپسی کے سفر میں دریائے سندھ کے کنارے جاٹ قبائل کے حملوں نے اسلامی لشکر کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ محرم ۴۱۸ھ (مارچ ۱۰۲۷ء) میں سلطان نے ان کی سرکوبی کی مہم شروع کی۔ ملتان پہنچ کر سلطان نے چودہ سو کشتیاں تیار کرائیں جن کے آگے نوکدار سلاخیں نصب تھیں۔ جاٹ چار ہزار کشتیوں میں سوار ہو کر مقابلے پر آئے۔ مگر ان کی کشتیاں مسلمانوں کی کشتیوں کے پاس آتے ہی فولادی سلاخوں سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی تھیں۔ ہزاروں جاٹ ڈوب کر اور ہزاروں خشکی پر ہلاک ہوئے۔ یہ ہندوستان میں سلطان کی سترہویں اور آخری مہم تھی۔

سلطان محمود غزنوی کی آخری مہمات ۴۱۸ھ (۱۰۲۷ء) کے اواخر میں سلجوقی قبائل اور قرامطیوں کے خلاف شروع ہوئیں۔ سلجوقی قبائل دریائے آمو عبور کر کے گرد و نواح میں افراتفری پھیلا رہے تھے اور سلطان کا کوئی نائب انہیں دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ آخر سلطان محمود غزنوی نے خود جا کر ان کی سرکوبی کی۔

اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے خراسان کے شمال مغرب میں پیش قدمی کر کے ''رے'' پر قبضہ کر لیا جہاں قرامطی اور دیگر گمراہ فرقوں کے پیروکار اپنے فاسد عقائد پھیلا رہے تھے۔ سلطان نے ''رے'' کے تمام بے دینوں اور

زندیقوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

سلطان محمود غزنوی کو سالہا سال کی انتھک مہمات نے تھکا کر بیمار کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ مرض نے شدید نوعیت اختیار کرلی۔ آخر ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ (۲۹ اپریل ۱۰۳۰ء) کی شب سلطان نے خاموشی سے دنیائے فانی کو الوادع کہہ دیا۔ تدفین اسی شب غزنی کے قصرِ فیروز میں ہوئی۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون

محمود غزنوی نے ایک طرف ہندوستان فتح کر کے وہاں اسلام کی اشاعت کا راستہ ہموار کیا اور دوسری طرف اسلام کو اصل شکل میں محفوظ رکھنے کے حوالے سے بھی غیر معمولی کردار ادا کیا۔ غزنوی حکومت کا ظہور چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں ہوا تھا۔ اس وقت خلافت انتہائی کمزور ہو چکی تھی اور اُندلُس کو چھوڑ کر تقریباً تمام عالم اسلام پر بدعقیدہ فرقوں کی سیاسی اجارہ داری قائم تھی۔ افریقہ، مصر اور حجاز پر اسماعیلی فرقے کے بنوعبید قابض تھے۔ عراق اور ایران پر اثنا عشری بنوبویہ اس قدر چھائے ہوئے تھے کہ عباسی خلیفہ ان کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن چکا تھا۔ بحرین، نیشاپور، سندھ اور ملتان پر قرامطہ کا قبضہ تھا۔ ایسے میں سلطان محمود غزنوی نے ایک وسیع وعریض اسلامی حکومت قائم کر کے پوری دنیا میں اہلِ حق کی ساکھ بحال کر دی اور اسلام کی جعلی تصویر کو نہ صرف یہ کہ اپنی مملکت میں رائج نہ ہونے دیا بلکہ پوری دنیا کے سامنے ''مصنوعی اسلام'' کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔

سلطان نے اپنی سلطنت میں اہلِ سنت کے مخالف تمام بدعقیدہ فرقوں مثلاً: معتزلہ، جہمیہ، اثنا عشریہ اور قرامطہ پر قدغن لگائی اور وہاں قرآن وسنت کے مطابق صحیح اسلامی تعلیمات کی بھرپور نشر واشاعت کی۔ بغداد میں بنوبویہ کے ناجائز تسلط پر ضربِ کاری لگائی جو ساسانی دور کی عجمی شہنشاہیت کو زندہ کر رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں سلطان نے خلافتِ عباسیہ کو مضبوط کیا اور خود کو خلیفہ کا پشت پناہ ظاہر کرنے کی بجائے، خلافت کا غلام قرار دیا۔ اپنی عظیم الشان سلطنت کو خود مختار حیثیت دینے کی بجائے خلافتِ عباسیہ کے ماتحت شمار کیا۔ اس زمانے میں خلافتِ بغداد کا خطبہ جو اظہارِ وفاداری کی علامت تھا، چند شہروں تک محدود رہ گیا تھا حتیٰ کہ حرمین میں بھی اسماعیلی امام کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا۔ ایسے میں سلطان نے لاکھوں مربع کلومیٹر کے رقبے میں خلافتِ عباسیہ کا خطبہ شروع کرا کے مسلمانوں کو دوبارہ ایک نقطۂ وحدت پر لانے اور جعلی اماموں کا اثر محدود کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ①

قدیم مؤرخین نے سلطان محمود کو خوب خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''سلطان محمود بہت عالی شان حکمران تھا۔ اکثر اسلامی ممالک پر حاوی تھا۔ علماء کا اعزاز واکرام کرتا تھا۔ دور دراز سے اہلِ علم اس کے دربار میں آتے۔ وہ عادل اور نیک سیرت تھا۔ رعایا کے ساتھ نرمی برتتا اور

① ماخذ: ☆ تاریخ فرشتہ (اردو) از محمد قاسم فرشتہ: ج ۱ ص ۵۳ تا ۷۹، ط المیزان
❁ الکامل فی التاریخ: سنۃ ۳۸۷ھ تا ۴۱۸ھ ❁ المنتظم لابن جوزی: سنۃ ۳۹۰ھ تا سنۃ ۴۲۰ھ
❁ البدایۃ والنہایۃ: سنۃ ۳۹۰ھ تا سنۃ ۴۲۲ھ ❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ص ۳۸۱ تا ۳۹۳، ط دار الفکر؛
❁ طبقات ناصری از منہاج السراج جوزجانی: ج ۱ ص ۲۷۲، ۲۷۱

مہربانیاں کرتا۔ بکثرت جہاد کا عادی تھا۔ اس کی فتوحات مشہور ہیں۔ ''①

قاضی منہاج السراج رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

'' حق تعالیٰ نے اس بادشاہ کو جو اعزازات اور خوبیاں عطا کیں اور جو وسائل اور اسباب اسے مہیا کیے وہ اس کے بعد کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے۔ ''②

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' محمود کے مناقب بکثرت ہیں اور اس کی سیرت بہترین تھی۔ ''③

غیر متعصب ہندو قلم کار بھی سلطان کی عظمت مانتے ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند کا بیان ہے:

'' اس نے کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے متعدد ہندو افسران اور سپاہیوں کو اپنی فوج میں ملازم رکھا جو اس کے لیے وسطِ ایشیا اور خراسان میں لڑتے رہے۔ ''④

مغربی مؤرخین بھی سلطان کے کمالات کے قائل ہیں۔ لین پول لکھتا ہے:

'' محمود ظالم نہیں تھا۔ بلاوجہ خونریزی سے نفرت کرتا تھا۔ اپنے عہد و پیمان کا پابند تھا۔ عہد شکنی کے قریب بھی نہ جاتا تھا۔ وہ جس طرح مسلمانوں میں سچائی، خدا خوفی اور مومنانہ جوش و جذبے کا نمونہ تھا، اسی طرح علم و فضل کی قدردانی میں بھی بے مثال تھا۔ اس کا دربار علماء فضلاء اور اہلِ کمال سے بھرپور تھا۔ اگر نپولین نے مفتوحہ ممالک کے نامور ہنرمندوں اور کاریگروں سے پیرس کی سجاوٹ کا کام لیا تھا تو محمود نے اس سے کہیں زیادہ قابلِ تعریف کام یہ کیا کہ اپنے دربار کو دنیا بھر کے ماہرین اور اہلِ کمال سے بھر دیا۔ ''⑤

سلطان پر بخل کی تہمت لگانا بھی غلط ہے۔ اس کی تردید کے لیے اتنا دیکھ لینا کافی ہے کہ اُس دور میں دربارِ غزنی علماء و فضلاء سے بھرا رہتا تھا۔ اگر سلطان کی طرف سے بخل کا معاملہ ہوتا تو علماء، ادباء اور شعراء کا اتنا بڑا مجمع وہاں اکٹھا نہ ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سلطان کو فضول خرچی سے نفرت اور کفایت شعاری کی عادت تھی۔

لین پول لکھتا ہے:

'' اگر محمود کو مال و دولت جمع کرنے والا اور حریص یا لالچی کہا جائے تو مجھے یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑے گا کہ وہ مال و دولت اور روپے کے خرچ کے مصارف سے بخوبی واقف تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کس موقع پر کس قدر روپیہ خرچ کرنا چاہیے۔ ''⑥

---

① تاریخ ابن خلدون: ۴ ص ۷ ۴۹، ط دار الفکر

② طبقات ناصری: ج ۱ ص ۲۷۲

③ تاریخ الاسلام للذہبی: ۲۹ ص ۴۷، ت تدمری ④ مختصر تاریخ ہند: ص ۱۲۷

⑤ Medieval India under Mohammedan Rule:32

⑥ Medieval India under Mohammedan Rule:33

سلطان محمود غزنوی کے جانشین

سلطان محمود غزنوی کے تین بیٹے تھے: مسعود، محمد اور عبدالرشید۔ مسعود سب سے بڑا، زیادہ ہوشیار اور دلیر تھا، اسی لیے سلطان محمود نے پہلے اسی کو ولی عہد بنایا تھا مگر بعد میں اس سے ناراض ہو گیا اور محمد کو جانشین مقرر کر دیا۔

سلطان نے وفات سے پہلے اپنی سلطنت دو حصوں میں تقسیم کر کے خوارزم، عراق اور ایران کا علاقہ بڑے بیٹے مسعود کو اور غزنی، پنجاب اور خراسان کا علاقہ منجھلے بیٹے محمد کے نام کر دیا تھا تاکہ دونوں بھائیوں میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

مگر اس کے باوجود سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد دونوں شہزادے باہم لڑ پڑے۔ آخر کار سلطان مسعود نے سلطان محمد پر قابو پا کر اسے بینائی سے محروم کر دیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔

سلطان مسعود ایک جنگجو سپاہی تھا۔ اس نے سلطنت کی حدود میں اضافہ کرتے ہوئے ایک طرف گرمان، خضدار اور طبرستان کو فتح کیا تو دوسری جانب کشمیر کے ناقابل تسخیر قلعے "سرستی" اور ہندوستان کے اہم شہروں: سون پت اور ہانسی پر بھی قبضہ کیا، مگر وہ اپنے باپ جیسا مدبر سیاست دان نہیں تھا۔ ایک موقع پر جب ترکوں نے بغاوت کی تو اس نے اپنے ہندو افسران کو استعمال کیا جنہوں نے ترک اور افغان سپاہیوں کو جی بھر کے قتل کیا۔ اس صورتحال نے ترکوں کو سلطان سے مزید متنفر کر دیا جس سے سلطنت اندرونی طور پر کمزور ہونے لگی۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر خراسان میں سلجوقی امراء نے طاقت پکڑ لی اور سلطان مسعود کے مقبوضات پر دھاوا بول کر کئی اضلاع چھین لیے۔

۴۳۲ھ (۱۰۴۰ء) میں سلجوقیوں سے شکست کے بعد سلطان مسعود نے لاہور کو مرکز بنانے کا فیصلہ کر لیا اور غزنی کے تمام خزانے لے کر لاہور روانہ ہو گیا مگر دریائے سندھ عبور کرتے ہی ہندو افسران باغی ہو گئے اور غزنی کا وہ عظیم خزانہ جو ایک صدی میں جمع کیا گیا تھا، لوٹ کر فرار ہو گئے۔ سلطان بمشکل اپنی جان بچا سکا۔ ایسے میں ترک اُمراء نے سلطان مسعود کو نااہل قرار دے کر قید کر دیا اور قید میں پڑے نابینا سلطان محمد کو آزاد کر کے تخت پر بٹھا دیا۔

مگر سلطان مسعود کا بیٹا شہزادہ مودود اسے برداشت نہ کر سکا اور اس نے فوج کشی کر کے سلطان محمد کو تخت سے اتار دیا اور اسے اس کے بیٹوں اور بھائیوں سمیت قتل کرا دیا۔ سلطان مودود کے دور میں باہمی اختلافات کے باعث سلطنت سمٹ کر نصف کے قریب رہ گئی۔ سلطان مودود ۴۴۱ھ (۱۰۴۹ء) تک حکومت کر کے فوت ہو گیا اور اس کا بھانجا علی، بادشاہ بنا جو ایک عوام دوست اور رحم دل حکمران تھا۔ مگر دو برس بعد اس کے چچا عبدالرشید نے جو سلطان محمود غزنوی کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، اس سے حکومت چھین لی۔

۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں سلطان عبدالرشید کی وفات کے بعد سلطان مسعود کا ایک اور بیٹا ابراہیم حکمران بنا جو ایک عالم فاضل انسان اور بہترین خطاط تھا اور ہر سال بقلم خود قرآن مجید کے ایک نسخے کی کتابت کرتا تھا۔ اس کی سیاسی پالیسی مسلم حکومتوں سے صلح، ضدی کافروں سے جہاد اور اسلام کی تبلیغ پر مبنی تھی۔ اس زمانے میں وسط ایشیا اور خراسان

پر سلجوقی خاندان کی حکمرانی تھی جن کا پایۂ تخت پہلے مرو، پھر نیشاپور اور اب اصفہان تھا۔ سابقہ غزنوی سلاطین کی سلجوقیوں سے ناچاقی رہی تھی اور جنگوں کی نوبت بھی آئی تھی مگر اب سلطان ابراہیم نے سلجوقیوں کا ستارۂ اقبال بلند ہوتا دیکھ کر ان سے صلح کرلی۔ عظیم سلجوقی سلطان ملک شاہ سلطان ابراہیم کا معاصر تھا اور دونوں میں دوستانہ تعلقات تھے۔

سلطان ابراہیم کو اسلام کی تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ اس کی کوششوں سے اگرچہ زیادہ لوگ مشرف بااسلام نہ ہوئے مگر جنوبی ایشیا میں اسلام کی تخم ریزی ضرور ہوئی۔ سلطان ابراہیم نے غزنوی سلطنت کو ایک بار پھر مستحکم کردیا۔ اس کا ۳۱ سالہ دور ترقی وخوشحالی اور امن وامان سے بھرپور تھا۔ وہ ایک فیاض، عوام پرور اور رحم دل حاکم تھا۔ اس نے ۴۸۱ھ میں وفات پائی۔

اس کے بعد سلطان ابراہیم کے بیٹے مسعود بن ابراہیم نے تاج وتخت سنبھال کر اپنے باپ کی حکمتِ عملی کو اپنائے رکھا اور سولہ سال تک عدل وانصاف سے حکومت کرکے ۵۰۸ھ میں فوت ہوا۔

بعد ازاں اس کے بیٹے ارسلان شاہ اور بہرام شاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ارسلان شاہ کا دور صرف تین سال تک رہا۔ بہرام شاہ کا دور ۳۵ سال تک رہا جس میں ابتدائی ۲۵، ۳۰ سال داخلی سلامتی اور تعمیر وترقی کے لحاظ سے قابلِ رشک تھے۔ اس دور میں علوم وفنون اور ادب کو بے حد ترقی ہوئی۔ فارسی کے مشہور شاعر حکیم سنائی رحمہ اللہ بہرام شاہ کے دور سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی قبر بھی غزنی میں ہے۔ ہندوستان کی مشہور ادبی کتاب "کلیلہ ودمنہ" کا پہلا فارسی ترجمہ بھی بہرام شاہ کے دور میں ہوا۔ تاہم بہرام شاہ کو آخری سالوں میں غوری قبائل کی بغاوت سے سابقہ پڑا جن کے سردار علاؤالدین غوری نے بہرام شاہ کے خلاف چڑھائی کی اور اسے شکستِ فاش دینے میں کامیاب ہوگیا۔

اب غزنوی سلطنت دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ وسطی ہند میں سلطان محمود کے اکثر مقبوضات اس زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔

۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء) میں بہرام شاہ فوت ہوگیا اور اس کے جانشین خسرو شاہ نے جو غوریوں سے سخت خوفزدہ تھا، غزنی سے نقل مکانی کرکے لاہور کو پایۂ تخت بنالیا۔ اس سے غوری امراء کے حوصلے اور بڑھ گئے۔

خسرو شاہ کے بعد اس کے بیٹے خسرو ملک نے ہندوستان میں ۲۸ سال تک حکومت کی مگر آخرکار ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں غوریوں نے اسے بھی اقتدار سے محروم کردیا۔ یوں غزنوی سلطنت سوا دوسو سال پورے کرکے ختم ہوگئی۔ ①

❀❀❀

① ماخذ:

❀ تاریخ ابن خلدون: ج ۴ ص ۷۴۹ تا ۷۵۰، ۲۰، ط دار الفکر

❀ تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ: ج ۱ ص ۱۰۱ تا ۱۳۴

❀ منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی: ج ۱ ص ۲۵ تا ۳۶، ط ایران

❀ طبقات ناصری: ج ۱ ص ۱۹۱ تا ۲۰۰، ط ایران

❀ تاریخ یمینی از ابونصر العتبی

❀ تاریخ بیہقی از ابوالفضل بیہقی

❀ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: جلد اول

غوری سلطنت

(۵۷۱ھ تا ۶۰۲ھ (۱۱۷۵ء تا ۱۲۰۶ء)

''غور'' وسطی افغانستان کا ایک بنجر کوہستانی علاقہ ہے۔ موسم کی سختی اور ماحول کی صعوبتوں کے باعث یہاں کے باشندے جفاکشی اور دلیری میں مشہور رہے ہیں۔ اسی قبیلے کے ایک بہادر شخص عزالدین حسین غزنوی کے سات بیٹے غزنوی سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے جنہیں'' ہفت اختر'' کہہ کر یاد کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک بھائی قطب الدین کو غزنوی حکمران بہرام شاہ نے کسی بدگمانی کے باعث قتل کرادیا تھا۔

ہفت اختر میں سے ایک بھائی علاؤالدین نے جو نہایت جوشیلا تھا، بھائی کا بدلہ لینے کے لیے سلطنت غزنی کے خلاف بغاوت کردی۔ آخر غوریوں کا پلہ بھاری رہا اور غزنوی حکمران غزنی چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ علاؤالدین نے غزنی پر قبضے کے بعد اسے نذرِ آتش کر کے کوئلہ بنا ڈالا۔ یوں اس نے تاریخ میں ''جہاں سوز'' کا لقب حاصل کیا۔ اس نے کوہِ غور میں فیروز کوہ نامی قلعہ تعمیر کرا کے اسے اپنا عسکری وسیاسی مرکز بنالیا۔

علاؤالدین جہاں سوز ایک بے رحم انسان تھا۔ اس نے اپنے دو بھتیجوں: غیاث الدین اور شہاب الدین کو جیل میں بند کر رکھا تھا۔ علاؤالدین جہاں سوز کی موت پر غیاث الدین اور شہاب الدین کو رہائی مل گئی۔ بعد میں غیاث الدین غوری نے موقع پاکر غور کی حکومت سنبھال لی اور اپنے بھائی شہاب الدین کو افواج کا سپہ سالار اور غور کا گورنر بنادیا۔ ان دونوں بھائیوں نے بڑے کارنامے انجام دیے اور فتوحات حاصل کیں جس کی اصل طاقت ان کا باہمی اعتماد اور اتفاق تھا۔ غیاث الدین نے تخت نشین ہو کر امورِ سلطنت کو سنبھالا جبکہ شہاب الدین غوری نے فتوحات میں نام پیدا کیا۔

شہاب الدین غوری نے ۵۷۳ھ میں اپنی پہلی مہم کے دوران ملتان پر حملہ کر کے قرامطیوں کی نئی آبادکاری کی بیخ کنی کردی، اس کے فوراً بعد ''اُچ'' پر قبضہ کر کے وہاں کی ہندو شہزادی کو مشرف بہ اسلام کیا اور اپنی ملکہ بنایا۔
۵۷۴ھ میں دوسری مہم کے دوران ملتان اور اُچ کے راستے راجستھان کا صحرا عبور کر کے گجرات میں راجہ ''بھیم دیو'' سے ٹکر لی۔ اس ہولناک جنگ میں مسلمانوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ۵۷۵ھ میں تیسرا حملہ کیا اور پشاور کے گردونواح میں کئی اضلاع پر قبضہ کیا۔ ۵۷۶ھ میں چوتھی بار فوج کشی کر کے سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل پر حملہ کیا اور دریائے سندھ کے تمام ساحلی شہروں پر اسلام کا پرچم لہرادیا۔ ۵۸۰ھ میں پانچویں مہم سرانجام دی اور پنجاب کے مقبوضہ علاقوں میں قدم جمانے کے لیے دریائے راوی اور چناب کے درمیان سیالکوٹ کا مضبوط قلعہ تعمیر کرایا۔

ان فتوحات کے بعد ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں شہاب الدین غوری نے چھٹا حملہ لاہور پر کیا اور کسی کشت وخون کے بغیر آخری غزنوی حکمران خسرو ملک سے اقتدار چھین لیا۔ یوں غزنوی خاندان کی حکومت دنیا کے نقشے سے ختم ہوگئی۔

ان مہمات سے فارغ ہوکر شہاب الدین غوری نے برصغیر کے قلب پر حملے شروع کیے اور ۵۸۷ھ میں ہندوستان کی ساتویں مہم میں اجمیر کے حکمران پرتھوی راج چوہان کا سب سے مضبوط قلعہ بھٹنڈہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ یوں اسلامی عمل داری دہلی کے قریب تک پہنچ گئی۔

ہندو راجاؤں نے غوریوں کو اپنے ملک کے وسط میں دیکھ کر ایک متحدہ لشکر مرتب کیا جس کی قیادت مشہور سورما ''پرتھوی راج'' اور دہلی کا راجہ ''کھنڈے رائے'' کر رہے تھے۔ دو لاکھ گھڑ سواروں، تین ہزار ہاتھیوں اور ان گنت پیادوں کا یہ لشکر بھٹنڈہ کی طرف بڑھا۔ ادھر شہاب الدین غوری نے دشمن کا انتظار کرنے کی بجائے از خود پیش قدمی کی اور دہلی سے چالیس میل دور ''تراوڑی'' (ترائن) کے میدان میں دریائے سرسوتی کے کنارے حریف کا سامنا کیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اسلامی لشکر تتر بتر ہوگیا۔

شہاب الدین غوری نے دارالسلطنت واپس پہنچ کر ان امراء سے سخت باز پرس کی جو میدانِ جنگ سے فرار ہوئے تھے۔ بدلہ لینے کی فکر میں اس مردِ مجاہد نے پیٹ بھر کر کھانا اور نرم بستر پر سونا چھوڑ دیا اور ایک سال تک اپنا لباس بھی تبدیل نہیں کیا۔ ایک سال بعد شہاب الدین غوری نے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ آٹھویں بار برصغیر کا رخ کیا اور لاہور پہنچ کر پرتھوی راج کے نام دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا مگر اس نے کوئی مثبت جواب دینے کی بجائے برصغیر کے تمام راجوں، مہاراجوں کو مدد کے لیے پکارا۔ قومیت اور مذہب کے نام پر ڈیڑھ سو ہندو راجے اس کے گرد جمع ہوئے جن کے سپاہی تین لاکھ سے زائد اور جنگی ہاتھی تین ہزار تھے۔ ان ڈیڑھ سو ہندو حکمرانوں نے ماتھوں پر تلک لگا کر تینتیس کروڑ دیوی اور دیوتاؤں کی قسمیں کھائیں کہ وہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیں گے۔

آخر کار یکم جمادی الآخرہ ۵۸۸ھ (چودہ جون ۱۱۹۲ء) کو ایک بار پھر دریائے سرسوتی کے کنارے تراوڑی کے میدان میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ اس جنگ میں بڑے بڑے ہندو راجے مارے گئے۔ ''کھنڈے راؤ'' بھی قتل ہوگیا۔ پرتھوی راج فرار ہوتے ہوئے دریائے سرسوتی کے کنارے پکڑا گیا۔ شہاب الدین غوری نے اسے اسلام دشمنی کی سزا میں قتل کرا دیا۔ میدان جنگ سے نکل کر لشکرِ اسلام نے پرتھوی راج کے پایۂ تخت اجمیر پر بھی قبضہ کر لیا۔

شہاب الدین غوری نے واپس جاتے ہوئے مفتوحہ علاقوں میں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو نائب حکمران بنا دیا جس نے چند مہینوں میں دہلی اور میرٹھ کو فتح کر کے ان تمام علاقوں میں اسلامی شریعت کا نفاذ کر دیا۔

قطب الدین ایبک کا ایک بڑا کارنامہ بہار اور بنگال کی فتح ہے۔ جس کا سہرا اس کے جرنیل محمد بن بختیار خلجی کے سر ہے۔ اس بہادر افسر نے ۵۹۹ھ میں قطب الدین ایبک کے حکم پر ایک مختصر سی فوج کے ساتھ بنگال اور بہار کی طرف

پیش قدمی کی اور فقط دو سو سپاہیوں کے ذریعے بہار پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد وہ بنگال کی طرف بڑھا جہاں اس وقت سین خاندان کی حکومت تھی جس کا پایۂ تخت ''ندیا'' تھا اور راجہ لکشمن سین یہاں کا حکمران تھا۔

بختیار خلجی نے اس تیزی سے پایۂ تخت کی طرف سفر کیا کہ اس کی اکثر فوج پیچھے رہ گئی۔ جب وہ شہر میں داخل ہوا تو شام کا وقت تھا اور اس کے ساتھ صرف اٹھارہ سپاہی تھے جنہیں لوگوں نے اجنبی سوداگر سمجھ کر نظر انداز کردیا۔ کوئی مزاحمت نہ دیکھ کر بختیار خلجی سیدھا راجا کے محل میں داخل ہوگیا۔ محل کے محافظ بھاگ نکلے اور سین خاندان کا آخری حکمران لکشمن سین خوفزدہ ہوکر راج محل کے عقبی راستے سے فرار ہوگیا۔ اس طرح بنگال پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی اور یہ دہلی کی حکومت کا صوبہ قرار پایا۔

۵۹۹ھ (۱۲۰۲ء) میں سلطان غیاث الدین غوری کا انتقال ہوگیا اور شہاب الدین غوری نے باقاعدہ تختِ شاہی سنبھال لیا اور برصغیر میں اسلام کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ پنجاب کی کھوکھر قوم بڑی جنگجو تھی جو ''اٹک'' سے ''کوہ شوالک'' تک آباد تھی۔ ان دنوں کھوکھروں کے ایک سردار نے سلطان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ سلطان نے مقامی حکومت اس کے سپرد کردی۔ اس کی تبلیغ سے کچھ ہی عرصے میں کھوکھروں کی اکثریت مسلمان ہوگئی۔

کھوکھروں میں سے جو لوگ اب تک بت پرستی پر جمے ہوئے تھے، انہوں نے پنجاب کی ایک اور جنگجو قوم ''گکھڑ'' کو ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کردی۔ سلطان کو ان کی سرکوبی کے لیے ہندوستان کا دسواں سفر کرنا پڑا۔ اس مہم میں فتح کے بعد سلطان نے لاہور میں قیام کیا جہاں پنجاب کے لوگ دربار میں آکر جوق در جوق اسلام قبول کرتے رہے۔ سلطان کے اس سفر میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کی تعداد چار لاکھ سے زائد تھی۔

واپسی کے سفر میں راستے میں سلطان نے جہلم سے آگے ''مندرہ'' کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ یہاں تین شعبان ۶۰۲ھ (۱۶ مارچ ۱۲۰۵ء) کو بیس باطنی حملہ آور اچانک سلطان کے خیمے میں گھس گئے اور سلطان کو نماز کے دوران سجدے کی حالت میں خنجروں کا نشانہ بنا ڈالا۔ سلطان نے ۲۲ زخم کھا کر جان اللہ کے سپرد کردی۔ نعش بائیس شعبان کو غزنی پہنچی جہاں تدفین ہوئی۔ مندرہ میں سلطان غوری کی یادگار، ان کا مزار نہیں محض جائے شہادت ہے۔

برصغیر کی بکھری ہوئی اسلامی ریاست کو وسیع اور متحد کر کے مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا شہاب الدین غوری کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس مردِ حُر نے برصغیر میں جس اسلامی حکومت کو قائم کیا اسے چھ صدیوں تک ختم نہ کیا جاسکا۔ [1]

❁❁❁

① ماخذ:
- ❁ منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی: جلد اول، طا ایران
- ❁ تاریخ فرشتہ (اردو) از محمد قاسم فرشتہ: ج ۱ ص ۱۳۸ تا ۱۵۵
- ❁ طبقات ناصری: ج ۱ ص ۳۶۵ تا ۵۰۰
- ❁ تاریخ ابن خلدون: ۴ ص ۷۵۳ تا ۷۵۷۔ ط دار الفکر
- ❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ: ۱ ص ۱۵۱ تا ۱۶۲

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

1. قدیم ہندوستان میں ذات پات کا نظام کیسے قائم ہوا؟
2. برصغیر پر سکندرِ اعظم کا حملہ کب ہوا؟ اور اس کے مقامی سیاست اور لوگوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟
3. محمد بن قاسم کے بعد اُموی اور عباسی دور میں کون کون سے اہم حکام نے سندھ پر حکومت کی؟
4. غزنوی سلطنت کے بانی سبکتگین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
5. برصغیر میں سلطان محمود غزنوی کی فتوحات پر روشنی ڈالیے؟
6. کیا سلطان محمود غزنوی پر ظلم اور بخل کے الزامات صحیح ہیں؟ غیر مسلم مؤرخین کے حوالوں سے جوب دیجیے۔
7. شہاب الدین غوری کی برصغیر میں مہمات پر نوٹ لکھیے۔
8. بختیار خلجی نے بنگال کس طرح فتح کیا؟ واقعہ مختصراً اپنے الفاظ میں نقل کیجیے۔

عملی کام:

- کسی قریبی عجائب گھر میں جا کر قدیم ہند کے تہذیبی آثار کا مشاہدہ کریں۔
- ایسا نقشہ دیکھیے جس میں مسلم دور کے برصغیر کی حدود واضح کی گئی ہوں۔
- برصغیر کا سفر کرنے والے کسی قدیم سیاح کی کتاب یا اس کا خلاصے کا مطالعہ کریں اور اس پر اپنا تاثر لکھیں۔

کتب برائے مطالعہ:

- قدیم ہند، از رما شنکر ترپاٹھی
- جامع تاریخ ہند، از خلیق احمد نظامی
- ہندوستان پر اسلامی حکومت، از مفتی شوکت علی فہمی

دوسرا باب

سلاطین دہلی

خاندانِ غلاماں، خلجی، تغلق اور لودھی

۶۰۲ھ تا ۹۳۲ھ (۱۲۰۶ء تا ۱۵۲۶ء)

کل مدت: بلحاظ قمری: ۳۳۰ سال۔ بلحاظ شمسی: ۳۲۰ سال

تعارف:

سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد برصغیر میں پہلی بار خودمختار مسلم سلطنتوں کی بنیاد پڑی جو آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک قائم رہی۔ مغلوں سے قبل یہاں پانچ بڑے خاندان گزرے ہیں جن کا دارالحکومت اکثر و بیشتر دہلی رہا لہٰذا انہیں سلاطینِ دہلی کہا جاتا ہے۔ سلاطینِ دہلی میں پانچ خانوادے شامل ہیں:

① خاندانِ غلاماں ② خلجی ③ تغلق ④ سادات ⑤ لودھی

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

① سلطان قطب الدین ایبک، شمس الدین اِلتتمش اور خاندانِ غلاماں کے دیگر حکمرانوں سے واقف ہو سکیں۔

② یہ جان سکیں کہ یہاں خلجی، تغلق اور لودھی خاندانوں کی حکومت کب اور کیسے قائم ہوئی۔

③ سلاطینِ دہلی کے عدل وانصاف اور قومی خدمات سے آگاہ ہو سکیں۔

(یونٹ: 3.12)

خاندانِ غلاماں

۶۰۲ھ تا ۶۸۹ھ (۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء)

مدتِ اقتدار..... ۸۷ سال

اولادِ نرینہ سے محروم سلطان شہاب الدین غوری نے ترک غلاموں کو اپنی اولاد کی طرح رکھا تھا جو سلطنت کے کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ سلطان کی شہادت کے بعد انہوں نے سلطنت کو تقسیم کر کے خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ قطب الدین ایبک نے وسطی ہندوستان اور دہلی کے علاقے میں، ناصر الدین قباچہ نے پنجاب اور سندھ میں، جبکہ تاج الدین یلدوز نے پختون علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہاں سے ہند پر "خاندانِ غلاماں" کی حکومت کا آغاز ہوتا ہے۔ خاندانِ غلاماں نے منگولوں سے برصغیر کے دفاع کا فریضہ انجام دے کر یہ ثابت کر دیا کہ مشیتِ الٰہیہ اُمت مسلمہ کی حفاظت کا کام معاشرے کے سب سے نچلے طبقے سے بھی لے سکتی ہے۔

قطب الدین ایبک

۶۰۲ھ تا ۶۰۷ھ (۱۲۰۶ء تا ۱۲۱۰ء)

قطب الدین ایبک شہاب الدین غوری کے معتمد ترین امراء میں سے ایک تھا۔ اس کی چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی اس لیے اسے ایبک کہا جاتا تھا۔ اسے غلاموں کی منڈی سے خریدا گیا تھا۔ اپنی صلاحیتوں کے سبب وہ بہت جلد سلطان شہاب الدین کی نگاہوں میں آ گیا۔ ایک بار سلطان نے اسے انعام و اکرام کے طور پر ایک بڑی رقم دی جو اس نے اسی وقت غلاموں اور ماتحت ملازموں میں بانٹ دی۔ سلطان شہاب الدین کو ایبک کی اس سخاوت کی خبر ملی تو بڑا حیران ہوا اور اس پر مزید مہربان ہو گیا۔ اس نے کئی بار ایبک کی وفاداری آزمائی اور ہر بار اسے توقع سے بڑھ کر جانثار پایا۔

اسی اعتماد کی وجہ سے سلطان شہاب الدین نے تراوڑی کی جنگ میں فتح کے بعد ایبک کو برصغیر میں اپنا نائب مقرر کر دیا۔ شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد قطب الدین ایبک نے شوال ۶۰۲ھ (جون ۱۲۰۶ء) میں سلطان کا لقب اختیار کیا۔ لاہور میں تاج پوشی ہوئی جس کے بعد اس نے دہلی کی بادشاہت سنبھالی۔ وہ پہلا خود مختار مسلمان حکمران تھا جس نے دہلی کو پایۂ تخت بنایا اور یوں برصغیر میں باقاعدہ آزاد اور مستقل اسلامی سلطنت کا آغاز ہو گیا۔ اس سلطنت میں بنگال اور بہار شامل نہ تھے جنہیں بختیار خلجی نے فتح کیا تھا کیوں کہ وہاں خلجی امراء خود مختار ہو گئے تھے۔

قطب الدین ایبک ایک دور اندیش اور منصوبہ ساز حکمران تھا۔ اس نے ترک امراء اور جنگجو سرداروں کو بہترین مناصب اور مال و زر دے کر اپنا وفادار بنالیا۔ اس نے بارسوخ امراء سے رشتے بھی قائم کیے۔

قطب الدین ایبک نے مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق اور امن و امان کی بحالی پر خصوصی توجہ دی اور عدل و انصاف کے معیار کو کبھی بٹہ نہ لگنے دیا۔ اس نے خلافِ شرع ٹیکس بند کر دیے اور عوام کو ہر ممکن سہولتیں دیں۔ ہندوؤں اور تمام مذاہب کے لوگوں سے بلاتفریق مہربانی اور رحم دلی کا برتاؤ رکھا۔ اتنی سخاوت کی وجہ سے اسے ''لکھ بخش'' کہہ کر یاد کیا جاتا تھا۔

قطب الدین ایبک نے بہت سے عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں دہلی کا ''قطب مینار'' سب سے زیادہ مشہور ہے جس کی بلندی ۲۳۷ فٹ ہے۔ گزشتہ صدی تک اسے برصغیر کی سب سے بلند عمارت ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔

قطب الدین ایبک (۱۲۱۰ء) میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔ [1] اس کا مقبرہ انار کلی (لاہور) میں ہے۔ سکھ فاتح رنجیت سنگھ نے اپنے دور میں اس مقبرے کو منہدم کرا دیا تھا۔ ایک مدت تک یہ مزار ایک چبوترے کی شکل میں رہا۔ بعد میں حکومتِ پاکستان نے یہاں ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کرا دیا۔

ابوالاثر حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام میں قطب الدین ایبک کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

وہ قطب الدین وہ مردِ مجاہد جس کی ہیبت سے
یہ دنیا ازسرِ نو جاگ اٹھی خوابِ غفلت سے
وہ جس کی تیغِ ہیبت ناک سے سفاک ڈرتے تھے
وہ جس کے بازوؤں کی دھاک سے افلاک ڈرتے تھے
یہاں لاہور میں سوتا ہے، اک گمنام کوچے میں
پڑی ہے یادگارِ دولتِ اسلام کوچے میں
مرے نزدیک اس تربت سے اب بھی شان پیدا ہے
مزارِ مردِ غازی سے عجب ایمان پیدا ہے

❀❀❀

[1] مآخذ:
❀ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۷۰۔
❀ طبقاتِ ناصری: ج ۱ ص ۴۸۸ تا ۴۹۱
❀ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ: ج ۱ ص ۳۶۳ تا ۳۶۶؛
❀ تاریخ مبارک شاہی: ص ۱۳، ۱۵
❀ منتخب التواریخ: ج ۱ ص ۳۷، ۳۸

سلطان شمس الدین اِلتمش

۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ (۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء)

شہاب الدین غوری نے جب پنجاب میں گکھڑوں کے خلاف فوج کشی کی تو اس کے نائب قطب الدین ایبک کے غلام اِلتمش نے بدایوں سے بھاری کمک کے ساتھ مہم میں شرکت کی۔ گکھڑ دریائے جہلم کے پار صفیں باندھے کھڑے تھے تا کہ اسلامی لشکر دریا عبور نہ کر سکے۔ اِلتمش نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور کچھ جانثاروں کے ساتھ دریا میں کود گیا۔ دوسرے کنارے کے قریب ایسی جگہ پہنچ کر جہاں پانی میں پاؤں جمائے جا سکتے تھے، اس نے اپنی صف بنالی اور حریف پر اس قدر شدید تیر اندازی کی کہ اس کے قدم اکھڑ گئے اور اسلامی لشکر کو دریا پار کر کے حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اِلتمش کی یہ سرفروشانہ کارکردگی دیکھ کر شہاب الدین غوری نے ایبک کو کہا: ''اس نوجوان کو غلامی سے آزاد کر کے ترقی دی جائے۔''

چنانچہ ایبک نے نہ صرف اِلتمش کو آزاد کر دیا بلکہ اپنا داماد بھی بنالیا۔ ایبک کی وفات تک اِلتمش کو بدایوں کی گورنری کے علاوہ امیر الامراء کا اعزاز بھی حاصل ہو چکا تھا۔

ایبک کے بعد اس کا نا اہل بیٹا آرام شاہ تخت نشین ہوا مگر امرائے سلطنت نے حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے اِلتمش کو دہلی آکر تخت پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ اس طرح آرام شاہ کو برطرف کر دیا گیا اور اِلتمش نے ''شمس الدین'' کا لقب اختیار کر کے حکومت سنبھال لی۔

ابتداء میں اِلتمش کو بے پناہ مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مملکت میں جا بجا باغیوں نے اودھم مچا دیا۔ بنگال میں خلجی امراء بھی خودمختاری کا اعلان کر چکے تھے۔ شہاب الدین غوری کے غلام تاج الدین یلدوز نے جو غزنی کا حاکم تھا، پیش قدمی کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ راجپوتوں نے بھی سرکشی اختیار کر لی۔ حاکم ملتان ناصر الدین قباچہ بھی مقابلے پر نکل آیا مگر شمس الدین اِلتمش نے جرأت، سیاست اور ذہانت سے کام لیتے ہوئے تمام بغاوتوں پر قابو پایا۔ چند برسوں میں اِلتمش نے اکثر منتشر صوبوں کو یکجا کر کے دہلی کی حکومت کو مستحکم تر کر دیا۔

۶۱۹ھ (۱۲۲۲ء) میں منگول فاتح چنگیز خان کی افواج سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں دریائے سندھ کے پار آگئیں۔ اِلتمش نے بڑی حکمتِ عملی سے اس مسئلے کو حل کیا اور خوارزمیوں کی براہِ راست مدد کر کے چنگیز خان کو زور آزمائی کی دعوت دینے کی بجائے سلطان جلال الدین کو پنجاب و سندھ میں آزاد حکومت بنا کر منگولوں کی روک تھام کا موقع دیا۔ اس طرح دہلی منگولوں کی خوفناک یلغار سے محفوظ رہا۔

۶۲۶ھ میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے جو منگولوں کے حملے کے خدشے کے تحت بغداد کے دفاع کو بہتر بنا رہا تھا، اِلتمش کو ایک بیش قیمت خلعت ارسال کر کے اس کی عزت افزائی کی۔ اس موقع پر دہلی میں عظیم جشن منایا گیا۔

اِلتمش کا طرزِ سیاست شورائیت پر مبنی تھا۔ دربار میں ہندو اور مسلم امراء کی ایک وسیع مجلسِ شوریٰ تھی جس میں چالیس

امراء شامل تھے۔ اسے ''امرائے چہل گانہ'' (چالیس امراء) کہا جاتا تھا۔

التتمش کے دربار میں حکم تھا کہ عام لوگ سفید کپڑے پہنیں اور جس پر کوئی ظلم ہوا ہو وہ رنگین کپڑا پہن کر آئے تاکہ بادشاہ اسے دیکھتے ہی فریاد رسی کرسکے۔ محل کے باہر ایک زنجیر لٹکائی گئی تھی جسے کوئی بھی شخص آکر ہلاتا تو التتمش کی آرام گاہ میں لگی گھنٹی بجنے لگتی۔ بادشاہ کی طرف سے اسی وقت فریاد رسی ہوتی چاہے رات کا آخری پہر ہو۔

ہندوستان کے اس عظیم بادشاہ کی رات کا بیشتر حصہ عبادت اور رعایا کے احوال کے لیے گشت میں گزرتا۔ وہ بہت کم سوتا تھا اور جلد بیدار ہو کر باوضو مصلے پر بیٹھ جاتا۔ رات کو وہ گدڑی پہن کر شہر کا گشت کرتا۔ ہاتھ میں اشرفیوں کا ایک تھیلا ہوتا۔ مساجد، خانقاہوں اور بازاروں کا چکر بھی لگاتا۔ لوگوں کے گھروں پر بھی جاتا۔ ان کے حالات معلوم کر کے ان کی مدد کرتا۔ ساتھ ہی یہ تاکید بھی ہوتی کہ اس تعاون کا کسی سے ذکر نہ کیا جائے۔

دن کے وقت اس کے دربار میں ضرورت مند آتے، وہ سب کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتا۔ وہ عوام کو قسمیں دے کر کہتا کہ جب بھی انہیں فقر و فاقے یا کسی ظلم کا سامنا ہو تو وہ فوراً آکر زنجیرِ عدل کھینچیں تاکہ وہ انصاف کرسکے۔

۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) میں اس عظیم بادشاہ نے وفات پائی۔ اس درویش صفت حکمران کو سلسلہ چشتیہ کے گلِ سرسبد خواجہ قطب الدین بختیار کعکی رحمہ اللہ سے خاص عقیدت تھی اور خانقاہِ چشتیہ میں حاضری معمولات کا حصہ تھی۔ خواجہ قطب الدین کی وفات ہوئی تو وصیت فرما گئے کہ میری نمازِ جنازہ وہی پڑھائے جس نے عمر بھر میں کبھی تہجد اور نمازِ عصر کی سنتِ غیر مؤکدہ بھی قضا نہ کی ہو اور کبھی غیر محرم سے تعلق نہ رکھا ہو۔ اب کسی کو نمازِ جنازہ کے لیے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آخر التتمش نے پکار کر کہا:

''میں اپنا راز پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا مگر خواجہ یہی چاہتے تھے کہ راز فاش ہوجائے۔ ان کے حکم کی تعمیل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔'' یہ کہہ کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس دن لوگوں کو التتمش کے زہد و ریاضت اور پرہیزگاری کا صحیح اندازہ ہوا۔[1]

---

① ماخذ:

- منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی: ج ۱ ص ۴۲ تا ۴۷
- تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ: ج ۱ ص ۱۶۷ تا ۱۷۲
- طبقات ناصری از قاضی منہاج السراج: ج ۱ ص ۵۲۰ تا ۵۳۶
- سیرۃ جلال الدین للنسوی ص ۱۶۴، ۱۶۵
- رحلۃ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۳۳۱
- نزہۃ الخواطر: ج ۱ ص ۱۰۳۔ فوائد السالکین: ۲۸، ۲۹
- خزینۃ الاصفیاء: ج ۱ ص ۲۷۵۔ سیر الاولیاء: ۷۵

رضیہ سلطانہ

۶۳۴ تا ۶۳۸ (۱۲۳۶ء تا ۱۲۴۱ء)

رضیہ سلطانہ شمس الدین التمش کی بڑی بیٹی تھی۔ بچپن سے پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ تہجد کی بھی عادی تھی۔ تلاوت، ذکر اذکار اور وظائف کی پابند تھی۔ آخرِ شب میں باپ کے ساتھ بیدار ہوجاتی اور اسے وضو کراتی۔ پھر باپ بیٹی نماز تہجد ادا کرتے۔ رضیہ امورِ سیاست اور فنونِ حرب کی ماہر تھی۔ باپ کے ساتھ جنگی مہمات میں شریک رہی۔ سلطان التمش نے رضیہ کی فہم وفراست دیکھتے ہوئے وفات سے قبل حکومت کی وصیت اسی کے حق میں کی تھی مگر سلطان کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ زبردستی تخت پر بیٹھ گیا۔ وہ نالائق، ظالم اور عیاش تھا۔ اس کے کرتوتوں کے باعث سلطنت کے لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور پورے ملک میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ آخر چھ ماہ بعد ایک انقلاب کے نتیجے میں رُکن الدین کو قتل کر دیا گیا اور اُمرائے سلطنت نے رضیہ کو تخت پر بٹھادیا۔ وہ رضیہ سلطانہ کے لقب سے مشہور ہوئی۔ وہ ہندوستان کی پہلی خاتون حکمران تھی۔

رضیہ حکمران بنی تو بعض صوبے داروں نے بغاوت کردی۔ رضیہ سلطانہ نے خود فوج کی کمان کی اور اپنی جنگی مہارت کا سکہ جمادیا مگر پھر جب دیکھا کہ خانہ جنگی طول پکڑ لے گی تو مذاکرات کے ذریعے بہت سے مخالفین کو منا کر ساتھ ملالیا۔ اس کے بعد بھی جو سردار مخالفت پر ڈٹے رہے ان سے جنگ ہوئی۔ کچھ مارے گئے اور کچھ فرار ہوگئے۔

رضیہ نے حکومت کے پائے مضبوط کرنے کے بعد عوام کو آسودہ حال اور مطمئن رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لوگ اس کے عدل وانصاف کے باعث اسے پسند کرنے لگے۔ اس نے افہام وتفہیم کی پالیسی اپنا کر کئی مخالفین کو ہمنوا بنالیا۔

رضیہ نے خواتین کی اصلاح اور ان میں اسلام کی تبلیغ کرنے میں نمایاں کام کیا۔ وہ خواتین کو ملاقاتوں کا موقع دیتی اور ان کے ساتھ اس قدر مہربانی کا برتاؤ کرتی کہ وہ اس کی گرویدہ ہوجاتیں اور بہت سی غیر مسلم خواتین اسلام قبول کرلیتیں۔ مظلوم خواتین کے لیے ایک الگ محکمہ تھا جس کی نگران رضیہ کی ایک مصاحبہ تھی جو غریب ولاچار عورتوں کے حالات معلوم کرتی اور انہیں انصاف دلاتی۔ وہ علماء کی محافل میں اکثر بیٹھا کرتی تھی، ان سے مسائل پوچھتی اور ملکی امور پر بھی مشورے کرتی۔ اس نے علماء وفقہاء کی ایک کمیٹی مرتب کی تھی جن کے مشورے سے احکام طے ہوتے اور ان کی تشہیر کردی جاتی۔ رضیہ نے اپنے مختصر سے دور میں جابجا مدرسے کھلوائے۔ اس نے اپنے والد کی قائم کردہ درسگاہ جامعہ ناصریہ کو ترقی دے کر ایک بڑا ادارہ بنادیا۔

رضیہ خانقاہوں سے بھی تعاون کرتی تھی۔ یہ زمانہ دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کعکی رحمہ اللہ کی خانقاہِ چشتیہ کے عروج کا تھا۔ خواجہ صاحب وفات پاچکے تھے مگر ان کے خلفاء کی شہرت چہار سو تھی۔ رضیہ نے تخت نشین ہوتے ہی خانقاہوں کے لیے گراں قدر وظائف جاری کیے اور صوفیائے چشتیہ نے جگہ جگہ نئی خانقاہیں کھول کر اسلام کی تبلیغ اور

اُمت کی تربیت کا کام پوری یکسوئی سے شروع کیا، ان خانقاہوں میں صبح وشام لنگر بھی جاری تھا، امیر غریب، ہندو مسلم سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ اس سے مساوات کا ایک بہترین رنگ سامنے آتا اور بہت سے لوگ مشرف با اسلام ہو جاتے۔ رضیہ کی جانب سے خفیہ طور پر ان خانقاہوں کی مالی امداد جاری تھی۔

۶۳۸ھ میں بھٹنڈہ کے ترک حاکم ملک التونیہ نے بغاوت کر دی۔ مجبوراً رضیہ سلطانہ کو لشکر کشی کرنا پڑی۔ سپہ سالار یاقوت حبشی بھی ساتھ تھا جسے رضیہ سلطانہ نے اس کی قابلیت کے باعث ''امیر الامراء'' بنادیا تھا۔ اس نے فوج کو بڑی مہارت سے لڑایا مگر فتح مقدر میں نہ تھی، چنانچہ یاقوت قتل ہو گیا جبکہ رضیہ گرفتار ہو گئی۔ ملک التونیہ نے اسے بھٹنڈہ کے قلعے میں قید کر دیا۔ ادھر دہلی میں کچھ حاسدین کو موقع مل گیا۔ پہلے انہوں نے سلطانہ پر یاقوت حبشی سے عشق کی تہمت لگا کر اسے بدنام کیا اور پھر بغاوت کرا کے سلطان التمش کے ایک بیٹے بہرام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

اُدھر ملک التونیہ نے رضیہ سلطانہ کی خوبیوں سے متاثر ہو کر نہ صرف اسے اعزاز و اکرام کے ساتھ آزاد کر دیا بلکہ اسے نکاح کی پیش کش کی جو رضیہ نے قبول کر لی۔ نکاح کے بعد دونوں نے مل کر دہلی پر فوج کشی کی، مگر عین جنگ کے دوران کئی امراء حریف سے جا ملے۔ رضیہ شکست کھا کر اپنے شوہر ملک التونیہ کے ساتھ فرار ہوئی۔ راستے میں کچھ ہندوؤں نے انہیں پکڑ لیا اور مال وزر کے لالچ میں قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۵ جمادی الاخری ۶۳۸ھ کا ہے۔

رضیہ مذہبی تعلیم کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی بھی ماہر تھی۔ انصاف، سخاوت اور شجاعت اس کی ممتاز صفات تھیں۔ اسے صرف تین سال حکومت کا موقع ملا تاہم وہ حسنِ اخلاق اور فیاضی کی ایک مثال چھوڑ گئی۔ ①

قاضی منہاج السراج جو اُس دور کے ممتاز عالم، بزرگ اور مؤرخ تھے، رضیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سلطانہ رضیہ، اللہ اس کی قبر کو ٹھنڈا کرے، عظیم الشان، عقل مند، عادل اور مہربان تھی۔ علماء کو نوازنے، عوام کا خیال رکھنے والی اور جنگجو خاتون تھی۔ اس میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو بادشاہوں کے شایانِ شان ہوتے ہیں۔''②

ان اوصاف کے باوجود چونکہ نسوانیت کے باعث اس کی سربراہی شرعاً درست نہیں سمجھی جاتی تھی لہٰذا کئی امرائے سلطنت اس سے خوش نہ تھے۔ یاقوت حبشی کو غیر معمولی ترقی دینا بھی شکوک کا سبب بنا۔ حسد کرنے والوں کو موقع ہاتھ آیا تو بات کا بتنگڑ بنا ڈالا اور طرح طرح کی تہمتیں لگائیں۔ یوں رضیہ کے خلاف بغاوت کی راہ ہموار ہو گئی۔

❀❀❀

---

① ماخذ:

❀ طبقاتِ ناصری: ج۱ ص ۵۳۵ تا ۵۴۰ ☆ تاریخ فرشتہ: ج۱ ص ۱۷۵ تا ۱۷۷ ❀ سفر نامہ ابن بطوطہ: ۲/ ص ۳۳۱

❀ تاریخ ہندوستان، ذکاء اللہ: ج۱ ص ۳۷۲ تا ۳۷۴

② طبقاتِ ناصری: ج۱ ص ۵۳۵

ناصر الدین محمود

(۶۴۴ھ تا ۶۶۴ھ (۱۲۴۶ء تا ۱۲۶۶ء)

رضیہ سلطانہ کے مخالف اُمراء نے بغاوت کر کے اس کے بھائی بہرام شاہ کو تخت پر بٹھادیا تھا مگر وہ بالکل ناتجربہ کار تھا، اس لیے ملک کو نہ سنبھال سکا۔ پھر اس کی جگہ التتمش کے پوتے علاؤالدین مسعود کو تخت پر بٹھایا گیا مگر وہ بھی عیش وآرام میں پڑ گیا۔ اُدھر صورتحال یہ تھی کہ منگولوں کے لشکر یکے بعد دیگرے ملک پر حملے کر رہے تھے۔ ایسے میں کچھ مخلص امرائے دہلی نے التتمش کے سب سے چھوٹے بیٹے ناصر الدین محمود کو تخت پر بٹھادیا۔

وہ ایک عابد وزاہد انسان تھا۔ اکثر اوقات ذکر وعبادت اور تلاوت میں گزارتا تھا۔ اس نے ترک جرنیل غیاث الدین بلبن کو، جو اس کا سسر اور بڑا تجربہ کار امیر تھا، ''خانِ اعظم'' کا خطاب دیا اور زیادہ تر اختیارات اسی کو دے دیے۔ بلبن نے ہر ذمہ داری بخوبی نبھائی۔ اس نے سرکش امراء کو برطرف کر کے حکومت کو مستحکم کر دیا۔ راجپوتوں، کھکھروں اور میواتیوں کی سرکشی کا زور بھی توڑ دیا۔

ناصر الدین محمود شجاعت وبسالت میں بھی کسی سے کم نہ تھا۔ جب ۶۵۵ھ میں منگولوں نے لاہور سے ملتان تک تاخت وتاراج کا سلسلہ شروع کیا تو ناصر الدین خود فوج لے کر ملتان پہنچا جس سے مرعوب ہو کر منگول پسپا ہو گئے۔ اس کے بعد غیاث الدین بلبن دوسری فوج لے کر آیا اور سخت جنگوں کے بعد انہیں مار بھگایا۔

سلطان ناصر الدین محمود بیس سالہ اقتدار کے بعد ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) میں دنیا سے رخصت ہوا۔ وہ شاہی لباس صرف دربار کے اوقات میں پہنتا ورنہ معمولی سادہ کپڑوں میں رہتا۔ ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کے دو نسخے کتابت کرتا اور ان کے ہدیے سے اپنی گزر بسر کرتا۔ اس کا بھی خیال رکھتا کہ اس کے لکھے ہوئے نسخے عام قیمت پر فروخت ہوں اور کسی کو پتا نہ چلے کہ یہ بادشاہ کی کتابت ہے۔ اس کے گھر میں کوئی باندی یا خادمہ تک نہ تھی۔ اس کی بیوی، نائب سلطنت بلبن کی بیٹی تھی مگر اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی اور گھر کے باقی کام انجام دیتی۔ ایک بار کام کرتے کرتے اس کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تو اس نے سلطان سے امورِ خانہ داری کے لیے کوئی باندی یا خادمہ مقرر کرنے کی درخواست کی مگر سلطان نے انکار کر دیا اور کہا: ''سرکاری خزانے پر صرف رعایا کا حق ہے۔''[1]

❀❀❀

---

[1] مآخذ:

❀ تاریخ فرشتہ: ج ۱ص ۱۷۹ تا ۱۸۹

❀ منتخب التواریخ: ج ۱ص ۸۹

❀ طبقات اکبری: ج ۱ص ۷۷

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ھ تا ۶۸۵ھ (۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۶ء)

غیاث الدین بلبن ایک ترک امیر زادہ تھا جو لڑکپن میں تاتاریوں کے حملے کے دوران قیدی بنا اور غلام بنا کر فروخت کیا گیا۔ التمش نے خرید کر اسے اپنا معتمد بنایا۔ التمش کی وفات کے بعد وہ سلطنت کا اہم ترین رکن رہا۔

ناصر الدین محمود کے دور میں سارا ملکی انتظام اسی کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا ناصر کی وفات کے بعد حکومت خود بخود بلبن کے ہاتھ میں آگئی۔ اس نے ایک بہترین حکمران ہونے کا ثبوت دیا۔ وہ بڑا مدبّر، زیرک اور عاقبت اندیش تھا۔ انتظامی جدتوں کے ذریعے اس نے حکومت کو بے حد مستحکم کر دیا۔ اس کی ہر ہدایت اور فیصلے کے پیچھے گہری سوچ مضمر ہوتی تھی۔

بلبن کے دور میں منگول بغداد کی فتح پر مغرور ہو کر برصغیر کو پامال کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان پر رعب داب قائم رکھنے کے لیے بلبن نے سادگی کو ترک کر کے، غیر معمولی شان وشوکت اختیار کی اور آدابِ شاہی مقرر کر کے ان کی سخت پابندی شروع کرائی۔ جب بلبن کی سواری نکلتی تو سینکڑوں امراء، نقیب، گھڑ سوار اور پیادے چلتے۔ ہر قدم پر ''بسم اللہ'' کی آوازیں اس طرح بلند ہوتیں کہ شہر اور جنگل گونج اٹھتے۔ دربارِ شاہی میں سجاوٹ اور ہیبت کا ایسا ماحول تھا جسے دیکھ کر بعض اوقات مہمان راجاؤں، سفیروں اور رئیسوں کو غش آجاتا۔ وہ ایک باوقار انسان تھا۔ اسے کبھی ننگے سر یا ننگے پاؤں نہیں دیکھا گیا۔ وہ کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنسا۔ اس کا کہنا تھا: ''بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی شان و شوکت اور رعب داب کو مناسب موقع پر استعمال کرے۔ خدا ترسی اور خلقِ خدا کی بھلائی ہمیشہ اس کے پیشِ نظر رہے۔''

۶۷۷ھ (۱۲۷۸ء) سے ہندوستان پر منگولوں کے لگاتار حملے شروع ہو گئے۔ بلبن نے بڑی پامردی سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں پے در پے شکستیں دیں۔ اس طرح ہندوستان اس غیر مہذب قوم کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا۔

منگولوں سے نمٹنے کے لیے بلبن نے بہترین دفاعی حکمتِ عملی تیار کی جس کے مطابق دوسری ریاستوں پر فوج کشی ترک کر دی گئی تا کہ اپنے ملک کے انتظامات پر زیادہ توجہ دی جا سکے۔ سرحدوں پر درجنوں قلعے تعمیر کرا کے ان میں بکثرت سپاہی مقرر کر دیے گئے تا کہ منگولوں کو ہر قدم پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ دور دراز کی مہمات پر فوجیں بھیجنا ترک کر دیا گیا تا کہ بوقتِ ضرورت افواج فوراً میسر آجائیں۔ سرحدی علاقوں کے کھوکھر اور گکھڑ قبائل کو وفادار بنا لیا گیا تا کہ منگولوں کو برصغیر میں اپنے حمایتی حاصل کرنے کا موقع نہ ملے۔

بلبن نے منگولوں کے حملوں کے باعث نقل مکانی کرنے والے لاکھوں مہاجرین کی آباد کاری پر بھی خوب توجہ دی۔ دہلی میں مہاجرین کے ہر خاندان اور برادری کے الگ الگ محلے بنائے گئے۔ بلبن کی سیرت سے بہت سے منگول سردار متاثر ہوئے اور انہوں نے بلبن کے دربار میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ان کے لیے ''چنگیزی محلہ'' تعمیر کیا گیا۔

۶۸۴ھ میں (۱۲۸۵ء) میں بلبن کو منگولوں کی پیش قدمی کی خبر ملی تو اس نے اپنے ولی عہد شہزادہ محمد خان کو جہاد

کے لیے بھیجا۔ اس مہم میں شہزادہ منگولوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ بیٹے کی موت نے بلبن کو نڈھال کر دیا اور وہ بیمار ہو کر بستر سے لگ گیا۔ اسی مرض میں اس نے ۶۸۵ھ (۱۲۸۶ء) میں وفات پائی۔

بلبن سلطنت کے اہم امور کے لیے قابل اور موزوں ترین افراد تلاش کرتا اور انہیں اچھی طرح دیکھتا بھالتا تھا۔ وہ منصب داروں کی خاندانی شرافت اور عالی نسبی کا بھی خیال رکھتا تھا۔ وہ اپنی اولاد اور ساتھیوں کو اصولِ سیاست کی تعلیم دینے کا بڑا اہتمام کرتا تھا۔ اپنے شہزادوں اور اُمراء کے لیے اس کی بعض نصیحتیں یہ ہیں:

''ملکی مہمات کو اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کیے بغیر سر نہ کیا جائے۔''

''احکام جاری کرتے ہوئے اپنی خواہشات کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے۔''

''اپنے خدمت گاروں کو بے التفاتی کا شکار نہیں بنانا چاہیے۔ ان کی ضروریات کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔''

''جس شخص نے دنیا سے منہ موڑ کر خدا کی ذات پر بھروسہ کیا ہو، اس کی ہمیشہ حمایت کی جائے۔''

''لالچی اور بے رحم لوگوں سے کبھی بھلائی کی توقع نہ رکھنا۔''

''اپنی حفاظت ہر وقت کرنا کہ بادشاہ کی جان رعایا کے لیے ڈھال ہے۔''

''جس کام کی تکمیل میں شبہ ہو، اس میں ہاتھ مت ڈالنا، کام کو ادھورا چھوڑ دینا بادشاہ کے لیے باعثِ رسوائی ہے۔''

''سستی اور غیر ضروری نرمی کو پاس نہ پھٹکنے دینا کیوں کہ اس طرح سرکشوں کی ہمت بڑھتی ہے۔''

''جس شخص کی تم ایک بار عزت کرو، اسے چھوٹی سی خطا پر کبھی ذلیل نہ کرنا۔''

''شرفاء کو تکلیف دینے میں جلد بازی نہ کرنا۔ ایسے لوگوں کی بے عزتی کا زخم آسانی سے نہیں بھرتا۔''

بلبن انصاف کے معاملے میں بڑا بے لچک تھا۔ کسی مجرم سے رعایت نہیں برتتا تھا چاہے وہ کتنا ہی بڑا عہدے دار کیوں نہ ہو۔ بدایوں کے صوبے دار ملک عتیق نے ایک خادم کو اتنے کوڑے مارے کہ وہ مر گیا۔ خادم کی بیوہ نے بلبن کے پاس فریاد کی۔ بلبن نے صوبے دار کو گرفتار کر کے اتنے ہی کوڑے لگوائے جس سے اس کی جان نکل گئی۔ اس کے بعد لاش عبرت کے لیے بدایوں کے پھاٹک پر لٹکا دی گئی۔

بلبن بادشاہت سے پہلے ورع و تقویٰ کا عادی نہ تھا مگر تخت نشینی کے بعد اس نے کبھی تہجد، اشراق اور چاشت بھی قضا نہیں کی۔ ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔ دستر خوان پر علماء و مشائخ سے مسائل پوچھتا رہتا تھا۔ نمازِ جمعہ کے بعد بزرگانِ دین کی زیارت کے لیے ان کی رہائش گاہوں پر حاضری دیتا۔[1]

❁❁❁

[1] ماخذ:

❁ تاریخ فرشتہ: ج ا ص ۱۹۰ تا ۲۰۳

❁ منتخب التواریخ: ج ا ص ۳۵ تا ۳۸ طا ایران

❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ: ج ا ص ۳۸۷ تا ۳۹۰

❁ جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ص ۳۹۳ تا ۳۲۷

خلجی سلطنت

۶۸۹ھ تا ۷۲۰ھ (۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء)

مدتِ اقتدار ۳۰ سال

سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی

۶۸۹ھ تا ۶۹۵ھ (۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۶ء)

غیاث الدین بلبن کے بعد سلطنتِ غلاماں انتشار کا شکار ہوگئی۔ یکے بعد دیگرے نا اہل شہزادے تخت پر بیٹھنے لگے۔ دوسری طرف امرائے دربار کی سازشیں شروع ہوگئیں اور آئے دن بغاوتیں ہونے لگیں۔

ان حالات میں بہاولپور کے ایک طاقتور اور عمر رسیدہ امیر جلال الدین فیروز خلجی نے دہلی کا رخ کیا اور وہاں کے ہم خیال امراء کو ساتھ ملا کر ۶۸۷ھ (۱۲۹۰ء) میں تختِ دہلی پر قبضہ کرلیا اور خلجی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

سلطان جلال الدین خلجی ایک خوش اخلاق اور نرم دل حکمران تھا۔ طاقت کی جگہ مہربانی اور کشادہ ظرفی سے ماتحتوں کو وفادار رکھنے کا قائل تھا۔ اس نے ۷۰ سال کی عمر میں دہلی کا تخت سنبھالا اور حکومت پر ترکوں کی اجارہ داری ختم کرکے تمام قبائل کو حکومت میں شمولیت کے مواقع فراہم کیے۔ اس کا دربار اہلِ علم وفضل سے بھرا رہتا تھا جن میں امیر خسروؒ، مؤید جرجانی اور تاج الدین عراقی جیسے لوگ شامل تھے۔

جلال الدین خلجی نے تخت نشینی کے بعد دہلی سے متصل اراضی میں فصیل چنوا کر اس کے اندر شاہی محل، جامع مسجد اور بازار بنوائے اور اس نئے محلے میں سکونت اختیار کرلی۔ یوں دہلی، دو حصوں: پرانی دہلی اور نئی دہلی میں تقسیم ہوگیا۔

سلطان جلال الدین خلجی بہت رحم دل اور شریف طبع انسان تھا۔ اس کی نرمی اور مہربانی کے قصے مشہور ہیں۔ بادشاہ بننے سے قبل ایک جنگ میں ''منڈاہر'' قوم کے ایک جنگجو سے اس کی دوبدو لڑائی ہوئی جس میں ''منڈاہر'' کی تلوار سے اس کے چہرے پر زخم آگیا اور اس کا نشان کبھی مٹ نہ سکا۔ سلطان کی بادشاہت کی خبر سن کر وہ منڈاہر معافی مانگنے دربار میں پہنچا۔ سلطان نے نہ صرف اسے معاف کردیا بلکہ کہا: ''میں نے اس جیسا بہادر آدمی زندگی میں نہیں دیکھا۔'' جس زمانے میں وہ ''کیتھل'' کا صوبہ دار تھا، وہاں سراج الدین نامی ایک شاعر نے اس کی ہجو کہی اور اسے ''خلجی نامہ''

کا نام دیا۔ جب جلال الدین خلجی بادشاہ بنا، تو شاعر گھبرا کر روپوش ہوگیا۔ پھر اس ڈر سے کہ کبھی نہ کبھی پکڑا جاؤں گا، سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گستاخی کی معافی طلب کی۔ سلطان نے کچھ کہے بغیر نہ صرف معاف کردیا بلکہ خلعت سے نواز کر ایک گاؤں کی جاگیر اس کے نام کردی۔

جلال الدین خلجی کی بادشاہت کے دوسرے سال کچھ اُمراء نے ہندو راجاؤں کو ساتھ ملا کر بغاوت کردی۔ تاہم جلال الدین خلجی کے نائبین نے انہیں شکستِ فاش دی اور گرفتار کرلیا۔ جب باغیوں کو زنجیریں پہنا کر سلطان کے سامنے لایا گیا تو سلطان ان کی حالت نہ دیکھ سکا اور آنکھوں پر رومال رکھ کر کہا: ''یہ کیا ہے! ان سب کو حمام میں لے جاؤ۔'' چنانچہ انہیں تیار کر کے بہترین پوشاکوں میں سلطان کے پاس لایا گیا۔ سلطان نے ان سب کو معاف کردیا اور بڑی مہربانی کا سلوک کیا۔ باغی سردار بہت شرمندہ ہوئے اور آئندہ وفاداری کا عہد کرلیا۔

جلال الدین خلجی رحم دل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا بہادر سپاہی بھی تھا۔ اس کے دور میں سرحداتِ ہند پر منگولوں کی یلغار دوبارہ شروع ہوگئی۔ ۶۹۱ھ میں ایک لاکھ تاتاری سپاہی چنگیز خان کے نواسے ''الغوخان'' کی قیادت میں پنجاب میں آگھسے۔ جلال الدین خلجی کی عمر اس وقت ۸۸ سال ہو چکی تھی مگر اُس نے خود فوج کی کمان کرتے ہوئے منگولوں کا بھرپور مقابلہ کیا اور انہیں شکستِ فاش دے کر دو ہزار تاتاری افسران کو زندہ گرفتار کرلیا۔ فتح کے بعد اس نے قیدیوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اُس نے چنگیز خان کے نواسے کو بیٹا کہہ کر یاد کیا اور اُس نے جواب میں خلجی کو باپ کہہ کر مخاطب کیا۔ فریقین میں تحائف کا تبادلہ ہوا جس کے بعد تاتاری لشکر واپس لوٹ گیا۔ کچھ مدت بعد الغوخان سلطان کا حسنِ سلوک دیکھ کر اپنے لشکر سمیت مشرف با اسلام ہوگیا اور سلطان نے اسے عزت دیتے ہوئے اپنا داماد بنالیا۔ الغو خان اور اس کے ساتھیوں کو دہلی کے ایک نواحی محلے میں آباد کیا گیا جو بعد میں مغل پورہ کہا جانے لگا۔

اس فرشتہ سیرت بادشاہ کو ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) میں اس کے بھتیجے علاؤ الدین خلجی نے جو اودھ کا صوبہ دار تھا، دھوکے سے قتل کرادیا۔ ہوا یہ تھا کہ علاؤ الدین خلجی نے دیوگری (موجودہ مہاراشٹر) کو فتح کر کے وہاں کی بے پناہ دولت حاصل کرلی تھی اور وہ یہ دولت خود رکھنا چاہتا تھا، اس لیے وہ پایۂ تخت حاضر نہ ہوا۔ اس بناء پر سلطان اس سے ناراض ہوگیا۔ جب معاملے نے طول پکڑا تو علاؤ الدین خلجی نے سلطان کو مذاکرات کے لیے اپنی خیمہ گاہ میں آنے کی دعوت دی۔ سلطان اس پر اعتبار کر کے وہاں چلا گیا جہاں علاؤ الدین نے اسے قتل کرادیا۔ ①

❁❁❁

① ماخذ: ❁ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، ص ۱۴۳ تا ۱۵۴
❁ طبقاتِ اکبری: ص ۶۰
❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۲۱۸ تا ۲۳۰
❁ تاریخ مبارک شاہی: ص ۴۰ تا ۴۲
❁ منتخب التواریخ: ج ۱ ص ۱۱۹، ط ایران
❁ تاریخ ہندوستان، از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۳ تا ۱۳

علاؤالدین خلجی

(۶۹۵ھ تا ۷۱۶ھ (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء)

علاؤالدین خلجی اپنے چچا کو قتل کر کے ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ وہ تعلیم یافتہ نہ تھا مگر امور سیاست اور فنونِ حرب کا ماہر تھا۔ اس نے چار لاکھ ۷۵ ہزار گھڑ سواروں کا عظیم لشکر تیار کر کے ملک کو منگولوں کے حملوں سے بچائے رکھا۔ اس نے اسلحہ سازی کے کارخانے کھلوا کر فوج کو بہترین ہتھیاروں سے آراستہ کیا۔ سرحدوں پر نئے اور مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ اس کے دور میں چھوٹی بڑی ۸۴ جنگیں ہوئیں جن میں ہمیشہ اسے فتح نصیب ہوئی۔

علاؤالدین خلجی کے دور میں منگولوں سے پہلی جنگ ۶۹۷ھ میں ہوئی۔ دو لاکھ منگول گھڑ سوار دریائے جمنا کے کنارے پہنچے تو علاؤالدین تین لاکھ سواروں کے ساتھ نکلا اور منگولوں کو نہایت شدید جنگ کے بعد پسپا کر دیا۔

۷۰۳ھ (۱۳۰۴ء) میں منگولوں نے دوسرا حملہ کیا اور بڑی تیزی سے دریائے جمنا کے کنارے آن پہنچے۔ علاؤالدین خلجی کی افواج دیگر محاذوں پر مصروف تھیں لہٰذا مقابلہ بہت مشکل تھا۔ بادشاہ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہو کر ان سے دعا کرائی۔ چند دنوں بعد حملہ آور لشکر اچانک واپس چلا گیا۔

اگلے سال منگولوں کا تیسرا حملہ ہوا مگر علاؤالدین خلجی کے سپہ سالار غازی ملک نے ایک قہر انگیز جنگ کے بعد انہیں شکستِ فاش دی۔ ۷۰۵ھ (۱۳۰۶ء) میں منگولوں نے چوتھا حملہ کیا، اس بار غازی ملک نے انہیں دریائے سندھ کے کنارے روک کر اس طرح روندا کہ ان کے ساٹھ ہزار میں سے صرف چار ہزار زندہ بچ سکے۔ کچھ عرصے بعد منگولوں کا پانچواں حملہ ہوا۔ غازی ملک اس بار بھی انہیں شکست دینے میں کامیاب رہا۔

اس کے بعد غازی ملک نے تاتاریوں کو مرعوب کرنے کے لیے ان کے علاقوں پر جارحانہ حملے بھی شروع کر دیے۔ اس طرح دشمن اپنے دفاع پر مجبور ہو گیا اور ہندوستان فتح کرنے کا خیال اس کے ذہن سے نکل گیا۔

علاؤالدین کے دور میں گجرات کی فتح خاص اہمیت رکھتی ہے جو ۶۹۷ھ (۱۲۹۸ء) میں فتح کیا گیا۔

علاؤالدین خلجی پہلا مسلم حکمران تھا جس نے جنوبی ہندوستان میں فتوحات حاصل کیں اور دکن کی کئی ریاستوں کو فتح کیا مگر چوں کہ وہاں مسلم آبادی نہ ہونے کے باعث ان ریاستوں کو باقاعدہ طور پر سلطنتِ دہلی کا حصہ بنانا مشکل تھا، لہٰذا خلجی نے دکن سے صرف اقتصادی فائدہ اٹھایا اور وہاں مقامی حکومتوں کو قائم رہنے دیا۔

علاؤالدین خلجی نے بکثرت معاشی اصلاحات کیں جن سے پیداوار میں اضافہ ہوا اور اشیائے صرف سستی ہو گئیں۔ وہ پہلا حکمران تھا جس نے برصغیر میں راشن بندی کا نظام متعارف کرایا۔ اس کے دور میں کسی چیز کی قیمت میں کمی بیشی نہ ہوئی۔ اس نے ٹیکس وصولی کرنے کے نظام کو بہتر بنایا۔ ذخیرہ اندوزی کو سخت جرم قرار دیا۔ اگر کوئی ذخیرہ اندوز پکڑا جاتا تو اس پر جرمانہ عائد ہوتا اور سارا اناج ضبط کر کے سرکاری غلہ خانے میں جمع کر دیا جاتا۔

ملک بھر کے غلہ فروشوں کو یہ حکم تھا کہ وہ دریائے جمنا کے کنارے ایک ہی منڈی میں اناج کے گودام بنائیں جہاں انہیں سرکاری نرخ کے مطابق فروخت کیا جائے۔ اناج کی نقل وحمل کے سارے اخراجات حکومت کے ذمہ تھے تاکہ پورے ملک میں اناج کا بھاؤ یکساں رہے اور فاصلوں کی زیادتی سے قیمتوں میں اضافہ نہ ہو۔ علاؤ الدین کے دور میں گراں فروشی سخت جرم قرار دی گئی تھی۔ بازاروں میں اشیائے صرف کی سرکاری قیمتیں آویزاں کی جاتی تھیں تاکہ تاجر زیادہ قیمت وصول نہ کرسکیں۔ تاجروں سے تحریری عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ناجائز نفع خوری اور دیگر بدعنوانیوں سے دور رہیں گے۔ خلاف ورزی کے مرتکب تاجروں کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ خفیہ پولیس کے ذریعے بازاروں اور منڈیوں میں نرخوں کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ ان اصلاحات کے باعث علاؤ الدین خلجی کو ایک ماہر معیشت دان مانا جاتا ہے۔

اس کے دربار سے ۷۰ ہزار ہنر مند وابستہ تھے جن میں سات ہزار معمار اور مزدور تھے جو بڑی عمارت دو ہفتے اور چھوٹی دو تین دن میں تیار کر لیتے تھے۔ تعمیر کے لیے بادشاہ جتنا وقت دیتا اس میں ایک دن کی کمی بیشی نہیں ہوتی تھی۔

علاؤ الدین خلجی اگرچہ انتظامی لحاظ سے نہایت فعال حکمران تھا تاہم وہ علمِ دین سے ناواقف تھا اور علماء سے رہنمائی لینے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اسی لیے ایک بار وہ سخت گمراہی کا شکار ہوگیا اور ایک نیا دین رائج کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اس خبر سے سخت فکر لاحق ہوئی اور وہ اس کی ہدایت کے لیے دعا گو ہوئے۔ آخر ایک مصاحب علاء الملک نے حکمت وتدبیر سے بادشاہ کی سوچ کا دھارا درست کیا۔ امرائے دہلی نے خوش ہو کر علاء الملک کو قیمتی تحائف اور خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بہت دعائیں دیں۔

اس کے بعد علاؤ الدین خلجی نے پڑھنا لکھنا سیکھا، کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور علماء سے مسائل کے بارے میں گفتگو بھی کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ قائل ہوگیا کہ علمائے دین کا حکومت اور معاشرے کی رہنمائی میں اہم کردار ہے۔

علاؤ الدین خلجی بیمار ہو کر ۶ شوال ۷۱۶ھ (۳ جنوری ۱۳۱۷ء) کو دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس نے بیس سالہ طویل دورِ حکومت میں اپنی سلطنت کا دفاع بھی کیا اور اسے اقتصادی اعتبار سے مستحکم اور رقبے کے لحاظ سے وسیع تر کر دیا۔ ①

علاؤ الدین خلجی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ راجھستان کے شہر چتوڑ کی رانی پدمنی کے عشق میں مبتلا تھا اور اسے حاصل کرنے کے لیے اس نے فریب اور ظلم سے کام لیا مگر رانی نے خودکشی کر کے خود کو بچا لیا۔ یہ افسانہ علاؤ الدین خلجی کی وفات کے دو سو سال بعد پہلی بار ہندی کی ایک تخیلاتی ہندی نظم "پدماوت" میں اختراع کیا گیا تھا۔ خود ہندو محققین مثلاً ڈاکٹر کے ایس لال اور ڈاکٹر گوری شنکر کے مطابق اس قصے کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ②

❁❁❁

① ماخذ: ☆ تاریخ فرشتہ: ج ا ص ۲۳۲ تا ۲۷۸
❁ تاریخ مبارک شاہی: ص ۳۶ تا ۲۹، ط ایران
❁ تاریخ ہند از سید ہاشمی فرید آبادی: ص ۲۹۳ تا ۳۰۲، ط جامعہ عثمانیہ دکن
❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۷۶ تا ۸۷
❁ منتخب التواریخ: ا ص ۸۵ تا ۹۲، ط ایران
❁ سلطان علاؤ الدین خلجی از مولوی محمد سعید باپوزی: ص ۳۰ تا ۶۶

② جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ص ۵۲۵، ۵۲۶

خاندانِ تغلق

۷۲۰ھ تا ۸۱۷ھ (۱۳۲۱ء تا ۱۴۱۴ء)

مدتِ اقتدار: ۹۳ سال

غیاث الدین تغلق

۷۲۰ھ تا ۷۲۴ھ (۱۳۲۱ء تا ۱۳۲۵ء)

سلطان علاؤ الدین خلجی کے بعد بعض خود غرض امراء نے اس کے چھ سالہ بیٹے شہاب الدین عمر کو تخت نشین کر دیا مگر کچھ ہی دنوں بعد سلطان کا ایک اور لڑکا مبارک شاہ اقتدار پر قابض ہوگیا جو نکما اور عیش پرست تھا۔ یہاں سے خلجی خاندان کا زوال شروع ہوگیا۔ مبارک شاہ نے ایک لالچی اور عیار افسر خسرو خان کو اپنا ندیم خاص بنا لیا جس نے سارے نظام کو الٹ پلٹ کر دیا۔ ۷۲۰ھ (۱۳۲۱ء) میں خسرو خان نے مبارک شاہ کو اس کے خاندان سمیت قتل کرا کے خود تخت سنبھال لیا۔ یوں خلجیوں کا دورِ حکومت صرف تیس سال رہ کر اختتام پذیر ہوگیا۔

خسرو خان نے تخت نشینی کے بعد مسلم امراء کو برطرف کر کے ہندوؤں کو بڑے بڑے مناصب دیے۔ خلجیوں کی جمع شدہ دولت اور مدفون خزانے نکلوا کر اپنے حامیوں میں تقسیم کر دیے۔ اس طرح سلطنت کا خزانہ تقریباً خالی ہوگیا۔ اس زمانے میں متعصب ہندوؤں کی طرف سے اسلام کی توہین، مساجد کے انہدام اور قرآن مجید کی بے حرمتی کے واقعات بھی عام ہوگئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے گائے کے ذبیحے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

❁❁❁

ایسے میں تُغلق قبیلے کے نامور تُرک جرنیل غازی ملک نے سامنے آ کر حالات کو سنبھالا۔ وہ علاؤ الدین خلجی کے دور میں دیپال پور کا صوبہ دار تھا۔ اس کا اصل نام غیاث الدین تھا مگر منگولوں کے خلاف جہادی کارناموں کے باعث لوگ اسے ''غازی ملک'' کہہ کر یاد کرتے تھے۔ اُس نے خسرو خان کے ظلم وستم کے خاتمے کے لیے اُچ اور ملتان کے امراء کو ساتھ ملا کر دہلی پر یلغار کی۔ خسرو خان اور اس کے حامی ہندو سردار اپنی فوجیں لے کر مقابلے پر نکلے۔

آخر سخت جنگ کے بعد غازی ملک کو فتح نصیب ہوئی۔ خسرو خان قتل ہوگیا اور یوں ۷۲۱ھ (۱۳۲۰ء) میں

ہندوستان پر تغلق خاندان کی حکومت قائم ہوگئی جس کا پہلا سربراہ غیاث الدین تغلق تھا۔

یہ بادشاہ بڑا با کردار اور مذہبی انسان تھا۔ اکثر باوضو رہتا۔ مکاری اور عیاری سے پاک، بے تکلف اور صاف طبع آدمی تھا۔ وہ بڑا معتدل مزاج تھا اور ہمیشہ مناسب و متوازن رائے کو ترجیح دیتا تھا۔ کسی کو حد سے زیادہ انعام دیتا، نہ بلاضرورت سختی برتتا۔ حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے خلجی کے خاندان کے بزرگوں اور خواتین کو بڑی عزت دی۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اس نے ملکی نظام کو دوبارہ صحیح رُخ پر چلا دیا اور نیک نیتی اور حسنِ انتظام کے ذریعے ان تمام کمزوریوں کو دور کردیا جو آخری خلجی سلاطین اور خسرو خان کے ایام میں پیدا ہوگئی تھیں۔ اس نے قابل افراد کو ترقیاں دیں اور بے کار قسم کے لوگوں کو عہدوں سے برطرف کردیا اور باغیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر حکومت کا زائل شدہ وقار بحال کردیا۔

دکن میں بغاوتوں کا رجحان بہت زیادہ تھا۔ غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے جونا خان کو بھیج کر وہاں کی بغاوتوں پر قابو پالیا۔ بنگال کے گورنر شمس الدین فیروز شاہ کی موت کے بعد وہاں مسلسل شورشوں نے اس صوبے کو مرکز سے کاٹ دیا تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے خود فوج لے کر بنگال پہنچا اور بنگال کا نظم و نسق بحال کیا۔ واپسی پر اس نے دیگر ہندو راجاؤں کو بھی اطاعت پر آمادہ کرلیا۔ اس مہم سے واپسی پر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں سلطان کی وفات ہوگئی۔

سلطان نے اپنے دور میں ملک اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بے شمار کام کیے۔ اس نے جرائم کا سدباب کرکے ملک میں امن و امان قائم کردیا۔ مزدوروں کی اجرت میں ایک چوتھائی اضافہ کردیا۔ جاگیرداری کا قدیم نظام بدل ڈالا۔ درباری محفلوں اور شراب نوشی پر پابندی عائد کردی۔ محکمہ ڈاک کو ترقی دے کر تیز رفتار رابطہ رسانی ممکن بنائی۔ تمام ناجائز ٹیکس معاف کردیے۔ اس کے دور میں فوج کی جدید تنظیم کی گئی۔ اس نے ہندوؤں سے بھی مہربانی اور فیاضی کا سلوک کرکے انہیں وفادار بنائے رکھا۔ اس کی کوشش یہ ہوتی کہ خوشی اور مسرت کے مواقع میں عوام و خواص سب شریک ہوں۔ وہ شادی یا کسی فتح کی اطلاع پر علماء، امراء اور عمائد کو جمع کرتا، اور سب کو انعامات سے نوازتا۔ مشائخ اور صوفیائے کرام کو ان کی خانقاہوں میں تحائف بھیجتا۔

اس کا دورِ حکومت چار سال اور چند ماہ تک رہا مگر اس کے جیسی وسیع سلطنت اس کے بعد مغل بادشاہوں میں سے بھی اورنگ زیب کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ ①

❁❁❁

① مآخذ: ❁ منتخب التواریخ: ج۱ ص ۱۴۷ تا ۱۵۳
❁ تاریخ مبارک شاہی: ص ۸۷ تا ۹۱، ۱۳۲ تا ۱۳۰
❁ سفرنامہ ابن بطوطہ: ۲ ص ۳۴۲، ۳۴۳
❁ تاریخ فرشتہ: ج۱ ص ۲۹۳ تا ۲۹۷
❁ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ: ص: ۲ ص ۹۷ تا ۱۰۱

سلطان محمد تغلق

(۷۲۴ھ تا ۷۵۲ھ (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء)

غیاث الدین کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا جونا خان "محمد تغلق" کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ وہ قرآن مجید کا حافظ تھا۔ فقہ حنفی کی تمام کتابیں اسے ازبر تھیں۔ اس کا حافظہ ایسا تھا کہ جو بات ایک بار سن لیتا، اسے کبھی بھولتا نہ تھا۔ دورانِ حکومت بھی اس کا خاصا وقت مطالعے میں گزرتا۔ عموماً فتوحات کی منصوبہ بندی میں لگا رہتا تھا۔ اس کی سخاوت حد سے زیادہ تھی۔ ضرورت مندوں کو مالا مال کر دیتا اور حد سے زیادہ دے کر بھی اسے کم تصور کرتا۔ متقی ایسا تھا کہ حرام چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن لوگوں کا خون بہانے میں اسے کوئی برائی نظر نہ آتی تھی۔ اس کے دربار میں جلاد تیار کھڑے رہتے تھے اور معمولی باتوں پر لوگوں کے سر قلم کر دیے جاتے تھے۔

اس کے کردار کے متعلق ابن بطوطہ کا درجِ ذیل بیان قابلِ غور ہے:

"ہندوستان کا بادشاہ سخاوت اور خوں ریزی دونوں میں مشہور ہے، کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ کوئی فقیر امیر نہ بن جاتا ہو اور کوئی زندہ مارا نہ جاتا ہو۔ بادشاہ کی فیاضی و دلیری اور سختی و خونریزی دونوں کے قصے ہر کسی کی زبان پر ہیں۔ اس کے باوجود میں نے اس سے زیادہ منکسر المزاج اور انصاف پسند آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ وہ شریعت کا پابند ہے۔ نماز کے معاملے میں سختی کرتا ہے۔ نماز نہ پڑھنے والوں کو سزا دیتا ہے۔"[1]

ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار کسی بچے نے اس پر بلاوجہ پٹائی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے سلطان کو حکم دیا کہ وہ بچے کو راضی کرے ورنہ قصاص دے۔ بچہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ آخر سلطان نے بچے کو لاٹھی دی اور کہا: "مجھے اسی طرح مارو، جیسے میں نے تمہیں مارا تھا۔" ابن بطوطہ نے اس منظر کا بچشم خود نظارہ کیا اور لکھا: "بچے نے سلطان کو ۲۱ ضربیں لگائیں، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ سلطان کے سر سے ٹوپی گر گئی۔"[2]

محمد تغلق نے تخت نشینی کے بعد سرکاری خزانے میں اضافے کے لیے متعدد اقدامات کیے۔ پورے ملک میں مال گزاری کے نظام کو منظم کیا اور ہر صوبے کے حسابات کی پڑتال کرائی۔

محمد تغلق برصغیر کا وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے "کرنسی نوٹ" کا تصور پیش کیا۔ اس نے تانبے کے علامتی سکے جاری کیے جنہیں چاندی کے سکوں کی حیثیت حاصل تھی مگر کچھ لوگوں نے ایسے جعلی سکے بنا کر سرکاری خزانے کو سخت نقصان پہنچایا۔ محمد تغلق کے ایسے منصوبے عوام کیا خواص کی سمجھ سے بھی باہر تھے۔ اس لیے یہ تجربہ کامیاب نہ ہو سکا۔

محمد تغلق نے ایک اور نقصان دہ تجربہ بھی کیا، یعنی دہلی کی جگہ دیوگری (مہاراشٹر) میں نیا پایہ تخت قائم کرنے کا

---

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۳۰۵

(۲) سفرنامہ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۳۶۵

فیصلہ کیا تا کہ جنوب مغرب میں پھیلنے والی سلطنت کو بہتر طور پر چلایا جا سکے۔ نئے پایۂ تخت کا نام ''دولت آباد'' رکھا گیا اور وہاں بے تحاشا دولت خرچ کر کے عظیم الشان عمارات تعمیر کی گئیں۔ اس کے بعد دہلی کی پوری آبادی کو وہاں منتقل ہو جانے کا حکم دیا گیا۔ لوگوں نے اس حکم پر بادلِ نخواستہ عمل کیا مگر دولت آباد کی آب و ہوا دہلی جیسی صحت بخش ثابت نہ ہوئی۔ لہٰذا لوگ بہت تنگ آ گئے۔ آخر آٹھ سال بعد محمد تغلق نے دوبارہ دہلی کو مرکز بنا لیا۔ اس نقل مکانی سے ہونے والے نقصانات نے عوام کو محمد تغلق سے بددل کر دیا۔ دہلی کی سابقہ رونق بھی پھر لوٹ نہ سکی۔

محمد تغلق کی حد سے زیادہ سخاوت کسی ضابطے اور مصلحت کی پابند نہیں تھی۔ اس سے خزانے پر منفی اثر پڑا۔ پھر اس نے بعض امراء کے کہنے پر ایران اور وسطِ ایشیا کو مسخر کرنے کا عزم کر لیا اور بے پناہ رقم خرچ کر کے تین لاکھ نوے ہزار گھڑسواروں پر مشتمل ایک نیا لشکر ترتیب دے ڈالا۔ مگر اس مہم کی نوبت نہ آ سکی اور فوج چھاؤنیوں میں رہ کر ملکی خزانے پر ناقابلِ برداشت بوجھ کا سبب بننے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خزانہ خالی ہونے لگا اور ملک میں ابتری پھیل گئی۔

محمد تغلق نے ستائیس سال تک حکومت کی۔ اس نے ۷۴۴ھ میں قاہرہ کے عباسی خلیفہ الحاکم سے سندِ حکومت اور خلعت بھی حاصل کی۔ اس سے خلافت اور سلطنتِ دہلی کے تعلقات مضبوط ہو گئے۔

محمد تغلق نے کئی عمارتیں بھی بنوائیں جن میں غیاث الدین تغلق کا مقبرہ، دولت آباد کا قلعہ اور دہلی کا لال گنبد شامل ہیں۔ محمد تغلق کی وسیع سلطنت ۲۳ صوبوں پر مشتمل تھی۔ نیز محمد تغلق کے ابتدائی سالوں میں دریائے سندھ کے مشرق میں سلطنتِ دہلی کو جو فتوحات نصیب ہوئیں، وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ ٹھٹھہ تک علاقہ دہلی کے ماتحت آ گیا، مگر دوسری طرف اس بادشاہ کے آخری سالوں میں مالوہ، جونپور، گجرات، دکن اور بنگال آزاد ہو گئے تھے اور تین صدیوں تک دہلی کا کوئی حکمران ان علاقوں کو دوبارہ اپنی عمل داری میں شامل نہ کر سکا۔ اس تبدیلی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطنت کی وسعت کی وجہ سے صوبے دار بادشاہ کے قابو میں نہیں رہے تھے۔ بادشاہ خود لشکر کشی کرتا تو اسے عموماً فتح ملتی، مگر جہاں سے وہ دور ہوتا، وہاں کے صوبہ دار بغاوت کر دیتے۔ بغاوت کی ایک بڑی وجہ سلطان محمد تغلق کی سخت گیری تھی جس نے مقرب امراء کو بھی دہشت زدہ کیا ہوا تھا، اس لیے دور دراز کے صوبہ داروں نے خودمختاری ہی میں عافیت سمجھی۔

آخری سالوں میں محمد تغلق کو مسلسل بغاوتوں سے پالا پڑا جن کی وجہ سے وہ مسلسل نقل و حرکت میں رہا۔ ہر جگہ اس نے سرکشوں کو پوری شدت سے کچل ڈالا۔ آخری مہم سندھ کی طرف تھی۔ یہاں ٹھٹھہ کے قریب وہ بیمار پڑ گیا اور ۱۹ محرم ۷۵۲ھ (۱۸ مارچ ۱۳۵۱ء) کو یہیں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ وہ اولادِ نرینہ سے محروم تھا، اس لیے اپنے چچازاد بھائی فیروز شاہ تغلق کو جانشین بنا گیا تھا۔ (۱)

❁❁❁

(۱) ماخذ: ❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۲۹۹ تا ۳۱۷ ❁ سفرنامہ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۳۵۰ تا ۳۶۵
❁ منتخب التواریخ: ۱ ص ۱۰۳ تا ۱۱۱، ط ایران ❁ جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ص ۶۸۳ تا ۷۹۴

فیروز شاہ تغلق

(۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ) (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء)

فیروز شاہ تغلق ایک نیک، سادگی پسند اور مصلحت اندیش انسان تھا۔ جب ٹھٹھہ کے قریب محمد تغلق کی وفات کے بعد اسے تاج پیش کیا گیا تو اس نے معذرت کر لی مگر عمائدِ سلطنت نے جن میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ جیسے بزرگ بھی شامل تھے، مسلسل اصرار کیا۔ آخر کار فیروز شاہ نے ان کی رائے مان کر ۲۳ محرم ۷۵۲ھ کو اقتدار سنبھال لیا۔

اس نے سابقہ دور کے وہ قوانین جو عوام کے لیے مفید تھے، باقی رہنے دیے جبکہ سخت قوانین تبدیل کر دیے۔ شرعی حدود و قصاص کو باقی رکھا جبکہ بے رحمانہ تعزیرات بند کر دیں۔ انصاف کی فراہمی کے لیے ہر جگہ عادل اور ماہر شریعت قاضی مقرر کیے جو قرآن وسنت کے مطابق فیصلے دیتے تھے۔ اس کے دور میں لوگ نہایت خوش حال تھے۔

وہ رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس نے ایک محکمہ بنایا جسے ''دیوانِ خیرات'' کہا جاتا تھا۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے لیے اسی سے رقم دی جاتی تھی۔ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کے لیے بھی وظائف مقرر تھے۔ بے روزگاروں کی فہرست بنا کر ان کی معاش کا انتظام کیا جاتا تھا۔

وہ تعمیرات کا شائق تھا۔ اس نے چالیس نئی مساجد، تیس مدارس اور بیس خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ کئی پرانی ویران مساجد کو آباد کرایا۔ اس نے ایک سو محلات اور ایک سو مزارات تعمیر کرائے۔ سلطان جلال الدین خلجی کے مقبرے کی تعمیر بھی اس کا کام ہے۔ اس نے ۴۰ حوض، ۱۰ مینار، ایک سو پل، ۲۰۰ مسافر خانے اور ۵۰ شفا خانے قائم کیے جہاں مفت علاج کی سہولت میسر تھی۔ اس کے لگائے ہوئے باغات کا کوئی حد وشمار نہیں۔

فیروز تغلق نے کئی بستیاں اور ۳۰ شہر آباد کیے۔ جونپور، فتح آباد اور حصار اس کے بسائے ہوئے شہر ہیں۔ بنگال کی مہم کے دوران ''پانڈو'' کو بھی ''فیروز آباد'' کا نام دیا گیا۔ جمنا کے کنارے شہر فیروز آباد اور سرہند میں قلعہ فیروز پور اسی کی یادگار ہیں۔ اس نے اٹاوہ، اکھل اور نیلانی میں بھی قلعے بنوائے۔

اس نے سونے کے نئے خوبصورت سکے رائج کیے۔ ایسے سکے بھی جاری کیے جو چاندی کی آمیزش سے تیار ہوتے تھے۔ کاری گروں اور ہنرمندوں کی حوصلہ افزائی کی۔ صنعت وحرفت کو ترقی دینے کے لیے ملک میں کپڑے کے ۳۶ کارخانے لگوائے۔ اسلحہ سازی کے کارخانے بھی کھولے، اسی طرح قالین بافی، ادویات سازی، برتن سازی اور موم بتی سازی کے مراکز بھی قائم کیے۔ اس نے زراعت و باغبانی کو ترقی دی، سینکڑوں باغات لگوا کر پھلوں کی پیداوار بڑھا دی۔ زرعی ترقی کے لیے آب پاشی کے انتظامات بہتر بنائے۔ دریائے جمنا اور ستلج سے نہریں نکالیں۔ دیپال پور، ملتان اور دیگر علاقوں میں کئی نہریں کھدوائیں۔ جابجا تالاب اور کنوئیں بنائے گئے۔

اس نے سلطنت کے چند اصول مقرر کیے تھے جو درج ذیل ہیں:

❶ حکمران کسی قسم کی سزا جاری کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔
❷ خراج یا ٹیکس رعایا کی حیثیت کے مطابق کم سے کم وصول کیا جائے۔
❸ بادشاہ کسی کی شکایت یا چغلی نہ سنے۔
❹ ہمیشہ رحم دل اور نیک افراد کو عہدہ دیا جائے۔

وہ شریعت کا سخت پابند تھا۔ اس نے بدعقیدہ فرقوں پر پابندی عائد کی، ان کی کتب اور رسم و رواج کو ممنوع قرار دیا۔ عہدے داروں کو سونے چاندی کے برتن، ریشمی لباس اور زرق برق پوشاک استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ عورتوں کو مزاروں اور بت خانوں میں جا کر شرکیہ اعمال سے روک دیا گیا۔ محمد تغلق نے بہت سے لوگوں کو بلا وجہ قتل کیا تھا اور بہت سوں کے اعضاء کٹوائے تھے۔ فیروز شاہ نے ان مظلوموں یا ان کے ورثاء کو تلاش کرا کے انہیں بھاری معاوضہ دیا اور ان کے لیے مستقل وظائف بھی مقرر کیے۔

گزشتہ بادشاہ تفریحِ طبع کے لیے نگار خانوں میں مصوروں سے جانداروں کی تصاویر بنوایا کرتے تھے۔ فیروز شاہ نے خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے اس سلسلے کو بند کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی جگہ پھول، پتیوں اور باغات وغیرہ کی تصاویر بنائی جائیں۔ اس نے نظامِ مالیات کو ازسرِ نو مرتب کرا کے اسے بہتر بنایا۔ زرعی محصولات کا تخمینہ تیار کرایا۔ کاشت کاروں کے قرضے معاف کر دیے۔ تاجروں کو مراعات دیں۔ اناج، کپڑے، جانوروں اور مچھلیوں پر ٹیکس ساقط کر دیا۔ لگان میں اس قدر کمی کی کہ لوگ ہر طرف بنجر زمینیں آباد کرنے لگے۔

فیروز شاہ ملک کی افرادی قوت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کا ہدف یہ تھا کہ کوئی مفلس رہے نہ بے روزگار۔ معذور اور اپاہج افراد کے سوا سب لوگ کسبِ حلال میں مشغول رہیں۔ سرکاری اہلکار بے روزگار یا بے کار افراد کو تلاش کر کے انہیں دربار میں پیش کر دیتے تھے۔ انہیں ان کے رجحان اور صلاحیت کے مطابق کام دے دیے جاتے اور بدلے میں رہائش اور معاش کا اچھا انتظام کر دیا جاتا۔

فیروز شاہ ۴۰ برس حکومت کر کے ۳ رمضان ۷۹۰ھ (۲۳ اکتوبر ۱۳۸۸ء) کو فوت ہوا اور فیروز آباد میں دفن ہوا۔ اس نے چالیس سال تک قابلِ تعریف انداز میں حکومت کی۔ اس کی عمر ۹۰ سال تھی۔[1]

❁❁❁

① مآخذ:
❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۳۲۱ تا ۳۲۸
❁ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف: ص ۵۰ تا ۲۲۲، طکلکتہ
❁ منتخب التواریخ: ۱ ص ۱۱۱ تا ۱۱۷، ط ایران
❁ تاریخ مبارک شاہی: ص ۷۳ تا ۱۴۳، ط ایران
❁ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۲۱۷ تا ص ۲۲۱ ❁ جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ص ۷۹۷ تا ۸۲۴

تغلق دور کی اصلاحات

تغلق خاندان کا دورِ حکومت انتظامی و تمدنی لحاظ سے بڑا شاندار تھا۔ ہم اس کی چند جھلکیاں پیش کر رہے ہیں:

- سرکاری فوج کی تعداد نو لاکھ تک تھی۔ افسرانِ فوج میں سب سے بڑا درجہ "خان" تھا۔ پھر ملک، امیر اور سپہ سالار کے مراتب تھے۔ خان کے ماتحت دس ہزار اور ملک کی کمان میں دو ہزار سوار ہوا کرتے تھے۔ امیر کے پاس ایک سو سوار ہوتے تھے۔ امیر اور اس سے اونچے مرتبے کے افسران ہی دربار میں حاضری دے سکتے تھے۔
- سلطان کے ماتحت دو اعلیٰ ترین عہدے دار "نائب" اور "وزیر" کہلاتے تھے۔ نائب ہمیشہ کسی خان کو مقرر کیا جاتا تھا۔ منصب کے ساتھ ایک بڑی جاگیر دی جاتی تھی جس کا رقبہ لگ بھگ پورے مشرقی و مغربی پنجاب جتنا ہوتا تھا۔
- وزیر دفتری نظام کا سب سے اعلیٰ عہدے دار تھا۔ اس کے ماتحت چار کاتب اور چار دبیر (میر منشی) ہوا کرتے تھے۔ ہر دبیر کے ماتحت چار سو محرر کام کرتے تھے۔
- اعلیٰ منصب داروں کی تنخواہ کی بجائے ان کی جاگیریں مقرر تھیں جن سے انہیں خطیر آمدنی ہو جاتی تھی۔
- غلاموں کو روزانہ تین سیر گوشت مع بقدرِ ضرورت گھی اور مصالحہ دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ماہانہ دو من گندم اور چاول بھی ملتے تھے۔ نقدی کی شکل میں دس تنکہ مشاہرہ مزید ملتا تھا۔ (ایک تنکہ تقریباً ۵ ڈالر کے برابر بنتا ہے۔)
- تنخواہوں کا معیار یہ تھا: خان کی تنخواہ دو لاکھ تنکہ، ملک کی پچاس سے ساٹھ ہزار تنک، امیر کی تیس سے چالیس ہزار تنک اور سپہ سالار کی بیس ہزار تنک مقرر تھی۔ وزیر کے کاتبوں کی تنخواہ بیس سے چالیس ہزار تنک ہوتی تھی۔
- سپاہیوں کو ماہانہ پانچ سو تنکہ ملتے تھے۔ خوراک، لباس اور سواری کے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔
- عدلیہ کے اعلیٰ ترین منصب کو "صدر جہاں" کہا جاتا تھا۔ اسی کو عراق اور مصر میں قاضی القضاۃ کہتے تھے۔ ملکی یا غیر ملکی علماء و فقہاء کے تمام رابطے بھی صدر جہاں ہی کے ذریعے حکومت سے ہوا کرتے تھے۔ صدر جہاں پیچیدہ نوعیت کے مقدمات کی سماعت کرتا اور احکام جاری کرتا۔ اس کی جاگیر کی آمدن ساٹھ ہزار تنکہ تک ہوتی تھی۔
- شیخ الاسلام کا عہدہ بھی بڑا اہم تھا۔ شریعت کے مطابق عوام کے مسائل کو حل کرنا اور ملکی یا غیر ملکی مشائخ اور صوفیاء کا حکومت سے رابطہ ممکن بنانا بھی شیخ الاسلام کی ذمہ داری تھی۔
- عدلیہ کے ماتحت محتسب (پولیس انسپکٹر) کا عہدہ تھا۔ اس کی تنخواہ آٹھ سو تنکہ تھی۔ [1]

❀❀❀

(۱) مآخذ: ☆ مسالک الابصار فی ممالک الامصار، از شیخ احمد بن یحییٰ العمری م ۷۴۹ھ، ج ۳، ص ۵۹ تا ۱۱۴
☆ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۲۹۰ تا ۲۹۱ ☆ سفرنامہ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۱۵۳ تا ۲۹۷
☆ منتخب التواریخ: ج ۱ ص ۱۰۲ تا ۱۱۲ ☆ جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ص ۲۸۱ تا ۴۹۵

تغلق دور کی اصلاحات

تغلق خاندان کا دورِ حکومت انتظامی وتمدنی لحاظ سے بڑا شاندار تھا۔ ہم اس کی چند جھلکیاں پیش کر رہے ہیں:

۱ سرکاری فوج کی تعداد نو لاکھ تک تھی۔ افسرانِ فوج میں سب سے بڑا درجہ ''خان'' تھا۔ پھر ملک، امیر اور سپہ سالار کے مراتب تھے۔ خان کے ماتحت دس ہزار اور ملک کی کمان میں دو ہزار سوار ہوا کرتے تھے۔ امیر کے پاس ایک سو سوار ہوتے تھے۔ امیر اور اس سے اونچے مرتبے کے افسران ہی دربار میں حاضری دے سکتے تھے۔

۲ سلطان کے ماتحت دو اعلیٰ ترین عہدے دار ''نائب'' اور ''وزیر'' کہلاتے تھے۔ نائب ہمیشہ کسی خان کو مقرر کیا جاتا تھا۔ منصب کے ساتھ ایک بڑی جاگیر دی جاتی تھی جس کا رقبہ لگ بھگ پورے مشرقی ومغربی پنجاب جتنا ہوتا تھا۔

۳ وزیر دفتری نظام کا سب سے اعلیٰ عہدے دار تھا۔ اس کے ماتحت چار کاتب اور چار دبیر (میر منشی) ہوا کرتے تھے۔ ہر دبیر کے ماتحت چار سو محرر کام کرتے تھے۔

۴ اعلیٰ منصب داروں کی تنخواہ کی بجائے ان کی جاگیریں مقرر تھیں جن سے انہیں خطیر آمدنی ہو جاتی تھی۔

۵ غلاموں کو روزانہ تین سیر گوشت مع بقدرِ ضرورت گھی اور مصالحہ دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ماہانہ دو من گندم اور چاول بھی ملتے تھے۔ نقدی کی شکل میں دس تنکہ مشاہرہ مزید ملتا تھا۔ (ایک تنکہ تقریباً ۵۰ ڈالر کے برابر بنتا ہے۔)

۶ تنخواہوں کا معیار یہ تھا: خان کی تنخواہ دو لاکھ تنکہ، ملک کی پچاس سے ساٹھ ہزار تک، امیر کی تیس سے چالیس ہزار تک اور سپہ سالار کی بیس ہزار تک مقرر تھی۔ وزیر کے کاتبوں کی تنخواہ بیس سے چالیس ہزار تک ہوتی تھی۔

۷ سپاہیوں کو ماہانہ پانچ سو تنکہ ملتے تھے۔ خوراک، لباس اور سواری کے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔

۸ عدلیہ کے اعلیٰ ترین منصب کو ''صدرِ جہاں'' کہا جاتا تھا۔ اسی کو عراق اور مصر میں قاضی القضاۃ کہتے تھے۔ ملکی یا غیر ملکی علماء وفقہاء کے تمام رابطے بھی صدرِ جہاں ہی کے ذریعے حکومت سے ہوا کرتے تھے۔ صدرِ جہاں پیچیدہ نوعیت کے مقدمات کی سماعت کرتا اور احکام جاری کرتا۔ اس کی جاگیر کی آمدن ساٹھ ہزار تنکہ تک ہوتی تھی۔

۹ شیخ الاسلام کا عہدہ بھی بڑا اہم تھا۔ شریعت کے مطابق عوام کے مسائل کو حل کرنا اور ملکی یا غیر ملکی مشائخ اور صوفیاء کا حکومت سے رابطہ ممکن بنانا بھی شیخ الاسلام کی ذمہ داری تھی۔

۱۰ عدلیہ کے ماتحت محتسب (پولیس انسپکٹر) کا عہدہ تھا۔ اس کی تنخواہ آٹھ سو تنکہ تھی۔ ①

❁❁❁

① مآخذ: ❁ مسالک الابصار فی ممالک الامصار، از شیخ احمد بن یحییٰ العمری م ۷۴۹ھ، ج ۳ ص ۵۶ تا ۶۱
❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۲۹۰ تا ۳۱۶
❁ سفرنامہ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۳۵۱ تا ۳۶۷
❁ منتخب التواریخ: ۱ ص ۱۰۷ تا ۱۱۰، ط ایران
❁ جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ج ۲ ص ۲۸۱ تا ۲۹۰

طوائف الملوکی اور دولتِ سادات

فیروز شاہ تغلق کے بعد اس کے پوتے غیاث الدین تغلق ثانی نے حکومت سنبھالی مگر وہ آرام پسند انسان تھا لہٰذا ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ نئے حکمران کو تخت نشینی کے صرف پانچ ماہ بعد بغاوت کر کے قتل کر دیا گیا اور اسی خاندان کے ایک شہزادے ابوبکر شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا مگر ڈیڑھ سال بعد وہ بھی ایک بغاوت میں مارا گیا۔ یوں تغلق سلطنت تیزی سے زوال کا شکار ہوگئی اور صوبوں میں مرکز گریزی کا رجحان بڑھ گیا۔

ان حالات میں وسطِ ایشیا اور ایران وخراسان کے مغل (منگول) حکمران تیمور لنگ کو موقع مل گیا اور اُس نے بڑی تیزی سے برصغیر کا رُخ کر لیا اور پنجاب سے ہوتے ہوئے دہلی کے قریب آ گیا۔ یہاں کا حکمران محمود تغلق اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور تیمور نے ربیع الاوّل ۸۰۱ھ (دسمبر ۱۳۹۸ء) میں شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس نے شروع میں اہلِ شہر کو امان دی مگر پھر ایک دن کچھ شہریوں کا کسی غلط فہمی کی بناء پر مغل سپاہیوں سے تنازعہ ہوگیا اور چند سپاہی مارے گئے۔ اب تیمور نے طیش میں آ کر قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مغل سپاہیوں نے بے اندازہ لوٹ مار کی اور خون کی ندیاں بہا دیں۔

تیمور کے حملے سے دہلی کی عظیم اسلامی سلطنت تباہ ہو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ ہر طرف خود مختار حاکموں کا دور دورہ ہوگیا۔ دہلی کی ساکھ مٹی میں مل گئی اور یہ شہر ایک مدت تک اپنی حالت پر نوحہ کناں رہا۔

تیمور نے واپسی پر سید خضر خان نامی ایک سردار کو پنجاب میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ اس نے ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) میں چڑھائی کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ وہ تیمور اور اس کے جانشین شاہ رُخ مرزا کے نام پر حکومت کرتا رہا اور بادشاہ کی بجائے ''رایتِ اعلیٰ'' کے لقب پر اکتفا کیا۔ وہ سید کہلاتا تھا، اس لیے یہ حکومت ''دولتِ سادات'' کہلانے لگی۔ اس حکومت کو دہلی اور اس کے مضافات کے سوا، کہیں پذیرائی نصیب نہ تھی کیوں کہ اس کا انحصار تیموری مغلوں پر تھا اور برصغیر میں اس وقت مغلوں کو غیر ملکی سمجھا جاتا تھا۔ خضر خان کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ تخت نشین ہوا جو ایک شریف اور مہربان حاکم تھا مگر وہ سلطنتِ دہلی کی آن بان بحال نہ کر سکا اور ۸۳۷ھ (۱۴۳۴ء) کے دوران ایک بغاوت میں مارا گیا۔

اس کے بعد خضر خان کے پوتے، محمد شاہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا جو برائے نام حکمران تھا۔ پھر اس کا جانشین علاؤالدین آیا جو بالکل ہی نکما تھا۔ اس نے بیرونی خطرات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے، دہلی چھوڑ کر بدایوں میں قیام کر لیا تاکہ بے فکری سے عیش وعشرت کر سکے۔ الغرض اس روز افزوں زوال کے باعث سید خاندان چار عشرے بھی پوری نہ کر سکا اور آخر کار لودھی خاندان نے دہلی میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ①

❁❁❁

① مآخذ: ❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۳۳۰ تا ۳۳۸ ❁ منتخب التواریخ: ج ۱ ص ۱۷۸ تا ۲۱۰
❁ تاریخ ہند از شیخ اقبال: ص ۹۸ تا ۱۰۱ ❁ جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ص ۸۷۳ تا ۹۹۳

لودھی خاندان

۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ (۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء)

مدتِ اقتدار: ۷۷ سال

بہلول لودھی

۸۵۵ھ تا ۸۹۳ھ (۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۸ء)

''لودھی'' تاجر پیشہ افغانوں کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ لوگ شمالی ہندوستان کے مختلف شہروں میں آباد تھے۔ ان میں سے بہت سے فوج میں بھرتی ہو کر اعلیٰ افسر بن گئے تھے۔ ان میں سے ایک سپاہی بہلول لودھی ترقی کرتے کرتے ''سرہند'' کا صوبہ دار ہو گیا۔ جب سید خاندان کی حکومت کمزور تر ہوئی، تو دہلی کے عمائد نے بہلول لودھی کو تختِ شاہی سنبھالنے کی دعوت دی۔ بہلول لودھی ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں دہلی آیا اور اس کی تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی۔ اس نے اقتدار سنبھال کر باغی امراء کو ایک ایک کر کے زیر کر لیا اور ان کے صوبوں کو دوبارہ سلطنت کا حصہ بنا دیا۔ یوں میوات، جون پور اور گوالیار دوبارہ سلطنتِ دہلی کے ماتحت آ گئے۔ اس کی فوج میں بیس ہزار سپاہی مغل نسل کے تھے۔ اس نے راجپوت سرداروں کو بھی بڑے مناصب دیے اور ہندوؤں کے حقوق کا پورا خیال رکھا۔ اس کی اصل طاقت پختون امراء تھے۔ اپنا حامی بنائے رکھنے کے لیے، وہ انہیں جاگیروں اور اعلیٰ عہدوں سے نوازتا تھا۔ اس کے بعد اسے مغلوں پر زیادہ اعتماد تھا۔

بہلول لودھی سخی، رحم دل اور بہادر تھا۔ غریبوں اور مسکینوں کے احوال کا خود پتا لگاتا۔ اس نے کبھی کسی سوالی کو محروم نہیں کیا۔ لوگوں کی شکایات خود سن کر فیصلے دیتا تھا۔ وہ پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا تھا۔ وہ اکثر علماء وفقہاء کے ساتھ رہتا۔ بعض اوقات وہ سب کچھ فوج میں تقسیم کر دیتا اور خود خشک روٹی پر اکتفا کرتا۔

اڑتیس سال تک نہایت کامیاب حکومت کر کے ۸۹۳ھ (۱۴۸۸ء) میں بہلول لودھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔[1]

❁❁❁

① ماخذ: ❁ منتخب التواریخ: ج ۱ ص ۲۱۱ تا ۲۱۳
❁ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۳۵۰، ۳۵۱
❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۳۸۸ تا ۳۹۳
❁ جامع تاریخ ہند از خلیق احمد نظامی: ص ۷۹۳ تا ۹۷۱

سکندر لودھی

۸۹۴ھ تا ۹۲۴ھ (۱۴۸۸ء تا ۱۵۱۸ء)

بہلول لودھی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نظام خان، سکندر لودھی کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ وہ ایک وجیہ اور باوقار شخص تھا جو شاہانہ تکلفات سے دور اور سادگی پسند تھا۔ خدا ترسی، مہربانی، فیاضی اور نرم دلی اس کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ انصاف کے معاملے میں ہندو مسلم یا امیر غریب کا کوئی فرق نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک منصوبہ ساز اور جدت پسند آدمی تھا۔ اس نے سلطنت کے انتظامی ڈھانچے کو خاصا بہتر بنایا۔ امراء اور نائبین کو سختی کی بجائے حکمت عملی سے ساتھ چلانے کی پالیسی اپنائی۔ اس نے مخالفین کی طاقت کا قلع قمع کر دیا اور سلطنت کی حدود میں نمایاں اضافہ کیا۔

وہ اپنے نظام الاوقات کا بڑا پابند تھا۔ رات کو اکثر بیدار رہتا تھا۔ نمازِ فجر کے بعد چند گھنٹے نیند کرتا۔ ظہر کے بعد کچھ دیر تلاوت کر کے دربار میں آجاتا۔ اسے سلطنت کا مفصل حال، حتیٰ کہ اشیائے صرف کا نرخ نامہ بھی روزانہ پیش کیا جاتا۔ جہاں ضرورت ہوتی وہ فوری تفتیش کا حکم دیتا۔ نمازِ مغرب کے بعد کچھ وقت گھر میں گزار کر وہ خصوصی مجلس میں آجاتا جہاں فریادیوں کی شکایات سنی جاتیں اور امورِ سلطنت کی اصلاح کی جاتی۔ وہ اہم مقدمات کی تفتیش خود کرتا تھا اور سلطنت کے انتظام پر غور کر کے قوانین کی منظوری دیتا تھا۔ سترہ علماء اس کی مجلس میں موجود رہتے۔ آدھی رات تک وہ ان سے مشاورت کرتا۔ نصفِ شب کے بعد وہ اپنے ساتھی علماء کے ساتھ کھانے کے دستر خوان پر بیٹھتا۔

اس نے ایک قاضی اور اس کے ساتھ بارہ معاون علماء کی ایک مجلس قائم کی تھی جو صرف مقدمات کا فیصلہ کرتی تھی۔ عدالت میں عملہ رات گئے تک موجود رہتا کہ کہیں کوئی فریادی آجائے تو اسے مایوسی نہ ہو۔ سلطنت میں جگہ جگہ جاسوس اور مخبر موجود تھے جو بلاتاخیر ہر خبر مرکز تک پہنچا دیتے تھے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ سلطان کے قبضے میں جنات ہیں۔

سکندر لودھی راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اس نے غیر شرعی رسومات اور بدعات پر پابندی لگا دی۔ مزاروں پر عورتوں کو جانے سے منع کر دیا۔ مجاوروں نے کئی جعلی مزار بنا کر انہیں دولت جمع کرنے کا ذریعہ بنالیا تھا۔ بادشاہ نے انہیں منہدم کرا دیا۔ مؤرخین کا کہنا تھا کہ سکندر لودھی کے دور میں شریعت کی ایسی پابندی ہونے لگی کہ لگتا تھا زندگی ایک نئے رنگ میں ڈھل گئی ہے۔ بادشاہ اسلام کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ وہ بچپن سے مذہبی تھا۔ علوم سے بھی بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کے دور میں ہندوؤں کو بھی فارسی پڑھنے کی ترغیب دی گئی تاکہ وہ دفتری کاروبار میں شریک ہو سکیں۔ پہلے برہمنوں، کھتریوں اور ویشوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ متوجہ نہ ہوئے۔ آخر ہندوؤں کی نچلی ذات کے لوگوں کو اس کے لیے تیار کر لیا گیا۔ کچھ ہی مدت میں بہت سے ہندو فارسی سیکھ کر سرکاری دفاتر میں کام کرنے لگے۔

مشہور شہر ''آگرہ'' کی بنیاد اسی بادشاہ نے رکھی۔ اس سے قبل آگرہ دریائے جمنا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جسے اس نے اپنا پایہ تخت بنا کر عالی شان محلات، خوبصورت مساجد، فوجی چھاؤنی اور دلکش باغات سے آراستہ کر دیا۔

سکندر لودھی شعر و شاعری اور ادب سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ خود بھی عمدہ اشعار کہتا تھا۔ اپنے کارناموں کی وجہ سے سکندر کو لودھی خاندان کا بہترین حکمران کہا جاتا ہے۔ سن ۹۲۴ھ (۱۵۱۸ء) میں سکندر لودھی کا انتقال ہو گیا۔

☆☆☆

سکندر لودھی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا جس نے ۹۲۴ھ سے ۹۳۲ھ تک (۱۵۱۸ء تا ۱۵۲۶ء) حکومت کی۔ وہ مصلحت اندیشی سے عاری تھا۔ اس نے اپنے والد کے طرزِ عمل کے برخلاف امراء اور نائبین پر سختی شروع کر دی جس سے ہر طرف عدمِ اعتماد کی فضا بن گئی۔ وہ خود بھی اپنے نائبین پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔

اس نے اپنے جرنیل اعظم ہمایوں کو اس بنا پر قید کر دیا کہ وہ گوالیار کی مہم میں ناکام رہا تھا۔ اس سے مشتعل ہو کر اعظم ہمایوں کے بیٹے نے ''کڑہ'' میں بغاوت کر دی۔ اگرچہ ابراہیم لودھی نے اس وقت یہ بغاوت کچل دی مگر حالات خراب ہوتے چلے گئے۔ اس کی بعض حرکات سے سلطنت کا وقار مجروح ہوا اور خود اس کی برادری بھی اس کے خلاف ہو گئی۔ اس کا چچا عالم خان تنگ آ کر افغانستان چلا گیا اور اس کے رشتہ دار دولت خان لودھی نے پنجاب میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب برصغیر کی شمالی سرحد پر مغل شہزادے ''بابر'' کا ظہور ہوا۔ وہ سمرقند کے حکمران خانوادے میں پیدا ہوا تھا۔ لڑکپن میں وہ نہ صرف باپ کے سائے سے محروم ہوا بلکہ اس کی موروثی سلطنت بھی چھن گئی۔ وہ سمرقند سے کابل تک برسوں مارا مارا پھرا۔ اس نے اپنے آبائی شہر سمرقند پر قبضہ بھی کیا مگر ہر بار مخالفین نے لڑ کر اسے بے دخل کر دیا۔ وسطِ ایشیا کا ازبک قبیلہ اس کا سخت حریف تھا جس کی لڑائیاں اسے ٹک کر نہیں بیٹھنے دیتی تھیں۔ آخر بابر نے کابل کو اپنا مرکز بنا لیا اور وسط ایشیا کی مہمات ترک کر کے ہندوستان کا رخ کر لیا۔ صفر ۹۲۵ھ (فروری ۱۵۱۹ء) میں اس نے اٹک کے راستے سے ہندوستان پر پہلا حملہ کیا اور گکھڑوں کو شکست دے کر پوٹھوہار کے کئی شہر فتح کر لیے۔

اس دوران دہلی میں ابراہیم لودھی کے خلاف فضا بن چکی تھی۔ پھر جب پنجاب میں دولت خان لودھی نے سلطنتِ دہلی سے آزادی کا اعلان کر کے بابر سے تعلق بنایا اور اسے دہلی پر قبضے کی دعوت دی تو بابر کو بہترین موقع ہاتھ آ گیا۔ وہ دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا اور پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی سے جا ٹکرایا جس کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ ۷ رجب ۹۳۲ھ (۱۳ اپریل ۱۵۲۶ء) کو پانی پت کے میدان میں فیصلہ کن معرکہ ہوا جس میں ابراہیم لودھی کو شکستِ فاش ہوئی۔ اسے پانی پت کی پہلی جنگ کہا جاتا ہے۔ فتح کے بعد بابر نے آگرہ اور دہلی پر قبضہ کر لیا، یوں لودھی خاندان کا لگ بھگ ۸۸ سالہ دور ختم ہوا اور ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی گئی۔ ①

❁❁❁

① ماخذ: ❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۴۰۵ تا ۴۱۳

❁ منتخب التواریخ: ج ۱ ص ۲۲۱ تا ۲۲۷ ❁ تاریخ ہندوستان، از مولوی ذکاء اللہ: ج ۲ ص ۲۷ تا ۴۳، ۳۷۹

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

1. قطب الدین ایبک نے برصغیر میں پہلی خود مختار اسلامی حکومت کس طرح قائم کی؟
2. سلطان شمس الدین التتمش کو کن صفات اور خدمات کی بناء پر یاد کیا جاتا ہے؟
3. غیاث الدین بلبن اور جلال الدین خلجی نے منگولوں سے برصغیر کی حفاظت کے لیے کیا اقدامات کیے؟
4. علاؤ الدین خلجی نے اشیائے صرف کو ارزاں اور عام کرنے کے لیے کیا انتظامات کیے؟
5. سلطان محمد تغلق کے کون سے منصوبے کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے؟
6. سلطان فیروز شاہ تغلق کے تعمیری و ترقیاتی کاموں پر نوٹ لکھیے۔
7. بہلول لودھی کا تعلق کس قبیلے سے تھا اور وہ کن حالات میں برسر اقتدار آیا؟
8. سلطان سکندر لودھی کے معمولات کیا تھے؟ اس کے دور میں نچلی ذات کے ہندو کس طرح تعلیم یافتہ ہوئے؟

عملی کام:

- غیاث الدین بلبن اور فیروز شاہ تغلق کے چند اصولِ سیاست خوشخط لکھ کر درسگاہ میں آویزاں کریں۔
- کسی عجائب خانے میں جا کر سلاطینِ دہلی کے آثار کا معاینہ کریں اور اپنے تاثرات قلم بند کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

- عہدِ اسلامی کا ہندوستان، از مولانا سید ریاست علی ندوی۔ ناشر: ادارۃ المصنفین پٹنہ
- ہندوستان کے مسلم فاتحین اور تاجدار، از سید محمد عمر شاہ، ناشر: عمر سنز اردو بازار، لاہور
- دہلی کے آثارِ قدیمہ، از خلیق انجم، ناشر: فیس بکس، اردو بازار لاہور

تیسرا باب

مغلیہ سلطنت

۹۳۲ھ تا ۱۲۷۳ھ (۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء)

مدتِ اقتدار: ۳۳۱ برس

تعارف:

ہندوستان کی تاریخ میں مغل سلطنت کا کردار بہت اہم رہا ہے جسے ظہیر الدین بابر نے سولہویں صدی عیسوی میں قائم کیا تھا۔ یہ سلطنت سوا تین صدیوں سے زائد مدت تک باقی رہی۔ مغل حکمرانوں کی ملکی خدمات اور تعمیراتی کارناموں کے آثار آج بھی زندہ ہیں۔ اس باب میں ان کی شخصیات، خدمات اور ان کے دور کی اہم مہمات ومشکلات پر بحث کی گئی ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. مغل سلطنت کے قیام کی وجوہ اور حالات سے آگاہ ہو سکیں۔
2. افغان حکمران شیر شاہ سوری کے کارناموں سے روشناس ہو سکیں۔
3. اکبر اور جہانگیر کے دور میں علمائے اُمت کی اصلاحی کوششوں اور شاہ جہان کے عہد سے واقف ہو سکیں۔
4. اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف کیے گئے منفی پروپیگنڈے کا اثر قبول کرنے کی بجائے حقائق کو جان سکیں۔

(یونٹ:3.13)

ظہیر الدین محمد بابر

۹۳۲ھ تا ۹۳۷ھ ۱۲ھ (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء)

ابراہیم لودھی کے خلاف فتح کے بعد بابر آگرہ پہنچا اور اُسے اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اُس نے ابراہیم لودھی کے ورثاء کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان میں جائیدادیں تقسیم کیں تاکہ وہ خوش حال رہیں۔

بابر کے ابراہیم لودھی پر غالب آجانے کی کئی وجوہ تھیں۔ بابر کی فوج منظم، تجربہ کار اور جنگ آزما تھی۔ وہ ہر لڑائی سے پہلے محلِ وقوع، فریقین کی تعداد، اسلحے، موسم اور وقت سمیت متعدد پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ایک حکمتِ عملی مرتب کرتا تھا۔ پانی پت کی جنگ میں ابراہیم لودھی کے ایک لاکھ سپاہیوں کے مقابلے میں بابر کے ساتھ صرف دس ہزار جانباز تھے مگر اس کے باوجود بابر نے یہ جنگ جیت لی کیوں کہ ابراہیم لودھی کی فوج کسی حکمتِ عملی کے بغیر صرف کثرتِ تعداد کے بل بوتے پر لڑ رہی تھی اور اس میں نظم وضبط کی سخت کمی تھی۔ جنگ سے قبل بابر نے پڑاؤ اس طرح ڈالا تھا کہ پانی پت شہر کے مکانات دائیں طرف تھے جبکہ بائیں طرف خندقیں کھود کر پشتے بنالیے گئے تھے۔ بابر اپنے ساتھ سات سو توپیں بھی لایا تھا جو اس سے پہلے ہندوستان میں کبھی استعمال نہیں ہوئی تھیں۔ ان توپوں نے جنگ جتوانے میں اہم کردار ادا کیا۔

بابر کی زندگی چار مراحل میں تقسیم نظر آتی ہے: پہلے مرحلے میں اسے اپنے چچا، ماموں اور بھائیوں کی مخالفت سے سابقہ پڑا جو اس سے اقتدار چھیننا چاہتے تھے۔ بابر نے اپنے والد کے وفادار امراء کی مدد سے ان سے اپنا دفاع کیا۔

دوسرے مرحلے میں وہ وسطِ ایشیا میں فتوحات کی کوشش کرتا رہا، مگر اسے ناکامی ہوئی۔ تیسرے مرحلے میں وہ کابل کو مرکز بنا کر ہندوستان کے سرحدی علاقوں اور افغانستان کے بعض اضلاع کو فتح کرنے میں کامیاب رہا۔

چوتھے مرحلے میں وہ ہندوستان آیا اور یہاں فتح ونصرت نے ہر گام پر اس کے قدم چومے، یہاں تک کہ اس نے عظیم مغلیہ حکومت کی بنیاد ڈال دی جو دریائے سیحوں کے جنوبی اضلاع سے بنگال تک وسیع تھی۔ بدخشاں، قندوز، بلخ، کابل، غزنی، قندھار، پنجاب، یوپی، راجپوتانہ اور بہار کا بڑا حصہ اس میں شامل تھا۔

❁❁❁

آگرہ پر بابر کے قبضے کے بعد وسطی ہند کے راجے بابر سے خائف ہو چکے تھے، لہٰذا وہ میوات کے حاکم رانا سنگم

سنگھ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے جو تاریخ میں رانا سانگا کے نام سے مشہور ہے۔ جلد ہی دو لاکھ سپاہیوں کا عظیم لشکر تیار ہو گیا جس نے آگرہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ یہ خبر سن کر بابر ۴۳ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آگرہ سے نکل پڑا مگر جلد ہی رانا سانگا کے لشکر نے مغل فوج کے ہراول دستوں پر حملہ کیا اور انہیں بری طرح روند دیا۔

بابر کو محسوس ہوا کہ اللہ کی تائید اس کے شاملِ حال نہیں۔ وہ عقیدے اور نظریے کے لحاظ سے پختہ مسلمان تھا مگر عملی طور پر وہ تین کبیرہ گناہوں میں مبتلا تھا: ❶ داڑھی کٹانا ❷ شراب پینا ❸ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا۔

بابر نے تمام امراء اور عمائد حکومت کو جمع کر کے ان کے سامنے ان گناہوں سے توبہ کی، سنت کے مطابق داڑھی رکھنے کا اعلان کیا، سونے چاندی کے برتن اور شراب کے برتن توڑ ڈالے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک مؤثر تقریر کی۔ جسے سن کر سب نے آخر دم تک سلطان کا ساتھ نبھانے کی قسم کھائی۔

۱۳ جمادی الاخریٰ ۹۳۳ھ (۲۸ مارچ ۱۵۲۷ء) کو مغل لشکر اور راجپوتوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ بابر نے توپیں نصب کرا کے ہر دو توپوں کے درمیان بندوق بردار بٹھا دیے۔ دوپہر کے قریب جنگ چھڑ گئی۔ جلد ہی جنگ کی ہولناکی عروج کو پہنچ گئی۔ زوالِ آفتاب تک حریف اپنی پوری طاقت استعمال کر چکے تھے مگر کسی نے میدان سے ہٹنے کا نام نہیں لیا تھا، یہ دیکھ کر بابر نے سہ پہر کے وقت توپوں کو آگے بڑھا کر کچھ دیر تک حریف پر گولہ باری کرائی اور پھر خود دشمن پر زوردار دھاوا بول دیا۔ شام چار بجے راجپوتوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ ہزاروں لاشیں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ ڈنگر پورہ کا راجا راول اودھے سنگھ، رائے چندر بھان، دلپت رائے، کرم سنگھ راجپوت اور مانک چند چوہان جیسے نامور حکمران مارے گئے۔ رانا سانگا بھاگ نکلا مگر پکڑا گیا۔ اسے بعد میں قتل کر دیا گیا۔

اللہ کی کھلم کھلا نافرمانیوں سے علانیہ توبہ کی برکات سموئے ہوئے یہ فتح ہندوستان میں ایک ایسی اسلامی سلطنت کے قیام اور استحکام کا سبب بنی جس کا عرصۂ اقتدار برصغیر کی تمام اسلامی حکومتوں سے زیادہ رہا ہے۔

رانا سانگا کو شکست دینے کے بعد بابر نے میوات کے پہاڑی علاقے میں کچھ قلعوں کو مذاکرات کے ذریعے مسخر کیا۔ آگرہ واپس آکر بابر چھ ماہ تک انتظامی امور درست کرنے میں مشغول رہا۔

۹۳۴ھ (۱۵۲۸ء) میں بابر نے پہاڑی ڈھلوانوں پر واقع قلعہ ''چندیری'' کا رُخ کیا جہاں رانا سانگا کا ایک نائب جنگ کی تیاری کر چکا تھا۔ بابر نے مذاکرات کی ناکامی کے بعد قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ راجپوت فتح سے مایوس ہو کر اپنی رسم کے مطابق اپنے بیوی بچوں کو خود قتل کر کے مقابلے پر نکل آئے۔ بابر نے انہیں بری طرح شکست دے دی۔

اُدھر مشرقی صوبوں: بنگال اور بہار میں ابراہیم لودھی کے بھائی نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا اور افغان اس کی قیادت میں منظم ہو رہے تھے۔ بابر نے چندیری کی فتح سے فارغ ہو کر دریائے جمنا اور دریائے چنبل کے سنگم پر افغانوں سے ٹکر لے کر انہیں پسپا کر دیا۔ پھر وہ اودھ کے انتظامات درست کرتا ہوا آگرہ لوٹ آیا۔ الغرض ایک سال میں دریائے گنگا کے پار کے تمام صوبوں میں جو بھی مسلمانوں کے پاس رہے تھے، مغلیہ حکومت قائم ہو چکی تھی۔

۹۳۵ھ میں بابر کی آخری مہم بنگال کی طرف ہوئی۔ اس نے اپنی سوانح حیات ''تزک بابری'' اسی مہم پر ختم کی ہے۔
۹۳۷ھ (۱۵۳۰ء) میں بابر کا ولی عہد ہمایوں بیمار پڑ گیا۔ شاہی حکیموں نے ہر کوشش کر لی مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ایسے میں ایک طبیب نے عرض کیا: ''سنا ہے کہ جب طبیب مایوس ہو جائیں تو جو چیز سب سے زیادہ محبوب ہو، اسے صدقہ کر کے اللہ سے دعا مانگی جائے۔'' بابر نے فوراً کہا: ''میں اپنی جان ہمایوں پر صدقہ کرتا ہوں۔ اللہ قبول فرمالے۔''

پھر اس نے اللہ سے دعا کی کہ ہمایوں کے بدلے میری جان لے لے۔ اس کے بعد ہمایوں تیزی سے شفایاب ہونے لگا اور بابر بیمار ہو کر بستر پر پڑ گیا۔ اس نے ہمایوں کو وصیتیں کرتے ہوئے کہا:

''سخاوت، عدل، احسان، اللہ کی رضا، شہریوں کی دیکھ بھال، معذرت کرنے والے سے عفو و درگزر اور سرکشوں کی پامالی کا اہتمام کرنا۔ اپنے بھائی چاہے سزا کے قابل ہوں، تب بھی ان کے درپے مت ہونا۔''

آخر بابر ۵ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ (۲۱ دسمبر ۱۵۳۰ء) کو آگرہ میں وفات پا گیا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی نعش کو اس کے پسندیدہ شہر کابل میں دفن کیا گیا۔ اس کے پڑپوتے جہانگیر نے اس قبر پر ایک خوبصورت مقبرہ بنوایا۔

وہ بڑا دلیر اور جفاکش تھا۔ قوت کا یہ حال تھا کہ دو تگڑے آدمیوں کو دائیں بائیں بغلوں میں دبا کر قلعے کی فصیل پر دیر تک دوڑتا رہتا۔ گھڑ سواری اور تیراکی کا شوقین تھا۔ سفر میں دریا عبور کرنا ہوتا، تو وہ کشتی ہوتے ہوئے بھی، دریا میں کود جاتا اور تیر کر اسے عبور کرتا۔ گنگا جیسے بڑے دریا کو اس نے دوبار اسی طرح پار کیا۔ اسے نثر اور نظم کا عمدہ ذوق تھا۔ ترکی اور فارسی میں اعلیٰ پائے کے اشعار کہتا تھا۔ اس کا یہ شعر بڑا مشہور ہے:

نوروز و نو بہار، مے و دلبرے خوش است .... بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

(نوروز، نو بہار، شراب اور محبوب کا ہونا بہت خوب ہے۔ بابر زندگی میں محنت کر لے کہ دنیا دوبارہ نہ ملے گی۔)

اس نے اپنے حالات اپنی خودنوشت سوانح حیات ''تزک بابری'' میں بڑے دلنشین انداز میں تحریر کیے ہیں۔ بابر کی اس سوانح عمری کو دنیا کی بہترین ادبی کتب میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ (1)

❁❁❁

(1) ماخذ:
❁ تاریخ فرشتہ: ۱/ص ۴۱۵ تا ۴۴۳
❁ اکبر نامہ: ص ۱۳۹ تا ۱۴۳
❁ منتخب التواریخ: ۱/ص ۱۴۸ تا ۱۵۱
❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۳ ص ۵۷، ص ۱۲۰ تا ۱۲۰
❁ بزم تیموریہ: ص ۱۶ تا ۱۹۔

نصیر الدین ہمایوں

(پہلا دور)

۹۳۷ھ تا ۹۴۷ھ (۱۵۳۰ء تا ۱۵۴۰ء)

بابر کے بعد اس کا نوجوان بیٹا نصیر الدین محمد ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ بابر نے اس کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی تھی، اسی لیے ہمایوں عربی، فارسی، ترکی، ریاضی اور فلکیات کا ماہر تھا۔ تاہم وہ باپ جیسا عالی حوصلہ اور زیرک حکمران نہ تھا۔

ہمایوں کو اقتدار سنبھالنے کے بعد کئی مسائل سے سابقہ پڑا۔ بابر کی مسلسل مہم جوئیوں، حد سے زیادہ سخاوت اور نت نئی تعمیرات کے شوق کے باعث خزانے میں بہت کم رقم رہ گئی تھی۔ بھائیوں سے معاملات درست رکھنا بھی ہمایوں کے لیے اہم تھا۔ اس کے تین بھائی تھے: کامران، ہندال اور مرزا عسکری۔

بابر نے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ وہ اپنے بھائیوں سے تنازعات کی نوبت نہ آنے دے۔ چنانچہ ہمایوں نے تخت نشینی کے بعد سلطنت کے کئی صوبے بھائیوں کو دے دیے۔ اس طرح مرکز کی طاقت کم ہوگئی مگر ہمایوں کو امید تھی کہ بھائی بوقتِ ضرورت اسے کمک مہیا کریں گے مگر جب اسے مدد کی ضرورت پڑی تو یہ بھائی اس کے کچھ کام نہ آئے بلکہ اس کے برعکس اس کے لیے دردِ سر بنے رہے۔

ہمایوں کے دور میں گجرات کی مہم بہت اہم تھی۔ یہ علاقہ ایک الگ طاقتور مسلم ملک بن چکا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ اور ریاستِ گجرات میں کشیدگی بڑھتی جارہی تھی اور شاہِ گجرات بہادر شاہ نے مغلوں کے خلاف بڑی قوت تیار کرلی تھی۔ آخر ۹۴۱ھ (۱۵۳۴ء) میں ہمایوں نے گجرات پر فوج کشی کردی۔ بہادر شاہ کو شکست ہوئی اور اُسے فرار ہونا پڑا۔ ہمایوں نے دیگر قلعوں اور شہروں کے بعد گجرات کے ناقابلِ تسخیر دارالحکومت ''چمپانیر'' کو بھی فتح کرلیا۔

گجرات کی فتح کے بعد ہمایوں وہیں ٹھہر کر عیش وآرام میں منہمک ہوگیا۔ اس کی بے فکری سے عمائدِ سلطنت میں باہمی اختلافات ابھرنے لگے۔ اس دوران بہادر شاہ ایک نئی فوج تیار کرچکا تھا مگر مغل اُمراء باہمی اختلافات کی وجہ سے کسی میدان میں جم کر لڑنے کا فیصلہ نہ کرسکے اور آخر ۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) میں ہمایوں مایوس ہو کر آگرہ لوٹ گیا۔ اس کے واپس جاتے ہی بہادر شاہ نے گجرات پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اس ناکامی کے بعد ہمایوں دل بہلانے کے لیے تفریح اور عیش ونشاط میں منہمک رہنے لگا۔ ملکی بدنظمی کی اصلاح پر توجہ دینا بالکل چھوڑ دی۔

ان حالات میں بہار کے حاکم شیر شاہ نے سر اٹھایا جو ایک آزمودہ سپاہی اور تجربہ کار سیاست دان تھا۔ وہ ہر کام کی منصوبہ بندی مہینوں پہلے کرلیتا تھا۔ وہ افغان امراء کو یہ سمجھا کر اپنے گرد جمع کرچکا تھا کہ ہم یکجا ہو کر مغلوں کی نوخیز

حکومت ختم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اب موقع پا کر اس نے ہمایوں کے خلاف بغاوت کر دی اور بہار میں اپنے قدم مضبوط کرنے کے بعد بنگال کے بعض قلعوں پر قابض ہو گیا۔ ہمایوں یہ خبر سن کر چونکا اور ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں آگرہ سے بہار کی طرف نکل پڑا۔ شیر شاہ کسی خاص مزاحمت کے بغیر بنگال کی حدود میں پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

شیر شاہ کو پسپا کر کے ہمایوں بنگال میں ٹھہرا ہوا تھا کہ اُسے معلوم ہوا، اس کے بھائی مرزا ہندال نے آگرہ میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا ہے۔ ہمایوں نے مجبوراً بنگال سے کوچ کر دیا مگر شیر شاہ نے جو موقع کی تاک میں تھا، ہمایوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ ہمایوں دریائے گنگا کے کنارے سفر کرتا ہوا ''چونسہ'' پہنچا تو ایک شب افغانوں نے مغل لشکر پر اچانک حملہ کر دیا۔ قتل و غارت کا شور سن کر ہمایوں نیند سے بیدار ہوا۔ اس نے فوج کو تیاری کا حکم دیا مگر افغان مغلوں کی خیمہ گاہ میں گھس چکے تھے۔ ہمایوں مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ، آخر تک لڑتا رہا تھا۔ جب وہ نرغے میں آنے لگا تو گھوڑے سمیت دریا میں کود گیا۔ تاہم وہ گھوڑے پر توازن قائم نہ رکھ سکا اور گنگا کی موجوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ ڈوبنے ہی والا تھا کہ شاہی خیمہ گاہ کا سقہ نظام اپنی مشک میں ہوا بھر کر اس کی مدد کو آن پہنچا اور اسے صحیح سلامت دریا کے پار لے گیا۔ ①

ہمایوں نے آگرہ پہنچ کر بمشکل ایک نئی فوج تیار کی۔ دس محرم ۹۴۷ھ (۲۹ مئی ۱۵۴۰ء) کو مغلوں اور افغانوں کے درمیان ''قنوج'' کے میدان میں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ ہمایوں بڑی بہادری سے لڑا مگر اس بار بھی اسے شکست ہوئی۔ آخر وہ مایوس ہو کر پنجاب چلا گیا جہاں اس کے بھائی کامران کی حکومت تھی مگر وہ بھی شیر شاہ کے خلاف لڑنے کی ہمت نہ کر سکا۔ شیر شاہ کا لشکر لاہور کے قریب پہنچا تو ہمایوں سندھ کی طرف نکل گیا۔ اس دوران اس کے سپاہی اکتا کر تتر بتر ہو گئے۔ وہ سندھ پہنچا جہاں عمر کوٹ کے قلعے میں مغل شہزادے اکبر کی ولادت ہوئی۔ ہمایوں سندھ میں کوئی قوت جمع نہ کر سکا اور اپنے بھائی مرزا عسکری سے مدد لینے افغانستان چلا گیا مگر اُس نے ہمایوں کو قید کر کے سوریوں کے حوالے کرنے کی سازش کر لی۔ ہمایوں کو بھنک پڑ گئی اور وہ اہل و عیال کو قندھار میں چھوڑ کر ایران چلا گیا۔

اُدھر ہندوستان میں شیر شاہ سوری اپنے قدم جما کر ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھ چکا تھا۔ ②

❁❁❁

① تاریخ ہندوستان: ج ۳ ص ۱۴۹ تا ۱۵۵۔ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۳۵۵ تا ۳۵۷
بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہمایوں نے اس خدمت کے بدلے نظام سقے سے کہا تھا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے جواباً کہا: آدھے دن کی بادشاہت۔ ہمایوں نے جب ایران سے واپس آ کر دوبارہ ہندوستان کا تاج و تخت حاصل کیا تو نظام سقے کو آدھے دن کے لیے اپنا تخت دے دیا۔ اس نے چند احکامات جاری کیے جن میں سے زیادہ تر اس کی اپنی قوم اور ہم پیشہ لوگوں کی فلاح و بہبود سے متعلق تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کرایا جو چمڑے کا تھا۔

② مآخذ:
❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۳۵۲ تا ۳۶۸ ❁ اکبر نامہ: ص ۳۴۳ تا ۳۵۵ ❁ افسانہ شاہان افغان (تاریخ افغان) از رزقی: ۲۵۸ تا ۲۶۳
❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۳ ص ۱۲۸ تا ۱۶۸، ۲۹۷، ۲۹۸ ❁ نزہۃ الخواطر: ج ۴ ص ۴۴۳

سوری سلطنت

۹۴۷ھ تا ۹۶۲ھ (۱۵۴۰ء تا ۱۵۵۵ء)

مدتِ اقتدار: پندرہ سال

بابر نے افغان قبیلے لودھی کو شکست دے کر ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کی تھی اس لیے بعض افغان اُمراء یہاں اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی کی کوشش کرتے رہے۔ بابر کے دور میں انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی تاہم ہمایوں کے دور میں انہیں شیر شاہ سوری جیسا قائد مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے متحد ہو کر ہمایوں کو شکست دے دی۔ اس کے بعد پندرہ سال تک ہندوستان کا اقتدار سوری افغانوں کے پاس رہا۔ یہ زمانہ شیر شاہ سوری کی عمدہ انتظامی اصلاحات کی وجہ سے تاریخِ ہند کا اہم باب سمجھا جاتا ہے۔

شیر شاہ سوری

۹۴۷ھ تا ۹۵۲ھ (۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء)

شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا، وہ بڑا ذہین، دلیر، عالم فاضل اور دانش مند آدمی تھا۔ جوانی میں وہ بہار کے حاکم سلطان محمود کا ملازم تھا۔ ایک دن سلطان شکار کھیل رہا تھا کہ ایک شیر اچانک سامنے آگیا۔ فرید خان نے تلوار سونت کر سلطان کی حفاظت کی اور شیر کو مار ڈالا۔

اس دلیری پر اسے شیر خان کا خطاب ملا۔ کچھ مدت تک وہ مغل حکمران ظہیر الدین بابر کے دربار سے بھی وابستہ رہا۔ مگر جب بابر کو شیر خان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے تشویش لاحق ہوئی تو شیر خان اس کے احساسات کو سمجھ گیا اور فوراً ملازمت چھوڑ کر بہار واپس چلا گیا۔

ہمایوں کے دور میں اس نے بہار پر قبضہ کر لیا اور پھر ہمایوں کو شکست دے کر ملک بدری پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد شیر خان، شیر شاہ کا لقب اختیار کر کے بنگال، بہار، جونپور، دہلی اور آگرہ پر مشتمل سلطنت کا حکمران بن گیا۔ جلد ہی اس نے پنجاب کو بھی مسخر کر لیا۔ اس نے دریائے جہلم کے پار گکھڑوں کی سرکشی کا سد باب کرنے کے لیے اس نے ''رہتاس'' نامی عظیم الشان قلعہ بنوایا اور اس میں پچاس ہزار سپاہی تعینات کیے۔

- ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں شیر شاہ نے راجستھان کا رخ کیا اور وہاں راجپوتوں کی کچھ ریاستوں کو زیر نگین کیا۔ ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ء) میں شیر شاہ نے راجہ کرت سنگھ کے مضبوط قلعے ''کالنجر'' پر حملہ کیا جو ہندوستان کے مستحکم ترین قلعوں میں سے تھا۔ اس کی فصیلوں پر گولہ باری جاری تھی کہ ایک گولہ قلعے کی دیوار سے ٹکرا کر واپس مسلمانوں کے

بارودخانے پر آگرا۔ اس دھماکے سے شیر شاہ سوری اور بعض امراء بری طرح جھلس گئے۔ شیر شاہ نے اسی حالت میں امراء کو حکم دیا کہ قلعہ فتح کر کے دکھاؤ۔ شام کے وقت جان کنی کی حالت میں قلعہ فتح ہونے کی خبر ملی تو مسکرا کر ''الحمدُ للہ'' کہا اور جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ بارہ ربیع الاول ۹۵۲ھ (۲۲ مئی ۱۵۴۵ء) کا واقعہ ہے۔

برصغیر کے اس عظیم سیاست دان نے پندرہ سال امارت اور پانچ سال بادشاہت کی۔ بہار کے ضلع سسرام کے ایک خوبصورت تالاب کے درمیان اس کا شاندار مقبرہ آج بھی لوگوں کو دعوت فکر و عمل دے رہا ہے۔

شیر شاہ نماز روزے کا سخت پابند تھا۔ نوافل کا بھی ہمیشہ اہتمام کرتا تھا۔ ملازمین کے تقرر کے وقت وہ ان سے پانچ امور کا وعدہ لیتا تھا: ❶ کبھی مسخرہ پن نہیں کرنا۔ اس میں دین و دنیا دونوں ضائع ہوتے ہیں۔ ❷ قمار بازی سے بچتے رہنا۔ ❸ لوگوں کی حق تلفی بالکل نہ کرنا۔ ❹ نماز ہرگز نہ چھوڑنا۔ ❺ روزے کا اہتمام کرنا۔

شیر شاہ کی عمل داری میں شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پیتے تھے۔ ایک بار اٹاوہ کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص قتل ہو گیا اور قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا۔ گاؤں کا مقدم (نمبردار) بھی لاعلمی ظاہر کرتا تھا۔ شیر شاہ تک یہ مقدمہ پہنچا تو اس نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ اس گاؤں کا کوئی درخت کاٹنا شروع کرو اور جو تمہیں روکے اسے پکڑ کر لے آؤ۔ انہوں نے جب حکم یہ کام شروع کیا تو نمبردار نے آکر انہیں روکا۔ وہ دونوں اسے پکڑ کر لے آئے۔ شیر شاہ نے اسے کہا: ''تمہیں درخت کٹنے کی خبر ہو گئی مگر ایک انسان کا گلا کٹنے کا پتا نہ چلا۔'' اس کے بعد حکم دیا کہ اس علاقے کے نمبردار تین دن کے اندر قاتل کا پتا بتائیں ورنہ انہی کو قتل کیا جائے گا۔ نمبردار اور چودھری لوگ قاتل کو جانتے تھے مگر حقیقت چھپا رکھی تھی۔ جب جان پر بنی تو سب اُگل دیا اور قاتل اپنے انجام کو پہنچا۔

شیر شاہ کے عہد میں قحط سالی یا اناج کی گرانی کی نوبت نہیں آئی۔ اس نے غلہ سستا کرنے کا یہ انتظام کر رکھا تھا کہ سرکاری اہل کار تمام کھیتوں سے ایک خاص مقدار میں غلہ وصول کر کے سرکاری گوداموں میں جمع کر دیتے تھے۔ ملک میں جہاں بھی اناج کی قلت ہوتی، سرکاری گوداموں سے غلہ وہاں پہنچا کر نہایت سستے داموں فروخت کر دیا جاتا۔

شیر شاہ نے بنگال کے شہر سنار گاؤں سے پشاور تک ایک عظیم شاہراہ تعمیر کرائی جو جرنیلی سڑک کے نام سے مشہور ہوئی۔ سڑک کے دونوں کناروں پر سایہ دار اور پھل دار درخت کثرت سے لگائے گئے تھے۔ سڑک کے کنارے جگہ جگہ سرائے، باؤلیاں، مساجد اور ڈاک کی چوکیاں تھیں۔

شیر شاہ کو بہت سی کتابیں ازبر تھیں۔ ایک بار کسی بزرگ کے صاحبزادے سے ملاقات ہوئی۔ شیر شاہ نے اس سے کوئی نحوی مسئلہ پوچھا۔ صاحبزادے نے لاعلمی ظاہر کی۔ شیر شاہ نے اسے کافیہ کا پورا متن سنا دیا۔ پھر کہا: ''تم نے اپنا گھرانہ کھو دیا۔ مجھے دنیاداری میں مشغولیت کے باوجود اتنا کچھ یاد ہے۔ شاید تمہیں علم کا چسکا نہیں لگا۔''

وہ آئینے میں اپنی سفید ڈاڑھی دیکھ کر کہتا تھا: ''حکومت نصیب ہوئی مگر شام ہونے پر۔'' اکثر آستینیں چڑھائے رکھتا تھا۔ کوئی وجہ پوچھتا تو کہتا: ''شام ہو گئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ جتنی فرصت ہے، اس میں کچھ کارِ خیر کر لوں۔''

ہمایوں شیر شاہ کو علمِ سیاست کا معلّم کہا کرتا تھا۔ اس علم کے حوالے سے شیر شاہ کے اقوال مشہور ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

❁ دو شمشیریں ایک نیام میں اور دو حاکم ایک مقام میں نہیں رہ سکتے۔

❁ شہریوں کو تھوڑی رعایت دینے سے بھی حکمران کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

❁ سلطنت کی مثال درخت کی سی ہے اور سیاست کی پانی جیسی۔

❁ ملک کی بقا، ریاست کی وسعت، خزانے میں اضافہ اور بستیوں کی آبادی، عدل کا صلہ ہے۔

❁ ظلم بدترین عادت ہے۔ اس کا نتیجہ حکومت کا زوال اور ملک کی تباہی ہے۔

❁ قانونِ شرعی کے بغیر کسی کا حق اپنی جگہ پر نہیں پہنچتا اور سیاسی قواعد کے بغیر شریعت کا کام بھی منضبط نہیں ہوتا۔

❁ حاکم کے دل میں خود غرض لوگوں کی باتیں اثر نہ کرنے پائیں۔

❁ ضروری ہے کہ حکمران ماتحتوں کی حالت سے خفیہ طور پر آگاہ رہے تاکہ ان سے بددیانتی نہ ہونے پائے۔

❁ حکمران کو خود غرض لوگوں کی باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

❁ حکمران، دولت کی حرص کی وجہ سے دوست اور دشمن کی پہچان نہیں کرتا۔

❁ جب لوگ گھر کا پیسہ حاکم کو دے کر چھٹکارا پاتے ہیں تو پھر چوری اور ڈاکے سے پیسہ پیدا کرنے لگتے ہیں۔

❁ ملک کی دولت مندی اور سرسبزی و شادابی کاشت کاری پر منحصر ہے۔

❁ اگر کاشت کاروں پر ظلم ہو تو پھر ان سے ٹیکس لینا بڑی ناانصافی اور بے شرمی کی بات ہے۔

❁❁❁

شیر شاہ کے بعد اس کے بیٹے سلیم شاہ (اسلام شاہ) نے ۹۶۰ (۱۵۵۳ء) تک حکومت کی۔ وہ قابل مگر طبیعت کا سخت مزاج تھا۔ اس نے اپنی ہوشیاری کی وجہ سے ملک کو متحد رکھا۔ اس کے بعد سوریوں کا دورِ زوال شروع ہو گیا۔ عادل شاہ سوری کے دور میں اس کی فضول خرچی کے باعث خزانہ خالی ہونے لگا۔ اس نے ایک لالچی ہندو "ہیمو" کو اپنا مقرب بنا کر عوام پر مسلط کر دیا اور خود عیش و نشاط میں منہمک ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔

کچھ عرصے بعد سوریوں کے ایک سردار ابراہیم خان سوری نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اُدھر پنجاب میں شیر شاہ سوری کے بھتیجے سکندر شاہ نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یوں سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ان کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر ہمایوں دوبارہ ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور سوری خاندان کا دور ختم ہو گیا۔[1]

❁❁❁

---

① مآخذ: ❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱، ص ۴۶۳ تا ۴۸۳

❁ افسانہ شاہان افغان (تاریخ افغان) از خزینی: ص ۲۷۸ تا ۲۸۷

❁ تاریخ شیر شاہی از دولت محمد: ص ۵۵ تا ۱۴۴ ❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۳، ص ۲۲۱ تا ۳۳۳

ہمایوں......دوبارہ

(۱۵۵۵ء تا ۱۵۵۶ء)

ہمایوں شیر شاہ سے مغلوب ہونے کے بعد سندھ اور قندھار سے ہوتا ہوا ایران چلا گیا تھا۔ شاہ ایران طہماسپ نے ہمایوں کو نہ صرف پناہ دی بلکہ خوب مہمانداری کی۔ تقریباً ایک سال بعد ہمایوں واپس ہوا تو شاہ طہماسپ نے دس ہزار سپاہی ساتھ کر دیے تاکہ وہ کابل اور قندھار فتح کر کے اپنے بھائیوں کو ان کی بے مروتی کی سزا دے۔

ہمایوں نے ایرانی سپاہیوں کی مدد سے ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ء) میں قندہار اور کابل کو فتح کر لیا اور اپنے بھائیوں کامران اور مرزا عسکری پر قابو پا کر انہیں معاف کر دیا۔ اب اس کی قوت خاصی بڑھ گئی تھی چنانچہ ایرانی فوج کو واپس بھیج دیا گیا۔

ہمایوں اب خاصا بدل چکا تھا۔ اس نے غفلت اور عیش وعشرت ترک کر دی تھی اور دین داری پر پختہ ہو گیا تھا۔ اس تبدیلی کے باعث وہ مسلسل کامیاب ہونے لگا۔ دس سال بعد سوری افغان انتشار کا شکار ہوئے تو ہمایوں کابل سے نکلا اور ۹۶۲ھ (۱۵۵۵ء) میں پشاور پر بلا مزاحمت قابض ہو گیا۔ یہ خبر سن کر سوری حکمران سکندر شاہ ۸۰ ہزار گھڑ سواروں کو لے کر مقابلے پر آیا مگر ہمایوں کے سپہ سالار بیرم خان نے نوشہرہ کے قریب اسے شکستِ فاش دے دی۔ ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) میں ہمایوں نے لاہور بھی فتح کر لیا اور بیرم خان نے ان افغانوں کو جو دریائے ستلج کے پار جمع ہو رہے تھے، دریا عبور کر کے منتشر کر دیا۔ اس کے بعد مغل لشکر نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ رمضان میں ہمایوں دہلی پہنچا۔ اس نے آگرہ کی جگہ اب دہلی کو پایۂ تخت بنا لیا۔ یوں ہندوستان پر دوبارہ مغلوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

ہمایوں دوبارہ تاج وتخت حاصل کر کے صرف چھ ماہ زندہ رہا۔ اسے مطالعے کا بہت شوق تھا۔ ایک شام وہ دہلی کے قدیم قلعے کے کتب خانے کی چھت پر بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ہمایوں نماز کے لیے سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا لیکن اس کا قدم ڈگمگایا اور وہ نیچے جا پڑا۔ اس کے سر پر مہلک چوٹ آئی جس کے باعث ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ (۵ فروری ۱۵۵۶ء) کو اس کا انتقال ہو گیا۔ اسے دریائے جمنا کے کنارے دفن کیا گیا۔[1]

مؤرخ محمد قاسم فرشتہ اس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"وہ فطری طور پر بہادر تھا۔ سخاوت اور مروت اس کی سرشت میں تھیں۔ ریاضی میں بڑی دسترس تھی۔ ہمیشہ علماء وفضلاء کی صحبت پسند کرتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہتا۔ کبھی بلا وضو اللہ کا نام نہیں لیتا تھا۔ ایک دن اس نے میر عبدالحیٔ کو عبدل کہہ کر مخاطب کیا۔ پھر وضو کرنے کے بعد اس سے کہا: میں گفتگو کے وقت باوضو نہ تھا۔ چونکہ الحیٔ اللہ کا نام ہے، اس لیے تمہیں پورے نام سے نہ پکار سکا۔"[2]

❁❁❁

① مآخذ: ❁ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ❁ تاریخ ہندوستان: ج ۳ ص ۳۳۴ تا ۳۴۴ ② تاریخ فرشتہ: ۱/ ص ۴۸۷ تا ۴۹۹

جلال الدین محمد اکبر

۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء)

جلال الدین محمد اکبر اپنے والد ہمایوں کی جلاوطنی کے دوران سندھ کے قلعے عمر کوٹ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی والدہ کا نام حمیدہ بانو تھا۔ اس کا بچپن بڑی کسمپرسی میں گزرا اور وہ پڑھنے لکھنے سے محروم رہا۔ جب ہمایوں نے ہندوستان میں فتوحات دوبارہ شروع کیں تو اکبر کی تعلیم وتربیت کے لیے اساتذہ مقرر کرائے مگر وہ مہم جوئیوں میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ اس کی بدشوقی دیکھ کر اس کے اساتذہ بھی ہمت ہار گئے، یوں وہ علمی وادبی لحاظ سے کوئی خاص مقام حاصل نہ کر سکا۔

ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر کی عمر تقریباً چودہ سال تھی، ایسے میں ملکی انتظام کو اکبر کے اتالیق بیرم خان نے سنبھالا۔ ایران میں ہمایوں کے قیام اور شاہ ایران کی مہمان نوازی اور تعاون کی وجہ سے ایرانیوں اور مغلوں میں قریبی روابط پیدا ہو گئے تھے جس کی بناء پر ایرانی امراء اور شیعہ علماء کی مغل دربار میں شمولیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بیرم خان بھی انہی ایرانی امراء میں سے تھا۔ اکبر کو تخت پر بٹھانے میں بھی بیرم خان نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔

اکبر کی تخت نشینی کے وقت تک مغلوں کی حکومت مستحکم نہیں ہوئی تھی۔ سکندر شاہ سوری ازسرِ نو پنجاب پر یلغار کی تیاری کر رہا تھا جبکہ عادل شاہ سوری اپنے وزیر ہیموں بقال کے ساتھ دہلی پر حملے کے لیے پر تول رہا تھا۔ راجپوتوں نے بھی دوبارہ طاقت پکڑ لی تھی۔ دکن، بہار، گجرات، اڑیسہ، مالوہ، بنگال، سندھ اور کشمیر سمیت اکثر علاقے خودمختار ریاستیں بن چکے تھے۔ اکبر نے ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے کوہستان شوالک پر یلغار کر کے سکندر شاہ سوری کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔

پھر اس نے عادل شاہ سوری کے لشکر کا سامنا کیا جو ہیموں بقال کی کمان میں تھا جس میں ایک لاکھ گھڑسوار اور ڈیڑھ ہزار ہاتھی تھے۔ اُدھر اکبر کے پاس بیس ہزار سپاہی تھے۔ جمعہ ۲ محرم ۹۶۴ھ (۱۷ نومبر ۱۵۵۶ء) کو پانی پت کے میدان میں وہ تاریخی جنگ ہوئی جو پانی پت کی دوسری جنگ کہلاتی ہے۔ قریب تھا کہ مغلوں کو شکست ہو جاتی کہ ایک تیرانداز نے ہیموں بقال کی آنکھ کو نشانہ بنا دیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ ہیموں کو گرفتار کر لیا گیا اور بیرم خان نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد دہلی اور آگرہ پر دوبارہ مغلوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔

رمضان ۹۶۴ھ (مئی ۱۵۵۷ء) میں اکبر نے سکندر شاہ سوری کو جو مان کوٹ (جموں) کے قلعے میں محصور تھا، صلح پر مجبور کر کے بنگال بھیج دیا۔ یوں پورا پنجاب اکبر کے زیرنگیں آ گیا۔ اس کے بعد اجمیر، گوالیار، سنبھل، لکھنؤ، الٰہ آباد

اور جون پور بھی مغل سلطنت کے تابع فرمان ہو گئے۔

۹۶۷ھ (۱۵۵۹ء) میں اکبر نے اپنے ایرانی اتالیق بیرم خان کو معزول کر دیا کیوں کہ اس کے بعض اقدامات سیاسی مصلحتوں کی بجائے ذاتی اغراض پر مبنی محسوس ہو رہے تھے۔ بیرم خان نے ناراض ہو کر پنجاب میں بغاوت برپا کی مگر اسے شکست ہوئی۔ اکبر نے اسے معاف کر کے اس کی خواہش کے مطابق حجاز روانہ کر دیا۔ راستے میں ایک افغان سردار نے خنجر کے وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

اکبر نے اگلے پندرہ بیس سال سلطنت کی توسیع میں گزارے۔ اس کے جرنیل ہر طرف پھیل گئے اور ایک کے بعد ایک ریاست کو مغل سلطنت کا حصہ بناتے گئے۔ کئی مہمات میں اکبر نے خود فوج کی کمان کی۔

اکبر نے تخت نشینی کے تیسرے سال ۹۶۵ھ (۱۵۵۸ء) میں آگرہ کو پایہ تخت بنالیا اور اسے ''اکبر آباد'' کہا جانے لگا۔ ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) میں اس نے آگرہ سے کچھ دور ''سیکری'' کے قصبے میں ایک نیا شہر بسا کر اسے دارالحکومت بنالیا جو ''فتح پور سیکری'' کہلایا۔ ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) سے ۱۰۰۶ھ (۱۵۹۸ء) تک کے بارہ برسوں میں اکبر نے اکثر اوقات لاہور کو مرکز بنائے رکھا اس دوران وہ کابل، کشمیر، سندھ اور بلوچستان کی تسخیر میں مشغول رہا۔

اکبر کی فتوحات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا درست ہے کہ اکبر کی سلطنت برصغیر کی عظیم ترین سلطنتوں میں سے ایک تھی جو شمالی اور وسطی ہندوستان سے مشرق میں بنگال، مغرب میں افغانستان اور جنوب میں دکن تک وسیع تھی۔ اکبر نے جو فتوحات کیں، ان کے بعد سلطنتِ مغلیہ درج ذیل صوبوں پر مشتمل تھی: دہلی۔ آگرہ۔ لاہور۔ ملتان۔ کشمیر۔ کابل۔ قندہار۔ سندھ۔ اجمیر۔ الہ آباد۔ اودھ۔ بہار۔ بنگال۔ اڑیسہ۔ مالوہ۔ گجرات۔ خاندیس۔ برار۔ احمد نگر

اکبر کی فتوحات کے دو اَدوار تھے: پہلا دور ۹۶۷ھ (۱۵۶۰ء) سے ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) تک ہے، جس میں مغل سلطنت سے آزاد ہونے والے علاقے بازیاب کیے گئے اور تقریباً پورا شمالی ہندوستان زیر نگین کر لیا گیا۔

اکبر کی فتوحات کا دوسرا دور ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) سے ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) تک ہے۔ اس میں وہ علاقے بھی مسخر کر لیے گئے جو پہلے کبھی مغل سلطنت کا حصہ نہیں رہے تھے، یعنی کشمیر، سندھ، بلوچستان، اڑیسہ اور دکن۔

دکن کی فتح کے بعد ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۲ء) میں اکبر واپس آگرہ پہنچا اور چار سال بعد جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ (اکتوبر ۱۶۰۵ء) میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی عمر ۶۴ سال تھی۔ دورِ حکومت ۵۱ سال رہا۔ تدفین آگرہ سے کچھ دور سکندر آباد میں ہوئی۔ اکبر پیدائشی طور پر ایک سیاست دان، جرنیل اور قائد تھا۔ اپنی مملکت کو پورے ہندوستان پر حاوی کرنا اور تمام دشمنوں کو نیچا دکھانا، اس کی غیر معمولی سیاسی و عسکری قابلیت کا ثبوت ہے۔ اس کے پاس ہندوستان کی سب سے بڑی فوج تھی۔ جس میں پانچ ہزار سے زائد ہاتھی تھے۔ ملکی خزانہ دولت سے بھرا ہوا تھا۔ اکبر کی موت کے وقت خزانے میں دس کروڑ نقد روپے، ایک کروڑ لعل، دس من سونا، ستر من چاندی اور پانچ ارب تنکے تھے۔ ①

---

① تنکہ [illegible] ٹانکہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ تقریباً ۸ درہم کے بقدر تھا۔ آج کل کے لحاظ سے اس کی قیمت تقریباً ۵۰ ڈالر بنتی ہے۔

لشکر کے اصطبل اور حیوان خانے میں بارہ ہزار گھوڑے، چھ ہزار ہاتھی، ایک ہزار چیتے اور ایک ہزار ہرن موجود تھے۔ اس نے ڈاک کا بہترین انتظام کر رکھا تھا۔ گجرات کی خبریں پانچ دن میں آگرہ پہنچ جاتی تھیں۔

اکبر نے بکثرت تعمیراتی وترقیاتی کام کرائے، آگرہ کے قلعے کو از سرِ نو سرخ پتھروں سے تعمیر کرایا۔ سیکری کے ساتھ ایک نیا شہر فتح پور سیکری آباد کیا۔ وہیں ایک شاندار جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ گنگا جمنا کے درمیان اللہ آباد شہر بھی اکبر کی یادگار ہے۔ اکبر نے فریادیوں کے لیے دروازے کھلے رکھے۔ فریادی محل کے پھاٹک پر ایک ناقوس بجا کر بادشاہ کو متوجہ کر سکتا تھا۔ اس نے بلوغت سے قبل شادی پر پابندی لگائی۔ ہندوؤں میں ستی کی بے رحمانہ رسم پر قدغن لگادی اور ہندو بیواؤں کو نکاح کا حق دیا۔ مردوں اور عورتوں کو ایک ساتھ تالابوں پر برہنہ غسل کرنے اور عورتوں کو بے پردہ گھروں سے نکلنے بھی منع کیا۔ کسی کو جبراً مشرف بااسلام کرنا بھی قانوناً منع تھا۔

ہندوستان سمیت اکثر دنیا میں جاگیرداری نظام رائج تھا یعنی حکمران اپنے امراء کو زمینوں کا ایک وسیع وعریض قطعہ سپرد کر دیتے تھے جس کی پیداوار کا کچھ حصہ جاگیردار مرکز کو بھیجتا، باقی آمدن سے وہ علاقے کی عسکری ضروریات کا بندوبست کرتا تھا اور عندالطلب مرکز کو بھی فوج بھیجتا تھا۔ مگر جاگیرداروں کے سپاہی، بادشاہ کی بجائے جاگیردار کے وفادار ہوتے تھے۔ اسی لیے جاگیردار بغاوتیں بھی کرتے رہتے تھے۔ اس لیے اکبر نے جاگیرداری نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ "منصب داری" نظام رائج کیا۔ اس میں ہر سول یا فوجی عہدے دار کو ایک "منصب" دیا جاتا تھا، اس کے حامل کو "منصب دار" کہا جاتا تھا۔ مرکز اسے کبھی بھی، کہیں بھی، کسی بھی خدمت کے لیے مقرر کر سکتا تھا۔ جاگیرداری موروثی ہوا کرتی تھی مگر منصب داری موروثی نہ تھی۔ بادشاہ جب چاہے کسی منصب دار کا منصب چھین سکتا تھا۔ منصب دار کے مرنے پر اس کے اہل وعیال کو کچھ نہیں ملتا تھا اور تمام جائیداد سرکاری خزانے میں منتقل ہو جاتی تھی۔

سپاہیوں کی تعداد کے لحاظ سے منصب دار کو دو ہزاری، چار ہزاری، پنج ہزاری کہا جاتا تھا۔ پیادہ فوج کے منصب داروں کو "ذات" اور گھڑ سوار فوج والوں کو "سوار" کہا جاتا تھا۔ اچھی کارکردگی پر ترقی مل جاتی تھی۔ پنج ہزاری سے اوپر کے منصب شاہی خاندان یا انتہائی قابلِ اعتماد افراد کے لیے مخصوص تھے جو دس سے بیس ہزاری تک تھے۔

ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ بڑی تعداد میں آباد تھے۔ مسلمان بادشاہوں نے ان سب سے رواداری برتی اور سب کے حقوق کا خیال رکھا۔ تاہم اکبر کا زاویہ نظریہ تھا کہ ہندوؤں سے تعلقات کو مزید مضبوط بنایا جائے تاکہ ان کی دلی ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں۔[1]

❁❁❁

[1] ماخذ:
❁ اکبر نامہ یعنی تاریخ گورگانی: ابوالفضل مبارک۔ ص ۲۶۹ تا ۵۳۱۔
❁ آئینِ اکبری از ابوالفضل
❁ تاریخ الاسلام فی الہند، از عبدالمنعم النمر: ۲۰۵ تا ۲۱۳
❁ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۳۹۸ تا ۵۴۰
❁ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۵، ۳۹۹

اکبر اور دینِ الٰہی

اکبر کی تعلیم وتربیت کا زمانہ، اس کے باپ ہمایوں کی جلاوطنی کے دور میں گزر گیا تھا۔ وہ چودہ سال کا تھا جب ہمایوں چل بسا اور اسے تاج وتخت کی ذمہ داری مل گئی۔ اس کے بعد وہ سیاسی کاموں اور جنگی مہمات میں ایسا الجھا کہ کبھی اپنی پڑھائی پوری نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی آنکھوں سے چچاؤں کی بے وفائی اور خود غرضی کے مناظر دیکھے۔ باپ کا تاج وتخت سے محروم ہو کر در بدر پھرنا اس کے لیے نہایت غم انگیز تھا۔ پھر تخت سنبھالنے کے بعد اسے بیرم خان اور علی قلی خان جیسے جاں نثاروں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے حوادث نے اسے اندرونی طور پر توڑ پھوڑ کر اس کے مزاج میں بداعتمادی، تشکیک اور خلش پیدا کر دی جس کا ایک اثر یہ ہوا کہ وہ مقرب ترین لوگوں اور بلند پایہ شخصیات پر بھی بھروسہ کرنے سے ہچکچانے لگا۔ مگر ان تمام امور کے باوجود اکبر خاندانی اثرات کی وجہ سے اپنے باپ دادا کی طرح خوش عقیدہ تھا۔ بزرگوں اور علماء کی خدمت اور صوفیائے کرام کا احترام کرتا تھا اور ان کی مجالس میں حاضر ہوتا تھا۔ علماء کی جوتیاں سیدھی کرنا سعادت سمجھتا تھا، مسجد میں جھاڑو لگانا اور اذان دینا پسند کرتا تھا۔ اسے چشتی مشائخ سے خاص عقیدت تھی۔ اس نے کئی بار اجمیر کا سفر کیا اور خواجہ معین الدین اجمیری کی درگاہ پر حاضری دی۔ اس کی سلطنت میں علماء کا سکہ چلتا تھا۔ اس حالت سے وہ بے دینی کی طرف کیسے چلا گیا؟ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے۔

اکبر کا پہلا بیٹا شہزادہ سلیم (جہانگیر) بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اکبر نے ہر طرف سے مایوس ہو کر سیکری کے سجادہ نشین شیخ سلیم چشتی رحمہ اللہ سے دعا کرائی تھی۔ کچھ عرصے بعد شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اکبر نے سیکری کو ایک بابرکت مقام سمجھ کر وہاں ایک شاندار شہر فتح پور آباد کرا دیا۔ وہیں ایک حجرے میں وہ خاصا وقت عبادت وریاضت اور مراقبے میں گزارنے لگا۔ رفتہ رفتہ مذہب میں اس کی دلچسپی اتنی بڑھ گئی کہ اس نے ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں شیخ سلیم چشتی رحمہ اللہ کی خانقاہ کے قریب ایک عمارت تعمیر کرائی جسے "عبادت خانہ" کا نام دیا گیا۔ وہاں ہر نمازِ جمعہ کے بعد علماء ومشائخ اور امرائے دربار جمع ہوتے اور عقائد، ایمانیات، تصوف، سلوک اور معرفت جیسے موضوعات پر گفتگو ہوا کرتی۔

مگر یہ مجلس جو دینی رغبت کے جذبے سے شروع کی گئی تھی، اکبر کی علماء سے بیزاری کا سبب بن گئی کیوں کہ بدقسمتی سے اکثر درباری علماء وفضلاء دنیا پرست تھے۔ ان میں نشستوں پر جھگڑا ہوتا تھا اور ہر کوئی اگلی نشست پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ ہر ایک کی کوشش ہوتی تھی کہ اپنی برتری ثابت کرے اور دوسرے کو نیچا دکھائے۔ یہ دیکھ کر اکبر کا جی علماء سے اچاٹ ہو گیا۔ موقع پا کر کچھ عقلیت پسند فضلاء اکبر کے قریب تر ہو گئے۔ انہوں نے اکبر کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنے مقاصد کے لیے بری طرح استعمال کیا۔ ایک ایرانی فاضل ملا محمد یزدی نے اسے بہکا کر صحابہ کرام اور ان سے مروی روایات (جن پر دین کا مدار ہے) سے بداعتماد کر دیا۔ جاہ پسند، خوشامدی اور دنیا پرست دانشوروں نے اسے یقین دلایا کہ وہ صرف بادشاہ ہی نہیں، بہت بڑا عالم، مجتہد اور روحانی بزرگ بھی ہے اور اسے اسلام کی جگہ ایک

متبادل مذہب ایجاد کرنے کا بھی اختیار ہے۔ ایسے لوگوں میں ملا مبارک ناگوری اور اس کا بیٹا ابوالفضل پیش پیش تھے۔ ایک ہندو درباری بیربل اکبر کو ہندوؤں، آتش پرستوں اور مجوسیوں کی رسموں کے اجراء پر آمادہ کرنے میں پیش پیش تھا۔

اکبر کو صحیح عقیدے سے منحرف کرنے میں ابوالفضل بن مبارک کا بڑا ہاتھ تھا۔ ہندوستان کا یہ مشہور مؤرخ اور انشاء پرداز ۹۸۱ھ (۱۵۷۴ء) میں دربار مغلیہ سے منسلک ہوا اور ترقی کرتے کرتے وزیرِ اعظم بن گیا۔ آئین اکبری اور اکبرنامہ اس کی دو شہرۂ آفاق تصانیف ہیں۔ پہلی تیموری دور کے معاشرتی وتمدنی حالات کا مرقع ہے اور دوسری مغل سلاطین کی تاریخ۔ اس جیسے لوگوں سے متاثر ہو کر اکبر نے اس غیر اسلامی اصول کو اپنا لیا کہ دین کی منقولہ چیزوں یعنی قرآن وحدیث کی وہ حیثیت نہیں جو علماء بیان کرتے ہیں بلکہ صحیح یا غلط کا اصل دارومدار عقل پر ہے۔ ابوالفضل نے فرقہ نقطویہ کے بعض عقائد بھی اپنا لیے تھے۔ یہ فرقہ ایران میں پیدا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی میعاد ختم ہو چکی ہے اور اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھادی کہ دینِ اسلام کی مدت ایک ہزار برس تھی جو پوری ہو چکی ہے۔ اس طرح اکبر کا ''دینِ الٰہی'' شروع ہوا جس کے اہم ارکان اور رُسومات یہ تھیں:

❶ دینِ الٰہی میں داخلے کے لیے کلمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، محمد رسول اللّٰه، اکبرُ خلیفةُ اللّٰه'' پڑھوایا جاتا تھا۔
❷ اکبر کو سجدۂ تعظیمی کیا جانے لگا۔
❸ ہندو خواتین سے نکاح کی پوری گنجائش رکھی گئی۔
❹ ہندوؤں کو شرک سے بری اور توحید کا قائل تسلیم کر لیا گیا۔
❺ ہندوؤں کی مختلف رسمیں اپنالی گئیں۔ قشقہ لگانا، راکھی بندھن بندھوانا عام ہوگیا۔
❻ ہندوؤں کی طرح سات بار الگ الگ شکلوں میں جنم لینے کا عقیدہ اپنایا گیا۔
❼ سود، جوئے، شراب نوشی اور خنزیر کو حلال سمجھا گیا جبکہ گائے ذبح کرنے کو حرام قرار دیا گیا۔
❽ سورج اور ستاروں کی پرستش اختیار کی گئی۔
❾ زکوٰۃ کی ممانعت کر دی گئی۔

اکبر کی یہ نئی مذہبی افتاد مسلمانانِ ہند کے لیے ایک بہت بڑا امتحان تھی، کیوں کہ آزاد خیالی کی اس فضا کو جو شاہی دربار میں عام ہو چکی تھی، اگر تبدیل نہ کیا جاتا، تو بہت جلد پورا ہندوستان اسی رنگ میں رنگا جاتا۔ اس مہم کی وجہ سے برصغیر میں صحیح اسلامی عقیدے ونظریے کی بقا خطرے میں پڑ گئی۔ نہ صرف مدارس ومساجد میں علماء ومشائخ حالات کے اس رُخ کو سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے بلکہ کئی امرائے دربار بھی اس صورتحال پر سخت مضطرب تھے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اکبر کے دور میں کفر والحاد کی اس فضا کے خلاف مکمل سکوت طاری تھا اور دورِ جہانگیری میں حضرت مجدد رحمہ اللہ کے کلمۂ حق سے پہلے فضا میں مکمل سکوت تھا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ تاریخی مآخذ گواہی دیتے

ہیں کہ اکبر کے دور میں بھی حق گوئی کی سنت زندہ رکھنے والی شخصیات موجود تھیں اور ان کا طرزِ عمل مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی نبضوں کو سہارا دے رہا تھا۔ اس دور میں متعدد علماء اور امراء کی باہمی فکر و مساعی سے بنگال اور کابل میں بغاوتیں بھی ہوئیں۔ خصوصاً پشاور سے جلال آباد تک شیخ بایزید انصاری نے ہزاروں آدمی جمع کر کے مغلوں سے ٹکر لی مگر ہر بغاوت کچل دی گئی اور مخالفین کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔

جن علماء نے دینِ اکبری پر یا اس کے حوالے سے اکبر پر تنقید کی، انہیں عتابِ شاہی کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ دربار کے دو سب سے بڑے علماء: مولانا عبداللہ سلطان پوری اور مولانا عبدالنبی گنگوہی (شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے) کو جلاوطن کر کے حجاز بھیج دیا گیا۔ دو سال بعد یہ دونوں حالات سدھرنے کی امید میں واپس آئے تو انہیں قتل کرا دیا گیا۔ بنگال کے قاضی القضاۃ مولانا یعقوب مانکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر پر اعتراضات کیے تو وہ بھی جان سے گئے۔ یہی انجام ملا یزدی کا ہوا جو اکبر کو گمراہ کرنے میں شریک تھا مگر اس کے ہندوانہ طریقوں پر اعتراض کرنے لگا تھا۔ علماء کے ایما پر کچھ مغل امراء نے بنگال اور کابل میں خروج کیا مگر ہر جگہ بغاوت میں شریک افراد کو نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ شیخ عبدالقادر اُچی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابراہیم محدث اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کلمۂ حق بلند کیا اور اس کی پاداش میں معتوب ٹھہرے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے سجادہ نشین شیخ حسین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کے سامنے غیر شرعی آداب بجالانے سے صاف انکار کر دیا جس پر اکبر بڑا غضب ناک ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سسر شیخ سلطان تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کو شریعت پر استقامت کی پاداش میں قتل کرا دیا گیا۔

عین اسی زمانے میں سلسلۂ نقشبندیہ کے نامور بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ خاموشی، دور اندیشی اور حکمت و تدبر کے ساتھ اس طوفان کے سامنے بند باندھنے کے لیے مصروفِ کار رہے۔ ان کی مساعی کا ہدف اکبر کے قریبی لوگوں کو ہم فکر بنا کر دربارِ مغلیہ کی اصلاح تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بھی اس سلسلے میں ان کے شانہ بشانہ تھے مگر چوں کہ یہ مساعی انتہائی خفیہ رکھی گئی تھیں، اس لیے ان کوششوں کی تفصیل بھی پسِ پردہ رہی۔ البتہ حقائق گواہی دیتے ہیں کہ چند برسوں کے بعد دربارِ اکبری پر خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے اثرات پڑنے لگے تھے اور اس فتنے کے سرغنہ ابوالفضل کا زور ٹوٹنے لگا تھا۔ چنانچہ اس کے بہنوئی خواجہ حسام الدین نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اسی طرح دربارِ اکبری کا سپہ سالار عبدالرحیم خانِ خاناں بھی حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد ہو گیا تھا اور اس نے بھی ابوالفضل کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔

علمائے حق کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دربارِ اکبری کے اُمراء کی اکثریت اسلام پر قائم رہی۔ اگرچہ زیادہ تر اُمراء ایک مدت تک عتابِ شاہی کے خوف سے خاموش رہے مگر انہی میں سے چند راسخ العقیدہ امراء محتاط حکمتِ عملی کے ساتھ اسلام کا دفاع بھی کرنے لگے اور ان کا دینِ اکبری کے پیروکار اُمراء کے ساتھ سنجیدہ مباحثہ بھی ہونے لگا۔ اسلام پسند اُمراء میں قطب الدین محمد خان اور امیر شہباز خان کنبوہ بھی تھے جو خفیہ طور پر صحیح عقائد کا دفاع کرتے رہے۔

تاہم راسخ العقیدہ اُمراء میں دو حضرات: مرزا کوکہ (مرزا عزیز الدین) اور شیخ فرید عرف بخشی امیر سب سے نمایاں رہے جنہوں نے اس حوالے سے بڑی حکمت اور تدبیر سے کام کیا۔ مرزا کوکہ نے اکبر کا دل جیت کر خانِ اعظم (نائب سلطنت) کی حیثیت حاصل کر لی۔ اس سے قبل صحیح العقیدہ اُمراء کا ابوالفضل جیسے چہیتے رتنوں پر بس نہیں چلتا تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ حق گوئی کی کوشش سخت ابتلاء کا سبب نہ بن جائے مگر مرزا کوکہ کے بالا دست ہو جانے کے بعد اسلام پسند امراء کا زور بڑھنے لگا۔ اگرچہ اکبر کی زندگی میں غیر شرعی قوانین تبدیل نہ ہو سکے بلکہ اس زمانے میں کچھ نئے خلافِ اسلام احکام بھی جاری ہوئے مگر اسلام پسند اُمراء ان کے نفاذ میں تعطل کی پوری کوشش کرتے تھے۔

یہ امراء براہِ راست اکبر کے اقدامات یا فیصلوں پر تنقید نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی مطیع جماعت میں شامل ہو کر وہ یہی ثابت کر رہے تھے کہ وہ سلطنت کے اصل خیر خواہ ہیں جبکہ ابوالفضل جیسے لوگ ملک وملت کے لیے باعثِ ننگ وعار ہیں۔ اس طرح ان کی اولین کوشش یہ تھی کہ اسلام مخالف درباریوں کا اثر ورسوخ ختم کر دیا جائے۔ وہ اس کوشش میں خاصے کامیاب رہے اور ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ء) کے بعد آہستہ آہستہ دینِ اکبری کا زور کم پڑنے لگا۔

ابوالفضل اور فیضی اور ان کے باپ قاضی مبارک نے حبِ مال وجاہ کے لیے اکبر کو بدعقیدگی کے راستے پر لگایا تھا مگر ذوالقعدہ ۱۰۰۱ھ (اگست ۱۵۹۳ء) میں قاضی مبارک کا انتقال ہو گیا۔ فیضی بھی رخصت ہو گیا اور ابوالفضل جس نے اکبر کو گمراہ کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا تھا اور اس کا مقرب ترین رتن تھا، اکبر کی نگاہوں سے گرتا چلا گیا۔ ولی عہدِ سلطنت شہزادہ سلیم (جہانگیر) بھی اس سے سخت نالاں تھا۔ ابوالفضل نے رنج وغم کے باعث دربار میں آنا ترک کر دیا۔ کئی ماہ تک وہ عزلت نشین رہا مگر آخر یہ طرزِ عمل بے سود دیکھ کر اس نے دوبارہ دربار میں حاضر ہونا شروع کر دیا۔ اسلام پسند امراء نے ایک بار پھر اسے دربار سے بے دخل کرنے کی کوشش کی جو کامیاب رہی۔

۱۰۰۷ھ (۱۵۹۹ء) میں اکبر کے حکم سے ابوالفضل کو دکن کے کٹھن محاذ پر جانا پڑا۔ وہاں کے محاذ کا امیر عبدالرحیم خانخاناں شیخ باقی باللہ رحمہ اللہ سے تعلق رکھتا تھا اور ان کی ہدایت کے مطابق دینِ اکبری کی راہ مسدود کرنے کے لیے پُرعزم تھا۔ چنانچہ خانخاناں نے ابوالفضل کے لیے قدم قدم پر مشکلات پیدا کرنا شروع کر دیں۔

انہی دنوں اکبر نے اپنے ولی عہد شہزادہ سلیم کو نائب السلطنت مقرر کر کے خود دکن کے محاذ کا رُخ کیا۔ اُدھر اسلام پسند امراء نے دربارِ اکبری میں قدم جمانے کے بعد ایک منظم بغاوت کی منصوبہ بندی کر لی تھی کیوں کہ اکبر کے ذہن کو بدلنا بہر حال ان کے بس سے باہر تھا۔ ان امراء نے ولی عہدِ سلطنت جہانگیر کو اپنا ہم خیال بنا لیا جو ان دنوں الٰہ آباد میں تھا۔ اکبر دکن کی مہم میں مشغول تھا کہ اسے جہانگیر کی بغاوت کی اطلاع ملی۔ اکبر بڑی تیزی سے آگرہ واپس آن پہنچا۔ اس سے یہ مخفی نہیں رہ سکتا تھا کہ شہزادے کے بغاوت کے پسِ پردہ عوامل کیا ہیں مگر اس وقت اسلام پسند امراء سلطنت کے اہم ترین تھے۔ اس لیے اکبر نامہ وپیام کے ذریعے شہزادے پر قابو پانے کی تدابیر کرنے لگا۔ شہزادے نے طاقت آزمائی بے سود دیکھی تو باپ سے معافی مانگ لی اور یہ شورش ختم ہو گئی۔

اسلام پسند طبقے نے احتیاط پر مبنی اپنی کامیاب حکمتِ عملی کو ترک کر کے غلطی کر دی تھی۔ کابل سے دکن تک حاوی اکبر کی اس طاقت کو پارہ پارہ کرنا جس میں ہندو راجاؤں کی افواج کی بہت بھاری نفری شامل تھی، آسان کام نہ تھا۔ بغاوت نہ ہوتی تو اکبر زیادہ سے زیادہ ایک دو عشرے مزید حکومت کر کے مرجاتا اور اگلی حکومت اسلام پسندوں ہی کی ہوتی۔ مگر ناکام بغاوت کی صورت میں پورا خطرہ تھا کہ اکبر جو بے دینی کی انتہاء سے اب آہستہ آہستہ واپس آسکتا تھا، ایک بار پھر ملحد اور بے دین لوگوں کو غالب کرنے پر تل جاتا۔

اسلام پسندوں نے یہ بھاری خطرہ مول لے لیا۔ بغاوت بھی ناکام ہوئی اور ایک سخت ابتلاء سر پر آن کھڑا ہوا۔ اکبر اب کوئی سخت ترین پالیسی نافذ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اسے ابوالفضل کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوئی، لہٰذا اسے دکن سے آگرہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ شہزادہ سلیم جانتا تھا کہ ابوالفضل فتنوں کی جڑ ہے۔ وہ پایۂ تخت پہنچ کر دربار کی فضا ایک بار پھر خراب کر دے گا اور اکبر کو اس پر آمادہ کر دے گا کہ وہ بغاوت میں ملوث طبقے کو زندہ نہ چھوڑے۔

سلیم نے مشیروں سے اس خدشے کا اظہار کیا تو اسے مشورہ دیا گیا کہ ابوالفضل کو آگرہ پہنچنے سے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا جائے۔ چنانچہ سلیم نے ابوالفضل کے راستے میں پڑنے والے ایک شہر کے حاکم راجا نرسنگھ راؤ کو حکم دیا کہ وہ ابوالفضل کو قتل کر دے۔ راجا نے حکم پر عمل کیا اور اس سے پہلے کہ ابوالفضل آگرہ پہنچتا، اسے راستے میں قتل کر دیا۔ یہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء) کا واقعہ ہے۔ اس کا سر شہزادہ سلیم کے پاس بھیج دیا گیا۔ اکبر کو ابوالفضل کے قتل کی خبر ملی تو سخت غضب ناک ہوا۔ مگر سیاسی مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہوئے سلیم کو کچھ نہ کہا۔

ابوالفضل کا قتل، ہندوستان میں الحاد کا پرچم اٹھانے والوں کی عبرت ناک شکست تھی۔ اس کے قتل پر مرزا اعزیز نے تاریخِ وفات کہتے ہوئے یہ مصرعہ کہا:

"تیغِ اعجازِ نبی اللہ، سرِ باغی برید"

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شمشیر نے اس باغی کا سر کاٹ ڈالا۔)①

❁❁❁

---

① ماخذ:

❁ منتخب التواریخ: ۲ ص ۱۹۰، ۳۸۷

❁ نزہۃ الخواطر: ۵ ص ۳۹۸، ۳۶۲، ۵۲۳، ۵۳۹، ۵۶۸، ۵۸۶، ۵۸۷،

❁ تاریخ دعوت وعزیمت: ج ۴ ص ۱۳۰، ۲۹۲

❁ انشائے ابوالفضل: دفتر دوم ص ۱۰۲

❁ تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ دہلوی: ج ۶ ص ۸۳۶

❁ مآثر الامراء: ج ۱ ص ۶۸۳، ۶۸۳

❁ رقعاتِ ابوالفضل: ص ۸۲، ۸۳

❁ تاریخ الاسلام فی الہند، از عبدالمنعم النمر: ص ۳۱۰

مزید دیکھیے: انشائے ابوالفضل، دفتر اول؛ دربار اکبری از محمد حسین آزاد؛ زبدۃ المقامات؛ منتخب اللباب از خافی خان؛
Akbar and the Jesuites:by Fr. Pierre Du Jarric

نورالدین محمد جہانگیر

۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۷ھ

(۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء)

اکبر کے بعد شہزادہ سلیم، نورالدین محمد جہانگیر کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ وہ ترکی، عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کا ماہر تھا۔ تاریخ، جغرافیہ، شاعری، فنِ تعمیر اور مصوری میں اسے خاص دلچسپی تھی۔ تاہم وہ غیر معمولی عزم و ارادے کا مالک نہ تھا۔ اکثر امورِ سلطنت نائبین کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتا تھا۔

جہانگیر کے مقابلے میں اس کا بیٹا خسرو بھی تخت کا اُمیدوار تھا، ایسے میں دربار کے نامور امیر شیخ فرید بخاری نے جہانگیر کی تخت نشینی کی راہ ہموار کی اور وعدہ لیا تھا کہ وہ اسلامی شریعت کا احترام کرے گا۔ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد بڑی حد تک یہ وعدہ نبھایا۔ اگرچہ وہ ذاتی زندگی میں شریعت پر سختی سے عمل پیرا نہ تھا مگر اس کی ہمدردی شروع سے اسلام پسند امراء کے ساتھ تھی۔ چنانچہ جہانگیر کی تخت نشینی دینِ اکبری کے لیے موت کا پروانہ ثابت ہوئی۔

جہانگیر نے حکمران بن کر بڑے عدل و انصاف کا ثبوت فراہم کیا۔ اس نے شاہی محل کے باہر ایک زنجیر لٹکا دی جسے حرکت دینے سے گھنٹیاں بج اٹھتی تھیں۔ حکم تھا کہ جو لوگ عدالتوں سے رجوع کرنے کے بعد بھی انصاف سے محروم رہیں، وہ اس زنجیر کو کھینچ کر بادشاہ کو بلا سکتے ہیں۔ اس طرح مظلوم لوگ سفارشوں اور رشوتوں سے بچ گئے۔

جہانگیر کے دور میں کچھ بغاوتیں بھی ہوئیں۔ اس کے بیٹے خسرو نے پنجاب جا کر شورش برپا کر دی۔ جہانگیر تعاقب میں نکلا اور دریائے راوی کے قریب باغی شہزادے کو شکست دے دی۔ خسرو کی اس بغاوت میں پنجاب میں ابھرنے والے ''سکھ'' مذہب کے پیشوا گرو اُرجن نے مدد دی تھی۔ جہانگیر نے ارجن کو اس جرم میں سزائے موت دے دی جس سے سکھوں میں مغلوں کے خلاف سخت اشتعال پھیلا۔

دکن میں عنبر حبشی نامی ایک جنگجو افسر نے بغاوت کر کے بڑی مشکلات پیدا کر دیں اور بڑے بڑے نامور مغل امراء کو پے در پے شکستیں دیں۔ آخر میں جہانگیر کے فرزند شہزادہ خرم نے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں عنبر کو مغلوب کر کے صلح پر مجبور کر دیا۔

اس زمانے میں یورپی طاقتیں ساحلِ ہند پر قدم جما چکی تھی۔ سب سے پہلے پرتگیزی یہاں آئے۔ ان کے بعد ولندیزی (ڈچ) بھی آن پہنچے۔ ولندیزیوں کا بڑھتا ہوا تسلط دیکھ کر برطانیہ کے تاجروں نے دسمبر ۱۶۰۰ء میں ''ایسٹ انڈیا ٹریڈنگ کمپنی'' کا آغاز کر دیا۔ یہ سب ہندوستان کی تجارت اپنے ہاتھوں میں لینے کے لیے کوشاں تھے۔ باہمی چپقلش کے باعث ان کے مابین سمندری معرکے بھی ہوتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سالہا سال کی کوشش اور

انتظار کے بعد ۱۶۰۸ء میں جہانگیر سے تجارت کا اجازت نامہ حاصل کرلیا۔ ۱۶۱۵ء میں برطانوی سفیر ٹامس رو کی کوششوں سے کمپنی کو ٹیکس میں غیر معمولی رعایت مل گئی، اس طرح جنوبی ایشیا کی تجارت کا زیادہ فائدہ برطانیہ کو ملنے لگا۔

جہانگیر کے دور میں نور جہاں کا کردار بہت اہم ہے، جس کا اصل نام مہرالنساء تھا۔ اس کے والد غیاث الدین کا تعلق ایران سے تھا۔ مہرالنساء اپنے حسن و جمال، شعر و ادب میں مہارت اور دیگر خوبیوں کی بناء پر مشہور تھی۔ پہلے اس کا نکاح علی قلی خان عرف شیر افگن سے ہوا تھا۔ اس کی موت کے بعد مہرالنساء اپنے باپ کے گھر آگرہ آگئی۔

انہی دنوں جہانگیر کی پہلی زوجہ کا انتقال ہوا تھا اور اُسے ایک اچھی شریکِ حیات کی جستجو میں تھا۔ ایک دن جہانگیر محل کے باغ میں پھول توڑنے گیا تو اسے مہرالنساء دکھائی دی۔ جہانگیر کے ہاتھ میں دو کبوتر تھے۔ اس نے کہا: ''بی بی! ذرا یہ کبوتر پکڑو۔ میں پھول توڑوں گا۔'' جہانگیر پھول توڑنے لگا اور اُدھر ایک کبوتر مہرالنساء کے ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا۔ جہانگیر نے اس سے کبوتر مانگا تو بولی: ''صاحبِ عالم! کبوتر اڑ گیا۔'' جہانگیر نے ناراض ہوکر کہا: ''کیسے اڑا؟'' مہرالنساء دوسرا کبوتر اُڑا کر بولی: ''اس طرح۔'' یہ اَدا جہانگیر کو بھا گئی۔ اس نے جلد ہی نکاح کا پیغام بھیجا اور ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ء) میں دونوں کی شادی ہوگئی۔

جہانگیر نے ہندوستان کی اس نئی ملکہ کو پہلے ''نور محل'' اور پھر ''نور جہاں'' کا خطاب دیا۔ وہ اپنی ذہانت، علمی و ادبی مہارت اور حسن و جمال کی وجہ سے جہانگیر کی چہیتی تھی۔ تمام مشاغل، مسائل اور مصروفیات میں وہ جہانگیر کے ساتھ شریک رہتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ جہانگیر کے مزاج پر پوری طرح حاوی ہوگئی۔

جہانگیر بیمار رہنے لگا تھا۔ چنانچہ وہ خلوت پسند ہوگیا اور اس نے کاروبارِ سلطنت میں دلچسپی لینا چھوڑ دی۔ ایسے میں نور جہاں نے امورِ سلطنت بھی انجام دینا شروع کردیے۔ نور جہاں محل میں باقاعدہ دربار لگاتی اور امراء اس کے سامنے حاضر ہوتے۔

اس قدر بلند مرتبہ ہوکر نور جہاں کو موقع مل گیا کہ وہ ولی عہد کا فیصلہ اپنی مرضی سے کرے۔ جہانگیر کے بیٹوں میں سے خرم سب سے قابل تھا مگر نور جہاں نے جہانگیر کے دوسرے بیٹے شہریار کو ولی عہد بنانے کی کوشش شروع کردی۔ اس پر شہزادہ خرم بددل ہوکر نور جہاں کا مخالف بن گیا اور اس نے ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲ء) میں بہار اور بنگال میں علمِ بغاوت بلند کردیا۔ اس کے بعد شاہی افواج اور خرم کے لشکر میں کئی معرکے ہوئے۔ آخرکار تین سال بعد سپہ سالار مہابت خان نے خرم کو مغلوب کرکے باپ سے صلح پر مجبور کردیا۔

خرم کی بغاوت فرو کرنے کی وجہ سے مہابت خان کا رتبہ بڑھ گیا تھا۔ وہ نور جہاں اور ان ایرانی امراء کا بڑھتا ہوا اقتدار کم کرنا چاہتا تھا جنہوں نے جہانگیر کو عضوِ معطل بنا رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سفر کے دوران اپنے وفادار سپاہیوں کے ساتھ جہانگیر اور نور جہاں کو حراست میں لے لیا۔ تاہم نور جہاں نے اپنی سیاسی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے خفیہ طریقوں سے مختلف امراء سے رابطے کرکے انہیں مہابت خان کے خلاف اقدام پر آمادہ کرلیا۔ مہابت خان

خطرہ سامنے دیکھ کر فرار ہو گیا اور ملک کا نظم و نسق دوبارہ نور جہاں کے ہاتھ میں آ گیا۔

جہانگیر سیر و تفریح کے لیے کشمیر گیا ہوا تھا جہاں اُسے دمے کی تکلیف لاحق ہو گئی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء) میں لاہور کے قریب اس کا انتقال ہو گیا اور لاہور کی مضافاتی بستی شاہدرہ میں تدفین ہوئی۔

جہانگیر نے فتوحات کی بجائے عدل و انصاف اور تعمیرِ وطن کو ترجیح دی۔ اس نے قیدیوں کو رہا کر دیا اور تمام مخالفین کو عام معافی دے دی۔ اپنے معاونین کو اعلیٰ عہدے دیے اور سب کو خوش رکھا۔ اس نے بہت سے ٹیکس ساقط کر دیے۔ تاجروں کا مال و اسباب ان کی رضامندی کے بغیر کھولنے پر پابندی لگا دی۔ اس کے حکم سے ویران راستوں پر آبادی کا انتظام کیا گیا، وہاں مسافر خانوں اور مساجد کی تعمیر ہوئی اور کنوئیں کھدوائے۔ جرائم کی سزا میں ناک کان کاٹنا ممنوع قرار دیا گیا۔ جاگیرداروں کو رعایا کی زمین غصب کر کے کاشت کرنے سے روکا گیا۔ تمام بڑے شہروں میں مفت شفاخانے کھولے گئے۔ شراب پر پابندی لگا دی گئی۔ علماء اور ائمہ مساجد کے لیے سرکاری وظائف جاری کیے گئے۔

جہانگیر کو تعمیرات اور فنِ مصوری سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس کی ایک اور بیگم "صاحب جمال" تھی جو لاہور میں فوت ہوئی اور جہانگیر نے وہیں اس کا خوبصورت مقبرہ تعمیر کرایا جو بعد میں انارکلی کے مقبرے کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یاد رہے کہ انارکلی اور جہانگیر کے عشق کا واقعہ محض افسانہ ہے۔ تاریخ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

جہانگیر عمدہ ادبی ذوق رکھتا تھا اور خود ایک صاحبِ طرز ادیب تھا جس کا ثبوت اس کی خودنوشت سوانح "تزکِ جہانگیری" ہے۔ اس کی ایک اور تصنیف "پند نامہ" ہے جس میں اس نے اپنی اولاد کو نصیحتیں کی ہیں مگر یہ کتاب نایاب ہے۔ جہانگیر کے حالات پر اس دور کے مورخ معتمد خان نے "اقبال نامہ" لکھی جبکہ مرزا کامگار عرف عزت خان نے "مآثرِ جہانگیری" تحریر کی۔

جہانگیر کے دور کا ایک اہم واقعہ تمباکو نوشی پر پابندی ہے۔ پہلے طبیبوں نے تمباکو نوشی کو بعض امراض کے لیے باعثِ شفا قرار دیا تھا، اس لیے ہندوستان میں اس کی کاشت عام ہو گئی تھی۔ پھر لوگوں کو تمباکو نوشی کا چسکا لگنے لگا۔ جہانگیر نے اس کے نقصانات سے آگاہ ہو کر اس پر پابندی لگا دی۔ ①

❁❁❁

---

① مآخذ:

❁ تزکِ جہانگیری: ص ۳۳ تا ۴۰، ۵۵ تا ۶۰ ☆ اقبال نامہ: ص ۵۶

❁ مآثرِ جہانگیری: ص ۷۶

❁ تاریخ جہانگیر: ص ۳۰۵ تا ۳۲۲

❁ تاریخ الاسلام فی الہند: ص ۲۳۰ تا ۲۳۷

❁ تاریخ ہندوستان: ج ۶ ص ۱۳، ۱۴، ص ۵۰ تا ۷۰، ص ۱۰۰ تا ۱۰۳

❁ اقبال نامہ: ص ۵۰ تا ۵۶

❁ نزہۃ الخواطر: ج ۵ ص ۵۱۷، ۶۶۰

جہانگیر کے دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی خدمات:

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں زمانہ مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کرتا ہے، برصغیر کے عظیم مصلح تھے۔ آپ کی ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ (۲۶ جون ۱۵۶۴ء) کو سرہند کے ایک عالم فاضل گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے نامور علماء سے تعلیم حاصل کی اور متعدد عظیم صوفیائے کرام سے استفادہ کیا۔ آپ کو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت و اجازت ملی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے دور میں امنڈنے والے بے دینی کے سیلاب کا بچشمِ خود مشاہدہ کیا تھا اوران حالات سے آپ نہایت فکر مند تھے۔ آپؒ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ جن حضرات نے بہانگ دُہل اس ضلالت کا راستہ روکنے کی کوششیں کیں، انہیں نشانِ عبرت بنا دیا گیا اور کوئی مثبت تبدیلی نہ آسکی، خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سسر شیخ سلطان تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کو اکبری دور میں حق گوئی کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔ اس لیے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تدبیر کے مطابق پوشیدہ طور پر ذہن سازی اور کردار سازی میں مصروف رہے۔

جب جہانگیر کا دور آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مہم کو بھرپور طور پر شروع کر دیا۔ اگر چہ جہانگیر کے دور میں سرکاری سطح پر دینِ اکبری کے عقائد و نظریات کی ترویج بند کر دی گئی تھی مگر اس دور کی بعض غیر شرعی رسومات مثلاً سجدۂ تعظیمی اور زمین بوسی اس طرح باقی تھیں۔ نیز بہت سے اُمراء اب بھی ملحدانہ خیالات رکھتے تھے اس لیے شاہی گھرانے اور دربار تک ایک مؤثر دینی دعوت پہنچانے کی سخت ضرورت تھی۔ ایسے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اُمرائے سلطنت کی اصلاح وتربیت سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ کئی اُمراء آپ سے متاثر ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ سے رہنمائی لینے لگے۔ آپؒ نے اُن کے نام جو مکتوبات لکھے، وہ دین کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے آج بھی بہت مفید ہیں۔

اُدھر جہانگیر کی نور جہاں سے شادی کے بعد مغلیہ دربار میں ایرانی امراء کا غلبہ ہونے لگا۔ ان اُمراء اور خوشامدی مصاحبین کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی تحریک سے اپنی اغراضِ فاسدہ پر زد پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ ایسے مطلب پرست لوگوں نے جہانگیر کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھڑکا دیا۔

جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا تو آپ دربار میں تشریف لے گئے اور مجاہدانہ جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے زمین بوسی سے انکار کر دیا۔ حاسدین نے جہانگیر کو بہکایا کہ شیخ نے غرور وتکبر کی وجہ سے سجدۂ تعظیمی ترک کیا ہے اور ان کے عزائم باغیانہ ہیں، پس انہیں سزا ضرور دی جانی چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا اور اس کے ساتھ ہی آپ کے گھر اور کتب خانے کو بھی لوٹنے کا حکم دیا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری ان امرائے سلطنت کے لیے نہایت صدمہ انگیز تھی جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تھے۔ خطرہ تھا کہ وہ اس موقع پر کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر آمادہ ہو جاتے، مگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں بڑی حکمت کے ساتھ تسلی دے کر بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ آپ کو جیل خانے میں ملاقاتوں اور خط وکتابت کی اجازت تھی۔ آپ اپنی

گرفتاری سے دل گرفتہ ایک عقیدت مند کو قلعے سے جوابی مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کی برائی کے درپے ہونا عشق کے منافی ہے۔ یہ شخص کیا اور اس کی حقیقت کیا؟ وہ صرف محبوب کے فعل کی عکاسی کر رہا ہے۔ جو لوگ میری ایذاء کے درپے ہیں وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ احباب سے فرمایئے کہ دل کی تنگی دور کریں اور اس جماعت کی تکلیف دہی کا خیال بھی چھوڑ دیں۔"

الغرض حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ نہ خود جہانگیر کے خلاف لب کشائی کی نہ اپنی اولاد یا خادموں کو اجازت دی کہ اس کے لیے بددعا کریں۔ قید کے دوران بے شمار غیر مسلم قیدی آپ کی تعلیمات سن کر مسلمان ہوئے اور سینکڑوں فاسق و فاجر توبہ تائب ہوئے۔ بہت سے بیعت ہو کر سلوک و احسان کے اعلیٰ مقامات تک پہنچے۔

جہانگیر کے شکوک و شبہات کچھ عرصے میں دور ہو گئے۔ وہ اپنے کیے پر نادم ہوا اور ایک سال بعد ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) میں اس نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو قلعے سے رہا کر دیا۔ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ جہانگیر کے ساتھ رہے جس کے بہت مثبت اثرات پڑے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں اپنے صاحبزادے کو جہانگیر کے ہاں قیام کا کچھ حال یوں لکھا ہے:

"یہاں کے حالات قابلِ شکر ہیں۔ عجیب و غریب ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ الحمد للہ ان ملاقاتوں میں اسلامی عقائد کے متعلق بادشاہ سے جو گفتگو ہوتی ہے، اس میں بال برابر بھی چشم پوشی یا خوشامد کو دخل نہیں ہوتا۔ جو باتیں خصوصی مجالس میں بیان کی جاتی تھیں، وہی انہی الفاظ میں بادشاہ سے کی جاتی ہیں۔ آج ۷ رمضان کی شب کو انبیائے کرام کی بعثت کے ضروری ہونے، ہر مسئلے کے حل کے لیے عقل کے ناکافی ہونے، آخرت کے عذاب و ثواب پر ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت، مجددین اور خلفائے راشدین کی پیروی، تراویح کے مسنون ہونے، ساتھ جنم کا عقیدہ باطل ہونے، جنات کے موجود اور مکلف ہونے کے متعلق اچھی طرح بیان کیا گیا اور خوب اچھی طرح سنا گیا۔"

جہانگیر کے لشکر سے واپسی کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سرہند تشریف لا کر دس ماہ نو دن تک بقیدِ حیات رہے۔ ۲۷ صفر ۱۰۳۴ھ کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی اور سرہند میں ہی تدفین ہوئی۔ عمر ۶۳ برس تھی۔ معاشرے اور حکومتوں کی اصلاح کے لیے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ جدوجہد ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔[1]

❁❁❁

---

① ماخذ:

❁ زبدۃ المقامات: ص ۱۳۲ تا ۲۰۵
❁ روضۃ القیومیہ: ص ۱۲۶ تا ۱۶۷
❁ حضرات القدس: ص ۲۹۹ تا ۳۶۶
❁ تاریخ دعوت و عزیمت، جلد چہارم

شہاب الدین محمد شاہ جہاں

۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ء

(۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء)

جہانگیر کی وفات کے وقت اس کا کوئی جانشین طے نہ تھا۔ شہر یار کو نور جہاں کی سرپرستی حاصل تھی، مگر نور جہاں کی مقتدر حیثیت کو اس کا بھائی آصف خان حسد کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا لہٰذا وہ شہزادہ خرم کا حامی بن گیا۔ آصف خان اور دیگر معاون اُمراء کی مدد سے شہزادہ خرم بروقت آگرہ پہنچ کر تخت پر بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس نے اپنی سوتیلی والدہ نور جہاں سے بہت اچھا سلوک کیا اور اس کے لیے ایک خطیر وظیفہ جاری کیا۔ نور جہاں نے باقی عمر لاہور میں گزاری اور ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) میں وہیں فوت ہوئی۔ شاہ جہاں نے اس کا مقبرہ تعمیر کرایا۔

شاہ جہاں کے دور میں نہ صرف فنِ تعمیر، علم و ادب، معیشت و تجارت اور صنعت و حرفت میں بے مثال ترقی ہوئی بلکہ اسلامی طرزِ حیات کے لحاظ سے بھی یہ دور پچھلے ادوار سے بہت بہتر تھا۔ شاہ جہاں نے کئی بری رسوم کا خاتمہ کیا۔ اکبر اور جہانگیر کے دور میں بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کیا جاتا تھا۔ شاہ جہاں نے اس کی جگہ "چہار تسلیم" کو رائج کیا جس میں درباری کمر کو تھوڑا سا جھکا کر ہاتھ کو چار بار پیشانی تک لے جاتے تھے۔

مغلوں کا پایۂ تخت آگرہ تھا مگر شاہ جہاں نے ۱۰۵۸ھ (۱۶۴۸ء) میں دہلی کے ساتھ "شاہ جہان آباد" کے نام سے ایک نیا شہر تعمیر کر کے اسے دارالسلطنت قرار دیا۔ (شاہ جہاں آباد کو اب پرانی دتی کہا جاتا ہے۔) اس شہر کے وسط میں لال قلعہ تعمیر ہوا۔ شاہ جہاں سے بہادر شاہ ظفر تک مغل حکمران اور ان کے اہل و عیال اسی قلعے میں مقیم رہے۔

شاہ جہاں کو بعض بغاوتوں سے بھی سابقہ پڑا۔ دولت خان لودھی کے بیٹے خان جہان نے مالوہ اور شمالی دکن میں اس کے خلاف بغاوت کی۔ شاہ جہاں نے افواج بھیج کر اسے مغلوب کرلیا اور اپنے دربار میں جگہ دی۔ مگر وہ شاہ جہاں کی رعایت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہوگیا اور نظام شاہیوں سے مل کر دکن میں دوبارہ بغاوت کردی مگر شاہ جہاں ان سب کو مغلوب کرنے میں کامیاب رہا۔

اس وقت مغل سلطنت ہندوستان سے کابل تک وسیع ہوچکی تھی، ایسے میں شاہ جہاں نے مغلوں کے آبائی وطن وسطِ ایشیا کو فتح کرنے کی کوشش کی اور شہزادہ مراد کی قیادت میں وہاں لشکر بھیجا مگر یہ مہم ناکام رہی۔ ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں شاہ جہاں نے شہزادہ اورنگ زیب کو اس مہم پر بھیجا جس نے سخت جنگیں لڑ کر بلخ فتح کرلیا۔ مغلوں نے اس کے بعد وسطِ ایشیا میں قدم رکھ دیا تاہم سخت موسم اور حریف کے چھاپہ مار حملوں کی وجہ سے مغل وسطِ ایشیا میں زیادہ آگے نہ بڑھ سکے۔

اس زمانے میں پرتگیزی بنگال کے ساحل پر اپنے تجارتی مراکز قائم کر کے گرد و نواح کے علاقوں سے جبری ٹیکس

وصول کرنے اور مسافروں کو لوٹنے کے عادی بن چکے تھے۔ شاہ جہاں کے حکم پر ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ء) میں بنگال کے حاکم نے ان کے خلاف کارروائی کی اور انہیں ان کے مضبوط مرکز "ہُگلی" سے نکال باہر کیا۔

شاہ جہاں کے دور میں دکن پر مغلوں کی بالادستی از سرِ نو قائم کی گئی۔ بیجاپور اور احمد نگر کے حکمرانوں کو مغلوب کیا گیا۔ بندھیل کھنڈ کے راجا نے بھی بغاوت کی مگر مغلوں کے حملے میں وہ مارا گیا اور اس کی ریاست پر قبضہ کرلیا گیا۔ گولکنڈہ کے اثناء عشری حکمران خلفائے راشدین پر کھلم کھلا تبرابازی کرتے تھے۔ ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) میں شاہ جہاں نے وہاں کے حکمران کو تبرابازی سے منع کیا اور خطبے میں شاہِ ایران کی جگہ مغل حکمران کا نام لینے اور خراج ادا کرنے کا حکم دیا۔ گولکنڈہ کے حکمران نے مطالبات مان کر اپنی ریاست بچالی۔ جہانگیر کے دور میں قندھار پر ایران نے قبضہ کرلیا تھا۔ شاہ جہاں کے دور میں اس شہر کے عمائد کی حمایت حاصل کی گئی اور اسے دوبارہ مغل سلطنت کا حصہ بنالیا گیا۔

شاہ جہاں کے تعمیراتی شاہکار اپنی مثال ہیں۔ اس نے اپنی مرحومہ بیگم ممتاز محل کے مقبرے پر "تاج محل" کے نام سے سنگِ مرمر کی وہ محیّر العقول عمارت تعمیر کرائی جسے عجائباتِ عالم میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاہ جہاں کی تدفین بھی اسی عمارت میں ہوئی۔ لاہور میں جہانگیر کے مقبرے کی تعمیر نور جہاں نے شروع کرائی تھی، شاہ جہاں نے اسے مکمل کرایا۔ اس کے علاوہ لال قلعہ (دہلی)، جامع مسجد (دہلی)، شالامار باغ (لاہور)، مقبرہ نور جہاں و آصف جاہ (لاہور) اور شاہجہانی مسجد (ٹھٹھہ) بھی اس عظیم بادشاہ کی یادگاریں ہیں۔ وہ اسلامی آداب و اخلاق میں اپنے آباؤ اجداد سے بڑھ کر تھا۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند اور ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔ اس کے منہ سے کبھی کوئی گھٹیا لفظ نہیں سنا گیا۔ وہ آج کا کام کبھی کل پر نہیں ٹالتا تھا۔ وقت کا بڑا پابند تھا۔ صبح صادق سے دو گھنٹے پہلے بیدار ہوتا۔ وضو کرتا اور مسجد میں عبادت کے لیے چلا جاتا۔ نمازِ فجر کے بعد کچھ دیر وظائف اور دعا میں مشغول رہتا۔ کچھ وقت گھر میں گزارتا۔ اس کے بعد دربار لگتا جہاں امرائے سلطنت سے تازہ احوال اور مراسلات سن کر احکام جاری کیے جاتے۔ وہ صبح شام دو وقت جھروکے میں عوام کے جمِ غفیر کے سامنے آتا اور غریبوں کی ضروریات سن کر انہیں دامن بھر کے روپیہ پیسہ دیتا۔

علم نواز اور سخی تھا۔ فارسی اور اُردو اچھی طرح بولتا تھا۔ خطاطی میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی۔ انبیائے کرام، اولیائے عظام اور سلاطین کے حالات بڑے شوق سے سنتا تھا۔ اس کا دور خطاطی اور فنِ تعمیر کا دورِ عروج تھا۔ دربار سے خطاطوں کو معقول تنخواہ کے علاوہ بڑے بڑے انعامات دیے جاتے تھے۔ وہ پہلا حکمران تھا جس نے اردو کی بھرپور اشاعت کی۔ اس نے مردوں اور خواتین کے لیے دو الگ الگ بازار بھی بنوائے جہاں صرف اردو بولی جاتی تھی۔[1]

❁❁❁

(1) مآخذ: ❁ اردو معارف اسلامیہ پنجاب یونی ورسٹی: مقالہ: تاج محل، مقالہ: شاہ جہاں ❁ بزمِ تیموریہ: ص ۷۶، ۱۶۹ تا ۱۷۶
❁ مغل سلطنت کا عروج و زوال از آر پی ترپاٹھی: ص ۳۸۱ تا ۵۷۹، قومی کونسل برائے فروغ اردو، دہلی ❁ شاہ جہان نامہ از محمد صالح کمبوہ
❁ تاریخ ہندوستان: ج ۷ ص ۵۵، ۶۴ تا ۶۶، ۱۸۰، ۱۸۱ ... ❁ منتخب اللباب ... ❁ مفتی الشہ واز عبد المنعم انمر: ص ۲۲۳ تا ۲۶۳

شاہ جہاں کے جانشین اور خانہ جنگی

۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) میں شاہ جہاں بیمار پڑ گیا اور طبیعت روز بروز بگڑتی گئی۔ اس کے چار بیٹے تھے: دارشکوہ، شجاع، مراد، اورنگ زیب۔ شاہ جہاں نے سلطنت ان میں تقسیم کر دی۔ اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ داری دی گئی۔ شجاع کو بنگال اور مراد کو گجرات کا حاکم بنا دیا گیا۔ بڑا بیٹا دارا شکوہ ولی عہد مقرر ہوا جو علمی و ادبی لیاقت کے باوجود ضعیف الاعتقاد تھا۔ تصوف میں غالی تھا۔ پیروں فقیروں کے علاوہ پادریوں اور پنڈتوں سے بھی عقیدت رکھتا تھا۔ جن نظریات کو دارا شکوہ تصوف اور خدا شناسی قرار دیتا تھا، وہ علمائے حق کے نزدیک الحاد اور بے دینی کے سوا کچھ نہ تھے۔ خدشہ تھا کہ وہ برسرِ اقتدار آ کر اکبر جیسی بے دینی کا اعادہ نہ کر دے۔

شاہ جہاں کی پوری کوشش تھی کہ چاروں بیٹے اتحاد و اتفاق سے رہیں مگر اس کی کوششیں رائگاں گئیں اور خانہ جنگی ہو کر رہی۔ مسئلہ اس وقت شروع ہوا جب افواہ پھیلی کہ بادشاہ کی وفات ہو گئی ہے۔ یہ سن کر شہزادہ شجاع اور شہزادہ مراد سمجھ بیٹھے کہ دارا شکوہ نے ہی باپ کو قتل کیا ہے۔ دونوں نے اقتدار میں زیادہ حصہ پانے کے لیے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ شہزادہ شجاع بنگال سے لشکر لے کر نکلا تو دارا شکوہ نے اسے روکنے کے لیے اپنا لشکر بھیج دیا۔ فروری ۱۶۵۸ء میں بنارس کے قریب جنگ ہوئی جس میں شجاع شکست کھا کر بنگال کی سمت فرار ہو گیا۔

دارا شکوہ نے شجاع کو شکست دینے کے بعد شہزاد مراد کے مقابلے کے لیے افواج تیار کرنا شروع کر دیں اور ساتھ ہی شاہ جہاں کو اورنگ زیب کے خلاف بھی خوب بھڑکایا تا کہ خود پورے ہندوستان کا تنہا مالک بن سکے۔ اورنگ زیب نے یہ خطرہ بھانپ لیا اور خود دارالحکومت کا رُخ کیا تا کہ باپ سے ملاقات کی جائے اور حقائق و خدشات سے آگاہ کر کے دارا شکوہ کی مطلق العنانی کا خطرہ ختم کرایا جائے۔ مگر دارا شکوہ نے راجپوتانہ کے حاکم جسونت سنگھ کو حکم دے دیا کہ وہ اورنگ زیب کو آگرہ کے قریب نہ پھٹکنے دے۔ تاہم اورنگ زیب نے اُجین کے قریب راجپوتوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا اور آگرہ کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈال دیے۔ اُدھر سے دارا شکوہ پہلے ہی لشکر تیار کر چکا تھا۔

شاہ جہاں چاہتا تھا کہ کسی طرح شہزادوں میں صلح ہو جائے۔ اس نے خادموں کو حکم دیا کہ وہ اسے دونوں فوجوں کے درمیان لے جائیں مگر دارا شکوہ نے بہانے بنا کر شاہ جہاں کو باہر جانے سے روک دیا۔ اس دوران اورنگ زیب نے ایک مکتوب شاہ جہاں تک پہنچا دیا جس میں فریاد تھی کہ دارا شکوہ مجھے بلاوجہ دربار میں حاضری سے روک رہا ہے۔ اورنگ زیب نے لکھا کہ میرا مقصد خدمت میں حاضر ہو کر تمام احوال دلائل کے ساتھ گوش گزار کرنا ہے۔ اگر دارا شکوہ جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرے گا تو بندہ بھی لڑنے پر مجبور ہوگا۔

آخر رمضان ۱۰۶۸ھ (جون ۱۶۵۸ء) کو دارا شکوہ کے ایک لاکھ اور شہزادہ اورنگ زیب کے ۳۵ ہزار سپاہیوں میں گھمسان کا رَن پڑا۔ دارا شکوہ کو شکست ہوئی۔ وہ بھاگ کر آگرہ پہنچا اور خزانہ سمیٹ کر دہلی کی طرف نکل گیا۔

اب دارالحکومت آگرہ پر اورنگ زیب کا قبضہ ہوگیا۔ اورنگ زیب کی تمنا تھی کہ وہ باپ کی سرپرستی میں حکومت کرے مگر شاہ جہاں اورنگ زیب کے خلاف دارا شکوہ کی سنائی ہوئی جھوٹی کہانیوں پر یقین کیے ہوئے تھا لہٰذا اس نے دھوکے سے اورنگ زیب کو قلعے میں بلا کر گرفتار کرنے کی کوشش کی، تاہم اورنگ زیب کو بروقت خبر ہوگئی۔ اب ظاہر ہوگیا تھا کہ شاہ جہاں کے دارا شکوہ پر اعتماد کو ختم کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ اورنگ زیب نے باپ کو شاہی قلعے میں نظر بند کردیا تاکہ ملک میں خانہ جنگی کو فروغ نہ ملنے پائے۔ ساتھ ہی بیمار باپ کی صحت کا خیال رکھنے کے لیے نامور طبیب مقرر کیے اور اچھی کارکردگی پر انہیں خلعت اور نقد انعامات سے بھی نوازا۔ شاہ جہاں نے زندگی کے باقی آٹھ سال اسی قلعے میں گزارے۔ اسے ہر سہولت اور آسائش مہیا کی گئی مگر اسے باہر جانے کی آزادی نہ تھی۔ وہ ذکر و تلاوت، سماعتِ حدیث اور اولیاء اللہ کے حالات پڑھنے سننے میں مشغول رہتا تھا۔ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۶ء) میں وہ بیمار ہوکر ۷۶ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔ اس کی وصیت کے مطابق اسے ممتاز محل کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اورنگ زیب کو متعصب مورخین باپ سے بغاوت اور بدسلوکی پر کتنا ہی مورد الزام ٹھہرائیں، مگر درحقیقت حالات ایسے بن گئے تھے کہ اورنگ زیب کے پاس دو ہی راستے تھے: یا تو عظیم مغلیہ سلطنت کو ہندومت اور ویدانت کی لپیٹ میں جانے دیا جاتا یا خاندانی رشتوں ناتوں کو بھلا کر اس فتنے کا راستہ روکا جاتا۔ پس اورنگ زیب نے جو کیا، وہ لائقِ ملامت نہیں، قابلِ تحسین تھا۔

اُدھر دارا شکوہ پنجاب چلا گیا تھا تاکہ ایک نئی فوج تیار کرے۔ اورنگ زیب نے بھی پنجاب کا رُخ کیا مگر اس دوران دارا شکوہ کے اُکسانے پر بنگال کے حاکم شہزادہ شجاع نے پایۂ تخت آگرہ کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔

یہ خبر ملتے ہی اورنگ زیب نے پنجاب سے واپسی کا سفر کیا اور سفارت کاری کے ذریعے پوری کوشش کی کہ شہزادہ شجاع سے جنگ کی نوبت نہ آئے مگر شجاع باز نہ آیا۔ آخر ربیع الآخر (جنوری ۱۶۵۹ء) میں فریقین کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جس میں شجاع کے کئی بڑے افسران مارے گئے اور وہ شکست کھا کر مشرقی بنگال کی طرف فرار ہوگیا۔

اس دوران دارا شکوہ نے ملتان میں ایک نئی فوج تیار کرلی تھی اور اب پیش قدمی کرتا ہوا اجمیر تک آن پہنچا تھا۔ یہاں جمادی الاخریٰ ۱۰۶۹ھ (مارچ ۱۶۵۹ء) میں جنگ شروع ہوئی جو کئی دنوں تک جاری رہی۔ اس بار بھی قسمت نے اورنگ زیب کا ساتھ دیا اور دارا شکوہ فرار ہوکر گجرات کے شہر احمد آباد چلا گیا۔ وہاں اُس کے میزبان نے اُسے گرفتار کرادیا۔ علماء کے فتوے کے مطابق اسے بغاوت برپا کرنے، الحاد پھیلانے اور تصوف کو بدنام کرنے کے جرائم میں سزائے موت دے دی گئی۔ تدفین مقبرۂ ہمایوں میں ہوئی۔ ①

---

① ماخذ: ❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۷ ص ۳۶، ۲۷، ۲، ص ۷۹ ۴۳ تا ۵۲، ج ۸ ص ۹ تا ۱۱۰
❁ اردو معارف اسلامیہ پنجاب یونی ورسٹی: مقالہ: اورنگ زیب عالمگیر، مقالہ: شاہ جہاں، مقالہ: دارا شکوہ ❁ آئینہ تاریخ ہند از پروفیسر بی این ورما: ص ۲۰۸ تا ۲۱۰، ط پرشاد اینڈ برادرس آگرہ ❁ مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال از آر پی ترپاٹھی: ص ۵۴۷ تا ۵۸۰

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر

۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ

(۱۶۵۹ء تا ۱۷۰۷ء)

داراشکوہ کے خلاف فتح کے بعد ۴ رمضان ۱۰۶۹ھ (۲۸ مئی ۱۶۵۹ء) کو اورنگ زیب نے آگرہ میں تخت سنبھالا اور اپنا لقب "محی الدین عالمگیر" رکھا۔ تاج پوشی کے بعد شریعت اور سنت کے احیاء پر فوری توجہ دی۔ اکبر کے دور میں آتش پرستوں سے متاثر ہوکر "تقویم الٰہی" وضع کی گئی تھی جس میں سال کا آغاز جشن نوروز سے ہوتا تھا۔ اورنگ زیب نے اس کی جگہ دوبارہ قمری تقویم کو رواج دیا۔ جشن نوروز پر بھی پابندی لگادی گئی۔

اکبر سے شاہ جہاں کے دور تک ہندوؤں کو جزیے سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔ اورنگ زیب نے از سرِ نو جزیے کا حکم بحال کیا۔ ہندوؤں نے اس حکم کی سخت مخالفت کی اور پایۂ تخت میں احتجاجی جلوس نکالا مگر عالمگیر نے پروانہ کی۔

متعصب مؤرخین اس حکم کو دولت کی حرص پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ اورنگ زیب کے پیشِ نظر صرف ایک مٹی ہوئی اسلامی روایت کو زندہ اور شریعت پر عمل کرنا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس رحم دل بادشاہ نے ہندو مسلم کی تفریق کیے بغیر تمام غیر شرعی ٹیکس ختم کردیے تھے جو جزیے کی بہ نسبت زیادہ بڑی رقم جمع ہونے کا ذریعہ تھے۔ اگر عالمگیر کا مقصد دولت جمع کرنا ہوتا تو یہ ٹیکس کیوں ختم کیے جاتے جو جزیے سے کہیں زیادہ آمدنی کا ذریعہ تھے؟

اورنگ زیب عالمگیر نے نصف صدی سے زائد مدت تک حکومت کی اور خود کو ایک بہترین حکمران ثابت کیا اور اس دوران سلطنت کو عظیم تر بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

اورنگ زیب عالمگیر کی اکثر مہمات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرکے دیکھ سکتے ہیں:

پہلا مرحلہ ۱۶۵۸ء سے ۱۶۸۱ء تک ہے۔ اس میں اورنگ زیب نے مشرقی اور شمالی ہندوستان کو فتح کیا۔ دوسرا مرحلہ ۱۶۸۲ء سے ۱۷۰۷ء تک ہے۔ اس میں اورنگ زیب کی توجہ جنوبی ہندوستان کی طرف رہی۔

مشرقی علاقوں: آسام اور برما کی فتوحات اور شمالی علاقوں میں تبت کی فتوحات دورِ عالمگیری کے اہم کارناموں میں سے ہیں۔ گزشتہ سلاطینِ اسلام یہاں سے خراج لینے پر اکتفا کرتے رہے۔ عالمگیر کے دور میں پہلی بار یہ علاقے مغلیہ سلطنت کا حصہ بنے۔

عالمگیر کو پختونوں کی شورش کا سامنا بھی کرنا پڑا، ان کے کئی قبائلی سرداروں نے یکے بعد دیگرے مغل حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ آخر میں تمام قبائلی جنگجو اکوڑہ خٹک کے سردار خوشحال خان خٹک کی قیادت میں جمع ہوگئے، جو علم و فضل اور شعر و ادب کے ساتھ جنگی مہارت میں بھی یکتا تھا۔ پہلے وہ مغلوں کے انتہائی وفادار سرداروں میں سے تھا مگر

حاسدین نے ۱۶۶۱ء میں اسے بغاوت کے جھوٹے الزام میں گرفتار کرا دیا۔ سات برس قید کاٹ کر اُس نے ۱۶۶۸ء میں رہائی پائی اور اپنے قبیلے میں آ کر مغلوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اس کے خلاف افواج بھیجیں مگر ہر میدان میں انہیں شکستِ فاش ہوئی۔ آخر عالمگیر کو خود مقابلے پر نکلنا پڑا اور جولائی ۱۶۷۴ء میں حسن ابدال کو مرکز بنا کر تین سال تک قبائلیوں کے خلاف فوجیں بھیجنے کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار قبائل مغلوب ہو گئے اور خوشحال خان نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۱۱۰۰ھ (۱۶۷۹ء) کو اس کی وفات ہو گئی اور اسے اکوڑہ خٹک کے قریب دفن کر دیا گیا۔

عالمگیر کے دور میں راجپوتوں نے بھی بار بار سرکشی کی۔ عالمگیر کے تخت نشین ہونے سے قبل راجپوت حکمران، جن میں جسونت سنگھ پیش پیش تھا، مغلوں کے خلاف باہم اتحاد کر چکے تھے۔ آخر عالمگیر نے ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۸ء) میں ان کے خلاف سخت کارروائی کی اور انہیں معافی مانگنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ مدت بعد راجپوتوں نے ایک بار پھر اعلانِ بغاوت کر دیا۔ چنانچہ ۱۰۹۰ھ (۱۶۷۹ء) میں عالمگیر نے تین سمتوں سے راجپوتانہ پر یلغار کی۔ اس بار بھی راجپوتوں نے معذرت کی اور عالمگیر نے انہیں معاف کر کے خلعتوں اور اعلیٰ عہدوں سے نوازا۔ ۱۷۰۱ء کے دوران راجپوتوں نے پھر بغاوت کی اور ان کے خلاف پھر فوجی مہمات شروع کرنا پڑیں جن کا سلسلہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات تک جاری رہا۔

عالمگیر کے دور میں جنوب کی طرف کئی مہمات سر کی گئیں۔ دکن میں بیجاپور اور گول کنڈہ کی ریاستیں مرہٹوں کا ساتھ دیتی آ رہی تھیں جس کے باعث عالمگیر نے بیجاپور پر فوج کشی کی اور طویل جنگ کے بعد ۱۰۹۶ھ (۱۶۸۵ء) میں اس پر قبضہ کر لیا۔ یہاں کے حکمران سکندر شاہ کو عزت و تکریم سے نوازتے ہوئے کئی جاگیریں دے دی گئیں۔

گولکنڈہ کے اثناعشری حکمران مغلوں کے سخت مخالف تھے۔ شاہ جہاں نے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ خلفائے راشدین پر تبرا بازی بند کریں گے مگر گول کنڈہ کے حکمران ابوالحسن شاہ نے معاہدے کی قطعاً پاسداری نہ کی۔ مجبوراً اورنگ زیب نے پہلے شہزادہ معظم کو گول کنڈہ کی مہم پر بھیجا۔ ابوالحسن شاہ نے وقتی طور پر صلح کر لی مگر مغلوں کے واپس جاتے ہی عہد شکنی پر اُتر آیا۔ آخر کار عالمگیر نے خود فوج کشی کی اور آٹھ ماہ کے محاصرے کے بعد ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۷ء) میں گول کنڈہ کو فتح کر کے مغل سلطنت میں شامل کر لیا۔

عالمگیر کی زندگی کے آخری سال جنوب کے مرہٹوں کی سرکوبی میں گزرے۔ یہ لوگ غیر متمدن مگر بہادر اور ہوشیار تھے۔ شیواجی پہلا شخص تھا جس نے مرہٹوں کو منظم کر کے ایک بڑی طاقت بنا دیا اور ۱۰۷۰ھ میں متعدد مغلیہ قلعوں پر قابض ہو گیا۔ ۱۰۷۴ھ (۱۶۶۴ء) شیواجی نے راج گڑھ کو اپنا مرکز بنایا اور اپنے نام کا سکہ جاری کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ آخر ۱۰۷۵ھ (۱۶۶۵ء) میں اورنگ زیب کے حکم سے راجا جے سنگھ نے ۱۴ ہزار سپاہیوں کے ساتھ شیواجی کا مقابلہ شروع کیا۔ پانچ ماہ کی متواتر لڑائیوں کے بعد شیواجی صلح پر آمادہ ہو گیا۔ اورنگ زیب نے شیواجی اور اس کے بیٹوں کی بڑی عزت افزائی کی۔ انہیں اعزازات اور عہدوں سے نوازا۔ مارچ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۶ء) میں

شیواجی نے آگرہ آکر شاہی دربار میں حاضری دی۔ عالمگیر نے اس کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور اسے پنج ہزاری کا منصب بخش دیا۔ شیواجی نے اس عہدے کو اپنی شان سے کم سمجھا اور ناراض ہو کر اپنے بیٹے سمیت پایۂ تخت سے فرار ہو گیا۔

تین سال کی تیاری کے بعد اس شیواجی نے بیجاپور کے کئی ناقابلِ تسخیر قلعے فتح کر لیے اور کچھ مدت بعد ریاست گولکنڈہ پر بھی قابض ہو گیا۔ پھر بحری بیڑا تیار کرا کے حجاز جانے والے عازمینِ حج کو سمندر میں لوٹنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مغلوں نے اس کے خلاف کئی بار لشکر کشی کی مگر اس کا زور نہ توڑا جا سکا۔ کئی برس کی جنگوں کے بعد آخر فریقین میں صلح ہو گئی اور دربارِ عالمگیری سے شیواجی کو راجہ کا خطاب بھی مل گیا۔ مگر یہ صلح زیادہ مدت تک قائم نہ رہی اور ۱۰۷۸ھ میں جب شیواجی نے سورت پر حملہ کیا تو کشیدگی انتہاء کو پہنچ گئی۔ اس بار بھی مغل شیواجی کو پسپا کرنے میں ناکام رہے۔

۱۰۸۱ھ (۱۶۷۱ء) میں عالمگیر نے شیواجی کے خلاف چالیس ہزار کا لشکر بھیجا مگر اسے بھی شکست ہوئی۔ آخر عالمگیر نے کابل سے آغر خان نامی جرنیل کو بلوا کر دکن بھیجا جس نے مرہٹوں کو بری طرح شکست دی اور وہ ہزاروں لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ یہ مہم ادھوری تھی کہ پختون علاقوں میں بغاوت کے باعث آغر خان کو واپس بلا لیا گیا۔

۱۰۹۰ھ (۱۶۸۰ء) میں شیواجی کا انتقال ہو گیا۔ اس نے مرہٹوں کو منظم کر کے ایک بہت بڑی طاقت میں تبدیل کر دیا تھا جو مستقبل کے ہندوستان میں اہم تبدیلیاں لائی۔ ہندو آج بھی اسے قومی ہیرو کا درجہ دیتے ہیں۔

شیواجی کے بعد اس کا بیٹا سنبھاجی تخت نشین ہوا جس کے ظلم وستم سے مسلم تو کیا، ہندو بھی محفوظ نہیں تھے۔ آخر کار اورنگ زیب کو خود اس کے مقابلے میں نکلنا پڑا۔ آخر ۱۶۸۹ء میں سنبھاجی شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ عالمگیر نے اسے قتل کرا دیا اور اس کے بیٹے "ساہو" کو عزت وتکریم سے اپنے پاس رکھا۔ یہ نوجوان مغلوں کا وفادار اور مداح رہا۔

اس دوران سنبھاجی کا سوتیلا بھائی "راجارام" کوکن کے سلسلۂ کوہ میں چھاپہ مار جنگ لڑتا رہا۔ اس کی موت کے بعد اس کی بیوی تارابائی نے مرہٹوں کی کمان سنبھال لی۔ اورنگ زیب نے اس فتنے پر قابو پانے کے لیے بڑھاپے کے باوجود خود جنوبی محاذ پر ڈیرے ڈال دیے۔ پانچ سال تک جنگ کے بعد تارابائی نے صلح کا پیغام بھیجا مگر بادشاہ نے اسے مسترد کر دیا۔ ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۵ء) میں مرہٹوں کو مکمل شکست ہو گئی اور ان کی راجدھانی مغلوں کے قبضے میں آگئی۔

مرہٹوں، بیجاپور اور گولکنڈہ کی مہمات سے نمٹنے کے لیے عالمگیر نے آخری پچیس برس جنوبی ہندوستان میں گزارے۔ مرہٹوں کو شکستِ فاش دینے کے بعد برصغیر میں کوئی خطہ ایسا نہ رہا جہاں مغلوں کا حکم نہ چلتا ہو۔ کشمیر سے دکن اور افغانستان سے برما تک ان کا سکہ رائج تھا۔ یہ مغلوں کی فتوحات کا نقطۂ عروج تھا جس کی مثال پہلے تھی نہ بعد میں۔

جنوبی ہندوستان کی فتوحات کی تکمیل کے بعد بھی اورنگ زیب عالمگیر کو وہاں کے انتظامات مستحکم کرنے کی فکر لاحق رہی۔ دارالحکومت سے سینکڑوں میل دور احمد نگر میں اہم ملکی امور پر غور وخوض جاری رہا۔ امراض اور سخت محنت نے ۹۰ سالہ بادشاہ کو تھکا دیا تھا۔ آخر سخت بخار میں مبتلا ہو کر جمعہ ۲۸ ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ (۳ مارچ ۱۷۰۷ء) کو عالمگیر نے جانِ فانی خالقِ حقیقی کے سپرد کر دی۔ یہ نیک دل بادشاہ قرآن مجید کی کتابت اور ٹوپیاں سلائی کر کے رزقِ حلال کماتا تھا۔

وصیت میں لکھا تھا کہ میرے ترکے میں سے ساڑھے چار روپے ٹوپیوں کی سلائی سے بچے ہوئے ہیں۔ انہی سے تجہیز و تکفین کی جائے۔ ۸۰۵ روپے کتابتِ کلام اللہ کی کمائی سے بچے ہوئے ہیں، وہ فقراء پر صدقہ کر دیے جائیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے پچاس سال دو ماہ حکومت کی اور بہت کم وقت پایۂ تخت میں گزارا۔ اس رجلِ عظیم کو محلات کے عیش و آرام سے خیموں کی زندگی اور شہ سواری پسند تھی۔ جنوبی ایشیا میں اسلام کو اپنی اصل شکل میں باقی رکھنے میں اورنگ زیب عالمگیر کے دور کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس دور کے چند اہم اقدامات کی جھلک درج ذیل ہے:

❁ راہداری کا ٹیکس موقوف کر دیا گیا۔ ❁ مسلمانوں کے تجارتی مال پر سرکاری ٹیکس معاف کر دیا گیا۔

❁ ہندوؤں کی زیارت گاہوں اور سالانہ تہواروں پر لگنے والے بازاروں میں لاکھوں روپے کی خرید و فروخت ہوتی تھی جس کا ٹیکس حکومت لیا کرتی تھی۔ عالمگیر نے اسے بھی بند کرا دیا۔

❁ شراب خانے اور جوا خانے بند کر دیے گئے۔ ❁ درباروں میں نجومیوں کا عمل دخل ختم کر دیا۔

❁ چہار تسلیم کی رسم ختم کر کے سنت کے مطابق فقط زبانی ''السلام علیکم'' کا حکم دیا گیا۔

❁ ترتیب یہ بنائی گئی کہ ہر دفتر دیوانی کے پیش کاروں میں ایک پیشکار مسلمان اور ایک ہندو ہو۔

❁ تعزیہ سازی اور تعزیہ بردار جلوسوں پر جن کے باعث کئی بار فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے پابندی عائد کر دی۔

❁ جید علماء و مفتیان کی مدد سے فقہ حنفی کا نہایت جامع ذخیرہ مدون کرایا گیا جسے فتاویٰ عالمگیری کا نام دیا گیا۔

❁ موسیقی پر پابندی لگا دی گئی۔ جب موسیقار اور گویے بادشاہ سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ایک مصنوعی جنازے کو دھوم دھام سے اٹھایا اور اسے شاہی محل کے باہر لے آئے۔ عالمگیر نے شور و غل کی وجہ دریافت کی تو گویوں نے کہا: ''موسیقی مر گئی ہے۔'' عالمگیر نے کہا: ''اتنا گہرا دفن کرنا کہ پھر اس کی آواز نہ آئے۔''①

ورع و تقویٰ کے باوجود عالمگیر میں ایسی تنگ نظری بالکل نہیں تھی جو انتظامی و سیاسی امور کے لیے مضر ہوتی ہے۔ بنگال کا مشہور ہندو لیڈر سر پی سی رائے لکھتا ہے:

''اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں دی گئیں۔ بڑے بڑے زمین دار بنائے گئے۔ اس نے ہندوؤں کو گورنر اور وائسرائے بنایا۔ یہاں تک کہ اس نے خالص مسلم صوبے افغانستان پر بھی جو نائب السلطنت مقرر کیا، وہ ہندو راجپوت تھا۔''②

---

① مآخذ: ❁ خلاصۃ التواریخ از منشی سوجان رائے بٹالوی: ص ۴۹ تا ۵۳

❁ آئینہ تاریخ ہند از پروفیسر بی این ورما: ۲۱۰ تا ۲۲۳، طہ پرشاد اینڈ برادرس آگرہ۔

❁ افغانستان در مسیر تاریخ از میر غلام محمد غبار: ج ۱ ص ۳۱۱ تا ۳۱۵

❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۸ ص ۸۱ تا ۸۳، ص ۱۳۲ تا ۲۹۳، ص ۳۰۱ تا ۳۰۷، ص ۳۶۴، ۳۶۵

❁ اضواء علی الہند: ۲۶۹ تا ۲۸۰ ❁ خوشحال خان خٹک، اردو معارف اسلامیہ پنجاب یونی ورسٹی۔

② برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا، از حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی: ص ۴۸

مشق

سوالات کے جوابات دیجئے:

1. بابر نے ابراہیم لودھی کی دس گنا بڑی فوج پر کیسے غلبہ پایا؟
2. شیر شاہ سوری کو کن اہم کارناموں کی بناء پر یاد کیا جاتا ہے؟
3. ہمایوں نے شیر شاہ سوری سے شکست کے بعد اپنا تاج وتخت دوبارہ کیسے حاصل کیا؟
4. اکبر کا دینِ الٰہی کیا تھا اور اس کی پسپائی میں کن شخصیات نے اہم کردار ادا کیا؟
5. جہانگیر کی تخت نشینی کیسے ہوئی اور حکمران بننے کے بعد جہانگیر کی ترجیحات کیا تھیں؟
6. جہانگیر کے دور میں حضرت مجدد سرہندی رحمہ اللہ کی اصلاحی تحریک پر روشنی ڈالیے؟
7. شاہ جہاں کی سیرت اور کارناموں پر روشنی ڈالیے۔
8. اورنگ زیب عالمگیر کی اہم اصلاحات کا ذکر کیجئے؟

عملی کام:

- شیر شاہ سوری کے چند اقوال خوشخط لکھ کر درسگاہ میں آویزاں کریں۔
- مغلیہ دور میں تعمیر کی جانے والی تاریخی عمارتوں کی تصاویر اپنی بیاض میں چسپاں کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

- تاریخ پاک وہند، از محمد عبداللہ ملک، ناشر: قریشی برادرز، لاہور
- تاریخ ہند، از پروفیسر شیخ عبدالرشید، ناشر: دوداش کمپنی، علی گڑھ
- برصغیر کے منفرد حکمران، از آغا امیر حسین، ناشر: کلاسیک ۴۲، دی مال، لاہور

(یونٹ:3.14)

مغلوں کا دورِ زوال

بہادر شاہ اوّل (شاہ عالم اوّل)

۱۱۱۸ھ تا ۱۱۲۳ھ (۱۷۰۷ء تا ۱۷۱۲ء)

اورنگ زیب کی وفات ۹۱ سال کی عمر میں ہوئی تھی، اس دوران شہزادے جو پچاس ساٹھ سال کے ہو چکے تھے، حصولِ اقتدار کے لیے بے تاب تھے۔ بعض شہزادے باپ کی زندگی میں ہی خود مختاری کی کوشش کر چکے تھے مگر ان کی کوئی پیش نہ گئی، بہر حال اورنگ زیب کو ان سے بڑی اذیت پہنچی۔

وفات سے پہلے اورنگ زیب نے ملک کو تین شہزادوں میں اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ:

① محمد معظم کو دارالسلطنت سمیت شمالی ہندوستان کا بادشاہ قرار دیا۔

② محمد اعظم کو مالوہ، گجرات اور شمالی دکن کی حکومت سونپی۔

③ کام بخش کو جنوبی دکن (بیجاپور اور حیدر آباد) کی ولایت بخش دی۔

عالمگیر کی وفات جنوبی ہندوستان کے صوبہ دکن میں ہوئی تھی اور اس وقت شہزادہ معظم کابل میں تھا، اس لیے شہزادہ اعظم نے باپ کی تجہیز و تکفین کے بعد خود کو باپ کا جانشین اور بادشاہ قرار دیا۔ اُدھر شہزادہ معظم نے لاہور پہنچ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ جلد ہی دہلی اور آگرہ بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ اس نے تخت نشینی کے بعد شاہ عالم کا لقب اختیار کیا۔ تاہم اسے عموماً بہادر شاہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (بہادر شاہ ظفر سے فرق کے لیے اسے بہادر شاہ اوّل کہا جاتا ہے) تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ساٹھ برس سے زائد ہو چکی تھی۔ وہ انصاف پسند اور رحم دل تھا۔ مگر اس میں قوتِ فیصلہ کی کمی تھی۔

بہادر شاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کے بھائی کام بخش اور محمد اعظم اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاہم بہادر شاہ ان پر غالب رہا۔ اس نے ربیع الاول ۱۱۱۹ھ (جون ۱۷۰۷ء) میں آگرہ کے باہر محمد اعظم کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں محمد اعظم کو شکست ہوئی اور وہ قتل ہو گیا۔ ذوالقعدہ ۱۱۱۹ھ (فروری ۱۷۰۸ء) میں بہادر شاہ اور شہزادہ کام بخش کے درمیان جنگ ہوئی جس میں کام بخش شدید زخمی ہو گیا۔ بہادر شاہ نے اس کی عیادت کی اور اس کا علاج کرانے کی کوشش کی مگر اس نے انکار کر دیا اور آخر زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

مغلوں کی خانہ جنگی سے راجپوتوں نے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ علاقے اپنے قبضے میں لینے کی کوشش شروع کردی۔ انہوں نے میوات پر حملہ کر کے وہاں کے والی حسین خان کو قتل کر دیا۔ جودھ پور سے مغل سرکاری افسران کو بھگا دیا گیا، گائے ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی، مساجد کو مسمار کر کے مندروں میں تبدیل کر دیا گیا۔

بہادر شاہ نے باغی راجپوتوں کو سمجھانے بجھانے کی ناکام کوششوں کے بعد شہزادہ عظیم الشان کو فوج دے کر باغیوں کا قلع قمع کرنے بھیج دیا۔ راجپوتوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ شہزادے نے منہدم کردہ مساجد کو دوبارہ تعمیر کرایا، علاقے میں قاضی، مفتی، مؤذن اور امام مقرر کیے اور مغل افسران کو بحال کر دیا۔ ان سنگین جرائم کے باوجود بہادر شاہ نے بڑی فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے باغی راجپوت حکام کو معاف کر دیا۔

اب بہادر شاہ اوّل بے خوف و خطر حکومت کرنے لگا مگر وہ اپنے والد کے برعکس حکمتِ عملی پر گامزن رہا۔ اس نے ہندوؤں سے جزیہ لینا بند کر دیا اور مرہٹہ سربراہ سنبھاجی کے بیٹے ساہو جی کو جسے عالمگیر نے زیرِ حراست رکھا تھا، کوکن کا صوبہ دار بنا کر جنوبی ہند بھیج دیا۔ وہاں ساہو جی نے مرہٹوں کو دوبارہ منظم کر لیا۔ بہادر شاہ کی موت کے بعد اس نے بغاوت کر کے چند سالوں میں ان تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا جنہیں اورنگ زیب نے ۲۵ سال میں فتح کیا تھا۔

مغل دربار میں ہمایوں کے دور سے ایرانی امراء کا بڑا عمل دخل چلا آرہا تھا۔ عالمگیر کا عمر رسیدہ وزیر اسد خان اور اس کا بیٹا ذوالفقار خان شیعہ تھے جنہیں بہادر شاہ کے دور میں مزید عروج ملا۔ بہادر شاہ نوجوانی کے دور سے ان ایرانی امراء کے زیرِ اثر تھا اور اسی وجہ سے وہ شیعیت کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ بادشاہ بن کر اس نے ایک متعصب شیعہ رئیس منعم خان کو وزیر بنا لیا جس نے رفتہ رفتہ بادشاہ کو یقین دلایا کہ سلطنت کے استحکام کے لیے شیعہ مذہب کا نفاذ مفید ہے۔ چنانچہ بہادر شاہ نے ابتدائی اقدام کے طور پر اذان اور جمعے کے خطبے کو اثنا عشری مذہب کے مطابق تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر اہلِ سنت نے شدید ردِّ عمل ظاہر کیا اور جگہ جگہ ہنگامے پھوٹ پڑے۔ شہزادہ عظیم الشان نے بھی مخالفت کی۔ مجبوراً بادشاہ کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ بہر کیف اس واقعے سے بادشاہ کی ساکھ خاصی گر گئی۔

بہادر شاہ لاہور ہی میں تھا کہ بیمار پڑ گیا اور آخر ۱۹ محرم ۱۱۲۳ھ (۱۷۱۲ء) کو وفات پا گیا۔ نعش شاہ جہان آباد (دہلی) لا کر دفنائی گئی۔ اس کی عمر ۶۹ سال تھی۔ اس کا دور ہنگامہ خیز تھا۔ آمدن میں شدید کمی واقع ہوئی اور خزانہ خالی ہونے لگا۔ وہ اکثر مسائل میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا تھا جس کے باعث کئی مخلص امراء بددل ہو کر دربار چھوڑ گئے تھے۔ اس کا تشیع بھی اُمراء کی بددلی اور خفگی کا سبب بنا۔ الغرض شاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کو ابھی سات سال ہی گزرے تھے کہ عظیم مغلیہ سلطنت یک دم تیزی سے رُو بہ زوال ہو گئی۔ ①

❁❁❁

① ماخذ: ❁ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۹ ص ۲۱ تا ۸۶ ❁ رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام: ص ۶۱۷، ۶۱۸
❁ تاریخ الاسلام فی الہند از عبد المنعم النمر: ص ۲۹۰ تا ۲۹۳ ❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونی ورسٹی

خانہ جنگی کا زمانہ

بہادر شاہ کے چار بیٹے تھے: ① عظیم الشان ② جہاں دار ③ جہان شاہ ④ رفیع الشان۔ ان میں عظیم الشان سب سے لائق تھا جو بعض معرکوں میں فتح کے جھنڈے بھی گاڑ چکا تھا۔ باپ کے بعد وہی تخت نشین ہوا۔

عظیم الشان: (۱۷۱۲ء)

عظیم الشان پکا سُنی تھا، اسی لیے جب بہادر شاہ شیعہ مذہب نافذ کرنے لگا تو اس نے پرزور مخالفت کر کے اُسے باز رکھا تھا۔ دربار کے بوڑھے شیعہ رئیس اسد خان اور اس کے بیٹے ذوالفقار خان کو ایسا راسخ العقیدہ حکمران قبول نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے شہزادہ جہان دار کو جو نالائق اور آرام پسند تھا، بادشاہ بنانے کی سازش کی اور عسکری تعاون کر کے اُسے عظیم الشان کے خلاف کھڑا کر دیا۔ اس جنگ میں عظیم الشان کو شکست ہوئی اور وہ لاپتا ہو گیا۔ اب جہاندار شاہ نے دوسرے بھائی جہاں شاہ سے جنگ کی۔ وہ مارا گیا اور ذوالفقار خان نے جہاں دار کی فتح کا اعلان کر دیا۔ پھر فاتحین نے شہزادہ رفیع الشان کے خلاف کارروائی کی اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جہاں دار شاہ (۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۳ء)

مخالفین کو ختم کر کے جہاں دار شاہ ذوالفقار خان کی سرپرستی میں تخت نشین ہوا اور عیش وعشرت میں منہمک رہنے لگا۔ ذوالفقار خان سلطنت کے سیاہ وسپید کا مالک بن گیا اور مغلوں کی شان وشوکت زوال پذیر ہوتی دکھائی دینے لگی۔

ساداتِ بارہ کا عروج:

ان دنوں پٹنہ میں شیعہ اُمراء کا ایک مشہور گھرانہ تھا۔ یہ لوگ خود کو سیّد کہلواتے تھے اور انہیں "ساداتِ بارہ" کہا جاتا تھا۔ اس کے خاندان کے دو روٴساء: حسن علی اور حسین علی نے ذوالفقار علی خان کو عملاً بادشاہ بنے دیکھا تو سابق حکمران عظیم الشان کے نوجوان بیٹے فرخ سیر کی بھرپور حمایت کرنے لگے اور اسے جہاں دار شاہ کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔

ذوالقعدہ ۱۱۲۲ھ (جنوری ۱۷۱۱ء) میں آگرہ کے قریب جہاں دار شاہ اور فرخ سیر کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں فرخ سیر کو فتح ہوئی اور جہاں دار شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ اس طرح فرخ سیر نے حکومت سنبھال لی۔ اس نے اسد خان کو تو بڑھاپے کا لحاظ کر کے کچھ نہ کہا مگر ذوالفقار خان کو جو خانہ جنگی کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا، قتل کرا دیا۔

فرخ سیرؔ (۱۷۱۳ء تا ۱۷۱۹ء)

تخت نشینی کے وقت فرخ سیر کی عمر ۲۷ برس تھی۔ وہ جری نوجوان تھا اور سلطنت کو فتنہ وفساد سے پاک کرنا چاہتا تھا مگر دور اندیشی اور تدبر سے محروم تھا، پس اس نے سیاسی مخالفین کے خاتمے میں بڑی شدت دِکھائی۔ جہاندار شاہ کو گرفتار کر کے قتل کرانے کے بعد اس نے مغل خانوادے کے ان تمام شہزادوں کو اندھا کر کے جیلوں میں ڈال دیا جن سے اُسے بغاوت کا خدشہ تھا۔

فرخ سیر چوں کہ ''ساداتِ بارہ'' کے بل بوتے پر بادشاہ بنا تھا، اس لیے یہی گھرانہ نظام پر حاوی ہوگیا۔ حسن علی اور حسین علی اپنے وسیع اختیارات پر گھمنڈ کرنے لگے اور ان کی بداخلاقی کی وجہ سے دیگر امراء متنفر ہوگئے۔ شیعہ سنی اختلاف اس مسئلے میں شدت کا سبب بنا۔ اس طرح ساداتِ بارہ اور فرخ سیر میں اعتماد کی فضا ختم ہوگئی۔

آخر ''ساداتِ بارہ'' نے کھلی بغاوت کی تیاری کرلی۔ فرخ سیر نے خطرہ بھانپ کر دکن سے نظام الملک کو بلوالیا جو عالمگیر کے دور کا عمر رسیدہ اور نہایت بارسوخ امیر تھا۔ اُدھر ''ساداتِ بارہ'' نے مرہٹوں کو بلالیا اور وہ بارہ ہزار سوار لے کر ان سے آملے۔ اس طاقت کے ساتھ محرم ۱۱۳۱ھ (دسمبر ۱۷۱۸ء) میں باغی قلعے پر قابض ہوگئے۔ ''ساداتِ بارہ'' نے فرخ سیر کو اندھا کر کے ایک قبرنما کوٹھری میں ڈال دیا اور دو ماہ بعد اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنا کر قتل کرادیا۔

فرخ سیر نے چھ سال حکومت کی۔ یہ پورا عہدِ حکومت اندرونی سازشوں اور ہنگاموں میں گزر گیا۔ فرخ سیر پہلا مغل بادشاہ تھا جسے قتل کیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہوں کی عزت کھیل تماشا بن گئی۔

رفیع الدرجات۔ نیکوسیر۔ رفیع الدولہ:

فرخ سیر نے اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی تقریباً تمام مغل شہزادوں کو قید کر دیا تھا۔ ان میں بہادر شاہ اوّل کا پوتا رفیع الدرجات (بن رفیع الشان) بھی تھا۔ فرخ سیر کے بعد ''ساداتِ بارہ'' نے اسی کو دہلی کے تخت پر بٹھادیا۔

مگر آگرہ کے امراء اور شہریوں نے اسے حکمران ماننے سے انکار کردیا اور اس کی جگہ وہ اورنگ زیب کے ایک پوتے نیکوسیر کو جو چالیس برس سے قید تھا، جیل سے باہر نکال لائے اور اسے آگرہ کے تخت پر بٹھادیا۔ اس دوران ملک میں بدامنی، افراتفری اور بدانتظامی عروج پر تھی۔ دہلی کا بادشاہ رفیع الدرجات جو تخت نشینی کے وقت سے ہی سخت بیمار تھا، تین ماہ بعد فوت ہوگیا۔ اس کی جگہ اس کے بھائی رفیع الدولہ کو جیل سے نکال کر دہلی کے تخت پر بٹھادیا گیا۔

اس دوران رمضان ۱۱۳۱ھ (اگست ۱۷۱۹ء) میں ساداتِ بارہ کی فوج نے آگرہ فتح کرلیا جس کے فوراً بعد نیکو سیر کو تختِ شاہی سے اتار کر قید میں ڈال دیا گیا۔ اس فتح کے بعد حسین علی نے شاہی قلعے اور محل کے ان تمام خزانوں پر قبضہ کرلیا جو دو صدیوں سے مغل بادشاہوں، بیگمات اور شہزادیوں کی حویلیوں میں جمع تھا۔ ان میں سونے چاندی کے برتنوں کے علاوہ تانبے کی کئی ہزار اینٹیں تھیں جن کی مالیت دو، تین کروڑ روپے تک بتائی جاتی ہے۔ حسن علی اس لوٹ مار میں شریک نہیں ہوسکا تھا۔ بعد میں بہت لڑ جھگڑ کر اسے فقط اکیس (21) لاکھ روپے ملے۔

اُدھر رفیع الدولہ اسہال میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔ اس کی برائے نام حکومت تین ماہ سے چند دن زائد رہی۔ ①

الغرض بہادر شاہ اوّل کے بعد سات سال میں چھ حکمران تبدیل ہوئے اور ملک کا نظام نہایت ابتر ہوگیا۔

❁❁❁

① ماخذ: ❁ تاریخ ہندوستان: ج ۹ ص ۸۹ تا ۱۵۵
❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: مادہ: ''رفیع الدرجات''
❁ آئینہ تاریخ ہند از پروفیسر بی اے ورما: ۲۲۹ تا ۲۳۱
❁ ... الفوطہ: ج ۹ ص ۷۵

سکھوں کا ظہور

پندرہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں کئی اصلاح پسند ہندو مفکرین ظاہر ہوئے۔ بھگت کبیر نامی ایک مفکر نے ہندو مسلم تفریق مٹانے اور عمدہ اخلاق اپنانے پر زور دیا۔ اس کی تعلیمات بھگتی تحریک کے عنوان سے مشہور ہوئیں۔ اسی زمانے میں بابا گرونانک نے پنجاب میں سکھ دھرم کی داغ بیل ڈالی۔ گرونانک کی تعلیمات سکھوں کی مذہبی کتاب "گرنتھ" میں منقول ہیں جس میں خالق کی وحدانیت اور کبریائی کو ماننے اور نیک اخلاق اپنانے کی دعوت دی گئی ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ گرونانک نے اسلام قبول کرلیا تھا مگر مصلحت اور تدبیر کے طور پر اسلام کا اعلان کیے بغیر ہم قوم ہندوؤں کو توحید کی تعلیم دینا شروع کی تاکہ وہ اسلام کا نام سن کر بگڑ نہ جائیں۔ اسلام کے اعلان کا موقع آنے سے پہلے ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں نانک کا انتقال ہوگیا اور نانک کے مرید خود کو ایک مستقل مذہب کا پیروکار سمجھتے رہے۔

جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس وقت کے سکھ پیشوا گرو ارجن نے اس کے باغی بیٹے خسرو کو بغاوت میں مدد دی۔ اس پر جہانگیر نے گرو ارجن کو قید کرادیا جہاں اس کی وفات ہوئی۔ اس سے پہلے سکھ سیاست سے بے نیاز تھے مگر مقتول ارجن کے بیٹے ہرگوبند (م ۱۰۵۴ھ۔ ۱۶۴۴ء) نے اس تحریک کو ایک عسکری تنظیم بنادیا اور سکھوں کے مسلح جتھے تیار کرلیے۔

ہرگوبند کا جانشین ہررائے، اپنے باپ کے برعکس امن پسند تھا۔ اس کے بعد اس کا کم عمر بیٹا ہری کشن اور پھر تیغ بہادر (م ۱۰۸۶ھ۔ ۱۶۷۵ء) سکھ مذہب کے پیشوا بنے۔ تیغ بہادر نے باقاعدہ چھاپہ مار کارروائیاں شروع کردیں۔ آخر کار وہ گرفتار ہوا اور اسے عالمگیر کے حکم سے ۱۶۷۵ء میں سزائے موت دے دی گئی۔

تیغ بہادر کے بیٹے گوبند رائے نے باپ کے قتل کو انتقام کا عنوان بنالیا۔ اس نے مذہب میں داخلے کی رسم "پاہل" شروع کی جس کے مطابق ہر سکھ کے لیے پگڑی، کرپان، کڑا اور کیس (ناتراشیدہ لمبے بال) ضروری قرار پائے۔ اس نے ہر سکھ کے نام کے ساتھ "سنگھ" رکھنے کا رواج شروع کیا اور مریدوں کو خالصہ (آزاد یا پاکیزہ لوگ) کا لقب دیا۔

بہادر شاہ اوّل کے دور میں سکھوں نے بڑی طاقت پکڑلی اور شہزادوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر پنجاب کے بیشتر علاقے پر قابض ہوگئے۔ مئی ۱۷۱۰ء میں وہ سرہند کے والی کو قتل کرکے شہر سمیت ایک وسیع وعریض رقبے پر قابض ہوگئے۔ کچھ ہی مدت میں پورا صوبہ پنجاب سکھوں کے قبضے میں آگیا اور وہ دہلی کے قریب پہنچ گئے۔ آخر کار بہادر شاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ عظیم الشان کو ایک بڑا لشکر دے کر بھیجا۔ سکھ بھی اپنی پوری طاقت جمع کرکے میدان میں نکل آئے لیکن انہیں شکستِ فاش ہوئی۔ اس طرح یہ فتنہ کچھ زمانے کے لیے دب گیا۔

فرخ سیر کے دور میں سکھوں نے "بابا بندہ بیراگی" کی کمان میں شمالی پنجاب کو لوٹ مار کی آماجگاہ بنالیا۔ بیراگی کے ظلم وستم کی تفاصیل پڑھ کر انسان کانپ جاتا ہے۔ ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۴ء) میں فرخ سیر کے حکم سے لاہور کے گورنر عبدالصمد خان نے سکھوں کو شکست دی۔ اس لڑائی میں تین ہزار سکھ قتل ہوئے جبکہ ۸۰۰ گرفتار ہوئے جن میں بابا بندہ

بیراگی بھی تھا۔ قیدیوں کو پایہ تخت بھیج دیا گیا جہاں ۱۷۱۶ء میں فرخ سیر نے انہیں قتل کرادیا۔ اس وقت ایسا لگتا تھا کہ سکھ ختم ہوجائیں گے مگر مغلوں کے زوال کی رفتار اتنی تیز تھی کہ سکھوں کو دوبارہ ابھرنے کے مواقع مل گئے۔

جاٹوں اور مغلوں کی کش مکش:

جاٹ ایک قبیلہ ہے جو پنجاب، سندھ اور راجستھان میں پایا جاتا ہے۔ وسطی پنجاب اور اتر پردیش میں یہ لوگ بکثرت تھے۔ ہندی میں انہیں جاٹ، پنجابی میں جٹ اور عربی میں ''زط'' کہا جاتا ہے۔ کاشتکاری اور سپہ گری ان کا پیشہ ہے۔ یہ آریائی نسل سے ہیں۔ دراز قد، مضبوط بدن اور سانولے ہوتے ہیں۔ جنگجوئی میں نہایت مشہور ہیں۔ مغلیہ دور میں دریائے راوی کے مغربی اضلاع میں اکثر جاٹ مسلمان تھے مگر وسطی اور جنوب مشرقی پنجاب میں ان کی اکثریت ہندو یا سکھ تھی۔ جاٹ علاقے کے اہم قصبات: ڈیگ، بیانہ اور سنسنی تھے۔

شاہ جہاں کے دور میں جاٹوں کا فتنہ اس وقت پہلی بار ظاہر ہوا جب انہوں نے اچانک بغاوت کر کے متھرا کے حاکم مرشد علی خان کو قتل کر دیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں جب مغل افواج دکن کی مہم میں مشغول تھیں اور شمالی ہندوستان میں سرکاری فوج کم تھی، جاٹوں نے ایک بار پھر موقع پایا اور اپنے سرداروں راجارام اور راجاچبرا کی قیادت میں مغل افواج کے خلاف کارروائیاں شروع کردیں۔ پھر ایک جاٹ ''چڑامان'' نے ''سنسنی'' کو مرکز بنا کر مغلوں پر حملے شروع کردیے۔ ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۶ء) میں اس نے عالمگیر کے نائب امیر خان کو پے درپے شکستیں دیں۔ آخر میں ۱۶۹۰ء میں عالمگیر کے پوتے شہزادہ بیدار بخت نے جاٹوں کو مار بھگایا۔ تاہم جاٹوں کا قلع قمع نہ ہوسکا اور عالمگیر کی دکن کی مہمات میں مشغولیت کے دوران ''چڑامان'' نے ایک نئی فوج تیار کرلی۔ عالمگیر کی وفات تک جاٹوں کا فتنہ اپنی جگہ باقی تھا۔

عالمگیر کے بعد چڑامان نے موقع پاکر اپنی ریاست کی توسیع کی کوشش شروع کردی۔ مگر بہادر شاہ نے نرم پالیسی اپناتے ہوئے جاٹوں کو مصالحت پر راضی کرلیا۔ چڑامان مغلوں کے خلاف کارروائیاں بند کرنے کا اعلان کرتے ہوئے بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ مغل دربار میں حاضر ہوا اور بہادر شاہ سے تعاون کا وعدہ کیا۔ چڑامان ۱۷۲۱ء میں فوت ہوا۔ اس نے جاٹوں کو اتنا طاقتور بنادیا تھا کہ اگلے عشروں میں وہ مغلوں کے لیے دردِ سر بن گئے۔ ①

❁❁❁

① مآخذ:

❁ تاریخ الاسلام فی الہند، از عبد المنعم النمر: ص ۲۹۳ تا ۲۹۶

❁ تاریخ ہندوستان: ج ۹ ص ۳۶ تا ۶۰، ص ۱۲۲ تا ۱۲۷

❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: مقالہ: سکھ، جاٹ

❁ تاریخ سکھ مت از جی این امجد: ص ۱۶ تا ۱۱۰، ط اسلامی مشن لاہور

❁ تاریخ ہند از شیخ اقبال: ص ۱۴۸ تا ۱۵۰، ط گلاب سنگھ پبلشرز لاہور

محمد شاہ

۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء)

رفیع الدولہ کے بعد "سادات بارہ" نے ایک اور شہزادے روشن اختر کو جو عالمگیر کا پوتا تھا، جیل سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا۔ ذوالقعدہ ۱۱۳۱ھ (ستمبر ۱۷۱۹ء) میں وہ محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہو گیا۔

"سادات بارہ" نے محمد شاہ کو کٹھ پتلی بنا کر رکھا اور خود سلطنت کے بھلے برے پر قابض ہو کر بے انصافی اور استحصال میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سلطنت میں رشوت ستانی، بدنظمی اور اقربا پروری ہو گئی۔ ہندوؤں کو اعلیٰ مناصب دے کر مسلمان امراء کو دبا دیا گیا۔ شرعی محکموں کا نگران بھی ایک ہندو "رتن چند" کو بنا دیا گیا۔ ہندوؤں کی بالادستی کا یہ حال تھا کہ آگرہ سے لے کر بحرِ ہند تک جگہ جگہ بت خانے بنائے جا رہے تھے اور گائے کی قربانی پر پابندی عائد کی جا رہی تھی۔ ان حالات نے ہندو مسلم کشیدگی کی فضا پیدا کی جس کی وجہ سے کشمیر فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ ہندو مسلم فسادات کے بعد شیعہ سنی فسادات شروع ہوئے اور دو تین ہزار افراد مارے گئے۔ بڑی مشکل سے قتل و غارت کی یہ آگ بجھائی گئی۔

ایسے میں محمد شاہ کی والدہ قُدسیہ بیگم نے حیدرآباد دکن کے طاقتور اور عمر رسیدہ حاکم نظام الملک سے خفیہ طور پر رابطہ کر کے درخواست کی کہ وہ سلطنت کو "سادات بارہ" کی زیادتیوں سے نجات دلائے۔ چنانچہ نظام الملک نے ایک مضبوط فوج تیار کر کے پیش قدمی کی اور دکن پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُدھر یہ خبر سن کر حسین علی بھی اپنی فوج کے ساتھ نکل پڑا مگر راستے میں اس پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں وہ مارا گیا۔ حملے کی منصوبہ بندی محمد شاہ کی والدہ قُدسیہ بیگم اور نواب سعادت علی خان (بانیٔ سلطنتِ اودھ) نے کی تھی۔ اس کے بعد فوج محمد شاہ کے ساتھ ہو گئی جس کی مدد سے اس نے حسن علی کو بھی جنگ میں شکست دے کر سادات بارہ کا اقتدار ختم کر دیا۔ ۲۲ محرم ۱۱۳۳ھ (۲۴ نومبر ۱۷۲۰ء) کو محمد شاہ فاتح بن کر شاہ جہان آباد پہنچا اور بااختیار بادشاہ کی طرح حکومت شروع کی۔

محمد شاہ ایک ہوشیار انسان تھا۔ اگر وہ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتا تو تاریخ بدل دیتا۔ مگر فتح یاب ہو کر وہ عیش و عشرت میں منہمک ہو گیا۔ یوں مغل بادشاہ کے وقار کی بازیابی نے عملاً سلطنت کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ بادشاہ کی بے فکری کے باعث دربار سے سنجیدہ ماحول ختم ہو گیا۔ اخلاق تو کیا آدابِ شاہی بھی متروک ہو گئے اور دربار میں مسخرہ پن عام ہو گیا۔

اس زمانے میں محمد شاہ نے نظام الملک کو دکن سے دہلی بلا کر وزارت کا عہدہ بخش دیا تاکہ ملکی نظام بخوبی چلتا رہے مگر درباری لہو و لعب کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ انہوں نے نظام الملک ہی کو دق کر دیا۔ آخر وہ بددل ہو کر واپس حیدرآباد دکن چلا گیا اور وہاں کے انتظامات بہتر بنانے اور مرہٹوں کا زور کم کرنے پر توجہ مرکوز کر دی۔

مرہٹوں کے ملک میں پیشوا (نائب حکمران) کا عہدہ بالاجی نامی ایک ذہین اور شاطر شخص کو مل گیا جس نے مرہٹہ حکومت کو ایک منظم سلطنت میں تبدیل کر دیا۔

بالاجی کے بعد اس کا جوان بیٹا باجی راؤ پیشوا بنا جس نے مسلمانوں کے خلاف سخت جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ اس نے ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ء) میں نواب حیدر آباد نظام الملک سے چند سرحدی قلعے بھی چھین لیے۔ اس کے بعد اس نے مرہٹہ سلطنت کو ہمالیہ کے دامن تک پھیلانے کا اعلان کر کے ہر طرف حملے شروع کر دیے اور گجرات، مالوہ اور بندھیل کھنڈ سمیت کئی وسیع علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی کی طرف یلغار کر دی اور خاصا نقصان پہنچا کر واپس ہوا۔ تاہم ۱۷۴۰ء میں نظام الملک کے نوجوان لڑکے ناصر جنگ نے باجی راؤ کو عبرت ناک شکست دی اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے احمد نگر تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ مرہٹوں کے مرکز پونا پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر باجی راؤ نے اس کی شرائط مانتے ہوئے صلح کر لی۔ باجی راؤ اس کے بعد اچانک وسطی ہندوستان کی طرف نکلا مگر دریائے نربدا عبور کرتے ہوئے ڈوب کر مر گیا۔

مغل حکومت ناصر جنگ کے ہاتھوں باجی راؤ کی شکستِ فاش اور پھر اچانک موت سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش نہ کر سکی کیوں کہ اس سے قبل وہ نادر شاہ کے حملے کے باعث جاں بلب ہو چکی تھی۔

نادر شاہ دڑانی ۱۷۳۶ء کے آغاز میں ایران کا بادشاہ بنا تھا۔ اگلے دو سالوں میں وہ کابل، غزنی اور پشاور سمیت ان متعدد شہروں پر بھی قابض ہو گیا جو مغل حکومت کے ماتحت تھے۔ اس کے بعد وہ لاہور کو مسخر کرتا ہوا مغل دار السلطنت کی طرف بڑھنے لگا۔ محمد شاہ بھی اپنی فوج لے کر آگرہ سے نکلا۔ ۲۴ فروری ۱۷۳۹ء (۱۵ ذو القعدہ ۱۱۵۲ء) کو مغلوں اور ایرانیوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ آخر نواب حیدر آباد نظام الملک نے صلح کی بات چیت شروع کی اور طے پایا کہ محمد شاہ دو کروڑ روپے بطورِ تاوانِ جنگ ادا کرے گا تو نادر شاہ واپس چلا جائے گا مگر ایسے میں اودھ کے نواب سعادت علی خان نے غداری کی اور نادر شاہ کو دہلی پر قبضہ کر کے وہاں کا خزانہ لوٹنے کی ترغیب دی۔ نادر شاہ کو اور کیا چاہیے تھا۔ اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محمد شاہ کو گرفتار کر لیا اور اسے حراست میں لے کر دہلی پہنچا۔

دہلی کے عوام نادر شاہ کی عہد شکنی اور اپنے بادشاہ کی بے عزتی پر مشتعل تھے۔ چنانچہ ۲۶ مارچ ۱۷۳۹ء کو کچھ شہریوں نے بعض ایرانی سپاہیوں کو قتل کر دیا جس پر نادر شاہ بپھر گیا اور اس کے حکم سے دہلی میں قتلِ عام شروع ہو گیا جو صبح سے دوپہر تک جاری رہا اور ہزاروں بے گناہ لوگ قتل کیے گئے۔

دو ماہ بعد نادر شاہ ایران واپس ہوا اور جاتے ہوئے مغل خزانے اور شاہی محل سے ساٹھ لاکھ روپے اور پچاس کروڑ کی مالیت کے جواہرات اور قیمتی اشیاء ساتھ لے گیا جن میں مشہور ہیرا کوہِ نور اور شاہ جہاں کا شہرۂ آفاق "تختِ طاؤس" بھی تھا۔ شاہی محل کی بیگمات سے زیورات تک چھین لیے گئے۔ محمد شاہ اس کے بعد بھی نو سال تک تخت پر رہا مگر یہ زمانہ سراسر ہنگاموں، ناکامیوں اور افتراق و انتشار کا مرقع تھا۔ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ کی وفات ہو گئی۔ ①

① ماخذ: ❁ تاریخ ہندوستان: ۹/ص ۲۵۱ تا ۲۵۷ ❁ تاریخ صولت افغانی از زردار خان: ص ۲۴۰ تا ۲۴۴
❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: نادر شاہ

خود مختار ریاستیں

نادر شاہ کے بعد مغل سلطنت کی ساکھ برباد ہوگئی۔ صوبے دار خود مختار حکومتیں قائم کرنے لگے۔ محمد شاہ کے اختیارات فقط دہلی، آگرہ اور گردونواح کے علاقوں تک ہی سمٹ گئے۔ محمد شاہ کے زمانے میں درج ذیل آزاد ریاستیں قائم ہوئیں:

ریاست حیدرآباد دکن:

دکن میں نظام الملک نے اپنی خود مختار ریاست قائم کرلی جس کا پایۂ تخت حیدرآباد تھا۔ اس نے ہمیشہ مغل بادشاہ سے اچھے تعلقات رکھے۔ محمد شاہ کی طرف سے اسے ''آصف جاہ'' کا خطاب دیا گیا۔ ریاست حیدرآباد دکن مرہٹوں کے پڑوس میں ہونے کے باعث خطرے کی زد میں رہتی تھی۔ تاہم نظام الملک نے مرہٹوں کو سالانہ ایک خطیر رقم کی ادائیگی طے کرکے صلح کرلی۔ اس طرح وہاں امن قائم ہوگیا۔ یہ آزاد ریاست ۱۹۴۸ء تک قائم رہی۔

ریاست بنگال:

بنگال میں پختون صوبے دار علی وردی خان نے بڑا اثر ورسوخ حاصل کرلیا تھا۔ اپنے دشمنوں کو کچلنے کے بعد اس نے ۱۰ اپریل ۱۷۳۹ء کو بنگال میں خود مختاری کا اعلان کردیا۔ مرشد آباد اس حکومت کا پایۂ تخت بن گیا۔

ریاست روہیل کھنڈ:

سترہویں صدی عیسوی میں پٹھان قبائل کی بہت بڑی آبادی شمالی ہندوستان میں دریائے گنگا کے پار آباد ہوئی جن کی بڑی تعداد روہیلہ اور بنگش قبائل پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ دریائے گنگا سے نیپال تک آباد ہوگئے اور یہ علاقہ جو تقریباً پچیس ہزار مربع کلومیٹر وسیع تھا ''روہیل کھنڈ'' کہلانے لگا۔ فرخ آباد، بریلی، مرادآباد اور بدایوں اس کے اہم شہر تھے۔ پختون سردار علی محمد خان نے روہیل کھنڈ کو ایک آزاد ریاست میں تبدیل کرنے کی کوشش کی تو مغلوں نے روہیل کھنڈ پر لشکر کشی کی جو ناکام رہی۔ آخر کار ۱۷۴۴ء میں علی محمد خان کو صوبہ دار اور نیم خود مختار حاکم تسلیم کرلیا گیا۔ اگلے دور میں روہیل کھنڈ کے سردار نجیب الدولہ، حافظ رحمت خان اور نواب احمد خان بنگش شمالی ہند کی سیاست پر چھائے رہے۔

ریاست اودھ:

ریاست اودھ کے حاکم سعادت علی خان کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا صفدر جنگ اس کا جانشین بنا جس نے اودھ کو خود مختار ریاست بنادیا۔ کشمیر اور الہ آباد کے اضلاع کے انتظامات بھی اسے مل گئے۔ وہ ۱۷۳۹ء سے ۱۷۵۴ء تک حکمران رہا۔ اودھ کے نواب شیعہ تھے۔ روہیل کھنڈ کے سنی نوابوں سے ان کی چپقلش چلتی رہتی تھی۔ [1]

❁❁❁

[1] ماخذ: ❁ تاریخ ہندوستان: ج ۹ ص ۲۷۲ تا ۲۸۲ ❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: مقالہ: حیدرآباد، روہیل کھنڈ، بنگال
❁ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: روہیل کھنڈ ❁ تاریخ اودھ از حکیم نجم الغنی رامپوری، حصہ اول: ۷۵ تا ۱۲۵: طاول کشور

مرہٹوں کا عروج اور احمد شاہ ابدالی کی آمد

محمد شاہ کے بعد اس کا بیس سالہ بیٹا احمد شاہ تیموری تخت نشین ہوا جسے سلطنت کو مستحکم کرنے کے لیے (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء) چھ سال دس ماہ ملے۔ اسے کسی بڑے دشمن کا سامنا نہ تھا مگر وہ عیش وعشرت میں پڑا رہا اور سلطنت مزید کمزور ہوتی رہی۔ جاٹوں، سکھوں اور مرہٹوں کی سرکشی اور امرائے سلطنت کی باہمی چپقلش نے فساد کی انتہاء کر دی۔

اس کے بعد نظام دکن کے بیٹے غازی الدین عماد الملک کی کوششوں سے عالمگیر ثانی تخت نشین ہوا۔ وہ پچپن سال کا عابد وزاہد انسان تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اسے بڑی عقیدت تھی۔ اس کے دور میں غازی الدین وزیر بن کر امورِ سلطنت پر حاوی رہا۔ اس کی من مانیوں کے باعث عالمگیر ثانی گوشہ نشین ہو کر دل ہی دل میں کڑھتا تھا۔ اُدھر ۱۷۵۷ء میں بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ (انگریزی استعمار کی تفصیل اگلے صفحات میں آرہی ہے۔)

اس دوران جنوب میں مرہٹوں کی قوت اتنی بڑھ چکی تھی کہ دہلی ہر وقت ان کی زد میں تھا۔ خود وزیرِ سلطنت غازی الدین مرہٹوں سے ملا ہوا تھا جس کی دعوت پر ۱۷۵۸ء میں مرہٹوں کی کئی افواج ایک سیلاب کی طرح نکل پڑیں اور شمالی ہند میں پنجاب تک پھیل گئیں۔ ان کے ایک لشکر نے نومبر ۱۷۵۸ء میں پشاور پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح تقریباً پورا وسطی جنوبی اور شمالی ہندوستان ان کے قبضے میں آ گیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے صرف چار صوبے آزاد رہ گئے تھے: دوآبہ، روہیل کھنڈ، اودھ، اور حیدر آباد دکن۔ ان نازک حالات میں روہیل کھنڈ کے امیر نجیب الدولہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی کو پیغامات بھیجے اور مرہٹوں پر ضربِ کاری لگانے کی درخواست کی۔

اُدھر مرہٹوں نے اپنے مرکز ''پونا'' میں ایک بہت بڑا جلسہ کیا جس میں مرہٹہ سپہ سالار سداشیو پنڈت بھاؤ نے کہا:

''محمود غزنوی کے حملوں سے ہمارے دلوں پر جو زخم لگے وہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اب تک مٹے نہیں۔ ہم سومنات کی مورتی کی بے عزتی نہیں بھولے۔ آج ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ ہم مسلمانوں سے بدلہ لے سکیں۔ سومنات کی مورتی ہم شاہ جہاں کی تعمیر کردہ جامع مسجد دہلی کے منبر پر نصب کریں گے اور افغانستان میں گھس کر محمود غزنوی کا مقبرہ مسمار کر دیں گے۔''

بالاجی پیشوا نے کہا: ''میں ہندوستان کو مسلمانوں سے صاف کر دینے کے بعد ایسا انتظام کر دینا چاہتا ہوں کہ آئندہ کوئی مسلمان قوت ہمارے ملک پر حملے کا تصور بھی نہ کر سکے۔''

اس فیصلے کے بعد ہر طرف سے مرہٹے سردار اپنی اپنی فوجیں لے کر پونا میں جمع ہونے لگے۔

اُدھر احمد شاہ ابدالی نے نواب نجیب الدولہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ہندوستان کا رُخ کر لیا تھا۔ پنجاب کے نئے مرہٹہ حاکم سانبھاجی نے افغان لشکر کی آمد کی خبر سنی تو لاہور خالی کر کے بھاگ

نکلا۔ مرہٹہ سردار سندھیا جی اور غدارِ ملت غازی الدین اس وقت روہیل کھنڈ پر حملہ آور تھے مگر افغان لشکر کے قریب آنے کی خبر سنتے ہی وہ نومبر ۱۷۵۹ء میں دہلی کی طرف بھاگ نکلے۔ وہاں انہوں نے بادشاہ عالمگیر ثانی کو دھوکے سے قتل کرا دیا اور اس کی جگہ ایک مغل شہزادے کو شاہ جہاں ثانی کا لقب دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ اس وقت عالمگیر ثانی کا ولی عہد شہزادہ عالی گوہر وزیر غازی الدین کی سازشوں سے تنگ آ کر بہار میں پناہ لیے ہوئے تھا۔ اُس نے وہیں "شاہ عالم" کے لقب کے ساتھ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

دہلی میں شاہ جہاں سوم کی برائے نام حکومت لگ بھگ ایک سال رہی۔ اس دوران پورے ہندوستان کی نگاہیں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے معرکوں پر تھیں۔ دسمبر ۱۷۵۹ء کے اواخر سے مارچ ۱۷۶۰ء تک احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں میں کئی معرکے ہوئے۔ مرہٹے کسی میدان میں اپنی پوری طاقت سامنے نہ لائے۔ احمد شاہ نے ان کی چال کو سمجھ کر اس مہارت سے مقابلہ کیا کہ ان تمام جھڑپوں اور معرکوں میں مرہٹے ہمیشہ شکست کھا کر پسپا ہوتے رہے۔

موسم برسات شروع ہوا تو افغان لشکر دریائے جمنا کے پار خیمہ زن تھا اور سیلاب کے باعث دریا عبور کرنے سے قاصر تھا۔ ایسے میں ساڑھے تین لاکھ مرہٹوں نے پیش قدمی کر کے ۲۲ جولائی ۱۷۶۰ء کو دہلی پر قبضہ کر لیا۔ انہیں شاہی خزانے میں کوئی خاص دولت ہاتھ نہ لگی اس لیے کہ مغل حکومت کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ البتہ انہوں نے لال قلعے کے دیوان خاص کی چھت سے سونے کے پترے اُتار لیے اور ان سے اشرفیاں بنا کر پونا میں پیشوا کے لیے روانہ کیں۔ یہ اشرفیاں سات لاکھ سے کم نہ تھیں۔ درگاہِ نظام الدین اولیاء سے بھی سونے چاندی کی تمام چیزیں لوٹ لی گئیں۔

مرہٹہ سپہ سالار بھاؤ نے پیشوا کو خط میں فخریہ انداز سے لکھا:

"ہم نے اورنگ زیب کے باپ کا قلعہ فتح کر لیا ہے اور اپنے وطن کا لوٹا ہوا سونا مسلمانوں سے چھین لیا ہے۔ دہلی کے جن مسلمانوں نے ہمارا مقابلہ کیا انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے...... میں جب چاہوں تختِ دہلی پر آپ کے بیٹے راج کمار بسواس راؤ کو بٹھا دوں مگر احمد شاہ ابدالی جمنا کے پار موجود ہے، اس کے خاتمے تک میں راج کمار کی تخت نشینی کی رسم ادا کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

اس کے بعد مرہٹوں نے دہلی سے نکل کر کرنال کے قریب افغانوں کے قدیم شہر "کنج پورہ" پر حملہ کیا اور وہاں کے بیس ہزار شہریوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔ بچے، بوڑھے، عورتیں سب قتل کر دیے گئے۔ یہ خبر سن کر احمد شاہ ابدالی کا صبر و تحمل جواب دے گیا۔ اس نے دو دن روزہ رکھا، خوب دعائیں کیں اور پھر اپنی فوج سمیت متلاطم دریا میں داخل ہو گیا۔ دوسرے کنارے پر کھڑے دشمن کی تیر اندازی، دریا کی گہرائی اور بہاؤ کے سبب دو ہزار مسلمان ڈوب گئے۔ مگر شام سے پہلے پہلے احمد شاہ ابدالی اٹھاون ہزار جانبازوں سمیت باغپت کے مقام سے دریا کے پار اُتر چکا تھا۔

آخر فریقین پانی پت کے میدان میں آمنے سامنے ہوئے۔ مرہٹوں کی مجموعی قوت پانچ لاکھ افراد تک پہنچ گئی تھی۔ حیدر آباد دکن کے دو اُمراء: ابراہیم خان گادری اور فتح خان گادری بھی چالیس ہزار گھڑ سواروں اور پیادوں کے ساتھ

مرہٹوں کا ساتھ دینے آ چکے تھے۔ لڑائی سے قبل احمد شاہ ابدالی نے گاردی کو پیغام بھیج کر سمجھایا کہ یہ لڑائی ملک اور وطن کی نہیں، اسلام اور کفر کا معرکہ ہے اس لیے تم اپنے مرہٹے آقاؤں کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے مذہب کی تنظیم میں ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ یا کم از کم غیر جانبدار رہ کر اپنے ایمان واسلام کو بچاؤ۔ مگر گاردی پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس کے بعد کئی ہفتوں تک دونوں لشکروں میں جھڑپیں جاری رہیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

آخر ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو طلوع آفتاب سے قبل مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ احمد شاہ ابدالی کا سرخ خیمہ ایک بلند ٹیلے پر نصب تھا جہاں سے وہ میدان جنگ کا جائزہ لے کر سالاروں کو ہدایات دے رہا تھا۔ ابراہیم خان گاردی کا مشہور توپ خانہ افغانوں کو سخت نقصانات پہنچا رہا تھا۔ اسلامی لشکر کی پشت پر نواب نجیب الدولہ کے دستے تھے، جو مورچے لگا کر اپنا دفاع کر رہے تھے۔ مرہٹوں کا سب سے زیادہ زور نجیب الدولہ کے خلاف استعمال ہو رہا تھا کیوں کہ احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ساتھ اس کا بہت اہم کردار تھا۔

زوال کے وقت دونوں فریق اپنی پوری طاقت میدان کارزار میں جھونک چکے تھے۔ تب احمد شاہ ابدالی نے اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے اپنے بارہ ہزار زرہ پوش سپاہیوں اور غلاموں کو طلب کر کے کہا: ''ایک ایک ہزار کی ٹولیاں بنا کر پشت سے دشمن پر یکے بعد دیگرے بھرپور حملے کرو۔ بھاؤ کے گرد جمع مرہٹہ سرداروں پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو۔'' ساتھ ہی توپ خانے کو حکم دیا: ''دشمن کے قلب اور دائیں بازو کو گولوں کی زد میں لے لو، خاص کر بسواس راؤ کے ہاتھی کو نشانہ بناؤ۔'' یہ ہدایات دے کر اس نے مصلیٰ سنبھال لیا اور سجدے میں گر کر فتح و نصرت کی دعا مانگنے لگا۔

دعا اور تدبیر کا اشتراک تیر بہدف ثابت ہوا۔ مرہٹوں کا شاہی ہاتھی گولے کی زد میں آ گیا اور بسواس راؤ مارا گیا۔ مرہٹہ سپہ سالار بھاؤ کو روہیلہ سردار نواب عنایت خان نے نیزے کا نشانہ بنایا اور تلوار سے اس کا سر کاٹ ڈالا۔ اُدھر افغان توپ خانہ دشمن کے قلب اور دائیں بازو کو زد میں لے چکا تھا۔ ان حالات میں مرہٹوں نے گھبرا کر میدان چھوڑ دیا۔ مسلمان مقتولین پندرہ سے بیس ہزار کے درمیان تھے۔ مرہٹوں کے اڑھائی لاکھ سپاہی میدان میں قتل ہوئے تھے جبکہ پچاس ہزار کو ان ہندو دیہاتیوں نے فرار ہوتے ہوئے گھیر گھار کر قتل کیا جو مرہٹہ افواج کے مظالم سے تنگ تھے۔ بالاجی پیشوا کا بیٹا بسواس راؤ اور مرہٹوں کا سپہ سالار سداشیو بھاؤ، میدانِ جنگ میں مارے گئے تھے جبکہ ابراہیم خان گاردی سخت زخمی حالت میں گرفتار ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کا علاج کرانے کی کوشش کی مگر وہ جانبر نہ ہو سکا۔ مرہٹوں کے صرف ایک لاکھ افراد زندہ واپس آ سکے۔ ان میں سے بہت سے زخمی مرہٹوں کو مسلمانوں نے انسانیت کے ناطے پناہ دی اور انہیں سفر کا خرچ دے کر ان کے ملک بھیجنے کا انتظام کیا۔ غازی الدین عماد الملک اس شکست کے بعد دکن چلا گیا اور وہاں بھیس بدل کر زندگی گزارتا رہا۔ یہ جنگ تاریخ میں ''پانی پت کی تیسری جنگ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اس شاندار فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی ۲۹ جنوری ۱۷۶۱ء کو دہلی پہنچا۔ اس نے تمام ہندوستانی امراء اور سرداروں کو تاکید کی کہ عالمگیر ثانی کے بیٹے عالی گوہر عرف شاہ عالم کو بہار سے دہلی بلوائیں اور اسے ہندوستان کا فرماں روا تسلیم کریں۔ احمد شاہ ابدالی نے مقامی اُمراء کو خلعتیں دیں اور ۲۰ مارچ ۱۷۶۱ء کو دہلی سے واپس افغانستان کا رُخ کرلیا۔

پانی پت کی جنگ کے نتیجے میں درج ذیل تبدیلیاں رونما ہوئیں:

① مشرقی اور شمال مغربی صوبوں (بنگال، بہار، پنجاب اور دریائے سندھ کے پار) سے مرہٹوں کی اجارہ داری ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

② حیدرآباد دکن کی ریاست جو نظام الملک آصف جاہ کی موت کے بعد کمزور ہو چکی تھی، مستحکم ہوگئی اور وہاں نئے حکمران نظام علی خان نے مرہٹوں سے اپنا بہت سا علاقہ بازیاب کرالیا۔

③ میسور میں حیدر علی کو خود مختاری کا موقع ملا اور وہاں پہلی بار مسلمانوں کی آزاد حکومت قائم ہوگئی۔

پانی پت کی جنگ کے بعد مسلمان متحد رہتے تو ایک نئی تاریخ رقم کی جاسکتی تھی مگر افسوس کہ مسلمان حکام بے فکر ہوکر مزید انتشار کا شکار ہوگئے۔ اودھ کا نواب شجاع الدولہ اپنی ریاست کی توسیع کے لیے ہندوؤں اور انگریزوں سے ساز باز کرنے لگا۔ مرہٹے مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں ایک مسلمان حکمران سے اتحاد کر کے دوسرے کو تباہ کرتے رہے۔ ان حالات نے انگریزی اقتدار کو مضبوط کیا اور ان کی عمل داری کی حدود بڑھتی گئیں۔

اُمرائے ملت اگر عاقبت اندیش ہوتے تو احمد شاہ ابدالی کی تاکید کے مطابق مغل بادشاہ شاہ عالم کو فوراً دہلی لا کر تخت پر بٹھاتے مگر امراء نے بادشاہ کو دس سال تک مرکز سے دور رکھا اور اپنی من مانی کرتے رہے۔ اُدھر پنجاب میں سکھ طاقت پکڑ رہے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۲ء، ۱۷۶۴ء، ۱۷۶۶ء اور ۱۷۶۷ء میں سکھوں کی شورشوں کو دبانے کے لیے چار حملے کیے اور ہر بار انہیں شکست دی۔ ان کے ساتھ کئی بار معاہدے بھی کیے مگر سکھ بہت جلد ہر شکست کو بھول کر اور ہر معاہدہ توڑ کر پھر سے مسلمانوں کو للکارتے اور قتل وغارت کا بازار گرم کردیتے۔ اُدھر انگریزوں کے بہکاوے میں آکر کئی ہندوستانی اُمراء اب احمد شاہ ابدالی کی دوبارہ ہندوستان آمد کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگے۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے بھی ہندوستان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ جون ۱۷۷۳ء میں احمد شاہ ابدالی پچپن سال کی عمر میں دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد مسلم ہندوستان کو بچانے کے لیے کبھی کوئی بیرونی فاتح یہاں قدم نہ رکھ سکا۔ ①

---

① مآخذ: ❁ تاریخ ہندوستان از شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ: ۹ ص ۲۸۶ تا ۲۸۷، ص ۳۰۲ تا ۳۰۹۔

❁ افغانستان در مسیر تاریخ از میر غلام محمد غبار: ص ۳۶۶ تا ۳۷۰۔ ❁ احمد شاہ ابدالی از قیصر آغا: ۱۱۳ تا ۱۲۹

❁ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، از پروفیسر خلیق احمد نظامی: ص ۲۱، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷

❁ تاریخ دعوت وعزیمت از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: ج ۵ ص ۳۱۶، ۳۱۷

❁ صولتِ افغانی از زردار خان: ص ۲۵۰ تا ۲۵۲ ❁ تذکرہ از روشن خان: ص ۳۳۲، ص ۳۵۱ تا ۳۵۷

❁ احمد شاہ ابدالی، از گنڈا سنگھ: ❁ عماد السعادات، از غلام علی نقوی

شاہ عالم ثانی

۱۷۶۰ء تا ۱۸۰۶ء

نومبر ۱۷۵۹ء میں عالمگیر ثانی اپنے وزیر غازی الدین کی سازش سے قتل ہوا تو اس کے بیٹے شہزادہ عالی گوہر نے جو محلاتی سازشوں سے تنگ آ کر بہار میں پناہ گزین تھا، شاہ عالم کے لقب کے ساتھ تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

اس سے قبل ۱۷۵۷ء میں انگریز بنگال پر قابض ہو چکے تھے۔ شاہ عالم نے بنگال کو آزاد کرنے کے لیے انگریزوں سے چار جنگیں کیں مگر ہر بار اُسے شکست ہوئی۔ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو بکسر کی جنگ میں شکست کے بعد وہ سات سال تک الہ آباد میں انگریزوں کی نگرانی میں کٹھ پتلی بادشاہ کی حیثیت سے رہا۔ انگریز جرنیل اور مشیر اسے گھیرے رہتے تھے۔ اس کی آمدن فقط وہ تھی جو انگریز اسے دیتے تھے جس کا اکثر حصہ بادشاہ اور امراء کے عیش و تنعم پر خرچ ہو جاتا تھا۔

شاہ عالم کا مشیر نجف خان انگریزوں کا خاص کارندہ تھا جس نے جنگِ بکسر میں انگریزوں کو فتح دلوائی تھی۔ انگریزوں کی سفارش سے وہ وزیرِ سلطنت بن گیا۔ یوں مغل سلطنت انگریز کے وفاداروں کے چنگل میں پھنس گئی۔

مسلمانوں کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں نے دوبارہ سر اٹھایا اور ۱۷۷۰ء میں مرہٹہ سردار مادھوجی سندھیا فقط تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دہلی پر قابض ہو گیا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مرہٹوں کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ روہیل کھنڈ کے پٹھان نواب ہیں، چنانچہ مادھوجی سندھیا نے پٹھانوں کے مقابلے کے لیے شاہ عالم کو دہلی آنے کی دعوت دی۔

شاہ عالم مرہٹوں کا ساتھ دینے کا معاہدہ کر کے دسمبر ۱۷۷۱ء میں دہلی پہنچا۔ اُسے دہلی پہنچے ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ مرہٹے اسے لے کر روہیلوں پر حملہ کرنے روانہ ہو گئے اور ۱۷۷۲ء کے آغاز میں روہیل کھنڈ کے شہر غوث گڑھ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے نواب ضابطہ خان کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔

۱۷۷۳ء میں نجف خان امیر الامراء مقرر کر دیا گیا جس نے کئی سال تک کبھی جاٹوں، کبھی سکھوں اور کبھی مرہٹوں سے مقابلہ کیا اور جاٹوں سے خاصا علاقہ بازیاب کرایا۔ مگر وہ سخت متعصب شیعہ تھا لہٰذا اس نے کبھی سُنی روہیلوں سے صلح نہ کی۔ اس نے دہلی میں روافض کے شعائر کی ترویج میں پورا زور صرف کر دیا۔ صحابہ کرام پر سب و شتم عام ہو گیا۔ حق گو علماء کو سخت ترین سزائیں دی جانے لگیں۔ اس صورتحال نے مغل حکومت کو مذہبی طور پر بھی ناقابلِ اعتبار کر دیا۔

علمی محاذ پر تشیع کا مقابلہ کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ازالۃ الخفاء'' جیسی شاہکار تصنیف پیش کی جس میں خلفائے اربعہ کی حقانیت کے متعلق اہلِ سنت کے مذہب کو ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا۔ ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تردیدِ شیعیت میں ''تحفہ اثنا عشریہ'' جیسی لاجواب کتاب لکھی۔

۱۷۸۲ء میں نجف خان کے انتقال کے بعد دہلی میں مرہٹوں کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ امیر الامراء کا عہدہ جو مسلمانوں کے لیے خاص تھا، پیشوائے پونا کے نام کر دیا گیا۔ مرہٹوں نے آگرہ سے دہلی تک پورے علاقے میں قدم

جما لیے اور مسلمان امراء کی جاگیریں ضبط کرلیں۔ مغل بادشاہ بھی اب مرہٹوں کے وظیفے کا محتاج تھا۔

آخر دہلی کے مسلمان اُمراء نے مرہٹوں سے نجات کے لیے غوث گڑھ کے جاگیردار غلام قادر روہیلہ کو دہلی طلب کیا۔ اس نوجوان کو ۱۷۷۲ء میں مرہٹہ اور مغل سپاہ کی مشترکہ کارروائی کے دوران غوث گڑھ سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اس وقت یہ دس سال کا تھا۔ شاہ عالم نے اسے خصی کر کے کئی سال شاہی زنان خانے میں رکھا تھا۔ جب وہ بالغ ہوا تو موقع ملتے ہی فرار ہو گیا اور اپنے باپ ضابطہ خان کے پاس پہنچ گیا۔ باپ کی وفات کے بعد ۱۷۸۲ء میں وہ بیس سال کی عمر میں غوث گڑھ کا جاگیردار بن گیا۔ جب دہلی کے اُمراء نے مرہٹوں کے خلاف اس سے مدد مانگی تو وہ ۱۷۸۸ء میں اپنا جتھہ لے کر آ گیا اور مرہٹوں کو نکال باہر کیا۔ تاہم اسے مرہٹوں کا قلع قمع کرنے کے لیے جس قدر دولت چاہیے تھی، وہ شاہ عالم فراہم نہ کر سکا۔ اس پر غلام قادر مشتعل ہو گیا۔ وہ بادشاہ کو نیچے لٹا کر اس کے سینے پر چڑھ گیا اور خنجر سے اس کی ایک آنکھ نکال لی۔ پھر اپنے ایک ساتھی کو کہا: اس کی دوسری آنکھ نکال دے۔'' اس نے انکار کر دیا۔ یہ سن کر غلام قادر نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا سر کٹ کر الگ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے پٹھان آگے بڑھے اور بادشاہ کی دوسری آنکھ نکال لی۔ بادشاہ کے صبر کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں نکلتے وقت بھی آہ یا اُف نہ کی بلکہ اللہ کا ذکر کرتا رہا۔ اُدھر دیکھنے والے لرز رہے تھے۔ شہزادیاں بے ہوش ہو ہو کر گر رہی تھیں۔ جب اہلِ شہر کو پتا چلا کہ لال قلعے میں کیا ہو رہا ہے تو وہ دہشت زدہ ہو کر شہر سے بھاگنے لگے۔ کچھ اُمرائے شہر نے روہیلوں سے خوفزدہ ہو کر مرہٹوں سے مدد مانگ لی۔ آخر مرہٹہ فوج آن پہنچی اور غلام قادر مقابلے سے عاجز آ کر پسپا ہو گیا۔ مرہٹے اس کے تعاقب میں رہے اور آخر اسے گرفتار کر کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب مرہٹوں نے نابینا شاہ عالم کو ایک بار پھر تخت پر بٹھا دیا اور اس کی آڑ میں دوبارہ دہلی پر حکومت کرنے لگے۔ یوں پختونوں اور مغل بادشاہ کی باہمی چپقلش نے مسلمانانِ ہند کی عسکری طاقت تباہ کر دی اور مرہٹے بلاخوف وخطر جنوبی اور وسطی ہند کے بیشتر شہروں کے حکمران ہو گئے۔

شاہ عالم کے ساتھ مرہٹوں کا سلوک دن بدن بدتر ہوتا چلا گیا۔ آخر شاہ عالم نے انگریز گورنر جنرل لارڈ ویزلی کو مراسلہ لکھ کر درخواست کی کہ اسے مرہٹوں کے چنگل سے نکالا جائے۔ چنانچہ انگریزی فوج مرہٹوں کو شکستِ فاش دے کر ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو دہلی میں داخل ہو گئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے بادشاہ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ تین سال انگریزوں کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے گزار کر نومبر ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم کی وفات ہو گئی۔ اس کی حکومت کی مدت ۴۸ سال تھی۔ اس کے آخری سالوں میں مغلیہ حکومت درحقیقت ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ کمپنی کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ①

❁❁❁

① ماخذ: ❁ تاریخِ ہندوستان: ۹/ص ۳۱۱ تا ۳۲۳
❁ علمائے ہند کا شاندار ماضی مطبوعہ جمعیت پبلیکیشنز: ص ۴۳۲۔
❁ دہلی کی جان کنی، از مجموعہ خواجہ حسن نظامی: ص ۴۷۰ تا ۴۸۳
❁ صولتِ افغانی: ص ۲۶۴، ۲۵۸، ۲۸۱
❁ تاریخِ دعوت وعزیمت: ۵/ص ۳۶۳، ۳۶۴
❁ تاریخِ ملت: ج ۳

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ عالمگیر کی وفات کے بعد مغل شہزادوں میں خانہ جنگی کے اسباب کیا تھے؟
❷ سادات بارہ کو عروج کیسے حاصل ہوا؟ اور فرخ سیر کے ساتھ ان کی کش مکش کا انجام کیا ہوا؟
❸ نادر شاہ دُرّانی کے دہلی پر قبضے اور لوٹ مار کے مغل سلطنت پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟
❹ احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کے خلاف جہاد کی دعوت دینے میں کن شخصیات کا اہم کردار رہا؟
❺ پانی پت کی تیسری جنگ کا حال بیان کیجیے اور اس کے اثرات پر روشنی ڈالیے۔
❻ غلام قادر روہیلہ اور شاہ عالم کے درمیان خفگی کی وجوہ کیا تھیں اور اس کشیدگی کا انجام کیا ہوا؟
❼ شاہ عالم نے انگریزوں کو دہلی پر قبضے کی دعوت کیوں دی؟
❽ مغل سلطنت کے زوال کے دوران برصغیر میں کونسی آزاد ریاستیں وجود میں آئیں؟

عملی کام:

❁ مغلیہ سلطنت کے زوال پر غور کریں اور کم از کم دو ایسے اسباب لکھیے جو اس کتاب میں واضح نہیں کیے گئے۔
❁ پانی پت کے میدان کو نقشے پر واضح کریں اور وہاں کی تین مشہور جنگوں کا تعارف دو دو سطور میں کرائیں۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخ پاک و ہند، از محمد عبداللہ ملک، ناشر: قریشی برادرز، لاہور
❁ تاریخ ہند، از پروفیسر شیخ عبدالرشید، ناشر: دوداش کمپنی، علی گڑھ
❁ تاریخ ہندوستان، از مولانا ذکاء اللہ دہلوی

چوتھا باب

برصغیر دورِ استعمار میں

تعارف:

اورنگ زیب کے بعد مغلوں کا زوال شروع ہوگیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی ملک کے سیاہ وسپید کی مالک بن گئی۔ سراج الدولہ، حیدر علی، ٹیپو سلطان اور سید احمد شہید جیسے مجاہدین اپنوں کی غداریوں کے باعث ملک کو غلامی سے نہ نکال سکے۔ انگریزوں کے خلاف آخری جدوجہد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی تھی جس میں غلبہ حاصل کرنے کے بعد انگریزوں نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے مغل حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1. اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کی غلطیوں اور فتنہ پرور اُمراء کے کردار سے آگاہ ہو سکیں۔
2. انگریز کی عیارانہ سیاست اور ان کے ظلم و جبر اور استحصال سے واقف ہو سکیں۔
3. سراج الدولہ، حیدر علی، ٹیپو سلطان اور سید احمد شہید کی قربانیوں کی اہمیت جان سکیں۔
4. ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے ضروری حالات ذہن نشین کر سکیں۔

(یونٹ:3.15)

برصغیر برطانوی استعمار کے دور میں

صدیوں سے برصغیر کی مصنوعات سوت، ریشم، قیمتی پتھر، گرم مصالحے، نیل، گڑ، ڈھاکے کی ململ، کاغذ، قالین اور غالیچے یورپ میں بے حد مقبول تھے، یورپی تاجر یہ چیزیں خرید کر لے جاتے اور مہنگے داموں فروخت کر کے خوب نفع کماتے تھے۔ یہ سامانِ تجارت جس جس ملک سے گزرتا تھا، وہاں کی حکومت اس پر ٹیکس لگا کر آمدن حاصل کرتی تھی۔ یورپی تاجروں کو یہ بات ناپسند تھی کیوں کہ اس طرح یورپ میں اسے فروخت کرتے وقت انہیں محدود نفع ہاتھ آتا تھا۔ وہ برصغیر کا کوئی متبادل راستہ تلاش کر رہے تھے جس میں مسلمان حکمرانوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

اس دور میں پرتگال کے شہزادے ہنری نیوی گیٹر (Henry the Navigator) نے سمندری راستوں کی تلاش کے لیے باقاعدہ ایک ادارہ قائم کیا۔ پھر پرتگال کا ایک تجربہ کار جہاز راں ''بارتھولو دیاز'' ۱۴۸۷ء میں جنوبی افریقہ کے کونے تک جا پہنچا اور اس نے دیکھا کہ یہاں سے براعظم کی زمین مشرق کی طرف مڑ رہی ہے۔ چنانچہ اہلِ یورپ کو ایک نیا راستہ ملنے کی امید ہوگئی۔

اگست ۱۴۹۲ء میں ہسپانوی جہاز ران کرسٹوفر کولمبس مشرقی ملکوں کا راستہ ڈھونڈنے کے لیے نکلا۔ چوں کہ اس وقت تک اہلِ یورپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ دنیا گول ہے، لہٰذا کولمبس کا خیال تھا کہ وہ مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے ایک نہ ایک دن مشرقی ملکوں کے ساحلوں تک پہنچ جائے گا مگر وہ راستہ بھٹک کر نئی دنیا جنوبی امریکا پہنچ گیا۔ یوں یورپ کو امکانات کی ایک نئی دنیا مل گئی اور وہ اس کے تمام تر معدنی وقدرتی وسائل کے بلاشرکتِ غیرے مالک بن گئے۔ اب پرتگال بھی اسپین کی طرح نئی ریاستوں کو تلاش کرنے اور ان کے وسائل لوٹنے کے لیے پر تولنے لگا۔ پوپ نے فیصلہ دے دیا کہ ہسپانوی جہاز ران بحر اوقیانوس کے مغرب میں اور پرتگالی بحر اوقیانوس کے مشرق میں مہم جوئی کریں گے۔ چنانچہ شاہِ پرتگال نے واسکوڈی گاما نامی ایک جہاز ران کی کمان میں ایک بحری مہم بھیجی۔ واسکوڈی گاما انتہائی بے رحم جنگجو تھا۔ اس نے جیلوں سے سزائے موت کے بہت سے قیدیوں، غنڈوں اور لٹیروں کو اس شرط پر آزاد کرا کے اپنے ساتھ لیا کہ وہ دینِ مسیح کے لیے جان دینے کے لیے تیار رہیں گے۔

جولائی ۱۴۹۷ء میں واسکوڈی گاما کا بحری بیڑا ''لزبن'' کی بندرگاہ سے روانہ ہونے لگا تو جنگجوؤں کو پوپ کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا جس میں انہیں مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرنے کی پوری اجازت دی گئی تھی۔ اس سفر میں کینیا کی بندرگاہ سے گاما کو کچھ ہندو جہاز ران مل گئے جنہوں نے پرتگالیوں کی راہنمائی کی اور انہیں ہندوستان کے ساحل تک لے گئے۔ (بعض مستشرقین کا یہ دعویٰ کہ مسلمان امیر البحر احمد بن ماجد نے ان کی رہبری کی تھی، قطعاً غلط ہے۔)

۱۸ مئی ۱۴۹۸ء کو استعماریوں کا یہ پہلا بیڑہ جنوبی ہندوستان کی ریاست مالابار کی بندرگاہ کالی کٹ پر لنگر انداز ہوا۔ اگرچہ واسکوڈی گاما کو اپنے مقاصد میں پوری کامیابی نہ ہوسکی۔ البتہ اس نے افریقہ اور ہندوستان کی ساحلی حکومتوں کی کمزوریوں کا اچھی طرح اندازہ لگالیا تھا۔ تین ماہ قیام کر کے وہ ۱۴۹۹ء میں واپس پرتگال پہنچ گیا۔ اس نے شاہ پرتگال کو بتایا کہ مشرقی دنیا میں فتوحات کے بے شمار مواقع موجود ہیں کیوں کہ وہاں جنگی بحری بیڑے بہت کمزور ہیں۔ گاما سے لی گئی معلومات کی روشنی میں ۱۵۰۰ء میں شاہ مینوئیل نے کپتان کابرل کی قیادت میں ایک اور مہم ہندوستان بھیجی جس نے کالی کٹ پہنچ کر لوٹ مار کی اور گرم مصالحے کی بھاری کھیپ کے ساتھ واپس آیا۔ ۱۵۰۲ء میں واسکوڈے گاما زیادہ جنگجوؤں کو لے کر دوبارہ ہندوستان کے ساحلوں پر آیا اور مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا۔ اس نے گوا کے شہر پر حملہ کیا اور اسے اپنا باج گذار بنالیا۔

سمندر میں پرتگالیوں کی مداخلت کا اثر براہِ راست ہندوستان اور عرب کی تجارت پر پڑا۔ گجرات کے حکمران محمود شاہ کی درخواست پر سلطانِ مصر قانصوہ نے ایک بحری بیڑا بھیجا جس نے ایک بار پرتگالیوں کو پسپا بھی کیا مگر ۱۵۰۹ء کی بحری جنگ میں جزیرۂ دیو کے غیر مسلم حاکم کی غداری کی وجہ سے گجراتی اور مصری بیڑے کو شکست ہوئی۔

رفتہ رفتہ پرتگالی ساحلوں پر چھا گئے۔ ان کے کمانداز "البوکیرک" نے مرہٹوں سے دوستی گانٹھ کر جنوبی ہندوستان کی مسلم ریاستوں پر حملے کیے۔ ۱۵۱۰ء میں اس نے "گوا" پر قبضہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور اپنی حکومت کو لکھا:

"میرے شمشیر زن چار دن تک لوگوں کا خون بہاتے رہے، شہر سے مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ہی ہماری تلواروں کی پیاس بجھی، ہم نے ان کی لاشوں سے مساجد کو بھر دیا اور انہیں آگ لگادی۔"

البوکیرک نے مسقط اور آبنائے ہرمز پر بھی قبضہ کر کے پرتگالیوں کے قدم بہت مضبوط کردیے۔ ایک صدی تک برصغیر کے ساحلوں پر پرتگیزیوں کی بلاشرکتِ غیرے اجارہ داری رہی۔

اب ہندوستان کی دولت کے قصے یورپ میں اتنے مشہور ہوئے کہ وہاں اسے سونے کی چڑیا کہا جانے لگا جس کے سنہرے پر کاٹنے کے لیے یورپی تاجروں کے مسلح گروہ میدان میں اتر پڑے۔ یورپی حکمرانوں نے اپنی تجارتی کمپنیوں کو لوٹ مار، قتلِ عام، جنگوں، معاہدوں، علاقوں پر قبضے اور قلعوں کی تعمیر تک کا مجاز بنادیا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت اور وسائل لوٹ سکیں۔ ۱۵۹۵ء میں ہالینڈ کے تاجروں نے "یونائیٹڈ ایسٹ انڈیا کمپنی اوف نیدرلینڈ" کے نام سے ایک تجارتی کمپنی قائم کرلی جسے "ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی" بھی کہا جاتا ہے۔ ولندیزیوں نے عمدہ تجارتی نظم وضبط کے ذریعے پرتگالیوں کا زور توڑ دیا اور احمد آباد، سورت اور آگرہ میں تجارتی کوٹھیاں بنالیں۔

تجارت میں غالب آنے کے بعد ولندیزیوں نے ہندوستان کی برآمدات خصوصاً مرچ مصالحے کی قیمتیں بڑھادی تھیں۔ جب ولندیزیوں نے ایک پونڈ گرم مصالحے کی قیمت میں یکدم پانچ شلنگ کا اضافہ کیا تو لندن کے تاجروں نے ایک الگ تنظیم بنا کر ہندوستان سے تجارتی مال درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو ملکۂ برطانیہ کی

اجازت سے ''ایسٹ انڈیا ٹریڈنگ کمپنی'' کی داغ بیل پڑی جس کو ایک گورنر جنرل کے زیرِ انتظام رکھا گیا تھا۔۱۶۰۱ء میں کمپنی کا پہلا تجارتی جہاز ہندوستان روانہ ہوا۔

انگریز سفیر کئی سال تک مغل بادشاہ جہانگیر سے تجارتی اجازت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر ۱۶۱۲ء میں جہانگیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سورت میں تجارت کا پروانہ جاری کر دیا۔ دو سال بعد برہان پور، احمد آباد اور آگرہ میں بھی تجارتی مراکز بنانے کی اجازت دے دی گئی۔ ۱۶۱۸ء میں شاہِ برطانیہ جیمز اول کے سفیر ٹامس رہو نے جہانگیر کا اعتماد حاصل کر کے اس سے یہ منظور کرا لیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجر ہندوستان میں آزادانہ تجارت کر سکیں گے، اسلحہ ساتھ لے سکیں گے اور ان پر عام محصولات کی شرح سے زائد ٹیکس عائد نہیں کیا جائے گا۔

۱۶۲۴ء میں کمپنی نے شاہِ انگلستان جیمز اوّل سے یہ اختیار بھی منظور کرا لیا کہ کمپنی کے افسران اپنے ملازموں کو عسکری اور شہری قوانین کے تحت سزائیں دے سکتے ہیں۔ اس طرح کمپنی کو لوگوں کی زندگیوں اور قسمت سے کھیلنے کے کھلے اختیارات مل گئے۔ شاہ جہاں کے دور میں ۱۶۳۳ء کمپنی کو بنگال میں تجارت کے علاوہ کارخانے لگانے کی اجازت بھی مل گئی۔ پٹنہ اور ڈھاکا میں کمپنی کے تجارتی مراکز اور کارخانے ہو گئے۔

۱۶۳۷ء میں مغل بادشاہ شاہ جہاں کی بیٹی جہاں آراء آگ سے جھلس گئی۔ ایک انگریز ڈاکٹر ''بائیڈن'' کے علاج سے وہ شفایاب ہوئی تو شاہ جہاں نے منہ مانگا انعام دینے کا اعلان کر دیا۔ ڈاکٹر بائیڈن نے انعام میں بنگال کی تجارت پر محصول معاف کرنے کی درخواست منظور کروالی۔ دو سال بعد شاہ جہاں نے مدراس میں بھی تجارتی سرگرمیوں کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ۱۶۴۰ء میں تجارتی کوٹھی کے نام سے ساحلِ سمندر پر کمپنی کا قلعہ ''سینٹ جارج'' تعمیر ہوا۔ اس دوران ولندیزیوں، پرتگالیوں اور انگریزوں کے مابین جنگیں بھی ہوئیں، انگریزوں نے غالب آ کر ولندیزیوں کو مشرقِ بعید کی طرف اور پرتگیزیوں کو صرف گوا میں محدود کر دیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس ابتدائی دور میں اس کے نفعے کی کم سے کم شرح سو سے دو سو فیصد تھی۔ قیام کے وقت کمپنی کا مجموعی سرمایہ تیس ہزار پاؤنڈ تھا مگر فقط ۶۰ سال بعد یہ کمپنی اس قدر دولت مند ہو گئی کہ شاہِ برطانیہ کو تین سے چار لاکھ پاؤنڈ نذرانہ پیش کرنے لگی۔ کمپنی نے ۱۶۶۱ء میں ہندوستان کی منڈی میں اپنے لیے تمام راستے صاف دیکھتے ہوئے شاہِ برطانیہ سے ایسے لٹیرے سرمایہ داروں کے مسلح جتھوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت بھی حاصل کر لی جن کا مقصد ہی لوٹ مار کرنا تھا۔ ۱۶۶۱ء میں شاہِ پرتگال کی بیٹی شاہِ برطانیہ چارلس دوئم سے بیاہی گئی۔ شاہِ پرتگال نے اپنا علاقہ بمبئی، اپنی بیٹی کو جہیز میں دے دیا۔ یوں ۱۶۶۱ء میں بمبئی برطانوی شاہی خاندان کی ملکیت میں آ گیا۔ شاہی خاندان نے یہ زمین فقط دس پونڈ سالانہ کرایے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دی۔ کمپنی نے بمبئی کی بندرگاہ کو فعال بنا دیا اور اس کی تجارت مزید چمکنے لگی۔ ۱۶۸۷ء میں سورت کا تجارتی مرکز بمبئی منتقل کر دیا گیا۔ جغرافیائی لحاظ سے برصغیر میں بین الاقوامی تجارت کے اہم مقامات یہی تین تھے، یعنی کلکتہ، مدراس اور بمبئی۔ اب یہ تینوں انگریزوں کے ہاتھ میں تھے۔

۱۶۶۴ء میں فرانس کے تاجروں نے بھی "فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے ایک تجارتی فرم بنا کر ہندوستان کے ساحلوں پر اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ۱۶۷۴ء میں پہلا تجارتی مرکز سورت کی بندرگاہ پر اور دوسرا جنوبی مدراس کے مشرقی ساحل پانڈی چری میں کھولا گیا۔ بہت جلد وہ انگریزوں کے مد مقابل آ گئے۔ انگریزوں نے ۱۶۶۸ء میں نو وارد فرانسیسیوں کو طاقت کے زور پر تجارت سے روکنے کی کوشش کی۔ اورنگ زیب نے ان حرکتوں کو ناپسند کرتے ہوئے دوبار انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے احکام جاری کر کے کمپنی کے دفاتر، کارخانے اور کوٹھیوں کو بند کرایا۔ پہلی بار ۱۶۸۷ء اور دوسری بار ۱۶۸۹ء میں ایسا ہوا۔ دونوں بار انگریزوں نے معافی مانگ کر دوبارہ تجارت کی اجازت حاصل کی۔ ۱۶۹۰ء میں انہیں کلکتہ میں تجارتی قلعہ بنانے کی اجازت بھی مل گئی جو "فورٹ ولیم" کے نام سے مشہور ہوا۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی کے باعث مغل حکومت اپنی عظمت کھو بیٹھی۔ ایسے میں ۱۷۱۳ء میں ایک ماہر انگریز ڈاکٹر ہملٹن نے بادشاہ فرخ سیر کے ایک لاعلاج مرض کا علاج کر دیا اور فرخ سیر سے منوالیا کہ کمپنی کے مال کی تلاشی نہ لی جائے اور بنگال کا محصول معاف کر دیا جائے۔

اس زمانے میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی تجارتی رقابت باقاعدہ جنگوں کی شکل اختیار کر گئی۔ فرانسیسیوں نے ہندوستان کے متحارب امراء، نوابوں اور راجاؤں کے ہاں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اور ان کے ہاں سیاسی امور کے فیصلوں میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا تاکہ ہندوستانی ریاستوں کی مدد سے انگریزوں کو برصغیر سے بے دخل کر سکیں۔ حیدر آباد دکن اور ارکاٹ کے نواب فرانسیسیوں کے حلیف بن گئے۔

مگر جب ۱۷۵۶ء میں انگریز گورنر جنرل لارڈ کلائیو ہندوستان آیا تو اس نے ارکاٹ پر حملہ کر کے وہاں اپنے حلیف نواب محمد علی والا جاہ کو ارکاٹ کے تخت پر لا بٹھایا۔ حیدر آباد دکن کی ریاست بھی انگریزوں کی حلیف بن گئی۔

لارڈ کلائیو نے ہندوستانی حکمرانوں سے طے شدہ ضابطوں اور اخلاقی اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور مکر و فریب کی سیاست کو اپنا کر ہندوستان کے ساحلوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو واحد غالب طاقت کی حیثیت دلا دی۔ ①

❁❁❁

① ماخذ:
❁ صولت افغانی، ص ۲۶۵ تا ۲۶۸
❁ تاریخ ہندوستان: ج ۹ ص ۲۷
❁ تاریخ الاسلام فی الہند، ص ۳۳۳ تا ۳۴۹
❁ تاریخ جہانگیر، ص ۳۰۵ تا ۳۰۸
❁ ہندوستان کو تاریخی خاکہ، ص ۶۰ تا ۶۵
❁ برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟، ص ۶۰ تا ۶۳

بنگال میں
استعمار کے خلاف مزاحمت

اگر چہ مسلمان حکمرانوں پر بھی اب ان کے عزائم واضح ہونے لگے تھے مگر وہ ان کے خلاف اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی بجائے بدستور عیش وعشرت اور باہمی تنازعات میں الجھے رہے۔ایسے میں ہندوستان کے بعض غیور حکمرانوں نے انگریزوں کے عزائم کو بھانپ کر جرأت وعزیمت کے ساتھ ان کا سامنا کیا ان میں علی وردی خان، نواب سراج الدولہ، حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کے نام سرفہرست ہیں۔

علی وردی خان بنگال کا افغان نواب تھا جس نے ۱۷۳۹ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ پر خود مختار حکومت قائم کرلی۔ یہ ریاست بڑی خوشحال اور وسیع تھی جس پر مرہٹوں اور انگریزوں دونوں کی نگاہیں مرکوز تھیں۔ ۱۷۴۲ء، ۱۷۴۴ء اور ۱۷۴۵ء میں مرہٹوں کے بنگال پر کئی حملے ہوئے اور ہر بار علی وردی خان نے انہیں شکست دی۔علی وردی خان دین دار انسان تھا اور اس کی سیاست رواداری پر مبنی تھی۔اس کے ہاں عسکری اور معاشی امور کے ماہرین میں سے ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔وہ انگریزوں کی اجارہ داری کو سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔مگر اس سے پہلے کہ وہ انگریزوں کو لگام دینے کے لیے کوئی اقدام کرتا، اس کا وقتِ اجل آن پہنچا۔اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ چھوٹی بیٹی آمنہ کا ایک لڑکا مرزا محمد تھا۔علی وردی خان نے اپریل ۱۷۵۶ء میں بسترِ مرگ پر اسے اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔

مرزا محمد نے سراج الدولہ کے لقب سے بنگال کا تخت سنبھال لیا۔وہ ایک بہادر اور محبِ وطن نوجوان تھا۔مگر دربار کے ہندو اور شیعہ امراء اس کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔کلکتہ کے ہندو سیٹھوں اور دربار کے غدار امراء نے مل کر ایسا ماحول پیدا کردیا کہ کلکتہ کے انگریزوں کو نواب سراج الدولہ کے خلاف سر اٹھانا کوئی مشکل نہ لگا۔انہوں نے نواب کے مخالفین کو اپنے ہاں پناہ دینا شروع کردی اور کلکتے میں قلعہ بندیاں کرنے لگے۔فورٹ ولیم ان کا گڑھ تھا جس کے گرد وہ فصیل کھڑی کرنے کے بعد خندق بھی کھود چکے تھے۔معاہدے کے مطابق یورپی اقوام کو قلعہ بندی کا حق نہیں تھا۔ سراج الدولہ نے یورپی تاجروں کو تنبیہ کی جسے فرانسیسیوں نے مان لیا مگر انگریزوں نے مسترد کردیا۔آخر مئی ۱۷۵۶ء میں سراج الدولہ نے ہگلی میں انگریزوں کے کارخانے بند کرادیے۔

اب انگریز جنگ پر کمربستہ ہوگئے اور انہوں نے بنگال کی سرحدی چوکیوں پر حملے کیے جنہیں نواب کی فوج نے پسپا کردیا۔اس کے بعد نواب سراج الدولہ نے تیس ہزار سپاہی لے کر ۱۶ جون کو فورٹ ولیم کا محاصرہ کرلیا۔انگریزوں نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیے۔سراج الدولہ نے کشادہ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام انگریزوں کو رہا کردیا۔

ممکن تھا۔ سراج الدولہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتا مگر غدار امراء کی سازشیں آڑے آگئیں۔ راجا مانک چند نے انگریزوں کو قلعہ کلکتہ پر قبضے کا موقع فراہم کر دیا جس کے بعد انگریزوں نے ہگلی کا علاقہ بھی واپس لے لیا۔ اُدھر میر جعفر نے انگریزوں کو خفیہ مراسلے بھیج کر اپنی حمایت کا یقین دلا دیا۔ انگریز گورنر جنرل لارڈ کلائیو نے میر جعفر سے وعدہ کیا کہ سراج الدولہ کے بعد اسی کو بنگال کا حکمران بنا دیا جائے گا۔ کئی ہندو افسران اور کلکتہ کے ہندو سیٹھ بھی اس سازش میں شریک تھے۔ ۱۳ جون ۱۷۵۷ء کو جدید اسلحے سے لیس تین ہزار انگریزی سپاہی سراج الدولہ کی ریاست پر حملہ آور ہو گئے۔ سرحدی محافظین نے غداری کرتے ہوئے اہم چوکیاں لڑے بغیر انگریزوں کے حوالے کر دیں۔ انگریزی فوج پیش قدمی کرتے ہوئے پلاسی کے میدان میں پہنچی جہاں سراج الدولہ پچاس ہزار پیادوں، ۱۸ ہزار گھڑ سواروں اور پچاس توپوں کے ساتھ دریائے بھاگرتی کے کنارے کھڑا تھا۔ سراج الدولہ نے میر جعفر کے اصرار پر فوج کی کمان اسے دے دی جس نے انگریزوں کو پیغام بھیجا کہ اب وہ جارحانہ حملہ کر دیں۔ انگریزوں کا حملہ شروع ہوا تو میر جعفر اپنی فوج کو حرکت میں نہ لایا۔ چنانچہ سراج الدولہ کو شکست ہوگئی اور اسے گرفتار کر کے لارڈ کلائیو کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

اب انگریزوں نے میر جعفر کو نواب کی گدی پر بٹھا دیا مگر وہ برائے نام حکمران تھا۔ سارا کاروبار انگریزوں کے ہاتھوں میں تھا۔ انہوں نے بنگال کی دولت کو بری طرح لوٹا۔ کسانوں پر بے پناہ مظالم کیے، ہنرمندوں اور اہلِ حرفہ کو نانِ شبینہ کا محتاج بنا دیا۔ دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی پر سونے چاندی کی بارش شروع ہوگئی۔

بنگال میں صدیوں سے نیل کی کاشت ہوتی تھی۔ انگریز تاجروں نے نیل کی تجارت کو فائدہ مند محسوس کیا تو بنگال اور بہار میں اراضی خرید کر خود نیل کی کاشت کرانے لگے۔ مگر وہ کاشت کاروں کو اتنی کم اجرت دیتے تھے جس میں ان کی گزر اوقات بہت مشکل تھی۔ اگر کوئی کاشت کار انگریزوں کی مطلوبہ مقدار کے مطابق نیل فراہم نہ کر سکتا تو اسے درخت کے ساتھ باندھ کر کوڑے مارے جاتے، مکان جلا دیا جاتا اور فصل تباہ کر دی جاتی۔ انگریزوں نے کپڑے کی تجارت پر بھی اجارہ داری قائم کر لی اور دستکاروں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا۔ انہیں مجبور کر کے زیادہ سے زیادہ کپڑا بنوایا جاتا اور برائے نام اجرت دی جاتی۔ جو کام سے انکار کرتا تھا، اسے سخت سزائیں دی جاتیں۔ کھڈیوں پر کام کرنے والے جولاہوں کے انگوٹھے کاٹ دیے جاتے تاکہ وہ اپنا مال خود بنانے اور بیچنے کے قابل نہ رہیں۔

اس زمانے میں مغل حکمران شاہ عالم بہار میں تھا۔ اس نے بنگال کو آزاد کرانے کی بڑی کوشش کی۔ ۱۷۶۰ء اور ۱۷۶۱ء میں شاہ عالم کی انگریز فوجوں سے تین جنگیں ہوئیں۔ ہر بار اسے شکست ہوئی۔ تیسری جنگ میں شکست کے بعد انگریزوں نے اس کے خیمے کو گھیر لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ اسے وہ بنگال میں انگریزوں کے حمایت یافتہ نواب میر جعفر کی نیابت کا پروانہ لکھ دے۔ شاہ عالم کو مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑا۔ اُدھر میر جعفر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے مطالبات اور ٹیکسوں کی ادائیگی سے عاجز آ گیا تو انگریزوں نے اس کی جگہ اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا حکمران

بنادیا۔ اس نے مالی اصلاحات کر کے ڈیڑھ سال کے اندر انگریزوں کی مطلوبہ رقم انہیں ادا کردی۔ مگر انگریزوں کے حریصانہ مطالبات ختم نہ ہوئے۔ تنگ آکر میر قاسم نے خفیہ طور پر مونگیر میں انگریزوں سے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ اس نے اودھ کے نواب شجاع الدولہ کو ساتھ ملالیا اور اس کی وساطت سے شاہ عالم کو بھی انگریزوں سے جنگ پر آمادہ کرلیا۔ ۱۷۶۴ء کے موسم گرما میں میر قاسم، شاہ عالم اور شجاع الدولہ پچاس ہزار سپاہی لے کر انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوئے مگر اس لشکر کے کچھ ہندو افسران اور شاہ عالم کا مصاحب نجف خان انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر چکے تھے۔ ان کی غداری کے سبب ۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو بکسر کے مقام پر یہ لشکر فقط سات ہزار انگریز سپاہیوں سے شکست کھا گیا اور شاہ عالم گرفتار ہوگیا۔ انگریزوں نے شاہ عالم پر دباؤ ڈال کر ایک معاہدہ کیا جس کے تحت بنگال، بہار اور اڑیسہ کے علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام لکھ دیے گئے۔ یوں انگریز تاجر بزعم خود قانونی طور پر ہندوستان کے تین صوبوں کے مالک بن گئے۔

بنگال دن بدن مفلوک الحال ہوتا گیا۔ لارڈ کلائیو کے بعد وارن ہیسٹنگز آیا۔ پھر جنرل کارنوالس کا تقرر کیا گیا جس نے ۱۷۹۳ء میں نیا نظام قائم کردیا۔ اس سے زمین داروں کو فائدہ ہوا مگر مہنگائی بڑھ جانے سے عام لوگوں کی حالت مزید خراب ہوگئی۔ مال گزاری وصول کرنے والے زیادہ تر ہندو تھے جو مسلمان زمینداروں کو بے دخل کر کے ان کی زمینوں پر قابض ہونے لگے۔ یوں بنگال کے مسلمان مزید بدحال ہوتے چلے گئے۔ دوسری طرف اس لوٹ مار سے یورپی ممالک نے چند عشروں میں اپنے خزانے بھر لیے۔ ساتھ ہی یورپ اپنی صنعت وتجارت کو بہتر بنانے میں بھی جت گیا۔ وہاں مشینی اور صنعتی انقلاب آگیا اور دھڑا دھڑ مصنوعات تیار ہونے لگیں اور ان ملکوں کی خوشحالی بڑھ گئی۔

اسی زمانے میں اودھ کے شیعہ شجاع الدولہ نے جسے سُنی پٹھانوں سے سخت بغض تھا، انگریزوں سے مدد لے کر روہیل کھنڈ پر بہت بڑی فوج اور بیسیوں توپوں کے ساتھ حملہ کردیا۔ ۲۳ اپریل ۱۷۷۴ء کو ''کٹرہ میراں پور'' کی تاریخی جنگ ہوئی۔ روہیلہ نواب حافظ رحمت خان نے انگریزی اور شیعی افواج کا ڈٹ کا مقابلہ کیا مگر آخر کار روسی توپیں یورپی توپ خانے کے سامنے جواب دے گئیں اور حافظ رحمت خان نے ہزاروں مجاہدین سمیت جامِ شہادت نوش کیا۔ شجاع الدولہ کے حکم سے فتح کے بعد روہیلوں کا قتلِ عام کیا گیا اور انہیں ہر طرح کچل کر روہیل کھنڈ کو ویران کردیا گیا۔

اُدھر سلطنتِ دہلی کو دم توڑتے دیکھ کر ۱۷۸۷ء میں انگریزوں نے دوآبہ میں بھی اپنی ایک چھاؤنی قائم کرلی۔ اس طرح انگریزوں کی عمل داری جو مشرقی اور جنوبی علاقوں تک محدود تھی، وسطی اور شمالی ہند میں بھی قائم ہوگئی۔ (۱)

❁❁❁

(۱) مآخذ:

❁ تاریخ ہندوستان: ۹ص ۲۶۳ تا ۲۶۸، ۳۱۱ تا ۳۲۶

❁ تاریخ الاسلام فی الہند: ص ۳۴۸ تا ۳۵۰

❁ علمائے ہند کا شاندار ماضی: ص ۳۳۰ تا ۳۳۳

❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: مقالہ: بنگال، مقالہ: میر جعفر، مقالہ: میر قاسم

❁ برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا: ص ۶۲ تا ۶۶، ص ۱۱۳

❁ تاریخ ملت: ۳ص ۷۸۳ تا ۷۸۶

میسور میں انگریزوں کے خلاف محاذ۔نواب حیدر علی

ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی سکرات کے دور میں جنوبی ہندوستان کی ریاست میسور کے حکمران نواب حیدر علی نے جہاد کا پرچم بلند کر کے اور حریت کی ایک نئی داستان کا آغاز کیا۔

حیدر علی نے میسور کے راجا نندراج کی فوج میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور میسور پر مرہٹوں کے حملے کو ناکام بنا کر دربار سے سپہ سالار کا عہدہ پایا۔۱۷۵۸ء میں راجا نے کھنڈے راؤ کو ملک کا وزیر بنا دیا جو ایک فتنہ پرور آدمی تھا۔ اس نے حسد کی بناء پر راجا کو اُکسا کر حیدر علی کو معزول کرنے کی سازش کی مگر حیدر علی نے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا اور کھنڈے راؤ کو قید کر کے حکومت خود سنبھال لی۔نواب حیدر علی نے انگریزوں کے عزائم کو بھانپتے ہوئے میسور کو ایک ناقابلِ تسخیر ریاست بنانے کی کوشش شروع کردی۔مختصر مدت میں نندی، بدنور، منگلور، کالی کٹ اور کوچین پر میسور کا پرچم لہرانے لگا۔ان فتوحات سے بوکھلا کر مرہٹوں نے ۱۷۶۳ء میں میسور پر حملہ کیا اور بدنور پر قبضہ کرلیا مگر جلد ہی انہیں پسپا ہونا پڑا۔اُدھر انگریز بھی ریاستِ میسور کی توسیع سے پریشان تھے۔۱۷۶۴ء میں بکسر کی جنگ میں فتح پانے کے بعد انہوں نے نواب حیدر علی کو ٹھکانے لگانے کی تیاری شروع کردی۔

۱۷۶۷ء میں انہوں نے نواب محمد علی والا جاہ (نواب ارکاٹ)، مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کو ساتھ ملا کر میسور پر دھاوا بول دیا۔یہ لڑائی ''میسور کی پہلی جنگ'' کہلاتی ہے جو ۱۷۶۹ء تک جاری رہی۔اس جنگ میں ریاست کے ولی عہد فتح علی ٹیپو نے مدراس میں چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعے انگریزوں کو خوفزدہ کرنے کے بعد منگلور کا محاصرہ کرلیا۔آخر انگریز بحری جہازوں پر چڑھ کر بمبئی کی سمت بھاگ نکلے۔اُدھر حیدر علی نے اتحادیوں پر شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کردیا جس سے گھبرا کر پہلے مرہٹے اور پھر نظام حیدر آباد محاذ سے واپس ہوگئے۔حیدر علی نے اب محمد علی والا جاہ کو سبق سکھانے کے لیے پائیں گھاٹ کا رخ کیا اور انگریز کرنل اوڈ کو، جو منگلور کی سمت سے پیش قدمی کر رہا تھا، مار بھگایا۔اس کے بعد کیپٹن نکسن مقابلے پر آیا مگر اسے بھی شکست ہوئی۔مدراس کے انگریز حکام نے ان شکستوں سے خوفزدہ ہو کر صلح کا پیغام دیا مگر حیدر علی نے کہا: ''ہم خود مدراس پہنچ کر اس درخواست کا جواب دیں گے۔''

حیدر علی کا لشکر ۱۰۳ میل کی مسافت تین دن میں طے کر کے اچانک مدراس کے باہر آن پہنچا تو انگریزوں کے ہوش اُڑ گئے۔اُدھر شہزادہ فتح علی ٹیپو نے ایک اور سمت سے پیش قدمی کر کے مدراس کے قلعے سینٹ جارج پر شدید گولہ باری شروع کردی۔آخر انگریز گھٹنے ٹیک کر صلح پر مجبور ہوگئے۔حیدر علی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو فریق ماننے سے انکار کردیا اور کمپنی کی جگہ ۱۷۶۹ء میں شاہِ برطانیہ سے درج ذیل معاہدۂ صلح طے کیا:

❁ فریقین آئندہ ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔ ❁ مقبوضہ علاقے اور قیدی واپس کردیے جائیں گے۔

❁ علاقہ کروڑ، جو محمد علی والا جاہ کی ریاست میں شامل تھا، حیدر علی کے پاس رہے گا۔

بمبئی کے انگریز افسران نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ حیدر علی کو گرم مصالحے کے بدلے قلمی شورا اور بارود مہیا کریں گے۔

مگر انگریزوں نے معاہدے کی پابندی نہ کی۔ اگلے سال ۱۷۷۰ء میں مرہٹہ سردار مادھوراؤ نے میسور پر حملہ کیا تو انگریزوں نے میسور کی مدد سے صاف انکار کردیا۔ ۱۷۸۰ء میں انگریزوں نے پانڈی چری میں گھس کر بندرگاہ ماہی پر قبضہ کرلیا جو نواب حیدر علی کے علاقے مالابار کا حصہ تھی۔ چنانچہ ۱۷۸۱ء میں نواب اور انگریزوں کے مابین جنگ چھڑ گئی جسے ''میسور کی دوسری جنگ'' کہا جاتا ہے۔ حیدر علی نے ۹۰ ہزار سپاہیوں کے ساتھ ایک طوفان کی طرح کرناٹک پر دھاوا بول دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مدراس سے ۹۰ میل کے فاصلے پر خیمے لگالیے۔ مدراس کے انگریز گورنر نے جنرل منرو اور کرنل بیلی کو فوجیں دے کر الگ الگ سمتوں سے روانہ کیا۔ مگر کرنل بیلی ابھی راستے میں تھا کہ شہزادہ فتح علی ٹیپو نے رات کے اندھیرے میں شدید گولہ باری سے اس کی فوج کو تہس نہس کردیا۔ چار ہزار سپاہیوں میں سے صرف دوسو انگریز زندہ بچے جنہیں گرفتار کرلیا گیا۔ کرنل منرو اس شکست کا حال سن کر پسپا ہوگیا۔ نواب حیدر علی نے آگے بڑھ کر ویلور اور ارکاٹ کے قلعے بھی فتح کرلیے۔

انگریزوں کو مدراس کے چھن جانے کا شدید خدشہ لاحق ہوگیا تھا۔ ایسے میں انگریز گورنر جنرل ''وارن ہیس ٹنگز'' نے جنرل آئرکوٹ کو سپہ سالار بنا کر بنگال سے مدراس روانہ کیا جس نے کچھ محاذوں پر کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ تاہم فروری ۱۷۸۲ء میں ٹیپو نے کرنل بریتھویٹ کو شکست دے کر آئرکوٹ کی منصوبہ بندی خاک میں ملادی۔ اُدھر نواب حیدر علی نے فرانسیسی بیڑے کی مدد سے کڈلور کے مقام پر انگریزوں سے شدید جنگ لڑی اور انہیں پسپا کردیا۔

یہ جنگ جاری تھی کہ ۶ دسمبر ۱۷۸۲ء کو سرطان کے دیرینہ مرض کی وجہ سے نواب حیدر علی کی وفات ہوگئی۔ نواب حیدر علی نے ہمیشہ مذہبی رواداری کا مظاہرہ کیا، ہندوؤں کو اعلیٰ عہدے دیے، سابق ہندو راجا کو بھی اس کے رسمی عہدے پر باقی رکھا اور اس کے گھرانے کی اچھی کفالت کی۔ یتیم اور لاوارث بچوں کو تربیت دے کر ایک الگ فوج تیار کی تھی جسے چیلا فوج کہا جاتا تھا جو ہنگامی اوقات میں کام آتی تھی۔ یہ جفاکش حکمران جسے ہندو مسلم سبھی ایک مشفق باپ کا درجہ دیتے تھے، آرام کے لفظ سے نا آشنا تھا۔ صبح سے نصف شب تک کام کرنا اور راتوں کو بھیس بدل کر رعایا کی خبرگیری کرنا نواب کا معمول تھا۔ نواب نے میسور کی چھوٹی سی ریاست کو ۸۰ ہزار مربع میل کی ایک خوشحال مملکت میں تبدیل کردیا۔ فرانسیسی افسران سے جدید تربیت دلوا کر میسور کی رسالہ فوج کو انتہائی برق رفتار بنادیا۔ نواب نے بحری فوج کی تیاری پر خاص توجہ دی اور اس کو ایک فرانسیسی جنرل کی نگرانی میں تربیت دلائی۔ تاریخ حیدر علی کو کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔ [1]

❀❀❀

---

(1) ماخذ: ❀ حیدر علی، از رشید اختر ندوی: ص ۱۳ تا ۳۰، ص ۵۳ تا ۹۹، ص ۱۱۹ تا ۱۸۳، ص ۱۹۲ تا ۲۲۱، ص ۳۲۹ تا ۳۹۷

❀ حیدر علی، اے کے سنہا: ص ۱۲۰ تا ۱۳۱، ص ۲۳۸ تا ۲۷۸

❀ سیرت سلطان ٹیپو شہید، از مولانا الیاس ندوی: ص ۶۹، ۷۰، ص ۹۵ تا ۱۲۳، ص ۱۲۵، ص ۱۳۰ تا ۱۵۹

سلطان فتح علی ٹیپو

نواب حیدر علی کے جانشین فتح علی ٹیپو نے ۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ء (۲۰ محرم ۱۱۹۷ھ) کو جب اپنے والد کی جگہ زمامِ اقتدار سنبھالی تو اس وقت انگریزوں سے جنگ جاری تھی۔ اس مردِ مجاہد کو تاریخ ٹیپو سلطان کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ٹیپو کو قرآن، حدیث، فقہ اور عربی و فارسی ادب کے علاوہ فرانسیسی اور انگریزی پر بھی دسترس تھی۔ ۱۷۶۵ء میں حیدر علی نے مالابار پر حملہ کیا تو اس وقت ٹیپو نے پندرہ سال کی عمر میں فوج کی قیادت کر کے حریف کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ٹیپو نے ریاست کو سلطنت میں تبدیل کر کے اس کا نام "سلطنتِ خداداد" رکھا اور نواب کی جگہ سلطان کا لقب اختیار کر لیا۔ ساتھ ہی محاذِ جنگ پر توجہ دی اور انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جو حیدر علی کی وفات کی خبر سن کر جری ہو گئے تھے۔ مشرقی محاذ پر انگریزوں نے پیش قدمی کی تو ٹیپو سلطان نے بھی اُدھر یلغار کی۔ انگریز مقبوضہ علاقہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس دوران بمبئی کی انگریزی فوج نے جنرل میتھیوز کی کمان میں مغربی سرحدوں پر حملہ کر دیا تھا اور بدنور کے نومسلم حاکم ایاز خان نے غداری کر کے شہر انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ ٹیپو سلطان نے یہ اطلاعات ملنے پر آندھی کی طرح مالابار کا رُخ کیا اور سمندر سے انگریزوں کی کمک مسدود کر دی۔ اس کے بعد بدنور کا شہر فتح کر کے قلعے کو گھیرے میں لے لیا۔ محصور انگریزی فوج ٹیپو سلطان کی جنگی تدابیر کے سبب قحط کا شکار ہو گئی اور آخر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔

اس فتح کے بعد سلطان نے منگلور پر چڑھائی کی۔ ۲۰ مئی کو قلعے کا محاصرہ شروع ہوا۔ ابھی یہ معرکہ جاری تھا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مابین صلح ہو گئی۔ چنانچہ فرانسیسی فوجی ٹیپو سلطان سے الگ ہو گئے۔ اس صورتحال سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا اور ٹیپو سے صلح کے مذاکرات کیے جو کامیاب ہوئے اور ۲ اگست ۱۷۸۳ء کو جنگ بندی ہو گئی۔

جنگ بندی کی متعدد خلاف ورزیوں کے بعد آخر کار ۱۱ مارچ ۱۷۸۴ء کو انگریز گورنر جنرل نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیے جس کے تحت فریقین نے مفتوحہ علاقے واپس کر دیے اور قیدی آزاد کر دیے گئے۔

انگریزوں سے جنگ ختم ہوتے ہی ٹیپو کو مرہٹوں اور حیدر آباد دکن کی حکومت کی سازشوں سے پالا پڑ گیا۔ مرہٹوں کو اس وقت نانا فرنویس کی شکل میں ایک منجھا ہوا رہنما مل گیا تھا۔ دوسری طرف حیدر آباد دکن میں نظام علی خان کی حکومت قائم تھی جو سیاسی جوڑ توڑ میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپس کے شدید اختلاف کے باوجود مرہٹے اور نظام، ٹیپو سلطان کے خلاف متحد ہو گئے۔ چنانچہ نانا فرنویس اور نظام نے سلطان کی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ اس دوران مرہٹوں نے بستیوں کو جی بھر کے تاراج کیا، مساجد کو نذرِ آتش کیا اور بے قصور لوگوں کو قتل کیا۔

سلطان نے حملہ آور افواج کو منتشر کرنے کے لیے نظام علی خان کے داماد مہابت جنگ کی گڑھی ادھونی پر قبضہ کر لیا۔ پھر دریائے تنگ بھدرا کو عبور کر کے مرہٹوں کے علاقے دھارواڑ پر چھاپے مارنا شروع کیے جس سے وہ تنگ آ گئے۔ آخر فروری ۱۷۸۷ء میں مرہٹوں اور نظام نے سلطان سے صلح پر آمادگی ظاہر کر دی۔ صلح نامے میں طے پایا کہ

تینوں ریاستیں جنگ اور دفاع میں ایک دوسرے سے تعاون کی پابند رہیں گی۔

صلح کے بعد ٹیپو نے پوری توجہ اندرونی طور پر سلطنت کو مضبوط اور مستحکم بنانے پر مرکوز کر دی۔ سرنگا پٹم میں دینی اور عصری علوم کی ایک عظیم الشان درسگاہ ''جامع الامور'' بنوائی جس میں ہر علم و فن کے ماہر اساتذہ گراں قدر مشاہروں پر کام کرتے تھے۔ شاہی محل کے قریب ایک بہت بڑی مسجد ''مسجد اعلیٰ'' بھی تعمیر کرانا شروع کی جو چھ لاکھ روپے کی لاگت سے دو سال میں مکمل ہوئی۔ اس کا افتتاح ۱۷۹۰ء میں ہوا۔

سلطان نے مسلم ممالک سے اتحاد کی کوششوں میں اپنی حد تک کوئی کسر نہ چھوڑی۔ میسور کے سفیر نہ صرف اندرون برصغیر بلکہ بیرون ممالک تک متحرک رہے۔ سلطان نے ۱۷۸۴ء میں میر نظام علی خان، نواب دکن کو لکھا:

''میں اسلامی سلطنتوں کو ہمیشہ تقویت پہنچانا چاہتا ہوں اور اپنی جان و مال بھی اسلام کی خاطر قربان کرنا چاہتا ہوں۔ ان حالات میں تمام مسلمانوں کو میرے خلاف ہونے کی بجائے میرا ساتھ دینا چاہیے۔''

شاید نظام علی خان اس سفارت کا مثبت جواب دیتا مگر اس کے شیعہ وزیر میر عالم نے (جو ٹیپو کے وزیر میر صادق کا رشتہ دار تھا) اپنے آقا کو الٹی پٹی پڑھائی۔ یوں اس سفارت کا جواب مایوس کن رہا۔

۱۷۸۵ء میں سلطان ٹیپو نے ترکی کے خلیفہ سلیم ثالث کے پاس سفیر بھیج کر باہمی تعلقات قائم کرنے کا عندیہ دیا۔ اس پہلی سفارت کا حوصلہ افزا جواب آیا جس کے بعد ٹیپو نے غلام علی لنگڑے کی قیادت میں ایک دوسرا وفد روانہ کیا جس سفارت کا مقصد انگریزوں کے خلاف مشترکہ حکمتِ عملی اپنانا اور باہم عسکری تعاون کا معاہدہ کرنا تھا۔ مگر خلیفہ نے اس پیش کش میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ کیوں کہ خلافتِ عثمانیہ کا ان دنوں برطانیہ سے صلح اور باہمی تعاون کا معاہدہ ہو چکا تھا۔

۱۷۸۶ء میں لارڈ کارنوالس ہندوستان کا گورنر جنرل بن کر آیا تو اس نے ٹیپو سلطان کے خلاف ایک بھرپور جنگ کی تیاری شروع کر دی اور مرہٹوں اور نظام علی خان کو بھی ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی۔ حیدرآباد کے وزیر میر عالم نے نظام کو یقین دلا دیا کہ ٹیپو کی بجائے اس وقت انگریزوں کا ساتھ دینے میں ہی اس کا فائدہ ہے۔ یوں انگریز نظام حیدرآباد اور مرہٹوں کو ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ طے ہوا کہ ٹیپو کے خلاف جنگ میں ہر فریق کم از کم ۲۵ ہزار سپاہی بھیجے گا۔ جنگ کے بعد نئے مقبوضہ علاقے تینوں اتحادیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

آخر کار مئی ۱۷۹۰ء میں اُس جنگ کا آغاز ہوا جو ''میسور کی تیسری جنگ'' کہلاتی ہے۔ سب سے پہلے جنرل میڈوز نے ''کوئمبتور'' پر قبضے کی کوشش کی مگر ٹیپو سلطان نے یہ حملہ ناکام بنا دیا۔ فروری ۱۷۹۱ء میں لارڈ کارنوالس نے چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ بنگلور پر یلغار کی۔ اُدھر نظام ساٹھ ہزار سپاہی لے کر آ چکا تھا جبکہ مرہٹہ ریاستوں کے حکمران تقریباً ایک لاکھ افراد میدان میں لے آئے تھے۔ یوں دو لاکھ اتحادیوں کا سیلاب تین سمت سے سلطنتِ میسور پر چڑھ دوڑا جبکہ سلطان کے پاس فقط ۴۵ ہزار سپاہی تھے۔

لارڈ کارنوالس نے مارچ ۱۷۹۱ء میں بنگلور کا محاصرہ کر لیا اور ایک خونریز جنگ کے بعد آخر کار شہر پر قابض ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی انگریزوں نے سلطان کے ایک معتمد درباری کرشناراؤ کو ساتھ ملا کر سرنگا پٹم میں بغاوت کرا کے سابق ہندو راجا کو تخت نشین کرنے کی سازش بھی تیار کرلی۔ تاہم سلطان ٹیپو کی والدہ نے بروقت اطلاع دے دی اور سلطان نے تیزی سے سرنگا پٹم پہنچ کر کرشناراؤ اور سازش میں شریک دیگر غداروں کو سزائے موت دے دی۔

بنگلور پر قبضے کے بعد کارنوالس کا لشکر نظام کی فوج سے جاملا اور اس ٹڈی دل نے پیش قدمی کر کے مئی ۱۷۹۱ء میں سرنگا پٹم کو نرغے میں لے لیا۔ سلطان نے محصورانہ جنگ جاری رکھی۔ اس دوران اتحادی افواج میں ایک وبا پھیل گئی، جس سے مویشی مر گئے اور رسد ختم ہوگئی۔ آخر اتحادی پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر اس دوران مرہٹے ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ ان کی آمد سے حیدرآبادی اور انگریزی افواج کے حوصلے بلند ہوگئے اور سرنگا پٹم کا محاصرہ دوبارہ شروع ہوگیا۔

اس دوران محرم کا مہینہ آگیا اور لارڈ کارنوالس نے اپنی فوج میں شامل شیعہ افسران وسپاہ کو محرم کی چھٹیاں دے کر اور تعزیہ داری میں خود شرکت کر کے ان کے دل جیت لیے۔ اُدھر ٹیپو سلطان نے تعزیہ داری اور دیگر خلافِ شرع رسوم پر پابندی لگا رکھی تھی۔ ان حالات میں میسور کے شیعہ افسران بھی (جو سلطان کی طرف سے محرم کی رسوم پر پابندیاں لگانے سے ناراض تھے) انگریزوں کی طرف مائل ہوگئے اور میسور کے شیعہ وزیر مہدی علی خان نے غداری کر کے سرنگا پٹم کے اہم مورچے انگریزوں کے حوالے کر دیے۔ سلطان نے حتی الامکان اتحادیوں کا مقابلہ کیا مگر آخر میں خوراک ورسد کے ذخائر کم پڑ جانے کی وجہ سے صلح کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

صلح کی بات چیت کے دوران سلطان کے وزیر میر صادق، سفیر میر غلام علی لنگڑا اور دیوان پورنیا انگریزوں سے مل گئے۔ انہوں نے سفارت کاری میں اپنے وطن سے زیادہ انگریزی مفادات کا خیال رکھا اور جان بوجھ کر ایسی شرائط کو قبول کرلیا جو سلطنتِ میسور پر کاری ضرب تھیں۔ ۲۶ فروری ۱۷۹۲ء کو ان شرائط کے معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ سلطان نے اپنے سات سالہ اور پانچ سالہ شہزادوں: عبدالخالق اور عبدالمعز کو بطور یرغمال انگریزوں کے حوالے کردیا جنہیں مدراس میں رکھا گیا۔ اس دو سالہ جنگ کے نتیجے میں نظام اور مرہٹوں کو فقط کچھ سابقہ قلعے اور شہر ہاتھ آئے جبکہ انگریزوں کو کیرالا، کالی کٹ، کنانور، ڈنڈی گل اور کورگ جیسے اہم ترین اور زرخیز علاقے مل گئے۔

مشرقی اور مغربی علاقے ہاتھ سے نکلنے کے بعد میسور بالکل غیر محفوظ ہوگیا تھا۔ اب کسی بھی وقت براہِ راست سرنگا پٹم پر حملہ کیا جاسکتا تھا۔ مگر سلطان نے جنگ سے ہونے والے نقصانات کے تدارک کے لیے دن رات ایک کردیے۔ رسالے اور پیادہ دستوں کو ازسرِ نو منظم کیا۔ بہادروں کو انعامات اور غداروں کو سزائیں دیں۔ زراعت پر ایسی توجہ دی کہ ریاست کے چپے چپے پر فصلیں کاشت ہونے لگیں۔ یوں چند سالوں کے اندر اندر ملک پہلے سے زیادہ خوشحال ہوگیا۔ سرنگا پٹم سمیت چار شہروں میں اسلحے کے کارخانے لگائے۔ جہاز سازی کی صنعت کو ترقی دی گئی۔ ایک نیا اسلحہ "الرعد" ایجاد کیا گیا جو فضا میں بلندی تک جا کر اپنے ہدف پر گرتا تھا۔ یہ میزائل ٹیکنالوجی کی بنیاد تھی۔

سلطان نے نظام سلطنت کو شورائیت کی بنیاد پر استوار کر کے اقتدار اور اختیارات کا بڑا حصہ عوامی نمائندوں کی

طرف منتقل کرنے کا فیصلہ کیا اور ہر علاقے کے باسیوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنے کچھ نمائندے طے کر کے پارلیمان میں ان کے نام پیش کردیں۔ اس طرح برصغیر کی پہلی پارلیمان قائم ہوئی جس کے ارکان کی تعداد سلطنت کے مختلف حصوں کی نمائندگی کی وجہ سے دس ہزار تک پہنچ گئی۔

سلطان کا وزیر مہدی علی خان جنگ میں غداری کا ثبوت دے چکا تھا۔ سلطان نے اسے معزول کر دیا اور وہ انگریزوں کی طرف سے ایران میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا نمائندہ مقرر ہوگیا۔ سلطان نے اس کی جگہ میر صادق کو نیا وزیر اور پارلیمان کا صدر بنا دیا۔ مگر افسوس کہ اگلے سالوں میں میر صادق سب بڑا غدار ثابت ہوا۔

درحقیقت اس وقت تک انگریز سلطنتِ خداداد میں اندرونی غداروں کی ایک بڑی کھیپ تیار کر چکے تھے۔ ان میں وزیرِ سلطنت میر صادق اور وزیرِ خارجہ غلام علی لنگڑا سرِ فہرست تھے۔ یہ دونوں شیعہ تھے۔ تیسرا بڑا غدار وزیرِ مالیات پورنیا تھا۔ نواب حیدر علی نے آخری ایام میں ان تینوں کی فطرت کو بھانپ کر ٹیپو کے نام وصیت میں لکھوایا تھا کہ میر صادق، غلام علی لنگڑے اور پورنیا تینوں کو قتل کر دیا جائے۔ مگر ٹیپو سلطان نے ثبوت کے بغیر سزا دینا مناسب نہ سمجھا۔

اُدھر برطانوی حکومت نے ۱۷۹۸ء میں لارڈ ویلزلی گورنر جنرل بنا بھیجا جو حد درجے شاطر اور سخت گیر آدمی تھا۔ وہ ریاستِ میسور کی مزاحمت کو بالکل فنا کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ہندوستانی حکمرانوں پر ایک اسکیم مسلط کرنے کی کوشش کی جس میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان کے حکمران، اپنی فوجوں سے غیر ملکی سپاہیوں کو فارغ کر کے ایک انگریز ریزیڈنٹ کا تقرر منظور کرلیں جو ان کی علاقے کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ اس اسکیم کا اصل مقصد برصغیر کے باقی ماندہ علاقوں کو جنگ لڑے بغیر اپنی فوجوں کے قبضے میں لانا تھا۔ حیدر آباد دکن کے نواب نظام علی خان نے اس اسکیم پر دستخط کر دیے۔ مرہٹہ رہنما نانا فرنویس نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا، تاہم انگریزوں کو بوقتِ ضرورت مدد کا یقین دلایا۔

میسور کو نظام اور مرہٹوں کا تعاون ملنے کے امکانات ختم کرنے کے بعد انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے خلاف آخری جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سلطان نے ایک فیصلہ کن جنگ کو سر پر دیکھ کر کابل کے حکمران شاہ زمان کی طرف سفیر بھیجے جنہوں نے اسے انگریزوں کے عزائم سے آگاہ کیا۔ شاہ زمان نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے جلد بھرپور عسکری مدد کا وعدہ کیا اور بہت جلد ۳۳ ہزار سپاہی لے کر کابل سے روانہ ہوگیا۔ جب انگریزوں کو یہ خبر ملی تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے ایران میں اپنے نمائندے مہدی علی خان کے ذریعے ایرانی حکومت کو افغانستان کے خلاف بھڑکا دیا۔ مہدی علی خان نے ایران میں مشہور کر دیا کہ شاہ زمان افغانستان میں روزانہ ہزاروں شیعہ شہریوں کو قتل کر رہا ہے۔ چنانچہ شاہِ ایران کریم خان نے افغانستان کی سرحد پر حملہ کر دیا۔ شاہ زمان کو جو پیش قدمی کرتے ہوئے لاہور تک پہنچ گیا تھا، یہ اطلاعات ملیں تو اسے اپنے ملک کا دفاع کرنے کے لیے چار و ناچار واپس جانا پڑا۔

ان دنوں فرانسیسی بادشاہ نپولین بوناپارٹ فتوحات کرتے کرتے مصر پہنچ گیا تھا۔ سلطان نے اس سے بھی مدد کی درخواست کی تھی اور نپولین نے جوابی مراسلے میں کہا تھا: ''میں آپ کو برطانیہ کے پنجے سے چھڑانے کے لیے ایک

ناقابلِ شکست فوج کے ساتھ بحیرۂ احمر کے کنارے پر آچکا ہوں۔"
مگر یہ مراسلہ بھیجنے کے بعد خود نپولین کو شکست ہوگئی اور وہ واپس فرانس چلا گیا۔
اُدھر جنرل ویلزلی نے میسور پر حملے سے قبل سلطان پر جھوٹا الزام لگایا کہ وہ فرانس کے ساتھ مل کر انگریزوں کو بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ ویلزلی نے مطالبہ کیا کہ سلطان فرانسیسی سپاہیوں کی جگہ انگریز سپاہی تعینات کرے ورنہ کمپنی کو میسور پر حملہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ سلطان نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔ ویلزلی نے اس کو جنگ کا بہانہ بنا کر اعلانِ جنگ کر دیا اور دسمبر ۱۷۹۸ء میں ۲۱ ہزار انگریز سپاہی جنرل ہیرس کی کمان میں میسور کی طرف بڑھنے لگے۔ جلد ہی نظام کے ۱۶ ہزار سپاہیوں کی شمولیت سے اس فوج کی تعداد ۳۷ ہزار تک جا پہنچی۔ یوں "میسور کی چوتھی جنگ" کا آغاز ہوگیا۔
انگریزی افواج جنرل ہیرس کی قیادت میں مشرق اور جنرل اسٹورٹ کی کمان میں مغرب سے سرنگاپٹم کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ سلطان نے خود مغربی محاذ پر پہنچ کر نہایت خونریز جنگ کے بعد جنرل اسٹورٹ کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔
مگر اس دوران میر معین الدین اور پورنیا نے غداری کر کے جنرل ہیرس کو مشرق کی طرف سے آگے بڑھنے کا موقع دے دیا۔ سلطان نے یہ اطلاع ملتے ہی مشرقی محاذ کا رُخ کیا اور "ملولی" کے میدان میں جنرل ہیرس کی فوج کا سامنا کیا۔ قریب تھا کہ دشمن پسپا ہو جاتا کہ میر معین الدین نے میسور کے جانبازوں کو دشمن کے توپ خانے کی زد میں پہنچا دیا۔ گولہ باری سے سینکڑوں میسوری سپاہی شہید ہوگئے اور سلطان کو پایۂ تخت کے دفاع کے لیے پیچھے ہٹنا پڑا۔
اس دوران مشرقی محاذ پر میر قمر الدین بھی غداری کر چکا تھا جس کی وجہ سے جنرل اسٹورٹ دوبارہ اپنی فوجیں لے کر سرنگاپٹم کی طرف بڑھنے لگا۔ سلطان نے میر قمر الدین کو حکم بھیجا کہ وہ حملہ آوروں کو روکے مگر اس نے کوئی پروانہ کی اور انگریز کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر مئی کے آغاز میں سرنگاپٹم کے سامنے پہنچ گئے اور توپیں نصب کر کے شہر پر گولہ باری کرنے لگے۔ سلطان کی طرف سے حریف پر "الرعد" میزائل کو آزمانے کی تیاری ہو چکی تھی۔ مگر غداروں نے ان تہہ خانوں میں پانی چھوڑ دیا جہاں "الرعد" کا ذخیرہ تھا۔ اس طرح یہ ایجاد جو حریف کو تہس نہس کر سکتی تھی، ضائع ہوگئی۔
غداروں نے انگریزوں کو فصیل کے کمزور حصوں سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے ان مقامات پر گولہ باری کر کے فصیل میں شگاف کر دیا۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کی دوپہر کو میر صادق نے اس شگاف پر متعین سپاہیوں کو یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ وہ جا کر خزانے سے تنخواہیں وصول کر لیں۔ سپاہیوں کے ہٹتے ہی انگریز فوج اس شگاف سے اندر گھس گئی۔
اس کے بعد قلعے میں جگہ جگہ سلطان کے وفاداروں اور انگریز سپاہیوں میں دو بدو لڑائی ہونے لگی۔ سلطان نے ظہر سے شام چھ بجے تک دست بدست لڑائی کی۔ جب لڑتے لڑتے سلطان کی حالت غیر ہوگئی تو سلطان کے خادم راجہ خان نے کہا:
"حضور! خود کو دشمن کے حوالے کر دیں، وہ منصب کا لحاظ کر کے جان بخش دے گا۔"
یہ سن کر سلطان نے گرج کر جواب دیا: "شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"
سلطان کو گولیوں کے دو زخم لگ چکے تھے۔ مغرب کے قریب تیسرا زخم لگا جس نے بالکل نیم جاں کر دیا۔ ایک

انگریز نے انہیں مردہ سمجھ کر ہاتھ بڑھایا اور مرصع شمشیر بند کو کھولنے کی کوشش کی۔ سلطان نے آنکھیں کھول کر یکدم تلوار چلائی جسے گورے نے اپنی بندوق پر روکا۔ سلطان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ سلطان نے اسی ٹوٹی ہوئی شمشیر سے کئی انگریزوں کو مار گرایا۔ آخر ایک انگریز نے نشانہ باندھ کر گولی چلائی جو سلطان کی کنپٹی پر لگی۔ یوں ملتِ اسلامیہ کا یہ جری قائد مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مزاحمت کا زور ٹوٹنے کے بعد انگریز جنرل ویلزلی اور جنرل ہیرس قلعے میں داخل ہوئے اور سلطان کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ آخر نصف شب کے وقت شمعِ آزادی کے پروانوں تلے دبی ہوئی سلطان کی نعش برآمد ہوئی۔ ڈاکٹر نے نبض دیکھ کر موت کی تصدیق کی تب جا کر انگریزوں کا خوف دور ہوا۔ جنرل ہیرس نے نعرہ لگایا: اب ہندوستان ہمارا ہے۔“

یہ سانحہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء (۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ) کو پیش آیا۔ سلطان کی عمر ۴۸ سال ۵ ماہ تھی۔

غداروں کا انجام بہت برا ہوا۔ میر معین الدین پر ایک میسوری سپاہی نے ایسا وار کیا کہ وہ ایک خندق میں گر کر جان سے مارا گیا۔ میر صادق فرار ہو رہا تھا کہ ایک سپاہی احمد خان نے اس کا سر قلم کر دیا۔

حیدر علی اور ٹیپو سلطان برصغیر کی آخری آزاد اسلامی مملکت کے محافظ تھے۔ ان کا دورِ حکومت چاہے نصف صدی سے بھی کم عرصے پر مشتمل ہے، مگر اثرات کے لحاظ سے اس کی حیثیت صدیوں پر بھاری ہے۔ کئی خصوصیات کے اعتبار سے یہ سلطنت برصغیر کی بہت سی طویل المیعاد اسلامی سلطنتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہ حکمرانی اس لحاظ سے ہمارے لیے سرمایہ فخر ہے کہ ان سرفروشوں نے مدتوں بعد برصغیر میں جہاد کے بھولے ہوئے فریضے کا احیاء کیا۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے جہاد کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے ایک چھوٹی سی ریاست کے لوگوں کی قیادت کی اور انہیں چند برسوں میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے سامنے کھڑا کر دیا۔ مئی ۱۷۹۹ء میں جب برصغیر کا یہ آخری حصار زمین بوس ہوا تو پورے ہندستان کی مزاحمتی قوتیں مل کر چند سال بھی انگریزوں کو نہ روک سکیں۔ ①

❁❁❁

---

① مآخذ:

❁ تاریخ سلطنتِ خداداد از محمود خان محمود بنگلوری: ص ۲۲۵ تا ۲۳۲، طاکوٹر پریس بنگلور، سن ۱۹۳۹ء:

❁ تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن، مترجم: حامد اللہ افسر: ص ۳۱۲ تا ۳۵۳۔ طاقومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی

❁ سیرت سلطان ٹیپو شہید، محمد الیاس ندوی: ص ۱۶۲ تا ۱۷۷، ص ۲۵۸ تا ۲۹۳، ص ۳۰۰ تا ۳۹۸۔

❁ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، مقالہ: ٹیپو سلطان

❁ سہ ماہی بصائر کراچی، ٹیپو سلطان شہید نمبر، جنوری، اپریل و جولائی سن ۱۹۶۳ء: ص ۶۳ تا ۱۰۲

❁ علمائے ہند کا شاندار ماضی مطبوعہ جمعیت پبلیکیشنز: ص ۵۲۰ تا ۵۶۵

کمپنی کا عہدِ حکومت

۱۸۰۳ء میں دہلی میں انگریزوں کے داخلے کے ساتھ ہی ہندوستان سے عملاً اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور انگریز پورے اختیارات کے ساتھ اس ملک کے سیاسی مرکز سمیت بیشتر حصے پر قابض ہو چکے تھے۔ شاہ عالم کے بعد دو مغل بادشاہ یعنی اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر علامتی طور پر لال قلعے میں تخت نشین رہے مگر حکم انگریز سرکار کا چلتا تھا۔

۱۸۲۳ء میں انگریزی فوجوں نے مشرق کی طرف مزید پیش قدمی کر کے آسام اور برما پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس زمانے میں پنجاب میں سکھوں کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی اور رنجیت سنگھ لاہور کو اپنا دارالحکومت بنا کر پورے پنجاب پر حکومت کر رہا تھا۔ اس نے ۱۸۱۹ء تک کشمیر، ملتان، ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان پر بھی قبضہ کر لیا۔

۱۸۲۳ء میں سکھ پشاور پر بھی قابض ہو گئے اور انہوں نے پنجاب کے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔

دہلی میں اکبر شاہ ثانی کی برائے نام بادشاہی ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۷ء تک یعنی ۳۱ برس رہی۔ اس عیش پسند اور رند مشرب بادشاہ نے جس کا مذہب سے تعلق محض رسمی تھا، یہ سارا زمانہ لال قلعے میں شعر و سخن اور ذاتی دلچسپیوں میں مصروف رہ کر گزارا۔ اُدھر انگریز افسران آہستہ آہستہ شاہانِ دہلی کے رسمی آداب میں بھی کمی کرتے گئے۔

۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سب سے اعلیٰ عہدے کو "گورنرِ بنگال" کی جگہ "گورنرِ ہند" سے موسوم کر دیا گیا۔ ان نئے احکام کے بعد ۱۸۳۳ء میں تجارتی محاذ متعدد انگریزی کمپنیوں نے سنبھال لیا جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کی "قانونی" حکمران بن گئی۔ تجارت کی جگہ اس نے استحصالی قوانین رائج کر کے ملک کو لوٹنا شروع کر دیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس مطلق العنان حکومت کے تحت ملک سے پنچایتوں اور قاضیوں پر مشتمل نظامِ عدل کو جو سستا اور بالکل مفت تھا، تدریجاً ختم کر کے ایسی انگریزی عدالتیں قائم کر دی گئیں جہاں انصاف کا حصول مہنگا اور دیر طلب تھا چنانچہ رشوت ستانی سے جھوٹی گواہیوں سمیت متعدد برائیوں کے دروازے کھل گئے۔ لارڈ میکالے خود اس کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے: "انگریزی قانون نہ تو سستا ہے اور نہ اس کی رُو سے فیصلے جلد ہوتے ہیں۔"

انگریزوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے "نظامِ تعلیم" کی تبدیلی کو بھی اپنی پالیسی کا حصہ بنایا تاکہ نئی نسل ان کی ذہنی غلام بن جائے۔ انگریزوں کے محکمۂ تعلیم کا مرکز کلکتہ میں تھا۔ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۸۰ء میں کلکتہ کا مدرسہ عالیہ اور مسٹر جوناتھن ڈنکن نے ۱۷۹۱ء میں بنارس کا سنسکرت کالج قائم کر دیے تھے۔ پھر لارڈ ویلزلی نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اس دور میں ۱۸۱۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے اجلاس میں ہندوستان کے لیے تعلیمی پالیسی اور سالانہ بجٹ بھی مختص کیا گیا۔ ۱۸۲۵ء میں دہلی کی انگریز گورنمنٹ نے مسلمانوں کی ایک قدیم ویران درسگاہ کو "دہلی کالج" میں تبدیل کر دیا۔

اپنا اقتدار قائم کرنے کے باوجود انگریز یہ باور کراتے تھے کہ ملک کا حاکمِ اعلیٰ مغل بادشاہ ہے اور کمپنی بطور نائب

انتظامات سنبھالے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ یہ نعرہ مشتہر کرتے رہی: ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔''

تاہم زمینی حقائق کو دیکھتے ہوئے علمائے برِصغیر اس پر غور کرنے لگے کہ ہندوستان کو اب بھی دارالاسلام (اسلامی ریاست) مانا جائے یا اسے دارالحرب (غیر مسلم ریاست) سمجھا جائے۔ اس حوالے سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان اب ''دارالحرب'' بن چکا ہے۔

۱۸۳۵ء میں انگریزوں نے مغل بادشاہ کا سکہ بھی بند کر کے کمپنی کا سکہ جاری کر دیا۔ گویا بادشاہ سے آخری اعزاز بھی سلب کر لیا گیا۔ اکبر شاہ ۸۴ سال کی عمر میں ۱۸۳۷ء میں فوت ہوا۔ اسی سال انگریزوں نے فارسی کی جگہ انگریزی کو دفتری زبان قرار دے دیا۔ اس طرح سرکاری ملازمتیں انہی لوگوں کے لیے مخصوص ہو گئیں جو انگریزی جانتے ہوں۔ مسلمانوں کے ذہن ابھی تک انگریزی زبان سیکھنے پر تیار نہیں ہوئے تھے ہندو انگریزی میں دلچسپی لے رہے تھے، اس لیے اکثر و بیشتر ملازمتوں میں ہندوؤں نے مسلمانوں کی جگہ لے لی۔

سندھ میں اُس وقت تالپور میروں کی آزاد حکومت تھی۔ انگریز معاہدوں کے ذریعے وہاں اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے رہے۔ پھر انہوں نے میروں پر دباؤ ڈال کر حیدر آباد، کراچی اور سکھر میں فوجی چھاؤنیاں بنالیں۔ آخر سندھ کے لوگ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاہم جلد ان کا زور ٹوٹ گیا اور ۱۸۴۳ء میں سندھ انگریزوں کا محکوم بن گیا۔

سندھ پر مکمل قبضہ انگریز جنرل چارلس نیپئر کی قیادت میں ہوا، جو سخت گیری اور بے رحمی میں مشہور تھا۔ انگریزوں نے میرانِ سندھ سے اتنا شرمناک سلوک کیا کہ خود انگریزوں کے منصف مزاج لوگوں نے اس کی مذمت کی۔

لندن کی پارلیمان میں ایک لارڈ نے کہا: ''اگر ہماری پالیسی یہی رہے گی یعنی ہم اسلحے اور علم و ہنر میں ترقی کی خاطر انسانیت کے استیصال کو انسانیت کے مفاد پر ترجیح دینا چاہتے ہیں، تو میں اس کی بجائے اس بات کو ترجیح دوں گا کہ ہم دنیا کی سب سے بڑی طاقت بننے کی بجائے، تیسرے درجے کی طاقت رہ جائیں۔''[1]

❀❀❀

---

① ماخذ:

❀ دہلی کی جان کنی، از خواجہ حسن نظامی: ص ۳۸۴

❀ تاریخ ہندوستان: ج ۹ ص ۳۴۴، ۳۴۵

❀ قدیم دلی کالج، از مالک رام: ص ۱۰ تا ۲۸

❀ افغانستان در مسیر تاریخ: ج ۱ ص ۳۹۳ تا ۴۳۳

❀ تاریخ الاسلام فی الہند، از عبدالمنعم النمر: ۳۶۰

❀ تاریخ ملت: ۳ ص ۸۱۲

❀ وقائع احمدی: ۸۲ تا ۸۶

❀ فتاویٰ عزیزی: ج ۱ ص ۱۰۵

❀ سیرت سید احمد شہید از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: ج ۱ ص ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۳۵ تا ۱۴۵؛ ج ۲ ص ۱۳۰ تا ۱۳۲، ۳۳۳ تا ۳۳۵

❀ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: مقالہ India، ذیلی عنوان: The government of Lord Hastings

سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد

ہندوستان کی مقامی حکومتیں یا تو ختم ہو چکی تھیں یا ان کا وجود انگریز سرکار کے رحم وکرم پر تھا۔ ایسے میں کچھ اصحابِ عزیمت مسلمانوں کی اصلاح اور استعمار سے آزادی کا پرچم لے کر کھڑے ہوئے جن میں سید احمد شہید، ان کے خلفاء اور اکابرِ دیوبند سرِ فہرست ہیں۔ ان سب کا علمی یا اصلاحی تعلق خانوادۂ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔

ان قائدین میں سید احمد شہید کا نام سب سے نمایاں ہے۔ وہ ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ء) میں لکھنؤ سے کچھ دور رائے بریلی کے دیہات دائرہ شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے تھے۔ روحانیت میں اونچے مقام پر تھے اور جہاد کو مسلمانوں کی سربلندی کا واحد ذریعہ قرار دیتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں خلافت دے کر اصلاحِ معاشرہ کا کام سپرد کر دیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند شاہ محمد اسماعیل شہید بھی یہی فکر اور جذبہ رکھتے تھے۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے ہزاروں لوگوں نے اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کی اور نیک زندگی گزارنے لگے۔

آزادی کی تحریک چلانے کے لیے سید صاحب نے اپنے عقیدت مندوں کی سخت تربیت شروع کر دی۔ ۱۸۲۲ء میں حج کا سفر کیا اور واپسی پر اپنی تحریکِ جہاد کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔

تحریک کے مرکز کے لیے، بہت سوچ بچار کے بعد جنگجو مسلمانوں کے دیس یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے کا انتخاب کیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ پختون علاقے کو مرکز بنا کر پہلے پنجاب کو آزاد کرایا جائے جہاں رنجیت سنگھ مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہا تھا۔ مسجدوں کو جلانا، کھیتیاں تباہ کرنا، مال واسباب لوٹنا، بچوں اور عورتوں کو پکڑ کر فروخت کر دینا اور مسجدوں میں گھوڑے باندھنا عام بات تھی۔

سید صاحب جنوری ۱۸۲۶ء میں مجاہدین کے ایک قافلے کے ہمراہ رائے بریلی سے افغانستان روانہ ہوئے۔ راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان اور قندھار سے ہوتے ہوئے وہ کابل پہنچے۔ ہر جگہ بے شمار لوگ ان کی تعلیمات سے مستفید ہوئے اور غلط عقائد ورسومات سے توبہ کی۔ کابل میں شاہی افسران کے علاوہ عوام نے آپ کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ سید صاحب نے پہلے بارک زئی برادران کو متحد کر کے سکھوں کے خلاف جہاد کی ترتیب بنانے کی کوشش کی مگر جب یہ کوششیں رائیگاں دکھائی دیں تو آپ پشاور روانہ ہو گئے اور چارسدہ کے علاقے ہشت نگر میں آ ٹھہرے۔

سید صاحب کی آمد کی اطلاعات سن کر سکھوں نے پیش قدمی شروع کر دی اور اکوڑہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ مجاہدین نے ان پر ایسا شب خون مارا کہ سکھوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد مجاہدین نے دریائے سندھ کے پار حضرو پر چھاپہ مارا اور سکھوں کو غیر معمولی نقصان پہنچا کر مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے۔

دس جنوری ۱۸۲۷ء علماء ومشائخ اور عوام کی بڑی تعداد کی موجودگی میں سید صاحب کو باقاعدہ شرعی امام اور خلیفہ تسلیم کر لیا گیا، آپ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی گئی اور علاقے کی مساجد میں خطبہ جمعہ میں آپ کا نام شامل کر لیا گیا۔

اس اطلاع پر سکھوں نے بڑی تیاریوں کے ساتھ سید صاحب کے خلاف پیش قدمی شروع کر دی۔

شیدو کے میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی، عین ممکن تھا کہ سکھوں کو شکستِ فاش ہو جاتی مگر ایک سردار یار محمد خان نے غداری کی اور سید صاحب کو زہر دے دیا جس سے وہ بے ہوش ہو گئے اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

سید احمد شہید یار محمد خان کی غداری کے باوجود دلبرداشتہ نہ ہوئے اور مقامی سرداروں کے تعاون سے پنج تار کو اپنا مرکز بنا کر اردگرد کے علاقوں میں شریعتِ اسلامیہ کے احکام نافذ کر دیے۔ لوگوں کو غیر شرعی رسومات سے نجات دلائی۔ انہیں مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر آہستہ آہستہ لوگوں کے عقائد و اعمال اور رہن سہن کی اصلاح ہوتی گئی۔

اُدھر بارک زئی سردار یار محمد خان اپنے قبائلی اقتدار کو بچانے کے لیے سید صاحب کی دشمنی پر تلا ہوا تھا۔ وہ ایک لشکر تیار کر کے ہنڈ پہنچا جہاں سید صاحب قیام پذیر تھے۔ سید صاحب کی جانب سے افہام و تفہیم کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ آخر جنگ ہوئی جس میں یار محمد خان کو شکست ہوئی اور وہ زخمی حالت میں فرار ہوتے ہوئے دم توڑ گیا۔

سید احمد شہید کا خالص توحید پر مبنی پیغام بعض لوگوں کو سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ ہندوستان کے علمائے سوء کی جانب سے سید صاحب کے خلاف جاری کردہ اعلامیہ بھی اشتعال پھیلا رہا تھا جس میں تحریر تھا:

"سید احمد نامی ایک آدمی چند علمائے ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت کے ساتھ تمہارے ملک میں گئے ہیں، وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کر رہے ہیں، یہ ان کا مکر و فریب ہے۔ وہ ہمارے اور تمہارے دین و مذہب کے مخالف ہیں۔ انہوں نے ایک نیا دین و مذہب نکالا ہوا ہے۔ وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو بُرا کہتے ہیں۔ وہ انگریزوں کے بھیجے ہوئے تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے گئے ہیں۔ تم کسی طرح ان کے وعظ و نصیحت اور دام میں نہ آنا۔ عجب نہیں کہ وہ تمہارا ملک چھنوا دیں۔ جس طرح تم سے ہو سکے ان کو تباہ کرا دو اور اپنے ملک میں جگہ نہ دو۔ اگر اس معاملے میں سستی اور غفلت سے کام لو گے تو پچھتانا پڑے گا اور ندامت کے سوا کچھ اور ہاتھ نہ آئے گا۔"

سید صاحب کے مخالفین نے اسے مشتہر کر کے سرداروں اور عوام کو ان کے خلاف برانگیختہ کیا۔ چنانچہ مجاہدین کو اچانک قتل کرنے کی سازش طے کر لی گئی اور ایک شب بہت سے مجاہدین کو ان کی رہائش گاہوں پر گھیر کر قتل کر دیا گیا۔

سید احمد شہید اپنے غازیوں کے قتل عام کے بعد اس علاقے سے نکل گئے اور کشمیر کا رُخ کیا۔ اُدھر سکھ سردار شیر سنگھ پشاور سے سید صاحب کے تعاقب میں نکل پڑا۔ اپریل ۱۸۳۱ء (ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ) میں سید صاحب ساتھیوں سمیت بالاکوٹ پہنچ گئے۔ وہاں کے لوگوں نے آپ کا خیر مقدم کیا اور ساتھ دینے کا یقین دلایا۔ دوسری طرف شیر سنگھ بھی اپنے لشکر سمیت قریب آ چکا تھا۔ آخر ۷ مئی ۱۸۳۱ء (۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ء) کو گھمسان کا رن پڑا جس میں سید صاحب، شاہ اسماعیل اور دیگر رفقاء سمیت بڑی جانبازی سے سکھوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔

اس کے بعد بظاہر سکھوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا مگر جون ۱۸۳۹ء میں سکھ حکمران رنجیت سنگھ کے مرتے ہی اس کی

اولاد میں پھوٹ پڑ گئی۔ انگریز موقع غنیمت دیکھ کر پنجاب پر حملہ آور ہو گئے اور کئی جنگوں کے بعد سکھوں کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف سید احمد شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد بھی تحریک مجاہدین خفیہ طور پر کام کرتی رہی۔ ان کے خلفاء نے شمال مغربی قبائلی علاقے ستھانہ اور مغربی بنگال کے ضلع پٹنہ میں متبادل مراکز بنا کر جہادی تربیت اور کفار سے آزادی کی ذہن سازی کا کام برقرار رکھا اور انگریزوں کو للکارنے والے مجاہدین تیار ہوتے رہے۔ سید احمد شہید کی تحریک اس لحاظ سے بھی تاریخِ برصغیر میں ممتاز تھی کہ اس کے مخاطب عام لوگ تھے۔ اس کی اصل طاقت مسلمان عوام تھے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ سید احمد شہید جنوبی ایشیا کی تاریخ کے پہلے عوامی رہنما تھے۔

تیتو میر:

تیتو میر، سادات خاندان کے ایک بہادر اور پکے سچے مسلمان تھے۔ ان کا اصل نام سید نثار علی تھا۔ وہ ۱۷۷۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ سید احمد شہید جب حج کے لیے روانہ ہو کر کلکتہ پہنچے تو وہیں تیتو میر کی ان سے ملاقات ہوئی۔ تیتو میر ان سے بیعت ہو گئے اور ان کے ساتھ حج کیا۔ اس طرح انہیں سید صاحب سے استفادے اور تربیت کا اچھا موقع ملا۔

ہندوستان آ کر سید احمد شہید شمال مغربی علاقے کو مرکز بنانے چلے گئے جبکہ تیتو میر نے بنگال کے مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے کے لیے ۱۸۲۷ء میں جدوجہد کا آغاز کیا اور ایک مسجد میں اپنا مرکز قائم کر کے مسلمانوں کو عسکری تربیت دینے لگے۔ علاقے کے ظالم جاگیردار کرشن رائے نے انہیں ڈرانے دھمکانے کی بڑی کوششیں کیں مگر ناکام رہا۔

یہ اطلاعات انگریزوں تک پہنچیں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک رئیس نے چار سو سپاہیوں کے ساتھ ان کے مرکز پر حملہ کر دیا۔ مگر تیتو میر کے ساتھیوں نے ایسا جوابی حملہ کیا کہ انگریز رئیس کو بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑی۔ انگریزوں کا خاصا اسلحہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ اب انگریز اور ہندو زمیندار تیتو میر کو اپنے لیے بہت بڑا خطرہ تصور کرنے لگے۔ چنانچہ مختلف انگریز افسران یکے بعد دیگرے ان کے خلاف مہم جوئی کے لیے نکلے مگر سب شدید جانی و مالی نقصانات سے دوچار ہوئے۔ آخر کار گورنر جنرل نے ایک بڑا لشکر بھیجا جس کا مقابلہ کرتے ہوئے ۱۹ نومبر ۱۸۳۱ء کو تیتو میر اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے، بہت سے مجاہدین کو گرفتار کر کے کالے پانی (جزائرِ انڈمان) بھیج دیا گیا۔ تیتو میر کی تحریک نے بنگال کے مسلمانوں میں شمع حریت روشن کی لہٰذا وہاں کے لوگ انہیں ''زندہ شہید'' کہہ کر یاد کرتے ہیں۔[1]

❁❁❁

[1] مآخذ:

❁ سیرت سید احمد شہید از مولانا ابوالحسن علی ندوی: ج ۱ ص ۲۱۱ تا ۳۱۵، ج ۲ ص ۱۵۸ تا ۳۹۹

❁ تحریک سید احمد شہید از غلام رسول مہر: ص ۱ ص ۱۷۵ تا ۲۰۵۳؛ ص ۲۱۱ تا ۵۶۵

❁ سید احمد شہید از ڈاکٹر صادق حسین: ص ۲۲۳ تا ۲۲۷ ❁ ہندوستان میں وہابی تحریک از ڈاکٹر قیام الدین احمد، پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی: ۱۲۳ تا ۱۲۹

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

مغلیہ سلطنت کے آخری تاج دار بہادر شاہ ظفر کی ولادت ۱۷۷۵ء میں ہوئی تھی۔ باپ کے انتقال کے بعد ۱۸۳۷ء میں مغلیہ سلطنت کی گدی سنبھالی۔ اس حساس طبع بادشاہ پر زوالِ ملک اور فرنگی تسلط کا گہرا اثر تھا جو کہیں حزن وملال، کہیں مناجات، کہیں یادِ خدا اور کہیں تسلیم ورضا کی شکل میں دیوانِ ظفر میں جھلکتا ہے۔

اس زمانے میں لال قلعے کا دربار ایک علمی وادبی محفل میں بدل چکا تھا جسے مفتی صدرالدین آزردہ، مرزا غالب، استاذ ابراہیم ذوق، مومن خان مومن اور مصطفیٰ خان شیفتہ جیسے شعراء اور باکمال افراد رونق بخش رہے تھے۔ تاہم سیاسی لحاظ سے اب دربارِ دہلی کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اب انگریز گورنر القاب وآداب کا تکلف ترک کرکے بہادر شاہ ظفر کو ''مائی ڈیئر ظفر'' کہنے لگا تھا۔

۱۸۵۷ء تک برصغیر کی تمام قومیں انگریزوں سے سخت متنفر ہو چکی تھیں جس کے اہم اسباب یہ تھے:

❶ انگریزوں نے مغل بادشاہ کو بے اختیار اور بے حیثیت کر دیا تھا اور بہت سے والیانِ ریاست سے بھی اشتعال انگیز سلوک کیا تھا۔ اودھ کے حاکم واجد علی شاہ کو گدی سے اتار کر کلکتہ میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ نظام حیدر آباد سے ''برار'' کا علاقہ چھین لیا گیا تھا۔ سندھ سے تالپور خاندان کے میروں کو حکومت سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

❷ بڑے بڑے زمین داروں سے جاگیریں چھین لی گئی تھیں۔ کاشت کاروں پر لگان کئی گنا بڑھا دیا گیا تھا۔ دیسی صنعتیں تباہ ہو گئیں تھیں اور لاتعداد لوگ بے روزگار ہو چکے تھے۔

❸ کمپنی کی حکومت میں مشنری ادارے مقامی باشندوں کو نصرانی بنانے پر تلے ہوئے تھے تاکہ انگریزوں کی حکومت مستحکم ہو جائے۔ جگہ جگہ چرچ قائم ہو گئے تھے۔ پادری جابجا کھلے جلسے منعقد کر کے لوگوں کو ارتداد کی دعوت دیتے۔ لوگوں کو عیسائیت کی خوبیاں سمجھاتے اور دوسرے مذاہب کے خلاف زہر اگلتے۔

❹ ۱۸۵۶ء میں ہندوستانی فوج میں ایک نئی رائفل متعارف کرائی گئی جس کے کارتوسوں کے سرے پر گائے اور سؤر کی ملی جلی چربی سے بنی جھلی منڈھی ہوتی تھی جسے دانتوں سے کاٹ کر الگ کرنا پڑتا تھا۔ اس سے دیسی سپاہیوں میں اشتعال پھیل گیا۔ کلکتہ کے بعض سپاہیوں کو کارتوس استعمال نہ کرنے پر سزا دی گئی اور بعض کو قتل بھی کر دیا گیا۔

آخر ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی میں دیسی سپاہیوں نے مشتعل ہو کر کئی انگریز افسران کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد یہ سپاہی دہلی پہنچ گئے اور شہر پر قبضہ کر کے بہادر شاہ ظفر کی شہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ دہلی کے علماء نے جہاد کا فتویٰ دے دیا تھا جس پر مولانا فضلِ حق خیر آبادی، میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور مفتی صدرالدین آزردہ جیسے جید اہل علم حضرات کے دستخط تھے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی مانند پورے برصغیر میں پھیل گئی اور راجپوتانہ، کشمیر، پنجاب اور نیپال میں بھی لوگ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے بزرگوں میں سے حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ جنگِ آزادی میں پیش پیش تھے۔ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کر کے انگریزوں کو تھانہ بھون اور اس کے مضافات سے نکال دیا گیا اور وہاں مجاہدین کی حکومت قائم ہوگئی جس میں حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سربراہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قاضی اور مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سپہ سالار تھے۔ پہلے مجاہدین نے چھاپہ مار حملہ کر کے ایک انگریزی پلٹن سے اسلحہ چھینا۔ اس کے بعد انہوں نے شاملی کی سمت پیش قدمی کی اور ایک خونریز جنگ کے بعد ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کرلیا۔ اس معرکے میں حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ شہید ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد انگریزوں نے بھاری توپوں کے ساتھ ایک بڑی فوج اس محاذ پر بھیج دی۔ مجاہدین بڑی بے جگری سے لڑے مگر آخر بھاری اسلحے کے سامنے مزید مزاحمت ممکن نہ رہی۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون سے نکل گئے۔ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ انگریز کے جاسوسوں سے بچتے بچاتے پنجاب اور کراچی سے ہوتے ہوئے دسمبر ۱۸۵۹ء میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ باقی زندگی وہیں اصلاح وارشاد کا کام کیا اور ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) میں وہیں وفات پائی۔ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دوستوں کے اصرار پر روپوش ہوگئے مگر تین دن بعد پھر منظرِ عام پر آگئے اور فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں اتنے ہی دن روپوش رہے۔ یہ مدت ختم ہوگئی، تو روپوشی بھی ختم۔'' دو سال تک آپ مختلف بستیوں، قصبوں کے درمیان آتے جاتے رہے۔ پولیس کبھی آپ کو نہ پکڑ سکی۔ دسمبر ۱۸۶۰ء میں آپ بھی کراچی سے بحری جہاز میں بیٹھ کر حج کے لیے روانہ ہوگئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ روپوش رہے، آخر ۱۸۵۹ء میں گرفتار ہوگئے۔ چھ ماہ تک جیل میں رہے۔ آخر کار عدمِ ثبوت کی بناء پر جنوری ۱۸۶۰ء میں آپ رہا کر دیے گئے۔

سوات کی نواحی بستی ستھانہ بھی تحریکِ مجاہدین کا مرکز تھی، یہ سرفروش مولانا ولایت علی اور ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ لڑتے رہے۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں مولانا عنایت علی وفات پا گئے اور اپریل ۱۸۵۸ء میں انگریزوں نے بہت بڑی طاقت کے ساتھ ستھانہ پر حملہ کیا اور اسے تباہ و برباد کردیا۔ مجاہدین کو پسپا ہونا پڑا مگر اس کے بعد بھی وقفے وقفے سے ان کی کارروائیاں جاری رہیں۔

اودھ کے دار الحکومت لکھنؤ میں معزول حکمران واجد علی شاہ کی بیگم حضرت محل کی سرپرستی میں انگریزوں کے خلاف جنگ شروع ہوگئی۔ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی ان میں پیش پیش تھے جن کی شعلہ نوائی اور قائدانہ مہارت نے ہزاروں لوگوں کو جنگ پر آمادہ کردیا۔ روہیل کھنڈ کے اہم شہر بریلی میں بھی لوگ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ مقامی عمائد نے یہاں حافظ رحمت خان مرحوم کے پوتے خان بہادر خان کی امارت قائم کردی۔ اس وقت دہلی کی حفاظت سب سے زیادہ ضروری تھی جس پر حملے کے لیے انگریز شمال کی چھاؤنیوں سے فوج جمع کر رہے تھے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر خان بہادر خان نے بریلی کے نامور افسر بخت خان کو دہلی روانہ کردیا۔

۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو بخت خان بریلی سے دہلی آن پہنچا۔ بہادر شاہ ظفر نے اس کا بھرپور خیر مقدم کرتے ہوئے

اسے سپہ سالار اعلیٰ مقرر کر دیا۔ اس نے دہلی کا دفاع مضبوط کر کے انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ مگر بخت خان کا عروج مغل شہزادوں اور امرائے دہلی کو اچھا نہ لگا اور درباریوں نے بادشاہ سے اس کی شکایات لگانا شروع کر دیں۔ خود مغل شہزادوں میں بھی اتفاق رائے نہ رہا، اس بناء پر مزاحمت کی قیادت مضبوط نہ ہو سکی۔

اس دوران انگریزوں نے نیپال سے گورکھوں اور پنجاب سے بھاری تعداد میں سکھوں کی افواج بلا لیں۔ ستمبر کے آغاز میں یہ فوجیں دہلی کے باہر پہنچ گئیں۔ شہر میں انگریزوں کے مخبر اور ہمدرد پہلے سے موجود تھے جن میں بادشاہ کے درباری: مرزا الٰہی بخش، حکیم احسن اللہ اور محبوب علی بھی شامل تھے۔ انگریزی فوج نے شہر کا باہر سے محاصرہ کر لیا اور بڑی توپوں سے شدید گولہ باری کرنے کے بعد ۱۴ ستمبر کو شہر پر فیصلہ کن حملہ کیا اور شدید مزاحمت کے بعد شہر میں گھس گئی۔ حریت پسندوں نے قدم قدم پر بڑی سرفروشی سے مقابلہ کیا۔ تاہم ۱۹ ستمبر کی شام انگریز اکثر شہر پر قابض ہو گئے۔

لال قلعہ ابھی محفوظ تھا اور فرار کے کچھ راستے کھلے تھے چنانچہ بادشاہ نے قلعہ چھوڑ کر مقبرۂ ہمایوں میں پناہ لے لی۔ بخت خان بھی وہیں پہنچ گیا اور بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ اس کے ساتھ لکھنؤ یا دکن چلے، وہاں باہر کی تمام افواج کو جمع کر کے انگریز کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر انگریزوں کے ایجنٹ مرزا الٰہی بخش نے میجر ہڈسن کے حکم کے مطابق حیل و حجت کر کے بہادر شاہ ظفر کو وہیں روک لیا۔ بخت خان سخت پیچ و تاب کھاتے ہوئے اپنی فوج سمیت روہیل کھنڈ کی طرف نکل گیا۔ اس کے بعد میجر ہڈسن نے مقبرۂ ہمایوں سے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا۔ بہادر شاہ کے بیٹوں: شہزادہ مرزا مغل، شہزادہ خضر سلطان اور شہزادہ ابوبکر کو قتل کر کے ان کے سر قلم کر دیے گئے۔ سروں کو خوان پوشوں سے ڈھک کر طشت میں رکھ دیا گیا۔ میجر ہڈسن اسے تحفے کی شکل میں بہادر شاہ ظفر کے پاس لے گیا اور طنزیہ لہجے میں بولا:

''یہ آپ کا مشاہرہ ہے جو بند ہو گیا تھا اور جسے جاری کرنے کے لیے آپ نے غدر میں حصہ لیا تھا۔''

بوڑھے ضعیف بہادر شاہ ظفر نے بیٹوں کے کٹے ہوئے سر دیکھے تو کہا:

''الحمد للہ! تیمور کی اولاد اسی طرح سرخ رو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتی ہے۔''

فروری ۱۸۵۸ء میں انگریز تمام محاذوں سے فارغ ہو کر اپنی تمام قوت لکھنؤ کے محاذ پر لے آئے۔ جب شہر کے دفاع کی کوئی امید نہ باقی نہ رہی تو بخت خان، حضرت محل اور مولوی احمد اللہ شاہ رحمہ اللہ محفوظ علاقوں کی طرف چلے گئے۔ حضرت محل نے نیپال میں پناہ لی اور وہیں فوت ہوئی۔ بخت خان ایسا غائب ہوا کہ کبھی اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ مولوی احمد اللہ شاہ رحمہ اللہ جون ۱۸۵۸ء میں انگریزوں کے حامی ایک ہندو راجا کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ پنجاب میں کمالیہ کے نواب احمد خان کھرل نے جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ کئی معرکوں کے بعد ۲۱ ستمبر ۱۸۵۷ء کو نواب کھرل میدان کارزار میں نماز عصر ادا کرتے ہوئے بحالت سجدہ شہید ہوئے۔ ہندو راجاؤں نے بھی تحریک آزادی میں حصہ لیا جن میں ڈھونڈو پنت نانا، تانتیا ٹوپے، کنور سنگھ اور امر سنگھ مشہور ہیں مگر ان کی سب سے مشہور رہنما جھانسی کی رانی تھی جس نے کئی معرکوں میں فتح حاصل کی مگر ۱۸ جون ۱۸۵۸ء کو ایک جنگ میں وطن پر نثار ہو گئی۔

جنگِ آزادی میں ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حریت پسند غیر منظم تھے ۔ جنگ کا آغاز ہنگامی طور پر ہوا تھا۔ مختلف محاذوں کے مجاہدین کے مابین کوئی رابطہ نہیں تھا۔ انگریزوں کو ٹیلی گراف کے ذریعے جو خبریں چند منٹ میں مل رہی تھیں ، وہ مجاہدین کو کئی دن بعد پہنچا کرتی تھیں ۔ نیز انگریزوں کے پاس جدید قسم کی بھاری توپیں تھیں جبکہ مجاہدین کا اسلحہ معمولی اور پرانا تھا۔ سکھ سرداروں کی عاقبت نااندیشی نے بھی تحریک پر ضرب کاری لگائی جنہوں نے انگریزوں کو بھرپور کمک پہنچائی تھی۔ حالانکہ انگریزوں نے ان سے تختِ پنجاب چھینا تھا۔ اگر سکھ چاہتے تو اس جنگ کو کامیاب بنا کر انگریزوں سے بدلہ لے سکتے تھے۔ جاسوسوں اور غداروں کی کثرت بھی اس تحریک کی ناکامی کا سبب بنی۔ کمپنی کی خفیہ ایجنسی نے دہلی میں جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا جن کے ذریعے ہر بات انگریزوں تک پہنچ جاتی تھی۔

فتح کے بعد انگریزوں نے برصغیر کے لوگوں پر نہایت لرزہ خیز مظالم ڈھائے۔ دہلی کے بازار میں ہر روز سینکڑوں آدمی پھانسی پر لٹکائے جاتے، گولیوں سے اڑائے جاتے اور تلوار سے ذبح ہوتے۔ سب سے زیادہ مسلمان ہی چن چن کر قتل کیے جا رہے تھے۔ سات دن تک مسلسل شہر میں قتلِ عام ہوتا رہا۔ انگریزوں نے نہ صرف شہریوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا بلکہ دہلی میں مسلمانوں کی یادگاروں کو بھی بڑی بے دردی سے تباہ و برباد کیا۔

شمال مغربی صوبہ اور پنجاب میں اندھادھند پھانسیاں دی گئیں، جن میں مرد، عورت اور بچوں کا کوئی فرق نہ تھا۔ لارڈ رابرٹس کے نزدیک اس قسم کی تمام درندگی کا مقصد یہ تھا کہ: ''ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے۔'' اس انتقام کے نتیجے میں مسلمان بالکل تباہ حال ہو گئے۔

لال قلعے سے نکلنے والے شہزادے، بیگمات اور شہزادیوں کو بھی عام لوگوں کی طرح دربدر پھرنا پڑا۔ بہادر شاہ ظفر پر نمائشی مقدمہ چلایا گیا اور عمر قید اور جلاوطنی کی سزا سنا کر نومبر ۱۸۵۸ء میں برما کے شہر رنگون بھیج دیا گیا۔ تقریباً چار سال کی نظر بندی کاٹنے کے بعد ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو ۸۷ سال کی عمر میں بہادر شاہ ظفر کی روح قیدِ حیات سے آزاد ہو گئی۔ اسیری کی حالت میں کہے گئے بہادر شاہ ظفر کے ایسے اشعار دل کو چھلنی کر دیتے ہیں۔ انہی میں سے ایک شعر یہ ہے ۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے .... دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں ①

❁❁❁

① ماخذ:

❁ اسباب بغاوتِ ہند از سر سید احمد خان: ص۱۹، ۲۰

❁ بیگمات کے آنسو از خواجہ حسن نظامی: ص۱۱۱ تا ۱۱۶

❁ تذکرۃ الرشید: حصہ اول ص ۷۵ تا ۷۸

❁ الثورۃ الھندیۃ ص ۱۵۰ تا ۱۵۷، از علامہ فضل حق خیر آبادی

❁ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین از ڈاکٹر صادق حسین: ص۲۱۷ تا ۲۲۶

❁ علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ چہارم ص ۳۳۹ تا ۳۴۱، ص ۳۲۵ تا ۳۳۴

دورزوال کا خلاصہ:

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ہوئی جس کے ساتھ ایسی خانہ جنگی شروع ہوئی کہ پچاس برس (۱۷۰۷ء تا ۱۷۵۷ء) میں سلطنتِ مغلیہ کے تخت پر دس حکمران آئے۔ان میں سے فقط چار طبعی موت مرے۔باقی کو قتل کیا گیا یا معزول کر کے اندھا کر دیا گیا۔عالمگیر کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد ۱۸۵۷ء میں مغل حکومت ختم ہوگئی۔

ان ڈیڑھ سو برسوں میں پیش آنے والے حوادث کا خلاصہ یہ ہے:

❁ بہادر شاہ اوّل نے مرہٹہ رہنما سنبھاجی کے بیٹے ساہو جی پر اعتماد کیا اور اسے آزاد کر کے اور اعلیٰ عہدہ بخش کر ایک بار پھر جنوب میں مرہٹوں کو منظم ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔

❁ ایرانی رئیس ذوالفقار علی خان کی سازشوں نے بہادر شاہ اوّل کے بیٹوں میں نئی خانہ جنگی شروع کرادی۔

❁ فرخ سیر کے دور میں "ساداتِ بارہ" نے سلطنت کو اپنی جاگیر بنا کر لوٹا۔

❁ ۱۷۳۹ء میں دہلی نادر شاہ درّانی کے ہاتھوں برباد ہوا جس کے بعد ہندوستان کے متعدد صوبے خود مختار ہوگئے۔

❁ جنوبی ہندوستان میں حیدرآباد دکن کی آزاد ریاست قائم ہوگئی۔

❁ دہلی کے شمال مشرق میں اودھ کی آزاد ریاست قائم ہوگئی۔

❁ ہمالیہ کے دامن سے گنگا کے ساحل تک روہیلہ پختونوں کی آزاد حکومت وجود میں آئی۔

❁ ایرانی، افغانی اور مغل دست و گریباں ہوئے۔شیعہ سنی کشمکش پوری شدت سے ابھر آئی۔

❁ جنوبی ہندوستان میں مرہٹے ایک بھرپور طاقت بن کر سامنے آئے اور شمال تک پھیل گئے۔

❁ دہلی کے جنوب میں جاٹوں کی شکل میں ایک قوت ابھر آئی۔

❁ پنجاب میں سکھ جو پہلے ایک مذہبی گروہ تھے، ایک باغی عسکری جمعیت بن گئے۔

❁ ۱۷۵۷ء کی جنگِ پلاسی میں سراج الدولہ کی شکست اور شہادت کے بعد بنگال انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔

❁ میسور میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے بھرپور مزاحمت کی مگر غداروں کی کثرت کے باعث کامیاب نہ ہو سکے۔

❁ مغل حکمران کئی عشروں تک کبھی ایرانی اور کبھی افغان امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔

❁ اگست ۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے دہلی سے مرہٹوں کو باہر کیا اور شاہ عالم کی آنکھیں نکال لیں۔

❁ دسمبر ۱۷۸۸ء میں مرہٹے دوبارہ دہلی میں گھس گئے اور روہیلوں کو نکال کر پایۂ تخت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

❁ ۱۸۰۳ء سے انگریزوں نے مرہٹوں کو نکال کر مغل حکمران کے اختیار کو لال قلعے تک محدود کر دیا۔

❁ ۱۸۲۶ء میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہدین کی تحریک شروع کی۔۱۸۳۱ء میں وہ بالاکوٹ میں شہید ہوگئے۔

❁ ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی ہوئی جس کی ناکامی اور بہادر شاہ ظفر کی اسارت پر مغلیہ سلطنت ختم ہوگئی۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب

مغلیہ سلطنت کا یہ زوال اچانک نہیں تھا بلکہ اس کے اسباب کم وبیش وہی تھے، جو بنوامیہ، بنوعباس، امرائے اندلس اور دیگر اسلامی سلطنتوں کے زوال کے پیچھے کارفرما تھے۔ تاہم اختصاراً یہاں اسباب زوال کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے:

❶ مغلیہ سلطنت سمیت ہر اسلامی سلطنت کے زوال میں موروثی نظام کا عمل دخل بہت واضح دکھائی دیتا ہے۔ مغلوں کا زوال اس وقت شروع ہوا جب عالمگیر کی وفات کے بعد دس سال کے اندر اندر جانشینی کی سات خونریز جنگیں ہوئیں جن میں شاہی خاندان کے بہت سے قابل افراد اور ہزاروں آزمودہ کار سپاہی ضائع ہو گئے۔

❷ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کو سدابہار سمجھ کر خود احتسابی ترک کر دی تھی۔ جب انہوں نے خود کو نہ بدلا تو مشیت الٰہیہ نے دنیا کی قیادت ان قوموں کو سونپ دی جو زیادہ ہوشیار، دوراندیش، منصوبہ ساز اور سرگرم تھیں۔

❸ مسلمانوں کا نظام تعلیم بہت پرانا ہو چکا تھا جس کا تقریباً دو تہائی حصہ عقلیات اور نظری ابحاث پر مشتمل تھا۔ اُدھر یورپ تجرباتی میدان میں اتر چکا تھا۔ مسلمان نئی دریافت، نئے سائنسی نظریات یا نئی ایجاد سے تہی دست تھے۔ جبکہ اہلِ یورپ ان کی علمی میراث کو سامنے رکھ کر نت نئی چیزیں ایجاد کر رہے تھے۔

❹ یورپ میں پریس کے ذریعے اخبار ورسائل کی اشاعت تیزی سے ہونے لگی تھی جن میں سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی امور پر برملا تبصرے ہوتے تھے، چنانچہ وہاں سیاسی شعور بڑھتا چلا گیا۔ مگر عالم اسلام میں اخبار وجرائد نہ ہونے کے باعث عوام اور حکام میں سیاسی بصیرت اور عاقبت اندیشی کا مادہ تقریباً ختم ہو گیا۔

❺ مغلوں نے روایتی عسکری طریقوں پر اکتفا کیا۔ جبکہ یورپ نے فنونِ جنگ میں انقلابی ترامیم کیں۔ اگرچہ مغل یورپ کے تربیت یافتہ سپاہیوں کو اپنے ہاں بھرتی کر لیا کرتے تھے مگر یہ کوئی مستقل حل نہ تھا۔ مغلیہ بحری فوج برائے نام تھی۔ اگر ان کی بحریہ مضبوط ہوتی تو استعماری طاقتیں کبھی ہندوستان کے ساحلوں پر قدم نہیں جما سکتی تھیں۔

❻ امرائے سلطنت کا ایمانی اور اخلاقی زوال مغلوں کے انحطاط کا اہم سبب بنا۔ مے نوشی جیسے منکرات اور شطرنج و چوسر جیسی تفریحات میں مشغولیت عام ہو گئی۔ بڑے بڑے امراء اور نواب کوٹھوں پر جا کر ناچ دیکھتے۔ رشوت دے کر عہدے حاصل کرنا معمول بن گیا تھا۔ بادشاہ بھی رشوت لیتے تھے، جسے ''پیش کش'' کہا جاتا تھا۔

❼ اسی دور میں راجپوتوں، مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں میں بڑے جہاندیدہ اور ہوشیار قائدین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی قوم کو عسکری طور پر منظم اور سیاسی لحاظ سے بیدار کیا اور ان کی تحریکوں نے مغلوں کو کمزور کر دیا۔

❽ شیعہ سُنی افتراق بھی زوال کی بڑی وجہ بنا۔ مغل سلطنت کے کمزور ہونے پر شیعہ امراء نے لکھنؤ اور سنی افغانوں نے روہیل کھنڈ وغیرہ میں آزاد ریاستیں قائم کر لیں اور فریقین میں جنگیں ہونے لگیں جس کے نتیجے میں پہلے روہیل کھنڈ اور پھر اودھ ویران ہو گئے۔ تختِ دہلی بھی بے سہارا رہ گیا جس پر پہلے مرہٹوں اور پھر انگریزوں نے تسلط حاصل کر لیا۔

مملکتِ آصفیہ (ریاست حیدرآباد دکن)

اورنگ زیب کے بعد جب مغل سلطنت زوال پذیر ہوئی تو صوبہ دکن بھی بحران کا شکار ہوا۔ ایسے میں ایک قابل رئیس نظام الملک نے (جس کا اصل نام قمر الدین تھا) اس صوبے کو مرہٹوں سے بچایا۔ اس نے اپنی قابلیت سے دکن کے مختلف صوبوں اور شہروں کو ایک وحدت میں پرو کر ایک شاندار ریاست قائم کر لی جو ''ریاست حیدرآباد دکن'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ اکتوبر ۱۷۲۴ء میں اس نے مغل بادشاہ محمد شاہ سے خود مختار حکومت کا پروانہ اور ''آصف جاہ'' کا لقب حاصل کیا۔ خود مختاری کے باوجود نظام الملک نے مغل بادشاہ کی بالادستی کو برقرار مانا اور اپنے ہاں مغل سکہ جاری رکھا۔

۱۷۴۸ء میں نظام الملک کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ناصر جنگ تخت نشین ہوا جو بڑا آزمودہ سپاہی تھا۔ ناقابلِ شکست سمجھے جانے والے مرہٹہ سردار باجی راؤ کو اسی نے میدانِ جنگ میں شکستِ فاش دی تھی۔ بعد میں اس نے فرانسیسیوں کے مرکز پانڈی چری پر حملہ کر کے انہیں بھی سخت سرزنش کی۔ ۱۷۵۰ء میں ناصر جنگ کی وفات ہوگئی۔

اس کے بعد اس کے بھائی مظفر جنگ اور پھر صلابت جنگ یکے بعد دیگرے حکمران بنے۔ جولائی ۱۷۶۲ء میں ان کے تیسرے بھائی نظام علی خان نے صلابت جنگ کو قید میں ڈال کر حکومت سنبھال لی۔

اس وقت انگریزوں، فرانسیسیوں اور مرہٹوں کی سازشیں عروج پر تھیں۔ نظام علی خان نے سیاسی جوڑ توڑ کے ذریعے اپنے دشمنوں کو الجھا کر ریاست کو بچائے رکھا اور چالیس سال حکومت کی۔ تاہم اس کا ریاستِ میسور کے خلاف مرہٹوں اور انگریزوں کا ساتھ دینا ایک بھاری سیاسی غلطی تھی۔ ۱۸۹۸ء میں اس نے لارڈ ویلزلی کی اسکیم پر دستخط کر کے ریاست میں انگریز افواج کی موجودگی قبول کر لی۔ بہرحال اس نے اپنی ریاست کو محفوظ اور پُرامن بنا دیا۔

نظام علی خان کی موت کے بعد ۱۸۰۳ء میں اس کا ولی عہد سکندر جاہ تخت نشین ہوا جس نے ۲۶ سال حکومت کی۔ اس دور میں مرہٹوں کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی جس کے باعث مملکتِ آصفیہ مرہٹوں سے محفوظ ہوگئی۔

۱۸۲۹ء میں ناصر الدولہ کی حکومت شروع ہوئی جو اٹھائیس برس تک رہی۔ اس کے دور میں ۱۸۵۳ء میں نواب سالار جنگ کو وزارت کا عہدہ دیا گیا۔ نواب موصوف نے اپنی قابلیت سے ریاست کو بڑی ترقی دی۔

مئی ۱۸۵۷ء میں ناصر الدولہ کی وفات ہوگئی اور اس کے بڑے فرزند افضل الدولہ نے مسندِ حکومت سنبھالی۔ اس وقت برصغیر میں جنگِ آزادی جاری تھی۔ مملکتِ آصفیہ اس وقت بھی مغل بادشاہت کو سرپرست تسلیم کرتی تھی جیسا کہ اس کے سکوں سے عیاں تھا۔ مغل بادشاہت کے خاتمے کے بعد بھی مملکتِ آصفیہ نے برطانوی حکومت کو مغل سلطنت کے برابر حیثیت نہیں دی بلکہ اس کا موقف تھا کہ وہ اور برطانیہ دو حلیف حکومتیں ہیں۔ تاہم مملکتِ آصفیہ جنگِ آزادی میں شریک نہ ہوئی اور اس بناء پر وہ اس بہیمانہ انتقام سے محفوظ رہی جس کا مظاہرہ باقی ہندوستان میں ہوا۔

افضل الدولہ نے ۱۸۶۹ء میں وفات پائی اور مسندِ شاہی پر اس کے تین سالہ فرزند میر محبوب علی کو بٹھایا گیا تاہم اس

کی کم سنی کے باعث ۱۸۸۳ء تک ریاست کا تمام انتظام نواب سالار جنگ کے ہاتھ میں رہا جس نے برطانوی انتظامات سے استفادہ کر کے ریاست کے تمام نظم ونسق کو از سرِ نو ترتیب دیا۔

اس سے قبل ریاست سخت مالی مشکلات سے گزر رہی تھی اور بدعنوانی عام تھی۔ سالار جنگ کی انتھک کوششوں سے حیدرآباد ترقی اور خوشحالی کی راہ پر چل پڑا۔ ۱۸۸۳ء میں نواب سالار جنگ کی وفات ہوئی تو حیدرآباد دکن ایک منظم، مضبوط اور مالدار ملک بن چکا تھا۔ ۱۸۸۴ء میں میر محبوب علی نے تمام انتظامات خود سنبھال کر ریاست کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور آب پاشی، معدنیات کی کھدائی اور تعلیم پر خاص توجہ دی۔

۱۹۱۱ء میں میر محبوب علی کی وفات کے بعد میر عثمان علی خان کا دور شروع ہوا جو ۱۹۴۸ء تک رہا۔ اس دور میں یہاں بڑے پیمانے پر علمی وتحقیقاتی ادارے قائم ہوئے۔ ''جامعہ عثمانیہ'' کے نام سے ایک عظیم الشان یونی ورسٹی کا آغاز کیا گیا جو آج بھی قائم ہے۔ سرکاری محکمۂ مطبوعات ''مطبعِ نظامیہ'' اور محکمۂ آثار قدیمہ نے اس دور میں شاندار خدمات انجام دیں۔ اس زمانے میں ریاست سالانہ ۵۰ لاکھ ٹن اناج، ساڑھے ۳ کروڑ گیلن تیل، ۳ کروڑ ۴۰ لاکھ گانٹھ روئی، ساڑھے ۴ کروڑ ٹن کوئلہ، ایک کروڑ ۳۰ لاکھ ٹن سیمنٹ، ۳ لاکھ ٹن کاغذ اور ۹۶ ملین گز کپڑا پیدا کر رہی تھی۔ ریاست کا رقبہ دو لاکھ ۲۳ ہزار مربع کلومیٹر تھا یعنی قریب قریب موجودہ برطانیہ جتنا تھا۔

تقسیم ہند کے موقع پر حیدرآباد دکن نے آزاد ریاست بننے کا اعلان کیا۔ نظام عثمان علی خان نے ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو بیان دیا کہ پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ ان کی ہندو رعایا کے لیے اور بھارت میں شمولیت کا فیصلہ اُن کی مسلم رعایا کے لیے اذیت ناک ہوگا، اس لیے ریاست آزاد رہ کر دونوں ملکوں کے درمیان اچھے تعلقات کے لیے کوشاں رہے گی۔ اس کے باوجود بھارتی حکومت نے یہاں قبضے کا فیصلہ کر لیا۔ ریاست نے ۱۰ اگست ۱۹۴۸ء کو اپنا مقدمہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا مگر بھارت نے بڑی عجلت میں یہاں فوجی کارروائی شروع کرا دی اور ۱۸ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ریاست پر قبضہ کر لیا۔ اس ہنگامۂ کشت وخون میں لگ بھگ دو لاکھ مسلمان قتل، قید، زخمی اور لاپتا ہوئے اور بے شمار گھرانے اجڑ گئے۔

ریاست حیدرآباد دکن تہذیبی وثقافتی لحاظ سے ایک شاندار تاریخ کی حامل تھی۔ یہاں کا چار مینار دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہاں کی مکہ مسجد جس میں دس ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے، سلاطینِ گزشتہ کی عظمت یاد دلاتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی اور کتب خانہ نظامیہ کی علمی خدمات کا شہرہ دنیا بھر میں رہا ہے۔ محکوم ہندوستان میں یہ ایک ایسا محفوظ خطہ تھا جس کا اپنا سکہ، اپنی ڈاک، اپنی ریل، اپنی فوج، اپنی تعلیم گاہیں اور اپنا نظامِ حکومت تھا جس میں انگریز مداخلت نہیں کرتے تھے۔ اس کی سیاسی جماعت ''مجلس اتحاد المسلمین'' بھی اپنی خدمات کے حوالے سے مشہور رہی اور آج بھی فعال ہے۔ ①

❁❁❁

① ماخذ: ❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: حیدرآباد ❁ تاریخ ریاست حیدرآباد دکن از نجم الغنی ❁ مآثر دکن: از سید علی اصغر بلگرامی
❁ حیدرآباد کا عروج وزوال: از بدر شکیب ❁ حیدرآباد جو کبھی تھا، از رئیس احمد جعفری

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

1. پرتگال کے جہاز راں برصغیر کے ساحلوں تک کیسے پہنچے اور یہاں کیسے قابض ہوئے؟
2. ایسٹ انڈیا کمپنی نے کس طرح برصغیر کی تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کی؟
3. سراج الدولہ کو جنگِ پلاسی میں کیوں شکست ہوئی؟ میر جعفر نے بنگال کا حکمران بن کر کیا کردار ادا کیا؟
4. برطانوی استعمار کے خلاف نواب حیدر علی کے جہاد کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔
5. برصغیر کی حفاظت وخود مختاری کے لیے سلطان فتح علی ٹیپو کے کردار پر روشنی ڈالیے؟
6. سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد کن مقاصد کے لیے شروع کی گئی تھی؟
7. ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا خلاصہ لکھ کر اس کی ناکامی کے تین اہم اسباب بیان کیجیے۔
8. ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے اہلِ ہند خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

عملی کام:

- ان شہروں کی تصاویر اپنی بیاض میں چسپاں کریں جو جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے اہم مراکز رہے۔
- مملکتِ آصفیہ حیدر آباد دکن کا کوئی سفر نامہ یا وہاں کی کسی شخصیت کی آپ بیتی پڑھیں اور اپنا تاثر قلم بند کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

- ہند میں مسلم دورِ حکومت کا خاتمہ، از ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی
- سیرتِ ٹیپو سلطان شہید، از مولانا محمد الیاس ندوی
- سیرتِ سید احمد شہید، از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
- تاریخ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، از سید خورشید مصطفیٰ رضوی
- بیگمات کے آنسو از خواجہ حسن نظامی
- میدانِ شاملی وتھانہ بھون، از سید نجم الحسن تھانوی، ناشر: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان

پانچواں باب

برصغیر میں مسلم تہذیب وتمدن

تعارف:

برصغیر میں مسلمان حکمرانوں نے عدل وانصاف ، رواداری اوررحم دلی کی سیاست اپنائی اور مسلسل خدمات سے اس ملک کو چار چاند لگادیے۔ اس دور میں برصغیر صنعتی وتجارتی اعتبار سے دنیا کا سب سے خوشحال ملک شمار ہوتا تھا۔ اس باب میں مسلم دور کے حوالے سے برصغیر کی اخلاقی، علمی، ادبی ، زرعی، صنعتی اور تجارتی اہمیت کو سامنے لایا گیا ہے۔

اہداف:

اس باب کو پڑھ کر آپ ان شاء اللہ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

1. برصغیر میں مسلم حکمرانوں کی رواداری اوررحم دلی سے روشناس ہوسکیں۔
2. مسلم دور کے علمی وادبی ذوق سے آگاہ ہوسکیں۔
3. اس دور کے عام آدمی کی مطمئن زندگی سے واقف ہوسکیں۔
4. یہ جان سکیں کہ اس دور میں برصغیر کتنا خوشحال اور مالا مال تھا۔

(یونٹ: 3.16)

برِ صغیر میں مسلم تہذیب وتمدن

مسلم حکمران جہاں بھی گئے، انہوں نے علوم وفنون کی آبیاری کی اور وہاں اسلامی تہذیب وتمدن کا خوب صورت رنگ جمادیا۔ رفاہی کاموں، علمی ترقی اور صنعت وحرفت میں پیش قدمی کے ذریعے انہوں نے ملک کو خوشحال بنایا اور شہریوں کو مطمئن اور آسودہ حال کردیا۔ ذیل میں ہندوستان کے مسلم دور کی کچھ خوبیوں کا جائزہ لیا جارہا ہے:

عام آدمی کی معاشی آسودگی

مسلم دور میں عام آدمی خوشحال اور مطمئن تھا۔ چاندی کا عام سرکاری سکہ "درہم سلطانی" یا "روپیہ" کہلاتا تھا (جس کی مالیت تقریباً ایک امریکی ڈالر بنتی ہے۔)[①] اشیائے صرف نہایت ارزاں تھیں، مثلاً: جو ایک روپیہ من، گندم تین روپیہ من، چاول پونے دو روپے من، چنا تین روپے من، چھوٹا یا بڑا گوشت ایک روپے میں چھ سیر، مرغیاں تین روپے میں چار، شکر تین روپے کی پانچ سیر، ہر قسم کی ترکاری ایک روپے میں چار سیر۔ عام شخص کی ماہانہ تنخواہ پانچ تا دس روپیہ تھی۔[②] عام آدمی پانچ روپے میں اپنے پورے کنبے کے مہینے بھر کا خرچ بڑی آسانی سے چلالیتا تھا۔ کرنسی کی اعلیٰ قسم سرخ تنکہ (سرخ ٹکہ) کہلاتی تھی۔ یہ سونے کا سکہ تھا، جو ایک دینار یا اشرفی کی مالیت رکھتا تھا۔ مسٹر سیول میریٹ ممبر کونسل نے ۱۸۳۶ء میں لکھا: "برطانیہ کا دورِ حکومت مہربان اور مقبول بتایا جاتا ہے مگر اس عہد میں ہندوستان جس حالت کو پہنچ گیا ہے، اگر اس کا موازنہ دیسی حکمرانوں کے عہد سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُس وقت لوگ خوشحال تھے۔"[③]

رفاہ عام کے کام

مسلمان حکمران مریضوں، اپاہجوں اور معذوروں کی ضروریات کی کفالت کرتے تھے۔ مسافروں کی سہولیات کے لیے شاہراہوں کی وسعت وحفاظت، ان کے کنارے سایہ دار اور پھل دار درختوں کی شجرکاری اور مسافر خانوں کی تعمیر ان حکمرانوں کے ہمیشہ پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں اس حوالے سے کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

محمد تغلق ہر سال رعایا میں کپڑوں کے دو لاکھ جوڑے اور دس ہزار گھوڑے تقسیم کرتا تھا۔ روزانہ اس کے مہمان خانے میں بیس ہزار افراد کو دو وقت کا کھانا کھلایا جاتا تھا۔ شاہی باورچی خانے میں یومیہ اڑھائی ہزار گائیں اور بیس ہزار بکریاں

---

① یہ چوتھائی درہم کے بقدر تھا۔ تقدیرہ ربع دوھم۔ (مسالک الابصار: ۳ص ۸۴) یعنی (0.85) گرام چاندی کا۔ پس اس کی قیمت موجودہ حساب سے تقریباً ایک ڈالر ہوگی۔ نوٹ: اشیائے صرف میں من سے مراد چالیس ہندی سیر کا من ہے، عربی پیمانہ مراد نہیں۔

② الخطط للمقریزی: ۳ص ۳۰۵ تا ۳۰۷

③ برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟: ص ۸۹

ذبح کی جاتی تھیں۔ دہلی میں مفت علاج مہیا کرنے والے ستر سرکاری شفاخانے اور ایک ہزار مدرسے تھے۔ سلطان کی قلمرو میں دو ہزار مسافر خانے تھے۔ اس کی جانب سے یومیہ چھ لاکھ درہم صدقہ کیے جاتے تھے۔ نیز چالیس ہزار فقراء و مساکین کو گھر کا خرچہ دیا جاتا تھا جو دو سیر گندم، دو سیر چاول اور ایک درہم پر مشتمل ہوتا تھا۔ ①

فیروز شاہ نے غریب خاندان کی لڑکیوں کی شادی کے لیے اس کے والدین یا سرپرستوں کو مالی تعاون فراہم کرنے کے لیے ایک محکمہ قائم کیا جسے دیوانِ خیرات کہا جاتا تھا۔ یہ محکمہ مستحق خاندانوں کو بیس سے پچاس تنکہ ② (ہزار تا اڑھائی ہزار ڈالر) کا تعاون فراہم کرتا۔ ③ علماء و مشائخ کی خدمت کے لیے سالانہ چھتیس لاکھ تنکہ (۱۸ کروڑ ڈالر) اور غریبوں مسکینوں کے لیے سالانہ ایک کروڑ تنکہ (۵۰ کروڑ ڈالر) کا بجٹ الگ سے جاری کیا جاتا تھا۔ ④

شیر شاہ سوری نے سلطنت کے تمام گوشوں کو مربوط کرنے کے لیے بنگال کے شہر سنار گاؤں سے پشاور تک ایک طویل پکی سڑک بنوائی جو جرنیلی سڑک کہلائی۔ اس پر دو رویہ سایہ دار اور پھل دار درخت بکثرت تھے۔ ہر منزل پر ایک سرائے تھی جس کے ساتھ مسجد اور پانی کی سبیل تھی۔ مسلمان اور ہندوؤں کے لیے الگ الگ مفت کھانے کا انتظام تھا۔ خدمت کے لیے ملازم تھے جو بستر بچھاتے، پینے کا ٹھنڈا پانی اور غسل کے لیے گرم پانی مہیا کرتے اور گھوڑوں کو دانہ ڈالتے۔ ہر سرائے کے ساتھ باؤلی تھی جس کی کشادہ سیڑھیوں سے مویشیوں کو اتار کر پانی پلانا آسان تھا۔ ⑤

سکندر لودھی کے دور میں اناج اور تمام ضروریاتِ زندگی بہت سستی تھیں اس لیے کم آمدنی والے لوگ بھی آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے باوجود ہر شہر میں محکمہ خیرات کے ناظم مقرر تھے جو غریبوں کا حال خود معلوم کرتے اور سلطان سے رقم لے کر انہیں پہنچادیتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر چھ ماہ بعد سلطنت کے تمام غریبوں، مسکینوں اور مستحق افراد کی فہرست سلطان کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور وہ ان سب کو اتنا وظیفہ بھیج دیتا جو چھ ماہ کے لیے کافی ہوتا تھا۔ ⑥

عدل و انصاف اور رحم دلی

مسلمان بادشاہوں نے عدل و انصاف اور رحم دلی کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال اس سے قبل برصغیر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انہوں نے ایسا نظام قائم کیا کہ تمام طبقوں کی آواز ایوانِ اقتدار میں پہنچتی تھی۔ انصاف قائم رکھنے کے لیے جگہ جگہ قاضیوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ خود مظلوموں کی فریاد سننے کا اہتمام کرتے تھے اور مخصوص اوقات و ایام میں کھلی کچہریاں لگا کر لوگوں کی شکایات سنتے تھے۔

محمود غزنوی کے بارے میں "سی، دی، ویدیہ" (مصنف مہابھارت پر ایک تنقیدی نظر) لکھتا ہے:

---

① الخطط للمقریزی: ج ۱، ص ۳۰۵ تا ۳۰۹

② تنکہ کو تنکہ، تنگہ یا تنگہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ آٹھ درہم کے بقدر چاندی کا ہوتا تھا۔ آج کل چاندی کے حساب سے اس کی قیمت تقریباً ۵۰ ڈالر بنے گی۔

③ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲، ص ۲۱۹، ۲۲۰

④ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲، ص ۱۹۲

⑤ تاریخ ہندوستان: ج ۳، ص ۳۲۹ تا ۳۳۱

⑥ تاریخ فرشتہ: ج ۱، ص ۳۰۶؛ تاریخ ملت: ج ۳، ص ۶۰۵

''وہ عدل پسند تھا اس لیے ظلم سے اتنی نفرت کرتا تھا کہ اگر اس کا لڑکا بھی زنا کا مرتکب ہو جاتا تو اس کو قتل کر دینے کے لیے تیار ہوتا۔''①

سلطان غیاث الدین بلبن اپنے رعب داب کے باوجود نہایت عادل تھا۔ وہ اپنے امرا کو کہا کرتا تھا:

''بادشاہ کو چاہیے کہ وہ مکمل انصاف سے کام لے، ماتحتوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتا رہے تاکہ ملک سے ظلم وستم کا نام ونشان تک مٹ جائے۔''②

ایک بار بلبن نے حکم دیا کہ تمام بوڑھے سپاہیوں کو کچھ رقم دے کر معزول کر دیا جائے کیوں کہ وہ سرکاری خزانے پر بوجھ بن رہے ہیں۔ اس حکم سے فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ بوڑھے سپاہیوں نے ایک درباری کو سفارشی بنا کر بلبن کے پاس بھیجا۔ وہ دربار میں جا کر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ بلبن نے اسے پریشان دیکھ کر خود ماجرا پوچھا۔ وہ کہنے لگا:

''دربار میں بوڑھوں کی فریاد پر کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں قیامت کے دن ہم بوڑھے رحمتِ الٰہیہ سے بھی اسی طرح محروم ہو گئے تو کیا بنے گا۔''

بلبن یہ سن کر رو پڑا اور اسی وقت معزول بوڑھے سپاہیوں کے لیے تنخواہ کے برابر پنشن جاری کر دی۔③

محمد تغلق اپنی مشہورِ زمانہ ہیبت اور سطوت کے باوجود عدالت کی طرف سے طلبی پر عام آدمی کی طرح حاضر ہو جاتا تھا۔ ایک بار ایک ہندو نے اس پر اپنے بھائی کے قتل کا دعویٰ کر دیا۔ سلطان عام ملزم کی طرح عدالت کے کٹہرے میں پیش ہوا۔ اس نے ہندو کو راضی کر کے اس مقدمے سے خلاصی پائی۔ ایک بار ایک شخص نے اس پر مالی زیادتی کا دعویٰ کیا۔ سلطان عدالت میں حاضر ہوا۔ فیصلہ اس کے خلاف ہوا۔ سلطان نے مدعی کو مطلوبہ مال دے دیا۔④

غیاث الدین تغلق کا عدل وانصاف بھی مشہور ومعروف ہے۔ مؤرخ فرشتہ اس کے بارے میں لکھتا ہے:

''وہ دیوانِ عام میں بیٹھ کر رعایا کے حالات سنتا۔ ان کی معاشی مشکلات دور کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ عام بادشاہوں کی طرح مسند نشینی کا قائل نہ تھا بلکہ خود کو رعایا کا ایک معمولی خادم سمجھتا تھا۔''⑤

سلطان بہلول لودھی بھی بہت سادگی پسند تھا اور عام آدمی کی طرح رہتا تھا۔ ایک بار ایک خطیب نے اس کی مادری زبان (پشتو) کو وحشیانہ زبان قرار دیا اور اس کے خاندان کو ''اولادِ شیطان'' کہہ دیا۔

بہلول لودھی نے مسکرا کر صرف اتنا جواب دیا: ''ہم سب ہیں خدا کے بندگان۔''⑥

---

① ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی ایک جھلک: ص ۳۳

② تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۱۹۳

③ تاریخ فرشتہ: ۱ ص ۱۹۷، ۱۹۸، تاریخ ملت: ج ۳ ص ۳۹۰ تا ۳۹۲

④ سفرنامہ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۳۶۵

⑤ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۲۹۳

⑥ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۳۵۱، ۳۵۲

سکندر لودھی کے دور میں ایک جاگیردار نے کسی سیّد کی زمین چھین لی۔ سیّد نے عدالت سے رجوع کیا مگر مقدمے کی نوعیت اور ثبوت ذرا پیچیدہ قسم کے تھے۔ اس لیے دو ماہ تک کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر سیّد نے معاملہ سلطان کی عدالت تک پہنچا دیا۔ سلطان نے فریقین کو طلب کر لیا۔ پہلے مقامی حاکم سے باز پرس کی کہ اتنے دنوں تک مقدمے کا فیصلہ کیوں نہ کیا۔ پھر اعلان کیا کہ آج اس وقت تک مجلسِ عدالت ختم نہیں ہوگی جب تک اس قضیے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ اس دن علماء اور قاضی رات گئے تک عدالت میں بیٹھے اسی مسئلے کو حل کرتے رہے۔ آخر میں سیّد کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اب سلطان نے جاگیردار کو بلا کر سب کے سامنے اس سے اعترافِ جرم کرایا اور پھر جاگیرداری سے برطرف کر دیا۔ ①

مغل بادشاہ ہمایوں بھی نرم دل اور مہربان حکمران تھا۔ حکیم عبدالحئی الحسنی مرحوم اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کی طبیعت میں سخاوت اور رحم دلی غالب تھی، اس صفت میں وہ حد سے بڑھ گیا تھا، یہ چیز اس کے مخالفین کے لیے سب سے بڑی مددگار اور اس کے لیے بار بار الیوں کا سبب ثابت ہوئی۔ وہ مخالفین سے ہمیشہ چشم پوشی کرتا اور انہیں بڑے بڑے مناصب دے دیتا۔ اسی لیے پنجاب اور گجرات دو مرتبہ اس کے ہاتھ سے نکلے۔'' ②

جہانگیر کا عدل اور اس کی زنجیرِ عدل مشہور و معروف ہے۔ اس کا جانشین شاہ جہاں بھی عادل اور رحم دل تھا۔ وہ صبح شام دو وقت جھروکے میں عوام کے جمِ غفیر کے سامنے آتا اور غریبوں کی ضروریات سن کر انہیں دامن بھر کے روپیہ پیسہ دیتا۔ وہ کہا کرتا تھا: ''خدائے بندہ نواز نے بادشاہوں کو حکمران اور انسانوں کو ان کا فرمان بردار بنایا ہے۔ انہیں ایسی سیاست کرنی چاہیے کہ ظالم کا ہاتھ مظلوم کے دامن تک نہ پہنچ سکے۔'' ③

اس کے مراسلوں میں احکام کے علاوہ حکمت و نصیحت کی باتیں ہوتی تھیں۔ ایک مراسلے میں ایک امیر کو لکھتا ہے:

''اے فرزند! تمہیں ہمیشہ اپنی مملکت کے سپاہیوں اور رعایا پر خوب مہربانی کرنی چاہیے۔ اگر کسی سے کوئی ایسا قصور ہوا ہو جو چشم پوشی کے قابل نہ ہو تو اس کوتاہی کے مطابق تنبیہ کی جائے۔ بلاضرورت ایسا نہیں کرنا چاہیے اور دلوں کو احسان سے جیتنا چاہیے۔'' ④

اورنگ زیب عالمگیر کے ہاں دن میں دو بار فریادیوں کو حاضری کا موقع ملتا تھا۔ ہر فریادی کو بادشاہ سے گفتگو کا موقع دیا جاتا اور مظلوم کی دادرسی کی جاتی۔ بادشاہ کی جانب سے ہر علاقے میں وکیلِ شاہی مقرر رہتے کہ اگر کسی کا کوئی حق بادشاہ کے ذمے ہو یا بادشاہ کے خلاف کوئی دعویٰ ہو، تو وہ اس کا ثبوت پیش کر کے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ رعایا کا خیال ہمیشہ اس نیک حکمران کو بے چین کیے رہتا تھا اور تاجروں اور مسافروں کے مفاد پر اس کی خاص توجہ رہتی تھی۔ ⑤

---

① تاریخ ملت: ج ۳ ص ۲۰۳
② نزہۃ الخواطر: ج ۴ ص ۳۳۴، ۳۳۵
③ تاریخ ہندوستان: ج ۷ ص ۶۲ تا ۶۳
④ تاریخ ہندوستان: ج ۷ ص ۱۳۹، ۱۵۰
⑤ اورنگ زیب عالمگیر از مولوی احمد الدین: ص ۹۸ تا ۱۰۰، ط لاہور سنہ ۱۹۰۵ء

زراعت اور باغبانی

مسلمان حکمرانوں نے اس خطے کی زراعت کو کئی گنا بڑھا دیا جس سے عام آدمی کی معیشت کو بڑی ترقی ہوئی۔ قدیم سیاحوں کے مطابق اس دور میں زراعت سے پورا ملک سرسبز تھا۔ اشیائے خورد و نوش نہایت سستی تھیں۔ علاؤ الدین خلجی نے کاشت کاروں اور صارفین کے درمیان فاصلے ختم کر دیے۔ حکم یہ تھا کہ کاشت کار اپنی ضرورت سے زائد اناج پاس نہ رکھیں بلکہ کٹائی کے بعد اسے کھیت ہی میں حکومتی اہلکاروں کو فروخت کر کے نقد قیمت وصول کر لیں۔ ①

غیاث الدین تغلق نے نہریں کھدوانے اور بنجر زمینوں کو زیرِ کاشت لانے کی مہم شروع کی۔ اس طرح ہر سال زرعی رقبے میں برابر اضافہ ہوتا رہا، پیداوار بہت بڑھ گئی اور غلے کے نرخ ارزاں ہو گئے۔ اس نے کسانوں کو اہلکاروں کی زیادتیوں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کرایا۔ سلطان جاگیرداروں کی زمینوں کی انتظامی روداد خود ملاحظہ کرتا اور کسی جبر، غبن یا زیادتی کا شبہ ہونے پر تحقیق کراتا اور زیادتی کرنے والے کو سزا دیتا۔ اس نے کاشت کاروں کو مراعات دیں اور محصولات کے افسران کو کاشت کاروں سے زیادہ لگان نہ لینے کی تاکید کی۔ ②

فیروز شاہ تغلق نے نہریں نکالنے، ان کی صفائی کرانے، پشتے بنانے اور سیلابوں کی روک تھام پر بھی خاص توجہ دی۔ ہر سال موسم برسات میں امراء کی ایک جماعت جا کر نہروں کا جائزہ لیتی کہ سیلاب کا پانی کہاں تک پہنچتا ہے۔ پھر اس کے مطابق پیش بندی کر لی جاتی۔ ③ اس کے دور میں کوئی زمین بنجر نہیں رہنے دی گئی۔ اسی بناء پر اس کے چالیس سالہ دورِ حکومت میں کبھی قحط پڑا، نہ اشیائے صرف مہنگی ہوئیں۔ ہر چیز ارزاں، عمدہ اور بکثرت دستیاب تھی۔ ④

ہندوستان کے مسلم حکمران اس ملک کو نت نئے پھلوں اور پھولوں سے گلزار بناتے رہے۔ فیروز شاہ نے انگوروں کے کئی باغات لگوائے جن میں انواع و اقسام کے انگور پیدا ہوتے تھے۔ سلطان محمود بیگڑہ نے گجرات میں آم، انار، جامن اور گولر کے باغات لگوائے۔ اکبر کے دور میں ہندوستان میں پھلوں اور پھولوں کی پیوند کاری کا رواج شروع ہوا جو پہلے نہ تھا۔ اکبر نے پہلی بار عراق اور خراسان سے خربوزے منگوا کر ان کی کاشت کرائی۔ باغات میں صندل، صنوبر اور دوسرے خوشبودار درخت لگانے کا رواج بھی مغلوں کے دور میں شروع ہوا۔ دُنیا کے بہترین پھول نہ صرف ایران بلکہ یورپ تک سے منگوا کر ہندوستان میں عام کیے گئے۔ جہانگیر کے دور میں دوسرے ملکوں سے مختلف انواع کے میوے اور پھل منگوا کر ہندوستان میں ان کی کاشت کی گئی جس کے باعث پھلوں کی تجارت کو بڑا عروج ملا۔ شاہ جہاں نے اپنے دور میں پیوند کاری کے ذریعے جگہ جگہ کشمیر کے پھلوں کے باغات لگوائے اور انہیں بہت عام کیا۔ ⑤

---

① تاریخ فرشتہ: ج ا ص ۲۵۸ تا ۲۶۲

② تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ: ص: ۲ ص ۹۷ تا ۹۹

③ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۲۱۰

④ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۱۸۳

⑤ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے: از ۱۳۳ تا ۱۴۱

صنعت و حرفت کی ترقی

مسلمانوں نے ہندوستان کو صنعت وحرفت میں بے مثال بنادیا تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے غلاموں کی افرادی قوت سے پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور انہیں مختلف علوم وفنون میں طاق کرنے کے لیے ایک الگ محکمہ قائم کردیا۔ اس محکمے کے تحت ذہین غلاموں کو حافظ، محدث، مناظر اور فقیہ بنادیا جاتا۔ آرٹ سے دلچسپی رکھنے والوں کو خوش نویسی، گلکاری اور معماری سکھائی جاتی۔ طاقتور اور ہوشیار غلاموں کو بہترین سپاہی بنادیا جاتا۔ اس طرح ایک لاکھ اسی ہزار غلاموں کی تربیت کی گئی جن میں سے بارہ ہزار مختلف علوم وفنون اور صنعت وحرفت کے ماہر تھے۔ اس افرادی قوت سے کام لیتے ہوئے فیروز شاہ تغلق نے ۳۶ سرکاری کارخانے کھلوائے تھے جن میں مختلف قسم کی صنعت وحرفت جاری تھی۔ ہر کارخانے کی نگرانی کسی نہ کسی امیر کے ذمے ہوتی تھی۔ ①

اہلِ فن کی سرپرستی نے ذہین لوگوں کو نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے پر ابھارا۔ فیروز شاہ تغلق کے دور میں ایک ہنرمند نے ایک عظیم الشان گھڑیال تیار کیا جو نمازوں اور افطار وسحر کے اوقات بھی بتاتا تھا۔ ان اوقات کے شروع اور ختم ہونے پر گھنٹہ بجتا تھا جس کی آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔ اسے "طاس گھڑیال" کا نام دیا گیا اور فیروز آباد میں ایسی جگہ آویزاں کردیا گیا جہاں ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ ②

محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی میں کپڑے کے دو بڑے کارخانے تھے جن میں چار چار ہزار آدمی کام کرتے تھے، ایک میں سوتی اور دوسرے میں زری کا کام ہوتا تھا۔ ③

ہندوستان کی زمین سے لوہا بکثرت نکلتا تھا اور اس کی ڈھلائی کے یہاں بے شمار کارخانے موجود تھے جن میں ہتھیاروں کے علاوہ ہر قسم کے اوزار، کیل، میخ، بولٹ یہاں تک کہ جہازوں کے لنگر بھی تیار کیے جاتے تھے۔ ④

یہاں کے مختلف قسم کے تیل، روغن، عطر، چٹائیاں اور اس قسم کی بہت سی چیزیں دنیا بھر میں مقبول تھیں۔ یہاں کی لذیذ مچھلیاں اور عمدہ مکھن بھی یورپ میں بہت پسند کیے جاتے تھے۔ جہاز سازی اور جہاز رانی بنگال، گجرات اور دیگر ساحلی علاقوں کا قدیم پیشہ تھی، مسلم دور میں اس فن نے مزید ترقی کی۔ عمدہ ساگوان کی پیداوار کے باعث یہاں اعلیٰ پائے کے بحری جہاز تیار ہوتے تھے جس کے باعث یورپ کے تاجر اور تجارتی کمپنیوں نے تجارتی اور جنگی جہاز ہندوستان کے کارخانوں میں بنوانا شروع کردیے۔ ⑤

---

① تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۲۰۷، ۲۰۸

② تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف: ص ۲۵۵

③ ہندوستان کی صنعت وتجارت از مولانا منت اللہ رحمانی: ص ۹، ۱۰

④ ہندوستان کی صنعت وتجارت از مولانا منت اللہ رحمانی: ص ۲۲ تا ۲۴

⑤ بحوالہ بالا: ص ۲۶ تا ۲۸، ص ۳۳ تا ۳۵

کاغذ سازی کی صنعت بھی یہاں مسلمان حکمران لائے۔ کشمیر، گجرات، بہار، پٹنہ اور دولت آباد میں میں کاغذ سازی کے بکثرت کارخانے لگ گئے۔ کاغذ کی مختلف اقسام وجود میں آئیں جو کشمیری، احمد آبادی، جہانگیری، حیدر آبادی، شربتی، سمرقندی، روبکاری اور اصفہانی کہلاتی تھیں۔ ان اقسام کی بیرون ممالک میں بڑی مانگ تھی۔ ①

برطانوی سرکاری افسر اور مؤرخ ولیم مورلینڈ کے مطابق نہ صرف چاول، شکر، سیاہ مرچ، ادرک، ہلدی، الائچی اور مفرد اَدویات بلکہ موتی اور ہیرے بھی یورپ برآمد کیے جاتے تھے۔ وہ بتاتا ہے کہ ہندوستان کی برآمدات میں سوت اور اس کی مصنوعات سب سے اہم تھیں جن میں رنگا ہوا سوتی کپڑا بھی شامل تھا۔ وہ لکھتا ہے: "(ہندوستان کی) سوتی برآمدات حد درجہ متنوع ہوا کرتی تھیں جن میں مَلمَل، تن زیب، پوشاک اور پر تکلف ملبوسات ہوتے تھے۔" ان کے علاوہ وہ چھینٹ، رومال، ریشم سے ملے جلے اور نقش ونگار سے مزین مختلف قسم کے کپڑوں کا ذکر بھی کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ۱۶۱۹ء میں سورت سے جانے والے ایک جہاز میں تیس مختلف اَقسام کا کپڑا لدا ہوا تھا۔ اس کے بقول قدیم برطانوی ریکارڈ میں ہندوستان سے لائے جانے والے کپڑے کی "۱۳۰" اَقسام درج ہیں۔ ②

مسٹر تھارٹن اپنے سفرنامے میں ہندوستان کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"چاروں طرف صنعت وحرفت کے کاروبار جاری تھے۔ لوگ دن رات کاروبار میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں بڑے بڑے لائق کاریگر اور صناع موجود تھے جو یہاں کی خام پیداوار سے اتنا نفیس اور عمدہ مال تیار کرتے تھے جس کی دنیا بھر میں مانگ ہوتی تھی۔ مشرق اور مغرب کے تمام ممالک ان اشیاء کو بڑے شوق سے خریدتے تھے اور دنیا کا کوئی ملک ان کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔ یورپ اور فرانس کی حسینائیں یہاں کا تیار کردہ لباس استعمال کرتی تھیں۔" ③

میجر باسو کا بیان ہے:

"رعایا کی خوش حالی اور سرمایہ داری کے لحاظ سے مسلمانوں کا دورِ حکومت سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ دولت مندی اور آرام وچین کا جو نقشہ شاہ جہاں کے وقت میں دیکھنے میں آتا ہے، بلاشبہ بے مثل و بے نظیر تھا...... بنگال کے سیٹھوں کا کاروبار بینک آف انگلینڈ کے برابر پھیلا ہوا تھا جو کہ انگلستان کا سب سے بڑا بینک ہے۔ کیپٹن الیگزینڈر ہملٹن کے بیان کے مطابق سورت کے ایک تاجر عبدالغفور کا سرمایہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے برابر تھا۔ انہی وجوہ سے لارڈ کلائیو نے ہندوستان کی دولت کو لازوال دولت کہا تھا۔" ④

① ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے: ص ۲۲۱ تا ۲۲۴

② (India from Akbar to Aurangzeb by, William Harrison Moreland: 53 to 57)

علم وادب

مسلمانوں نے برصغیر میں علوم وفنون اور شعروادب کو معراج تک پہنچادیا۔ طب، کیمیا، طبیعیات، ریاضی، فنِ تعمیر اور فلکیات کے فنون کو غیر معمولی ترقی نصیب ہوئی۔ اکثر شہر علماء، ادباء اور شعراء سے آباد تھے۔ امام محمد حسن صنعانی، حضرت مجدد سرہندی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، سید مرتضیٰ زبیدی، علامہ طاہر پٹنی، شیخ علی متقی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علماء نے اس ملک کو زینت بخشی۔ سلطان محمود غزنوی کا دربار بڑے بڑے نامور علماء سے آراستہ تھا جن میں البیرونی (م ۴۴۰ھ۔ ۱۰۴۹ء) جیسا دانشور، فلسفی، ماہرِ فلکیات اور جغرافیہ دان بھی تھا جس نے ہندوستان کی تہذیب وثقافت پر ''کتاب الہند'' جیسی تصنیف پیش کی۔ محمود غزنوی نے البیرونی کے لیے پنڈ دادن خان میں ایک عظیم رصدگاہ تعمیر کی۔ اس کے دور میں فارسی شاعری کی سرپرستی ہوئی اور فردوسی جیسے شعراء کا نام اور کلام مشہور ہوا۔

شہاب الدین غوری نے اجمیر سمیت کئی علاقوں میں تعلیم گاہیں اور مساجد بنوائیں۔ شمس الدین التمش نے دہلی میں ''مدرسہ ناصریہ'' جیسی عظیم درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ فیروز شاہ تغلق نے مساجد، مدارس اور خانقاہوں کی تعمیر اور آبادی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ① سلاطینِ دہلی نے ہزاروں درسگاہیں کھلوائیں۔ المقریزی اپنی تصنیف ''الخطط'' میں محمد تغلق کے دور کے حوالے سے بتاتا ہے کہ فقط دہلی میں ایک ہزار مدارس تھے۔ اس سے ہم اس دور میں معاشرے کی علمی ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ② فیروز شاہ تغلق نے فیروز آباد میں ''فیروز شاہی مدرسہ'' قائم کیا جو دہلی کا سب سے بڑا اور نہایت شاندار مدرسہ تھا۔ مدرسے کے مہتمم مولانا جلال الدین رومی تھے۔ ③

ان مدارس کے فضلاء نے ہر موضوع پر بے شمار کتابیں لکھیں۔ فیروز شاہ تغلق کے دربار سے وابستہ ایک امیر تاتارخان نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' مرتب کی جس میں علمائے احناف خصوصاً علمائے دہلی کے فتاویٰ جمع ہیں۔ ④ علم حدیث میں امام حسن صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مشارق الانوار'' اور علامہ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کنز العمال'' جیسی مفید کتب پیش کیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ کی شرح ''اشعۃ اللمعات'' کے نام سے لکھی۔

سلاطینِ دہلی نے سنسکرت اور دوسری اقوام کی متعدد کتب کے عربی وفارسی تراجم کرائے۔ فیروز شاہ تغلق کو ''نگر کوٹ'' کی فتح کے بعد وہاں کے ایک مندر میں تیرہ سو قدیم کتب کی موجودگی کا علم ہوا۔ سلطان نے ان میں سے بعض کتب کا ترجمہ کرایا۔ ان میں سے ایک کتاب حکمت پر تھی جس کا ترجمہ ''دلائل فیروز شاہی'' کے نام سے کیا گیا۔ ⑤

① تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۶۰، ۶۱، ص ۸۹ تا ۹۹
② الخطط للمقریزی: ۳ ص ۳۰۵، ۳۰۶
③ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از مولانا ابوالحسنات ندوی: ص ۲۴، ۲۵
④ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۲۲۳، ۲۲۴
⑤ منتخب التواریخ: ص ۱۷۲؛ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۲۲۴

سلطان محمد تغلق کی جانب سے ایک ہزار ماہانہ کی تنخواہیں مقرر تھیں تاکہ وہ بے فکری سے بچوں کو پڑھاتے رہیں۔ ①

مغل بادشاہوں نے بھی علمی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اکثر مغل بادشاہ خود بھی علم وفضل کا شغف رکھتے تھے۔ بابر جنگجو اور مہم جو ہونے کے باوجود مطالعے کا شیدائی تھا۔ سفر ہو یا حضر، کتب خانہ ضرور اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ ②

ہمایوں بھی بڑا عالم فاضل بادشاہ تھا۔ ریاضی کا ماہر اور علوم کا شوقین تھا۔ علماء اور اہلِ علم وفضل کو ساتھ رکھتا تھا۔ ③

جہانگیر کے دور میں پہلی بار قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ کام شیخ محمد بن جلال گجراتی نے کیا جو لفظی تھا۔ جہانگیر کی ہدایت تھی کہ مترجم اپنی طرف سے کوئی لفظ نہ بڑھائے۔ ④

شاہ جہاں کے درباری امراء بڑے عالم فاضل، باصلاحیت اور علم نواز تھے۔ جناب امیر سعد اللہ خان، حافظِ قرآن اور معقولات ومنقولات کے عالم تھے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی دربار کے اہم رکن تھے جنہیں شاہ جہاں نے دو مرتبہ روپوں میں تلوایا اور انہیں موقع دیا کہ وہ اپنے آبائی علاقے میں رہ کر سرکاری خرچ پر تصنیف وتالیف کا کام کرتے رہیں، چنانچہ ملا صاحب نے متعدد کتب کی شروح وحواشی پر کام کیا۔ دربار سے اس خدمت کے عوض انہیں ماہانہ ایک ہزار روپے دیے جاتے تھے۔ وہ ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۷ء) میں فوت ہوئے اور سیالکوٹ میں تدفین ہوئی۔ ⑤ ملا محمد فاضل، قاضی محمد اسلم، قاضی محمد سعید، ملا میرک اور ملا عبدالسلام بھی دربارِ شاہجہانی کے مشہور فاضل تھے۔ ملا عبداللطیف سہارنپوری اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے۔ ⑥

مغلوں کے دورِ زوال میں بھی ہر ہر گاؤں اور بستی میں ایسے مکتب قائم تھے جہاں لکھنے پڑھنے اور حساب کتاب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لاتعداد مدرسے اور مدارسِ عالیہ طلبہ سے آباد تھے جن میں دینی اور عصری علوم سکھائے جاتے تھے۔ والیانِ ملک اور امراء تعلیم کی پوری سرپرستی کرتے تھے۔ اس کے لیے جاگیریں دیتے اور جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہو جانے کے باوجود اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں صرف ریاست روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار علماء مختلف مدارس میں درس دیتے تھے جنہیں نواب حافظ رحمت خان کی طرف سے تنخواہیں ملتی تھیں۔ ⑦

کیپٹن الیگزنڈر ہملٹن اپنے سفرنامے میں اورنگ زیب عالمگیر کے دور کا حال بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ صرف ٹھٹھہ شہر میں علوم وفنون کے چار سو کالج تھے۔ مسٹر کیر ہارڈی نے میکس مولر کے حوالے سے لکھا ہے:

> ”انگریزی عمل داری سے قبل بنگال میں ۸۰ ہزار مدارس تھے۔ اوسطاً چار سو آدمیوں کے لیے ایک مدرسہ ہوتا تھا۔ مگر جس جگہ ہم نے پرانا نظام توڑ دیا وہاں سے گاؤں کا اسکول غائب ہو گیا ہے۔“ ⑧

لالہ لاجپت رائے نے اپنی کتاب ”ان ہپی انڈیا“ میں انگریز افسران کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مسلم عہد کے

---

① الخطط للمقریزی: ج۳ ص ۳۰۹ ② تزک بابری: ۳۳۹ ③ نزہۃ الخواطر: ج۳ ص ۳۴۴، ۳۴۵
④ نزہۃ الخواطر: ج ۵ ص ۵۱۷؛ تاریخ الاسلام فی الہند: ص ۳۳۶، ۳۳۷ ⑤ بزم تیموریہ: ۳۱۲؛ مآثر الکرام: ج۱ ص ۲۰۵
⑥ بزم تیموریہ: ۲۱۳ تا ۲۱۶ ⑦ برٹ نوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟ ص ۳۶ ⑧ برٹ نوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟ ص ۳۷

ہندوستان میں پڑھے لکھے افراد کا تناسب برطانوی دور سے زیادہ تھا۔ (1)

مسلم عہد میں یہاں جن اسلامی علوم وفنون پر کام ہوا، ان میں فقہ، اصولِ فقہ، علم صرف، علم نحو، شروحِ حدیث، عقائد اور تصوف نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ ریاضی، الجبرا، لوگارتھم، جیومیٹری، علمِ مساحت (پیمائشِ اراضی)، علمِ سیاست، جغرافیہ اور فلکیات پر بھی بہت عمدہ کتابیں لکھی گئیں۔

طب میں ہندوستانی حکماء دنیا بھر میں مشہور تھے۔ حکیم سراج گجراتی، حکیم حاذق اکبرآبادی، حکیم جعفر جون پوری، حکیم شاء اللہ میرک دہلوی، حکیم بقا دہلوی اور حکیم ارزانی کا شہرہ دور دور تک تھا۔ فنِ حکمت پر حکمائے ہند نے بہت سی کتب لکھیں چنانچہ حکیم محمد حسین مرشد آبادی کی ''مخزن الادویہ''، حکیم شریف الدین سہاروی کی ''مفرداتِ ہندی''، حکیم اکبر دہلوی کی ''قرابادینِ قادری''، حکیم بقا کی ''قرابادینِ بقائی'' اور حکیم ارزانی کی ''طبِ اکبر'' اس سلسلے میں مشہور ہیں جن سے بعد کے حکماء نے خوب استفادہ کیا۔ (2)

مسلمانوں سے پہلے ہندوستان کی تاریخ محفوظ نہیں تھی۔ دیوی دیوتاؤں کے فرضی قصوں اور بھانت بھانت کی کہانیوں کو تاریخ کا نام دیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے نہ صرف اپنے عہد کی تاریخ کو محفوظ رکھا بلکہ قدیم ہندوستان کی تاریخ سے بھی قابلِ اعتماد مواد کو چن کر پیش کر دیا۔ چنانچہ محمد قاسم فرشتہ کی ''تاریخِ فرشتہ''، قاضی منہاج السراج کی ''طبقاتِ ناصری''، شمس سراج عفیف کی ''تاریخ فیروز شاہی''، اسی نام سے ضیاء الدین برنی کی تاریخ، ملا عبدالقادر بدایونی کی ''منتخب التواریخ''، ابوالفضل کی ''آئینِ اکبری'' اور محمد صالح کمبوہ کی ''شاہ جہان نامہ'' جیسی درجنوں کتب میں تاریخِ ہند کے مفصل حالات جمع ہو گئے ہیں۔ ہندو منشیوں نے بھی مسلم مؤرخین کا طرز اپنا کر تاریخ پر کام شروع کیا جیسا کہ منشی سوجان رائے کی ''خلاصۃ التواریخ'' اس کی ایک مثال ہے۔

مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں مختلف زبانوں کے ادب نے بڑی ترقی کی۔ محمود غزنوی کے دور میں فارسی ادب کو بہت عروج حاصل ہوا۔ سلطان کے دربار سے وابستہ ایک اور نامور شاعر فردوسی نے ''شاہنامہ'' کے عنوان سے قدیم ایران وافغانستان کی منظوم تاریخ لکھی۔ یہ ادبی شاہ پارہ آج بھی فارسی ادب کی جان سمجھا جاتا ہے۔ فرخی اس دور کا عظیم فارسی شاعر تھا جسے فارسی دانوں کے ہاں وہی مقام حاصل ہے جو اہلِ عرب کے نزدیک متنبی کا ہے۔ (3)

سلطان جلال الدین خلجی کے دربار میں امیر خسروؒ، مؤید جرجانی اور تاج الدین عراقی جیسی باکمال شخصیات شامل تھیں۔ امیر خسرو، بوعلی شاہ قلندر اور مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہم کی شاعری سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ (4)

جہانگیر بہترین فارسی ادیب تھا۔ وہ اپنا روزنامچہ باقاعدگی سے لکھتا تھا جو تزکِ جہانگیری کے نام سے مشہور ہے۔

(1) برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟ ص ۴۷

(2) [illegible] علوم وفنون ہندوستان میں [illegible] ص [illegible] ۹۳، ۲۳

یہ فارسی ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ جہانگیر ایک جغرافیہ دان کی طرح ہر علاقے کے متعلق معلومات کا نچوڑ پیش کردیتا ہے اور کسی ماہرِ نباتات وحیوانات کی طرح پھلوں، پھولوں اور چرند پرند کا حال بتاتا ہے مگر زبان کی شیرینی بھی برقرار رکھتا ہے۔ (1) جہانگیر اور نور جہاں فارسی ادب وشاعری پر فریفتہ تھے۔ ان کے دور میں فارسی زبان وادب کو بڑی ترقی ملی۔ نور جہاں شاعروں کو انعامات واعزازات سے نوازتی تھی۔ خود بھی شاعرہ تھی اور فی البدیہ بہترین اشعار کہتی تھی۔

اس دور کی خواتین کا شعری وادبی ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ بابر کی بیٹی گلبدن بیگم کی تصنیف ''ہمایوں نامہ'' ایک لاجواب شاہکار ہے۔ جہاں آراء بیگم (دخترِ شاہ جہاں) اور شہزادی زیب النساء مخفی (دخترِ عالمگیر) کی شاعری بھی کمال کی تھی۔ (2)

مسلم دور میں مقامی زبانیں نئے حسن اور نئی ادبی نزاکتوں سے آشنا ہوئیں۔ اس کی بڑی وجہ وہ صوفیائے کرام تھے جنہوں نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لیے سنسکرت کے علاوہ مقامی زبانوں مثلاً سندھی، پنجابی، کشمیری اور پشتو سے کام لیا، چنانچہ پنجابی میں بلھے شاہ، وارث شاہ، سلطان باہو اور خواجہ غلام فرید، سندھی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست اور پشتو میں عبدالرحمن بابا کی شاعری آج تک ان زبانوں کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ (3)

مسلم دور میں برصغیر کو پہلی بار ایک قومی زبان نصیب ہوئی۔ برصغیر کی فوجی چھاؤنیوں میں ہر قوم اور نسل کے سپاہی بھرتی کیے جاتے تھے۔ یوں رفتہ رفتہ ہندی، فارسی، ترکی، عربی اور مقامی زبانوں کے ملاپ سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جسے ''اُردو'' کہا جانے لگا کیوں کہ ترکی میں فوجی پڑاؤ کو ''اُردو'' کہا جاتا ہے۔ یہ زبان آسان اور عام فہم ہونے کی وجہ سے بہت جلد پورے برصغیر میں پھیل گئی۔ اس نے ہر زبان سے الفاظ لیے اور ہر زبان پر اثرات ڈالے۔ دسویں صدی ہجری تک اُردو کا رواج فارسی سے بڑھ چکا تھا۔ (4) شاہ جہاں نے اردو کی بھرپور اشاعت کی، اسے سرکاری زبان قرار دیا اور تمام دفتری امور اردو میں منتقل کرائے۔ اس نے مردوں اور خواتین کے لیے دو الگ الگ بازار بھی بنوائے جہاں ہر چیز دستیاب تھی۔ شرط یہ تھی کہ ان بازاروں میں صرف اردو بولی جائے گی۔ (5)

ولی دکنی، نظیر اکبر آبادی، میر تقی میر، قائم چاندپوری، جرأت، میر درد، سودا، مصحفی، شاہ نصیر، انشاء اللہ خان، ناسخ، غالب، میر انیس، ذوق اور مؤمن مغلوں کے آخری دور سے تعلق رکھتے تھے۔ ہندوؤں نے بھی مسلمانوں سے متاثر ہوکر فارسی اور اُردو ادب میں دلچسپی لی اور ان میں بھی فارسی اور اُردو کے قابل شعراء، ادباء اور مؤرخین سامنے آئے جن میں بھگت کبیر، تلسی داس، میرا بائی، منشی سوجان رائے بٹالوی، منشی چندر بھان برہمنؔ، لچھمی نرائن شفیقؔ، اندر رام مخلصؔ، دیا شنکر نسیمؔ، راجہ رام نرائن موزوںؔ، رتن ناتھ سرشارؔ اور ہر گوپال تفتہؔ مشہور ومعروف ہیں۔ (6)

---

(1) نزہۃ الخواطر: ۵ص ۵۱۷؛ بزمِ تیموریہ: ص ۱۲۸ تا ۱۳۴؛ تاریخ الاسلام فی الہند: ۲۳۶، ۲۳۷

(2) تاریخ ہندوستان: ۶ص ۷۵ تا ۷۸؛ بزمِ تیموریہ: ص ۳۳۶ تا ۳۶۰

(3) تاریخ برصغیر از مقصود چودھری: ۲ص ۳۶۷ تا ۳۷۰

(4) تاریخ برصغیر از مقصود چودھری: ۲ص ۳۷۰ تا ۳۷۲ (5) تاریخ الاسلام فی الہند: ص ۲۶۲، ۲۶۳

(6) ادبیاتِ فارسی میں ہندوؤں کا حصہ از ڈاکٹر سید عبداللہ؛ ہندوؤں کی علمی وتمدنی ترقی از علامہ سید سلیمان ندوی؛ طبقاتِ شعرائے ہند از کریم الدین

فنونِ لطیفہ، خطاطی، نقاشی

مسلمان بادشاہ فنونِ لطیفہ کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ مغلوں نے یہاں جو عمارات بنوائیں ان کے نقش ونگار میں وسطِ ایشیا کے ان فن پاروں کی جھلک ملتی ہے۔ مسلمانوں نے خطاطی کے فن کو رواج دیا جس کا اسلامی ثقافت کی اشاعت وترویج میں نمایاں کردار ہے۔ مسلم خطاطوں نے قرآنی آیات، احادیث، اشعار اور اقوالِ زریں کو بڑی مہارت کے ساتھ خطِ نسخ، خطِ نستعلیق اور دیگر دلکش خطوط میں پیش کیا۔ عمارتوں کی آرائش کے لیے دیواروں اور محرابوں پر آیات کی نقش کاری کا رواج عام ہوا۔①

بابر اور شاہ جہاں کو تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی۔ جہانگیر تاریخ اور جغرافیہ سے شغف رکھنے کے علاوہ مناظرِ فطرت کا دلدادہ تھا۔ سفر میں اس کے ساتھ مصوروں کی ایک جماعت رہتی تھی جو مناظرِ قدرت کو اپنی فنی مہارت کے ذریعے محفوظ کرلیا کرتی تھی۔ جہانگیر کو خود فنِ مصوری میں اس قدر مہارت حاصل تھی کہ اگر کوئی تصویر کئی مصوروں نے مل کر تیار کی ہوتی تو جہانگیر ایک نظر ڈال کر بتادیتا تھا کہ تصویر کا کون سا حصہ کس مصور نے بنایا ہے۔②

نورجہاں نے ہندوستان کی گھریلو معاشرت اور زنانہ آرائش وزیبائش کو بڑی ترقی دی۔ زیورات، ملبوسات اور پکوانوں کی نئی اقسام کو رواج دیا۔ قدیم بھاری زیورات کی جگہ جدید، ہلکے اور خوبصورت نمونے متعارف کرائے۔ اس نے غریب گھرانوں کی دلہنوں کے لیے کم قیمت مگر خوبصورت جوڑے بھی متعارف کرائے جو ''نورمحلی'' کہلاتے تھے۔ صحنوں اور دالانوں میں بچھانے لیے سفید چادر کو رواج دیا جسے چاندنی راتوں کی تقاریب میں کھلی فضا میں بچھایا جاتا تھا جس سے محفل میں چار چاند لگ جاتے تھے۔③

شاہ جہاں کا دور خطاطی اور فنِ تعمیر کا دورِ عروج تھا۔ ہر قسم کی خطاطی کے نمونے دیکھے اور پسند کیے جاتے تھے۔ دربار سے خطاطوں کو معقول تنخواہ کے علاوہ بڑے بڑے انعامات دیے جاتے تھے۔④

شاہ جہاں شان وشوکت اور سج دھج کو پسند کرتا تھا۔ اس نے خزانے میں جمع ہزاروں نادر موتیوں اور جواہر کے بارے میں سوچا کہ ان کی قدردانی یہ ہے کہ لوگ بھی ان سے محظوظ ہوں اور شانِ بادشاہی میں بھی اضافہ ہو۔ چنانچہ اس نے جواہر خانے سے ۸۰ لاکھ روپے کے جواہر منتخب کیے اور خود نقشہ بنا کر سات سال میں دنیا کا سب سے قیمتی تختِ شاہی تیار کرایا۔ یہ ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۴ء) میں ایک کروڑ نقرئی روپے کی لاگت سے مکمل ہوا۔ اسے ''تختِ طاؤس'' کا نام دیا گیا کیوں کہ اس کے مرکز میں دو مور بنے ہوئے تھے جن کے بیچ لعل والماس اور زمرد سے مرصع ایک درخت منقش تھا۔⑤

---

① تمدنِ ہند از گستاؤلی بان، ترجمہ از سید علی بلگرامی: ص ۴۳ ۷ تا ۴۴۳

② تاریخ الاسلام فی الہند: ص ۲۳۹، ۲۴۰

③ تاریخ ہندوستان: ج ۶ ص ۷۵ تا ۷۸

④ بزمِ تیموریہ: ص ۲۲۰

⑤ تاریخ ہندوستان: ج ۷ ص ۱۸۰، ۱۸۱

تعمیراتی کارنامے

مسلم حکمرانوں نے برصغیر میں نئے شہر بسانے اور قدیم چھوٹے شہروں کو عظیم الشان بنانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ دلّی، آگرہ، الٰہ آباد، فیروز پور، دولت آباد، احمد آباد، پٹیالہ، شیر گڑھ، عظیم آباد، فتح پور، وزیر آباد، بھکر، خان پور، بہاولپور، اٹک اور حیدرآباد دکن جیسے بیسیوں شہران کی عظمت کے گواہ ہیں۔ سلاطینِ ہند نے مساجد، مزارات، قلعوں، محلات، تعلیم گاہوں، شفاخانوں، شاہراہوں، پلوں اور باغات کی تعمیرات، مرمت اور دیکھ بھال میں بڑی دلچسپی لی۔ نہروں، کنوؤں، تالابوں اور حوضوں کے ذریعے آب رسانی کی سہولیات بہم پہنچائیں۔

قطب الدین ایبک کو فنِ تعمیر سے خاص مناسبت تھی۔ اس نے بہت سی عمارتیں بنوائیں جن میں دہلی کی مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار خاص طور پر مشہور ہیں۔ مسجد قوت الاسلام کی دیواریں، چھت اور فرش یکساں کٹائی کے چوکور سفید پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ اس کے تیرہ گنبد اور چار صحن تھے۔ درمیان میں ایک لاٹ تھی جو سات دھاتوں سے ملا کر بنائی گئی تھی۔ قطب مینار سرخ پتھر سے بنایا گیا تھا۔ اس کی دیواروں پر عمدہ نقاشی کی گئی تھی۔ اس کا بالائی حصہ سنگ مرمر کا تھا اور اس پر خالص سونے کے لٹو لگائے گئے تھے۔

قطب مینار اس دور کے ایک مشہور صوفی بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کعکی رحمہ اللہ کے مزار کے قریب ہونے کی وجہ سے "قطب مینار" کہلایا۔ اس کے ساتھ ایک عظیم الشان جامع مسجد بھی بنوائی گئی تھی، تغلق سلاطین کے دور تک دہلی کی جامع مسجد کا اعزاز اسی کو حاصل رہا۔ اب اس کا بیشتر حصہ منہدم ہو چکا ہے مگر قطب مینار اسی طرح سربلند ہے۔ سرخ اینٹوں سے تعمیر کردہ اس عجیب مینار کی بلندی ۲۳۷ فٹ ہے۔ اس میں ۳۷۹ سیڑھیاں ہیں۔ جامع مسجد کا مؤذن اس مینار پر چڑھ کر اذان دیا کرتا تھا۔ یہ دنیا کا واحد آزاد مینار ہے یعنی کسی بیرونی سہارے کے بغیر کھڑا کیا گیا ہے۔ گزشتہ صدی تک اسے برصغیر کی سب سے بلند عمارت ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ محمد تغلق نے بیگم پوری مسجد بنوائی۔ علاؤالدین خلجی نے قطب مینار کے قریب "علائی مینار" بنوایا جو ستارہ بینی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔①

دہلی اس زمانے میں عالمِ اسلام کا سب سے بڑا شہر شمار ہوتا تھا۔ ساری دنیا میں ایسی شان و شوکت والا شہر کوئی اور نہیں تھا۔ اس جیسی مضبوط فصیل کسی شہر کی نہیں تھی۔ یہ چار شہروں کا مجموعہ تھا۔ قدیم دہلی ہندوؤں کا آباد کردہ تھا جو ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ء) میں فتح ہوا۔ دوسرا شہر "سیکری" تھا۔ تیسرا تغلق آباد تھا جسے غیاث الدین تغلق نے بسایا۔ چوتھا "جہاں پناہ" تھا جسے محمد تغلق نے آباد کر کے ایک مضبوط فصیل کے ذریعے پرانے دہلی کے ساتھ ملا دیا تھا۔②

اِلتتمش نے مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار کی تکمیل کرائی۔ دہلی کے شہریوں کو میٹھا پانی فراہم کرنے کے لیے

---

① سفرنامہ ابن بطوطہ: ۲ص ۳۳۰تا ص ۳۳۴؛ تاریخ فرشتہ: ج ۱ص ۱۶۸تا ۱۷۰؛ طبقاتِ ناصری: ج ۱ص ۲۸۸تا ۲۹۱؛ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ: ج ۱ص ۳۶۲تا ۳۶۶ ② سفرنامہ ابن بطوطہ: ۲ص ۳۳۳

"حوضِ شمسی" کی تعمیر کرائی۔ دو میل لمبا اور ایک میل چوڑا، یہ تالاب سرخ پتھروں سے بنایا گیا تھا جس میں ب[illegible]
جمع ہوتا تھا۔ دہلی کے شہری اس سے پانی بھرا کرتے تھے۔ حوض کے مغرب میں شہر کی عیدگاہ تھی۔ یہ مقام ایک [illegible]
اور اجتماع گاہ بھی تھا۔ کناروں پر خوبصورتی کے لیے کئی گنبد بنائے گئے تھے۔ جگہ جگہ لوگوں کی نشست کے لیے پختہ
چبوترے تھے۔ پانی کی سطح تک اترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ حوض کے وسط میں بھی ایک چبوترا بنا ہوا تھا
جس پر منقش پتھروں کا گنبد تھا۔ لوگ کشتیوں پر بیٹھ کر اس گنبد تک جاتے اور محظوظ ہوتے تھے۔ ①

بابر نے آگرہ میں محل تعمیر کرنے کے علاوہ کئی باغات لگوائے اور کئی حمام بنوائے۔ اس کے ساتھی امراء نے بھی باغ
لگوانے اور خوبصورت عمارات و محلات بنوانے میں دلچسپی لی۔ ② بابر نے کئی نہریں نکلوائیں اور تالاب بنوائے۔

فیروز شاہ نے آثارِ قدیمہ کے تحفظ کے لیے مستقل شعبہ قائم کیا جس کے تحت جامع مسجد دہلی کی مرمت کی گئی،
قطب مینار کو مزید پختہ اور بلند کر دیا گیا، سلطان التمش کے مدرسے کی مرمت کی گئی اور حوضِ شمسی تک آب رسانی کو بحال
بنایا گیا۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے تعمیر کردہ حوضِ علائی کو صاف کر کے دوبارہ کار آمد بنایا گیا۔ حضرت نظام الدین
اولیاءؒ کے مزار کی مرمت کر کے، اس میں سونے کے شمع دان لگائے گئے اور ایک مہمان خانہ بھی بنا دیا گیا۔

فیروز شاہ نے آثارِ قدیمہ کے تحفظ کے لیے اشوکا کے دور کے دو مینار جو میرٹھ اور خضر آباد کے قریب تھے، فیروز آباد
منتقل کرا دیے۔ یہ مینار ۳۲۰ سال قبل از مسیح کے تھے جن پر اشوکا کے مذہبی احکام قدیم رسم الخط میں درج تھے۔ ③

فیروز شاہ پہلا حکمران تھا جس نے عجائب گھر قائم کیا جس میں پرانے دور کے عجائبات، کھدائی کے دوران برآمد
ہونے والے قدیم حیوانات کی ہڈیاں اور دیگر قدیم اشیاء کے علاوہ بعض عجیب و غریب جانور بھی تھے۔ ④

سکندر لودھی نے بہت سی نئی مساجد تعمیر کرائیں۔ ہر مسجد میں ایک خطیب، ایک قاری اور صفائی کے لیے ایک ملازم
کا تقرر کیا اور ان کے معقول مشاہرے طے کیے۔ اس نے دھول پور سے آگرہ تک جگہ جگہ باغات اور عمارات کی تعمیر کا
کام شروع کرایا۔ ⑤

جہانگیر کے دور میں کئی خوبصورت تعمیرات ہوئیں۔ لاہور کے مستی دروازے میں بیگم شاہی مسجد دورِ جہانگیری کی
یادگار ہے۔ لاہور کے قلعے میں جہانگیر نے ایک خواب گاہ بنوائی جس میں اب عجائب گھر قائم ہے۔ انارکلی کا مقبرہ بھی
جہانگیر کے دور کی ایک قابلِ دید عمارت ہے جس میں جہانگیر کی ایک اور چہیتی بیوی صاحب جمال مدفون ہے۔ جہانگیر
نے کشمیر میں نشاط باغ، شالامار باغ اور نسیم باغ تعمیر کرائے جو آج بھی سیاحوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔ نور جہاں
نے آگرہ میں، دریائے جمنا کے کنارے اپنے والد اور والدہ کا دو منزلہ مقبرہ تعمیر کرایا جو "مقبرہ اعتماد الدولہ" کہلاتا ہے۔

---

① طبقاتِ ناصری: ج ۱ ص ۵۲۳ تا ۵۲۶۔ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۱۷۱، ۱۷۲ ② اردو معارف اسلامیہ: ج ۱ ص ۱۹۰، مادہ آگرہ
③ تزکِ بابری: ص ۳۳۶ ④ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ: ج ۲ ص ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۲۰ تا ۲۲۳
⑤ تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی: ج ۲ ص ۲۲۳ ⑥ تاریخ فرشتہ: ج ۱ ص ۳۰۶

اس کے چاروں کونوں پر مینار ہیں جن پر دلکش میناکاری کی گئی ہے۔اوپر گنبد کی بجائے بنگالی طرز کی چھت ہے۔

شاہ جہاں کی بنوائی ہوئی عظیم الشان،خوبصورت اور مستحکم عمارتوں کو دیکھ کر مغلوں کی شوکت وسطوت ایک جیتی جاگتی حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے۔اس سلسلے میں اس نے قندھار کے ایرانی حاکم علی مردان کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جو فنِ تعمیر کا بڑا ماہر تھا۔① شاہ جہاں کی چند اہم ترین تعمیرات یہ ہیں:

تاج محل: یہ شاہ جہاں کی چہیتی بیوی ارجمند بانو عرف ممتاز محل کا مزار ہے۔ممتاز محل عبادت گزار، پرہیز گار اور خدمتِ خلق کی عادی خاتون تھی۔اس کی وفات پر شاہ جہاں کا دل دنیا سے اچاٹ ہوگیا۔اس کی ڈاڑھی کے صرف دو تین بال سفید تھے مگر اس صدمے کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں اس کی ڈاڑھی بالکل سفید ہوگئی۔②

مگر جلد ہی شاہ جہاں نے ممتاز محل کے صدمۂ فراق کو بھی ایک مثبت رُخ دے دیا۔وہ فنِ تعمیر،خطاطی اور نقاشی میں بہترین ذوق کا حامل تھا۔اس نے عزم کیا کہ وہ ممتاز محل کا ایک بے مثال مقبرہ تعمیر کر کے اپنی محبت کو اَمر کردے گا۔

چنانچہ اس نے ممتاز محل کی قبر پر ایک عظیم الشان عمارت بنوائی جسے بیس ہزار افراد نے ۲۲ سال میں مکمل کیا۔اسے "تاج محل" کا نام دیا گیا۔اس پر پچاس لاکھ روپے خرچ ہوئے۔چار صدیاں گزرنے کے باوجود تاج محل آج بھی روزِ اول کی مانند خوبصورت ہے۔پوری عمارت سفید سنگِ مرمر سے چنی گئی ہے۔اس کے اردگرد خوبصورت باغات ہیں اور دائیں بائیں ایک ہی شکل کی دو مساجد ہیں۔مزار کے عین اوپر ۵۸ فٹ قطر کا عظیم مرکزی گنبد دائیں بائیں کے دو چھوٹے گنبدوں کے ساتھ ایسی دلکشی اور جاذبیت لیے ہوئے ہے جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔عمارت کے ہر رُخ پر نہایت حسین وجمیل محرابیں ہیں جن پر کی گئی میناکاری اور خطاطی فنِ تعمیر کی معراج سمجھی جاتی ہے۔تاج محل کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے۔شاہ جہاں کی تدفین بھی اس کی وصیت کے مطابق ممتاز محل کے پہلو میں ہوئی۔③

لال قلعہ دہلی: شاہ جہاں آباد کے مرکز میں دہلی کا لال قلعہ تعمیر ہوا۔یہ تقریباً ایک کلومیٹر لمبا اور نصف کلومیٹر چوڑا ہے۔قلعے میں رنگ محل،دیوانِ خاص اور دیوانِ عام قابلِ دید ہیں۔دیوانِ عام قلعے کے وسط میں ہے جو سنگِ سرخ کا بنا ہوا ہے۔نازک دہرے ستون اس کی شان دوبالا کرتے ہیں۔شاہ جہاں کا تختِ طاؤس یہیں رکھا جاتا تھا۔شاہ جہاں کے دور سے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک مغل حکمران اور ان کے اہل وعیال اسی قلعے میں مقیم رہے۔

جامع مسجد دہلی: دہلی کی جامع مسجد بھی شاہ جہاں نے تعمیر کرائی۔قدیم دہلی کے مشہور چاندنی چوک کے عین سامنے واقع یہ مسجد شہر کا حسن دوبالا کردیتی ہے۔یہ ایک بلند ٹیلے پر تعمیر کی گئی تھی۔اس کے تین عالی شان دروازے ہیں۔ہال کی چھت پر تین گنبد ہیں،وسطی گنبد سب سے بڑا ہے۔دائیں بائیں ایستادہ ۱۳۵ فٹ اونچے دو مینار دور سے دکھائی دیتے ہیں۔صحن میں پچیس ہزار افراد نماز ادا کرسکتے ہیں۔

---

① تاریخ الاسلام فی الہند،از عبدالمنعم النمر : ص ۲۴۵،۲۴۶،۲۴۷

② تاریخ ہندوستان: ج ۸ ص ۱۳۲،۱۵۰۔اردو معارف اسلامیہ: ج تاج محل

③ تاریخ ہندوستان: ج ۸ ص ۱۲۶ تا ۱۲۸

شالامار باغ لاہور: لاہور کا شالامار باغ بھی شاہ جہاں کی یادگار ہے۔ اس کا شمار دنیا کے حسین ترین باغوں میں ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر ۱۰۴۸ھ میں شروع ہوئی اور ڈیڑھ برس میں تکمیل کو پہنچی۔ اسے ہر قسم کے پھل دار اور سایہ دار درختوں اور پھولوں سے مزین کیا گیا۔ سنگِ مرمر کی سلوں پر آبشاریں جاری کی گئیں۔ شاہی مہمانوں اور خواتین کے لیے رہائشی عمارات بھی بنائی گئیں۔ بادشاہ کے بیٹھنے کے لیے باغ میں سنگِ مرمر کا ایک تخت بھی نصب کیا گیا۔

مقبرۂ جہانگیر: شاہ جہاں نے لاہور میں دریائے راوی کے پار شاہدرہ میں جہانگیر کا وہ مقبرہ مکمل کرایا جس کی تعمیر نور جہاں نے شروع کرائی تھی۔ یہ ایک باغ میں گھری ایک وسیع اور خوبصورت عمارت ہے جس کے چاروں کونوں پر چار بلند اور دلکش مینار ہیں۔

مقبرۂ نور جہاں و آصف جاہ: شاہ جہاں کے دور میں ملکہ نور جہاں اور اس کے بھائی آصف جاہ کے مقبرے تعمیر کیے گئے۔ آصف جاہ کے مقبرے کا گنبد بلب کی شکل کا ہے۔ نور جہاں کا مقبرہ بھی ایک ہوادار اور پُرفضا عمارت ہے۔ قیمتی پتھروں سے مزین یہ مقبرہ تین لاکھ روپے کی لاگت سے چار سال میں مکمل ہوا۔ اس پر ایک خوبصورت گنبد بنوایا گیا۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں مقبرۂ جہانگیر کے ساتھ نور جہاں اور آصف خان کے مزاروں کو بھی پامال کیا گیا اور تمام قیمتی پتھر اکھاڑ لیا گیا۔ یہ تینوں مقبرے جو ایک ہی باغ کے مختلف گوشوں میں تھے، گزشتہ ایک صدی کی بے ہنگم تعمیرات کے باعث جدا ہو گئے ہیں۔ جہانگیر کا مزار تو پھر بھی کسی قدر بہتر حالت میں ہے مگر نور جہاں کا مقبرہ جس کا گنبد کب کا گر چکا ہے، عبرت کا مرقع دکھائی دیتا ہے۔

شاہ جہانی مسجد ٹھٹھہ: شاہ جہاں نے ٹھٹھہ میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی جو "شاہ جہانی مسجد" کہلاتی ہے۔ یہ بھی فنِ تعمیر کا ایک شاہ کار ہے۔ اس کے ہال سے صدر دروازے تک دائیں بائیں بارہ دریاں ہیں جن پر ایک سو گنبد ہیں۔ امام کی قراءت کی آواز ان گنبدوں میں گردش کرتے ہوئے محراب سے صدر دروازے تک پہنچ جاتی ہے۔

مسلم تہذیب کی بدولت برصغیر کی عمارتوں میں گول گنبد، خوبصورت مینار اور محرابی دروازے بنانے کی داغ بیل پڑی۔ تعمیر میں چونے اور مسالے سے کام لیا جانے لگا جو عمارتوں کو پائدار بناتا تھا۔ ملتان کے گرد و نواح میں صوفیائے کرام کے مقابر اور مساجد پر بڑے بڑے گول گنبد بنانے کا رواج پورے برصغیر میں مقبول ہوا۔ دہلی میں سادات اور لودھی خاندان کی یادگاریں بھی اسی طرزِ تعمیر کا نمونہ ہیں۔ ۱۱۶۲ء میں حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور ۱۳۲۰ء میں شاہ رکن عالم کے مزارات تعمیر ہوئے۔ ترک اور ایرانی معماروں نے فنِ تعمیر کو مزید ترقی دے کر ایک خاص شکل بخش دی یہ طرزِ تعمیر "انڈو اسلامک فنِ تعمیر" کہلانے لگا۔ یوں برصغیر میں اسلامی طرزِ تعمیر کے اَن مٹ نقوش ثبت ہو گئے۔ (1)

❁❁❁

سیاسی و ادارہ جاتی اصلاحات

برصغیر کے حکمرانوں نے سیاسی، اقتصادی اور عسکری ادارہ جات کو بھی بہتر بنایا۔ ان کے دور کی بہت سی اصلاحات اور اصطلاحات انگریز کی حکومت میں بھی باقی رہیں۔

سلاطین دہلی کے دور میں نظام حکومت

سلاطینِ دہلی کے دور میں برصغیر کے نظام حکومت میں کئی جدتیں پیدا ہوئیں۔ سلطان سب سے بااختیار اور اعلیٰ منصب دار تھا۔ سلاطین فوجی اور عدالتی امور اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اور دیگر شعبوں کے اعلیٰ عہدے داروں کا تقرر خود کرتے تھے۔ تمام محکمے مشورے سے ماتحت امراء کے ذریعے چلائے جاتے تھے۔ ہر محکمہ ''دیوان'' کہلاتا تھا۔

مرکزی محکمے اور عہدے دار:

مرکز میں قائم اہم ترین محکمے درج ذیل تھے:

دیوانِ وزارت: یہ محکمہ وزیرِ سلطنت کے ماتحت ہوتا تھا۔ ملکی سطح پر آمدن اور خرچ کا تمام حساب کتاب اس محکمے کے پاس تھا۔ جزیہ، عشر اور زکوٰۃ وصول کرنا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ مالِ غنیمت بھی اس کے ذریعے سرکاری خزانے میں جاتا اور مختلف مصارف پر خرچ ہوتا تھا۔

دیوانِ عدل: یہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی نگرانی میں چلتا تھا۔ پورے ملک کا عدالتی نظام اس کے تحت تھا۔

دیوانِ عرض: یہ فوجی امور کا محکمہ تھا جو دفاعی انتظامات اور لشکر کشی کا ذمہ دار تھا۔ اس کا سربراہ عارض کہلاتا تھا۔

دیوانِ انشاء: یہ احکام جاری کرنے اور سرکاری پیغامات لکھنے، بھیجنے اور وصول کرنے کا محکمہ تھا۔ شاہی احکام پر یہی محکمہ سرکاری مہر لگا کر اسے 'سیل' کرتا تھا۔

دیوانِ برید: یہ محکمہ پیغامات اور اہم دستاویزات لانے لے جانے کی ذمہ داری انجام دیتا تھا۔ گھڑسواروں اور پیادوں سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ ہر چار میل پر گھڑسواروں کی اور ہر تہائی میل پر پیادوں کی چوکی ہوتی تھی جہاں سے نیا کارندہ خط لے کر فوراً سفر شروع کر دیتا تھا۔ ملتان سے دہلی تک ڈاک پہنچنے میں صرف پانچ دن لگتے تھے۔

جاندار: بادشاہ کا خاص محافظ دستہ جاندار کہلاتا تھا۔ اس میں نہایت وفادار غلام چن کر بھرتی کیے جاتے تھے۔ ان میں سے بعض غلام اپنی صلاحیت اور جاںنثاری کے باعث بعض اوقات اعلیٰ عہدوں تک پہنچ جاتے تھے۔

امیر حاجب: یہ دربار کا اعلیٰ افسر تھا۔ کسی کو بادشاہ سے ملنا ہوتا تو وہ حاجب سے درخواست کرتا، حاجب بادشاہ سے اجازت لے کر ملاقات کرا دیتا۔ شاہی محل اور دربار کی تمام تقریبات کے انتظامات اسی کے ذمے ہوتے تھے۔

وکیل دار: شاہی محل کی دیکھ بھال اور طعام و لنگر کے انتظامات اس کے پاس ہوتے تھے۔

صوبائی عہدے:

صوبائی سطح پر اعلیٰ اور اہم ترین عہدے دار یہ تھے:

قاضی: ہر صوبے میں عدل وانصاف کی فراہمی اور مقدمات سن کر فیصلہ دینے کی ذمہ داری قاضی کی ہوتی تھی۔ قاضیوں کا تقرر سلطان کرتا تھا۔ ہر قاضی کی مدد کے لیے مفتی اور علماء مقرر ہوتے تھے۔ شہروں اور صوبوں کی سطح پر قاضی مقدمات سماعت کرتے تھے جبکہ دیہاتوں میں یہی کام پنچایت کرتی تھی۔

صاحبِ دیوان: ہر صوبے کے مالی معاملات کی نگرانی صاحبِ دیوان کے ذمے ہوتی تھی۔ وہ آمدن اور خرچ کا ریکارڈ تیار کر کے اس کی نقل مرکز کو بھیجتا تھا۔ اپنے صوبے کے مالی مقدمات کی سماعت بھی اس کے ذمے تھی۔

کوتوال: یہ پولیس کا سربراہ ہوتا تھا۔ امن وامان قائم رکھنا اس کی ذمہ داری تھی۔

صاحبِ برید: ڈاک اور مخبری کا صوبائی ذمہ دار صاحبِ برید کہلاتا تھا۔ وہ اپنے صوبے کی ڈاک اور جاسوسوں کے رقعے قابلِ اعتماد، محفوظ اور تیز رفتار ذرائع سے مرکز بھجواتا تھا۔

صدرِ صوبہ: یہ مذہبی امور کا صوبائی نگران تھا۔ اوقاف کی نگرانی کے علاوہ فوج داری مقدمات کی سماعت بھی کرتا تھا۔

محصل: یہ کاشت کاروں اور زمین داروں سے نقد یا جنس کی شکل میں ٹیکس وصول کر کے خزانے میں جمع کراتا تھا۔

شق دار: ہر صوبہ کئی اضلاع میں تقسیم ہوتا تھا۔ ہر ضلع کو ''شق'' کہا جاتا تھا اور اس کا نگرانِ اعلیٰ شق دار کہلاتا تھا۔

چودھری: ایک سو دیہاتوں کا مجموعہ ''پرگنہ'' کہلاتا تھا اور پرگنہ کے نگران کو چودھری کہا جاتا تھا۔

مقدم: ہر گاؤں کا منتظم مقدم کہلاتا تھا۔[1]

شیر شاہ سوری کی اصلاحات اور نظام حکومت

شیر شاہ سوری نے جو اصلاحات کیں اور اسلامی ورفاہی مملکت کا جو نظام مرتب کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

انتظامی عہدے:

اعلیٰ ترین انتظامی عہدے چار تھے: (1) شقدارِ شقداراں (2) منصفِ منصفاں (3) فوطہ دار (امین) (4) صوبے دار

شقدارِ شق داراں (صدرِ شق دار): پوری مملکت میں امن وامان قائم رکھنا اور بادشاہ کے احکام پر عمل کرانا، انتظامی اکائیوں، پرگنوں اور گاؤں میں کام کرنے والے ماتحتوں کی کارکردگی کو دیکھنا اس کے ذمے تھا۔ اس کی ماتحتی میں ہر پرگنے میں ایک شقدار، ایک خزانچی، ایک منصف اور دو محرر ہوتے تھے۔ ایک محرر ہندی اور دوسرا فارسی کا تحریری کام کرتا تھا۔ اس کے علاوہ چودہری، پٹواری اور مقدّم (نمبردار) کے عہدے بھی تھے جو عوام اور حکومت کے مابین رابطے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ مملکت ایک لاکھ سولہ ہزار پرگنوں میں تقسیم تھی۔

---

(1) سلطنتِ دہلی کا نظمِ حکومت از اشتیاق حسین قریشی ؛ ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام از سید صباح الدین عبدالرحمٰن

منصفِ منصفاں (صدر منصف): اپنے پرگنے کے مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ اس کے کئی معاون ہوتے تھے۔

فوطہ دار (امین): مالی معاملات اور خزانے کے نگران کو فوطہ دار یا امین کہا جاتا تھا۔

صوبے دار (گورنر): صوبے کا سربراہ صوبے دار کہلاتا تھا۔

ہر سال دو سال بعد ان عہدے داروں کی جگہ دوسرے تجربہ کار ملازموں کو ترقی دے کر تعینات کیا جاتا تھا۔

عسکری نظام:

❶ پایۂ تخت کے لشکر میں ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچیس ہزار پیادے رکھے جاتے تھے۔ باقی فوج کو پورے ملک کی اہم چھاؤنیوں میں اس طرح تقسیم کر دیا گیا تھا کہ ہر ضلعے اور سرحد کی حفاظت ہوتی رہے۔

❷ فوج کو پچاس، دوسو، اڑھائی سو اور پانچ سو کے چھوٹے چھوٹے گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

❸ چھوٹے گروپوں کو ملا کر بڑے لشکر بنائے جاتے تھے جو پانچ، دس اور بیس ہزار پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان کے افسران پنج ہزار، دس ہزاری اور بیس ہزاری کہلاتے تھے۔

❹ ہر پچاس سپاہیوں کے انتظامی امور دیکھنے اور ان کی ضروریات اور کارگزاری سے بادشاہ کو آگاہ کرنے کے لیے دو کاتب مقرر ہوتے تھے۔ ایک فارسی، دوسرا ہندی۔ بادشاہ ان اطلاع ناموں کو خود دیکھتا اور ہدایات جاری کرتا۔

❺ پنج ہزاری، دس ہزاری اور بیس ہزاری امراء کو ہر جمعے طلب کر کے ان کے سامنے فوج کی تمام تازہ ضروریات اور نئے مسائل پر گفتگو ہوتی۔ فوجی ملازمین کی ترقی، تنزلی اور تادیب و تنبیہ کے احکام بھی جاری ہوتے۔

مالیاتی نظام:

شیر شاہ نے مالیاتی نظام کی اصلاحات میں درج ذیل اہم اقدامات کیے:

❶ زمین کی پیمائش کے لیے سکندر لودھی کے زمانے میں رائج گز کو معیار قرار دیا جو سکندری گز کہلاتا تھا۔ اس پیمانے کے مطابق ہر سال تمام قابلِ کاشت زمین کی پیمائش کرائی جاتی تھی۔ ۳۶۰۰ مربع گز زمین کو "بیگھہ" کا نام دیا گیا تھا۔

❷ ہر بیگھہ پر پیداوار کا تہائی حصہ شرحِ مالیہ (خراج) مقرر ہوا۔ باقی دو تہائی کاشت کار کا تھا جس پر کوئی اور ٹیکس نہیں تھا۔ مالیہ کی مقدار کا تعین سرکاری افسر اور کاشت کار باہمی رضامندی سے کرتے تھے۔ کسی حادثے کے باعث مالیہ میں کمی یا معافی بھی کر دی جاتی تھی۔ مالیہ کی ادائیگی جنس یا نقد، دونوں طرح ہو سکتی تھی۔ کاشت کاروں کو آسان شرائط پر قرضے بھی دیے جاتے تھے۔

❸ شیر شاہ سوری نے کرنسی کا نیا نظام بھی متعارف کرایا۔ سونے کو کرنسی کے ساتھ منسلک کیا۔ ابتداء میں تانبے کے نئے سکے جاری کیے گئے۔ شیر شاہ سے پہلے مقامی سکے کو "ٹکا" کہا جاتا تھا۔ شیر شاہ نے اس کی جگہ نئے سکے کا نام "روپیہ" رکھا جو آج تک [illegible]

بھی جاری کیے گئے جنہیں بعد میں اٹھنی، چونی، دونی اور اکنی کہا جانے لگا۔ ①

مغلیہ دور کا نظام حکومت

مغلوں کی انتظامی ترجیحات اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت مفید اور مؤثر تھیں۔ ان ترجیحات کا اصل خاکہ شیر شاہ سوری نے پیش کیا تھا۔ اکبر نے اسے مزید جدت دی۔ دو صدیوں تک یہ نظام بڑی کامیابی سے چلتا رہا۔ مغلوں کے دور میں سلطنت کے انتظامات دو حصوں میں تقسیم تھے: مرکزی۔ صوبائی۔ مرکزی عہدے اور محکمے درج ذیل تھے:

❶ بادشاہ ❷ وکیلِ سلطنت ❸ وزیر ❹ ولی عہد ❺ امیر الامراء ❻ خانِ خاناں ❼ دیوان ❽ میر بخشی ❾ میر ساماں ❿ صدر الصدور ⓫ قاضی القضاۃ ⓬ محتسب ⓭ میر آتش ⓮ دیوانِ برید ⓯ مشرف

❶ بادشاہ:

بادشاہ ریاست کی وحدت کا ضامن، تمام اختیارات کا مالک اور مسلح افواج کا سربراہ ہوتا تھا۔ فوجی، سیاسی، مالیاتی اور عدالتی امور سمیت ہر معاملے میں اس کا فیصلہ حرفِ آخر ہوتا تھا۔ اگرچہ اکثر بادشاہ، شرعی طور پر قابلِ غور معاملات میں علماء اور مفتیوں سے رائے ضرور لیتے تھے۔ مگر حتمی فیصلے کا اختیار بادشاہ ہی کے پاس محفوظ ہوتا تھا۔

❷ وکیلِ سلطنت:

وکیلِ سلطنت کی حیثیت بادشاہ کے نائب کی تھی۔ بادشاہ کے بعد وہی ملک کے تمام معاملات کا ذمہ دار تھا۔ بیک وقت مسلح افواج کے نائب سربراہ اور وزیر اعظم کے عہدے اس کے پاس ہوتے تھے۔ یہ عہدہ اکبر سے شاہ جہاں تک کے عہد میں برقرار رہا۔ بیرم خان، منعم خان، مرزا عبدالرحیم، مرزا عزیز کوکہ اور آصف جاہ اس عہدے پر فائز رہے۔

وکیلِ سلطنت کو خانِ خاناں کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

❸ وزیر:

مغلوں سمیت مسلمانوں کے اکثر حکمران خاندانوں میں وزیر کا عہدہ رہا ہے۔ آج کل کی طرح متعدد وزیر نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ایک ہی وزیر تھا جس کا مقام جمہوری حکومت کے وزیر اعظم کے قریب قریب ہوتا تھا۔

❹ ولی عہد:

بادشاہ کے جانشین کو ولی عہد کہا جاتا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی جاتی تھی۔ عموماً بڑے شہزادے کو یہ منصب ملتا تھا۔ بسا اوقات سلطنت کی مہمات اسے سونپی جاتی تھیں تاکہ اسے سیاسی اور عسکری تجربہ حاصل ہو جائے۔

❺ امیر الامراء:

افواج کے سپہ سالار کو امیر الامراء کہا جاتا تھا۔ وہ بادشاہ یا وکیلِ سلطنت کے حکم کے تحت فوجی مہمات انجام دیتا تھا۔

---

① تاریخ ہندوستان: ج ۳ ص ۳۲۵ تا ۳۳۴، ۳۶۵؛ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام از سید صباح الدین عبدالرحمن

❻ دیوان:

دیوان اس ماہر معاشیات کو کہا جاتا تھا جو سلطنت کی آمدن وخرچ کا سارا حساب رکھتا تھا۔ وزیر کے بعد اس کا مقام سب سے اہم تھا۔ اس کی حیثیت آج کل کے وزیرِ خزانہ کی سی تھی۔

❼ میر بخشی:

جس منصب دار کے ذریعے ملکی آمدن نیچے تقسیم ہوتی تھی، اسے میر بخشی کہا جاتا تھا۔ افواج اور سرکاری ملازمین کو تنخواہوں کی ادائیگی اس کا اہم ترین کام تھا۔ اس کے علاوہ صوبوں سے آنے والے خبری مراسلے بادشاہ کو پیش کرنا، دوسرے صوبوں کے عہدے داروں اور مہمانوں کو بادشاہ کی خدمت میں پہنچانے کا انتظام کرنا، شاہی محل کے حفاظتی انتظامات یقینی بنانا اور بعض اوقات فوجی مہمات کی نگرانی کرنا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔

❽ میرِ سامان:

سرکاری اثاثہ جات کی دیکھ بھال اور حساب کتاب کا کام میرِ سامان کرتا تھا۔ اسلحہ خانوں، کارخانوں اور گوداموں میں کسی بھی نوع کی چیز کی وصولی، منتقلی یا ادائیگی اس کے ذمہ ہوتی تھی۔

❾ صدر الصدور:

صدر الصدور کی حیثیت وزیرِ مذہبی امور کی سی تھی۔ وہ علماء ومشائخ کا نمائندہ ہوتا تھا۔ دینی مدارس کی دیکھ بھال، اوقاف کا انتظام، علماء ومشائخ اور طلبہ کے اخراجات اور وظائف کی ادائیگی اس کی ذمہ داریاں تھیں۔ بے دینی اور گمراہی پھیلانے والے لوگوں کا انسداد بھی اس کا کام تھا۔ وہ ایسی کتابوں پر پابندی لگا سکتا تھا جو اسلامی عقائد کے لیے ضرر رساں ہوں۔

❿ قاضی القضاۃ:

عدلیہ کا سربراہ قاضی القضاۃ کہلاتا تھا۔ اس کے ماتحت صوبوں میں نائب قاضی کام کرتے تھے۔ اہم مقدمات کا فیصلہ کرنا، میت کی وصیت پر عمل درآمد کرانا، بیواؤں یا بے سہارا خواتین کے نکاح میں ولی کا کردار ادا کرنا، لاوارث مال اور جائیداد کی نگرانی کرنا، قیدیوں کا ریکارڈ رکھنا، نابالغ اور ذہنی طور پر معذور لوگوں کی جائیدادوں کی نگہداشت کرنا اور مشکل شرعی مسائل میں فتویٰ دینے سمیت بہت سی ذمہ داریاں تھیں جو قاضی القضاۃ کے ذمے تھیں اور اس کی ماتحتی میں یہی ذمہ داریاں صوبوں اور شہروں کے قاضی انجام دیتے تھے۔ فوجیوں اور فوج کے ساتھ چلنے والے بازار میں بھی تنازعات اٹھ کھڑے ہوتے تھے جن کے فیصلے کے لیے الگ سے قاضیِ عسکر کا عہدہ تھا۔ مشکل مسائل میں قاضیوں سے تعاون کے لیے مفتی بھی رکھے جاتے تھے۔ قاضی قانونِ شرعی کی تشریح ان سے کرا کر اپنا فیصلہ سناتا تھا۔

⓫ محتسب:

احتساب کا مطلب غلطیوں پر گرفت اور ان کی اصلاح ہے۔ اس کام کا ذمہ دار محتسب کہلاتا تھا۔ یہ عہدہ مغلوں

سمیت مسلمانوں کی اکثر حکومتوں میں رہا ہے۔ عوام کو اخلاقی حدود میں رکھنا، سود، قمار بازی، مے نوشی اور حرام کاری جیسی برائیوں کو پھیلنے سے بطورِ خاص روکنا، اشیائے صرف کی قیمتیں مقرر کرنا، ناپ تول کے نظام کی نگرانی کرنا اور دیگر معاشرتی برائیوں کا سدِ باب کرنا محتسب کی ذمہ داری تھی۔

⓬ میر آتش:

میر آتش، توپ خانے کا نگران ہوتا تھا۔ نئی توپوں اور بندوقوں کی ڈھلائی اور فوج کو گولہ بارود کی فراہمی اسی کے ذمہ ہوتی تھی۔ قلعوں کے محاصروں کے دوران توپوں کی گولہ باری کی نگرانی میر آتش کے ذمے ہوتی تھی۔

⓭ دیوانِ برید:

سرکاری ڈاک کو لانے اور لے جانے والا شعبہ دیوانِ برید کہلاتا تھا۔ ملک کی تمام شاہراہوں پر ڈاک چوکیاں قائم کی گئی تھیں جہاں ہر وقت تیز رفتار تازہ دم گھوڑے تیار رہتے تھے۔ ایک چوکی سے دوسری چوکی تک یہ گھوڑے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ اس طرح ملک بھر میں پیغامات، اطلاعات اور احکامات کی آمد و رفت ایک تسلسل سے جاری رہتی تھی۔ عموماً ایک پیغام ایک دن میں سو میل تک کا سفر کر لیتا تھا۔

⓮ مضرب:

یہ سکوں کی ڈھلائی کا کارخانہ ہوتا تھا جسے ٹکسال بھی کہتے تھے۔ ملک میں ایسے کئی کارخانے تھے جن میں سونے، چاندی، پیتل اور تانبے کے سکے ڈھلتے تھے۔ عموماً سکوں پر ایک طرف کلمہ طیبہ اور خلفائے راشدین کے اسماء کندہ ہوتے تھے۔ دوسری سمت موجودہ بادشاہ کا نام مع القاب اور سالِ تخت نشینی، نقش ہوتا تھا۔ جب بادشاہ سفر پر جاتا تو ایک سفری ٹکسال اس کے لشکر میں بھی ہوتی تھی۔ حسبِ ضرورت اس ٹکسال میں سکے تیار کر لیے جاتے تھے۔

صوبائی عہدے

اہم صوبائی عہدے اور انتظامات درج ذیل تھے: ❶ صوبے دار یا گورنر ❷ کوتوال ❸ صدر ❹ دیوان ❺ بخشی ❻ وقائع نویس ❼ فوطہ دار ❽ قاضی ❾ عامل ❿ بتکچی ⓫ سرکار ⓬ پرگنہ

❶ صوبے دار:

ہر صوبہ ایک حاکم یا صوبے دار کے ماتحت ہوتا تھا۔ یہی عہدے دار بیک وقت سول اور فوجی انتظامات کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ یعنی وہ بیک وقت گورنر بھی تھا اور وزیرِ اعلیٰ بھی۔ صوبے دار کا تقرر بادشاہ خود کرتا تھا۔ عموماً کوئی شہزادہ یا بادشاہ کا مقرب ترین عہدے دار اس منصب کا اہل سمجھا جاتا تھا۔ صوبے میں امن و امان قائم رکھنا، باغیوں پر قابو پانا، قحط، زلزلوں یا دیگر قدرتی آفات سے متاثرہ لوگوں کی مدد کرنا، ضرورت پڑنے پر فوج لے کر بادشاہ کی مدد کے لیے [illegible] ماتحت عہدے داروں کی نگرانی کرنا، اس کی اہم ذمہ داریاں تھیں۔

❷ کوتوال:

صوبے دار کے تحت ہر شہر میں ایک کوتوال یعنی پولیس سربراہ ہوتا تھا۔ شہر میں امن قائم رکھنا، شہریوں اور مسافروں کو چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں سے بچانا، کسی بھی خلاف قانون کام کا سد باب کرنا، مجرموں کو تلاش کرکے عدالت کے حوالے کرنا اور قاضی کے فیصلوں پر عمل کرنا، کوتوال کی ذمہ داری تھی۔

❸ صدر:

صدرالصدور کے تحت ہر صوبے میں ایک صدر ہوتا تھا جو صوبے کے مذہبی امور کی نگرانی کرتا تھا۔ ائمہ مساجد، مؤذنوں اور دینی مدارس کے اساتذہ کا تقرر کرنا، ان تک وظائف پہنچانا، ضرورت مندوں کی معاشی مدد کرنا، عدلیہ پر نگاہ رکھنا اور بے دینی کے عوامل کا سد باب کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔

❹ دیوان:

مرکز کی طرف سے ہر صوبے میں ایک دیوان یعنی صوبائی وزیرِ خزانہ مقرر کیا جاتا تھا۔ وہ صوبے کے مالی امور کی دیکھ بھال کرتا اور مقامی آمدن وخرچ کا حساب بادشاہ یا مرکزی دیوان کو بھیج دیتا تھا۔

❺ بخشی:

بخشی، میر بخشی کے تحت کام کرتا تھا۔ کسی بھی صوبے یا محاذ پر تعینات فوج کو تنخواہوں کی ادائیگی، نئے سپاہیوں کی بھرتی اور صوبائی سطح کی عسکری مہمات کی نگرانی اس کے ذمے ہوتی تھی۔

❻ وقائع نویس:

وقائع نویس اپنے صوبے یا شہر کے حالات، دیوانِ برید کے ذریعے مرکز کو بھیجتا تھا۔ اس کی حیثیت جاسوس کی بھی تھی اور صحافی کی بھی۔ وہ حکومت کے دشمنوں اور مجرموں کے علاوہ سرکاری افسران کے رہن سہن اور طور طریقوں پر بھی نگاہ رکھتا اور کوئی بھی مشکوک بات مرکز کے علم میں لے آتا۔

❼ فوطہ دار:

صوبائی افسرِ خزانہ کو فوطہ دار کہا جاتا تھا۔ وہ کاشت کاروں اور زمین داروں سے مالیہ وصول کرکے انہیں رسید جاری کرتا تھا اور آمدن وخرچ کا حساب رکھتا تھا۔ وہ کوئی بھی رقم دیوان کے حکم ہی سے خرچ کرتا تھا۔

❽ عامل:

پرگنوں کا افسرِ اعلیٰ عامل کہلاتا تھا۔ وہ زکوٰۃ، عشر اور خراج وصول کرتا تھا۔ زمینوں کی پیمائش کراتا، مقدم اور پٹواری کے رجسٹر چیک کرتا، فصلوں کا حال حکومت کو لکھ بھیجتا اور آمدنی کا تخمینہ لگاتا تھا۔

❾ بتقچی:

ہر پرگنے میں عامل کے ساتھ ایک بتقچی ہوتا تھا۔ اس کا کام مالیات کے سالانہ گوشوارے تیار کرنا اور اراضی کا

ریکارڈ رکھنا تھا۔ قانون گو، مقدم اور پٹواری اس کے ماتحت کام کرتے تھے۔[1]

علاقائی تقسیمات

مغلوں نے ملک کو سرکاروں، پرگنوں اور دیہاتوں میں تقسیم کر کے مقامی لوگوں کو کاروبارِ حکومت میں شریک کر لیا تھا۔ جب تک یہ افسران اور عہدے دار اچھی طرح کام کرتے رہے، یہ ملک امن وامان کا گہوارہ بنا رہا۔

مغلیہ دور میں انتظامات کو علاقے اور رقبے کے لحاظ سے اس طرح تقسیم کیا گیا تھا:

❶ سرکار:

ملک صوبوں میں تقسیم تھا اور صوبوں کو انتظامی سہولیات کی غرض سے کئی بڑے حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔

ہر بڑا حصہ "سرکار" کہلاتا تھا جسے آج کل "ضلع" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پھر ہر سرکار کو مزید چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حصہ پرگنہ کہلاتا تھا۔ (جسے آج کل تحصیل کہا جاتا ہے)

ہر سرکار میں دو بڑے افسران ہوا کرتے تھے:

(اوّل) شقدار شقداراں: یہ اپنے ضلع میں امن امان کے قیام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اس کام کے لیے کچھ سپاہی اس کے ہمراہ ہوتے تھے۔ علاقے میں باغیوں اور مجرموں پر قابو پانا اس کی ذمہ داری تھی۔ اس کے ماتحت ہر پرگنے میں ایک شقدار ہوتا تھا جس کی کارکردگی کا جائزہ لیتے رہنا بھی اس کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

(دوئم) منصفِ منصفاں: ہر ضلعے کا قاضی منصفِ منصفاں کہلاتا تھا۔ اس کے ماتحت ہر پرگنے میں ایک قاضی مقرر ہوتا تھا جسے منصف کہا جاتا تھا۔ منصفوں کی کارکردگی کا جائزہ لینا منصفِ منصفاں کے ذمے تھا۔ پرگنوں کے باہمی معاملات کو دیکھنا، ان کے تنازعات کا فیصلہ کرنا اور ان کی حد بندی طے کرنا بھی اس کے ذمے تھا۔

❷ پرگنہ:

ہر سرکار (یا ضلع) متعدد پرگنوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ ہر پرگنے میں کئی کئی دیہات ہوتے تھے۔ ہر پرگنے کا انتظام چلانے کے لیے پانچ افسران مقرر رہتے تھے۔

❶ شق دار: یہ پرگنے میں امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ دار تھا۔

❷ منصف: یہ قاضی یا جج کے فرائض انجام دیتا تھا۔

❸ مقدم (امین): یہ مالیہ وصول کرتا تھا۔

❹ فوطہ دار: یہ پرگنے کا خزانچی تھا۔

❺ قانون گو: یہ زیر کاشت زمینوں کا ریکارڈ رکھتا تھا۔

---

① عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا ریاست علی ندوی؛ سلطنت دہلی کا نظم حکومت از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

③ دیہات:

ہر دیہات میں چار عہدے ہوا کرتے تھے:

① پٹواری: یہ دیہات کی زمین کا ریکارڈ رکھتا، مالیے کا تخمینہ لگاتا اور ہتقچی کو اس سے آگاہ کرتا تھا۔

② مقدم: یہ مالیہ وصول کر کے ہتقچی کو بھیجتا تھا۔

③ چوکی دار: یہ گاؤں میں پہرہ دیتا اور امن وامان کا خیال رکھتا تھا۔

④ پنچایت: مقامی معزز لوگوں پر مشتمل ایک کونسل ہر گاؤں میں ہوتی تھی جسے پنچایت کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ مقامی جھگڑوں کو صلح صفائی کے ذریعے مقامی طور پر ہی نمٹاتے تھے۔ پنچایت مظلوم کی مدد کرتی اور زیادتی کرنے والے کو سزا دیتی تھی۔ اس طرح اکثر مقدموں کا فیصلہ فوری طور پر ہو جاتا تھا۔ صرف مشکل یا سنگین قسم کے مقدمات پرگنے کے منصف کے پاس جاتے تھے۔[①]

اہلِ ہند پر مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کے اثرات:

برصغیر میں مسلمانوں کی فتوحات اور اقتدار نے یہاں زبردست تہذیبی وتمدنی اثرات مرتب کیے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان باقی دنیا سے الگ تھلگ، درجنوں ٹکڑوں میں منقسم، شورش زدہ اور امن وامان سے محروم تھا۔ مسلم فاتحین کی آمد کے بعد ہندوستان کا غالب حصہ سیاسی لحاظ سے متحد ہو گیا، یہاں امن وامان قائم ہوا اور بین الاقوامی اعتبار سے اس کی اہمیت بڑھ گئی۔

مسلمانوں کی آمد کے بعد عرب، ترک، فارسی اور پٹھان لشکریوں کے میل جول سے اُردو زبان وجود میں آئی۔ مسلمانوں سے میل جول کے باعث ہندوؤں میں بھی بڑی تبدیلیاں آئیں۔ انہوں نے کھانے پینے، بودوباش اور طرزِ معاش میں بھی مسلمانوں کی عادات واطوار کی تقلید کی اور طہارت ونظافت اور ادب وآداب کی بے شمار باتیں سیکھیں۔ علوم وفنون، اُمورِ جہاں داری اور شعر وسخن میں بڑی قابلیت حاصل کی۔

مسلمان حکمرانوں نے کبھی بھی رعایا کو مسلمان بنانے کے لیے جبر نہیں کیا۔ بہت سے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اور جو بت پرستی پر قائم رہے، ان کے ذہنوں میں بھی کسی قدر وسعت پیدا ہوئی۔ بعض پنڈت ایک خالقِ کائنات کے وجود پر یقین کرنے لگے اور بہت سی خلافِ عقل چیزیں ترک کر دیں۔ مسلمانوں ہی سے متاثر ہو کر ان میں بھگتی تحریک اور سکھ مذہب کو مقبولیت حاصل ہوئی۔[②]

❁❁❁

① سلطنتِ دہلی کا نظمِ حکومت از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مترجم ہلال احمد زبیری، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی پریس؛ ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام از سید صباح الدین عبدالرحمٰن، طا عظم گڑھ۔ ۱۹۸۱ء

② ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی ایک جھلک: ص ۳۰۹ تا ۳۵۵، مقالہ: این سی مہتا، مقالہ: اے سی چٹرجی، مقالہ: کے ایم پنیکر

مشق

سوالات کے جوابات دیجیے:

❶ مسلم عہد میں برصغیر کے عام آدمی کی معاش کی حالت کیا تھی؟

❷ برصغیر کے مسلم حکمرانوں کا دورِ رفاہی خدمات کے حوالے سے کیسا تھا؟ مثالوں سے واضح کریں۔

❸ شاہانِ برصغیر کے عدل وانصاف کے کوئی تین واقعات قلم بند کریں؟

❹ مسلم دور میں برصغیر نے زراعت اور باغبانی میں کیا ترقی کی؟

❺ مسلم دور کے برصغیر میں صنعت وحرفت اور تجارت کی حالت کیا تھی؟

❻ علم وادب کے میدانوں میں مسلم سلاطین نے برصغیر کو آگے بڑھانے کے لیے کیا اقدامات کیے؟

❼ مغلیہ دور میں اردو زبان نے کس طرح برصغیر کی قومی زبان کی حیثیت حاصل کی؟

❽ کسی ایک پر مفصل نوٹ لکھیے: سلاطین دہلی کا نظام حکومت۔ مغلوں کا نظام حکومت

عملی کام:

❁ سلاطینِ دہلی کی تعمیر کردہ کچھ عمارات کی تصاویر اپنی بیاض میں جمع کریں۔

❁ اپنے قریبی علاقے میں مسلم سلاطین کی یادگاروں کی سیر کریں اور اس کا حال سپردِ قرطاس کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ سلطنتِ دہلی کا نظام حکومت، از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

❁ ہندوستان کی صنعت اور تجارت، از مولانا منت اللہ رحمانی

❁ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، از مولانا ابوالحسنات ندوی

مشق نامہ

معروضی سوالات

پہلا سمسٹر

Unit:1.1

تا

Unit:1.16

معروضی سوالات

برائے مبادیاتِ تاریخ (Unit:1.1)

خالی جگہ پر کیجیے:

① علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تاریخ کا موضوع.......... ہے۔

② بعض واقعات میں جو چیز واقعہ پڑھنے والے کو غلطی محسوس ہوتی ہے، وہ صحابی کا.......... ہوتا ہے۔

③ .... کی کتاب "الطبقات الکبریٰ" سیرتِ نبویہ اور حالاتِ صحابہ و تابعین کا مشہور مأخذ ہے۔

④ عربی زبان میں تاریخ کا لغوی مطلب.......... ہے۔

⑤ آج کل اکثر تاریخ دان عربی و فارسی نہ جاننے کی وجہ سے.......... تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

⑥ جو شخص.......... کی اصطلاحات اور علم سے ناواقف ہو، اسے مؤرخ شمار نہیں کیا جا سکتا۔

⑦ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب.......... کی سب سے بڑی خوبی اس کا اختصار ہے۔

⑧ لوگ.......... سے ناواقفیت کی بناء پر کذاب راویوں کی روایات کو بھی یقینی درجہ دینے لگتے ہیں۔

⑨ "السیر" کا لغوی معنیٰ.......... ہے۔

⑩ جہاں بھی "السیرۃ" معرفہ اور مفرد آتا ہے تو مراد.......... ہوتی ہے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت.......... میں ہوئی۔

(الف) ۷۳۲ھ (ب) ۵۴۵ھ (ج) ۸۸۷ھ

❷ تاریخ کا لغوی مطلب.......... ہے۔

(الف) تاریخ پڑھنا (ب) وقت بتانا (ج) ماضی کو جاننا

❸ امام خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہ.......... کے استاذ تھے۔

(الف) امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ (ب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (ج) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

❹ شروع میں لوگ.......... کے دنیا میں اتارے جانے سے تاریخ کا حساب لگاتے تھے۔

(الف) تورات (ب) فرشتوں (ج) حضرت آدم علیہ السلام

❺ تاریخ کا موضوع.................. ہے۔

(الف) مستقبل اور منصوبہ بندی (ب) انسان اور زمانہ (ج) حالات اور نتیجہ

❻ ''تاریخ الخلفاء''.................. کی تالیف ہے۔

(الف) امام سیوطی رحمہ اللہ (ب) علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (ج) امام ترمذی رحمہ اللہ

❼ وہب بن مُنَبِّہ رحمہ اللہ کے بھائی ہمام بن مُنَبِّہ رحمہ اللہ.................. کے تلمیذ تھے۔

(الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ (ب) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ج) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

❽ .... کی ''السیرۃ النبویۃ واخبار الخلفاء'' بھی سیرت کا اہم مأخذ ہے۔

(الف) ابن حبان (ب) ابو حیان (ج) حنین بن اسحٰق

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① تاریخ پڑھنے کا مقصد انسانوں اور زمانے کے حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا ہے۔ (صحیح)......(غلط)

② تاریخ طبری کا اصل نام تاریخ الدول والامم ہے۔ (صحیح)......(غلط)

③ اولادِ اسماعیل نے کعبۃ اللہ کی تعمیر سے تاریخ کا تعین شروع کیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ ابن اثیر رحمہ اللہ روایت لینے کے معاملے میں شدت کے قائل تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ ابن جَریر طبری اسلام کے بڑے اور قابلِ اعتماد ائمہ میں سے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ شام کے شہر دمشق میں پیدا ہوئے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کو خاتمۃ الحفاظ کہا جاتا ہے۔ (صحیح)......(غلط)

⑧ ابتداءً اکثر سیرت نگار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی یعنی غزوات کے حالات جمع کرتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

برائے انبیائے سابقین (Unit:1.2)

خالی جگہ پر کیجیے:

① بادشاہِ مصر............... نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کا وزیر خزانہ بنادیا۔
② حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے............... گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں رہے۔
③ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فلسطین پر ایک مشرک قوم............... قابض تھی۔
④ فارس کے بادشاہ "لُہراسپ" کے نائب............... نے جو عراق کا حاکم تھا، بیت المقدس کو اُجاڑ دیا۔
⑤ رومی بادشاہوں میں سے سب سے پہلے............... نے نصرانیت کی سرپرستی کی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان............... تھی۔

(الف) عربی (ب) عبرانی (ج) سُریانی

❷ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت............... علیہ السلام نے اسرائیلیوں کی نسلِ نو کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔

(الف) ہارون (ب) یوشع (ج) عزیر

❸ ۷۰ عیسوی میں رومی حکمران............... نے بنی اسرائیل کا قتلِ عام کیا۔

(الف) سیزر (ب) ٹروجان (ج) طیطس

❹ یہودی حکمران............... نے عبداللہ بن تامر کو قتل کرایا اور ہزاروں لوگوں کو آگ کی خندقوں میں جلادیا۔

(الف) ہیروڈوس (ب) یوسف ذونواس (ج) پولس

❺ ۳۲۵ھ میں............... میں مسیحی زعماء کی کانفرنس میں تثلیث کو نصرانیت کا لازمی عقیدہ قرار دے دیا گیا۔

(الف) قونیہ (ب) نیقیہ (ج) قُسطَنطِینیّہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① نصرانیوں کا فقط ایک فرقہ ناصریہ (Nazarenes) توحید پر جما رہا۔ (صحیح)......(غلط)

②"یہوذا" نے دینِ عیسوی میں تحریف کر کے اسے ایک نیا دین بنا دیا۔ (صحیح)......(غلط)

③یہود کا جو فرقہ "بیت المقدس" کو قبلہ مانتا تھا، اس کی ریاست کا نام "یہودا" تھا۔ (صحیح)......(غلط)

④۱۳۵ عیسوی میں بادشاہ اڈریان نے یہودیوں کو بیت المقدس سے نکال دیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤جو یہودی کوہِ سامرا کو قبلہ مانتے تھے، ان کی ریاست کا نام "یروشلم" تھا۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

اسلام سے قبل دنیا کی حالت (Unit:1.3)

خالی جگہ پر کیجیے:

① ہندو............کروڑ دیوی اور دیوتاؤں کو اپنا خدا مانتے تھے۔

② ....کو پیدائشی گناہ گار، ازلی مجرم اور دیوتاؤں کا دھتکارا ہوا قرار دے دیا گیا۔

③ اہرمن............کا بگڑا ہوا تصور تھا۔

④ پولس نے مسیحیت کی توحید کو............سے بدل ڈالا تھا۔

⑤ تورات کی تشریحات کے مجموعے کو............کا نام دیا گیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ عرب معاشرے میں ستارہ پرست لوگوں کو............کہا جاتا تھا۔

(الف) صابی (ب) کاہن (ج) قبطی

❷ لات نامی بت............کے بت خانے میں نصب تھا۔

(الف) یمن (ب) طائف (ج) خیبر

❸ کنفیوشس ۵۵۵ سال قبل از مسیح............میں پیدا ہوا تھا۔

(الف) یونان (ب) ایران (ج) چین

❹ ....نے مشرق میں فلسفے کی اشاعت کے لیے مصر میں اسکندریہ کا شہر بسایا۔

(الف) سکندر اعظم (ب) قلوپطرہ (ج) ہنی بال

❺ ....نے نئی اصلاحات پیش کر کے انسان کے لیے ہر طرح کی عیاشی جائز کر دی۔

(الف) ارسطو (ب) افلاطون (ج) مزدک

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① مجوسی آگ کے علاوہ سورج اور چاند کو بھی پوجتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)
② ''مَناۃ'' وہ پہلا بت تھا جس کی عرب میں پرستش کی گئی۔ (صحیح)......(غلط)
③ مشرقی کلیسا کا مرکز قُسطَنطِینِیّه تھا، جسے کیتھولک چرچ کہا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)
④ سُقراط حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً سات سو سال پہلے گزرا تھا۔ (صحیح)......(غلط)
⑤ مجوسی مذہب کا بانی زَرتُشت (زَرُدشت) تھا جو ساتویں صدی قبل از مسیح میں نمودار ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

برائے سیرت نبویہ مکی دور (Unit:1.4)

خالی جگہ پر کیجیے:

① حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات.............. کے مقام پر ہوئی۔

② نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر.............. برس کی تھی جب قریش نے کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا۔

③ سنہ ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر اہلِ یثرب سے ہونے والے معاہدے کو.............. جاتا ہے۔

④ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم.............. نامی گھاٹی میں محصور کر رہے تھے۔

⑤ طائف کے سفر میں حضرت.............. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

⑥ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ.............. کے غلام تھے۔

⑦ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا.............. نے نکاح پڑھایا۔

⑧ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورہ.............. کی آیات تلاوت کیں۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ مبارکہ یہ ہے: "محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن.............. بن قُصی۔

(الف) فہر (ب) کنانہ (ج) عبدمناف

❷.............. کے مکان پر طے پانے والے معاہدے کو "حلف الفضول" کہا جاتا ہے،

(الف) عبداللہ بن جدعان (ب) عبدالمطلب (ج) عاص بن وائل

❸ نبوت کے.............. سال کو "عام الحُزن" (غم کا سال) کہا جاتا ہے۔

(الف) ساتویں (ب) دسویں (ج) بارہویں

❹ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے.............. کو معلم بنا کر یثرب روانہ کیا۔

(الف) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (ب) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ج) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

❺.............. میں شریک تین نمایاں افراد کے نام: فَضل، فَضالہ اور مُفَضَّل تھے۔

(الف) بیعتِ عقبہ (ب) حربِ فِجار (ج) حِلف الفضول

❻ .... اسلام کی پہلی شہید خاتون کہلائیں۔

(الف) حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا (ب) حضرت نہدیہ رضی اللہ عنہا (ج) حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا

❼ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بچپن میں .... کے ہاتھوں غلام بنے۔

(الف) فارسیوں (ب) حبشیوں (ج) رومیوں

❽ طائف میں .... کے بڑے سردار تین بھائی: عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔

(الف) بنوبکر (ب) بنوثقیف (ج) بنواسد

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک رسول اللہ کا معجزانہ سفر "اسراء" کہلاتا ہے۔ (صحیح)......(غلط)

② حبشہ کی پہلی ہجرت میں بیس مرد اور دس خواتین نے شرکت کی۔ (صحیح)......(غلط)

③ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت کے بدلے لوگوں کی بکریاں چرانے کا کام بھی کیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی ۷ رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دو برس ہوئی تو حلیمہ سعدیہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

برائے سیرت نبویہ مدنی دور (Unit:1.5)

خالی جگہ پر کیجیے:

① نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ پہنچے تو پہلے وہاں کی نواحی بستی .... میں قیام فرمایا۔

② .... اس سیاسی یا عسکری مہم کو کہا جاتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے خود شرکت فرمائی ہو۔

③ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور .... اونٹ تھے۔

④ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ .... میں شہید ہوئے تھے۔

⑤ صلحِ حدیبیہ میں بنو بکر قریش کے اور .... مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔

⑥ .... کے محاصرے میں مسلمانوں نے پہلی بار منجنیق استعمال کی۔

⑦ واقعۂ افک غزوہ .... کے بعد پیش آیا۔

⑧ ایران کے بادشاہ .... نے رسول اللہ ﷺ کے نامہ گرامی کی توہین کی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ ابوجہل کا سر قلم کرنے والے صحابی کا نام .... ہے۔

(الف) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ب) معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ (ج) معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ

❷ غزوہ احد میں ٹیلے پر تعینات تیر اندازوں کے امیر .... تھے۔

(الف) انس بن نضر رضی اللہ عنہ (ب) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (ج) عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ

❸ سانحہ بیر معونہ میں .... صحابہ کرام شہید ہوئے۔

(الف) پچاس (ب) چالیس (ج) ستر

❹ جنگِ خندق کے لیے خندق کی کھدائی "حرہ واقم" سے .... تک ہوئی۔

(الف) جبلِ اُحد (ب) حرۂ وبرہ (ج) وادیٔ عقیق

❺ حضور اکرم ﷺ کی یہودیوں سے پہلی جنگ .... کہلاتی ہے۔

(الف) غزوۂ بنو قینُقاع (ب) غزوہ بنو نضیر (ج) غزوہ بنو قریظہ

❻ ربیع الاوّل ۵ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شمال میں............ کے مضافات تک یلغار کی جو شام کی سرحد پر تھا۔

(الف) وادی القریٰ (ب) دُومۃ الجندَل (ج) تبوک

❼ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شام کے سرحدی شہر بصریٰ کے حاکم.................. نے قتل کیا۔

(الف) اکیدر بن مالک (ب) مالک بن نویرہ (ج) شرحبیل بن عمرو غسانی

❽ ....میں شجاعت کے شاندار مظاہرے پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''سیف اللہ'' کا خطاب ملا۔

(الف) غزوۂ حنین (ب) جنگِ موتہ (ج) فتحِ مکہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کو قیصر کے کنگن پہننے کی بشارت دی۔ (صحیح)......(غلط)

② میثاقِ مدینہ پہلی اسلامی ریاست کا شہری دستور تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ یہودِ خیبر کے نامور جنگجو ''مرحب'' کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ شاہِ مصر مقوقس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی تعظیم کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ منافقین کی بنائی ہوئی مسجد کو قرآن مجید نے مسجدِ ضرار سے تعبیر کیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۶ ھ میں عمرۂ قضا ادا کیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی جنگ قبیلۂ ہوازن سے ہوئی تھی۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

برائے سیرتِ نبویہ، شمائل وخاندانِ نبوی (Unit:1.6)

خالی جگہ پر کیجیے:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک .... کی طرح چمکتا تھا۔
② .... کھالوں کو دباغت دے کر فروخت کرتیں اور آمدن کا بڑا حصہ صدقہ فرمادیتیں۔
③ امہات المومنین کی تعداد گیارہ ہے، جن میں .... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں وفات پا گئیں۔
④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی پتلی .... تھی۔
⑤ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر .... تھا۔
⑥ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ہونے والی جنگوں میں فریقین کے مقتولین کی مجموعی تعداد .... بنتی ہے۔
⑦ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد فقط .... ماہ بقید حیات رہیں۔
⑧ سورۃ النور میں سیدہ .... رضی اللہ عنہا کی عفت کی گواہی نازل ہوئی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... حج کے سفر میں اسی جگہ دفن ہوئیں جہاں ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا تھا۔

(الف) سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا (ب) سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا (ج) سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

❷ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بیٹے .... کے سوا باقی سب اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

(الف) ابراہیم (ب) قاسم (ج) عبداللہ

❸ اُمہات المومنین میں سے .... بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔

(الف) سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا (ب) سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا (ج) سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

❹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مرتب کردہ مصحفِ قرآنی .... کے پاس محفوظ رہا۔

(الف) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (ب) سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا (ج) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

❺ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت .... ۳ھ میں ہوئی۔

(الف) رجب (ب) شوال (ج) رمضان

❻ سَیِّدَہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے .... سے نکاح کیا۔

(الف) لیلیٰ بنت مسعود (ب) اُمامہ رضی اللہ عنہا (ج) اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا

❼ سَیِّدَہ .... کا اصل نام ہند تھا۔

(الف) سَیِّدَہ سودہ رضی اللہ عنہا (ب) سَیِّدَہ اُمّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا (ج) سَیِّدَہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا

❽ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے .... کا نکاح اپنے خالہ زاد ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا۔

(الف) سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا (ب) سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا (ج) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے۔ (صحیح)......(غلط)

② سَیِّدَہ صَفِیَّہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبطی خاندان سے تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ احادیث کی تعداد دو ہزار چار سو تین (۲۴۰۳) ہے۔ (صحیح)......(غلط)

④ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت شعبان ۶ ھ میں ہوئی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ سَیِّدَہ میمونہ رضی اللہ عنہا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سگی خالہ تھیں۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ہونے والی تمام جنگوں میں ۲۵۹ مسلمان شہید ہوئے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ سَیِّدَہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے علی بن ابی العاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے چھوٹے نواسے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

برائے خلافتِ راشدہ(Unit:1.7)

درست جواب منتخب کریں:

❶ خلافتِ راشدہ کے بعد کی اسلامی خلافتوں میں .... نظام ایک امر لازم تھا۔
(الف) دینی اور اسلامی (ب) خاندانی اور موروثی (ج) علاقائی اور لسانی

❷ خلیفۂ راشد میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا .... ہو۔
(الف) حافظ (ب) عکس (ج) عاشق

❸ چاروں خلفائے راشدین فرداً فرداً .... کا مظہرِ اتم اور مصداقِ کامل تھے۔
(الف) اسلامی معاشرت (ب) صحبتِ نبوی (ج) خلافتِ نبوی

❹ .... کی آیتِ استخلاف سے استدلال کرتے ہوئے خلفائے اربعہ ہی کو خلفائے راشدین قرار دیا گیا ہے۔
(الف) سورۃ البقرہ (ب) سورۃ التوبہ (ج) سورۃ النور

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① "عشرہ مبشرہ" کی شرعی اصطلاح روزِ اوّل سے دس صحابہ کے لیے مخصوص ہے۔ (صحیح)......(غلط)
② خلفائے راشدین کی صفاتِ حسنہ کا عکس تمام اموی وعباسی خلفاء میں بھی تھا۔ (صحیح)......(غلط)
③ خلفائے اربعہ کے علاوہ بھی کچھ خلفائے راشدین ہیں اور اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ (صحیح)......(غلط)
④ خلفائے راشدین کے اقوال اور افعال کے حجتِ شرعیہ ہونے پر اُمتِ مُسلمہ کا اتفاق ہے۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے دورِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (Unit:1.8)

خالی جگہ پر کیجئے:

① مسیلمہ کذاب............کا باشندہ تھا۔

② مسیلمہ کذاب سے جنگ میں..............حافظ و قاری صحابہ شہید ہوئے۔

③ طلیحہ بن خویلد کو..............کے میدان میں شکستِ فاش ہوئی۔

④ جنگِ اَجنادَین......جمادی الاولیٰ سنہ..........ہجری کو لڑی گئی۔

⑤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام روانگی سے قبل..............کو اہم نصیحتیں فرمائیں۔

⑥ جنگ ذات سلاسل سنہ..............ہجری میں لڑی گئی۔

⑦ اسود عنسی کو حضرت..........رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

⑧ جنگِ فراض میں اتحادیوں کے کم و بیش..............افراد مارے گئے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ سقیفہ بنو ساعدہ..........کی نشست گاہ تھا۔

(الف) انصار (ب) اصحابِ صُفّہ (ج) مہاجرین

❷ ....نے کہا: ''یوں کیوں نہ کرلیا جائے کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا۔''

(الف) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ب) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

(ج) حضرت حباب بن مُنذِر رضی اللہ عنہ

❸ واقعہ قرطاس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم..........دن بقیدِ حیات رہے۔

(الف) تین (ب) سات (ج) چار

❹ عراق کے سرحدی علاقے ''الجزیرۃ'' سے نبوت کا دعویٰ کرنے والی عورت کا نام..........تھا۔

(الف) سجاح بنت حارث (ب) قرافہ بنت حارث (ج) لیلیٰ بنت یافث

۸ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور .... کو ساتھ لے کر "سقیفہ بنو ساعدہ" پہنچے۔

(الف) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ　(ب) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ　(ج) حضرت علی رضی اللہ عنہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① عَمرو بن عبدالمسیح کا خادم اپنے ساتھ شہد کی تھیلی لیے ہوئے تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② طُلَیحہ کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو شام کی سرحدوں پر ایک ابتدائی حملے میں شکست ہوگئی۔ (صحیح)......(غلط)

④ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام پہنچے تو راستے کے پہلے شہر "بصریٰ" کو فتح کر لیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ میں پانچ ہزار پیادے اور تین ہزار گھڑسوار تھے۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

برائے دورِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (Unit:1.9)

خالی جگہ پر کیجئے:

① جنگِ...... میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کاندھے پر دو گہرے زخم آئے۔
② طاعونِ عمواس میں لگ بھگ.......... مسلمان جاں بحق ہوئے۔
③ قبلۂ اوّل یعنی..........کو رومیوں نے نجاست کا ڈھیر بنا کر رکھا تھا۔
④ قیصر کا ایشیائی پایۂ تخت..............تھا۔
⑤ جنگ نہاوند کے فاتح حضرت..........رضی اللہ عنہ تھے۔
⑥ یَزْدَ گِرْد سے آخری معرکہ خراسان میں مرو کے نزدیک دریائے مرغاب کے کنارے ہوا۔
⑦ صخرۂ مقدسہ کے سامنے جو مسجد تعمیر کی گئی اسے مسجد..........اور مسجد.........کہا جاتا ہے۔
⑧ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آخری حج سنہ..........میں کیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ جس خاص اُمتی کے دل میں اللہ کی طرف سے حق بات ڈالی جاتی ہے، اُسے..........کہتے ہیں۔
(الف) مُحَدَّث (ب) مُلْهَم (ج) مُوَفَّق
❷ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ..........کو اپنا نائب بنا کر مدینہ طیبہ سے بیت المقدس روانہ ہوئے۔
(الف) حضرت محمد بن مَسلَمہ رضی اللہ عنہ (ب) حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ (ج) حضرت علی رضی اللہ عنہ
❸ جنگِ..........میں پہلے دن کی جنگ کو "یوم الارماث" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
(الف) نہاوند (ب) یرموک (ج) قادسیہ
❹ ایرانیوں نے ملکہ بوران دخت کو معزول کر کے..........سالہ شہزادے یزدگرد کو اپنا بادشاہ بنالیا۔
(الف) پندرہ (ب) اکیس (ج) تیس
❺ رُستم کو ایک مجاہد..........نے قتل کیا۔

(الف) ہلال بن یساف (ب) ہلال بن علقمہ (ج) علقمہ بن قیس

❻ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام .... کو ساتھ لیے ایک اُونٹنی پر شام روانہ ہوئے۔

(الف) یرفاء (ب) اسلم (ج) رافع

❼ فیروز ابولؤلؤ .... کا غلام تھا۔

(الف) حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ (ب) حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ (ج) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① جنگِ جسر میں مسلمانوں کے امیر حضرت ابوعبید ثقفی رحمہ اللہ تھے۔ (صحیح)......(غلط)

② ساسانی سلطنت کا آخری بادشاہ نوشیروان تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ بیت المقدس ۲۰ھ میں فتح ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

④ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محرابِ داؤد کے پاس دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ ساسانی سلطنت کا خصوصی شاہی پرچم "دِرَفْش کاویانی" تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ بنوزہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ ہرقل شام چھوڑ کر قُسْطَنْطِیْنِیَّہ چلا گیا اور باقی زندگی وہیں گزاری۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

برائے دورِ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (Unit:1.10,1.11)

خالی جگہ پر کیجئے:

① عبداللہ بن سبا........... کا رہنے والا تھا۔
② بدری صحابی حضرت.............. رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اب میں مرتے دم تک نہیں ہنسوں گا''۔
③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی لشکر پہلی بار........... کی قیادت میں خلیجِ قُسطَنطِینِیّہ تک جا پہنچا۔
④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آخری ساسانی بادشاہ........... قتل ہوگیا۔
⑤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خواب میں فرمایا: ''عثمان!.............. کرنا''
⑥ شورش پسندوں کے قافلے ۳۵ھ میں........... سے روانہ ہوئے۔
⑦ حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا الزام بالکل........... ہے۔
⑧ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل.............. کے درمیان سرحدی کوہستان میں روپوش ہوگئے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... سمندری سفر کے دوران بحری جہاز میں وفات پاگئے۔
(الف) معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ (ب) عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ (ج) ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

❷ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ........... دن رات تک مسلسل استصوابِ رائے میں مشغول رہے۔
(الف) سات (ب) تین (ج) پانچ

❸ سنہ ۲۸ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلا اسلامی بحری بیڑہ لے کر........... کے ساحل سے روانہ ہوئے۔
(الف) عکا (ب) دمیاط (ج) غزہ

❹ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ........... کے سر پر جا پہنچے اور تلوار سے اس کا سر قلم کردیا۔
(الف) منوئیل (ب) جرجیر (ج) یزدگرد

❺ کوفہ کے حاکم حضرت........... نے ابن سبا کو شہر بدر کردیا۔
(الف) ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ (ب) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (ج) سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

❻ .... میں فتنے کے سرغنہ عبداللہ بن سبا، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر تھے۔

(الف) کوفہ (ب) بصرہ (ج) مصر

❼ بصرہ کے حاکم حضرت نے کہا: ''لوگوں کو جہاد میں مشغول کر دیں۔''

(الف) یعلیٰ بن اُمیہ رضی اللہ عنہ (ب) عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ (ج) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں صحابہ میں سے کوئی بھی شریک نہ تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کا سب سے بڑا بحری معرکہ ''ذات الصواری'' تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قُسطَنطِینِیَّہ افریقہ کے راستے سے فتح ہو سکتا ہے۔ (صحیح)......(غلط)

④ اسکندریہ کے مقامی قبطی باشندے بغاوت میں رومیوں کے ساتھ شریک نہ تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ افریقہ کے فاتح لشکر کے ہر سپاہی کو کم از کم ایک ہزار درہم ملے۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ پولس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں محبت پر مبنی نئے عقائد کا اظہار کیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے دورِ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (Unit:1.12, 1.13)

خالی جگہ پر کیجیے:

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد.......... ذوالحجہ، سنہ.......... ہجری کو ہوا۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت.......... کو سفیر بنا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا۔

③ تحکیم کے لیے.......... کا مقام منتخب کیا گیا تھا۔

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بن کر حضرت.......... رضی اللہ عنہ کو مصر کا حاکم مقرر کردیا۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرحدوں کے احترام کا معاہدہ سنہ.......... ہجری میں ہوا۔

⑥ خوارج نے.......... کو اپنا امیر مقرر کیا۔

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام.......... تھا۔

⑧ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ.......... رمضان، سنہ ۴۰ ہجری کو ہوا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک.......... برس ہوئی۔

(الف) ۷۳ (ب) ۶۳ (ج) ۵۳

❷ کچھ لوگوں نے جھوٹی شہادت دی کہ.......... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے۔

(الف) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (ب) اہلِ مدینہ (ج) حضرت علی رضی اللہ عنہ

❸ .... نے جب عراق جانے کا مقصد پوچھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہماری نیت بس اصلاح کی ہے۔“

(الف) حسن بن علی رضی اللہ عنہ (ب) رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ (ج) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

❹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے.......... کو اپنا سفیر بنا کر اہلِ شام کے پاس بھیجا۔

(الف) جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ (ب) جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (ج) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

❺ حَکَمَین رمضان ۳۷ھ میں عراق اور شام کی سرحد کے قریب.......... کے مقام پر جمع ہوئے۔

(الف) دُومۃ الجندل (ب) عین التمر (ج) معرّۃ نعمان

❻ .... ۳۷ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ ایک حکمران کے طور پر اہلِ شام سے بیعت لی۔

(الف) شعبان (ب) ذوالقعدہ (ج) ذوالحجہ

❼ اشتر نخعی کی موت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے .... کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجا۔

(الف) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ب) قیس بن سعد رضی اللہ عنہ (ج) محمد بن ابی بکر

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تحکیم کے لیے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مقرر کیے گئے۔ (صحیح)......(غلط)

② مدینہ پر پانچ دن بلوائی قابض رہے اور ان کا سردار غافقی بن حرب نمازیں پڑھاتا رہا۔ (صحیح)......(غلط)

③ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو دونوں فوجوں نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (صحیح)......(غلط)

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ گوشہ نشینی کا حکم اس وقت ہے جب کوئی شرعی خلیفہ نہ ہو اور ہر طرف انتشار کی کیفیت ہو۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ خوارج نے "لاحکم الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں) کو نعرہ بنالیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ برک بن عبداللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملے کے لیے مصر کی طرف نکل گیا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے دورِ حضرت حسن رضی اللہ عنہ و چند مفید مباحث (Unit:1.14)

خالی جگہ پر کیجیے:

① حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد رمضان، سنہ.......... ہجری میں ہوا۔

② حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت سب سے پہلے حضرت.......... نے کی۔

③ .... کے آغاز میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر لے کر شام سے نکلے۔

④ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپنے کی تقریب.......... نامی مقام پر منعقد ہوئی۔

⑤ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما.......... کے ہدیے قبول کرتے رہے۔

⑥ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے.......... برس عمر پائی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ.......... نے پڑھائی۔

(الف) حضرت حسین رضی اللہ عنہ (ب) مروان بن حکم (ج) حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

❷ حضرت حسن رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر.......... کے قصرِ ابیض میں ٹھہر گئے جہاں زخم کا علاج ہوا۔

(الف) کوفہ (ب) بغداد (ج) مدائن

❸ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو.......... کے پہلو میں دفنایا گیا۔

(الف) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ب) حضرت علی رضی اللہ عنہ (ج) سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

❹ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکروں کا آمنا سامنا.......... کے مقام پر ہوا۔

(الف) قادسیہ (ب) مسکن (ج) کربلاء

❺ .... ۴۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔

(الف) شعبان (ب) رمضان (ج) ذوالحجہ

❻ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ.......... سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ب) حضرت علی رضی اللہ عنہ (ج) حضرت عباس رضی اللہ عنہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① شامی جرنیل عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آ کر مدائن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا۔ (صحیح)......(غلط)

② حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو وہ جنگ نہیں چاہتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی شرائط کو پورا نہیں کیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پہرے کا سخت انتظام کرتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بھر حسنین کریمین کا اعزاز و اکرام فرماتے رہے۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ اُمتِ مسلمہ نے اپنے ابتدائی زمانے میں جو جو صدمے سہے، وہ اس کی قوتِ مدافعت کی مضبوطی کا باعث بن گئے۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے خلافتِ راشدہ کی انتظامی وتمدنی خصوصیات (Unit:1.15)

خالی جگہ پر کیجیے:

① خلافتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا سیاسی ادارہ.......... تھی۔

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں توسیع کے بعد مسجدِ نبوی کا طول ۲۴۰ فٹ اور عرض.......... فٹ ہوگیا۔

③ خلافتِ راشدہ میں اہلِ فتویٰ کی تعداد.......... سے زائد تھی۔

④ خلافتِ راشدہ میں.......... سے قبل لازم تھا کہ تجارت کے احکام سیکھے جائیں۔

⑤ کوفہ میں بیعتِ رضوان سے مشرف.......... اور غزوۂ بدر میں شامل ۷۰ صحابہ کرام آباد تھے۔

⑥ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی میں توسیع کے لیے.......... کا مکان اس میں شامل کر دیا۔

⑦ حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ.......... زبان جانتے تھے۔

⑧ حضرت عبداللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نوشتۂ حدیث.......... کے نام سے مشہور تھا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ اگر.......... کے کنارے ایک اونٹ بھی ضایع ہوا تو اللہ کے ہاں باز پرس کا ڈر ہے۔

(الف) دریائے دجلہ (ب) دریائے فرات (ج) دریائے نیل

❷ قاضی شُرَیح رحمہ اللہ کی ماہانہ تنخواہ.......... درہم تھی۔

(الف) ۱۰۰۰ (ب) ۳۰۰ (ج) ۱۰۰

❸ .... کا ادارہ رعایا کی کفالت، عوامی نمایندگی اور قومی نظم وضبط کی بہترین مثال تھا۔

(الف) العُرَفاء (ب) مجلسِ شوریٰ (ج) عدلیہ

❹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مُہر کا نقش.......... تھا۔

(الف) اَلْمُلْکُ لِلّٰہ (ب) نِعْمَ الْقَادِرُ اللّٰہ (ج) کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا

❺ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دو مرتبہ.......... کے حاکم بنائے گئے۔

(الف) مدینہ (ب) بصرہ (ج) کوفہ

❻ کسی غریب ولاچار کو اپنی فریاد پہنچانا ہوتی تو وہ اپنے............کو کہہ دیتا۔

(الف) امیر　　(ب) عریف　　(ج) امام مسجد

❼ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک حدیث سیکھنے کے لیے شام اور ایک کے لیے............تک گئے۔

(الف) وسطِ ایشیا　　(ب) مصر　　(ج) خراسان

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① جدید مسائل میں رہنمائی کرنے والے صحابی جنہیں اہل فتویٰ کہا جاتا تھا، ۳۰۰ سے زائد تھے۔ (صحیح)......(غلط)

② کسی ذمی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ طیبہ کے قاضی حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ (صحیح)......(غلط)

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو۔'' (صحیح)......(غلط)

⑤ جزیے کی شرح غیر معمولی تھی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حدیث لکھنے کا اہتمام سب سے زیادہ کرتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ بصرہ کے شہریوں کو پانی کی فراہمی کے لیے دریائے فرات سے نہر نکالی گئی تھی۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

(برائے خلافتِ اُمویہ سفیانیہ۔ دورِ حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ (Unit:1.16)

خالی جگہ پر کیجیے:

① بنواُمیّہ ....بن............کی اولاد میں سے تھے۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طبعی میلان یہی تھا کہ............اوران کے ساتھیوں کی جان بخشی کردی جائے۔

③ جس دفتر میں سرکاری حکم ناموں کو مہر بند کیا جاتا تھا اسے............کہا جاتا تھا۔

④ دارالخلافہ دمشق میں حضرت فضالۃ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ ....کے منصب پر فائز تھے۔

⑤ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے تیونس کے ساحل پر واقع مشہور شہر............فتح کیا۔

⑥ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مدینہ میں اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ....میں قاضی مقرر تھے۔

⑦ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی تعداد............ہے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ ....کو ان کی وصیت کے مطابق قُسطَنطِینِیّہ کی فصیل کے قریب دفن کردیا گیا۔

(الف) حضرت عبدالرحمن بن خالد رضی اللہ عنہ (ب) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(ج) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

❷ حضرت جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے سن............ہجری میں روڈس کو فتح کیا۔

(الف) ۴۳ (ب) ۵۳ (ج) ۶۰

❸ حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۹ھ میں شام میں............کے نئے کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا۔

(الف) پارچہ بافی (ب) اسلحہ سازی (ج) جہاز سازی

❹ مکحول رحمۃ اللہ علیہ دراصل............تھے مگر شام میں منتقل ہونے کے بعد شامی مشہور ہوگئے۔

(الف) سندھی (ب) ہندی (ج) ترکی

❺ حضرت عَمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ زید کی ولی عہدی کے مسئلے پر گفتگو کے لیے............سے دِمشق گئے۔

(الف) مکہ (ب) یمن (ج) مدینہ

❻ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ سے ردائے نبوی............ درہم میں خریدی۔

(الف) دس ہزار (ب) بیس ہزار (ج) چالیس ہزار

❼ سن ۵۹ ہجری میں ابومہاجر دینار رحمہ اللہ نے رومیوں کے قدیم تاریخی شہر............ کو فتح کیا۔

(الف) طرابلس الغرب (ب) قیروان (ج) قرطاجنہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① سن ۴۳ ہجری میں خارجی گروہ حارث بن علقمہ نامی سردار کی قیادت میں پھر منظم ہوگیا۔ (صحیح)...... (غلط)

② جمہور اُمت کے مطابق انہی صحابہ کی رائے صحیح تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کے مخالف تھے۔ (صحیح)...... (غلط)

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت زیاد کی عمر پندرہ برس تھی۔ (صحیح)...... (غلط)

④ خلیفہ بننے کے بعد یزید کی بعض زیادتیاں اور خرابیاں صحیح روایات سے ثابت ہیں۔ (صحیح)...... (غلط)

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حراسہ (محافظ دستے) کا شعبہ قائم کیا۔ (صحیح)...... (غلط)

⑥ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کی سرزمین پر سولہ جہادی مہمات روانہ کیں۔ (صحیح)...... (غلط)

⑦ حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ علم وفضل اور زہد وعبادت میں ممتاز تھے۔ (صحیح)...... (غلط)

دوسرا سمسٹر

Unit:2.1

تا

Unit:2.16

معروضی سوالات

(برائے خلافتِ اُمویہ سفیانیہ۔ عہدِ یزید بن معاویہ)(Unit:2.1)

خالی جگہ پر کیجیے:

① .... نے آتے ہی قسم کھا کر مکہ معظمہ پر چڑھائی کا عزم ظاہر کیا۔
② .... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کٹا ہوا سر لے کر قصر امارت پہنچا اور عبید اللہ بن زیاد کو خوشخبری دی۔
③ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کی اُمّت .... کو .... میں شہید کرے گی۔''
④ یزید نے قسم کھائی کہ اب وہ .... کی بیعت تب قبول کرے گا جب وہ ہتھکڑی اور طوق پہنیں گے۔
⑤ .... افریقی قبائل کے ایک اچانک حملے میں تقریباً پوری فوج سمیت شہید ہو گئے۔
⑥ ربیع الاول ۶۴ھ کا چاند طلوع ہوا تو حصین بن نمیر مسجد الحرام کے قریبی پہاڑوں .... پر قابض ہو چکا تھا۔
⑦ مجموعی طور پر یزید کے دور میں دولتِ امویہ کے رقبے میں .... ہوئی۔
⑧ ۵ ربیع الاول ۶۴ھ کو .... کا سانحہ وقوع پزیر ہوا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ یزید کی ولی عہدی کے مسئلے پر گفتگو کے لیے .... سے دمشق گئے۔
(الف) مکہ (ب) یمن (ج) مدینہ

❷ یزید نے مدینہ کے حاکم .... کو حکم بھیجا کہ وہ حضرت حسین اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے فوراً بیعت لے۔
(الف) ولید بن عقبہ (ب) ولید بن عتبہ (ج) عتبہ بن ولید

❸ .... فرماتے تھے: ''بحدل کے نواسے کی بہ نسبت ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے زیادہ محبوب ہیں۔''
(الف) عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (ب) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (ج) مسلم بن عقیل رحمہ اللہ

❹ سب سے پہلے عمر بن سعد کی فوج کے ایک شخص .... نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر تیر چلایا۔
(الف) سنان بن انس (ب) شمر بن ذی الجوشن (ج) عمر طہوی

❺ مسلم بن عقیل رحمہ اللہ .... کو شہید کیے گئے۔
(الف) ۸ ذوالحجہ (ب) ۸ شوال (ج) ۸ ذوالقعدہ

❻ امام مالک رحمہ اللہ کے مطابق: ''حرہ کے مقتولین..........افراد تھے جو قرآن مجید کے حافظ و قاری تھے۔''

(الف) پانچ سو (ب) تین سو (ج) سات سو

❼ جنگِ حرہ کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یزید کے لیے لی گئی بیعت کو..........قرار دیتی تھیں۔

(الف) مبارک بیعت (ب) بیعتِ لازمہ (ج) بیعتِ ضلالت

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ابو شریح رضی اللہ عنہ کی گفتگو اور حدیثِ نبوی کے جواب میں عمرو بن سعید نے مؤدبانہ کلام کیا۔ (صحیح)......(غلط)

② مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کوفہ پہنچ کر حضرت ہانی بن عروہ رحمہ اللہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ (صحیح)......(غلط)

③ شامی فوج نے منجنیق کے ذریعے مدینہ کے محصورین پر سنگ باری شروع کر دی۔ (صحیح)......(غلط)

④ جنگِ حرہ میں مدینہ منورہ کے سرفروشوں کی تعداد صرف چھ ہزار تھی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ یزید نے خلیفہ بنتے ہی جزیرۂ روڈس سے فوج واپس بلالی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ جنگِ حرہ کے بعد شامی سپاہی تین دن تک مدینہ منورہ میں خوراک تقسیم کرتے رہے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ جنگِ حرہ کے بعد تین دن تک مسجدِ نبوی میں اذان و اقامت کہنے والا کوئی نہ تھا۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

(برائے دورِ خلافتِ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (Unit:2.2)

خالی جگہ پر کیجیے:

① عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ .... کی عمر میں جنگِ یرموک میں شریک ہوئے۔

② معاویہ بن یزید کی موت کی خبر ملنے پر شامی جرنیل .... نے جنگ ختم کردی۔

③ مروان نے محرم ۶۵ھ میں .... کی جنگ جیتی۔

④ مختار نے بغاوت کر کے ربیع الاوّل ۶۶ھ میں .... پر قبضہ کرلیا۔

⑤ .... نے کئی معرکوں کے بعد خوارج کو بصرہ اور مضافات سے مار بھگایا۔

⑥ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے .... سے سنی ہوئی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔

⑦ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ محبت .... سے تھی۔

⑧ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے حجاج بن یوسف کو ''مُبیر'' (خوں خوار) اور .... کا سردار قرار دیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... ۶۴ھ کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نئے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت لے لی۔

(الف) ۱۷ جمادی الاولیٰ (ب) ۱۰ رمضان (ج) ۹ رجب

❷ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا حُصین بن نمیر پر عدمِ اعتماد ایک .... بات تھی۔

(الف) عجیب (ب) فطری (ج) غلط

❸ عبیداللہ بن زیاد .... ۶۴ھ میں روپوش ہوگیا۔

(الف) ربیع الاوّل (ب) رجب (ج) جمادی الآخرہ

❹ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے .... کو شام کا امیر مقرر کردیا۔

(الف) ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ (ب) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (ج) انس بن مالک رضی اللہ عنہ

❺ مروان نے خلافت کا دعویٰ .... ۶۴ھ میں کیا۔

(الف) محرم (ب) رمضان (ج) ذوالقعدہ

❻ ''حرکۃ التوابین'' کی بنیاد.......... نے رکھی۔

(الف) باغیوں (ب) مختار ثقفی (ج) حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ

❼ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور اس دور کے اکابر کا یہی خیال تھا کہ بنو ثقیف کا کذاب.......... ہے۔

(الف) حجاج بن یوسف (ب) محمد بن قاسم (ج) مختار ثقفی

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① حجاج کے باپ نے اُسے کہا: ''بیٹا لگتا ہے خدا نے تجھے خوش نصیب پیدا کیا ہے۔'' (صحیح)......(غلط)

② حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ مصعب بن زبیر رحمہ اللہ کے نکاح میں تھیں۔ (صحیح)......(غلط)

③ جمادی الاخریٰ ۶۵ھ میں مروان نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت پانچ سال دس ماہ قائم رہی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند عبید اللہ، مصعب رحمہ اللہ کے پرچم تلے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ اردن کے والی حسان بن مالک نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھا کر انہیں دفن کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے خلافتِ اُمویہ مروانیہ: عبدالملک تا، ولید بن عبدالملک (Unit:2.3)

خالی جگہ پُر کیجئے:

① عبدالملک کے حکم پر........... نے تمام حساب کتاب کو عربی میں منتقل کرادیا۔

② مؤرخین کے بقول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو........... نے قتل کرایا تھا۔

③ .... نے بیت المقدس میں صخرۂ مقدسہ پر عظیم الشان گنبد تعمیر کرایا۔

④ افریقہ کے حاکم موسیٰ بن نُصیر رحمہ اللہ کا شمار........... میں ہوتا ہے۔

⑤ طارق بن زیاد نے........... کاؤنٹ جولین کے مشورے پر فوج کو کئی حصوں میں بانٹ کر مختلف سمتوں میں بھیجا۔

⑥ ولید کے دور میں مسجدِ نبوی کی قبلہ رخ دیوار کی نقاشی اور سجاوٹ پر........... دینار صرف کیے گئے۔

⑦ حجاج حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو........... تسلیم نہیں کرتا تھا۔

⑧ .... سرکاری مصروفیات کے ہجوم میں بھی روزانہ دس پارے تلاوت کرتا تھا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... پہلا حکمران تھا جس نے شاہراہوں پر ہر میل کے بعد علامتی تختیاں (سنگِ میل) نصب کرائیں۔

(الف) ولید بن عبدالملک (ب) عبدالملک بن مروان (ج) مروان بن حکم

❷ عبدالملک نے........... ہجری میں حجاج بن یوسف کو عراق کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔

(الف) ۸۰ (ب) ۶۵ (ج) ۷۵

❸ دیر الجماجم" کا معرکہ........... ہجری میں ہوا۔

(الف) ۸۳ (ب) ۷۷ (ج) ۸۷

❹ عبدالملک بن مروان مرض الموت میں مبتلا ہوا اور ۱۵........... ۸۶ھ کو فوت ہو گیا۔

(الف) شوال (ب) رمضان (ج) شعبان

❺ بالائی سندھ کا مرکز "اروڑ" اور زیریں سندھ کا........... تھا۔

(الف) نیرون کوٹ (ب) دیبل (ج) برہمن آباد

❻ کاؤنٹ جولین کی بیٹی............راڈرک کے محل میں تعلیم وتربیت حاصل کر رہی تھی۔

(الف) مارگریٹ (ب) انجیلا (ج) فلوریڈا

❼ ولید کا چھوٹا بھائی............اپنے زمانے کا مایہ ناز جرنیل تھا۔

(الف) سلیمان بن عبدالملک (ب) یزید بن عبدالملک (ج) مَسلَمہ بن عبدالملک

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① اکثر علماء کے نزدیک ظالم حاکم کی اطاعت پر صبر کرنا، اس کے خلاف خروج سے بہتر ہے۔ (صحیح)......(غلط)

② جامع اُموی کی تعمیر میں چھ ہزار مزدوروں اور معماروں نے حصہ لیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ حجاج بن یوسف نے سندھ کی مہم پر دو کروڑ درہم خرچ کیے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

④ محمد بن قاسم کی مہمات ولید بن عبدالملک کی وفات تک جاری رہیں۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ عبدالملک ۶۰ سال کی عمر میں دنیا سے چل بسا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ وفات سے کچھ مدت پہلے حجاج نے مشہور تابعی سعید بن مُسَیَّب رحمہ اللہ کو قتل کرایا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ۸۸ھ میں مسجدِ نبوی کی تعمیرِ نو شروع کرائی۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

(برائے خلافتِ اُمویہ مروانیہ: سلیمان تا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (Unit:2.4)

خالی جگہ پر کیجیے:

① صالح بن عبدالرحمن نے اپنے بھائی کا انتقام .... سے لیا۔
② سلیمان بن عبدالملک نے .... کے مشورے سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔
③ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فدک کی آمدن دوبارہ .... کے لیے مخصوص کر دی۔
④ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے .... اور .... کو احادیث تحریری شکل میں جمع کرنے کا حکم دیا۔
⑤ عاصم بن عمر کی بیٹی اُمّ عاصم حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی .... تھیں۔
⑥ کوئی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تعریف کرتا تو وہ فرماتے: ''جو .... کے ساتھ کیا اس کا کیا ہوگا۔''
⑦ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کہنا تھا: ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے تھے نہ کہ ....۔''
⑧ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''......... کو دین کا سلیقہ تھا نہ دنیا کا۔''

درست جواب منتخب کریں:

❶ قُتیبہ بن مسلم کے قتل کا واقعہ سلیمان کی خلافت کے .... سال کا ہے۔
(الف) تیسرے (ب) پہلے (ج) دوسرے

❷ اذیتیں سہتے ہوئے .... ہجری میں محمد بن قاسم کی وفات ہوگئی۔
(الف) ۹۶ (ب) ۱۰۰ (ج) ۹۸

❸ ۹۷ھ میں سلیمان بن عبدالملک حج کے لیے روانہ ہوا تو .... کو بھی ہمراہ لے لیا۔
(الف) موسیٰ بن نُصَیر رحمہ اللہ (ب) طارق بن زیاد (ج) یزید بن عبدالملک

❹ سلیمان ایشیائے کوچک کے سرحدی علاقے .... کو چھاؤنی بنا کر وہیں ٹھہر گیا۔
(الف) دابق (ب) انطاکیہ (ج) مرعش

❺ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مصر کے حاکم .... کی برطرفی اور گرفتاری کا حکم جاری کیا۔
(الف) حکم بن ایوب (ب) یزید بن ابی مسلم (ج) اسامہ بن زید تنوخی

❻ وفات کے وقت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی عمر............سال کے قریب تھی۔

(الف) چالیس　　(ب) پچاس　　(ج) اڑتیس

❼ مروان کا بیٹا............جمعہ وعیدین کے خطبے میں ہاتھوں کو خوب حرکت دیتا تھا۔

(الف) عبدالملک　　(ب) عبدالعزیز　　(ج) بشر

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حجاج بن یوسف کے خاندان "بنوعقیل" کو جلاوطن کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

② موسیٰ بن نُصیر رحمۃ اللہ علیہ اندلس سے واپسی پر اپنے بیٹے عبداللہ کو نائب بنا کر آئے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

③ عاصم بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر سیرتِ نبویہ کا درس شروع کیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ سلیمان نے ۹۷ھ میں خراسان میں مُہلّب بن زید کو تعینات کیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سربراہی کا اہل میری نظر میں ہے یعنی قاسم بن محمد۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ صالح بن عبدالرحمن، حجاج بن یوسف اور اس کے وفاداروں کا پکا حامی تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اچھا مشورہ دینے والے کے لیے ایک سو درہم انعام رکھا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے خلافت اُمویہ مروانیہ: یزید بن عبدالملک تا مروان بن محمد (Unit:2.5)

خالی جگہ پر کیجیے:

① امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یزید بن عبدالملک سے حدیث کی روایت لینے کو.......... قرار دیتے تھے۔
② ذوالحجہ ۱۲۲ھ کے جس معرکے میں عربوں کے شرفاء کام آئے، اسے ''معرکۂ..........'' کہا جاتا ہے۔
③ محمد بن علی عباسی نے.......... کے مضافاتی گاؤں ''حُمَیْمَہ'' میں عباسی تحریک کی بنیاد رکھی۔
④ فرانس میں عبدالرحمن الغافقی اور ہزاروں مجاہدین کی شہادت گاہ.......... کہلاتی ہے۔
⑤ جامع اُموی میں.......... اور.......... قبائل کے دو امام دو منبروں پر الگ الگ خطبے دینے لگے تھے۔
⑥ بنوعباس نے تحریک کی مقبولیت کے لیے.......... جیسے مؤثر نعرے عام کیے۔
⑦ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عراق کے حاکم.......... کے ظلم کا نشانہ بنے اور انہیں کوڑے لگائے گئے۔
⑧ جمادی الآخرہ ۱۳۲ھ میں.......... کے کنارے بنومروان کو عباسیوں نے فیصلہ کن شکست دے دی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ ۱۲۲ھ میں حبیب بن ابی فہرہ نے.......... پر ایک بڑا حملہ کیا اور یہاں کے پایۂ تخت سرقوسہ کو فتح کرلیا۔
(الف) صِقِلّیہ (ب) روڈس (ج) کریٹ

❷.......... کے زمانے سے عرب قبائل میں مضری اور یمانی کی بنیاد پر افتراق پیدا ہونے لگا تھا۔
(الف) سلیمان بن عبدالملک (ب) یزید بن عبدالملک (ج) ہشام بن عبدالملک

❸.......... وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بنوامیہ کے خلاف ایک انقلابی تحریک کے تصور کو وجود بخشا۔
(الف) محمد بن علی (ب) عبداللہ ابوہاشم (ج) علی بن عبداللہ بن عباس

❹ محمد بن علی نے سب سے زیادہ توجہ.......... پر دی۔
(الف) خراسان (ب) شام (ج) افریقہ

❺ عبداللہ بن علی نے.......... ۱۳۲ھ میں کسی دشواری کے بغیر دمشق کو فتح کرلیا۔
(الف) رجب (ب) رمضان (ج) محرم

❻ یمانی قبائل نے .... کے گرد جمع ہو کر نصر بن سیّار کے خلاف بغاوت کر دی۔

(الف) زید بن علی (ب) جُدَیع بن علی (ج) عون بن محمد بن حنفیہ

❼ خالد بن عبداللہ قسری نے خود کو بچانے کے لیے حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ پر .... کا جھوٹا الزام لگا دیا۔

(الف) رشوت ستانی (ب) بغاوت (ج) بدعنوانی

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ولید بن یزید قادر الکلام شاعر تھا اور شعراء کو بڑھ چڑھ کر انعامات دیا کرتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② مروان بن محمد (مروانِ ثانی) ناتجربہ کار اور کم ہمت انسان تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ فرانسیسیوں کے جوابی حملوں میں امیر عبدالعزیز بن موسیٰ شہید ہو گئے اور مسلمان ''ناربونہ'' آ گئے۔ (صحیح)......(غلط)

④ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہشام بن عبدالملک پر زور دیتے رہے کہ ولید بن یزید کی ولی عہدی منسوخ کر دی جائے۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ ابو مسلم نے خراسان میں عربوں کو آباد کرنے کی بڑی کوشش کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ ''کورُصول'' بہت معرکہ آزما سردار تھا اور ۷۲ جنگیں لڑ چکا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ مروان بن محمد نے ابراہیم عباسی کو گرفتار کرنے کے بعد معاف کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: عہدِ اُموی میں تہذیب وتمدن ومعاشرہ (Unit:2.6)

خالی جگہ پر کیجئے:

① ''معتزلہ'' خود کو.......... کہتے تھے۔

② مسلمانوں نے عملِ کیمیا اور دھاتوں کی ڈھلائی پر بھی توجہ دی جس کا آغاز.......... نے کیا۔

③ مالی معاملات اور حسابات کی لکھت پڑھت کے لیے الگ کاتب ہوتا تھا جسے.......... کہا جاتا تھا۔

④ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلاطینِ.......... کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی۔

⑤ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ.......... کی فرمائش پر چار سو احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

⑥ عبداللہ بن عمر (بن عبدالعزیز) نے عراق میں جو نہر کھدوائی اس پر.......... سے زیادہ خرچہ آیا۔

⑦ دمشق میں رہنے والے نامور ترین عرب خطیب.......... کا تعلق اُموی دور سے تھا۔

⑧ مروان بن محمد کی مُہر کا نقش.......... تھا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ ہشام بن عبدالملک نے اپنے دور میں.......... کی تاریخ کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا۔

(الف) یونانیوں (ب) رومیوں (ج) اہلِ فارس

❷ .... نے بصرہ کے قریب نہر نکال کر اس کے کناروں پر دکانیں تعمیر کرائیں۔

(الف) بلال بن ابی بردہ (ب) بشر بن مروان (ج) حکم بن ایوب

❸ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مُہر کا نقش.......... تھا۔

(الف) لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه (ب) لِکُلِّ عَمَلٍ ثَوَاب (ج) اَلْحُکْمُ لِلْحَکِیْم

❹ عبدالملک کے دور میں.......... کے تمام نظام کو عربی میں منتقل کر دیا گیا۔

(الف) تعلیم وتدریس (ب) محصولات (ج) خط وکتابت

❺ نعیم بن مسعود شیبانی، عمر بن معمر ذہلی اور سُوید بن منجوف سدوسی.......... کے مدح خوان تھے۔

(الف) خلافتِ مروانیہ (ب) خلافتِ عباسیہ (ج) خلافتِ زبیریہ

❻ جن کا عربوں سے موالاۃ (باہمی تعاون) کا معاہدہ ہوتا تھا، انہیں............ کہا جاتا تھا۔

(الف) موالیٔ عرب (ب) موالیٔ موالاۃ (ج) موالیٔ عتاقہ

❼ .... پہلا شخص تھا جس نے قرآن مجید کے مخلوق ہونے کی بحث چھیڑی۔

(الف) جعد بن درہم (ب) جہم بن صفوان (ج) واصل بن عطاء

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں مدارس کا باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② زید بن اسلم مدنی رحمہ اللہ (۱۳۶ھ) کے حلقے میں بیک وقت چالیس شعراء دیکھے گئے۔ (صحیح)......(غلط)

③ خلاس بن عمرو رحمہ اللہ کے صحیفے میں حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات تھیں۔ (صحیح)......(غلط)

④ عبدالملک کے حکم سے قرطبہ میں دریائے وادی الکبیر پر ایک عظیم الشان پل قائم کیا گیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ جامع اُموی دمشق میں محمد بن عجلان رحمہ اللہ (م ۱۴۸ھ) کا عظیم حلقہ لگتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ محدث اور فقیہ ہونے کی علاوہ کاغذ سازی کے بھی ماہر تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ شیعہ تفضیلیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے خلافتِ عباسیہ: سفاح تا ہادی (Unit:2.7)

خالی جگہ پر کیجئے:

① جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو.......... میں ابوالعباس سَفّاح کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔

② ابو سلمہ خلال کا لقب "وزیر.........." تھا۔

③ ابوجعفر المنصور.......... ۴۱ سال کی عمر میں خلیفہ بنا۔

④ .... پہلا خلیفہ ہے جس نے ہتھیار بند سپاہیوں کے جلوس میں باہر نکلنے کی رسم شروع کی۔

⑤ ۱۶۲ھ میں مہدی خود محاذ پر گیا اور فوج کی کمان اپنے بیٹے.......... کے سپرد کی۔

⑥ منصور کئی اعتبار سے.......... سے خاصا مشابہ معلوم ہوتا ہے۔

⑦ .... نے اپنے دورِ خلافت میں پانچ بار حج کا سفر کیا۔

⑧ اچھے اخلاق نے خلیفہ.......... کو ہر طبقے کا محبوب بنا دیا تھا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ سَفّاح نے ۱۳۴ھ میں دریائے فرات کے شمال مشرق میں واقع شہر.......... کو اپنا پایۂ تخت بنالیا۔

(الف) کوفہ (ب) بصرہ (ج) انبار

❷ ابوالعتاہیہ اور ابودُلامہ جیسے نامور شعراء.......... کے ہم نشین تھے۔

(الف) منصور (ب) ہادی (ج) مہدی

❸ .... کی انگوٹھی پر نقش تھا: "اَللّٰہُ ثِقَۃُ عَبْدُاللّٰہِ وَبِہٖ یُؤْمِنُ۔"

(الف) منصور (ب) سفاح (ج) مہدی

❹ سرکاری خزانے سے بغداد کی تاسیس وتعمیر پر.......... خرچ ہوئے۔

(الف) دس کروڑ درہم (ب) ایک کروڑ دینار (ج) دو کروڑ درہم

❺ .... میں سفاح کے خلاف پہلی بڑی بغاوت شام کے علاقے قِنّسرین میں ہوئی۔

(الف) ۱۳۴ھ (ب) ۱۳۲ھ (ج) ۱۳۶ھ

❻ عبداللہ بن حسن رحمہ اللہ کے بیٹے نفسِ زکیہ کا اصل نام............تھا۔

(الف) علی (ب) ابراہیم (ج) محمد

❼ ابو مسلم کے قتل کے بعد اس کا مجوسی عقیدت مند............اصفہان سے رے تک قابض ہو گیا۔

(الف) سُنباذ (ب) استاذ سیس (ج) حکیم مقنع

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ۱۳۸ھ (۷۵۵ء) میں عبدالرحمن بن معاویہ نے اندلس میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ (صحیح)......(غلط)

② مہدی کو تعمیری و ترقیاتی کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ (صحیح)......(غلط)

③ شہر بغداد کی فصیل کی چوڑائی نیچے سے ۷۵ فٹ اور اوپر سے ۳۰ فٹ رکھی گئی۔ (صحیح)......(غلط)

④ ۱۵۳ھ میں افریقہ میں خوارج نے بہت بڑے پیمانے پر بغاوت کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ مہدی کا بیٹا موسیٰ ہادی تیس سال کی عمر میں خلیفہ بنا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ منصور کی تدفین گورستانِ مکہ "جَنَّۃُ الْمُعَلّٰی" میں ہوئی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ شعوبی تحریک نے اہلِ کتاب کی تعلیمات کو زندہ کرنا شروع کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

عملی کام:

❁ منصور کے دور میں دولتِ عباسیہ کی حدود کو نقشے پر واضح کریں۔

❁ عباسی کے دور میں فقہ کے مراکز شہروں کی قدیم یا جدید تصاویر جمع کر کے انہیں عملی کاپی پر چسپاں کریں۔

کتب برائے مطالعہ:

❁ تاریخ الخلفاء: عباسی دور: ابو العباس سفاح تا الہادی

❁ تاریخ الدولة العباسية، از نبيلة حسن محمد، مطبوعه دارالمعرفة الجامعية، مصر

❁ التاریخ الاسلامی العام، از دکتور علی ابراہیم حسن (باب دولتِ عباسیہ)

❁❁❁

معروضی سوالات

برائے خلافتِ عباسیہ: دورِ ہارون الرشید تا متوکل عباسی (Unit:2.8)

خالی جگہ پر کیجیے:

① ....اور ہارون الرشید میں سگے بھائیوں سے زیادہ محبت تھی۔
② ہارون بنوعباس میں وہی حیثیت رکھتا تھا جو............کی بنوامیہ میں تھی۔
③ مامون نے ....کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے کا اعلان کیا تو امرائے بغداد کی اکثریت نے بغاوت کردی۔
④ "بابک خرمی" ....کے پہاڑوں کو مرکز بنا کر بستیوں کو قتل وغارت کا نشانہ بناتا رہا۔
⑤ لفظ............مختصر ہوکر "سامرا" رہ گیا۔
⑥ احمد بن نصر رحمہ اللہ کو خلیفہ............نے قتل کرایا۔
⑦ امام ابوعبدالرحمن الازدی رحمہ اللہ نے معتزلی عالم قاضی............کو بحث میں لاجواب کردیا۔
⑧ متوکل نے اپنے تین بیٹوں............کو یکے بعد دیگرے جانشین طے کردیا تھا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ منصور کے عہد میں قتل ہونے والے نفسِ زکیہ کے حقیقی بھائی............نے دَیلم بغاوت کی۔
(الف) ادریس بن عبداللہ (ب) ابراہیم بن محمد (ج) یحییٰ بن عبداللہ

❷ ابراہیم بن اغلب نے افریقہ کے عسکری مرکز............میں اپنی ریاست قائم کرلی جو دولتِ اغالبہ کہلائی۔
(الف) قیروان (ب) قرطاجنہ (ج) مہدیہ

❸ ہارون کی وفات کے وقت سرکاری خزانہ............کی مالیت تک پہنچ چکا تھا۔
(الف) چالیس کروڑ دینار (ب) بیس کروڑ پچیس ہزار دینار (ج) بیس کروڑ درہم

❹ زبیدہ خاتون کا اصل نام تھا۔
(الف) زینب (ب) اَمۃ الرحمن (ج) اَمۃُ العزیز

❺ ....میں معتصم نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو دربار میں طلب کیا اور کوڑے لگوائے۔
(الف) رمضان ۲۲۲ ہجری (ب) رمضان ۲۲۱ ہجری (ج) شعبان ۲۲۱ ہجری

❻ واثق باللہ نے علمائے حق کا جینا دو بھر کر دیا اور............کو شہر بدر کر دیا۔

(الف) محمد بن نوح رحمۃ اللہ علیہ (ب) احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ (ج) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

❼ متوکل کی چہیتی ملکہ قبیحہ اپنے بیٹے............کو جانشین دیکھنا چاہتی تھی۔

(الف) مؤید (ب) معتز (ج) منتصر

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ہارون الرشید کو برامکہ کے خلاف بھڑکانے میں فضل بن ربیع کا بہت اہم کردار تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② بابک کے پیروکار ''مُحَمِّرَہ'' (سرخ پوش) کہلاتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

③ امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح رحمہما اللہ کو مامون کے پاس شام روانہ کر دیا گیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ متوکل نے احمد بن ابی دُواد کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ معتصم کی زندگی میں چار کا عدد اہم رہا ہے۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ ہارون ۲۰۰ھ میں لشکر لے کر سرحد پر پہنچا اور رومیوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ الواثق باللہ کی تخت نشینی کے سال قیصر توفیل فوت ہو گیا۔ (صحیح)......(غلط)

عملی کام:

❀ ایک چارٹ پر سفاح سے متوکل تک تمام خلفاء کے اصل نام اور القاب کو خوش خط لکھیے۔

❀ پنسل اور رنگوں سے ایک تمثیلی تصویر بنایئے جس میں بغداد کی گلیوں اور عمارتوں کی منظر کشی کی گئی ہو۔

معروضی سوالات

برائے خلافتِ عباسیہ: منتصر تا القائم (Unit:2.9)

خالی جگہ پر کیجیے:

① شاہی طبیب نے خلیفہ.......... کو پچھنے لگانے کے لیے زہر آلود نشتر استعمال کیا۔
② مہتدی باللہ کی پسندیدہ شخصیت.......... تھے۔
③ یعقوب بن لیث صفاری کی حکومت کا شعار.......... تھا۔
④ مصروشام کی "دولتِ اخشیدیہ" کا بانی ایک ترک سردار.......... تھا۔
⑤ ۳۱۷ھ میں.......... مکہ میں گھس گئے اور حجرِ اسود کو اکھاڑ کر لے گئے۔
⑥ قاہر گیارہ سال تک قید رہا اور رہائی کے بعد.......... میں گمنامی کی موت مر گیا۔
⑦ طغرل بیگ نے اس ریاست کو.......... کے نام پر "دولتِ سلجوقیہ" کا نام دیا۔
⑧ .... میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ ...... نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقبرے کی زیارت کو بحال کر دیا۔
(الف) منتصر (ب) مستعین (ج) مہتدی

❷ صاحب الزنج.......... میں ایک معرکے کے دوران مارا گیا۔
(الف) ۲۷۰ھ (ب) ۲۸۰ھ (ج) ۲۹۶ھ

❸ مستعین کے دور میں.......... نے مصر میں خود مختار حکومت قائم کر لی جو "دولتِ طولونیہ" کہلائی۔
(الف) طولون بن اغلب (ب) اشرف بن طولون (ج) احمد بن طولون

❹ شرف الدولہ نے بغداد میں ایک بڑی.......... بنوائی۔
(الف) درسگاہ (ب) خانقاہ (ج) رصدگاہ

❺ بغداد پر احمد بن بُوَیہ کے قبضے کے وقت خلیفہ.......... مسند نشین تھا۔
(الف) مُتَّقِی (ب) مُکْتَفِی (ج) مُسْتَکْفِی

❻ ۲۹۳ھ میں روس کی وحشی قوموں نے ماوراء النہر پر دھاوا بول دیا مگر............ نے انہیں پسپا کر دیا۔

(الف) امیر اسماعیل سامانی (ب) یعقوب بن لیث صفاری (ج) سیف الدولہ

❼ راضی باللہ نے علی بن بُوَیہ کو سندِ حکومت کے ساتھ............ کا لقب بھی عطا کر دیا۔

(الف) تاج الدولہ (ب) رکن الدولہ (ج) عماد الدولہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① سلجوق ۷۰ سال کی عمر پا کر فوت ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

② ۴۰۸ھ میں خلیفہ نے علماء سے اعتزال اور رافضیت سے اظہارِ برأت کا تحریری اقرار لیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ مقتدر ہمیشہ نفلی روزے رکھتا اور نہایت سادہ زندگی گزارتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

④ طغرل بیگ نے ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ بُوَیہی کو تاکید کی کہ وہ خلیفہ کا احترام کرے۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ معتضد نے بہت سے ٹیکس ساقط کر کے عوام کو خوشحال بنا دیا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ ۳۵۲ھ میں احمد بن بُوَیہ نے عاشورہ کے جلوس اور ماتم کی رسم شروع کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ ۳۰۹ھ میں منصور حلاج کو باعزت بری کر دیا گیا۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

برائے خلافتِ عباسیہ۔ دورِ القائم تا سقوطِ خلافتِ بغداد (Unit:2.10)

خالی جگہ پر کیجئے:

① مسترشد کے دور میں عراق کے .... نے بڑا فتنہ برپا کیا۔
② نظام الملک کے دورِ وزارت میں مشہور اسماعیلی داعی .... کا ظہور ہوا۔
③ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مُعتَضِد کے بعد .... سے زیادہ بہادر خلیفہ کوئی نہیں گزرا۔''
④ مُقتَفِی سے قبل بغداد کی پیشہ ور فوج فقط .... سپاہیوں پر مشتمل تھی جسے اس نے دوگنا کر دیا۔
⑤ .... نے ۴۷ سال حکومت کی اور ۷۰ سال عمر پائی۔
⑥ .... نے بنوہاشم اور علویوں کو بہت نوازا، علماء، مدارس اور خانقاہوں پر خوب خرچ کیا۔
⑦ جامعہ مستنصریہ کی تعمیر .... میں شروع ہوئی اور ۶۳۱ھ میں مکمل ہوئی۔
⑧ مستنصر نے تاتاریوں سے حفاظت کے لیے .... گھڑ سواروں کی فوج تیار کی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ خلیفہ مقتدی ۱۹ سال ۵ ماہ حکومت کر کے ۱۸ محرم .... کو فوت ہوا۔
(الف) ۴۷۰ھ (ب) ۴۸۷ھ (ج) ۴۹۹ھ

❷ طغرل کے بعد اس کا بھتیجا یعنی الپ ارسلان بن .... بادشاہ بنا۔
(الف) ارسلان بیگ (ب) دولت بیگ (ج) چغر بیگ

❸ برکیارق اور شہزادہ محمد کے درمیان .... خانہ جنگی کو ۴۹۷ھ میں علماء وفضلاء نے بیچ میں پڑ کر ختم کرایا۔
(الف) تین سالہ (ب) دس سالہ (ج) پانچ سالہ

❹ ۵۴۸ھ میں بلخ کے قریب سلطان .... کی ترکانِ غُز سے ایک بڑی جنگ ہوئی جس میں وہ گرفتار ہو گیا۔
(الف) محمد سلجوقی (ب) سنجر سلجوقی (ج) محمود سلجوقی

❺ .... دو دوست بادشاہوں کے درمیان دشمنی ڈال دیتا اور انہیں احساس تک نہ ہوتا۔
(الف) المستضیء (ب) الناصر لدین اللہ (ج) مستنجد باللہ

⑥ الظاہر باللہ کو..........حکومت کا موقع ملا۔

(الف) دو سال نو ماہ (ب) نو سال دس ماہ (ج) نو ماہ چوبیس دن

⑦ ۱۴ صفر..........کو خلیفہ مستعصم پورے خاندان سمیت قتل کر دیا گیا۔

(الف) ۶۵۵ھ (ب) ۶۶۰ھ (ج) ۶۵۶ھ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ۴۵۹ھ کو بغداد میں مدرسہ نظامیہ کا اجراء ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

② مستعصم امورِ سیاست کا ماہر، حوصلہ مند اور بیدار مغز تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ نظام الملک طوسی دفتری کام کے لیے ہمیشہ باوضو بیٹھتا۔ (صحیح)......(غلط)

④ سلطان مسعود سلجوقی کی وفات کے بعد بغداد بیرونی حکمرانوں کے تسلط سے محفوظ رہا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ خلیفہ الظاہر نے آباء و اجداد کے خزانوں کو مزید پُر کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ خلیفہ الناصر رعایا کے حق میں مہربان اور عدل و انصاف کا خوگر تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ دبیس بن صدقہ الاسدی فصاحت و بلاغت کے علاوہ سفاکی اور عیاری میں بھی مشہور تھا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے دولتِ عباسیہ کی معاصر حکومتیں (Unit:2.11.A)

خالی جگہ پر کیجئے:

① .... نے شمالی افریقہ کے مسلم شہروں کو خوب ترقی یافتہ کر دیا اور صقلیہ (سسلی) بھی فتح کر دکھایا۔

② ''سامان'' .... کا نواحی قصبہ تھا جس کی طرف دولتِ سامانیہ منسوب ہے۔

③ خلیفہ .... نے ''ناصر الدولہ'' کے بھائی علی بن عبداللہ کو ''سیف الدولہ'' کا خطاب دیا۔

④ ابراہیم نے مصر جا کر .... ہجری میں خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

⑤ کافور کے دربار میں مشہور شاعر .... بھی تھا۔

⑤ قاہرہ میں ابن طولون کی تعمیر کردہ مسجد .... آج تک قائم ہے۔

⑤ ۳۴۹ھ میں انوجور .... سال کی عمر میں فوت ہوا۔

⑤ مصر کی حکومت میں پہلی بار ''وزیر'' کا عہدہ .... نے شروع کیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ دولتِ طولونیہ فقط .... قائم رہی مگر مؤرخین اسے اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔

(الف) ۲۸ (ب) ۵۸ (ج) ۳۸ سال

❷ ۳۲۷ھ میں شام و مصر میں قائم ہونے والی خود مختار حکومت کا نام .... تھا۔

(الف) دولتِ ادارسہ (ب) دولتِ اغالبہ (ج) دولتِ اخشیدیہ

❸ ۲۵۹ھ میں دولتِ طاہریہ کا خاتمہ .... کے ہاتھوں ہوا۔

(الف) رومیوں (ب) صفاریوں (ج) تاتاریوں

❹ دولتِ اغالبہ تقریباً .... سال تک قائم رہی۔

(الف) ۱۱۳ (ب) ۲۲۰ (ج) ۲۳۱

❺ رئیس الاطباء ابوبکر بن زکریا الرازی (م ۳۲۰ھ) اور مشہور طبیب بوعلی سینا کا تعلق .... سے تھا۔

(الف) دولتِ صفاریہ (ب) دولتِ سامانیہ (ج) دولتِ خوارزمیہ

❻ ۳۵۵ھ میں علی بن اخشید نے............سال کی عمر میں وفات پائی۔

(الف)۲۲ (ب)۳۱ (ج)۴۴

❼ بنوعبید کے داعی..................نے دولتِ اغالبہ کے مرکز قیروان اور دیگر شہروں پر قبضہ کرلیا۔

(الف)دبیس بن صدقہ (ب)ابوعبداللہ شیعی (ج)عبیداللہ بن مختار

❽ سلاجقہ کا جدِ امجد............کے ایک ترکمان خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص سلجوق تھا۔

(الف)وسطِ ایشیا (ب)ایران (ج)چین

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ۳۱۲ھ میں بنوعبید کے ہاتھوں دولتِ ادارسہ کا خاتمہ ہوگیا۔ (صحیح)......(غلط)

② ۵۹۲ھ میں عباسیوں نے سلجوقیوں کو شکست دے کر ان کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ سلجوقیوں کا عروج تقریباً ۶۰ سال تک رہا۔ (صحیح)......(غلط)

④ صفاری حکمران شریعت کے مخالف، ظالم اور بے مروّت تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ ۳۵۸ھ میں بنوعبید نے مصر پر قبضہ کر کے دولتِ اخشیدیہ کا خاتمہ کردیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ طغرل بیگ کی شان میں متنبی کے کئی قصائد مشہور ہیں۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ عظیم سلاجقہ بیک وقت وسطِ ایشیا، خراسان، ایران، عراق وشام پر حکومت کرتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: عباسی دور میں مختلف فرقوں کی حکومتیں (Unit:2.11.B)

خالی جگہ پر کیجئے:

① مسترشد کے دور میں عراق کے .... نے بڑا فتنہ برپا کیا۔
② نظام الملک کے دورِ وزارت میں مشہور اسماعیلی داعی .... کا ظہور ہوا۔
③ ۳۰۵ھ میں بنوعبید نے دولتِ ادارسہ کے آخری خود مختار حکمران .... کو اپنا باج گزار بنالیا۔
④ عباسی خلیفہ ناصر کے دور میں اسماعیلی پیشوا حسن ثالث نے .... کو حج کے لیے بھیجا۔
⑤ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی .... کو یاد کرتے تو روتے روتے بے حال ہو جاتے۔
⑥ بنوعبید کے پیشوا .... نے ساٹھ برس تک حکومت کی۔
⑦ .... اپنی برطرفی کے چند دن بعد ۵۶۷ھ میں فوت ہو گیا۔
⑧ بنوعبید کی حکومت کا خاتمہ سلطان .... کے ہاتھوں ہوا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... نے پہلے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر کہا کہ عیسیٰ مسیح کی روح میرے اندر اتر آئی ہے۔
(الف) حمدان بن اشعث (ب) حسن بن صباح (ج) عبید اللہ بن میمون
❷ ۲۸۹ھ میں قرامطی داعی .... نے شام میں قرامطی عقائد کو کامیابی سے پھیلایا۔
(الف) ابن قتی (ب) ذکرویہ بن مہرویہ (ج) مہرجان بن صفوان
❸ .... نے اپنے مخالفین کے لیے "جہنم" نامی ایک عقوبت خانہ بنایا۔
(الف) الحاکم (ب) العزیز (ج) الحافظ
❹ قاہرہ کی بنیاد عبیدی خلیفہ معز کے نائب .... نے رکھی تھی۔
(الف) بدر جمالی (ب) شاور (ج) جوہر
❺ قصرِ شرقی عبیدی خلیفہ کی قیام گاہ تھا جو .... کمروں پر مشتمل تھا۔
(الف) ایک ہزار (ب) چار ہزار (ج) تین سو

❻ .... نے شمالی افریقہ کے مسلم شہروں کو خوب ترقی یافتہ کر دیا اور صِقِلّیہ (سسلی) بھی فتح کر دکھایا۔

(الف) بنو حمدان (ب) بنو اغلب (ج) بنو نصر

❼ عاضد کے کتب خانے میں .... کتابیں تھیں۔

(الف) چالیس ہزار (ب) پچیس ہزار (ج) ایک لاکھ بیس ہزار

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① بنو عبید کے دور میں اذان تبدیل کر دی گئی۔ نمازِ عیدین اور نمازِ تراویح پر پابندی رہی۔ (صحیح)......(غلط)

② وزیر بدر جمالی نے نزار کی جگہ مستنصر کے بیٹے نزار کو حکمران بنا دیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ اُموی سردار ابو رَکوہ (ولید بن یزید) نے بنو عبید کو جنگوں میں پے در پے شکستیں دیں۔ (صحیح)......(غلط)

④ الحاکم کی حماقتوں سے اس کی ہمشیرہ بہت تنگ تھی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ ابو یزید خارجی نے اہلِ سنت سے بہت اچھا برتاؤ کیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ بنو عبید کے ہاں بلاغ ثالث میں مہدی کے رسول ہونے کا یقین دلایا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ المنصور نے علماء کو قتل کرنے کے لیے "دَارُ النَّحر" نامی قربان گاہ بنوائی۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

برائے: عباسی دور میں صلیبی جنگیں (Unit:2.12)

خالی جگہ پر کیجیے:

① صلیبی جنگوں کے زمانے میں اس مضحکہ خیز تخیل نے مغربی اذہان میں جگہ پائی کہ اسلام............ کی تعلیم دیتا ہے۔
② پوپ اربن ثانی نے فرانس کے شہر............ میں ایک عظیم مذہبی کانفرنس بلا کر پہلی صلیبی جنگ کا اعلان کیا۔
③ .... نے یورپ واپس جا کر مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا اور فضا میں آگ لگا دی۔
④ چھٹی صلیبی جنگ میں نصرانیوں نے شاہِ جرمنی............ کی قیادت میں حملہ کیا۔
⑤ .... منصورہ کے مقام پر شکست کھا کر قیدی بن گیا۔
⑥ سلطان............ نے ترکے میں کوئی باغ اور مکان نہ چھوڑا تھا۔
⑦ پانچویں صلیبی جنگ میں الملک الکامل، الملک المعظم اور............ نے صلیبیوں کو عبرتناک شکست دی۔
⑧ شاہ لوئیس نہم کی تجویز تھی کہ ہم جنگ کو عسکری محاذ سے............ محاذ پر منتقل کر دیں۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... نے ۶۴۸ھ میں شاہِ فرانس کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ دس سال تک فرانس حملہ نہیں کرے گا۔
(الف) شجرۃ الدرّ (ب) توران شاہ (ج) رکن الدین بیبرس
❷ خلیفہ............ اور سلطان نور الدین زنگی کے حکم پر صلاح الدین ایوبی نے مصر سے بنو عبید کا خطبہ ختم کر دیا۔
(الف) الناصر (ب) الراضی (ج) مستضئ
❸ شاہ مصر الملک الصالح ایوب کی وفات............ جنگ کے دوران ہوئی۔
(الف) پانچویں صلیبی جنگ (ب) آٹھویں صلیبی جنگ (ج) ساتویں صلیبی جنگ
❹ .... میں جرمنی کے بادشاہ کونراڈ ثالث اور شاہِ فرانس برنارڈ لوئیس ہفتم نے شام پر حملہ کیا۔
(الف) دوسری صلیبی جنگ (ب) پہلی صلیبی جنگ (ج) تیسری صلیبی جنگ
❺ صلیبی جنگیں ۴۸۹ھ میں شروع ہوئیں اور ان کا اختتام............ میں ہوا۔
(الف) ۷۹۰ھ (ب) ۶۹۰ھ (ج) ۵۸۸ھ

❻ ۴۷۹ھ .... نے اندلس میں نصرانیوں کو عبرتناک شکست دی۔

(الف) نورالدین زنگی (ب) صلاح الدین ایوبی (ج) یوسف بن تاشفین

❼ ۴۸۴ھ میں .... میں واقع اسلامی جزیرے صقلیہ (سسلی) پر نصرانیوں نے قبضہ کرلیا۔

(الف) بحرِ اوقیانوس (ب) بحیرۂ اسود (ج) بحیرہ روم

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کا تعلق آذربائیجان کے گاؤں دوین سے تھا۔ (صحیح)...... (غلط)

② پیٹر راہب تیرہ لاکھ افراد لے کر ایشیائے کوچک پہنچا اور قلیج ارسلان کو شکست دے دی۔ (صحیح)...... (غلط)

③ برطانوی شہزادے ایڈورڈ نے ۶۷۰ھ میں قیساریہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ کرلیا۔ (صحیح)...... (غلط)

④ عبیدی حکمرانوں نے صلیبیوں کو شام پر حملے کے لیے باقاعدہ اکسانا شروع کیا۔ (صحیح)...... (غلط)

⑤ ۵۶۹ھ میں سلطان دمشق صلاح الدین ایوبی کی قلمرو میں شامل ہوگیا۔ (صحیح)...... (غلط)

⑥ عمادالدین زنگی ۵۱۸ھ میں واسط اور بصرہ کا جاگیردار بنا۔ (صحیح)...... (غلط)

⑦ یہودی صلیبی جنگوں میں کھلم کھلا شریک تھے۔ (صحیح)...... (غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

عالمِ اسلام پر تاتاری یلغار اور سقوطِ بغداد (Unit:2.13)

خالی جگہ پر کیجئے:

① بخارا کی جامع مسجد............ کی دلکشی سے متاثر ہو کر چنگیز خان نے پوچھا: ''یہ تمہارے بادشاہ کا محل ہے؟''

② چنگیز خان اور سلطان جلال الدین کے درمیان دریائے سندھ کے ساحل کا معرکہ............ کو لڑا گیا۔

③ سلطان جلال الدین نے ۶۲۲ھ سے ۶۲۵ھ تک گرجستان پر حملے کیے اور............ کی کمر توڑ دی۔

④ ۶۳۴ھ میں خلیفہ مستنصر کی طرف سے............ کے اعزاز میں جلوس نکالا گیا جس میں عشاء کی نماز قضا ہوگئی۔

⑤ مستنصر کی وفات ہوئی تو امیر............ نے اس خبر کو خفیہ رکھا۔

⑥ راستے میں ہلاکو نے قزوین کا رخ کر کے قلعہ............ کو جا گھیرا۔

⑦ ابن علقمی نے خلیفہ کو کہا: ''ہلاکو خان اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے فرزند............ سے کرنا چاہتا ہے۔''

⑧ .... کو قالین میں لپیٹ کر اس وقت تک لاٹھیوں اور لاتوں سے پیٹا گیا جب تک اس کی جان نہ نکل گئی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ علاؤ الدین خوارزم شاہ نے مشتعل ہو کر............ کو دریا برد کرا دیا۔

(الف) شیخ مجد الدین رحمۃ اللہ علیہ (ب) شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ (ج) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

❷ جوجی............ پر تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے خوارزم کی شمال مشرقی سرحد کے قریب جا پہنچا۔

(الف) جرنیلی سڑک (ب) شاہراہِ ریشم (ج) شاہراہ پیلو

❸ بغداد کی سب سے بڑی درس گاہ مستنصریہ کے سب سے بڑے مدرس کا مشاہرہ............ تھا۔

(الف) بارہ دینار (ب) سو دینار (ج) دو سو دینار

❹ سلطان جلال الدین نے............ ساتھیوں کے ہمراہ ''اورگنج'' سے کوچ کر دیا۔

(الف) تیس ہزار (ب) تین سو (ج) تین ہزار

❺ ۶۲۵ھ میں اصفہان کی جنگ میں سلطان کا بھائی............ اپنے سپاہیوں سمیت بھاگ نکلا۔

(الف) رکن الدین (ب) قطب الدین (ج) غیاث الدین

❻ ہلاکو خان کا درباری ....خلیفہ کو بچانا چاہتا تھا۔

(الف) شمس الدین طغرائی (ب) حسام الدین (ج) نصیر الدین طوسی

❼ ہلاکو خان کے حملے کے بعد بغداد میں چالیس دن تک قتل وغارت گری کا بازار گرم رہا۔

(الف) تیس (ب) پچاس (ج) چالیس

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① سلطان جلال الدین نے ہندوستان میں رہ کر بنگال و بہار کا بہت سا حصہ فتح کر لیا۔ (صحیح)......(غلط)

② ہلاکو خان تیار تھا کہ خلیفہ کو تابع بنا کر صلح کر کے لوٹ جائے مگر ابن علقمی نے منع کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ سیف الدین اغراق اور امین الدین مالِ غنیمت کے ایک طلائی تاج پر باہم لڑ پڑے۔ (صحیح)......(غلط)

④ سقوطِ خلافت کے بعد بغداد کبھی اپنی سابقہ عظمت حاصل نہ کر سکا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ ایک تاتاری عورت ایک گھر میں داخل ہوئی اور اہل خانہ کو یکے بعد دیگرے قتل کرتی چلی گئی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ خلیفہ مستنصر کی تین بیٹیاں خدیجہ، مریم اور فاطمہ قیدی بنالی گئیں۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ تیمور ملک نے صرف ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں کو کئی ماہ تک الجھائے رکھا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: دورِ ممالیک اور خلافتِ عباسیہ قاہرہ (Unit:2.14)

خالی جگہ پر کیجیے:

① سلطان.......... بسا اوقات بھیس بدل کر لوگوں میں گھل مل جاتا اور اپنے نائبین کی کارکردگی کا پتا لگاتا۔
② سلطان قلاوون نے خلیفہ.......... کو قوص کے مقام پر نظر بند کرا دیا۔
③ توران شاہ کے قتل کے بعد الملک الصالح کی بیگم.......... مصر کی حکمران بنی۔
④ سلطان ناصر الدین قلاوون نے قاہرہ میں ایک عظیم الشان شفاخانہ تعمیر کرایا جس کا نام.......... تھا۔
⑤ شجرۃ الدر نے امیر عز الدین ترکمانی کو اس لیے قتل کرایا کہ وہ.......... کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔
⑥ شاہِ فرانس.......... کے بعد کسی یورپی بادشاہ کو صلیب کے نام پر ہتھیار اٹھانے کی ہمت نہ ہوسکی۔
⑦ ہلاکو خان شام و مصر پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ اچانک.......... کی فوج نے نمودار ہو کر اسے شکستِ فاش دے دی۔
⑧ منگول حکمران تکودار نے سلطنت سنبھالتے ہی اسلام کا اعلان کیا اور اپنا نام.......... رکھ لیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... مصر پر حکومت کرنے والا واحد بادشاہ تھا جو حنفی فقہ پر عمل پیرا تھا۔

(الف) صلاح الدین ایوبی (ب) سیف الدین قطز (ج) سلطان قلاوون

❷ آخری عباسی خلیفہ مستعصم کا.......... احمد بن ظاہر منگولوں سے بچتا بچاتا مصر پہنچ گیا۔

(الف) ماموں (ب) سوتیلا بھائی (ج) سگا چچا

❸ سلطان بیبرس نے باطنیوں کے آخری پیشوا.......... کو گرفتار کر لیا۔

(الف) نجم الدین حسن (ب) رکن الدین خورشاہ (ج) علاؤ الدین حسن

❹ منگول حکمران اباقا نے ۶۸۰ھ میں اپنے بھائی.......... کی کمان میں پچاس ہزار سواروں کا لشکر شام روانہ کیا۔

(الف) جرماغون (ب) منگو تیمور (ج) بیدرہ

❺ خلیفہ.......... ایک زبردست خطیب تھا۔ اس کے خطبات نے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کر دیا۔

(الف) مستنصر باللہ، احمد بن ظاہر (ب) مستعصم زکریا بن ابراہیم (ج) الحاکم احمد بن ابو علی

❻ خلیفہ............کی زبان میں قدرے لکنت تھی۔

(الف) المستکفی سلیمان بن حاکم (ب) القائم حمزہ بن متوکل (ج) المستعین عباس بن متوکل

❼............نے روضۂ اطہر پر سفید وسیاہ سنگِ مرمر کا ایک نیلا گنبد بنوایا جسے بعد میں عثمانیوں نے سبز کر دیا۔

(الف) ابوسعید بہادر خان (ب) العادل کتبغا (ج) سلطان اشرف قائتبائی

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① سلطان رکن الدین بیبرس کے مدرسۂ ظاہریہ کا کتب خانہ بڑا مشہور تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② خلیفہ ابوبکر معتضد باللہ متواضع، دین دار اور علم دوست شخص تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ عزالدین ایبک ترکمانی نے بہت خراب حکومت کی۔ (صحیح)......(غلط)

④ ارغون خان کی وفات کے بعد منگولوں میں اسلام پھیلنا بند ہو گیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ خلیفہ المستکفی (سلیمان بن متوکل) بہت باتونی تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ الملک الناصر نے مدرسۂ ناصریہ تعمیر کرایا جس میں فقط فقہِ شافعی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ خلیفہ الواثق کبوتر بازی اور مرغ لڑانے کا شوقین تھا، لیکن دین میں اکثر دھوکہ دیا کرتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

عباسی دور میں تہذیب وتمدن (Unit:2.15,2.16)

خالی جگہ پر کیجئے:

① مامون کے دور میں.......... کے مقام پر اسلامی تاریخ کی پہلی رصدگاہ (خلائی تحقیق کا ادارہ) قائم کی گئی۔

② ....قصرِ خلافت کا نگران ہوتا تھا۔

③ ''مارستان سیدہ'' کے ماہانہ اخراجات.......... تھے۔

④ حُنین بن اسحٰق نے قدیم یونانی حکیم.......... کے لگ بھگ چالیس رسائل کا ترجمہ کیا۔

⑤ ۱۵۷ھ میں دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر قدیم شہر کے جنوب میں.......... کی تعمیر ہوئی۔

⑥ پھلوں اور سبزیوں کے بازار کو.......... کہا جاتا تھا۔

⑦ جعفریہ کی تعمیر دو برس میں مکمل ہوئی اور متوکل.......... کو یہاں منتقل ہوا۔

⑧ مشرقی بغداد کا قدیم شاہی باغ.......... تھا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ ہارون الرشید کے دور میں.......... قاضی القضاۃ کے منصب پر رہے۔

(الف) عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ (ب) قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (ج) شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ

❷ مہدی کی مُہر کا نقش.......... تھا۔

(الف) اَللّٰہُ رَبِّیْ (ب) سَلِ اللّٰہَ یُعْطِیْکَ (ج) اَللّٰہُ ثقۃُ محمد وبہٖ یُؤمِن

❸ محکمہ.......... کو ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا۔

(الف) حِسبہ (ب) عدلیہ (ج) شرطہ

❹ .... حسابات کے ماہرین کا دفتر تھا جو ادارے کا مالی میزانیہ (آڈٹ رپورٹ) تیار کرتے تھے۔

(الف) دیوان الْجَھْبِذَہ (ب) بیت المال الخاصۃ (ج) دیوان النفقات

❺ .... پہلا خلیفہ تھا جس نے باقاعدہ ایک جامعہ کا تصور پیش کیا۔

(الف) طائع (ب) معتضد (ج) مستنجد

۶ ...... نے ''اُصُوْلُ الدِّین'' اور ''اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْفِرَق'' جیسی زندہ وجاوید کتب لکھیں

(الف) امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (ب) امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ

(ج) امام ابومنصور عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۷ ...... چھ سوفٹ لمبا اور چھ سوفٹ چوڑا تھا۔

(الف) قصر الذہب (ب) قصرِ خلد (ج) قصرِ مامون

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① مغربی بغداد میں معسکر (کینٹ ایریا) کا الگ بازار تھا جسے ''سوق السلاح'' کہا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② اہلِ بغداد جمعہ کے دن کا اس طرح اہتمام کرتے تھے کہ گویا یہ عید کا دن ہو۔ (صحیح)......(غلط)

③ وزیر علی بن عیسیٰ نے بغداد کے محلے ''کرخ'' میں اسلحہ خانہ قائم کیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ جعفریہ کی مرکزی شاہراہ نو میل طویل تھی اور اس کی چوڑائی تین سوفٹ تھی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں بغداد کے مستغلات کی آمدن تیرہ ہزار دینار سے زائد تھی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ بغدادی تہذیب کو اہلِ بغداد کی اصطلاح میں ''شرافت'' کہا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ مقتدر کے محل میں چار ہزار رومی اور تین ہزار حبشی خواجہ سرا تھے۔ (صحیح)......(غلط)

تیسرا سمسٹر

Unit:3.1

تا

Unit:3.16

معروضی سوالات

اسلامی اَندلُس اُموی دورِ حکومت میں (Unit:3.1)

خالی جگہ پر کیجیے:

① عبدالرحمٰن اوّل نے .... سال حکومت کی۔

② .... کو پچاس برس کی حکومت میں آرام وسکون اور فراغت کے صرف چودہ دن نصیب ہوئے۔

③ .... کے دور میں عربی کو اَندلُس کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔

④ الحکم اوّل نے .... سے ہزاروں غلام منگوا کر انہیں ماہر سپاہیوں میں بدل دیا۔

⑤ .... کے دور میں پادری یولوجیس نے نصرانیوں کو پیغمبرِ اسلام ﷺ کی توہین پر اُکسایا۔

⑥ ہشام الرضی کے دور میں حضرت امام .... رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی مہارت کا شہرہ ہر طرف پھیل چکا تھا۔

⑦ .... نے "جبل برشتر" کی چوٹی پر واقع ایک ناقابلِ تسخیر قلعے پر قبضہ کرلیا۔

⑧ عبدالرحمٰن ثانی کی حکمرانی سے قبل شمالی اَندلُس میں نصرانیوں کا ایک نیا شہر آباد ہوا جس کا نام .... تھا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... اُموی دور کے عظیم فرمانرواؤں میں سے آخری شخص تھا۔

(الف) منصورِ اعظم محمد بن ابی عامر (ب) عبدالملک المظفر (ج) الحکم ثانی

❷ منصورِ اعظم کی وفات شہر .... میں ہوئی۔

(الف) مدینہ سالم (ب) قرطبہ (ج) مالقہ

❸ .... کے تمام حسابات کی جانچ پڑتال خود کرتا تھا اور ایک پیسے کی کمی بیشی بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔

(الف) حکم ثانی (ب) عبدالرحمن الناصر (ج) محمد اوّل

❹ امیر عبداللہ کے زمانے میں سلطنت کی سالانہ آمدنی .... رہ گئی تھی۔

(الف) تین لاکھ دینار (ب) ایک لاکھ دینار (ج) پانچ لاکھ دینار

❺ قُسطَنطِینِیَہ کے قیصر .... نے عبدالرحمٰن الناصر سے مصالحانہ تعلقات کا آغاز کیا۔

(الف) پیٹر ششم (ب) جان چہارم (ج) قُسطَنطِین بن لیون

❻ عبدالملک نے فوج میں .... کی تعداد بڑھادی اور اس طاقت کے ساتھ نصرانی ریاستوں پر کئی حملے کیے۔

(الف) نصرانیوں　(ب) بربروں　(ج) عربوں

❼ .... کو ہزار ہا سپاہیوں کے نام اور کوائف یاد تھے۔

(الف) ہشام الرضی　(ب) ابن ابی عامر　(ج) عبدالرحمن اوّل

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ہشام الرضی کو ''کثیر الغزو والجہاد'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔　(صحیح)......(غلط)

② اَندلُس کے مشہور شہر ''مُرسِیَہ'' کی تعمیر عبدالرحمن اوّل نے کی۔　(صحیح)......(غلط)

③ حکم ثانی کا حافظہ ایسا تھا کہ وہ جو کچھ پڑھتا اسے ازبر ہو جاتا۔　(صحیح)......(غلط)

④ منصورِ اعظم نے خلیفہ ہشام کو کاروبارِ مملکت سے لاتعلق کردیا تھا۔　(صحیح)......(غلط)

⑤ امیر منذر بن محمد اپنے بھائیوں سے نفرت کرتا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔　(صحیح)......(غلط)

⑥ الحکم اوّل نے قاضی یحییٰ رحمہ اللہ سمیت سب مخالف علماء کو سرِ عام پھانسی دے دی۔　(صحیح)......(غلط)

⑦ کہا جاتا ہے کہ عبدالملک کو اُس کے سوتیلے بھائی عبدالرحمٰن (شانجول) نے زہر دیا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

برائے: اُمویانِ اَندلس، دورِ زوال (Unit:3.2)

خالی جگہ پر کیجئے:

① .... بالکل نااہل تھا۔ اس کا سارا وقت کھیل تماشے اور عیش و عشرت میں گزرتا تھا۔
② .... نے ابن نغرالہ نامی ایک یہودی کو وزیر بنا کر ملک کا نظام اس کے ہاتھوں میں دیا ہوا تھا۔
③ اشبیلیہ کا حکمران معتمد بن عباد نامور شاعر تھا اور اس کا وزیر .... بھی ایک چوٹی کا شاعر تھا۔
④ معتمد اپنی ملکہ .... کی معمولی سی خواہش پوری کرنے کے لیے خزانے کا منہ کھول دیتا۔
⑤ قاضی ابوالولید رحمہ اللہ نے علماء کا ایک وفد بھیج کر .... کو اندلس آمد کی دعوت دی۔
⑥ قسطالیہ کا نائٹ "السید قنبیطور" (ایل سِڈ کمپیڈور) ایک پیشہ ور .... تھا۔
⑦ ابن تومرت کے مرید زیادہ ہوگئے تو اس نے خود کو .... کے طور پر متعارف کرانا شروع کر دیا۔
⑧ جنگِ عقاب میں نصاریٰ کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی جبکہ موحدین .... سے کم نہ تھے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ عبدالرحمن شانجول .... میں ایک بغاوت میں مارا گیا۔
(الف) ۳۳۳ھ (ب) ۳۹۹ھ (ج) ۴۱۹ھ

❷ قرطبہ کے عمائد نے مقامی رئیس .... کی قیادت میں قرطبہ کی خلافتِ اُمویہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔
(الف) ابن جہور (ب) ابن عکاشہ (ج) ابن عباد

❸ محرم ۴۷۸ھ میں الفانسو ششم کی افواج .... پر قابض ہوگئیں۔
(الف) اشبیلیہ (ب) قرطبہ (ج) طُلَیطُلَہ

❹ .... نے نصاریٰ اور مسلمانوں کو متحدہ قوم قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ ان دونوں ملتوں کا سربراہ ہے۔
(الف) فرڈیننڈ سوئم (ب) الفانسو ششم (ج) شانجہ دوئم

❺ یوسف بن تاشفین کو .... کہا جاتا تھا۔
(الف) امیر المؤمنین (ب) سلطان المسلمین (ج) امیر المسلمین

❻ ابن تومرت نے..........کو نائب بنا کر ''امیر المؤمنین'' کا لقب دیا۔

(الف) عبدالمؤمن (ب) علی بن تاشفین (ج) ابو یوسف

❼ جنگِ عقاب میں شکست کے بعد چند سالوں میں کم وبیش.......... مسلمان اندلس چھوڑ گئے۔

(الف) دولاکھ (ب) دس لاکھ (ج) پانچ لاکھ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① اُموی شہزادہ محمد بن ہشام المہدی تخت پر بیٹھ کرمے نوشی اور معاصی میں منہمک ہوگیا۔ (صحیح)......(غلط)

② سلیمان مستعین باللہ کے بعد قرطبہ پر ایک ہاشمی گھرانے بنوحمود کے اُمراء قابض ہوگئے۔ (صحیح)......(غلط)

③ مرابطین عرب قبیلے ''لمتونہ'' سے تعلق رکھتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

④ ملوک الطوائف نے زلاقہ کی فتح سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ یوسف بن تاشفین نے یکم محرم ۵۰۰ھ (۱۴ ستمبر ۱۱۰۶ء) کو وفات پائی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ مرابطین کے زوال کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسلام پر عمل پیرا نہ تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ عبدالمؤمن نے پورے اسلامی اندلس کی بازیابی کی بڑی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: اُندَلُس صغریٰ (Unit:3.3)

خالی جگہ پر کیجئے:

① .... ارغون اور قسطالیہ کے انضمام سے نصرانیوں کی ایک بہت بڑی متحدہ طاقت وجود میں آگئی۔
② ابوالحسن نے فرڈی ننڈ کو جواب دیا: ''............ کی ٹکسال میں اب سکے نہیں، تلواریں تیار کی جاتی ہیں۔''
③ شعبان ۸۹۲ھ کے اواخر میں .... کی مزاحمت دم توڑ گئی۔
④ ٦ جنوری ۱۴۹۲ء کو ازابیلا اور فرڈی ننڈ پنجم .... میں داخل ہوئے۔
⑤ .... نے مورسکین کے ''ایمان'' کی آزمائش کے لیے تفتیشی ادارے اور عقوبت خانے قائم کیے۔
⑥ .... نے پندرہ سال کی عمر تک کے تمام مسلمان بچوں کو جبراً نصرانی مذہب پڑھانا لازم کر دیا۔
⑦ ترک جہاز رانوں نے اسپین کے لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ افراد کو .... کے ساحلوں تک پہنچایا۔
⑧ راہب بلیڈا نے بڑی خوشی سے بیان کیا کہ عربوں میں سے .... راستے میں قتل کر دیے گئے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... نے بغداد کے عباسی خلیفہ مستنصر باللہ سے سندِ حکومت بھی حاصل کر لی۔
(الف) ابن ہود (ب) ابن الاحمر (ج) ابوجمیل

❷ قرطبہ سے ہجرت کرنے والوں میں .... بھی تھے۔
(الف) ابوحیان الغرناطی (ب) عباس بن فرناس (ج) شمس الدین ابوعبداللہ القرطبی

❸ ۶۴۵ھ میں فرڈی ننڈ سوئم نے اِشبیلیہ کا محاصرہ کر لیا جو .... تک جاری رہا۔
(الف) پندرہ دن (ب) پندرہ ماہ (ج) پانچ ماہ

❹ ۲۷ صفر ۶۳۵ھ کو شاہ ارغون خائمی اوّل .... میں داخل ہو گیا اور یہاں سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔
(الف) اَلمریہ (ب) مُرسِیَہ (ج) بَلَنْسِیَہ

❺ .... کے دور میں غرناطہ اور قسطالیہ میں وفود اور تاجروں کا آنا جانا بکثرت ہو گیا۔
(الف) ابوعبداللہ محمد (ب) یوسف سوئم الناصر (ج) غنی باللہ

❻ ۸۹۰ھ میں ابوالحسن.................کو نیا سلطان مقرر کر کے کچھ دنوں بعد وفات پا گیا۔

(الف) ابوالقاسم (ب) ابوعبداللہ محمد (ج) محمد الزغل

❼ فلپ سوئم نے ۲۲ ستمبر ۱۶۰۹ء کو اعلان کر دیا کہ موریسکیوں کو.................کے اندر اسپین سے نکلنا ہوگا۔

(الف) تین دن (ب) تین ماہ (ج) تین سال

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ابن الاحمر نے موحدین کے سلطان ابویعقوب سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ (صحیح).......(غلط)

② جنگِ عقاب میں شکست کھا کر الناصر نے ایک نئی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ (صحیح).......(غلط)

③ ابوالولید کا بیٹا محمد چہارم جو اس کا جانشین بنا، نہایت بزدل تھا۔ (صحیح).......(غلط)

④ مرسیہ کی ریاستِ بنوہود کا بانی ابوعبداللہ محمد بن یوسف جسے ابن ہود کہا جاتا تھا۔ (صحیح).......(غلط)

⑤ مملکتِ غرناطہ کا رقبہ کوئی چالیس ہزار مربع میل تھا۔ (صحیح).......(غلط)

⑥ موسیٰ بن ابی الغسان کا نعرہ تھا: ''عرب گھڑ سواری اور نیزہ بازی کے لیے ہی پیدا ہوئے ہیں۔'' (صحیح).......(غلط)

⑦ عبداللہ بن ابیہ کو ایک غدار نے اسے قتل کر کے لاش غرناطہ پہنچا دی۔ (صحیح).......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: اسلامی اَندَلُس تہذیب وتمدن (Unit:3.4)

خالی جگہ پر کیجیے:

① جامع مسجد قرطبہ کا.......... خالص ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا۔
② عربوں اور نصرانی خواتین کے رشتوں سے پیدا شدہ مسلمان.......... کہلاتے تھے۔
③ لاطینی شاعرہ ''ہیروسوفیٹا'' نے اپنی ایک نظم میں قُرطُبہ کو.......... کہہ کر یاد کیا تھا۔
④ ''الزہراء'' کا سب سے خاص حصہ.......... تھا جس کی چھت سونے کی تھی۔
⑤ اسلامی اَندَلُس میں کسی عالم کی علم میں مہارت کا معیار یہ تھا کہ اسے.......... زبانی یاد ہو۔
⑥ زریاب نے نالیوں کی جگہ پائپ لائن سے پانی کی فراہمی کا طریقہ نکالا جس کی ابتداء.......... سے ہوئی۔
⑦.......... پہلا شخص تھا جس نے پرندوں کی طرح فضا میں پرواز کا تجربہ کیا۔
⑧ فرڈی ننڈ پنجم کے دور میں ۱۴۹۴ء سے ۱۵۰۸ء تک چالیس لاکھ.......... قتل کیے گئے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶.......... نے زراعت اور آب پاشی وسیرابی کے نظام کو عربوں سے سیکھا تھا۔
(الف) فرانسیسیوں (ب) جرمنوں (ج) انگریزوں

❷ اہلِ علم اپنی تصانیف کا پہلا نسخہ.......... کی خدمت میں روانہ کر دیا کرتے تھے۔
(الف) محمد بن ابی عامر (ب) الحکم اوّل (ج) الحکم ثانی

❸ عبدالرحمن الناصر کی وفات کے وقت خزانے میں محفوظ رقم.......... تھی۔
(الف) پچاس کروڑ اشرفیاں (ب) تیس ارب درہم (ج) پانچ ارب دینار

❹ اَندَلُس کے کسان جدید زرعی طریقوں پر عمل کر کے ایک سال میں.......... فصلیں کاٹتے تھے۔
(الف) چار چار (ب) تین تین (ج) دو دو

❺ اُموی دورِ عروج میں اسلامی اَندَلُس کی فوج لگ بھگ.......... پیشہ ور گھڑسوار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔
(الف) چالیس ہزار (ب) ایک لاکھ (ج) پچاس ہزار

⑥ کھانے میں چھری کانٹے کا استعمال اَندلُس کے مشہور مفکر.......... کی ایجاد ہے۔

(الف) ابن رشد (ب) عباس بن فرناس (ج) زریاب

⑦ الحکم ثانی کے کتب خانے میں موجود کتابوں کی فہرست.......... جلدوں پر مشتمل تھی۔

(الف) ۲۲ (ب) ۳۳ (ج) ۴۴

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① قرطبہ سے مدینۃ الزہراء تک دس میل طویل سڑک پر مسلسل آبادی تھی۔ (صحیح)......(غلط)

② اَندلُس کے مسلمانوں کی تعمیرات کو نصرانیوں نے جوں کا توں باقی رکھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ اَندلُس کے دیہاتوں میں تعلیم کا نظام اچھا نہیں تھا۔ (صحیح)......(غلط)

④ الزہراء کی تعمیر کے لئے سنگ مرمر افریقہ سے منگوایا گیا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ اَندلُس کے حکمران عموماً وزیر ایسی شخصیت کو بناتے تھے جو علمی کارناموں کی بناء پر مشہور رہو۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ علی بن نافع پہلا شخص تھا جس نے پتھر سے شیشہ بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ قسطالیہ اور نوار کے عیسائی بادشاہ قرطبہ میں علاج معالجے کے لیے آیا کرتے تھے۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے سلطنتِ عثمانیہ: ارطغرل سے بایزید یلدرم کی گرفتاری تک (Unit:3.5)

خالی جگہ پر کیجئے:

① سلطان علاؤالدین کیقباد نے ارطغرل کو......... کا جاگیردار بنادیا۔
② عثمان خان......... کی خانقاہ میں اکثر جاتا اور کبھی کبھی رات بھی وہیں گزارتا تھا۔
③ ۷۳۱ھ میں......... نے نصرانیوں کے تاریخی و مذہبی شہر "نیقیہ" پر بھی قبضہ کرلیا۔
④ جنگِ مارٹیزا کے بعد مراد خان نے یورپ میں مزید پیش قدمی کے لیے......... کو پایہ تخت بنالیا۔
⑤ یونانی کلیسا کے بطریق اعظم نے پوپ......... کو لکھا کہ مراد خان نے کلیسا کو مکمل آزادی بخشی ہے۔
⑥ بایزید نے پہلی بار ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں......... کا محاصرہ کیا۔
⑦ تیمور بغداد پہنچا اور......... کے دن شہر میں گھس کر وہاں قتلِ عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔
⑧ جنگِ انگورہ میں تیمور کے......... سپاہی مارے گئے تھے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... کے قریب دریائے فرات عبور کرتے ہوئے سلیمان شاہ ڈوب کر جاں بحق ہوگیا۔
(الف) حلب (ب) حمص (ج) دمشق

❷ .... میں علاؤالدین کیقباد اوّل فوت ہوگیا اور اُس کی سلطنت منگولوں کی باج گزار بن گئی۔
(الف) ۶۲۵ھ (ب) ۶۴۱ھ (ج) ۶۳۴ھ

❸ عثمان خان نے ۷۲۶ھ میں......... فتح کرلیا۔
(الف) بیلہ جک (ب) بورصہ (ج) ایڈریانوپل

❹ .... کو قرونِ وسطیٰ کی آخری صلیبی جنگ کہا جاتا ہے۔
(الف) جنگِ قصووہ (ب) جنگِ موہاکس (ج) معرکۂ نیکوپولس

❺ اُور خان نے اپنے بیٹے سلیمان پاشا کو......... کے مقام سے بحیرۂ مرمرہ عبور کرنے حکم دے دیا۔
(الف) چناق قلعے (ب) گولڈن ہارن (ج) درہ دانیال

❻ عثمانیوں نے بلغاریہ کے تاریخی شہر.............کو تین سال کے محاصرے کے بعد ۷۸۷ھ میں فتح کیا۔

(الف) بوڈاپسٹ　(ب) ویانا　(ج) صوفیہ

❼ سلطنتِ عثمانیہ میں ایشیائے کوچک کے مقبوضات کو.............کہا جاتا تھا۔

(الف) اناطولیہ　(ب) بابِ عالی　(ج) آستانہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① جنگِ قصووہ اوّل میں سلطان بایزید یلدرم نے نصرانیوں کو عبرتناک شکست دی۔ (صحیح)......(غلط)

② اُورخان کا بڑا بیٹا سلیمان اُس کی زندگی ہی میں گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ سلطنتِ عثمانیہ میں سمندر پار کے مقبوضات کو ''رومیلی'' کہا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

④ ارطغرل اپنے قبیلے کے چار ہزار گھرانوں کے ساتھ ''سکود'' جا کر آباد ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ جنگِ مارتیزا کے بعد کوہِ بلقان کے جنوب کا اکثر علاقہ سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ عثمان خان اس کے اخلاق دیکھ کر بورصہ کا نصرانی حاکم ''افرینوس'' مشرف باسلام ہو گیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ ۷۶۱ھ میں مراد خان نے قُسطَنطِینِیّہ سے ۹۵ میل دور واقع شہر ''سیواس'' فتح کر لیا۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

برائے سلطنتِ عثمانیہ: بایزید یلدرم کے جانشینوں سے بایزید ثانی تک (Unit:3.6)

خالی جگہ پر کیجیے:

① بایزید یلدرم کے بیٹے .... کا سلوک اپنی فوج سے اچھا نہیں تھا۔ وہ ماتحتوں کی تحقیر کا عادی تھا۔

② .... آخری عثمانی بادشاہ تھا جو بورصہ شہر میں پیوندِ خاک ہوا۔

③ جنگِ قصووہ دوئم ۱۷ اکتوبر .... کو لڑی گئی۔

④ قُسطنطینیہ کو بچانے کے لیے پوپ .... نے یورپی ممالک کو ترکوں کے خلاف جنگ کا حکم دے دیا۔

⑤ .... کو سلطنتِ عثمانیہ کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے۔

⑥ سلطان محمد فاتح نے عثمانی سلطنت جو آئین دیا تھا اُسے .... کہا جاتا تھا۔

⑦ بایزید ثانی کے آخری سالوں میں .... کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔

⑧ جمہوریہ وینس کو عرب تواریخ میں .... کہا جاتا ہے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... حافظِ قرآن تھا اور ۱۸ سال کی عمر سے تہجد کا عادی تھا۔

(الف) سلطان مراد ثانی (ب) سلطان محمد فاتح (ج) شہزادہ جمشید

❷ .... نے کئی محاذوں پر عثمانی افواج کو شکستیں دیں۔

(الف) قیصر قُسطنطین دوازدہم (ب) ڈریکولا (ج) ہونیاڈے جانس

❸ شہزادہ جمشید اور سلطان بایزید ثانی کی خانہ جنگی کے باعث .... فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔

(الف) ہنگری (ب) اٹلی (ج) یونان

❹ سلطان محمد فاتح نے جمادی الاولیٰ ۸۸۵ھ (جولائی ۱۴۸۰ء) میں .... کے لیے بحری لشکر روانہ کیا۔

(الف) روڈس (ب) وینس (ج) اٹلی

❺ .... نے قُسطنطینیہ کا دورہ کیا اور قیصر منویل ثانی اسے عثمانی سلطنت کی سرحد تک چھوڑنے آیا۔

(الف) محمد اوّل (ب) مراد ثانی (ج) بایزید ثانی

⑥ سلطان محمد فاتح کے قانون نامے میں سلطنت کو ایک.................. سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(الف) جزیرے (ب) خیمے (ج) قلعے

⑦ قانون نامے کے مطابق قانون سازی کا اصل مأخذ قرآن مجید تھا، اس کے بعد........... کا درجہ تھا۔

(الف) آثارِ صحابہ (ب) اجماع (ج) احادیثِ صحیحہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① شہزادہ جمشید سلطان محمد فاتح کی وفات کے وقت رومیلی کا حاکم تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② سلطان محمد فاتح نے "آیا صوفیہ" میں نماز ادا کی اور اس چرچ کو مسجد کی حیثیت دے دی۔ (صحیح)......(غلط)

③ اپنے آباء و اجداد کی بہ نسبت محمد اوّل کی یورپ سے جنگیں بہت معمولی ہوئی تھیں۔ (صحیح)......(غلط)

④ جزیرۂ سسلی کے حاکم ڈاسن نے شہزادہ جمشید کو یرغمال بنالیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ محمد فاتح نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے شیر خوار بھائی کو قتل کرا دیا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ بایزید یلدرم کا بیٹا موسیٰ قید میں اس کے ساتھ تھا۔ باپ کی لاش کی تدفین اسی نے کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ ۸۸۴ھ میں ڈریکولا عثمانیوں سے جنگ کے دوران ایک مجاہد کے ہاتھوں مارا گیا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے خلافتِ عثمانیہ: سلطان سلیم اوّل و سلطان سلیمان اعظم (Unit:3.7)

خالی جگہ پر کیجیے:

① سلطان .... ریاضی اور سائنس پر عبور رکھتا تھا۔
② .... نے سلطنتِ عثمانیہ کو تباہ کرنے کے لیے شاہانِ یورپ سے بھی گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔
③ ابراہیم پاشا نے ۱۵۳۴ء (۹۴۰ھ) میں بلا مزاحمت .... فتح کر لیا۔
④ جولائی ۱۵۴۶ء کو .... دنیا سے رخصت ہو گیا۔
⑤ سلیمانِ اعظم کی وفات کے وقت سپاہیوں کی تعداد .... تک پہنچ چکی تھی۔
⑥ سلیمانِ اعظم کا سب سے بڑا ہدف .... کی بالادستی کی روک تھام کرنا تھا۔
⑦ گجرات (ہندوستان) کا حکمران .... پرتگالی جہاز رانوں سے بہت پریشان تھا۔
⑧ سلیمانِ اعظم کے دور میں سلطنتِ عثمانیہ کے اضلاع کی تعداد .... تھی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ شاہ اسماعیل صفوی نے مصر کے سلطان .... کو سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بھڑکایا۔
(الف) طومان بائی (ب) اشرف برسبائی (ج) قانصوہ غوری

❷ سلیم اوّل اپنے آخری ایام میں .... پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔
(الف) اٹلی (ب) جزیرۂ روڈس (ج) جزیرۂ کریٹ

❸ سلیم اوّل کئی .... زبانوں کا ماہر تھا۔
(الف) یورپی (ب) مغربی (ج) ایشیائی

❹ ستمبر .... میں آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کا محاصرہ شروع ہوا۔
(الف) ۱۵۲۰ء (ب) ۱۵۲۵ء (ج) ۱۵۲۹ء

❺ سلیمان نے اسپین کے جابر بادشاہ .... کو بار بار شدید خفت و ہزیمت سے دوچار کیا۔
(الف) الفانسو ششم (ب) فرڈی ننڈ پنجم (ج) چارلس پنجم

❻ .... میں خیر الدین پاشا کے ساتھ ۱۲۲ بحری جہاز اور ۲۲ ہزار سپاہی تھے۔

(الف) معرکۂ پریویزا (ب) محاصرۂ ویانا (ج) جنگِ وینس

❼ سلیمانِ اعظم نے ینی چری فوج کی تعداد بڑھا کر .... تک پہنچادی۔

(الف) ایک لاکھ (ب) پچاس ہزار (ج) بارہ ہزار

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① جغرافیہ سلطان سلیم اوّل کا پسندیدہ مضمون تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② مارٹن لوتھر نے بت پرستی کی تائید کی اور مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری کو بڑھادیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ سلیم اوّل نے ۲۸ سالوں میں جو فتوحات حاصل کیں وہ ایک کرشمے سے کم نہیں۔ (صحیح)......(غلط)

④ سلیمانِ اعظم واقعات کو ایک ڈائری کی شکل میں تحریر کرنے کا عادی تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ عثمانی امراء نے ایک سو نئے جہاز تیار کر کے گجرات کی بحریہ کو مضبوط کردیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ شاہ اسماعیل صفوی نے اپنی والدہ حلیمہ کو سُنّی مذہب قبول کرنے کی ترغیب دی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ سلطان سلیم اوّل پڑھتے وقت نظر کا چشمہ لگاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

خلافتِ عثمانیہ: دورِ زوال، سلطان سلیم ثانی تا سلطان محمود ثانی (Unit:3.8)

خالی جگہ پر کیجیے:

① ملکہ کوسم .... سال تک سیاسی معاملات پر حاوی رہی۔
② سلطان .... نے ایران سے دو جنگیں لڑ کر تبریز سے بغداد تک کے علاقے واپس لے لیے۔
③ ۱۵۸۹ء میں ینی چری سپاہ نے قصرِ شاہی کا گھیراؤ کر کے .... کو سزائے موت دلوائی۔
④ "الماساة العثمانية" سے مراد سلطان .... کا قتل ہے۔
⑤ ینی چری کے خاتمے کے واقعے کو جدید ترکی کا سنگِ میل ہونے کے حوالے سے .... کہا جاتا ہے۔
⑥ صدرِ اعظم .... پہلا شخص تھا جس نے یورپ کی ترقی کے اسباب جاننے کی کوشش کی۔
⑦ رومانیہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے غم نے .... کو بستر پر ڈال دیا۔
⑧ نپولین کے مصر پر قبضے کے بعد سلطان .... نے اعلانِ جہاد کر دیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ سلیمان اعظم کا بڑا بیٹا .... اس کا ولی عہد تھا اور اپنی قابلیت کے باعث خاصا مقبول تھا۔

(الف) محمد (ب) بایزید (ج) مصطفیٰ

❷ ۱۵۷۱ء میں سلطنتِ عثمانیہ کو یورپ سے پہلی بڑی شکست .... کے محاذ پر ہوئی۔

(الف) کریٹ (ب) ویانا (ج) وارنا

❸ سلطان مراد رابع کے دور میں اس کی والدہ .... اُمورِ مملکت میں دخیل تھی۔

(الف) ملکہ صفیہ (ب) ملکہ کوسم سلطان (ج) ملکہ خرم

❹ میثاقِ کارلوفتس کو منسوخ کرانا .... کا بڑا کارنامہ تھا۔

(الف) سلطان محمود ثانی (ب) سلطان سلیم ثالث (ج) سلطان محمود اول

❺ ۱۶۸۰ء میں .... نے پیش قدمی کر کے سلطنتِ عثمانیہ کے صوبہ ہنگری کے پایۂ تخت بلغراد پر قبضہ کر لیا۔

(الف) روس (ب) آسٹریا (ج) وینس

❻ .... نے جبری طباعت (لیتھو پرنٹنگ) کا آغاز کیا اور پریس لگوائے۔

(الف) سلطان محمود اوّل (ب) سلطان عبدالحمید اوّل (ج) سلطان محمود ثانی

❼ ۱۷۹۸ء میں نپولین کے خلاف جنگ میں .... سلطنتِ عثمانیہ کا اتحادی بن گیا۔

(الف) اٹلی (ب) جرمنی (ج) برطانیہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① ملکہ خرم نے اپنے داماد رستم پاشا کو صدر اعظم بنوادیا۔ (صحیح)......(غلط)

② سلطان مراد رابع نے تقریباً سات سال حکومت کی۔ (صحیح)......(غلط)

③ سلیم ثانی دینی اقدار کو قائم رکھنے کے حوالے سے بہترین ثابت ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

④ محمد علی پاشا نے مصر میں خود مختاری حاصل کر کے شہنشاہ کا لقب اختیار کرلیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ سلطان عثمان ثانی کے قتل کے بعد سوا سال میں سات بار صدر اعظم کو تبدیل کیا گیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ ملکہ خدیجہ صدر اعظم محمد کوبرلو کی درخواست پر ملکی مفاد میں سیاست سے کنارہ کش ہوگئی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ سلطان محمود اوّل کے دور میں "شاہی مدرسہ طبیہ عسکریہ" نامی کالج قائم کیا گیا۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

سلطان عبدالمجید اوّل تا سلطان عبدالحمید ثانی (Unit:3.9)

خالی جگہ پر کیجیے:

① .... پہلا عثمانی حکمران تھا جس نے یورپ کا دورہ کیا۔

② .... نے ''جمعیۃ الترکیا الفتاۃ'' (جوانانِ ترک) قائم کی جس کی پشت پناہ فری میسن کر رہی تھی۔

③ سلطان عبدالعزیز نے فرانسیسی طرز کی پارلیمنٹ کی بنیاد ڈالی جسے .... کہا جاتا تھا۔

④ فری میسن نے .... کو پوری دنیا میں ترکوں کا بہترین مدبر اور قائد بنا کر پیش کیا۔

⑤ سلطان .... کو قتل کر کے یہ خبر پھیلا دی گئی کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔

⑥ .... نے کہا: ''عثمانیوں کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں روئے زمین سے بالکل مٹا دیا جائے۔

⑦ عالمی صہیونی تحریک کا بانی آسٹریا کا ایک صحافی .... تھا۔

⑧ سلطان عبدالحمید ثانی کو گرفتار کر کے .... بھیج دیا گیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ .... نے بظاہر سلطنتِ عثمانیہ کو بچا لیا مگر اب مغربی دنیا سلطنتِ عثمانیہ کے نظام پر اثر انداز ہونے لگی۔

(الف) میثاقِ پیرس (ب) میثاقِ برلن (ج) میثاقِ وارنا

❷ .... نے فری میسن کے تعاون سے جدت پسند ترک نوجوانوں کی تنظیم ''جمعیت الاتحاد والترقی'' قائم کی۔

(الف) نامق کمال (ب) مدحت پاشا (ج) فواد پاشا

❸ .... کے دور میں ترکی میں پہلا بینک کھولا گیا اور کاغذی نوٹ جاری کیے گئے۔

(الف) سلطان عبدالمجید اوّل (ب) سلطان عبدالحمید اوّل (ج) سلطان عبدالعزیز

❹ متحدہ قومیت کا پروگرام اسلامی خلافت کو .... کی طرف لے جانے لگا۔

(الف) استحکام (ب) عظمتِ رفتہ (ج) سیکولرازم

❺ سلطان عبدالحمید ثانی نے .... میں تیل سے مالا مال علاقوں میں اراضی کی خرید و فروخت پر پابندی لگا دی۔

(الف) ۱۹۰۴ء (ب) ۱۸۹۹ء (ج) ۱۸۸۳ء

❻ "مجلة الاحكام العدليه" ....تک سلطنتِ عثمانیہ میں شرعی قانون کے طور پر نافذ رہا۔

(الف)۱۹۰۹ء (ب)۱۹۲۸ء (ج)۱۹۱۸ء

❼ سلطان عبدالحمید ثانی نے ۱۹ مارچ.................کو سلطنتِ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی بار عام انتخابات کرائے۔

(الف)۱۸۹۹ء (ب)۱۸۶۶ء (ج)۱۸۷۷ء

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① سلطان عبدالحمید ثانی نے اپنی والدہ کو ملکی سیاسی امور میں مداخلت کی اجازت دے دی۔ (صحیح)......(غلط)

② سلطان عبدالحمید ثانی کی تحریک "الجامعۃ الاسلامیۃ" کا مقصد اُمت کو متحد کرنا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ سلطنتِ عثمانیہ معاہدۂ برلن کے باعث کئی یورپی اضلاع سے محروم ہوگئی۔ (صحیح)......(غلط)

④ سلطان عبدالحمید ثانی نے ۱۸۸۳ء میں خواتین کو بے پردہ پھرنے کی آزادی دے دی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ "مجلة الاحكام العدليه" کی تدوین سلطان عبدالعزیز کی عظیم نیکی ہے۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ دشمنوں نے ۱۹۰۵ء میں سلطان عبدالحمید ثانی کو بم دھماکے میں قتل کرنے کی کوشش کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ غدار افسران جنرل محمود شوکت کی قیادت میں استنبول میں گھس گئے۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

خلافتِ عثمانیہ، ترقی پسندوں کا دور (Unit:3.10)

خالی جگہ پر کیجیے:

① انور پاشا کہتا تھا: ''ہم نے ....کو نہیں پہچانا۔''
② ۱۹۱۲ء کے اواخر میں ....کی قیادت میں ۲۵ افراد پر مشتمل ایک طبی وفد ہندوستان سے ترکی پہنچا۔
③ ....نے جمعیت اتحاد وترقی کے تمام وزراء کو معزول کر دیا۔
④ جمعیت اتحاد وترقی کی حکومت نے چند سالوں میں قرضوں کا بوجھ ....ملین لیرے تک پہنچا دیا۔
⑤ ....لڑکپن سے اُن ملحد مفکرین کی کتب کا شیدائی تھا جو سلطنتِ عثمانیہ میں ممنوع تھیں۔
⑥ شیخ الہند مولانا محمد حسن رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کو جزیرہ ....میں قید رکھا گیا۔
⑦ مصطفیٰ کمال اور جنرل لیبنی کے خفیہ معاہدے کے مطابق ....ترک سپاہی ہتھیار ڈال کر قیدی بن گئے۔
⑧ ....۱۹۱۸ء کو اتحادی فوجیں درۂ دانیال اور استنبول سمیت ترکی کی اہم بندرگاہوں پر تعینات ہوگئیں۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ جمعیت اتحاد وترقی کی حکومت میں جاری کردہ سکے پر ....کی علامات نمایاں تھیں۔

(الف) فری میسن (ب) خلافتِ عثمانیہ (ج) قائی قبیلے

❷ ۱۹۱۲ء میں اطالوی افواج ....پر قابض ہوگئیں۔

(الف) مصر (ب) عراق (ج) طرابلس الغرب

❸ ....میں ترکی کے دستور کے وہ الفاظ حذف کر دیے گئے جو اسلام کو ملک کا سرکاری دین قرار دیتے تھے۔

(الف) ۱۹۲۴ء (ب) ۱۹۲۸ء (ج) ۱۹۳۰ء

❹ جنوری ۱۹۱۳ء میں ....نے جمعیت اتحاد وترقی کی جمہوری حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

(الف) مصطفیٰ کمال پاشا (ب) جنرل محمود شوکت (ج) انور پاشا

❺ ....۱۹۱۸ء کو خلیفہ رشاد (محمد خامس) کی وفات ہوگئی۔

(الف) ۳ جولائی (ب) ۳ فروری (ج) ۲۳ دسمبر

❻ خلیفہ وحید الدین کو معزول کر کے............ میں نظر بند کر دیا گیا۔

(الف) جزیرۂ سسلی (ب) جزیرۂ کریٹ (ج) جزیرۂ مالٹا

❼............ مصطفیٰ کمال کی عادات سے سخت نالاں تھا۔

(الف) انور پاشا (ب) خلیفہ وحید الدین (ج) خلیفہ رشاد

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① نامق کمال کے رسالے ''الوطن'' نے مصطفیٰ کمال کے جذبات کو متاثر کیا۔ (صحیح)......(غلط)

② مصطفیٰ کمال پاشا ایک سچا مسلمان اور ملک وملت کا خیر خواہ تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ ۱۹۱۸ء میں خلیفہ وحید الدین نے جمعیت اتحاد وترقی کی حکومت توڑ دی۔ (صحیح)......(غلط)

④ جمعیت اتحاد وترقی کی حکومت حقیقی جمہوریت قائم کرنے میں کامیاب رہی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ رجب طیب اردغان اپنی قومی خدمات کے باعث ترکوں میں نہایت مقبول ہیں۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ اکثر عثمانی سلاطین فقہ حنبلی کے پیروکار تھے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ ۱۹۶۰ء میں فوج نے بغاوت کر کے عدنان میندرس کی دس سالہ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: محمد بن قاسم سے غوری سلاطین تک (Unit:3.11)

خالی جگہ پر کیجیے:

① بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کا اصل نام............تھا۔
② چندر گپت کے پوتے............نے بدھ مذہب قبول کر لیا اور اس کی اشاعت میں سرگرم ہو گیا۔
③ محمد بن قاسم کے بعد سندھ میں............ھ تک بنو اُمیہ کی طرف سے کئی نائبین آئے۔
④ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ میں خود مختار حکومت قائم کر لی جو............کہلائی۔
⑤ سلطان............کی آخری مہمات ۴۱۸ھ میں سلجوقی قبائل اور قرامطیوں کے خلاف شروع ہوئیں۔
⑥ سومنات کی فتح کے بعد واپسی کے سفر میں سلطان نے راستہ تبدیل کر کے............کا رُخ کیا۔
⑦ ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں............پر غوریوں کے قبضے کے ساتھ ہی غزنوی خاندان کی حکومت ختم ہو گئی۔
⑧ شہاب الدین غوری کی شہادت جہلم کے قریب مندرہ میں اور تدفین............میں ہوئی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ سلطان محمود غزنوی نے فتح کے شکرانے میں............نامی ایک بڑی شاندار مسجد تعمیر کی۔
(الف) جامع غزنوی (ب) عروسِ فلک (ج) جامع محمودی

❷ ......میں سلطان غیاث الدین غوری فوت ہو گیا اور شہاب الدین غوری نے تخت سنبھال لیا۔
(الف) ۵۹۹ھ (ب) ۶۰۱ھ (ج) ۵۹۴ھ

❸ ۲۹۰ھ (۹۰۲ء) میں ملتان اور اس کے مضافات میں............کی حکومت قائم ہو گئی۔
(الف) بنو عبید (ب) بنو سامہ (ج) بنو زہرہ

❹ ....بہترین خطاط تھا اور ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کے ایک نسخے کی کتابت کرتا تھا۔
(الف) سلطان ابراہیم (ب) سلطان غیاث الدین غوری (ج) سلطان عبدالرشید

❺ فارسی کے مشہور شاعر حکیم سنائی رحمہ اللہ کی قبر............میں ہے۔
(الف) غزنی (ب) لاہور (ج) بلخ

❻ سلطان محمود غزنوی کی برصغیر میں پہلی مہم راجہ .... کے خلاف تھی جس نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔

(الف) بھیم دیو (ب) انند پال (ج) جے پال

❼ شہاب الدین غوری نے واپس جاتے ہوئے مفتوحہ علاقوں میں اپنے غلام .... کو نائب بنا دیا۔

(الف) تاج الدین (ب) ناصر الدین قباچہ (ج) قطب الدین ایبک

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① چانکیہ کی کتاب ''ارتھ شاستر'' کو برہمنی سیاسیات کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ (صحیح)......(غلط)

② سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی روداد خلیفہ القادر نے ایک تقریب میں سب کو سنوائی۔ (صحیح)......(غلط)

③ عز الدین حسین غزنوی کے سات بیٹوں کو ''ہفت آسمان'' کہا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

④ ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو شکستِ فاش دی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ سلطان غیاث الدین غوری نے ''عروس فلک'' نامی شاندار مسجد تعمیر کی۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ سلطان محمود غزنوی نے اپنے وفادار غلام قطب الدین ایبک کو لاہور کا حاکم مقرر کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ مشہور ادبی کتاب ''کلیلہ ودمنہ'' کا پہلا فارسی ترجمہ بہرام شاہ کے دور میں ہوا۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: سلاطینِ دہلی (Unit:3.12)

خالی جگہ پر کیجیے:

① اِلتتمش کے دربار میں حکم تھا کہ جس پر کوئی ظلم ہوا ہو وہ.......... کپڑا پہن کر آئے۔
② ....نے مظلوم خواتین کو انصاف دلانے کے لیے ایک الگ محکمہ قائم کیا۔
③ ....ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کے دو نسخے لکھتا اور ان کے ہدیے سے اپنی گزر بسر کرتا۔
④ چنگیز خان کا نواسا الغوخان سلطان..........کا حسنِ سلوک دیکھ کر اپنے لشکر سمیت مشرف با اسلام ہو گیا۔
⑤ ....کے دربار سے ۷۰ ہزار ہنر مند وابستہ تھے۔
⑥ تغلق دور میں عدلیہ کے اعلیٰ ترین منصب کو..........کہا جاتا تھا۔
⑦ ....کے حملے سے دہلی کی عظیم اسلامی سلطنت تباہ ہو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔
⑧ لودھی خاندان کا دور لگ بھگ..........سال رہا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ ....لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔
(الف) بہلول لودھی (ب) علاؤالدین خلجی (ج) قطب الدین ایبک

❷ رضیہ سلطانہ نے اپنے والد کی قائم کردہ درسگاہ..........کو ترقی دے کر ایک بڑا ادارہ بنا دیا۔
(الف) جامعہ دہلی (ب) جامعہ ناصریہ (ج) جامعہ اِلتتمش

❸ علاؤالدین کے رانی پدمنی سے معاشقے کا فرضی قصہ پہلی بار ایک تخیلاتی لوک نظم..........میں اختراع کیا گیا۔
(الف) مہابھارت (ب) رامائن (ج) پدماوت

❹ ....برصغیر کا وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے "کرنسی نوٹ" کا تصور پیش کیا۔
(الف) محمد تغلق (ب) غیاث الدین تغلق (ج) سکندر لودھی

❺ تیمور نے ہندوستان سے واپسی پر..........کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔
(الف) شاہ رخ مرزا (ب) سید خضر خان (ج) مبارک شاہ

❻ بعض اوقات............ سب کچھ فوج میں تقسیم کر دیتا اور خود خشک روٹی پر اکتفا کرتا۔
(الف) غیاث الدین تغلق (ب) بہلول لودھی (ج) ناصر الدین محمود

❼ .... نے آگرہ نامی چھوٹے سے گاؤں کو دار الحکومت بنا کر ایک عظیم الشان شہر میں بدل دیا۔
(الف) سکندر لودھی (ب) محمد تغلق (ج) جلال الدین خلجی

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① التتمش نے جلال الدین خوارزم شاہ کو منگولوں کے خلاف ایک بڑا لشکر فراہم کیا۔ (صحیح)......(غلط)

② ناصر الدین محمود کبھی سادہ کپڑے نہ پہنتا تھا۔ ہمیشہ شاہی لباس میں رہتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ علاؤ الدین خلجی کے دور میں چھوٹی بڑی ۸۴ جنگیں ہوئیں اور ہمیشہ اسے فتح نصیب ہوئی۔ (صحیح)......(غلط)

④ تغلق دور میں غلاموں کو روزانہ تین سیر گوشت مع بقدرِ ضرورت گھی اور مصالحہ دیا جاتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ جلال الدین خلجی اگرچہ کشادہ ظرف اور رحم دل تھا مگر بہادر نہ تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ سکندر لودھی رات کو اکثر بیدار رہتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ ابراہیم لودھی کو اپنے نائبین پر مکمل بھروسہ تھا۔ (صحیح)......(غلط)

❁❁❁

معروضی سوالات

برائے: برصغیر کی مغلیہ سلطنت (Unit:3.13)

خالی جگہ پر کیجیے:

① بابر نے اپنے حالات اپنی خودنوشت سوانح میں لکھے ہیں جس کا نام............... ہے۔
② چونسہ کی جنگ میں شکست کے بعد نظام نامی سقے نے ہمایوں کو دریائے............ میں ڈوبنے سے بچایا۔
③ شیر شاہ سوری کی شہادت راجہ کرت سنگھ کے مضبوط قلعے............ کو فتح کرنے کے دوران ہوئی۔
④ شیر شاہ سوری کا مقبرہ بہار کے ضلع............ میں ہے۔
⑤ اکبر کی حکومت مستحکم کرنے میں اس کے ایرانی اتالیق............ کا بڑا کردار تھا۔
⑥ جہانگیر کی ایرانی ملکہ نور جہاں کا اصل نام............ تھا۔
⑦ بابر کی تدفین اس کے پسندیدہ شہر............ میں ہوئی۔
⑧ اورنگ زیب عالمگیر نے............ سال تک حکومت کی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ شاہ جہاں نے مغل دربار میں سجدۂ تعظیمی کی جگہ............ کو رائج کیا۔
(الف) چہار تسلیم (ب) مسنون سلام (ج) دست بوسی
❷ اکبر کی ولادت سندھ کے قلعے............ میں ہوئی۔
(الف) رانی کوٹ (ب) عمر کوٹ (ج) کوٹ ڈیجی
❸ شیر شاہ سوری کا اصل نام............ تھا۔
(الف) فرید خان (ب) شیر خان (ج) اسلام خان
❹ .... پہلا حکمران تھا جس نے اردو کی بھرپور اشاعت کی۔
(الف) اورنگ زیب عالمگیر (ب) ہمایوں (ج) شاہ جہاں
❺ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ............ کے آگے زمین بوسی سے انکار کے باعث قید کر دیے گئے۔
(الف) اکبر (ب) داراشکوہ (ج) جہانگیر

❻ ہمایوں کا مقبرہ.................. کے کنارے ہے۔

(الف) دریائے برہم پتر (ب) دریائے گنگا (ج) دریائے جمنا

❼ .... کے ظلم وستم سے مسلمان تو کجا ہندو بھی محفوظ نہ تھے۔

(الف) شیواجی (ب) سنبھاجی (ج) ساہو

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① شیر شاہ دو تگڑے آدمیوں کو بغل میں دبا کر قلعے کی فصیل پر دوڑا کرتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

② ہمایوں کو پناہ دینے والے ایرانی بادشاہ کا نام شاہ عباس تھا۔ (صحیح)......(غلط)

③ اپنی حکومت کے استحکام کے بعد اکبر نے بیرم خان کو معزول کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

④ جہانگیر کے بیٹے خسرو نے اس کی سلطنت کی توسیع میں اہم کردار ادا کیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ شاہ جہاں تعمیرات کا ماہر تھا مگر اس کا خط اچھا نہ تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ دارا شکوہ پیروں فقیروں کے علاوہ پادریوں اور پنڈتوں پر بھی اعتقاد رکھتا تھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ عالمگیر نے حسن ابدال کو مرکز بنا کر خٹک قبائل کے خلاف فوجیں بھیجیں۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے: مغلوں کا دورِ زوال (Unit:3.14)

خالی جگہ پر کیجیے:

① عالمگیر کی وفات جنوبی ہندوستان کے صوبہ.......... میں ہوئی تھی۔

② تخت نشینی کے وقت فرخ سیر کی عمر.......... برس تھی۔

③ بہادر شاہ اوّل کے بعد سات سال میں.......... حکمران تبدیل ہوئے۔

④ عالمگیر ثانی کے دور میں وزیر.......... امورِ مملکت پر حاوی رہا۔

⑤ جون ۱۷۴۳ء میں.......... نے پچپن سال کے عمر میں دارِ فانی سے کوچ کیا۔

⑥ ۱۷۳۹ء میں.......... نے بنگال میں خود مختار حکومت قائم کر کے مرشد آباد کو اپنا دار الحکومت بنالیا۔

⑦ شاہ عالم کا مشیر.......... انگریزوں کا خاص کارندہ تھا۔

⑧ علمی محاذ پر تشیع کا مقابلہ کرنے کے لیے.......... نے "ازالۃ الخفاء" جیسی شاہکار تصنیف پیش کی۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ بہادر شاہ نے اذان اور جمعے کے خطبے کو.......... مذہب کے مطابق تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

(الف) شافعی (ب) حنبلی (ج) اثنا عشری

❷ فرخ سیر کے دور میں سکھوں نے.......... کی کمان میں شمالی پنجاب کو لوٹ مار کی آماجگاہ بنالیا۔

(الف) تیغ بہادر (ب) بابا بیراگی (ج) ہرگووند

❸ ۱۷۴۰ء میں نظام الملک کے نوجوان لڑکے.......... نے باجی راؤ کو عبرت ناک شکست دی۔

(الف) صلابت جنگ (ب) نظام علی خان (ج) ناصر جنگ

❹ فرخ آباد، بریلی، مراد آباد اور بدایوں ریاست.......... کے اہم شہر تھے۔

(الف) روہیل کھنڈ (ب) اودھ (ج) حیدر آباد دکن

❺ مغل بادشاہ شاہ عالم کا اصل نام.......... تھا۔

(الف) عالی گوہر (ب) بیدار بخت (ج) معظم شاہ

❻ اودھ کے نواب سعادت علی خان نے .... کو دہلی پر قبضہ کر کے وہاں کا خزانہ لوٹنے کی ترغیب دی۔

(الف) انگریزوں (ب) نادر شاہ درّانی (ج) باجی راؤ

❼ ساداتِ بارہ کے دور میں شرعی محکموں کا نگران ایک ہندو............ کو بنادیا گیا تھا۔

(الف) رتن چند (ب) مرازی لال (ج) کرشنا راؤ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① شاہ جہاں کے دور میں جاٹوں نے بغاوت کر کے متھرا کے حاکم مرشد علی خان کو قتل کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

② محمد شاہ نے نظام الملک کو کشمیر سے لاہور بلا کر وزارت کا عہدہ بخش دیا۔ (صحیح)......(غلط)

③ شاہ عالم کی حکومت کی مدت ۴۸ سال تھی۔ (صحیح)......(غلط)

④ سعادت علی خان نے اودھ کو خود مختار ریاست بنادیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ باجی راؤ پیشوا گجرات اور مالوہ سمیت کئی ریاستوں پر قبضہ کر کے دہلی کی طرف بڑھا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ نادر شاہ درانی دہلی سے ایران جاتے ہوئے تخت طاؤس اور کوہ نور ہیرا بھی ساتھ لے گیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ محمد شاہ کے بعد اس کے جانشین احمد شاہ تیموری نے سلطنت کی بڑی خدمت کی۔ (صحیح)......(غلط)

❀❀❀

معروضی سوالات

برائے: برصغیر برطانوی استعمار کے دور میں (Unit:3.15)

خالی جگہ پر کیجیے:

① پرتگال کے شہزادے .... نے سمندری راستوں کی تلاش کے لیے باقاعدہ ایک ادارہ قائم کیا۔

② ۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو بکسر کے مقام پر پچاس ہزار کا لشکر فقط .... ہزار انگریز سپاہیوں سے شکست کھا گیا۔

③ ۶ دسمبر ۱۷۸۲ء کو .... کے دیرینہ مرض کی وجہ سے نواب حیدر علی کی وفات ہوگئی۔

④ سلطان فتح علی ٹیپو نے سرنگاپٹم میں ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کرائی جسے .... کہا جاتا ہے۔

⑤ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان اب .... بن چکا ہے۔

⑥ سنہ .... میں سید احمد شہید کو شرعی امام اور خلیفہ تسلیم کرلیا گیا، آپ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی گئی۔

⑦ جنرل بخت خان نے بہادر شاہ ظفر کو مشورہ دیا کہ وہ اس کے ساتھ .... چلے۔

⑧ بہادر شاہ ظفر کو عمر قید اور جلاوطنی کی سزا سنا کر نومبر ۱۸۵۸ء میں برما کے شہر .... بھیج دیا گیا۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ اگست ۱۴۹۲ء میں مشہور جہاز ران .... مشرقی ملکوں کا راستہ ڈھونڈنے کے لیے نکلا۔
(الف) مارکو پولو (ب) واسکوڈے گاما (ج) کرسٹوفر کولمبس

❷ .... کی بیٹی جہاں آراء ایک انگریز ڈاکٹر "بائیڈن" کے علاج سے شفایاب ہوئی۔
(الف) جہانگیر (ب) شاہ جہاں (ج) عالمگیر

❸ "کٹرہ میران پور" کی تاریخی جنگ میں .... نے انگریزوں اور اودھ کے متحدہ لشکر کا مقابلہ کیا۔
(الف) غلام قادر روہیلہ (ب) نواب نجیب الدولہ (ج) حافظ رحمت خان

❹ ۱۷۸۵ء میں سلطان ٹیپو نے ترکی کے خلیفہ .... سے باہمی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔
(الف) سلیم ثالث (ب) محمود ثانی (ج) عبدالحمید ثانی

❺ دہلی میں .... کی برائے نام بادشاہی ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۷ء تک یعنی ۳۱ برس رہی۔
(الف) عالمگیر ثانی (ب) اکبر شاہ ثانی (ج) شاہ عالم ثانی

❻ سندھ پر مکمل قبضہ انگریز جنرل.............کی قیادت میں ہوا، جو سخت گیری اور بے رحمی میں مشہور تھا۔

(الف) لارڈ کارنوالس (ب) لارڈ کلائیو (ج) چارلس نیپئر

❼ ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو.............میں دیسی سپاہیوں نے مشتعل ہو کر کئی انگریز افسران کو قتل کر دیا۔

(الف) گورنر ہاؤس کلکتہ (ب) میرٹھ چھاؤنی (ج) دہلی شہر

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① پرتگالی کماندار البوکیرک نے مسلمانوں سے دوستی کر کے مرہٹہ ریاستوں پر حملے کیے۔ (صحیح)......(غلط)

② ابتدائی دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نفعے کی کم سے کم شرح سو سے دو سو فیصد تھی۔ (صحیح)......(غلط)

③ لارڈ کلائیو نے ہندوستانی حکمرانوں سے طے شدہ ضابطوں اور اصولوں کی پابندی کی۔ (صحیح)......(غلط)

④ ۱۷۳۷ء میں انگریزوں نے دوآبہ میں بھی اپنی ایک چھاؤنی قائم کر لی۔ (صحیح)......(غلط)

⑤ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کی شعلہ نوائی اور قائدانہ مہارت نے عوام کو لڑنے آمادہ کر دیا۔ (صحیح)......(غلط)

⑥ جنگ آزادی میں شرکت کے بعد مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تین ماہ تک روپوش رہے۔ (صحیح)......(غلط)

⑦ کمالیہ کے نواب احمد خان کھرل نے جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور شہید ہوئے۔ (صحیح)......(غلط)

معروضی سوالات

برائے برصغیر میں مسلم تہذیب وتمدن (Unit:3.16)

خالی جگہ پر کیجیے:

① .... ہر سال رعایا میں کپڑوں کے دو لاکھ جوڑے اور دس ہزار گھوڑے تقسیم کرتا تھا۔
② مغلیہ نظام میں وزیر مذہبی امور کو......... کہا جاتا تھا جو علماء و مشائخ کا نمائندہ ہوتا تھا۔
③ بابر کی بیٹی گلبدن بیگم کی تصنیف......... اس دور کی ایک مستند تاریخ ہے۔
④ شاہ جہاں نے......... کو دو مرتبہ روپیوں میں تلوایا۔
⑤ سلاطین دہلی کے دور میں بادشاہ کا خاص محافظ دستہ......... کہلاتا تھا۔
⑥ سلاطینِ دہلی کے نظام میں ضلع کو "شق" کہا جاتا تھا اور اس کا نگرانِ اعلیٰ......... کہلاتا تھا۔
⑦ عالمگیر کے ہاں دن میں......... فریادیوں کو حاضری کا موقع دیا جاتا تھا۔
⑧ قطب الدین ایبک کا بنوایا ہوا قطب مینار......... فٹ بلند ہے۔

درست جواب منتخب کریں:

❶ شمس الدین التمش نے دہلی کو پانی کی فراہمی کے لیے جو بڑا تالاب بنوایا تھا وہ......... کہلاتا تھا۔
(الف) حوضِ شاہی (ب) حوض شمسی (ج) حوض سجانی
❷ فیروز شاہ نے غریب خاندان کی لڑکیوں کی شادی کے لیے ایک محکمہ قائم کیا جسے......... کہا جاتا تھا۔
(الف) دار الکفالہ (ب) دیوانِ نساء (ج) دیوانِ خیرات
❸ نور جہاں نے دلہنوں کے لیے کم قیمت مگر خوبصورت لباس متعارف کرایا جسے......... کہا جاتا تھا۔
(الف) نور جہانی (ب) نور روزی (ج) نور محلی
❹ .... کے دور میں ایک ہنر مند نے نمازوں اور سحر و افطار کے اوقات بتانے والا گھڑیال ایجاد کیا۔
(الف) جلال الدین خلجی (ب) سکندر لودھی (ج) فیروز شاہ تغلق
❺ عالمگیر کے دور میں ٹھٹھہ میں علوم و فنون کے......... کالج تھے۔
(الف) چارسو (ب) ایک سو چودہ (ج) چالیس

● محمود غزنوی نے البیرونی کے لیے ———— میں ایک عظیم الشان رصدگاہ بنوائی تھی۔

(الف) غزنی (ب) پنڈ دادن خان (ج) لاہور

● شیر شاہ سوری سے پہلے ہندوستان کا سکہ ———— کہلاتا تھا۔

(الف) درہم (ب) روپیہ (ج) ٹنکہ

غلط یا درست بیانات کی نشاندہی کریں:

① شیر شاہ سوری کی بنگال سے پشاور تک تعمیر کردہ سڑک شاہراہ ریشم کے نام سے مشہور ہوئی۔ (صحیح)……(غلط)

② شقدار اور شقدار اراس اپنے ضلعے میں امن امان کے قیام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ (صحیح)……(غلط)

③ مغلیہ دور میں ہندوستان سے ۵۰۰ اقسام کا کپڑا برطانیہ برآمد کیا جاتا تھا۔ (صحیح)……(غلط)

④ سلطان محمود بیگڑا نے گجرات میں آم، انار، سیاسن اور گوار کے باغات لگوائے۔ (صحیح)……(غلط)

⑤ تاج محل شاہجہان اور اس کی ملکہ ارجمند بانو عرف ممتاز محل کا مزار ہے۔ (صحیح)……(غلط)

⑥ دہلی کی شاہی جامع مسجد عالمگیر نے تعمیر کروائی۔ (صحیح)……(غلط)

⑦ مغل دور میں ملکی آمدن کو ملازمین میں تقسیم کرنے والا منصب دار میر بخشی کہلاتا تھا۔ (صحیح)……(غلط)

یادداشت

0321-3135009 | 0321-2009870
almanhalpublisher@gmail.com
almanhalpublisher@hotmail.com
www.almanhalpublisher.com



تاریخ امت مسلمہ
تاریخ امت مسلمہ
تاریخ امت مسلمہ
سلطان صلاح الدین ایوبی
تاریخ افغانستان
1
داستان
ایمان فروشوں کی
نظریاتی جنگ کے محاذ
نظریاتی جنگ کے اصول
اصول الغزو الفکری
سلطان جلال الدین
اور
تاتاری یلغار